العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ

فتاوٰی رضویہ

۲۵

امام اہلسنّت مجدّدِ دین و مِلّت اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا خان قادری

رضا فاؤنڈیشن

لاہور، پاکستان

Contents

فتاوٰی رِضویّه

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۵

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ______۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء______۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام کتاب ____________ فتاوی رضویہ جلد ۲۵

تصنیف ____________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح ____________ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ، مولانا غلام حسین

باہتمام وسرپرستی ____________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت ____________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ____________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات ____________ ۶۵۸

اشاعت ____________ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ / ستمبر ۲۰۰۳ء

مطبع ____________

ناشر ____________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ____________

ملنے کے پتے

* رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۷۶۶۵۷۷۲ ۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰

*مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

*ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

*شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

پیش لفظ

الحمد للہ! اعلحضرت امام المسلمین مولانا شاہ احمد رضاخاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضافاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے جن میں بین الاقوامی معیار کے مطابق شائع ہونے والی مندرجہ ذیل عربی تصانیف خاص اہمیت کی حامل ہیں:

(۱) الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ (۱۳۲۳ھ)

مع الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ (۱۳۲۶ھ)

(۲) انباء الحی ان کلامہ المصون تبیانا لکل شیئ (۱۳۲۶ھ)

مع التعلیقات حاسم المفتری علی السید البری (۱۳۲۸ھ)

(۳) کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم (۱۳۲۴ھ)

(۴) صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین (۱۳۰۵ھ)

(۵) ہادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ (۱۳۱۴ھ)

(۶) الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ (۱۳۰۷ھ)

(۷) الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ (۱۳۲۴ھ)

(۸) حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین

مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کاآغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ /مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھااور بفضلہ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسول الکریم تقریبًا چودہ ۱۴ سال کے مختصر عرصہ میں پچیسویں جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔اس سے قبل شائع ہونے والی چوبیس جلدوں کی تفصیل سنین اشاعت، کتب وابواب، مجموعی صفحات، تعداد سوالات وجوابات اوران میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ـــــ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ـــــ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ـــــ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ـــــ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ـــــ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ـــــ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ـــــ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ـــــ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ـــــ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ـــــ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ـــــ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ـــــ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود وتعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ـــــ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (۱)	۳۳۹	۷	جمادی الاخرٰی ۱۴۱۹ ـــــ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲

۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰____________اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولٰی ۱۴۰۲____________ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰____________فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱____________جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲
۲۰	کتاب الشفعہ، کتاب القسمہ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید و الذبائح، کتاب الاضحیہ	۳۳۴	۳	صفر المظفر______۱۴۲۲____مئی ۲۰۰۱	۶۳۲
۲۱	کتاب الحظر والاباحۃ (حصہ اول)	۲۹۱	۹	ربیع الاوّل_____۱۴۲۳_____مئی ۲۰۰۲	۶۷۶
۲۲	کتاب الحظر والاباحۃ (حصہ دوم)	۲۴۱	۶	جمادی الاخری____۱۴۲۳____اگست ۲۰۰۲	۶۹۲
۲۳	کتاب الحظر والاباحۃ (حصہ سوم)	۴۰۹	۷	ذوالحجہ_____۱۴۲۳______فروری ۲۰۰۳	۷۶۸
۲۴	کتاب الحظر والاباحۃ	۲۸۴	۹	ذوالحجہ_____۱۴۲۳______فروری ۲۰۰۳	۷۲۰

فتاوٰی رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی ہے جو معروف و متداول فقہ و فتاوٰی میں مذکور ہے۔ رضا فاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہونے والی بیس جلدوں میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مگر فتاوٰی رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابواب فقہ سے عدم مطابقت کی وجہ سے محل نظر ہے۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرست اعلی محسن اہلسنت مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب اور دیگر اکابر علماء و مشائخ سے استشار و استفسار کے بعد اراکین ادارہ نے فیصلہ کیا کہ بیسویں جلد کے بعد والی جلدوں میں فتاوٰی رضویہ کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے بجائے ابواب فقہ کی

معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے، عام طور پر فقہ وفتاوٰی کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظر و الاباحۃ کاعنوان ذکر کیاجاتاہے اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیۃ پر ہوا لہٰذا اکیسویں جلد سے مسائل حضرواباحۃ کی اشاعت کاآغاز کیاگیا۔اس سلسلہ میں بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی تحقیق انیق کوانتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اس سے بھرپوراستفادہ اور راہنمائی حاصل کررہے ہیں۔

پچیسویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلدیاز دہم مطبوعہ المجدد احمد رضا اکیڈمی کراچی کے شروع سے آخرتک ۱۸۳سوالوں کے جوابات اور مجموعی طورپر ۶۵۸ صفحات پر مشتمل ہے۔اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کاترجمہ راقم الحروف نے کیاہے۔اس سے قبل گیارہویں، بارہویں، تیرہویں، سولہویں، سترہویں،اٹھارہویں،انیسویں اور بیسویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں۔

پیش نظر جلد بنیادی طورپر مندرجہ ذیل عنوانات کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے:

- کتاب المداینات
- کتاب الاشربہ
- کتاب الرھن
- باب القسم
- کتاب الوصایا

تاہم متعدد دیگر عنوانات سے متعلق کثیر مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں لہٰذامذکورہ بالابنیادی عنوانات کے تحت مندرج مسائل و رسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کردی گئی ہے، نیز اس جلد میں شامل مستقل ابواب سے متعلق مسائل اگر کہیں ایک دوسرے کے تحت ضمناً درج تھے توان کی فہرست ہم نے متعلقہ ابواب کی فہرست کے آخر میں بطور ضمیمہ ذکر کردی ہے تاکہ ان مسائل کی تلاش میں دقّت وابہام پیدانہ ہو۔انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تین رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱)حقہ المرجان لمھم حکم الدخان (۱۳۰۷ھ)

حقہ اور تمباکو نوشی کا حکم شرعی

(۲)الفقہ التسجیلی فی عجین النارجیلی (۱۳۱۸ھ)

تاڑی سے خمر شدہ آٹے کا شرعی حکم

(۳)الشرعیۃ البھیۃ فی تحدید الوصیۃ (۱۳۱۷ھ)

وصیت کی جامع ومانع تعریف اور اس کی اقسام کا بیان

نوٹ: رسالہ "المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر" فتاوی رضویہ قدیم جلد ہشتم (کتاب الاجارہ) اور جلد یازدہم (کتاب المداینات) دونوں میں شامل تھا۔ ہمارے خیال میں مقدم الذکر مقام ہی اس کے لئے انسب ہے، چنانچہ ہم نے اس کو فتاوٰی رضویہ جدید جلد۱۹ (کتاب الاجارہ) میں شامل اشاعت کردیا ہے لہٰذا اس جلد میں کتاب المداینات سے اس کو خارج کردیا ہے۔

حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات
جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
ستمبر ۲۰۰۳ء

فہرست مضامین مفصّل

مرتہن جب بلااذن راہن شے مرہون کو بیع کردے وہ بیع اجازت راہن پر موقوف ہے۔	۲۳۷	جو چیز کسی کے پاس رہن ہے اگر مالک اجارہ پر دے تو اجازت مرتہن پر موقوف ہے۔	۲۴۷
زید کو شیئ مرہون سے نفع اٹھانا بہ اجازت راہن جائز ہے یانہیں۔	۲۳۹	راہن نے اگر مرتہن کو قبضہ نہ دلایا تو رہن ناقص ہے۔	۲۴۸
رہن کی زمین جو تنا اس سے نفع لینا حرام ہے۔	۲۴۰	قاضی کو ناتمام عقد کو جبراً تمام کرانے کا حق نہیں۔	۲۴۸
منافع وصول شدہ از رہن زر رہن میں محسوب ہوسکتے ہیں یانہیں۔	۲۴۰	شے مرہون کو کرایہ پر اٹھانے سے رہن باطل ہو جاتا ہے۔	۲۴۹
راہن کا مرتہن کو منافع بخش دینا غلط ہے۔	۲۴۳	رہن اس شرط پر رکھا کہ اگر ایک ماہ تک فک نہ کراؤں تو اس کو بیع سمجھنا اور زرِ رہن کو زرِ ثمن۔	۲۴۹
معدوم کا ہبہ باطل ہے۔	۲۴۳	رہن کی مدت مقررہ گزر جانے پر بھی اگر راہن نے نہ چھوڑا تو مرتہن کو اس سے نفع جائز نہیں۔	۲۵۳
دکان اس شرط پر لینا کہ جو کچھ اس پر خرچ ہوگا کروں گا منافع بھی لوں گا اور جب میرا روپیہ واپس ہوگا تو دکان مدت معینہ گزرنے پر چھوڑ دوں گا۔	۲۴۴	راہن نے اپنا مکان رہن رکھا اور بدستور اس میں سکونت پذیر بھی ہے اور اس کے کرایہ دار بھی اپنی جگہ پر ہیں تو یہ رہن ہی تام نہیں ہوا۔	۲۵۳
عوام کو یہ حکم ہے کہ علمائے معتمدین کے فتوی پر عمل کریں نہ کہ ہر کس و ناکس کے۔	۲۴۴	رہن دخلی سود ہے۔	۲۵۳
اگر جان کر کسی نام کے مولوی سے فتوی پوچھا اس نے غلط بتایا تو بتانے والے کے ساتھ یہ پوچھنے والا بھی گنہگار ہے۔	۲۴۴	شیئ مرہون کا راہن کو کرایہ پر دینا بھی سود ہے۔	۲۵۳
رہن و اجارہ دو مختلف عقد ہیں۔	۲۴۶	ہنود سے رہن دخلی لینا اور اس سے منافع حاصل کرنا جائز ہے مگر نیت یہ نہ ہو کہ اپنے قرض سے نفع لیتا ہے بلکہ اس کے مال پر اس کی رضا سے قبضہ کی نیت کرے۔	۲۵۴
رہن بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔	۲۴۷	رہن زمین میں اگر یہ نیت کرے کہ دخیل کار سے اتنے دنوں کے لئے مل گئی ہے اور ہم نے مالک سے اجازت لے کر کاشت کی ہے تو اس کا نفع حلال ہے۔	۲۵۴

فہرست ضمنی مسائل

جامد چیزوں میں کثیر مسکر حرام ہے۔	۲۰۶	یتیم خانہ میں دئے گئے کپڑے اگر بیکار ہوں توان کو درست کراکے استعمال کرانا یا اس کو فروخت کرکے مصرفِ یتامٰی میں لانا درست ہے۔	۴۳۴
بھنگ اور افیون کا نشہ حرام مگر یہ نجس نہیں۔	۲۰۷	جو مصاحف وقف یتیم خانہ میں ضرورت سے زائد ہوں ان کو ہدیہ کرکے خرچ کر سکتے ہیں۔	۴۳۴
حرام کرنا اور اس کی رائے دینا دونوں حرام ہے۔	۲۰۸	یتیم خانہ کے چندہ سے یتیموں کا ختنہ اور یتیم بچیوں کی شادی میں معمولی طور پر خرچ کر سکتے ہیں۔	۴۳۵
خالص پانی بھی دَورِ شراب کی طرح پینا منع ہے۔	۲۱۳	متفرقات	
زرِ خبیث کو اپنے صرف میں نہ لائے اس لئے کہ یہ مانع اجابت دعا ہے۔	۲۲۷	یہ خیال کہ روزِ قیامت حقہ پینے والے سے حضور رُوئے انور پھیر لیں گے، محض افترا ہے۔	۲۱۰
عوام کو یہ حکم ہے کہ علمائے معتمدین کے فتوی پر عمل کریں نہ کہ ہر کس و ناکس کے۔	۲۴۴	دکان اس شرط پر لینا کہ جو کچھ اس پر خرچ ہوگا کروں گا منافع بھی لوں گا اور جب میرا روپیہ واپس ہوگا تو دکان مدت معینہ گزرنے پر چھوڑ دوں گا۔	۲۴۴
مواضعات کا دخلی رہن جس کا آج کل رواج ہے محض حرام ہے۔	۲۷۸	عوام اور آج کل کے قانون دان نرے تلفظ یا کاغذ کی تحریر کو قبضہ سمجھتے ہیں یہ غلط ہے۔	۲۸۴
جھوٹی بات پر قرآن مجید کی قسم کھانا یا اٹھانا سخت عظیم گناہ ہے اور سچی بات پر بلا ضرورت نہ چاہئے۔	۳۰۳	مجرد رجسٹری یا کوئی تحریر کوئی چیز نہیں جب تک گواہان سے ثابت نہ ہو۔	۵۰۳
دعوت کا کھانا بر سبیل اباحت ہوتا ہے بغیر اذن مالک اس میں تصرف جائز نہیں۔	۳۶۲	درمختار میں ہے کہ زوجین پر رد نہیں اور جور دعلی الزوجین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس میں کلام ہے۔	۶۱۷

کتاب المداینات

(مداینات کا بیان)

مسئلہ ۱: ازاوجین مکان میر خادم علی صاحب اسٹیٹ مرسلہ ملا حاجی یعقوب علی خاں ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین عظّام شرع نبی، اس مسئلہ میں، کہ ہندو کفّار سے کسی اہل اسلام نے قرضی لیا تھا، اور قضاء عنداللہ وہ قرضخواہ واصل جہنم ہوا اور اس کا کوئی ورثہ باقی نہیں تو اس کے قرضہ کے ادا کی کیا صورت ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

جو شخص مرجائے اور کوئی وارث نہ چھوڑے نہ کسی کے نام وصیت کی ہو تو اس کے مال کا مستحق بیت المال ہے اور بیت المال کے ایسے مال کے مستحق مذہب جمہور پر فقراء مساکین عاجزین ہیں کہ ان کے کھانے پینے، دوادارُو، کفن دفن میں صرف کیا جائے۔ درمختار میں ہے:

ورابعها الضوائع مثلا مالا یکون له اناس وارثونا [1]۔	اوران میں چہارم ضوائع (گری پڑی اشیاء) ہیں مثلًا وہ شیئ جس کا لوگوں میں سے کوئی وارث نہ ہو۔(ت)

[1] الدرالمختار کتاب الزکوٰۃ باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۰

ردالمحتار میں ہے:

الضوائع اللقطات مثل مالا ای مثل ترکۃ لاوارث لہا اصلا، اولہا وارث لایرد علیہ، فمصرفہ المشہور اللقیط الفقیر والفقراء الذین لااولیاء لہم فیعطی منہ نفقتہم وادویتہم وکفنہم وعقل جنایتہم کما فی الزیلعی وغیرہ وحاصلہ ان مصرفہ العاجزون الفقراء[1] اھ ملتقطا۔	ضوائع یعنی لقطے (گری پڑی اشیاء) پس ماتن کا قول "مثل مالا" یعنی اس ترکہ کی مثل جس کا سرے سے کوئی وارث نہ ہو یا ایسا وارث ہو جس پر (بچا ہوا ترکہ) رَد نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ اس کا مشہور مصرف وہ لقیط ہے جو محتاج ہو اور وہ فقراء ہیں جن کے لئے کوئی ولی نہ ہوں، اس میں سے ان کو خرچہ، دوائیں کفن کے اخراجات اور جنایات کی دیتیں دی جائیں گی جیسا کہ زیلعی وغیرہ میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کا مصرف عاجز فقراء ہیں اھ التقاطًا۔ (ت)

اور یہ حکم جیسا مال مسلم کے لئے ہے یونہی مال کافر کے لئے بھی، عالمگیری میں ہے:

من مات من اھل الذمۃ ولاوارث لہ فمالہ لبیت المال کذا فی الاختیار شرح المختار۔[2]	ذمیوں میں سے کوئی مرگیا اور اس کا کوئی وارث نہیں تو اس کا مال بیت المال میں رکھا جائے گا۔ اختیار شرح مختار میں یونہی ہے۔ (ت)

پس ایسی صورت میں وہ مال فقراء کو دے دے نہ اس نیت سے کہ اس صدقہ کا ثواب اس کافر کو پہنچے کہ کافر اصلًا اہل ثواب نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ خبیث مرگیا اور موت مزیل ملک ہے تو اب وہ اس کا مالک نہ رہا بلکہ حق بیت المال ہوا تو فقراء کو بذریعہ استحقاق مذکور دیا جاتا ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲: از بنارس محلّہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب ۲۵ رجب المرجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ابقاہم اللہ تعالٰی الٰی یوم الدین، اس میں کہ زید اکبرآباد سے چل کر شب کو تین بجے دہلی کے اسٹیشن پر اُترا اور وہاں سے تین آنے کرایہ کو ایک

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۸

[2] الفتاوی الھندیۃ کتاب الفرائض الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۵۴

گاڑی کے سرائے میں آیا اور وہاں آکر گاڑی بان کو کرایہ دینے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا تو پیسے نہ تھے گاڑی بان سے کہا کہ صبح کو آن لے لینا، اس نے کہا اچھا، زید صبح کو دس بجے تک اسٹیشن پر گاڑی بان کا منتظر رہا وہ نہ آیا بعد دس بجے کے زید شہر میں اپنا کام کرنے کو چلا گیا اپنے سب کام سے فارغ ہو کر شام کی گاڑی میں سوار ہو کر اپنے گھر چلا آیا وہ گاڑی بان کا کرایہ اس کے ذمے رہے گا تو اس کو زید کب کیسے ادا کرے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اسٹیشن پر جانے والی گاڑیاں اگر کوئی مانع قوی نہ ہو تو ہر گاڑی کہ آمد ورفت پر ضرور آتی جاتی ہیں۔ اگر زید اسٹیشن پر تلاش کرتا ملنا آسان تھا اب بھی خود یا بذریعہ کسی متدیّن معتمد کے تلاش کرائے اگر ملے دے دیئے جائیں، ورنہ جب یاس وناامیدی ہو جائے اس کی طرف سے تصدّق کردے اگر پھر بھی وہ ملے اور اس تصدّق پر راضی نہ ہو تو اسے اپنے پاس سے دے،

کماھو شان اللقطۃ وسائر الضوائع۔	جیسا کہ لقطہ اور دیگر گری پڑی اشیاء کا حال ہوتا ہے۔ (ت)

تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

(علیہ دیون ومظالم جھل اربابھا وَلیس) من علیہ ذالک (من معرفتھم فعلیہ التصدق بقدرھا من مالہ وان استغرقت جمیع مالہ) ھذا مذھب اصحابنا لانعلم بینھم خلافا کمن فی یدہ عروض لم یعلم مستحقیھا اعتبارا للدیون بالاعیان (و) متی فعل ذٰلک (سقط عنہ المطالبۃ من اصحاب الدیون (فی العقبی)[1] مجتبٰی	اس پر قرض اور مظالم ہیں جن کے مالکوں کا پتہ نہیں اور وہ مقروض ان مالکوں کی معرفت سے ناامید ہو چکا ہے تو اس پر ان قرضوں کے برابر اپنے مال سے صدقہ کرنا ضروری ہے اگرچہ اس کا سارا مال اس میں ختم ہو جائے، ہمارے ائمہ کا یہی مذہب ہے۔ ہمارے علم میں ان کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ جیسے کسی شخص کے پاس ایسا سامان ہو جس کے مستحقین معلوم نہیں قرضوں کو اجناس پر قیاس کرتے ہوئے، اور جب اس نے ایسا کردیا یعنی صدقہ کردیا تو آخرت میں اصحاب دیون کی طرف سے اس پر سے مطالبہ ساقط ہو گیا۔ (ت)

[1] الدرالمختار کتاب اللقطۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۶

انہیں میں ہے:

(فان جاء مالکھا) بعد التصدق (خیّر بین اجازۃ فعلہ ولو بعد ھلاکھا) ولہ ثوابھا (او تضمینہ)[1] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اگر صدقہ کردینے کے بعد مالک آگیا تو اس کو اختیار دیا جائے گا کہ چاہے صدقہ کرنے والے کے فعل کو جائز قرار دے اگرچہ اجازت لقطہ کی ہلاکت کے بعد ہو اس کا ثواب مالک کو ملے گا اور اگر چاہے تو اس کو ضامن ٹھہرائے۔(ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳: ازبنارس محلّہ کندی گڈھ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور ۵ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید صاحب علاقہ وجائداد اپناایک موضع جس میں گودام بیل اس کے متعلق مکانات وبنگہ واصطبل وگاڑی خانہ وغیرہ تھے وقدرے اپنے دوسرے موضع سے بعوض چھ ہزارروپے کے بدست عمرو بیع میعادی مدت دس سال کی کرتاہے اور خالد عم زادہ زید جس کاکاروبارسب زید سے علیحدہ عمرو مشتری سے یہ شرط کرتاہے کہ بیع میعادی کرلو سارا انتظام اس موضع کا ہم بطور ٹھیکہ دار کے کریں گے فقط تم کو نفع دوسوپچاس روپے سالانہ دیا کریں گے اورمابقے بعد ادائے مال گزاری سرکار ودیگر مصارف ہم لیں گے ہم اس کے ذمہ دار ہیں اور کسی امر سے تم کو تعلق نہ رہے گا ووقت انقضائے میعاد فورًا تمہارا روپیہ ادا کردیا جائے گا اور اندر میعاد تم اپنا روپیہ چاہوگے تو قبل چندماہ ہم کو اطلاع دیناکہ ہم یعنی زید روپیہ واپس کردیں گے اور اگر اندرمیعاد ہم کو روپیہ مہیا ہوجائے گا توہم دے کر اپنی جائداد واپس لیں گے اور کسی نوع کی مداخلت تم کو حاصل نہ رہے گی یہ قول خالد ٹھیکہ دار کا ہے اگر عمرو شرط مذکور کے ساتھ معاملہ کرلے تو جائز ہوگا یانہیں؟ درصوت عدم جواز کے کس طور سے معاملہ مذکور تو جائز ہوسکتا ہے؟

الجواب:

یہ صورت بیع وفا کی ہے اور بیع وفامذہب محقق ومنقح میں عین رہن ہے۔

فی ردالمحتار قدمنا اٰنفا عن جواھر الفتاوٰی انہ الصحیح قال فی الخیریۃ والذی علیہ الاکثر	ردالمحتار میں ہے ابھی ابھی ہم جواہر الفتاوٰی کے حوالے سے بیان کرچکے ہیں کہ یہ صحیح ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے اکثر علماء کاموقف یہ ہے کہ

[1] الدرالمختار کتاب اللقطۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۵

انه رهن لايفترق عن الرهن فی حكم من الاحكام قال السيد امام قلت للامام ابی الحسن الماتريدی قد فشاهذا البيع بين الناس وفيه مفسدة عظيمة وفتواك انه رهن وانا ايضاً علٰی ذٰلك فالصّواب ان نجمع الائمة ونتفق علٰی هذا ونظهره بين الناس فقال المعتبر اليوم فتوانا وقدظهرذلك بين الناس فمن خالفنافليبرز نفسه وليقم دليله[1] الخ۔	یہ رہن ہے اور کسی حکم میں یہ رہن سے مختلف نہیں ہے۔ سید امام نے فرمایا میں نے ابوالحسن ماتریدی سے کہاکہ یہ بیع لوگوں میں پھیل گئی ہےاوراس میں فساد عظیم ہے جبکہ آپ کافتوٰی ہے کہ یہ رہن ہے اور میں بھی اسی پر قائم ہوں۔ چنانچہ درست بات یہ ہے کہ ہم ائمہ کواس پر جمع کرکے متفق ہوں اور اس کو لوگوں میں ظاہر کریں، توانھوں نے فرمایاکہ اس وقت ہمارافتوٰی معتبر ہے اور وہی لوگوں میں ظاہر ہے توجو ہماری مخالفت کرے وہ اپنا مؤقف ظاہر کرے اور اس پر دلیل قائم کرے الخ(ت)

اور رہن میں کسی طرح کے نفع کی شرط بلاشبہہ حرام اور خالص سود ہے بلکہ ان دیار میں مرتہن کامرہون سے انتفاع بلاشرط بھی حقیقۃً بحکم عرف انتفاع بالشرط ربائے محض ہے۔

قال الشامی، قال ط قلت والغالب من احوال الناس انهم انمايريدون عندالدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط وهو مايعين المنع۔[2]	شامی نے کہاکہ ط نے فرمایا میں کہتاہوں غالب حال لوگوں کا یہ ہے کہ وہ رہن سے نفع کاارادہ رکھتے ہیں اگر یہ توقع نہ ہوتو قرض ہی نہ دیں اور یہ بمنزلہ شرط کے ہے کیونکہ معروف مشروط کے حکم میں ہوتاہے۔یہ بات عدم جواز کو متعین کرتی ہے۔(ت)

بالجملہ جبکہ دیہات اس بیع بے معنی کے سبب ملک زید سے نہ نکلے توعمرو کو ان کی توفیر سے کسی جز کااستحقاق نہیں، نہ وہ ملک غیر کواجارہ پر دے سکتاہے، نہ رہن واجارہ ہر گز جمع ہو سکتے ہیں، نہ یہ صورت اجارہ دیہات کہ ان بلاد میں جاری جس کاحاصل اجارہ توفیر ومحاصل ہوتاہے نہ اجارہ زمین کہ وہ تواجارہ مزارعین زمین ہے، کسی طرح صورت جواز نہیں رکھتی ہے كماحققناه بتوفيق الله تعالٰی

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۴۶

[2] ردالمحتار کتاب الرهن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۱۱

فی فتاوٰنا (جیسا کہ اس کی تحقیق ہم اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہم اپنے فتاوٰی میں کرچکے ہیں۔ت) غرض یہ حیلہ باطلہ اصلاً بکارآمد نہیں، ہاں اس کی صورتوں میں ایک صورت یہ ہے کہ مثلاً زید چھ ہزار روپے عمرو سے دس سال کے وعدے پر لیا چاہتا ہے اور عمرو ڈھائی سو روپے سال نفع کا خواستگار ہے تو زید اپنی کوئی شے عمرو کے ہاتھ چھ ہزار روپے نقد کو بیچے اور عمرو روپے ادا کرکے شے بیع پر قبضہ کرلے اس وقت تک کوئی ذکر وشرط درمیان نہ ہو اس بیع کو صرف زبانی طور پر بجالائیں بلکہ حقیقتاً بیع مقصود ہو۔ پھر عمرو وہی شے زید کے ہاتھ آٹھ ہزار پانسو روپے بوعدہ دہ سال فروخت کرے، یہ زیادت کہ ایک بیع صحیح میں بتراضی طرفین ہوئی حلال وروا ہے۔ فتاوٰی امام اجل قاضی خان میں ہے:

رجل له علی رجل عشرة دراھم فاراد ان یجعلها ثلٰثة عشر الٰی اجل قالوا یشتری من المدیون شیئا بتلك العشرة ویقبض المبیعثم یبیع من المدیون بثلٰثة عشر الی سنة فیقع التجوز عن الحرام ومثل ھذا مروی عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انه امر بذٰلك رجل طلب من رجل دراھم لیقرضه بَدِہ دَوَازدہ فوضع المستقرض متاعا بین یدی المقرض فیقول للمقرض بعت منك ھذا المتاع بمائة درھم فیشتری المقرض ویدفع الیه الدراھم ویاخذ المتاع ثم یقول المستقرض بعنی ھذا المتاع بمائة و عشرین فیبیعه لیحصل للمستقرض مائة درھم و یعود الیه متاعه ویجب للمقرض علیه مائة و عشرون درھما[1] الخ۔	ایک شخص کے دوسرے پر دس درہم قرض ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد وہ تیرہ درھم ہوجائیں تو علماء نے کہا کہ وہ مقروض سے انہی دس درھموں میں کوئی شے خریدے اور اس کو اپنے قبضہ میں لے کر پھر تیرہ درھم کے عوض ایک سال کے ادھار پر مدیون کے ہاتھ فروخت کردے، تو اس طرح حرام سے اجتناب واقع ہوجائے گا اسی کی مثل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا: ایک شخص نے دوسرے سے دس درھم قرض مانگا اس شرط پر کہ وہ بارہ درھم واپس کرے گا تو قرض خواہ اپنی کوئی چیز قرض دہندہ کے سامنے رکھ کر کہے کہ میں نے یہ چیز سَو درھم کے عوض تمہارے ہاتھ فروخت کی۔ قرض دہندہ اس کو خرید کر سو درھم ادا کردے اور وہ چیز اپنے قبضہ میں لے لے۔ پھر قرض خواہ کہے کہ یہ چیز تو میرے ہاتھ ایک سو بیس درھم میں فروخت کردے تاکہ قرضخواہ کو سو درھم بھی مل جائیں اور اس کا سامان بھی اس کے پاس لوٹ آئے اور قرض دہندہ کے لئے اس پر ایک سو بیس

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیع فصل فیما یکون فرارًا عن الربو نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۶

	درھم واجب ہو جائیں الخ۔(ت)

پھر اگر زید میعاد کے اندر زرِ اصل یعنی چھ ہزار روپے ادا کرے گا تو بحساب دو سو پچاس روپے سالانہ اس وقت تک جتنا لازم ہوا ہوگا اسی قدر ادا کرنا ہوگا مثلاً پانچ برس میں روپے ادا کردیئے تو صرف ساڑھے بارہ سو زیادہ ہوں گے اور دو برس میں تو فقط پانچ سو اور چھ مہینے میں تو صرف سوا سو علٰی ھذا القیاس، تنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

قضی المدیون الدین المؤجل قبل الحلول اومات فحل بموته فاخذ من ترکته لایأخذ من المرابحة التی جرت بینهما الابقدر مامضی من الایام وهو جواب المتاخرین قنیه وبه افتی المرحوم ابوالسعود افندی مفتی الروم وعلله بالرفق للجانبین۔[1]	مدیون نے دین مؤجل کو میعاد سے پہلے ادا کردیا یا مدیون مر گیا جس کی بناپر دین حالی ہوگیا(مؤجل نہ رہا) چنانچہ میت مدیون کے ترکہ سے لے لیاگیا تو اب قرضخواہ وہ نفع نہ لے جو اس کے اور مدیون کے درمیان طے پایا تھا مگر بقدر ایام گزشتہ کے اور یہ ہی جواب متاخرین کا ہے(قنیہ) اور مفتی روم ابو السعود آفندی نے یہی فتوی دیا اور دونوں جانبوں کی رعایت کو اس کی علت قرار دیا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله یأخذ من الخ صورته اشتری شیئا بعشرة نقد اوباعه لآخر بعشرین الی اجل هو عشرة اشهر فاذاقضاه بعد تمام خمسة اومات بعدها یأخذ خمسة ویترك خمسة[2]۔والله تعالٰی اعلم۔	ماتن کا قول لایخذ من الخ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی چیز دس درھم نقد کی خریدی اور دوسرے کے ہاتھ بیس درھم کے عوض دس مہینے کے ادھار پر فروخت کی۔ پھر مدیون نے اگر پانچ ماہ بعد وہ مر گیا تو صاحب دین پانچ درھم نفع لے اور پانچ درہم چھوڑدے۔والله تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴: از گوالیار ۲۵ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً ہندہ کا شوہر زید فوت ہوا اس نے مال ازقسم

---

[1] الدرالمختار مسائل شتی قبیل کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۵۱

[2] ردالمحتار مسائل شتی قبیل کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۸۲

زیور وکپڑے اور مکانات چھوڑے اور ہندہ کا اس جائداد متروکہ زید سے زائد ہے اور ہندہ نے اپنے دین مہر میں جو جائداد کہ شوہر ہندہ نے چھوڑی اور ہندہ کے قبضہ میں ہے تو بعد وفات ہو جانے اپنے شوہر کے جائداد مذکور کو ہندہ لے لے تو ہندہ کو لے لینا اس جائداد کا پہنچتا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بعد فوت ہونے شوہر کے ہندہ نے وقت تیار ہونے جنازہ اپنے شوہر کے دین مہر اپنا جو ذمہ شوہر اپنے کے ہاتھ وہ معاف کر دیا حالانکہ ہندہ معاف کرنے مہر سے انکار کرتی ہے توآیا ہندہ کے مہر میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں؟ اور دوسرے وارث زید کا دعوی دین مہر میں چل سکتا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

تقریر وبیان سائل سے ظاہر ہوا کہ جائداد اگرچہ پہلے سے قبضہ ہندہ میں ہے مگر زید نے اپنی حیات میں یہ مال وجائداد ہندہ کو اس کے مہر میں نہ دیا تھا بلکہ خود ہندہ نے بعد فوت شوہر ترکہ شوہر اپنے دین مہر میں لے لیا پس صورت مستفسرہ میں جبکہ حسب اظہار سائل تعداد زر مہر قیمت ترکہ سے زائد ہے تو وارثوں کے لئے ترکہ میں اصلاً ملک ثابت نہ ہوئی۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

الدین المستغرق للترکۃ یمنع ملك الوارث [1]۔	جو قرض تمام ترکہ کو محیط ہو وہ ملک وارث سے مانع ہوتا ہے۔ (ت)

ترکہ میں جس قدر زر نقد تھا ہندہ کا اسے اپنے مہر میں لے لینا صحیح وواجبی ہوا اور اتنے روپے مہر میں سے ادا ہو گئے۔ عالمگیری میں ہے:

ان ترك المیّت صامتا مثل مھرھا کان لھا ان تاخذ مھرھا من الصامت لانھا ظفرت بجنس حقھا۔ [2]	اگر میت نے اپنی بیوی کے مہر کے برابر نقدی چھوڑی تو وہ اس میں سے اپنا مہر وصول کر سکتی ہے کیونکہ وہ اپنے حق کی جنس وصول کرنے پر قادر ہو گئی ہو۔ (ت)

باقی مال نہ تو وارث بے ادائے بقیہ مہر اپنی میراث میں لے سکتے ہیں نہ ہندہ بے رضامندی دیگر ورثہ اپنے مہر میں لے سکتی ہے بلکہ اسے بیچ کر ہندہ کا باقی مہر اور اسی طرح اور دین بھی اگر ذمہ زید ہو ادا کیا جائے گا اور کوئی وارث کچھ نہ پائے گا خواہ دیگر ورثہ اپنے پاس سے مہر وغیرہ دین ادا کرکے جائداد

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۰۴

[2] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۱۵۳

بیع سے بچالیں۔ اشباہ میں ہے:

للوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین ولو مستغرقا[1]۔	وارث کو حق پہنچتا ہے کہ وہ میت کا قرض ادا کرکے ترکہ کو بیع سے بچالے۔ (ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ لوگوں کا وہ بیان معافی مہر بہ ثبوت شرعی ثابت نہ ہو یعنی اگر دو مرد یا ایک مرد دو عورت مسلمان نمازی پرہیزگار جو نہ کسی گناہ کبیرہ میں مبتلا ہوں نہ کسی گناہ صغیرہ میں اصرار رکھتے ہوں نہ کوئی فعل سفلہ میں آوارہ وضعی کا کرتے ہوں اور ان کی عقل و یاد قابل اعتماد ہو اور اس معاملہ میں ان کا بیان گمان و تہمت طرفداری سے پاک ہو (کہ ان سب شرائط کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے) ایسے گواہ شہادت شرعیہ دیں کہ ان کے سامنے ہندہ نے مہر معاف کردیا تو معافی ثابت ہوجائے گی اور ہندہ دعوی مہر نہ کرسکے گی اور اگر گواہوں میں ان سات شرطوں میں سے ایک بھی کم ہے تو ان کا بیان نامقبول اور دعوی ہندہ نامسموع و نامعقول، پھر برتقدیر ثبوت معافی مہر ہندہ میں دیگر ورثہ کا کوئی دعوی نہیں یہ محض جہالت ہے معافی کے یہ معنی کہ وہ باوجود ذمہ زید پر تھا ساقط ہوگیا نہ یہ کہ کوئی مال زید کو ملا جس میں وارث حصہ دار نہ ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵: ۲۱ جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے یافتنی مبلغ نوّے روپے ذمہ بکر کے واجب الادا ہیں جس کا اقرار بکر نے زید سے کیا کہ مبلغ نوے روپے عرصہ نوسال میں بحساب دس روپے سالانہ ادا کیا کروں گا روپیہ آخر سال فصل پر دیا کروں گا اگر کسی سال کا روپیہ وعدہ مندرجہ اقرار نامہ پر ادا نہ کروں تو کل روپیہ یکمشت فوراً ادا کروں گا اور زید کو اختیار ہے کہ بشرط وعدہ خلافی ایک قسط کے، کل روپے یکمشت مجھ سے لے لے۔ تو اب یہ امر دریافت طلب ہے کہ درصورت وعدہ خلافی ایک قسط کے کل روپیہ یکمشت واجب الادا ہوا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب:

صورت مسئلہ میں بلاشبہہ کل روپیہ یکمشت واجب الادا ہوگیا۔ فتاوٰی خلاصہ، فتاوٰی بزازیہ و طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

لوقال کلما حل نجم ولم تؤد	اگر کہا کہ وقت مقررہ پر قسط ادا نہ کی گئی تو مال

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

فالمال حال صح وصار حالا [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حالی ہو جائے گا (مؤجل نہیں رہے گا) تو صحیح ہے اور مال حالی ہو جائے گا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶: ازاجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی صاحب ۱۱/ محرم الحرام ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے ذوی الاحترام ومفتیان پابند شرع خیر الانام اس مسئلہ میں کہ ہری سنگھ چودھری کاقرضہ واجب الادارحیم الدین پر ہے اور دونوں فوت ہوگئے اور کوئی وارث شرعی نہیں رکھتے کہ قرض ادا کیا جائے کیونکہ قرضہ غیر مسلم پر ہے توبدلا ایک دوسرے کی نیکی پر موقوف ہے اعنی سوائے ایمان کے نیکی اس کے قرض خواہ کو دینا لائق اعتبار اور اگر معرکہ اعمال نیک ہے تومدعا علیہ کی نیکی مدعی کو دینالابد اور مدعا علیہ بری اور کافر مستحق نیکی نہیں کہ اہل اسلام ہو کہ اس کی بدی سوائے شرک وکفراور نہیں اور شرک وکفر اہل اسلام پر عائد نہیں ہوتا اس صورت میں تصفیہ اہل اسلام اور اہل نار کس طور سے ہوگا، بیان فرمادیں بحوالہ کتب۔

الجواب:

اگروہ کافرحربی ہے تو اس کے مال کے سبب مسلمان پر حق العبد لازم نہیں جس کا تصفیہ درکار **فان اموالھم مباحۃ غیر معصومۃ** (کیونکہ حربی کافروں کامال مباح ہے معصوم نہیں۔ت) ہاں بطور غدر وعہد شکنی لیاہوگناہ وحق اللہ ہے جس پر مواخذہ یاعفواللہ عزوجل کی مشیّت میں ہے)

الاتری ان من دخل دارھم مستأمنا فاخذ غدرًا فاحرز بدارنا ملك ملكا خبيثا فالخبث للغدر والملك للاستيلاء على مال مباح فالاحراز انما ھو شرط التملك لانتفاء العصمة ارأيت ان اغار مسلمون على دارالحرب فغنموا اموالا فماتوا قبل ان	کیاتونہیں دیکھتا کہ جو مسلمان امن لے کر حربیوں کے ملک میں گیا اور ان کامال دھوکہ سے اپنے ملک میں سمیٹ لایاتو ملک خبیث کے ساتھ مالک ہوا۔ خبث تودھوکہ کی وجہ سے اور ملک اس لئے کہ مال مباح پر قابض ہواہے۔ لہٰذااس مال کو قبضہ میں لے کر محفوظ کرنامالک ہونے کے لئے شرط ہے عصمت کے منتفی ہونے کی وجہ سے۔ بھلادیکھو تواگر مسلمان دارالحرب پر حملہ آور ہوکرمال غنیمت

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۲۸

یحرزوا ولم تصل الاموال الی من اخذت منه اتکون الحربیون خصماء المسلمین فی ذٰلك عندالله کلا نعلم ان الاثم فی العذر لحق الشرع لالحق الکافر۔	پائیں اور اس کو جمع کرکے محفوظ مقام تک پہنچانے سے قبل ہی مر جائیں تو کیااللہ تعالٰی کے ہاں اس مال کے بارے میں وہ حربی کفار مسلمانوں سے مخاصمہ کریں گے؟ ہر گز نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ دھوکہ کی صورت میں گناہ حق شرع کی وجہ سے ہے نہ کہ حق کافر کی وجہ سے۔(ت)

اور وہ کافر ذمی ہے تو اگر یہ قرض اس نے سچی نیت سے لیا اور اس کے ادا کا قصد رکھتا تھا اور قدرت نہ پائی کہ مر گیا تو مسلمان پر اس کے باعث عذاب نہ ہوگا کہ قرض لینا گناہ نہیں اور ادا پر قادر نہ ہونا اس کا فعل نہیں۔ اور اللہ عزوجل بے کسی گناہ کے عذاب نہیں فرماتا۔ رہا اس کا حق اسے اللہ تعالٰی جس طرح چاہے راضی فرمادے گا اگرچہ اس پر کسی عذاب یا ہول کی تخفیف سے ہر کافر پر کفر ومعاصی سب کے سبب عذاب ہے۔ قال تعالٰی:

"مَاسَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ ﴿۴۳﴾ "[1] الاٰیۃ۔	مسلمان کافروں سے کہیں گے تمہیں کس چیز نے جہنم میں پہنچایا تو وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے (ت)

جزاء کفر تخلید فی النار والعذاب ہے اس میں تخفیف امکان شرعی نہیں رکھتی،

فان التخفیف فی التابید ابطال له رأسا وفیه تبدیل القول وهو محال۔	ہمیشگی میں تخفیف اس کا ابطال ہے اور اس میں قول باری تعالٰی کی تبدیلی لازم آتی ہے جو کہ محال ہے۔(ت)

باقی بالائی عذابوں ہولوں میں حسب ارادہ الٰہیہ تخفیف سے کوئی مانع نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ اموال الناس یرید اداءها ادی الله عنه۔ رواه احمد[2] والبخاری وابن ماجة عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	جو لوگوں کا مال بہ ارادہ ادا لے اللہ تعالٰی اس کی طرف سے ادا فرمادے (اس کو امام احمد، بخاری اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۷۴ /۴۳-۴۲

[2] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض باب من اخذ اموال الناس الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۱

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من ادان دینا ینوی قضاءہ اداہ اللہ عنہ یوم القیٰمۃ۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر[1] عن میمونۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند صحیح۔	جو کوئی دین اپنے ذمہ کرے اور اس کی ادا کی نیت رکھتا ہے اللہ عزوجل روز قیامت اس کی طرف سے ادا فرمادے (اس کی طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسند صحیح روایت کیا۔ ت)

اور اگر بدنیتی اور ناجائز طریقے سے لیا تو ضرور گناہ و حق العبد ہے ذمی کا مال معصوم ہے اور وہ ان حقوق میں مثل مسلمانوں کے سمجھا جاتا ہے اس صورت میں علماء فرماتے ہیں کہ اس کا بدلہ عذاب ہی ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ ولہٰذا فرماتے ہیں کہ ذمّی کا حق مسلمان کے حق سے سخت تر ہے۔ فتاوٰی خانیہ آخر کتاب الغصب میں ہے:

مسلم غصب من ذمی مالا او سرق منہ فانہ یعاقب بہ یوم القیٰمۃ لانہ اخذ مالا معصوما والذمی لا یرجی منہ العفو ویرجی ذٰلک من المسلم فکانت خصومۃ الذمی اشد وعند الخصومۃ لایعطی ثواب طاعۃ المسلم الکافر لانہ لیس من اھل الثواب ولا وجہ ان یوضع علی المسلم وبال کفر الکافر فیبقی فی خصومتہ۔[2]	کسی مسلمان نے ذمی کا مال غصب کیا یا چوری کیا تو روز قیامت اس کو سزا دی جائے گی کیونکہ اس نے مال معصوم لیا حالانکہ ذمی سے معافی کی امید بھی نہیں کیونکہ وہ تو مسلمان سے متوقع ہے، لہٰذا خصومت ذمی زیادہ شدید ہے۔ خصومت کے وقت مسلمان کی عبادت کا ثواب کافر کو نہیں دیا جائے گا کیونکہ وہ ثواب کا اہل نہیں اور نہ ہی کفر کافر کا وبال مسلمان پر ڈال دینے کی کوئی وجہ ہے لہٰذا اس کی خصومت برقرار رہے گی۔ (ت)

جواہر الاخلاطی کتاب الاستحسان میں ہے:

لم غصب المسلم من ذمّی او سرق منہ یعاقب المسلم ویخاصمہ	اگر مسلمان نے ذمی سے کچھ غصب کیا یا اس کی چوری کی تو مسلمان کو سزا دی جائے گی اور ذمی

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۴۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۳ /۴۳۲، کنز العمال برمز طب عن میمونہ حدیث ۱۵۴۲۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶ /۲۲۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الغصب فصل فی براءۃ الغاصب الخ نولکشور لکھنؤ ۴ /۴۹۳

الذمی یوم القیٰمة فظلامة الکافر اشد من ظلامة المسلم لان الکافر من اھل النار ابدا و یقع لہ التخفیف بالظلامات التی قبل الناس فلا یرجی منہ ان یترکھا اوالمسلم یرجی منہ العفو[1]۔	قیامت کے روز اس سے خصومت کرے گا لہٰذا کافر پر ظلم مسلمان پر ظلم سے سخت تر ہے کیونکہ کافر دائمی جہنمی ہے اور لوگوں کی اس پر جو زیادتیاں ہیں ان کے سبب سے اس کے عذاب میں تخفیف ہوگی لہٰذا اس سے یہ امید نہیں کہ وہ ان زیادتیوں کو معاف کرے گا،البتہ مسلمان سے معافی کی توقع جاسکتی ہے۔(ت)

طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ بیان آفات الرجل میں ہے:

الفقھاء قالوا ان العذاب یوم القیٰمة علی الانسان فی حق الحیوان متعین لانہ لایمکن المسامحة ولا القصاص بالحسنات والسیئات وکذا الذمی اذاظلمہ المسلم فان العذاب فیہ متعین ان لم یستحل منہ فی الدنیا قال الوالد رحمہ اللہ تعالٰی فی شرحہ علی شرح الدرر مسلم غصب اوسرق مال ذمی یؤخذ بہ فی الاٰخرة وظلامة الکافر وخصومتہ اشد لانہ اما ان یحملہ ذنبہ بقدر حقہ اویاخذ من حسناتہ والکافر لایاخذ من الحسنات ولا ذنب للدابة ولا تؤھل لاخذ الحسنات فیتعیّن العقاب[2] اھباختصار۔	فقہاء نے فرمایاہے حیوان پر ظلم کی وجہ سے قیامت کے روز انسان پر عذاب کاواقع ہونا متعین ہے کیونکہ اس میں معافی اور نیکیوں اور برائیوں سے بدلہ ممکن نہیں۔ایساہی ذمی جس پر مسلمان نے ظلم کیاہوتو اس مسلمان پر عذاب متعین ہے جبکہ دنیامیں اس سے معاف نہ کرالیاہو۔حضرت والد رحمہ اللہ تعالٰی نے شرح الدرر پر اپنی شرح میں فرمایا کسی مسلمان نے ذمی کامال غصب کیا یاچرایا تو اس پر آخرت میں مؤاخذہ ہوگا حالانکہ ذمی کا ظلم وخصومت سخت ترین ہے کیونکہ یاتو وہ اپنے گناہ اپنے حق کے مطابق مسلمان پر ڈالے یااس کی نیکیاں لے حالانکہ کافر نہ تو مسلمان کی نیکیاں لے سکتا ہےاور نہ اس کے گناہ مسلمان پر ڈالے جاسکتے ہیں، چارپائے کاکوئی گناہ نہیں ہوتا اور نیکیوں کاوہ اہل ہی نہیں لہٰذا عذاب متعین ہوا اھ اختصار(ت)

[1] جواھر الاخلاطی فصل فیما یکرہ لبسہ وفیما لایکثر قلمی نسخہ ص۲۳۸۔۲۹۷

[2] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة الصنف الثامن من الاصناف التسعة الخ المکتبة النوریة رضویہ فیصل آباد ۲ /۵۰۷

شرح فقہ اکبر بحث توبہ میں ہے کہ:

اذا غصب مسلم من ذمی مالا اوسرق منه فانه يعاقب به يوم القيٰمة لان الذمی لايرجی منه العفو فكانت خصومة الذمی اشد[1]۔	جب کسی مسلمان نے ذمی کامال غصب کیا یاچرایا تواس کی وجہ سے اس کو قیامت کے دن عذاب دیاجائے گا کیونکہ ذمی سے عفو کی توقع نہیں لہٰذا ذمی کی خصومت زیادہ سخت ہے۔

مگر یہ اسی حالت میں ہے جبکہ بدلہ لیناہی مشیت رب العزۃ عزجلالہ ہو، ورنہ ممکن ہے کہ وہ کافرکے دل میں ڈالے کہ معاف کردے یاکسی تخفیف کے بدلے اس سے معاف کرادے،

فانه اذاجاز التخفيف عنه بظلمات له قبل الناس كما فی الجواهر فليجز ايضًا جزاء العفو تخليصاً للمسلم وقد قال الطحطاوی ثم الشامی عند قول الدر من الحظر قبيل مسائل المسابقة، ظلم الذمی اشد من ظلم المسلم[2] مانصه لانه يشدد الطلب علی ظالمه ليكون معه فی عذابه ولامانع من طرح سيئات غيرالكفر علی ظالمه فيعذب بها بدله ذكره بعضهم[3] اهفكذا لامانع من ان يقال له ان يفوت من المسلم طرحنا منك كذا وكذا من سيئاتك فيعفو۔	اس لئے کہ جب لوگوں کی ذمی پر زیاتیوں کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف جائز ہے جیساکہ جواہر میں ہے تو یہ بھی جائزہے کہ اللہ تعالٰی مسلمانوں کی خلاصی کے لئے ذمی کو معاف کرنے کا کچھ بدلہ دے کراس کی خلاصی کرادے۔ طحطاوی نے کہا پھرشامی نے درکے خطر میں مسائل سابقہ سے تھوڑا پہلے اس قول کہ "ظلم ذمی ظلم مسلمان سے اشد ہے" پر کہا یہ اس لئے ہے کہ ذمی اپنے اوپر ظلم کرنے والے پر سخت مطالبہ کرے گاتاکہ وہ ظالم بھی اس کے ساتھ عذاب میں شریک ہو اور کفرکے سوائے ذمی کے گناہ ظالم پرڈالنے میں کوئی مانع نہیں چنانچہ وہ ان کے بدلے عذاب میں مبتلاہوگا، اس کو بعض علماء نے ذکرکیا ہے اھ اسی طرح اس سے بھی کوئی مانع نہیں کہ ذمّی کو کہاجائے اگرتو مسلمان کو معاف کر دے تو تیرے یہ یہ

[1] منح الروض الازھر شرح الفقه الاکبر ومنها بحث التوبة الخ مصطفی البابی مصر ص۱۵۹ـ۱۵۸

[2] الدرالمختار کتاب الحظروالاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۹

[3] ردالمحتار کتاب الحظروالاباحة فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۷، حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الحظروالاباحة فصل فی البیع دارالمعرفة بیروت ۴/ ۲۰۱

	گناہ مٹا دیئے جائیں تو وہ معاف کردے۔(ت)

بالجملہ یہ معنی ہرگز نہیں کہ ظلم ذمّی پر عذاب واجب و قطعی وضروری الوقوع ہے کہ یہ مذہب اہلسنت کے صریح خلاف ہے۔ ہمارے نزدیک کفر کے سوا کسی گناہ کا عذاب ضروری الوقوع نہیں۔

قال تعالٰی "وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ"[1] **کما نبهت علیه فی هامش الحدیقة هٰهنا۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔**	الله تعالٰی نے فرمایا: اور وہ شرک کے سوا جس کے گناہ چاہے معاف فرمادے۔ جیسا کہ اس بات پر میں نے حدیقہ کے حاشیہ میں تنبیہ کی ہے۔(ت) **والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷: از بنارس محلّہ جمال ٹولہ مرسلہ ماسٹر بدرالدین ۴ رجب ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مختلف لوگوں سے قرض لے کر اپنے نکاح کی تقریب میں خرچ کیا اور ایک ڈگری کو بھی جو عدالت دیوانی سے اس پر جاری ہوئی تھی بے باق کیا بعدہ، اس نے اپنا حق وحصہ موروثی جائداد کا دوسو کا قرار دے کر اس زوجہ کے دین مہر میں جو ساڑھے پانسو کا تھا بیع کرکے رجسٹری کرادیا بیعنامہ میں زید نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ اگر میری جائداد اور قرار پائے تو بقیہ مہر اس سے ادا کیا جائے، زید فوت ہوگیا اور اس کی کوئی دوسری جائداد نہیں ہے اس وقت تقسیم جائداد موروثی کے واسطے اور ان انواع واقسام کے نزاع کے واسطے جو درمیان فریقین ہیں جو پنچ مقرر ہوئے ہیں قرضہ دہندوں نے پنچ کے یہاں درخواست کی ہے کہ متوفی کی جائداد سے دلایا جائے، زید نے بیوی اور ایک پسر نابالغ چھوڑا ہے۔ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

اگر زید نے اپنی کل جائداد بحالت صحت نفس وثبات عقل اپنی زوجہ کے مہر میں بیع کردی اور باقی قرضخواہوں کو کچھ نہ دیا تو اگرچہ زید پر بحال بدنیتی گناہ ہو مگر قرضخواہوں کو اس جائداد سے کہ اب مِلک زوجہ زید ہے اصلاً مطالبہ کا اختیار نہیں ان کا مطالبہ آخرت پر رہا، ہاں اگر اس کے سوا اور جائداد یا مال زید کا ثابت ہو تو اس میں تو قرضخواہ حصہ رسد حقدار ہوں گے اور زید کا بیعنامہ میں لکھنا کہ اس سے بھی بقیہ مہر ادا کیا جائے مسموع نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] القرآن الکریم ۴/ ۴۸

مسئلہ ۸: از شہر کہنہ ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، زید نے بکر کو روپیہ بوعدہ ادائے مال کسی قسم کے دیا، بکر نے بموجب وعدہ روپیہ کے عوض میں تھوڑا مال روپیہ سے ادا کیا اور کچھ روپیہ زید کا ذمہ بکر کے باقی رہا، بعدازاں بکر فرار ہوگیا یا فوت ہوگیا یا نادار ہوگیا، اب زید کو بکر کے عوض کا روپیہ خالد سے بلا رضامندی خالد کے بوجہ کسی قسم کے دباؤ کے وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اگر نہ خالد نے بکر کی ضمانت مال مذکور کرلی تھی نہ اس کا مطالبہ اپنے اوپر تھا نہ خالد کو بکر کا مال وراثۃً پہنچا تو اس کو بکر کے مطالبہ میں ماخوذ کرنا محض ظلم وغصب ہے۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گی۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹: مسئولہ جناب مرزا عبدالقادر بیگ صاحب بریلی محلّہ نواباں ماہ ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک یاچند اشخاص کے زر نقد کا قرضدار ہے جو اس کی آمدنی ہوتی ہے وہ اس کو بفراغت خرچ کرڈالتا ہے اور زیادہ دستیاب ہونے پر عمارت بنوانے وتجارت کرنے پر تیار ہوجاتا ہے تقاضہ اور وعدہ ہونے پر بھی ادائیگی کی فکر نہیں کرتا ہے قرضہ بڑھانے کے خیال میں رہتا ہے، اس عمل پر چند مثالیں ان بزرگان بے نفس کی کہ جو اتفاقیہ جزوی قرضدار رہے ہوں یا کسی مجبوری سے قرضہ کی حالت میں اس دار فانی سے رحلت فرما ہوئے ہوں زید اپنی صفائی پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وعدہ کرلینا میرا کام تھا اور پورا کرنا اللہ تعالٰی کا کام ہے۔ پس قرضہ کو بزرگان دین پر اور وعدہ پر قرضہ کی ادائیگی کی فکر نہ کرنے کو اللہ تعالٰی پر منسوب کرنا کیسا ہے؟ اور اگر اسی ٹال مٹول میں قرضخواہ وقرضدار دونوں فوت ہوگئے تو یوم جزا اور روز حساب کیا؟ اور کیونکر اس کا معاملہ طے ہوگا؟ عنداللہ جواب تفصیل عطا فرمایا جائے۔

الجواب:

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیّ الواجد یحل عرضہ[2]	ہاتھ پہنچتے ہوئے کا ادائے دین سے سرتابی کرنا

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۱۵

[2] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض باب لصاحب الحق مقال الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۳

ومطل الغنی ظلم [1]۔	اس کی آبرو کو حلال کردیتا ہے یعنی اسے بُرا کہنا اس پر طعن و تشنیع کرنا جائز ہوجاتا ہے اور غنی کا دیر لگانا ظلم ہے۔

اشباہ والنظائر میں ہے:

خلف الوعد حرام [2]۔	وعدہ جھوٹا کرنا حرام ہے۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اٰیۃ المنافق ثلث اذا احدث کذب واذا وعد اخلف واذا أتمن خان [3]، اوکما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فان الاحادیث فی المعنی کثیرۃ۔	منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے جھوٹ کہے، اور جب وعدہ کرے خلاف کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے خیانت کرے۔ (یا جیسا کہ آپ نے فرمایا اور اس معنی میں احادیث کثیر ہیں۔ت)

صورت مستفسرہ میں زید فاسق وفاجر، مرتکب کبائر، ظالم، کذّاب، مستحق عذاب ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا القاب اپنے لئے چاہتا ہے، اگر اس حالت میں مرگیا اور دین لوگوں کا اس پر باقی رہا اس کی نیکیاں ان کے مطالبہ میں دی جائیں گی اور کیونکر دی جائیں گی تقریبًا تین پیسہ دین کے عوض سات سو نمازیں باجماعت کما فی الدرالمختار وغیرہ من معتمدات الاسفار والعیاذ باللہ العزیز الغفار (جیسا کہ درمختار وغیرہ معتمد کتب میں ہے۔ اللہ عزیز غفار کی پناہ۔ت) جب اس کے پاس نیکیاں نہ رہیں گی ان کے گناہ ان کے سر پر رکھے جائیں گے ویلقی فی النّار اور آگ میں پھینک دیا جائے گا، یہ حکم عدل ہے، اور اللہ تعالٰی حقوق العباد معاف نہیں کرتا جب تک بندے خود معاف نہ کریں، اور سلف صالحین کے احوال طیّبہ کو اپنے ان مظالم کی سند قرار دینا اور زیادہ وقاحت اور دین متین پر جرأت ہے، اس پر فرض ہے کہ اپنے حال پر رحم کرے اور دیون سے پاک ہو، موت کو دور نہ جانے آگ کا عذاب سَہانہ جائے گا۔ اللہ تعالٰی توفیق دے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض باب مطل الغنی ظلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۳
[2] الاشباہ والنظائر کتاب الحظر والاباحۃ الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۰۹
[3] صحیح البخاری کتاب الایمان باب علامۃ المنافق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

مسئلہ ۱۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید پر عمرو کاقرضہ آتاہے اورزید کاروپیہ بکرکے ذمہ ہے عمرو نے بطور خود بلاحوالہ زید بکر سے وہ روپیہ کہ جواس پرزید کا آتا تھااپنے قرضہ میں جوزید پر تھا، لے لیااور بکرنے بلاحوالہ وبغیراجازت زید عمرو کو وہ روپیہ دے دیااب بکر زید کاروپیہ دیتے وقت وہ روپیہ کہ جو عمرو کو زید کے قرض میں بغیراجازت زید دے چکا تھا وضع کرتاہے اورزید اس کے مجرادینے سے انکار کرتاہے لہٰذادریافت طلب امر یہ ہے کہ بکر ان روپیوں کے مجرا لینے کا مستحق ہے یانہیں اور زید پراُن کا مجرادینالازم ہے یانہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اس صورت میں بکران روپوں کے مجرالینے کا مستحق نہیں، نہ زید پراُن کا مجرادینا لازم۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱: ۲۹ ربیع الاول شریف یوم دوشنبہ ۱۳۳۴ھ از کلکتہ ۴۵ کولوٹولہ اسٹریٹ

ایک خاص کمپنی جس کے مالک ومختار سب کے سب نصرانی المذہب ہیں ان کا اعلان ہے کہ جو شخص ۳۰ برس کی عمرسے پینتالیس سال کی عمرتک یعنی کامل پندرہ سال تک ہرسال چھہتّر روپے آٹھ آنے کمپنی کو دیا کرے توپندرہ برس کی مدت گزرنے کے بعد اس کو کمپنی ایک ہزارر وپے دے گی، معاہدہ ہونے کے بعدمدت معینہ ختم ہونے سے پہلے مثلاً دومہینے یادوسال چارسال کے بعد وہ شخص مرگیاتوبھی کمپنی اس کے وارثوں کوپورے ایک ہزارروپیہ دے گی، رقم معینہ مذکورہ سالانہ کی تعداد کامل پندرہ سال کی مجموعہ گیارہ سوسینتالیس ۱۱۴۷ روپیہ آٹھ آنے ہوتی ہے ایسی صورت میں روپیہ جمع کرنااور کمپنی سے مذکورہ شرط کے ساتھ روپیہ وصول کرناجائز ہے یانہیں؟

الجواب:

یہ صورت قمار کی ہےاور میعاد عمروہ رکھی ہے جس میں غالب حیات ہے۔ حدیث میں فرمایا:

اعمار امّتی مابین الستین الی السبعین[1]۔	میری اُمّت کی عمریں ساٹھ اورستر سال کے درمیان ہوں گی۔(ت)

اوربحال حیات ظاہر ہے کہ ایک سوپینتالیس روپے آٹھ آنہ کانقصان ہے کافرکے ساتھ ایسامعاملہ

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الزھد باب الامل والاجل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۲

جس میں غالب پہلو اپنے نقصان کا ہو جائز نہیں **کما نص علیہ فی فتح القدیر** (جیسا کہ فتح القدیر میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲: مرسلہ الف خاں مہتمم مدرسہ اسلامیہ سانگوور ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۲۶صفر ۱۳۳۵ھ

ایک مسلمان نے اپنا مکان ظاہر کرکے ایک مسلمان کے ہاتھ فروخت کردیا گیا اور جب تحقیق کی گئی تو وہ مکان ایک ہندو جو مرگیا اس کا نکلا، فروشندہ نے دھوکہ سے بوجہ رہن ملک خود ظاہر کرکے بیع کردیا اور متوفی کی صلب سے کوئی اولاد نہیں ہے تو مشتری کا یہ عمل شریعت میں قابل مواخذہ تو نہیں ہے اور وہ اس مکان کو ملک اپنی تصور کرے گا یا نہیں؟ یا روپیہ اپنا واپس لے سکتا ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

فتوٰی اس پر ہے کہ اس زمانہ میں جنس غیر سے بھی دین وصول کرسکتے ہیں جبکہ وہ ہندو اس کا مدیون تھا اور مرگیا تو یہ اس مکان کو اپنے دین میں لاسکتا ہے اگر اس کی قیمت دین کے برابر یا دین سے کم ہے جب تو ظاہر ہے اس نے جو مکان کو اپنا ظاہر کرکے بیع کیا بیع صحیح ہوئی مشتری مالک ہوگیا، ہاں اگر قیمت مکان دین سے زائد ہے تو بقدر قیمت اس کی ملک ہوسکتا ہے اپنا دین اس سے وصول کرے اور جو زائد بچے فقراء پر تصدق۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳: از نگریا سادات ڈاکخانہ میر گنج ضلع بریلی محمد تقی صاحب ۷شوال ۱۳۳۵ھ

زید کے سو روپے تمسکی سود کے عمرو کے ذمہ واجب الادا تھے عمرو نے قضا کی اس کے ورثا نے زمین مکفول کو ایک عرصہ تک زید کے قبضہ میں چھوڑ کر روپیہ ادا کردیا لیکن تمسک بوجہ عزیز داری ویگانگت کے زید سے حاصل نہ کیا ورثائے عمرو نے اس جائداد کو بدست دیگر اشخاص بیع کردیا زید نے اس بیع میں کچھ مزاحمت بوجہ اس کے کہ اس کا مطالبہ وصول ہوچکا تھا نہیں کی مسماۃ ہندہ پھوپھی عمرو نے بھی سَو روپے زید سے تمسکی قرض لئے تھے۔

بکر شوہر مسماۃ ہندہ نے از راہ طمع نفسانی کہ بشمول چند کسان بہ تقرر حصص باہمی نوشتہ عمرو موسومہ زید کو براہ چالاکی وفریب دہی خالہ زید سے حاصل کرکے نالش موسومہ عمرو منجانب زید دائر کی اور بعد حصول ڈگری تمام زرڈگری حاصل کرنا چاہا جس سے زید بلاوجہ بے ایمان ودغاباز مشہور ہوکر زبان زدِ خلائق ہوا جب زید نے اپنے کو بلاوجہ متہم ہوتے دیکھا تو کل مطالبہ زرڈگری خود وصول کرلیا اور فرضی اشخاص نالش مثل بکر وغیرہ کو کچھ نہیں دیا، زید نے مسماۃ ہندہ پر اپنے روپے کی نالش کی بکر شوہر

مسماۃ ہندہ نے منجانب مسماۃ مذکورہ کچہری میں بذریعہ اظہار حلفی بیان کیاکہ تمسک کالکھنا صحیح ہے مگر داد دست روپے کی نہیں ہوئی روپیہ ہم نے نہیں لیاہے فرضی لکھ دیاہے اس کاکاتب بکر شوہر مسماۃ ہندہ کا تھا چونکہ تاریخ فیصلہ التواہو گئی تھی سب عزیز و اقارب نے باہمی فیصلہ کی بابت کہاتو بکر نے صاف جواب دے دیاکہ جب تک اس ڈگری موسومہ عمرو میں ہمارے حصہ کا روپیہ نہ دیں گے ہم اس روپے سے قطعی انکار کریں گے پھر ہم نے یہ روپیہ اس میں مجرا کرلیاچنانچہ ایساہی ہوا حسب شریعت یہ صورت اس زر جائز متصور ہوگی یانہیں یاہندہ تا یوم النشور مواخذہ دار اداکی رہے گی۔

الجواب:

وہ کارروائی بکر وغیرہ نے وصول شدہ روپے دوبارہ زید سے حاصل کرنے کی کی حرام قطعی تھی اور اس کے بعد ورثاء عمرو نے کہ وہ روپیہ خود وصول کریں حرام وخبیث ہوا وہ سب کے سب مستحق نار ہوئے۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"۔[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کامال ناحق نہ کھاؤ۔(ت)

اب یہ کارروائی جو بکر نے اپنی زوجہ کی طرف سے کی یہ بھی حرام در حرام ہے دائن کا دین مارلینا حرام اور اس حرام وخبیث روپے میں جو زید سے حاصل کئے حصہ مانگنا حرام اس نجس کارروائی سے عمرو کا یہ روپیہ جو ہندہ پر ہے اگر مارا بھی گیاتو ہندہ حشر تک اس سے بری الذمہ نہیں ہوسکتی۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی الید ما اخذت حتی تردھا۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہاتھ پر وہ چیز واجب ہے جو اس نے لی حتی کہ ادا کردے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴: از کھیم پور کھیری مرسلہ عباد اللہ خیّاط ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میری ماں نے مجھ سے فرمایاکہ تمہارے والد نے ایک بقال مشرک سے مبلغ بیس روپے بوعدہ چوبیس روپے قرض لیا تھا جس کو عرصہ تخمیناً تیس برس کا ہوگا، اس کے چندروز بعد کہ وہ اس قرض کو ادا نہیں کرپائے تھے ان کا انتقال ہوگیا بقال مذکور سے والدہ نے کہاکہ میں محنت کرکے ادا کروں گی کیونکہ کوئی سرمایہ اس وقت موجود

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] جامع الترمذی ابواب البیوع باب انّ العاریۃ مودّاۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۲

نہ تھا بقال نے یہ کہا تھا کہ یہاں خود ہی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان سے میں کیا لے لوں ہم سب بہن بھائی چھوٹے تھے میں شِیر خوار تھا اب والدہ صاحبہ کے فرمانے پر مجھے خیال ہوا کہ میں بفضلہٖ تعالٰی بطفیل نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس وقت اس قابل ہوں کہ ان کا قرض معلوم ہونے پر ادا کروں بدریافت معلوم ہوا کہ جس سے قرض لیا تھا وہ مر گیا اور اس کا لڑکا بھی مر گیا جس ضامن مسلمان کی معرفت لیا تھا ان کا بھی انتقال ہو گیا یہ بھی نہیں معلوم کہ انہوں نے تو ادا نہیں کر دیا والدہ کو اس کا بھی علم نہیں ہے ایک سال سے برابر دریافت، تلاش کی کہ اس کے وارث کا پتہ چل جائے تو ادا کروں اب تک کوئی وارث اس کا نہیں معلوم ہوا ایسی حالت میں شرع شریف سے کیا حکم ہے کہ میرے باپ پر قیامت میں اس قرض کا بار نہ رہے بقال سے ہمیشہ بلا سودی لین دین تھا سوا اس روپیہ کے۔ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

جبکہ یہ قرض تھا آپ کے والد پر اصلاً بیس روپے واجب الادا تھے،

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ"[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! وعدے پورے کرو۔ (ت)

اور جبکہ پہلے کبھی اس سے سود وغیرہ کوئی رقم ناجائز نہ لی تھی تو اس کے کل یا بعض اس سے مجرا بھی نہیں ہو سکتے اس کا یہ کہنا کہ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان سے کیا لوں آپ کے والد کو مطالبہ سے بری کرنا نہیں تھا ضامن اگر ادا کر دیتا تو اس ضامن مسلم کا دین رہتا وہ اس سے آسان تھا یہاں وہ بھی معلوم نہیں لیکن جبکہ بنیا اور اس کا بیٹا بھی مر گیا اور اس کے وارث کا پتہ نہیں یہ مال فقراء کے لئے ہوا آپ کسی مسلمان فقیر کو کہ مالک نصاب نہ ہو بیس روپے دے دیجئے نہ اس نیت سے کہ اس کافر کو ثواب پہنچے کہ یہ حرام بلکہ کفر ہے بلکہ اپنے والد پر سے مطالبہ اتارنے کی نیت کیجئے یہ فقیر غیر شخص ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر آپ کی والدہ چھپّن روپے کے مال کی مالک نہ ہوں تو انہیں کو اس نیت سے دے دیجئے کہ بیس روپے اس بنیئے کے جو والد پر قرض تھے اور وارث کوئی نہ رہا وہ قرض ادا کرتا ہوں بعونہٖ تعالٰی وہ بری الذمہ ہو جائیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن الکریم ۵ /۱

مسئلہ ۱۵: از رامپور بلاسپور دروازہ مرسلہ حضرت مولانا مولوی سید زادہ احمد میاں صاحب دامت برکاتہم ۵ شوال ۱۳۳۷ھ

بملاحظہ گرامی حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم، بعد ہدیہ سلام مسنون مدعا انگار ہوں، یہ خط میرے ملنے والے نہ اس غرض سے بھیجا ہے کہ میں اس کے استفتاء کا جواب جو خط کے آخر میں ہے جناب کے دارالافتاء سے منگادوں بنظر سہولت میں بجنسہٖ وہ خط روانہ خدمت عالی کرکے مستدعی ہوں کہ جواب باصواب باحوالہ کتاب مرحمت ہو میں بفضلہٖ تعالٰی خیریت سے ہوں اور امید ہے کہ حضرت کامزاج بھی قرین صحت ہوگا۔

استفتاء

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو شخص بکر وخالد سے روپیہ قرض لیاعدم ادائیگی پر بکر قصاب نے زید پر نالش کی۔ زید نے سب روپیہ صرف بکر کوادا کردیا خالد کہتا ہے کہ روپیہ زید سے دلوایاجائے کچہری کا حکم ہے کہ ڈگری زید پر ہوااور روپیہ خالد کو بکر سے دلایا جائے۔

الجواب:

حضرت والا دامت برکاتہم وعلیکم السلام ورحمۃاللہ وبرکاتہ، سوال بہت مجمل ہے دو شخصوں سے قرض لینا تین طرح ہوتا ہے، سَو روپے بکر نے الگ دیئے خالد نے الگ، سَو بکر لایا سَو خالد، وہ ملاکر دونوں نے زید کو دیئے، دوسو روپے خالد وبکر کے شرکت عقد کے تھے وہ انہوں نے اس دیئے، اگر یہ نالش یکجائی ہے توپہلی صورت نہ ہونا بتائے گی وہ جب بھی محتمل رہیں گی اور حکم جدا لینا ہے اور ہر شق پر حکم بتادینا خلاف مصلحت، لہٰذا سائل کو تعیین صورت وتفصیل واقعہ کے ساتھ سوال کرنا چاہئے کہ بعونہٖ تعالٰی جواب دیا جائے۔

مسئلہ ۱۶: از مقام چالیس گاؤں خاندیس مرسلہ ابراہیم خاں سوداگر چرم یکم ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرے اوپر مہر کادعوی میرے سالے مظہر علی خاں نے کیا ہے اور میری بیوی دو برس کے قریب ہوا کہ فوت ہوچکی ہے اور دعوی مدعی میں تحریر کیا ہے کہ میری بہن نے مہر جو مبلغ پانچ سو روپے کا تھا فروخت کیا ہے اور مقدمہ زیر تجویز کچہری ہے آیا فروخت کرنا مہر کا جائز ہے یا نہیں؟ اور مظہر علی خاں جو میرا سالہ ہے اس کو دعوی کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

مہر اور دیون کے مثل ایک دین ہے اور دین کی بیع غیر مدیون کے ہاتھ باطل ہے لہٰذا اس بناپر مدعی کو دعوی کا اصلاً حق نہیں، ہاں اگر اس اپنی بہن کے ترکہ سے حصہ پہنچتا ہو تو اپنے حصہ کا دعوی کرے وہ جدا بات ہے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

بیع الدین لایجوز ولوباعه من المدیون او وھبه جاز۔[1]	دین کی بیع ناجائز ہے، اگر مدیون پر بیچا یا ہبہ کر دیا تو جائز ہے۔ (ت)

اسی طرح فتاوٰی بزازیہ وغیرہا میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷: از علی گڑھ محلّہ بنی اسرائیل مرسلہ مولوی احسان علی صاحب مدرس ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی بیوی ہندہ متوفیہ یا زندہ کا مہر ایک ساتھ ادا نہ کرسکے تو اس کو حاکم شرع بذریعہ قسط ادا کرنے کے لئے حکم کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

زندہ کے واجب الادا مہر کی قسط بندی اس کی مرضی سے ہوسکتی ہے اور مردہ کے مہر کی قسط بندی اس کے وارثوں کی مرضی پر ہے حاکم اس پر جبر نہیں کرسکتا **فان الحق لھا اولھم لاللقاضی** (کیونکہ حق بیوی یا وارثوں کا ہے نہ کہ قاضی کا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۱۳

کتاب الاشربہ

(اشربہ کا بیان)

مسئلہ ۱۸: ماہ صیام عظام

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تھوڑی سی افیون مرض کی غرض سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

بضرورت دوا قلیل المقدار افیون کہ اس قدر سے نشہ وسرور یا عقل وحواس میں تغیر وفتور اصلا نہ پیدا ہو استعمال کرنا جائز ہے اور شوق کی راہ سے بطور مشغلہ کھانا جس طرح عام کھانے والے اپنے پیچھے لت لگالیتے ہیں مطلقاً جائز نہیں اگرچہ نشہ نہ کرے اگرچہ بوجہ اپنی قلّت کے اس قابل ہی نہ ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

البنج والافیون استعمال الکثیر المسکر منه حرام مطلقًا واما القلیل فان کان للهو حرم وان للتداوی فلا [1] اھ ملتقطًا۔	بھنگ اور افیون کا کثیر استعمال جو نشہ لائے مطلقاً حرام ہے اور اس میں قلیل اگر لہو کے لئے ہے تو حرام اور اگر علاج معالجہ کے لئے ہے تو حرام نہیں اھ التقاط (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الاشربہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۹۴

کھانے والے کی خاص نیت سے خدا کو خبر ہے بعض دوا کا نرا بہانہ ہی کرتے ہیں، انہیں مفتی کا فتوٰی نفع نہ دے گا "وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ" [1] (اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے۔ت) اور اس خبیث چیز کی بدخو ہے کہ چند روز میں گھر کرلیتی ہے اور پھر چھڑائے نہیں چھوٹتی اور بتدریج پاؤں پھیلاتی ہے یہاں تک کہ تھوڑی مدت میں آدمی کو خاصا افیونی کرلیتی ہے والعیاذ باللہ تعالٰی، اطبّاء لکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے کھانے سے باطن کی جھلّیوں میں سوراخ ہوجاتے ہیں اس کے سوا دوسری کسی بلا سے نہیں بھرتے ناچار عادت ڈالنی پڑتی ہے کمانقلہ العلامۃ الشامی [2] عن تذکرۃ داؤد الانطاکی (جیسا کہ علامہ شامی نے داؤد انطاکی کے تذکرہ سے اس کو نقل کیا ہے۔ت) حتی الامکان بچے اور اگر ایسی ہی ضرورت شدیدہ ہو تو خالی کھانے سے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مرض کے مناسب کسی نسخہ میں اتنا جُز شریک کرلیں کہ ایک دن کی قدر شربت میں بہت قلیل مقدار آئے جس پر نشہ وغیرہ کا گمان نہ ہو اس تقدیر پر اس کی صورت بھی اہل لہو کی مستعمل صورت سے جدا ہوجائے گی اور موضع تہمت پر موقوف بھی نہ ہوگا، حدیث نقل کرتے ہیں:

من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلایقفن مواقف التھم۔ [3]	جواللہ تعالٰی اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ہر گز تہمت والی جگہوں پر وقوف نہیں رکھتا (ت)

حدیث میں ہے: ایاك ومایسوء الاذن [4] (اس چیز سے بچ جو کانوں کو گنہگار کرے۔ت)

حدیث میں ہے: ایاك ومایعتذر [5] (اس کام سے بچ جس سے معذرت کرنی پڑی۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ، اتم واحکم۔

---

[1] القرآن الکریم ۲ /۲۲۰

[2] ردالمحتار کتاب الاشربہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۹۵

[3] مراقی الفلاح علی ہامش حاشیۃ الطحطاوی باب ادراك الفریضہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص۲۴۹، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب مایفسد الصوم ویوجب القضاء نور محمد کتب خانہ کراچی ص۳۷۱

[4] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابی الغادیۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۷۶

[5] المستدرك للحاکم کتاب الرقاق دار الفکر بیروت ۴ /۳۲۶

رسالہ

حُقّۃ المرجان لمھم حکم الدّخان ۱۳۰۷ھ

(مرجان کی صندوقچی حقہ کے ضروری حکم کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ ۱۹: از بنگالہ طالب حق

چہ می فرمایند (کیافرماتے ہیں) علمائے دین، حقہ پینا یا تمباکو کھانا کیسا ہے حرام یا مکروہ؟

انی رأیت فی الدرالثمین فی مبشرات النبی الامین، وا کتبہ بعینہ۔

الحدیث السابع والعشرون: اخبرنی سیدی الوالد قال کان رجل من اصحابنا لایمزّ التنباك ولکنه کان قداھیاء القذرۃ لاضیافه فرای النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی النوم اوالیقظة لاادری ایّ ذلك کان، مقبلا الیه ثمّ اعرض وخرج من ذٰلك المکان قال فشد فشددت الیه و قلت یارسول اللہ(صلی اللہ تعالٰی علیك وسلم)ماذنبی فقال فی بیتك القذرۃ ونحن نکرھھا۔

الحدیث الثامن والعشرون: اخبرنی سیدی الوالد کان رجلان من الصّالحین احدھما عالم عابد والاٰخر عابد لیس بعالم فرایا النبی صلی اللہ تعالٰی علیه و سلم فی ساعة واحدۃ کانه اذن للعابد ان یدخل فی مجلسه ولم یاذن للعالم فسال العابد

میں نے "الدرالثمین فی مبشرات النبی الامین" میں دیکھا جس کو بعینہٖ لکھ رہا ہوں۔

ستائیسویں حدیث: میرے والد صاحب نے مجھے بتایا کہ ہمارے دوستوں میں سے ایک مرد خود تو تمباکو نوشی نہیں کرتا تھا لیکن مہمانوں کے لئے اس نے حقہ تیار کر رکھا تھا معلوم نہیں خواب میں یا بیداری میں اس نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت کی دراں حالیکہ آپ اس کی طرف متوجہ تھے پھر آپ نے اس سے اعراض فرمایا، اس شخص نے کہا کہ آپ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) تیزی سے اس مکان سے نکل گئے، میں تیزی سے آپ کی طرف گیا اور عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرا گناہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تیرے گھر میں گندگی (حقہ) ہے جو ہمیں ناپسند ہے۔

اٹھائیسویں حدیث: میرے والد صاحب نے مجھے خبر دی کہ دو نیک مرد تھے جن میں سے ایک عالم وعابد اور دوسرا عابد تھا مگر عالم نہیں تھا ان دونوں نے خواب میں بیک وقت نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت کی تو آپ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) نے عابد کو اپنی مجلس میں داخل ہونے کی اجازت عنایت فرمائی جبکہ عالم کو اجازت نہ بخشی، چنانچہ عابد نے

بعض القوم عن ذٰلك فقال هو يمز التنباك والنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم یکرهه فلما کان الغد دخل علی العالم فوجده یبکه لما رای اللیلة فاخبره عن السبب فتاب عن ساعته ثمّ رایا النبی صلی الله تعالٰی علیه من اللیلة الاٰتیة علی صورة واحدة کانه اذن للعالم وقربه منه۔[1] والسلام ثم السلام۔	بعض لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا کہ وہ تمبا کو نوشی کرتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کو ناپسند فرماتے ہیں۔جب صبح ہوئی تو وہ عابد عالم کے پاس گیا تو اسے رات والی خواب کی وجہ سے روتے ہوئے پایا، چنانچہ عابد نے عالم کو (حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی ناراضگی کے) سبب کی خبر دی تو عالم نے اسی وقت تمباکو نوشی سے توبہ کر لی۔پھر آئندہ رات کو ان دونوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایک ہی صورت پر دیکھا گویا کہ آپ نے عالم کو اپنی مجلس میں داخلہ کی اجازت فرمائی اور اسے اپنا قرب بخشا۔ والسلام ثم السلام۔

الجواب:

حق یہ ہے کہ معمولی حقہ جس طرح تمام دنیا کے عامہ بلاد کے عوام وخواص یہاں تک کہ علمائے عظام حرمین محترمین زادھما اللہ شرفاً وتکریماً میں رائج ہے شرعاً مباح وجائز ہے جس کی ممانعت پر شرع مطہر س اصلاً دلیل نہیں تو اسے ممنوع وناجائز کہنا یااحوال قلیان سے بے خبری پر مبنی،

کما عرض للکثیر من المتکلمین علیه فی بدو ظهوره قبل اختباره ووضوح امره فقیل مسکر وقیل مضر و	جیسا کہ اس پر گفتگو کرنے والے بہت سے حضرات کو اس کے پرکھنے اور اس کی حقیقت کے واضح ہونے سے پہلے شبہ لاحق ہوا، چنانچہ کسی نے کہا یہ نشہ آور ہے، کسی نے کہا نقصان دہ

[1] الدر الثمین معه المسلسلات والنوادر میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۶۲

قیل مضر مطلقًا کالسموم عـــہ وقیل وقیل۔	ہے کسی نے کہازہریلی چیز کی طرح مضر ہے، اسی طرح کسی نے کچھ اور کسی نے کچھ کہا۔(ت)

۲ یا بعض احوال عارضہ بعض فساق متناولین کی نظر پر مبنی،

کقول من قال انہ مما یجتمع علیہ الفساق کاجتماعھم علی المحرمات وقول اٰخر انہ یصد عن ذکر اللہ وعن الصّلٰوۃ۔	اس شخص کے قول کی طرح جس نے کہا کہ اس پر فاسق لوگ جمع ہوتے ہیں جیسے وہ محرمات پر جمع ہوتے ہیں، اور دوسری بات یہ کہی گئی کہ یہ اللہ تعالٰی کے ذکر اور نماز سے رکاوٹ بنتا ہے(ت)

۳ یا بعض عوارض مخصوصہ بعض بلاد و بعض اوقات کے لحاظ سے ناشی جن کا حکم ان کے غیر اعصار وامصار کو ہرگز شامل نہیں،

کمن احتج بالنھی السلطانی علی کلام فیہ للعلامۃ النابلسی۔	جیسے وہ شخص نے نہی سلطانی کے ساتھ استدلال کیا حالانکہ علامہ نابلسی کا اس میں کلام ہے۔(ت)

۴ یا محض مفتریات کاذبہ ومخترعات ذاہبہ پر متفرع،

کتھوّر من تفوہ ان کل دخان حرام وجعلہ حدیثًا عن سیدالانام علیہ افضل الصلٰوۃ واکمل السلام وکجرأۃ من قال اجمعوا علی	جیسے اس شخص کی جسارت جس نے کہا کہ ہر دھواں حرام ہے اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث گھڑی اور جیسے اس شخص کی جرأت جس نے کہا اس کی حرمت پ اجماع ہے

عـــہ: والافلا دواء ولا غذاء بل ولا شیئ فی عالم الخلق من ھذا القبیل متمحضا للنفع خالصا عن الضرر حتی الشھد الذی نطق القراٰن العزیز بان فیہ شفاء للناس والبان البقرا المنصوص فی الاحادیث انھا شفاء ۱۲ منہ۔

ورنہ تو کوئی دوا، غذا بلکہ کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو محض نافع ہو اور ضرر سے بالکل خالی ہو حتی کہ شہد جس کے متعلق قرآن ناطق ہے کہ اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے اور گائے کا دودھ جس پر حدیث کی نص ہے کہ یہ شفاء ہے ۱۲ منہ (ت)

حرمته والاجماع حجة۔	اور اجماع حجت ہے۔(ت)

فقیر نے اس باب میں زیادہ بے باکی متقشفہ افغانستان سے پائی کہ چند کتب فقہ پڑھ کر تقشف وتصلف کو حد سے بڑھاتے اور عامہ امت مرحومہ کو ناحق فاسق وفاجر بتاتے ہیں اور جب اپنے دعوی باطل پر دلیل نہیں پاتے ناچار حدیثیں گھڑتے بناتے ہیں، میں نے ان کی بعض تصانیف میں **ایک حدیث** دیکھی کہ:

من شرب الدخان فکانما شرب دم الانبیاء۔	جس نے حقہ پیا گویا پیغمبروں کا خون پیا۔

اور دوسری **حدیث** یوں تراشی:

من شرب الدخان فکانما زنی بامّه فی الکعبة۔	جس نے حقہ پیا گویا اس نے کعبہ معظّمہ میں اپنی ماں سے زنا کیا۔

انّا للّٰه وانّا الیه راجعون (بیشک ہم اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ت) جہل بھی کیا بد بلا ہے، خصوصًا مرکب کہ لادوا ہے۔ مسکین نے ایک مباح شرعی کے حرام کرنے کو دیدہ ودانستہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بہتان اُٹھایا اور حدیث متواتر من کذب علیّ متعمّدا فلیتبوأ مقعده من النار [1] کا اصلًا دھیان نہ لایا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

اللّٰھم تب علینا وعلیه ان کان حیّا واغفرلنا وله ان کان میتا [2]۔	اے اللہ! ہماری توبہ قبول فرما اور اس کی بھی اگر وہ زندہ ہے، اور ہماری مغفرت فرما اور اس کی بھی مغفرت فرما اگر وہ مرچکا ہے۔(ت)

۵ یا قواعد شرع میں بیغوری اور نظر وفکر کی بیطوری سے پیدا،

کزعم من زعم انه بدعة وکل بدعة ضلالة ومنه زعم ان فیه استعمال اٰلة العذاب یعنی النار وذٰلك حرام وھذا من البطلان	جیسے اس شخص کا گمان جس نے کہا یہ بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے اور اسی سے یہ گمان کہ اس میں آلہ عذاب یعنی آگ کا استعمال ہوتا ہے اور وہ حرام ہے۔ حالانکہ اس کا بطلان واضح ترین ہے۔

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۱

[2] صحیح مسلم باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷

بابین مکان قاله المحدث عـــہ۱ الدهلوی فیما نسب الیه باستعمال الماء المعذب به قوم نوح علیه الصلٰوۃ والسلام قلت وفی الترویح بالمراوح استعمال اٰلة عذاب عادواما اصلاح العصری اللکھنوی عـــہ۲ بزیادۃ قید علٰی هیأۃ اهل العذاب۔

فاقول: لایجدی نفعا والالم یجز الاغتسال بماء حار قال تعالٰی "یُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِهِمُ الۡحَمِیۡمُ ۝" [1] وما ذا یزعم الزاعم فی دخول الحمام، افیکون علی هذا حرام، امنهیا عنه لذاته بل من الکبائر اما مطلقا علی ما اختارهذاالفاضل من کون تعاطی المکروه تحریما من الکبائر وبعد الاعتیاد علی ماعلیه الاعتماد من کونه فی نفسه من الصغائر، و ذالك لان الحمام کما افاد العلامة المناوی فی التیسیر اشبه شیئ بجهنم، النار من تحت والظلام من فوق

یہ ہی کہا محدّث دہلوی (مولانا شاہ عبدالعزیز) علیہ الرحمہ نے جوان کی طرف منسوب کہ اس میں اس پانی کااستعمال ہے جس کے ساتھ نوح علیہ الصلٰوۃوالسلام کی قوم کو عذاب دیا گیا **قلت** (میں نے کہا) پنکھے کے ساتھ ہوا لینے میں اس آلہ کا استعمال ہے جس کے ساتھ قوم عاد کوعذاب دیا گیا۔ رہامعاصر لکھنوی (مولانا عبدالحی) کا اصلاح کے لئے یہ قید بڑھانا کہ وہ اہل عذاب کی ہیئت پر ہے۔

فاقول: (تومیں کہتاہوں یہ) کچھ مفید نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ گرم پانی کے ساتھ غسل کرنا جائز نہ ہو، اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ ان (جہنمیوں) کے سروں پر کھولتاہوا پانی ڈالاجائے گا۔ توایسا گمان کرنے والا حمام میں داخل ہونے سے متعلق کیاکہے گا، کیایہ حرام، منہی عنہ لذاتہ بلکہ کبائر میں سے ہے یاتومطلقًا جیساکہ فاضل مذکور کامختار ہے کہ مکروہ تحریمی کا ارتکاب کبائر میں سے ہے یاعادت بنالینے سے جیساکہ معتمد ہے کہ فی نفسہٖ یہ صغائر سے ہے، یہ اس لئے کہ حمام امام مناوی کی تیسیر میں ذکر کردہ افادہ کے مطابق جہنم کے مشابہ ترین ہے، اس کے نیچے آگ اوراوپر دھواں ہے، اس میں بے چینی،

عـــہ۱: المراد به مولانا الشاہ عبدالعزیز المحدث الدهلوی۔
عـــہ ۲: المرد به المولوی عبدالحی اللکنوی

اس سے مراد مولانا الشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ہیں۔ (ت)
اس سے مراد مولوی عبدالحی لکھنوی ہیں۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۱۹

وفیه الغم والحبس والضیق ولذا لما دخله سیدنا سلیمٰن نبی اللّٰه علیه الصلٰوة والسلام تذکر به النار وعذاب الجبار اخرج العقیلی والطبرانی وابن عدی والبیهقی فی شعب الایمان عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللّٰه تعالٰی عنه یرفعه الی النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم قال اول من دخل الحمامات وصنعت له النورة سلیمٰن ابن داؤد فلما دخله وجد حره وغمه فقال اوّہ من عذاب اللّٰه اوّہ قبل ان لایکون اوّہ [1] **قلت وبهذا یرد حدیث التشبه باهل النار وحدیث الملابسة بالنار کمالایخفی علی اولی الابصار۔**	حبس اور تنگی ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلٰوۃ والسلام حمام میں داخل ہوئے تو انہیں آگ اور عذاب جبار یاد آگیا۔ عقیلی، طبرانی، ابن عدی اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا اس کو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک مرفوع کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جو حمام میں داخل ہوئے اور اس کے لئے چونا تیار کیا وہ سیدنا سلیمان بن داؤد علیہما السلام ہیں، جب وہ اس میں داخل ہوئے تو اس کی گرمی اور بے چینی کو پاکر فرمایا اللہ تعالٰی کے عذاب کا درد، یہ تو درمند ہوتا ہے قبل اس کے درمندی نہ ہو۔**قلت** (میں کہتا ہوں کہ) اس کے ساتھ اہل نار سے مشابہت اور نار سے ملابست کی حدیث وارد ہے جیسا کہ ارباب بصیرت پر پوشیدہ نہیں۔(ت)

ولہذا علمائے محققین واجلہ معتمدین مذاہب اربعہ نے بعد تنقیح کار وامعان افکار اس کی اباحت کا حکم فرمایا **و هو الحق الحقیق بالقبول** (اور یہی حق ہے جو قبول کرنے کے لائق ہے۔ت) علامہ سیدی احمد حموی غمز العیون والبصائر میں فرماتے ہیں:

یعلم منه حل شرب الدخان۔ [2]	اس سے معلوم ہوا کہ حقہ پینا حلال ہے۔(ت)

اس قاعدہ سے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے حقہ پینے کی حلت معلوم ہوئی۔علامہ عبدالغنی

---

[1] الضعفاء الکبیر ترجمہ ۹۵ اسمٰعیل بن عبدالرحمن الداؤدی دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۸۴ و ۸۵، شعب الایمان حدیث ۷۷۷۸ دارالکتب العلمیہ بیروت ۶ /۱۶۰

[2] غمز عیون البصائر مع اشباہ والنظائر القاعدۃ الثالثہ الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۹۸

بن علامہ اسمٰعیل نابلسی قدس سرہما القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

من البدع العادیة استعمال التتن و القھوة الشائع ذکرھما فی ھذا الزمان بین الاسافل والاعیان والصواب انہ لاوجہ لحرمتھما ولالکراھتھما فی الاستعمال [1] الخ۔	بدعات عادیہ سے ہے حقہ اور کافی کا پینا جن کا چرچا آج کل عوام وخواص میں شائع ہے اور حق یہ ہے کہ ان کی حرمت کی کوئی وجہ ہے نہ کراہت کی۔

علامہ محقق علاء الدین دمشقی درمختار میں عبارت اشباہ نقل کرکے فرماتے ہیں: **قلت فیفھم منہ حکم التتن** [2] شامی میں ہے: **وھو الاباحۃ علی المختار** [3] یعنی اس سے تمباکو کا حکم مفہوم ہوتا ہے اور وہ اباحت ہے مذہب مختار میں۔ پھر فرمایا:

وقد کرھہ شیخنا العمادی فی ھدیتہ الحاقا لہ بالثوم والبصل بالاولی۔ [4]	ہمارے استاد عبدالرحمٰن بن محمد عمادالدین دمشقی نے اپنی کتاب ہدیہ میں اسے لہسن وپیاز سے ملحق ٹھہرا کر مکروہ رکھا۔

علامہ سیدی ابوالسعود پھر علامہ سیدی احمد طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں فرمایا:

لایخفی ان الکراھۃ تنزیھیۃ بدلیل الالحاق بالثوم والبصل والمکروہ تنزیھا یجامع الجواز۔ [5]	پوشیدہ نہیں کہ یہ کراہت تنزیہی ہے جیسے لہسن اور پیاز کی، اور مکروہ تنزیہی جائز ہوتا ہے۔

علامہ حامد آفندی عمادی بن علی آفندی مفتی دمشق الشام فتاوی مغنی المستفتی عن سوال المفتی میں علامہ محی الدین احمد بن محی الدین حیدر کردی جزری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں:

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الدلیل علی قبح البدع والنھی عنھا المکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۴۳-۱۴۲

[2] الدرالمختار کتاب الاشربہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۱

[3] ردالمحتار کتاب الاشربہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۶

[4] الدرالمختار کتاب الاشربہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۱

[5] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الاشربہ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۲۲۷

فی الافتاء بحلہ دفع الحرج عن المسلمین فان اکثرھم مبتلون بتناولہ مع ان تحلیلہ ایسر من تحریمہ وماخیر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بین امرین الا اختار ایسرھما واما کونہ بدعۃ فلا ضرر فانہ بدعۃ فی التناول لافی الدین فاثبات حرمتہ امر عسیر لایکاد یوجد لہ نصیر۔[1]	حلت قلیان پر فتوٰی دینے میں مسلمانوں سے دفع حرج ہے کہ اکثر اہل اسلام اس کے پینے میں مبتلا ہیں معہذا اس کی تحلیل تحریم سے آسان تر ہے اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب دو کاموں میں اختیار دیئے جاتے جوان میں زیادہ آسان ہوتا اسے اختیار فرماتے، رہا اس کا بدعت ہونا کچھ باعث ضرر نہیں کہ یہ بدعت کھانے پینے میں ہے نہ کہ امور دین میں، تو اس کی حرمت ثابت کرنا ایک دشوار کام ہے جس کا کوئی معین ویاور ملتا نظر نہیں آتا۔

علامہ خاتمۃ المحققین سیدی امین الملۃ والدین محمد بن عابدین شامی قدس سرہ السامی ردالمحتار حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

للعلامۃ الشیخ علی الاجھوری المالکی رسالۃ فی حلہ نقل فیھا انہ افتی بحلہ من یعتمد علیہ من ائمۃ المذاھب الاربعۃ۔[2]	علامہ شیخ علی اجہوری مالکی رحمہ اللہ تعالٰی نے حقہ کی حلت میں ایک رسالہ لکھا جس میں نقل فرمایا کہ چاروں مذاہب کے ائمہ معتمدین نے اس کی حلت پر فتوٰی دیا۔

پھر فرماتے ہیں:

قلت والف فی حلہ ایضا سیدنا العارف عبدالغنی النابلسی رسالۃ سماھا الصلح بین الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان وتعرض لہ فی کثیر من تالیفہ الحسان واقامۃ الطامۃ الکبرٰی	حلت قلیان میں ہمارے سردار عارف باللہ حضرت عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ تعالٰی نے بھی ایک رسالہ تالیف فرمایا جس کا "الصلح بین الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان" نام رکھا اور اپنی بہت تالیفات نفیسہ میں اس سے تعرض کیا اور حقہ کی حرمت یا کراہت ماننے والے پر

[1] العقود الدریۃ بحوالہ محی الدین الکردی الجزری، فی الرد علی من افتی بحرمۃ شرب الدخان، ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۶۶

[2] ردالمحتار کتاب الاشربہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۵

علی القائل بالحرمۃ اوبالکراھۃ فانھما حکمان شرعیان لابدلھما من دلیل ولادلیل علی ذٰلك فانه لم یثبت اسکارہ ولاتفتیرہ ولااضرارہ بل ثبت له منافع فھو داخل تحت قاعدۃ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ وان فرض اضرارہ للبعض لایلزم منه تحریمه علی کل احد فان العسل یضر باصحاب الصفراء الغالبۃ وربما امرضھم مع انه شفاء بالنص القطعی ولیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالٰی باثبات الحرمۃ اوالکراھۃ اللذین لابدلھما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ التی ھی الاصل وقد توقف النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم مع انه ھو المشرع فی تحریم الخمر ام الخبائث حتی نزل علیه النص القطعی فالذی ینبغی للانسان اذاسئل عنه سواء کان ممن یتعاطاہ اولا کھٰذا العبد الضعیف وجمیع من فی بیته ان یقول ھو مباح لکن رائحته تستکرھھا الطباع فھو مکروہ طبعا لاشرعا الٰی اٰخر ما اطال به رحمه اللہ تعالٰی۔[1]	قیامت کبرٰی قائم فرمائی کہ وہ دونوں حکم شرعی ہیں جن کے لئے دلیل درکار۔اور یہاں دلیل معدوم کہ نہ اس کا نشہ لانا ثابت ہوا نہ عقل میں فتور ڈالنا نہ مضرت کرنا بلکہ اس کے منافع ثابت ہوئے ہیں تو وہ اس قاعدہ کے نیچے داخل کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے،اور اگر فرض کیجئے کہ بعض کو ضرر کرے تو اس سے سب پر حرمت ثابت نہیں ہوتی،جن مزاجوں پر صفرا غالب ہوتا ہے شہد انہیں نقصان کرتا ہے بلکہ بارہا بیمار کر دیتا ہے باآنکہ وہ بنص قرآنی شفا ہے،اور یہ احتیاط کی بات نہیں کہ حرمت یا کراہت ٹھہرا کر خدا پر افترا کر دیجئے کہ ان کے لئے دلیل کی حاجت بلکہ احتیاط مباح ماننے میں ہے کہ وہی اصل ہے،خود نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ بنفس نفیس صاحب شرع ہیں شراب جیسی ام الخبائث کی تحریم میں توقف فرمایا جب تک کہ نص قطعی نہ اُترا تو آدمی کو چاہئے جب اس سے حقہ کے بارے میں سوال کیا جائے تو اسے مباح ہی بتائے خواہ پیتا ہو یا نہ پیتا ہو جیسے میں اور میرے گھر میں جس قدر لوگ ہیں(کہ ہم میں کوئی نہیں پیتا مگر فتوٰی اباحت ہی پر دیتا ہوں)ہاں اس کی بو طبیعت کرناپسند ہے تو وہ مکروہ طبعی ہے نہ کہ شرعی،اور ہنوز علامہ مذکور کا کلام طویل اس کی تحقیق میں باقی ہے۔

[1] ردالمحتار کتاب الاشربہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۶

بالجملہ عندالتحقیق اس مسئلہ میں سواحکم اباحت کے کوئی راہ نہیں ہے خصوصًا ایسی حالت میں کہ عجمًا وعربًا وشرقًا وغربًا عام مومنین بلاد وبقاع تمام دنیا کو اس سے ابتلا ہے تو عدم جواز کا حکم دینا عامہ امت مرحومہ کو معاذاللہ فاسق بنانا ہے جسے ملت حنفیّہ سمحہ سہلہ غرابیضا ہر گز گوارا نہیں فرماتی، اسی طرف علامہ جزری نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

فی الافتاء بحلہ دفع الحرج عن المسلمین۔[1]	اس کے حلال ہونے کا فتوی دینے میں مسلمانوں سے دفع حرج ہے (ت)

اور اسے علامہ حامد عمادی پھر منقح علامہ محمد شامی آفندی نے برقرار رکھا:

اقول: ولسنا نعنی بھذا ان عامۃ المسلمین اذا ابتلوا بحرام حل بل الامران عموم البلوٰی من موجبات التخفیف شرعا وماضاق امر الا اتسع فاذا وقع ذٰلك فی مسئلۃ مختلف فیھا ترجح جانب الیسر صونا للمسلمین عن العسر ولایخفی علی خادم الفقۃ ان ھذا کما ھو جار فی باب الطھارۃ والنجاسۃ کذٰلك فی باب الاباحۃ والحرمۃ ولذا تراہ من مسوغات الافتاء بقول غیرالامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کما فی مسئلۃ المخابرۃ وغیرھا مع تنصیصھم بانہ لایعدل عن قولہ الی قول غیرہ الالضرورۃ بل ھو	**اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) ہماری اس سے مراد یہ نہیں کہ عام مسلمان اگر کسی حرام میں مبتلا ہو جائیں تو وہ حلال ہو جاتا ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ عمومًا بلوی شرعی طور پر اسباب تخفیف میں سے ہے، کوئی تنگی نہیں جس میں وسعت نہ پیدا ہو، جب یہ معاملہ ایک اختلافی مسئلہ میں واقع ہوا تو مسلمانوں کو تنگی سے بچانے کے لئے آسانی کی جانب کو ترجیح ہوگی۔ خادم فقہ پر پوشیدہ نہیں کہ جیسے یہ ضابطہ طہارت ونجاست میں جاری ہے۔ ایسے ہی حرمت واباحت میں بھی جاری ہے یہی وجہ ہے کہ تو اس ضابطہ کو امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے غیر کے قول پر فتوی دینے کے مجوزات میں دیکھتا ہے جیساکہ مسئلہ مخابرہ وغیرہ میں حالانکہ ائمہ کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ بلاضرورۃ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے قول سے عدول نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ ضابطہ

[1] العقود الدریۃ فی الرد علی من افتٰی بحرمۃ شرب الدخان ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳۶۶

من مجوزات المیل الٰی روایۃ النوادر علٰی خلاف ظاھر الروایۃ کما نصوا علیہ مع تصریحھم بان ما یخرج عن ظاھر الروایۃ فھو قول مرجوع عنہ وما رجع عنہ المجتھد لم یبق قولا لہ [1] وقد تشبث العلماء بھٰذا فی کثیر من مسائل الحلال والحرام ففی الطریقۃ وشرحھا الحدیقۃ فی زماننا ھذا لا یمکن الاخذ بالقول الاحوط فی الفتوی الذی افتی بہ الائمۃ وھو مااختارہ الفقیہ ابواللیث انہ ان کان فی غالب الظن ان اکثرمال الرجل حلال جاز قبول ھدیتہ ومعاملتہ والالا [2] اھ ملخصا،وفی ردالمحتار من مسئلۃ بیع الثمار لایخفی تحقق الضرورۃ فی زماننا،ولاسیما فی مثل دمشق الشام،وفی نزعھم عن عادتھم حرج،وماضاق الامر الا اتسع ولایخفی ان ھذا مسوغ للعدول عن ظاھر الروایۃ [3] اھ ملخصا، وفی مسئلۃ العلم فی الثوب	ظاہر الروایہ کے خلاف روایت نوادر کی طرف میلان کے لئے بھی مجوز ہے جیساکہ علماء نے نص فرمائی باوجودیکہ وہ تصریح فرماچکے ہیں کہ جو قول ظاہر الروایۃ سے خارج ہے وہ مرجوع عنہ ہے اور جس قول سے مجتہد رجوع کرلے وہ اس کا قول نہیں رہتا، علماء نے بہت سے مسائل حلال وحرام میں اس سے استدلال کیا ہے۔ طریقہ اور اس کی شرح حدیقہ میں ہے کہ ہمارے زمانے میں قول احوط کولینا جس پر ائمہ کرام نے فتوی دیاہے ممکن نہیں۔اسی کو فقیہ ابواللیث نے اختیار فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص کے اکثر مال کے حلال ہونے کا گمان غالب ہو تو اس کا ہدیہ قبول کرنا اور اس کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے ورنہ نہیں اھ اختصار،اور ردالمحتار میں پھلوں کی بیع کے مسئلہ میں ہے ہمارے زمانے میں اس کی ضرورت کا متحقق ہونا پوشیدہ نہیں خصوصًا شام کے شہر دمشق میں،اور ان کو عادت سے ہٹانے میں حرج ہے،اور کوئی تنگ معاملہ نہیں جس میں وسعت نہ آئے، مخفی نہیں کہ یہ بات ظاہر الروایہ سے عدول کی مجوز ہے اھ تلخیص۔اور کپڑے پر نقش و نگار کے مسئلہ میں ہے

[1] بحرالرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء من المجتھدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۷۰

[2] الحدیقۃ الندیۃ الباب الثالث الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۷۲۰

[3] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فیمایدخل فی البیع تبعًا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹

هو ارفق باهل هذا الزمان لئلا يقعوا فى الفسق و العصيان [1] اھ وفيه من كتاب الحدود ومقتضى هذا كله ان من زفت اليه زوجته ليلة عرسه ولم يكن يعرفها لايحل له وطؤها مالم تقل واحدة او اكثر انها زوجتك وفيه حرج عظيم لانه يلزم منه تاثيم الامة [2] اھ ملخصا الى غير ذٰلك من مسائل يكثر عدها ويطول سردها فاندفع ماعسٰى ان يوهم من قول الفاضل اللكنوى ان عموم البلوى انما يؤثر فى باب الطهارة والنجاسة لافى باب الحرمة والاباحة صرح به الجماعة [3] اھ۔	کہ اس میں اہل زمانہ کے لئے نرمی ہے تاکہ وہ فسق اور گناہ میں مبتلانہ ہوں اھ، اور اسی کے کتاب الحدود میں ہے اور اس تمام کا مقتضٰی یہ ہے کہ اگر شب زفاف شوہر کے پاس اس کی بیوی بھیجی جائے تو اس وقت تک اس کے لئے وطی حلال نہیں جب تک وہ عورت ایک یا کئی بار اس کو کہہ نہ دے کہ وہ اس کی بیوی ہے حالانکہ اس میں حرج عظیم ہے کیونکہ اس سے امت کو گنہگار بنانا لازم آتا ہے اھ تلخیص۔ اس کے علاوہ کئی مسائل جن کی تعداد کثیر اور ان کو بیان کرنے میں طوالت ہے۔ اس سے فاضل لکھنوی کے قول سے پیدا ہونے والا یہ وہم دور ہوگیا کہ عموم بلوی صرف طہارت ونجاست میں مؤثر ہے نہ کہ حرمت واباحت میں۔ جماعت علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے اھ۔ (ت)

ہاں بنظر بعض وجوہ سے تنزیہی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ محقق علائی وعلامہ ابوالسعود وعلامہ طحطاوی وعلامہ شامی نے الحاقا بالثوم و البصل افادہ فرمایا۔

علٰی مراء فيه لبعض الفضلاء مع كلام فى ذٰلك المراء۔	اس میں بعض فضلاء کو شک ہے باوجودیکہ اس شک میں کلام ہے۔ (ت)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

الحاقه بماذكر هو الانصاف۔ [4]	اس کامذکور کے ساتھ الحاق کرنا ہی انصاف ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار كتاب الحظر والاباحة فصل فى اللبس داراحياء التراث العربى بيروت ۵ /۲۲۵

[2] ردالمحتار كتاب الحدود باب الوطئ الذى يوجب الحد الخ داراحياء التراث العربى بيروت ۳ /۱۱۵

[3] ترويح الجنان بتشريح حكم الدخان للكهنوى

[4] ردالمحتار كتاب الاشربه داراحياء التراث العربى بيروت ۵ /۲۹۶

اقول: (میں کہتا ہوں) یہیں سے ظاہر کہ اس وجہ کو موجب کراہت تحریم جاننا،

کما جزم به الفاضل اللکنوی فی فتاواہ وتردّد فیه فی رسالة واضطرب فیه کلام المحدث الدھلوی (ھو مولانا الشاہ عبدالعزیز المحدث الدھلوی) فیما نسب الیه فاوھم اولًا انه یوجب کراھة التحریم وعاد اٰخرًا فقال التنزیه۔	جیسا کہ فاضل لکھنوی نے اپنے فتاوٰی میں اس پر جز فرمایا، اور ایک رسالہ میں تردّد فرمایا۔ اور اس مسئلہ میں (حضرت مولانا الشاہ عبدالعزیز) محدث دہلوی کی طرف منسوب کلام مضطرب ہے، پہلے انہوں نے وہم کیا کہ یہ مکروہ تحریمی ہے پھر رجوع کرکے فرمایا کہ مکروہ تنزیہی ہے۔ (ت)

سراسر خلاف تحقیق ہے **ثمّ اقول:** (پھر میں کہتا ہوں۔ت) پھر کراہت تنزیہ کا حاصل صرف اس قدر کہ ترک اولٰی ہے نہ کہ فعل ناجائز ہو۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ یہ کراہت جامع جواز واباحت ہے جانب ترک میں اس کا وہ رتبہ ہے جو جہت فعل میں مستحب کا کہ مستحب کیجئے تو بہتر نہ کیجئے تو گناہ نہیں، مکروہ تنزیہی نہ کیجئے تو بہتر کیجئے تو گناہ نہیں، پس مکروہ تنزیہی کو داخل دائرہ اباحت مان کر گناہ صغیرہ اور اعتیاد کو کبیرہ قرار دینا کما صدر عن الفاضل اللکنوی وتبعه السید المشھدی ثم الکردی (جیساکہ فاضل لکھنوی سے صادر ہوا پھر اس کی اتباع سید مشہدی پھر کُردی نے کی۔ت) سخت لغزش وخطائے فاسد ہے یارب مکروہ گناہ کون ساجو شرعًا مباح ہو اور وہ مباح کیسا جو شرعًا گناہ ہو۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس خطائے شدید کے رَد میں ایک مستقل تحریر مسمّی بہ جمل مجلیه ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیه تحریر کی **وباللہ التوفیق**، **ثم اقول:** (پھر میں کہتا ہوں۔ت) یوہیں ما نحن فیه میں تین وجہ سے کراہت تنزیہہ ٹھہرا کر کراہت تحریم کی طرف مرتقی کردینا **کما وقع فیما نسب الی المحدث الدھلوی** (جیسا کہ محدّث دہلوی کی طرف منسوب تحریریں واقع ہوا۔ت) محض نامقبول، قطع نظر اس سے کہ ان وجوہ سے اکثر محل نظر، شرع سے اصلا اس پر دلیل نہیں کہ جو چیز تین وجہ سے مکروہ تنزیہی ہو مکروہ تحریمی ہے **ومن ادعی فعلیه البیان** (جو دعوی کرے بیان دلیل اسی پر واجب ہے۔ت) خود محدث دہلوی کے تلمیذ رشید مولانا رشید الدین خاں دہلوی مرحوم اپنے رسالہ عربیہ میں صاف لکھتے ہیں کہ علمائے محققین حقہ میں کراہت تنزیہی مانتے ہیں **حیث قال** (جہاں فرمایا۔ت):

اما المحققون القائلون بکراھته تنزیھا فھم ایضا تشبثوا بالروایات القھیة مثل ماقال صاحب الدر المختار[1] الخ۔	جو محققین کراہت تنزیہی کے قائل ہیں انہوں نے بھی فقہی روایات سے استدلال کیا ہے جیساکہ صاحب درمختار نے کہا الخ

1

اور اسی میں تصریح ہے کہ مالت مشائخنا الیھا[1] اسی کراہت تنزیہہ کی طرف ہمارے اساتذہ نے میل کیا۔ اس رسالہ پر شاہ عبدالعزیز صاحب وشاہ رفیع الدین صاحب کی تقریظیں ہی شاہ صاحب نے اسے:

تحریر انیق وتقریر رشیق وصحیح المبانی ومستحکم المعانی وموافق روایات ومطابق درایات۔[2]	عمدہ تحریر، خوبصورت تقریر، صحیح عبارت والی، مستحکم معانی والی، روایات کے موافق اور درایات کے مطابق (ت) بتایا،

اور شاہ رفیع الدین صاحب نے:

استحسنت غایۃ الاحسان ماثر بنایہ من جواھر لاآلیۃ فی مبانیہ ومعانیہ[3]۔	انتہائی مستحسن ہیں موتیوں کے جواہر جواس کے بانی نے اس کی عبارت اور معانی میں بکھیرے ہیں۔ (ت) فرمایا،

توظاہراً دوسری تحریر کی نسبت غلط ہے یا اس میں تحریفیں واقع ہوئیں اور اس پر دلیل یہ بھی ہے کہ اس تحریر کے اکثر جوابات مخدوش ومضمحل اور خلاف تحقیق باتوں پر مشتمل ہیں اور نسبت بہمہ جہت صحیح ہی مانئے تو رسالہ تلمیذ کی مدح وتقریظ، مناقض ومعارض ہوگی وہ تحریر پائیہ اعتبار سے یوں بھی گر گئی۔ اور اس سے بھی قطع نظر کیجئے تو مقصود اتباع حق ہے نہ تقلید اہل عصر و اتباع زید وعمرو، واللہ الھادی وولی الایادی۔

الحاصل معمولی حقہ کے حق میں تحقیق حق وتحقیق یہی ہے کہ وہ جائز ومباح اور غایت درجہ صرف مکروہ تنزیہی ہے یعنی جو نہیں پیتے اچھا کرتے ہیں اور جو پیتے ہیں برا نہیں کرتے۔

فان الاساءۃ فوق کراھۃ التنزیہ کما حققہ العلامۃ الشامی[4]۔	کیونکہ اساءۃ مکروہ تنزیہی سے اوپر ہے جیسا کہ علامہ شامی نے اس کی تحقیق فرمائی (ت)

البتہ وہ حقہ جو بعض جہّال بعض بلاد ہند ماہ مبارک رمضان شریف میں وقت افطار پیتے اور دم لگاتے اور حواس ودماغ میں فتور لاتے اور دیدہ ودل کی عجیب حالت بناتے ہیں بیشک ممنوع وناجائز وگناہ ہے اور وہ بھی معاذاللہ ماہ مبارک میں۔ اللہ عزوجل ہدایت بخشے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر مفتر چیز سے نہی فرمائی اور اس حالت کے حالت تفتیر ہونے میں کچھ کلام نہیں۔

1

2

3

[4] ردالمحتار داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۸۱، ۳۱۸

احمد و ابوداؤد بسند صحیح عن ام سلمة رضی الله تعالٰی عنها قالت نهٰی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن کل مسکر و مفتر [1] ۔	امام احمد اور ابوداؤد سے بسند صحیح حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر نشہ آور چیز اور مست کر دینے والی شَے سے منع فرمایا۔(ت)

اور ایک صورت ممانعت کی اوقات خاصہ کے لئے اور پیدا ہوگی رائحہ کریہہ کے ساتھ مسجد میں جانا جائز نہیں

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من اکل من هذه الشجرة الخبیثة فلا یقربن مصلانا فان الملئکة تتأذی مما یتأذی منه بنوادم [2] ۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق کہ جو اس درخت خبیثہ (یعنی تھوم) کو کھائے وہ ہماری مسجدوں میں نہ آئے کہ جس بات سے آدمیوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے فرشتے بھی اذیت کرتے ہیں۔(ت)

تو اگر حقہ سے منہ کی بو متغیر ہو بے کلی کئے منہ صاف کئے مسجد میں جانے کی اجازت نہیں، اسی قدر سے خود حقہ پر حکم ممانعت نہیں جیسے کچا لہسن پیاز کھانا کہ بلاشبہہ حلال ہے اور اسے کھا کر جب تک بو زائل نہ ہو مسجد میں جانا ممنوع مگر جو حقہ ایسا کثیف و بے اہتمام ہو کہ معاذاللہ تغیر باقی پیدا کرے کہ وقت جماعت تک کلی سے بھی بکلی زائل نہ ہو تو قرب جماعت میں اس کا پینا شرعًا ناجائز کہ اب وہ ترک جماعت و ترک سجدہ یا بدبو کے ساتھ دخول مسجد کا موجب ہوگا اور یہ دونوں ممنوع و ناجائز ہیں اور ہر مباح فی نفسہ کہ امر ممنوع کی طرف مؤدی ہو ممنوع و ناروا ہے،

وقد حققنا المسألة مع نظائرها فی کتاب الوقف من فتاوٰنا بما یتعین الرجوع الیه ولا یجوز التغافل عنه۔	اس مسئلہ کی تحقیق اس کے نظائر سمیت کتاب الوقف میں ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس طور پر کردی ہے کہ اس کی طرف رجوع متعین ہے اور اس سے غفلت ناجائز ہے۔(ت)

[1] سنن ابی داؤد کتاب الاشربه باب ماجاء فی السکر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۶۳، مسند احمد بن حنبل عن ام سلمه المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۳۰۹

[2] المعجم الصغیر باب الالف من اسمه احمد دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۲۲

یہیں سے تمبا کو کھانے کا حکم واضح ہوگیا وہ فی نفسہٖ نباتات مباحہ سے ہے جس کی ممانعت اکل پر شرع مطہر ہر گز دال نہیں تو اسے بعد وضوح حال حرمایا مکروہ تحریمی کہنا شرع پر جرأت و تہمت ہے، ہاں غایت وہی تنزیہی کراہت ہے، **اقول:** بلکہ حقہ سے اشد کہ دھواں منہ میں قائم نہیں رہتا تمبا کوئے کشیدنی اگر کثیف نہو اور حقہ جلد جلد تازہ کیاجائے ہر بار پانی بدلا جائے تو اس سے تغیر رائحہ ہوتا ہی نہیں خصوصًا جبکہ تمبا کو خوشبو دار ہو اور حالت متوسط پر بھی اس سے جو تغیر ہوتا ہے بہت سریع الزوال ہوا ہے کلیوں سے فورًا جاتا رہتا ہے اور بے کلی بھی تھوڑی دیر میں ہوائیں اسے لے جاتی ہیں بخلاف تمبا کوئے خوردنی کہ اس کا جرم منہ میں دبا رہتا ہے اور مکرر استعمال سے تمام دہن اس کی کیفیت کریہہ سے متکیف ہوتا اور اس کی بُو میں بس جاتا ہے تو اس کی کراہت تنزیہی حقہ سے زائد ہے اور اس میں ایک دقیقہ اور ہے تمبا کو کھانے کا زیادہ رواج عورتوں میں ہے، اور شوہر اگر اس کا غیر عادی اور اس کی بو سے متأذی ہو تو عورت کے لئے اس کا استعمال حد ممانعت تک پہنچے گا۔

لما فیہ من مناقضۃ ماقصد الشرع من الایتلاف والتحبب الی الازواج۔	کیونکہ اس میں میاں بیوی کے درمیان اس باہمی انس و محبت کی ممانعت ہے جو شرعًا مقصود و مطلوب ہے۔(ت)

بلکہ عورت عادیہ نہ ہو اور اس کی بو سے ایذا پائے تو شوہر کے لئے بھی اس کی کراہت اشد ہوجائے گی کہ عورت کے حق میں شوہر کو ایذا دینا یا اسے اپنے بعض بدن مثل زبان و دہن سے تمتع دشوار کردینا اگرچہ سخت ناپسند شرع ہے مگر مرد کو بھی حکم "عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ"[1] (ان سے اچھا برتاؤ کرو۔ت) کی ہدایت، اور ان کی ایذا سے ممانعت، اور ان کی دلداری و دلجوئی کی طرف دعوت ہے اور اکثر کثافت و بے احتیاطی اس حد کو پہنچی کہ رائحہ کریہہ لازم دہن ہوجائے، کلی وغیرہ سے نہ جائے، برابر والے کو ایذا پہنچائے، تو ایسے تمبا کو کا استعمال بیشک ناجائز و ممنوع ہے کہ اب وہ خواہی نخواہی ترک جماعت و مسجد کا موجب ہوگا اور یہ حرام ہے معہذا ایسے تغیر کے ساتھ خود نماز پڑھنا، تلاوت قرآن کرنا سوئے ادب و گستاخی ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی**

ھذا ھو حق التحقیق، واللہ سبحٰنہ ولی التوفیق۔

اما ماذکر السائل من حدیثی الدر الثمین **فاقول:** لا متمسك فیھما	سائل نے درثمین کے حوالے سے جو دو حدیثیں ذکر کی ہیں تو **میں کہتا ہوں** کہ ان میں ممانعت کے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۹

للقائل بالمنع معلوم ضرورۃ من الدین ان نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکذٰلک سائر اخوانہ من الانبیاء والمرسلین وکذٰلک سائر اخوانہ من الانبیاء والمرسلین والملئکۃ المقربین صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم اجمعین کلھم طیبون نظیفون یحبون الطیب ویکرھون الروائح الکریھۃ ثم لم یورث ھذا فی الثوم والبصل واخواتھما من المباحات حرمۃ ولامنعًا مع مانطقت بہ الاحادیث الجلیلۃ الصحیحۃ مسموعات الصحابۃ الکرام فی الیقظۃ مرویات الائمۃ الاعلام علی جادۃ الحجیۃ فی الشریعۃ من قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اکل الثوم والبصل والکراث فلایقربن مسجدنا [1] و غیرذٰلک من الاحادیث فکیف بحکایۃ منام یحکیھا بعض المتأخرین عن بعض من لم یسم وھذا سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنھما راویا ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال من اکل ثوما اوبصلا فلیعتزلنا اوقال فلیعتزل مسجدنا ولیقعد فی بیتہ وان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُتی بقدر فی خضرات من بقول	قائل کے لئے کوئی دلیل معلوم نہیں ہوتی یہ بات ضروریات دین سے معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، یونہی دیگرانبیاء ومرسلین اورملائکہ مقربین علیہم الصلٰوۃ والسلام تمام کے تمام صاف ستھرے ہیں، خوشبو کوپسند اوربدبوکاناپسند کرتے ہیں۔ پھر محض بدبوکاپایاجانا تو تھوم اور پیازوغیرہ مباح اشیاء میں بھی حرمت وممانعت کوثابت نہیں کرتا باوجودیکہ اس پر وہ عظیم الشان احادیث صحیحہ وارد ہیں جو صحابہ کرام نے بیداری کی حالت میں سنی ہیں اورائمہ اعلام سے اس طریقے پرمروی ہیں جو شریعت میں حجت ہے، جیسے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ جس نے تھوم، پیاز اور گندنا کھایا وہ ہرگز ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، اس کے علاوہ دیگراحادیث مبارکہ۔ توپھر نیند کی حالت کی حکایت سے کیسے حرمت ثابت ہوسکتی ہے جس کو بعض متاخرین نے بعض نامعلوم حضرات سے حکایت کیا۔ سیدنا حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا جس نے تھوم یاپیاز کھایا وہ ہم سے یاہماری مسجد سے الگ رہے اوراپنے گھرمیں بیٹھے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ہنڈیا

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوما اوبصلا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

فوجد لها ریحا فقال قربوها الی بعض اصحابه وقال کل فانی اناجی من لاتناجی رواه الشیخان [1] وهذا سیدنا ابوایوب الانصاری رضی الله تعالٰی عنه قائلا کان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا اتی بطعام اکل منه وبعث بفضله الیّ وانه بعث الیّ یوما بفضلة لم یأکل منها لان فیها ثوما فسألته حرام هو قال لاو لکنی اکرهه من اجل ریحه قال فانی اکره ما کرهت رواه مسلم [2] فهٰذا شیئ اٰخر غیر المنع الشرعی وانما الکلام فیه، والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔

پیش کی گئی جس میں مختلف قسم کی سبزیاں تھیں، آپ نے ان کی بُو کو ناگوار پایا تو بعض اصحاب کے قریب کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا اس کو کھاؤ کیونکہ میں اس سے سرگوشی کرتا ہوں جس سے تم نہیں کرتے۔ اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا لایا جاتا تو آپ اس میں سے تناول فرماتے اور جو بچ جاتا وہ میری طرف بھیج دیتے، ایک دن آپ نے میرے پاس سبزی بھیجی جس میں سے خود کچھ نہ کھایا کیونکہ اس میں تھوم تھا، میں نے آپ سے پوچھا کیا یہ حرام ہے، تو آپ نے فرمایا کہ حرام نہیں لیکن میں اس کو ناگوار بُو کی وجہ سے پسند نہیں کرتا۔ تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا جس کو آپ پسند نہیں کرتے میں بھی اس کو پسند نہیں کرتا، اس کو مسلم نے روایت کیا۔ تو یہ ایک دوسری چیز ہے جو ممانعت شرعی کے علاوہ ہے حالانکہ کلام تو ممانعت شرعیہ میں ہے۔ اللہ تعالٰی پاک ہے اور سب سے بڑا

---

[1] صحیح البخار کتاب الاذان باب ماجاء فی الثوم النی والبصل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۱۸، صحیح مسلم کتاب المساجد باب نهی من اکل ثومًا وبصلًا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۰۹

[2] صحیح مسلم کتاب الاشربه باب اباحة اکل الثوم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۸۳

عالم ہے اور اس شرف وبزرگی والے کا علم زیادہ تام اور زیادہ پختہ ہے۔(ت)	

کتبہ
عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
محمدی سنی حنفی قادری
عبدالمصطفٰی احمد رضا خاں

رسالہ
حقۃ المرجان لمہم حکم الدخان
ختم ہوا

مسئلہ ۲۰: از کلکتہ دھرم تلا نمبر ا مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۵ جمادی الآخر ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کلکتہ میں نمکین بسکٹوں میں منشی تاڑی بغرض خمیر ملائی جاتی ہے شیریں میں نہیں مگر میدہ گوندھنے کے ظرف دونوں کے ایک ہی ہیں اور وہ تختہ جس پر بسکٹ بنائے جاتے ہیں وہ بھی ایک ہی ہوتا ہے نمکین بسکٹ کے سیر بھر آٹے میں پاؤ بھر تاڑی ملائی جاتی ہے نمکین کا کھانا جائز ہے یا نہیں اور شیریں کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)۔

الجواب:

جو بہتی چیز نشہ رکھتی ہو مذہب صحیح میں اس کا قطرہ قطرہ نہ صرف حرام بلکہ نجس بھی ہے **هذا هو قول محمد وهو الصحيح وعليه الفتوٰی** (یہ ہی امام محمد علیہ الرحمہ کا قول ہے، یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ت) پس صورت مستفسرہ میں نمکین بسکٹ مطلقاً حرام ونجس ہیں، اور شیریں میں تین صورتیں، اگر ثابت ہو کہ ان کے میدہ یا خمیر میں بھی اس نجاست کے اجزاء ضرور مخلوط ہوتے ہیں تو یہ بھی حرام وناپاک، اور اگر تحقیق ہو کہ یہ محفوظ رہتے ہیں مثلاً انہیں التزام ہے کہ جب نمکین کے بعد شیریں بناتے ہیں تو دست وظروف کو بقدر کافی دھوڈالتے ہیں اس کے بعد شیریں کا میدہ گوندھتے بناتے ہیں اگرچہ اس دھونے سے ان کی نیت تطہیر نہ ہو بلکہ صرف اس خیال سے کہ ان میں نمکینی نہ آجائے یا اور کسی وجہ سے یہ دھونا ایسا واقع ہوتا ہے کہ نجاست کے اجزاء دست وظروف سے زائل ہوجاتے ہیں تو شیریں مطلقاً حلال وطیب، اور اگر مشکوک ومحتمل ہو مثلاً ایک دن میں جس قدر یکے بعد دیگرے بنتے ہیں ان میں تو

شست وشو نہیں ہوتی تو ناکافی و ناقابل تطہیر، مگر دوسرے دن جو بنانا شروع ہوتا ہے تورات کے باسی برتن خوب دھولئے جاتے ہیں اور ہمیشہ پہلے نمکین بنانے کا التزام نہیں بلکہ کبھی نمکین کبھی شیریں سے ابتدا کرتے ہیں تو اس صورت میں شیریں کا معاملہ محتمل رہا، ممکن کہ بعد تطہیر پہلے ہی بنے ہوں، ممکن کہ پہلے نمکین بن کر یہ بلا تطہیر بنائے گئے اور ان میں اجزائے نجاست مل گئے ہوں، اس تقدیر پر جن خاص میٹھوں کی نسبت معلوم ہو کہ ان میں خلط نجاست واقع ہوا وہ حرام جن کی نسبت تحقیق ہو کہ ان میں نہ ہوا وہ طیب حلال جن کی نسبت کچھ علم ہوا نہیں حرام یا ناپاک نہیں کہہ سکتے،

فان الاصل هو الحل والطهارة فلا يعارضه الاحتمال وليس لليقين بالشك زوال۔	بیشک اصل حل وطہارت ہے چنانچہ احتمال اس کا معارضہ نہیں کرسکتا اور نہ ہی یقین شک کے ساتھ زائل ہوسکتا ہے۔(ت)

ان کا حکم ہندوؤں کی بنائی ہوئی مٹھائی، دودھ، دہی، ملائی وغیرہا اشیاء کا ہوگا کہ کھانا حلال اور بچنا بہتر، فتوی جواز اور تقوی احتراز، یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ نمکین میں انہیں مسکر تاڑی ڈالنے کا التزام ہو خواہ یوں کہ بازار میں مسکر ہی ملتی ہے وہ وہیں سے لیتے ہیں یا یوں کہ جس غرض سے ڈالتے ہیں وہ مسکر ہی سے حاصل ہوتی ہے غیر مسکر کام نہیں دیتی، اوا گر یہ دونوں امر نہ ہوں بلکہ وہ کبھی مسکر کبھی غیر مسکر ہر قسم کی تاڑی ڈالا کرتے ہیں کوئی خاص التزام نہیں تو اب نمکین بسکٹوں پر مطلقاً حرمت کا حکم نہیں بلکہ ان کا حال وہ ہوگا جو صورت ثالثہ میں شیرین کا تھا کہ جس خاص کا حال معلوم حکم معلوم ورنہ کھانا روا بچنا اولٰی۔ تاڑی چند ساعت دھوپ کی حرارت پاکر جوش لاتی ہے اور مسکر ہو جاتی ہے یا جس گھڑی میں لی گئی اس میں پہلی تاڑی کا اثر ہو تو اپنی شدت لطافت کے سبب یوں بھی سکر لے آتی ہے ورنہ اگر کورا گھڑا وقت مغرب باندھیں اور وقت طلوع اتار کر اسی وقت استعمال کریں تو اس میں جوش نہیں آتا یہ اگر ثابت ہو تو اس وقت تک وہ حلال وطاہر ہوتی ہے جب جوش لائی ناپاک وحرام ہوئی، پھر کہا جاتا ہے کہ س کے بعد بھی اس کی یہ حالت دیر پا نہیں رہتی بلکہ کچھ مدت کے بعد ترش ہو کر سرکہ ہو جاتی ہے جس طرح تذکرہ طبیب داؤد انطاکی میں نارجیل کی نسبت ہے:

قد يفسد طلعه اوجريده ويلقم كوزا فيسيل منه لبن، ويُسَمّى السيندى يبقى يوما على الحلاوة و الدسومة وله	کبھی اس کا گابھا یا ٹہنی فاسد ہو جاتے ہیں اور کوزے کا دھانہ بند ہو جاتا ہے تو اس سے دودھ بہنے لگتا ہے جس کو سیندھی کہا جاتا ہے اس کی حلاوت اور چکنائی ایک دن باقی رہتی ہے اس کے

افعال اشد من الخمر وھو خیر منھا ثم یکون خلا بالغاقاطعا۔[1]	افعال شراب سے زیادہ سخت ہوتے ہیں اور یہ اس سے بہتر ہے پھر یہ تند و تیز سرکہ بن جاتا ہے۔(ت)

مگر میر محمد مومن کے لفظ تحفہ میں یہ ہیں:

حلاوت او تایک روز باقی ست بعد از یک روز مانند سرکہ تُرش می شود[2]۔	اس کی حلاوت ایک دن باقی رہتی ہے پھر وہ ترش سرکہ بن جاتا ہے۔(ت)

لیکن سرکہ ہوجانے اور مثل سرکہ تُرش ہوجانے میں فرق ہے، غرض اگر ثابت ہو کہ تاڑی ایک وقت تک مسکر نہیں ہوتی یا ایک وقت کے بعد مسکر نہیں رہتی اور انہیں خاص مسکر ہی کے ڈالنے کا التزام نہیں بلکہ دونوں طرح کے استعمال کرتے ہیں جب تو حکم یہ ہے، اور اگر ثابت ہوا کہ اس مدت مقررہ کے بعد اس کے اجزا خواہی نخواہی سرکہ ہوجاتے ہیں اگرچہ آٹے میں مل کر تنور میں پک چکے ہوں تو اس مدت کے گزرنے پر بسکٹ مطلقاً حلال ہوجائیں گے،

لان الحرمۃ کانت لمجاور وقد تبدل عینہ قال فی الدرالمختار لوعجن خبز بخمر صب خل فیہ حی یذھب اثرہ فیطھر[3] فی ردالمحتار لانقلاب مافیہ من اجزاء الخمر خلا۔[4]	کیونکہ حرمت مجاور کی وجہ سے ہے اور اس کا عین بدل گیا ہے اور درمختار میں ہے اگر شراب میں آٹا گوندھ کر روٹی پکائی گئ حتی کہ شراب کا اثر جاتا رہا تو وہ پاک ہوجائے گی۔ ردالمحتار میں ہے اس لئے کہ اس کی حقیقت بدل کر سرکہ بن گئی ہے۔(ت)

اور اگر یہ امور ناثابت ہوں تو حکم وہی ہے کہ اول مذکور ہوا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱: از گلگٹ چھاؤنی جوئنال مرسلہ سید محمد یوسف علی صاحب ۱۰ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص شراب پیئے وہ کیسا ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

---

[1] تذکرۃ اولوا الالباب لداؤد انطاکی حرف النون ذکر نارجیل مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۲۷

[2] تحفۃ المؤمنین علی ھامش مخزن الادویۃ تحت لفظ نارجیل نولکشور کانپور ص ۵۵۳

[3] الدرالمختار کتاب الطھارت باب الانجاس مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۶

[4] ردالمحتار کتاب الطھارت باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۳

الجواب:

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا وَالْمُسْلِمِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن (اے اللہ! ہمیں اور تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھ اپنی رحمت کے ساتھ اے بہترین رحم فرمانے والے۔ت) شراب حرام اور پیشاب کی طرح ناپاک اور اس کا پینا سخت گناہ کبیرہ اور پینے والا فاسق فاجر ناپاک بیباک مردود وملعون مستحق عذاب شدید وعقاب الیم ہے، والعیاذ باللہ رب العالمین، اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس پر سخت سخت وعیدیں ہولناک تہدیدیں فرمائیں، یہاں صرف بعض پر اکتفا کرتے ہیں:

حدیث(۱): رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایشرب الخمر حین یشربها وھو مؤمن رواہ الشیخان[1] غیرھما عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	شراب پیتے وقت شرابی کا ایمان ٹھیک نہیں رہتا (اس کو شیخین وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

حدیث(۲): (رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:)

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الخمر عشرۃ عاصرھا ومعتصرھا وشاربھا وحاملھا والمحمولۃ الیہ وساقیھا وبائعھا واٰکل ثمنھا والمشتری لھا والمشتراۃ لہ رواہ الترمذی[2] وابن ماجۃ عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ ورجالہ ثقات۔	یعنی جو شخص شراب کے لئے شیرہ نکالے اور جو نکلوائے اور جو پیئے اور جو اٹھا کر لائے اور جس کے پاس لائی جائے اور جو پلائے اور جو بیچے اور جو اس کے دام کھائے اور جو خریدے اور جس کے لئے خریدی جائے ان سب پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی (اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ت)

حدیث(۳): کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاشربہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۶، صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان نقصان الایمان بلامعاصی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۵

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الاشربہ باب لعنت الخمر الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۵۰، جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی بیع الخمر الخ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۵

من زنی وشرب الخمر نزع اللّٰہ منہ الایمان کما یخلع الانسان القمیص من راسہ۔رواہ الحاکم [1] عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔	جو زنا کرے یا شراب پیئے اللہ تعالٰی اس سے ایمان کھینچ لیتا ہے جیسے آدمی اپنے سر سے کرتا کھینچ لے (اسے امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

حدیث (۴): کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لایدخلون الجنۃ مدمن الخمر وقاطع الرحم ومصدق بالسحر ومن مات مدمن الخمر سقاہ اللّٰہ جل وعلامن نھرالغوطۃ.قیل ومانھر العوطہ.قال نھریجری من فروج المومسات یؤذی اھل النار ریح فروجھن۔رواہ احمد [2] وابن حبان فی صحیحہ وابو یعلٰی عن ابی موسٰی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔	تین شخص جنت میں نہ جائیں گے: شرابی اور اپنے قریب رشتہ داروں سے بدسلوکی کرنے والا اور جادو کی تصدیق کرنے والا۔ اور جو شرابی بے توبہ مر جائے اللہ تعالٰی اسے وہ خون اور پیپ پلائے گا جو دوزخ میں فاحشہ عورتوں کی بری جگہ سے اس قدر بہے گا کہ ایک نہر ہو جائے گا دوزخیوں کو ان کی فرج کی بدبو عذاب پر عذاب ہوگی وہ سخت بدبو گندی پیپ جو بدکار عورتوں کی فرج سے بہے گی اس شرابی کو پینی پڑے گی۔

(**والعیاذباللّٰہ تعالٰی**) (اس کو امام احمد، ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی۔اور ابویعلٰی نے اس کو سیدنا ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت) مسلمان ذرا آنکھیں بند کر کے غور کرے کہ شراب چھوڑنا قبول ہے یا اس پیپ کے گھونٹ نگلنا، **والعیاذباللّٰہ رب العٰلمین**۔

حدیث (۵): رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مدمن الخمر ان مات لقی اللّٰہ	شرابی اگر بے توبہ مرے تو اللہ تعالٰی کے حضور

[1] المستدرک للحاکم کتاب الایمان اذا زنی العبد خرج منہ الایمان دار الفکر بیروت ۱/ ۲۲

[2] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی موسٰی اشعری رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۹۹، المستدرک للحاکم کتاب الاشربہ ذکر ثلثۃ لایدخلون الجنۃ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۴۶، موارد الظمأن باب مدمن الخمر حدیث ۱۳۸۲ المطبعۃ السلفیہ ص ۳۳۵

کعابدوثن۔رواہ احمد[1] بسند صحیح عندنا وابن حبان فی صحیحہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	اس طرح ہوگا جیسے کوئی بت پوجنے والا (اس کو امام احمد نے بسند صحیح روایت کیا اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس کو سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرمایا ہے۔ت)

حدیث (۶): رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن احد یشربھا فیقبل اللہ لہ صلٰوۃ اربعین لیلۃ ولایموت وفی مثانتہ منھا شیئ الاحرمت بھا علیہ الجنّۃ فان مات فی اربعین لیلۃ مات میتۃ جاھلیۃ۔[2] والعیاذباللہ تعالٰی۔	جو شخص شراب کی ایک بوند پیئے چالیس روز تک اس کی کوئی نماز قبول نہ ہو، ارجو مر جائے اور اس کے پیٹ میں شراب کا ایک ذرہ بھی ہوتو جنت اس پر حرام کردی جائے گی، اور جو شراب پینے سے چالیس دن کے اندر مرے گا وہ زمانہ کفر کی موت مرے گا۔ (ت)

حدیث (۷): کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اقسم ربی بعزتہ لایشرب عبد من عبیدی جرعۃ من خمر الاسقیتہ مکانھا من حمیم جھنم معذبا او مغفورا لہ، ولایسقیھا صبیا صغیرا الاسقیتہ مکانھا من حمیم جھنم معذبا اومغفورا، ولایدعھا عبد من عبیدی من مخافتی الاسقیتھا ایاہ من حظیرۃ	میرے رب نے اپنی عزت کی قسم یادفرمائی کہ میرا جو بندہ ایک گھونٹ شراب کا پیئے گا میں اسے اس کے بدلے جہنم کا وہ کھولتا ہوا پانی پلاؤں گا اس کی بخشش تک، اور جو کسی چھوٹے کو پلائے گا جب بھی اس کی سزا میں وہ پانی پلاؤں گا اس کی بخشش تک، اور میرا جو بندہ میرے خوف سے شراب چھوڑے گا اسے اپنے پاک دربار میں پلاؤں گا (اس کو

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۷۲، موارد الظمأن باب مدمن الخمر حدیث ۱۳۷۹ المطبعۃ السلفیہ ص ۳۳۵

[2] المستدرک للحاکم کتاب الاشربہ ان اعظم الکبائر شرب الخ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۴۷

القدس۔رواہ احمد[1] عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	امام احمد نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔(ت)واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲: از بریلی سائل منشی احمد علی محرر چوکی چونگی قلعہ بریلی ۱۱صفر ۱۳۱۴ھ

علمائے دین نے حقہ کو حرام مطلق قرار دیا ہے یا مکروہ؟ کیا وہ شخص زیارت حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مشرف نہ ہوگا جو حقہ پیتا ہے اگرچہ درود شریف بکثرت پڑھتا ہو اور کیا اس کا تحفہ حضور قبول نہ فرمائیں گے؟

الجواب:

دَم لگانا جس سے ہوش وحواس میں فرق آتا ہے حرام ہے اور سادہ حقہ ہر گز حرام نہیں، نہ اس کا پینا کسی طرح کا گناہ ہے، ہاں اگر بُو رکھتا ہے تو خلاف اولٰی ہے جیسے کچی پیاز کھانا، اور یہ جاہلانہ خیالات کہ حقہ پینے والا زیارت اقدس حضور پرنور رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معاذاللہ محروم ہے یا حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معاذاللہ اس کا تحفہ درود شریف قبول نہ فرمائیں گے، یہ سب دروغ بے فروغ اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افترا ہے، بہت بندگان خدا حقہ پینے والے خواب میں زیارت جمال جہاں آرائے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بارہا مشرف ہوئے اور حضور رؤف ورحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غایت کرم ومہربانی کے کلمات ارشاد فرمائے۔

"قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا۠" [2]	اے محبوب! فرمادیں اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو انہیں بھی روک رکھتے اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہوجائیں، اور آدمی بڑا کنجوس ہے۔(ت)

؎ اگر بادشاہ بر در پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

(اگر بادشاہ بوڑھی عورت کے دروازے پر آئے تو اے سردار! تو مونچھیں مت اکھاڑ۔ت)

ہاں وردِ درود مبارک کے وقت حقہ نہ پیئے اور پی چکا ہو تو کلی مسواک سے منہ صاف کرکے وِرد شروع

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۵۷

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۱۰۰

کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۳: از براہم پور ۲۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ افیون کھانی کیسی ہے؟ افیونی فاسق و مستحق عذاب ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس کی ہمراہی کریں اس کی مدد کریں وہ کیسے ہیں؟ افیونی کو کھانا کھلانا جائز ہے یا نہیں؟ اور کھانے کے علاوہ دام دیئے جائیں یا نہیں جبکہ اس کی عادت سے معلوم ہے کہ وہ انداموں کو افیون میں صرف کرے گا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

افیونی ضرور فاسق و مستحق عذاب ہے، صحیح حدیث میں ہے:

نھٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن کل مسکر ومفتر۔ رواہ الامام احمد [1] وابوداؤد عن اُمّ المؤمنین ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند صحیح۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر چیز کہ نشہ لائے اور ہر چیز کہ عقل میں فتور ڈالے حرام فرمائی (اس کو امام احمد اور ابوداؤد نے ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسند صحیح روایت فرمایا ہے۔ ت)

اور مخالفت شرع میں کسی کی مدد کرنی ہمراہی لینی خود مخالفت شرع کرنی ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ" [2]	اور تمہیں ان پر ترس نہ آئے اللہ تعالٰی کے دین میں۔ (ت)

افیونی اگر بھوکا محتاج ہو تو اس کے بھوکے ہونے کی نیت سے کھانا دینے حرج نہیں بلکہ ثواب ہے کہ بھوکے کتے کا پیٹ بھرنا باعث اجر ہے آدمی تو آدمی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فی کل کبد حراء رطبۃ اجر۔ [3]	ہر تر جگہ والی شیئ میں ثواب ہے۔ (ت)

[1] سنن ابی داؤد کتاب الاشربہ باب ماجاء فی السکر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۶۳، مسند احمد بن حنبل عن ام سلمہ المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۳۰۹

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۲

[3] صحیح البخاری ابواب مظالم والقصاص باب الآبار علی الطریق الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۳، مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمرو المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۲۲

اور کھانے کے علاوہ دام نہ دیئے جائیں جبکہ معلوم ہو کہ انہیں افیون میں صرف کرے گا۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"[1]۔	اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴: از شہر کہنہ مرسلہ سید عبدالواحد متھراوی ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شراب کا حرام ہونا اس کے نشہ کی وجہ سے ہے یا ادویہ کے سڑ کر تیار ہونے کی وجہ سے؟

الجواب:

شراب کا شراب ہونا جوش آنے اور نشے لانے کی حالت پر موقوف ہے، دوائیں اگر سڑائی جائیں اور ان میں نشہ لانے کا جوش نہ پیدا ہو تو وہ شراب نہ ہوں گی جیسے بعض مصفّی عرقوں میں ادویہ کی تعفین کی جاتی ہے اور بغیر سڑائے صرف آنچ دینے یا دھوپ دکھانے یا گرم ہوا میں ٹھہرنے سے وہ جوش آجائے جیسے آب ونقوع انگور وخرما تربوز شکر آمیختہ اور تاڑی وغیرہ میں تو وہ شراب ہوجائے گی، پھر شراب ہوجائے تو اس کی حرمت اس قدر پینے پر موقوف نہ رہے گی جو نشہ لائے بلکہ وہ نجاست غلیظہ اور مطلقًا حرام ہے اگرچہ ایک بُوند، کما حققه الائمة فی عامة الاسفار (جیسا کہ عام کتابوں میں ائمہ کرام نے اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

رسالہ
الفقہ التسجیلی فی عجین النار جیلی ۱۳۱۸ھ
(فیصلہ کن دانائی تاڑی سے خمیر شدہ آٹے کے بارے میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۲۵: از رنگون گلی نمبر ۲۵ دواخانہ حکیم عبدالعزیز صاحب مرسلہ جناب مرزا عبدالقادر بیگ ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پہلے تھوڑے آٹے میں مسکر تاڑی کے نیچے کی تاڑی جسے روٹی گاد کہتے ہیں ملا کر خمیر کیا گیا پھر یہ آٹا خمیر شدہ پندرہ بیس سیر آٹے میں ملا کر خمیر کیا اور اس کی روٹی پکائی اس روٹی کی نسبت کیا حکم ہے؟ اور اگر فرض کیا جائے کہ اس گاد میں قوت سکریہ باقی نہ رہی تھی تو اس خمیری روٹی کا کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

رنگون میں بخلاف مانڈلہ پاؤروٹی و تنوری روٹی دونوں کا عام طور پر خمیر تاڑی سے کیا جاتا ہے اور ہزارہا مسلمان اسی روٹی کو کھاتے ہیں، یہاں اور کلکتے میں عام ہے، یہاں دو عالم کہتے ہیں کہ اس روٹی کی نسبت حکم حرمت کا نہیں ہے مگر احتیاط کرنا اولٰی ہے۔ میں نے جناب مولانا جلال الدین صاحب دہلوی مقیم مانڈلہ سے بذریعہ خط دریافت کرایا جواب آیا کہ جناب موصوف نے حکم حرمت کا دیا، آج کل مولوی عبدالحمید صاحب واعظ پانی پتی یہاں تشریف رکھتے ہیں انہوں نے بھی کھانا ترک کردیا،

اس کے جواب کی بہت ضرورت ہے امید ہے کہ آپ کے فیض تحریر سے صدہا مسلمان اس معصیت سے بچ جائیں گے۔یہ بلا یہاں عام ہے جملہ قسم کی روٹیوں میں اس کا خمیر دیا جاتا ہے۔فقط

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمدللہ الذی حرم علینا فی الدنیا الخمور ووعدنا فی الجنّۃ الشراب الطھور والصلٰوۃ والسلام علی من حمانا المنکرات و حرم علینا برحمتہ المسکرات وعلی اٰلہٖ وصحبہ الشاربین من کاس التکریم لالغوفیھا ولاتاثیم افاض اللہ علینا من فیضھم فنصیب فللارض من کأس الکرام نصیب۔	اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے، تمام تعریفیں اس معبود کے لئے ہیں جس نے دنیا میں ہم پر شرابیں حرام کی ہیں اور جنت میں ہمیں شراب طہور عطافرمانے کا وعدہ کیا ہے اور درود وسلام ہو اس ذات پر جس نے ہمیں منکرات سے روکا اور اپنی رحمت سے نشہ آور اشیاء کو ہم پر حرام فرمایا، اور آپ کے آل واصحاب پر جو عزکے پیالے سے پینے والے ہیں جس میں بیہودگی اور گنہگاری نہیں، اللہ تعالٰی ان کے فیض سے ہمیں بھی عطافرمائے کہ ہم بھی اس کو پالیں، اور سخیوں کے جام سے زمین کے لئے حصہ ہوتا ہے۔(ت)

قول منصور ومختار میں تاڑی وغیرہر مسکر پانی کا قطرہ قطرہ مثل شراب حرام وناروا ہے اور نہ صرف حرام بلکہ پیشاب کی طرح مطلقاً نجاست غلیظہ ہے۔یہی مذہب معتمد اور اسی پر فتوٰی ہے۔تنویر الابصار میں ہے:

حرمھا محمد مطلقًا وبہ یفتٰی۔[1]	امام محمد علیہ الرحمہ نے اس کو مطلقًا حرام قرار دیا اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

ذکرہ الزیلعی وغیرہ واختارہ شارح الوھبانیۃ۔[2]	اس کو زیلعی وغیرہ نے ذکر کیا اور شارح وہبانیہ نے اس کو اختیار فرمایا۔(ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاشربہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۰

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاشربہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۰

ردالمحتار میں ہے:

قوله وغیرہ کصاحب الملتقی والمواھب والکفایة والنھایة والمعراج وشرح المجمع وشرح درر البحار والقھستانی والعینی حیث قالوا الفتوی فی زماننا بقول محمد لغلبة الفساد[1] الخ۔	اس کے قول وغیرہ سے مراد یہ حضرات ہیں جیسے صاحب ملتقی، صاحب مواہب، صاحب کفایہ، صاحب نہایہ، صاحب معراج، صاحب شرح المجمع، صاحب شرح درر البحار، قہستانی اور عینی، کیونکہ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں غلبہ فساد کے سبب فتوٰی امام محمد کے قول پر ہے الخ (ت)

غنیہ ذوی الاحکام میں ہے:

قال فی البرھان والحقھا محمد کلھا بالخمر فی المشھور عنه کالشافعی ومالکی وبه یفتی[2]۔	برہان میں کہا کہ امام محمد نے ان تمام کو مشہور قول میں شراب کے ساتھ ملحق کیا ہے جیسا کہ امام شافعی وامام مالک کہتے ہیں، اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔ (ت)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

قال الحموی واعلم ان الاصح المختار فی زماننا ان کل ما اسکر من الاشربة المذکورة بعمومھا کثیرہ وقلیله حرام وھو قول محمد لحدیث کل مسکر حرام۔[3]	حموی نے کہا جان لو کہ ہمارے زمانے میں اصح ومختار یہ ہے کہ مذکورہ نشہ آور شرابوں میں سے علی العموم ہر ایک کا قلیل وکثیر حرام ہے اور یہ ہی امام محمد کا قول ہے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ہر نشہ آور حرام ہے۔ (ت)

وجیز کردری میں ہے:

قال محمد رحمه الله تعالٰی قلیله وکثیرہ حرام قالوا و بقول محمد نأخذ ومذھب محمد انه حرام نجس[4] الخ۔	امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: اس کا قلیل وکثیر حرام ہے، علماء نے کہا ہم امام محمد کے قول سے اخذ کرتے ہیں اور امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ یہ نجس ہے الخ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاشربہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۳

[2] غنیہ ذوی الاحکام علی الدرر الحکام کتاب الاشربہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الاشربہ المکتبۃ العربیہ کانسی روڈ، کوئٹہ ۴/ ۲۲۵

[4] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الاشربہ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۷۔۱۲۶

خلاصہ میں نوازل فقیہ ابواللیث سے ہے:

عند محمد حرام شربه قال الفقيه وبه ناخذ۔[1]	امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کا پینا حرام ہے، فقیہ نے کہا ہم اسی کو لیتے ہیں۔ (ت)

فتاوٰی ہندیہ میں فتاوٰی ظہیریہ سے ہے:

ذکر محمد رحمه الله تعالٰی فی الکتب کل ماھو حرام شربه اذا اصاب الثوب منه اکثر من قدر الدرهم یمنع جواز الصّلٰوۃ قالوا وهکذا روی هشام عن ابی یوسف حکی عن الفضلی انه قال علٰی قول ابی حنیفة و ابی یوسف رحمهما الله تعالٰی یجب ان یکون نجسا نجاسة خفیفة والفتوی علی انه نجس نجاسة غلیظة[2] اھ اعلم ان المحقق صاحب البحر کان بحث فی البحر ترجیح التغلیظ بناء علی اصل مهده سابقا و نازعه اخوه المدقق فی النهر محتجا بما فی المنیة صلی وفی ثوبه دون الکثیر الفاحش من السکر اوالمنصف تجزیه فی الاصح[3] اھ وذکر فی الدر خلاف الاخوین و لم یزد وقال العلامة	امام محمد علیہ الرحمہ نے کتاب میں فرمایا کہ جس شیئ کا پینا حرام ہے اگر وہ مقدار درھم سے زائد کپڑے کو لگ جائے تو اس کپڑے میں نماز ممنوع ہوگی۔ علماء نے کہا کہ ہشام نے امام ابویوسف علیہ الرحمہ سے یونہی روایت کیا ہے۔ فضلی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کے قول پر ضروری ہے کہ وہ کپڑا نجاست خفیفہ کے ساتھ نجس ہو، اور فتوٰی اس پر ہے کہ وہ نجاست غلیظ کے ساتھ نجس ہے اھ، جان لو کہ امام محقق صاحب البحر نے بحر میں اس پر بحث کرتے ہوئے نجاست غلیظہ کو ترجیح دی اور اس کی بنیاد ایسے قاعدہ پر رکھی جس کو انہوں نے اولاً مقرر فرمایا، اور ان کے بھائی مدقق نے نہر میں ان کی مخالفت کی، استدلال کرتے ہوئے اس مسئلہ سے جو منیہ میں مذکور ہے کہ کسی شخص نے اس حال میں نماز پڑھی کہ اس کے کپڑوں میں شراب یا انگور کا شیرہ لگا ہوا تھا جو کہ کثیر فاحش نہ تھا تو مذہب اصح میں اس کی نماز ہوگئی اھ در میں دونوں بھائیوں کا

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاشربہ المکتبۃ العربی کانسی روڈ کوئٹہ ۴/ ۲۰۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاشربہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۱۲

[3] النہر الفائق کتاب الطہارۃ باب الانجاس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۷

ابراھیم الحلبی فی حواشی الدر بعد ذکر ما فی المنیۃ، ھو نص فی التخفیف فکان ھو الحق لان فیہ الرجوع الی الفرع المنصوص فی المذھب واما ترجیح صاحب البحر فبحث منہ[1] اھ ونقلہ العلامۃ الطحطاوی مقرا علیہ واستدرك علیہ المحقق الشامی بما فی شرح النقایۃ. انہا غلیظۃ فی ظاھر الروایۃ خفیفۃ علٰی قیاس قولھما اھ ثم قال "ینبغی ترجیح التغلیظ فی الجمیع یدل علیہ ما فی غرر الافکار من کتاب الاشربۃ حیث قال وھٰذہ الاشربۃ عند محمد وموافقیہ کخمر بلاتفاوت فی الاحکام و بھذا یفتی فی زماننا اھ"قال فقولہ بلاتفاوت فی الاحکام یقتضی انہا مغلظۃ فتدبر[2] اھ۔**اقول:** عدم التفاوت وان سلم ففی الا شربۃ الثلثۃ المحرمۃ بالاتفاق بین ائمتنا وھی الباذق والسکر والنقیع وفیہا کلام الغرر اما سائر الا شربۃ المسکرۃ المحرمۃ عند محمد مطلقًا فالتفاوت

اختلاف ذکر کیا ہے اس پر اضافہ نہیں کیا۔علامہ ابراہیم نے منیہ کے مذکورہ مسئلہ کے ذکر کے بعد حواشی در میں فرمایا یہ تخفیف میں نص ہے اور یہی حق ہے کیونکہ اس میں اس فرع کی طرف رجوع ہے جو مذہب میں منصوص ہے۔رہی صاحب بحر کی ترجیح تو وہ ان کی بحث ہے اھ علامہ طحطاوی نے اس کو برقرار رکھتے ہوئے نقل فرمایا،علامہ شامی نے اس کی اصلاح فرمائی اس کے ساتھ جو شرح نقایہ میں ہے کہ ظاہر الروایہ میں یہ نجاست غلیظہ ہے اور شیخین کے قول کے مطابق خفیفہ ہے اھ پھر فرمایا کہ ان سب میں ترجیح نجاست غلیظہ کو ہونی چاہئے۔اس پر دلیل وہ ہے جو غرر الافکار کی کتاب الاشربہ میں ہے،جہاں فرمایا کہ یہ تمام شرابیں امام محمد علیہ الرحمہ اور ان کی موافقت کرنے والوں کے نزدیک تمام احکام میں بلاتفریق خمر کی طرح ہیں اور ہمارے زمانے میں فتوی اسی پر دیا جاتا ہے اھ فرمایا کہ اس کا قول"بلاتفاوت" تقاضا کرتا ہے کہ یہ نجاست غلیظہ ہے پس غور کر اھ۔**اقول:** (میں کہتا ہوں) عدم تفاوت اگر تسلیم کرلیا جائے تو ان تین شرابوں جن کی حرمت پر ہمارے ائمہ کرام متفق ہیں یعنی باذق، سکر اور نقیع میں غرر کا کلام ہے،اور باقی وہ نشہ آور شرابیں جو امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک مطلق حرام ہیں ان میں تفاوت

---

[1] ردالمحتار بحوالہ الحلبی کتاب الطہارۃ باب الانجاس دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۱۳

[2] ردالمحتار بحوالہ الحلبی کتاب الطہارۃ باب الانجاس دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۱۳

فیما بیّن حیث لایحد بشرب القلیل منہا بخلاف الخمر فلایفید التغلیظ فی الجمیع والعجب من ھٰؤلاء الجلۃ غفلوا کلھم عن نص صریح فی المذھب مذیل بآکد الفاظ الفتوی بل التغلیظ فی المنصف منصوص علیہ فی المتون کالوقایۃ والنقایۃ والاصلاح وغرر الاحکام والتنویر وغیرھا وبما نقلنا سقط ما فی النھر واستغنی عن بحث البحر وتبین ان الکل غلیظۃ علی المفتی بہ واللہ الحمد۔	ظاہر ہے کیونکہ ان کے قلیل میں حد جاری نہیں ہوتی بخلاف خمر کے، لہٰذا یہ تمام میں حرمت غلیظہ کافائدہ نہ دے گا۔اور ان تمام بزرگوں پر حیرت ہے کہ وہ تمام اس نص سے غافل رہے جو مذہب میں صریح اور الفاظ فتوی کو زیادہ مؤکد طور پر ظاہر کرنے والی ہے بلکہ منصّف کی حرمت غلیظہ پر تو متون میں نص وارد ہے جیسے وقایہ، نقایہ، اصلاح، غرر الاحکام اور تنویر وغیرہ۔اور جو ہم نے نقل کیا اس سے وہ اعتراض ساقط ہوگیا جو نہر میں ہے، اور بحر کی بحث سے بھی استغناء حاصل ہوگیا اور ظاہر ہوگیا کہ مفتی بہ قول کے مطابق سب میں نجاست غلیظہ ہے، اور اللہ تعالٰی ہی کے لئے حمد ہے۔(ت)

اس مذہب پر جبکہ مسکر تاڑی کے اجزاء روٹی میں شریک ہوں تو وہ روٹی ضرور حرام وناپاک ہے اور اس کا بیچنا بھی حرام و ناروا، اور اس کے دام بھی مال حرام، اور پہلے تھوڑے آٹے میں تاڑی ملاکر خمیر کرنا پھر یہ خمیر آرد کثیر میں نفع نہ دے گا، اگر آٹے میں پانی ڈال کر گوندھ جانے سے پہلے خمیر ملایا جب تو ظاہر ہے کہ اس ناپاک خمیر سے وہ سارا پانی ناپاک اور اس سے سب آٹا نجس ہوگیا، اور اگر گوندھ کر تیار ہوجانے کے بعد بھی خمیر دیا تو بھی یہ طریقہ ہرگز نہیں کہ آٹے میں ایک کنارے کو یا صرف بیچ میں خمیر رکھ دیا اور سب آٹا اس کی ہوا سے خمیر ہوگیا بلکہ ضرور وہ خمیر آٹے میں خوب ملاتے خلط کرتے ہیں کہ اس کے اجزا تمام آرد میں مل جاتے ہیں یوں بھی حکم حرمت ہی رہا کسی حلال چیز میں حرام چیز کا اگرچہ پاک ہو ایسا خلط ہوجانا اُسے حرام کر دیتا ہے اور یہ تو حرام وناپاک دونوں تھا، درمختار میں ہے:

لوتفتت فیہ نحو ضفدع جازالوضوء بہ لاشربہ لحرمۃ لحمہ۔[1]	اگرچہ پانی میں مینڈک جیسا جانور ریزہ ریزہ ہوجائے گا تو اس پانی کے ساتھ وضو تو جائز ہے مگر اس کو پینا جائز نہیں اس لئے کہ مینڈک کا گوشت حرام ہے۔(ت)

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ باب المیاہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵

حلیہ میں ہے:

قال شیخنا وبه صرح فی التجنیس فقال یحرم شربه[1]۔	ہمارے شیخ نے فرمایا اور اسی کے ساتھ تجنیس میں بھی تصریح کی گئی ہے، فرمایا اس کو پینا حرام ہے (ت)

اور گاد میں نشہ نہ ہونا بھی نفع نہ دے گا جبکہ عدم سکر اس وجہ سے ہو کہ اس میں ثقل زیادہ ہے، اجزائے رقیقہ کہ مورث تفریح وتبخیر سکری ہوتے ہیں اتنے نہیں کہ ان کا اثر ظاہر ہو، اوپر معلوم ہولیا کہ ہر مسکر پانی کا قطرہ قطرہ ذرّہ ذرّہ شراب کی طرح حرام اور پیشاب کی طرح نجس ہے اور گاد ان اجزا سے خالی نہیں ہوسکتی اور بالفرض خالی ہو تو ناپاک تو ضرور ہے کہ آخر اُسی پیشاب کا تلچھٹ ہے۔ ہدایہ میں ہے:

یکرہ شراب دردی الخمر والامتشاط به لان فیه اجزاء الخمر والانتفاع بالمحرم حرام، ولایحد شاربه ان لم یسکر لان الغالب علیه الثفل فصار کما اذا غلب علیه الماء بالامتزاج[2] اھ۔	شراب کا تلچھٹ پینا اور اس کے ساتھ بالوں کو کنگھا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں شراب کے اجزاء ہیں اور حرام سے انتفاع بھی حرام ہے، تلچھٹ پینے والے پر حد جاری نہیں کی جائے گی اگر وہ نشہ نہ دے، کیونکہ اس میں غالب میل کچیل ہوتی ہے تو وہ ایسا ہی ہوگیا جس میں پانی کی ملاوٹ غالب ہو جائے اھ (ت)

مگر امام الاطباء داؤد انطاکی نے تذکرہ میں تصریح کی کہ سیندھی یعنی وہ پانی کہ تاڑی کی طرح ناریل کے درخت سے لیا جاتا ہے صرف یکشبانہ روز مسکر رہتا ہے اس کے بعد سخت تند وتیز سرکہ ہو جاتا ہے۔

حیث ذکر فی ذکر النارجیل قد یفسد طلعه او جریدہ ویلقم کوزا فیسیل منه لبن ویسمی السیندی یبقٰی یوما علی الحلاوۃ والدسومة وله افعال اشد من الخمر وھو خیر منها ثم یکون خلا بالغا قاطعا[3]۔	کیونکہ انہوں نے نارجیل کے ذکر میں فرمایا کہ اس کا گابھا اور ٹہنی کبھی فاسد ہو جاتی ہے اور کوزا کا دھانا بند ہو جاتا ہے اس سے دودھ بہنے لگتا ہے جس کو سیندھی کہتے ہیں وہ ایک دن تک اپنی حلاوت اور چکنائی پر برقرار رہتا ہے اور اس کے افعال شراب سے سخت تر ہیں اور وہ اس سے بہتر ہے پھر وہ تند وتیز سرکہ بن جاتا ہے۔ (ت)

---

[1] التعلیق المجلی بحوالہ حلیۃ المحلی فصل فی البئر مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۲۳

[2] الہدایۃ کتاب الاشربہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۹۷-۴۹۶

[3] تذکرہ اولوالالباب لداؤد انطاکی حرف النون ذکر نارجیل مصطفی البابی مصر ۱ /۳۲۷

تاڑی اور سیندھی قریب قریب ہیں کہ تاڑی بھی نارجیل ہی کی ایک نوع ہے اگر ثابت ہو کہ یہ بھی ایک وقت معین شبانہ روز خواہد زائد کے بعد سرکہ ہوجاتی ہے اور گاد میں قوت سکر یہ نہ رہنا اس بناپر ہے تو اب اس کی طہارت وحلت میں شبہہ نہیں اور روٹی جو ایسی گاد سے خمیر کی جائے یقینا حلال وطیّب، اور اس کی بیع رواہے، یونہی اگر پایہ ثبوت کو پہنچے کہ مدت مقررہ پر اس کے اجزاء ضرور سرکہ ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ وہ جز بھی آٹے میں مل کر آگ پر پک چکے تو اس صورت میں اس مدت کے مرور پر روٹی کی طہارت وحلت وجواز بیع کا حکم ہوجائے گا اگرچہ ابتداءً اس میں مسکر اجزاء ملے ہوں کہ جب وہ اجزاء مسکر نہ رہے سرکہ ہو گئے طاہر وحلال ہوگئے اور روٹی کی حرمت ونجاست جو انہیں کے باعث تھی زائل ہوگئی۔ درمختار میں ہے:

لوعجن خبز بخمر صب فیه خل حتی یذهب اثر فیطهر ہ۔[1]	اگر شراب میں آٹا گوندھ کر روٹی پکائی گئی اور اس میں سرکہ ڈالا گیا جس سے شراب کا اثر جاتا رہا تو پاک ہوجائے گی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لانقلاب مافیه من اجزاء الخمر خلا۔[2]	کیونکہ اس میں جو خمر کے اجزاء تھے وہ سرکہ کی طرف منقلب ہو گئے ہیں (ت)

اور اس کا ثبوت قابل قبول نہ ہو تو وہی حکم نجاست وحرمت رہے گا،

لان موجبها معلوم ودلیل المزیل معدوم والیقین لایزول بالشک۔	کیونکہ اس کا موجب معلوم اور دلیل مزیل معدوم ہے اور یقین کبھی شک کے ساتھ زائل نہیں ہوتا۔ (ت)

یہ سب بربنائے مذہب مفتٰی بہ تھا اور اصل مذہب کہ شیخین مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہما کا قول ہے

اعنی طهارۃ المثلث العنبی والمطبوخ التمری و الزبیبی وسائر الاشربة من غیر الکرم	میری مراد پاک ہونا اس انگوری شراب کا جس کا دو ثلث خشک ہوگیا ہو، کھجور اور زبیب کا جس کو پکایا گیا ہو اور انگور اور کھجور کے

[1] الدرالمختار کتاب الطهارۃ باب الانجاس مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۶

[2] ردالمحتار کتاب الطهارۃ باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۳

والنخلة مطلقًا وحلها کلها دون قدر الاسکار۔	علاوہ تمام شرابوں کا پاک ہونا اور ان کا حلال ہونا جبکہ مقدار مسکر سے کم ہوں۔(ت)

حاشایہ بھی قول ساقط و باطل نہیں بلکہ بہت با قوت ہے خود اصل مذہب یہی ہے اور یہی جمہور صحابہ کرام حتی کہ حضرات اصحاب بدر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی ہے، یہی قول امام اعظم ہے، عامہ متون مذہب مثل مختصر قدوری وہدایہ و وقایہ و نقایہ وکنز وغرر واصلاح وغیرہا میں اسی پر جزم واقتصار کیا، اکابر ائمہ ترجیح و تصحیح مثل امام اجل ابو جعفر طحاوی وامام اجل ابوالحسن کرخی واما مشیخ الاسلام ابوبکر خواہر زادہ وامام اجل قاضی خاں وامام اجل صاحب ہدایہ رحمہم اللہ تعالٰی نے اسی کو راجح و مختار رکھا بلکہ خود امام محمد نے کتاب الآثار میں اسی پر فتوٰی دیا اسی کو بہ ناخذ (ہم اسی کو لیتے ہیں۔ت) فرمایا، علمائے مذہب نے بہت کتب معتمدہ میں اس کی تصحیح فرمائی یہاں تک کہ آکد الفاظ ترجیح علیہ الفتوٰی سے بھی تذییل آئی۔ خزانۃ المفتین میں ہے:

فی الهدایة والنهایة وفتاوٰی قاضی خان وظهیر الدین والخلاصة وفتاوی الکبرٰی وفتاوی اهل سمرقند والحمیدی الاصح ماعلیه ابوحنیفة وابویوسف رحمهما الله تعالٰی[1]۔	ہدایہ، نہایہ، فتاوٰی قاضیخان، فتاوٰی ظہیر الدین، خلاصہ، فتاوٰی کبرٰی، فتاوی اہل سمرقند اور حمیدی میں ہے کہ اصح وہ ہے جس پر امام ابو حنیفہ وامام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی ہیں۔(ت)

جامع الرموز میں ہے:

وهو الصحیح لان الخمر موعودة فی العقبٰی فینبغی ان یحل من جنسه فی الدنیا انموذجا ترغیبا کما فی المضمرات ولئلا یلزم تفسیق الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم[2]۔	اور یہی صحیح ہے کیونکہ شراب آخرت میں موعود ہے لہٰذا ترغیب کے لئے اس کی جنس میں سے دنیا میں حلال ہونا چاہئے جیسا مضمرات میں تاکہ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کو فاسق قرار دینا لازم نہ آئے۔(ت)

ہندیہ میں فتاوٰی کبرٰی سے ہے:

العصیر اذا شمس حتی ذهب ثلثاه یحل شربه عند ابی حنیفة و	انگور کا جوس جب دھوپ میں دو ثلث خشک ہو جائے تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف علیہما الرحمۃ کے

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الحدود فصل فی الشرب قلمی نسخہ ۱/۱۸۶

[2] جامع الرموز کتاب الاشربہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قابوس ایران ۳/۳۳۳

ابی یوسف رحمهما الله تعالٰی وهو الصحیح[1]۔	نزدیک اس کا پینا حلال ہوتا ہے، اور یہی صحیح ہے۔ (ت)

در منتقی میں ہے:

وصحح غیر واحد قولهما۔[2]	متعدد علماء نے شیخین کے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ (ت)

در مختار میں ہے:

لبن الرماك اذا اشتد لم یحل وصحح فی الهدایة حله۔[3]	گھوڑی کا دودھ جب جوش کھا کر گاڑھا ہو جائے تو حلال نہیں، ہدایہ میں اس کے حلال ہونے کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

به یفتی ای بتحریم کل الاشربة وکذا بوقوع الطلاق قال فی النهر وفی الفتح وبه یفتی لان السکر من کل شراب حرام وعندهما لایقع بناء علی انه حلال وصححه فی الخانیة[4]۔	اسی کے ساتھ ہی فتوی دیا جائے گا یعنی تمام شرابوں کی حرمت کا اور اسی طرح طلاق کے واقع ہونے کا۔ نہر میں کہا ہے کہ فتح میں ہے اسی کے ساتھ فتوی دیا جائے گا کیونکہ نشہ ہر شراب سے حرام ہوتا ہے، اور شیخین کے نزدیک طلاق واقع نہ ہو گی کیونکہ یہ حلال ہے۔ خانیہ میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے (ت)

شرح نقایہ برجندی میں ہے:

فی فتاوی قاضی خان المتخذ من غیر العنب والتمر مثل السکر والعسل والفانیذ والحنطة والشعیر و الذرة وما اشبه ذٰلك اذا غلا واشتد وقذف بالزبد وطبخ	فتاوٰی قاضیخان میں ہے کہ انگور اور کھجور کے غیر یعنی شکر، شہد، مصری، گندم، جَو، جوار اور ان جیسی دیگر اشیاء سے بنائی ہوئی شرابیں جب جوش کھا کر گاڑھی ہو جائیں اور ان پر جھاگ آجائے

---

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الاشربة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۱۲

[2] الدر المنتقی علی ہامش مجمع الانھر کتاب الاشربة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۷۲

[3] الدر المختار کتاب الاشربة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۰

[4] ردالمحتار کتاب الاشربة دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۳

ادنی طبخة یحل فی قول الشیخین واختلف فی قول محمد قیل یحل شربه مادون السکر وقیل لایحل اصلا وعنه ایضاً انه قال اکرہ ذٰلك وان لم یطبخ فعن الشیخین روایتیان فی روایة لایحل شربه کنقیع الزبیب غیرالمطبوخ وفی روایة یحل شربه و ذکرفی الفتاوی المنصوریة ان الفتوی علی انه لا یشترط الطبخ لحله[1]۔	اوران کو تھوڑا ساپکالیاجائے تو شیخین کے نزدیک حلال ہیں اورامام محمد علیہ الرحمہ کے قول میں اختلاف ہے، بعض نے کہاجو نشہ والی مقدار سے کم ہوں حلال ہیں اور بعض نے کہاکہ مطلقاً حلال ہیں اورانہیں اسے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا میں اس کو مکروہ جانتاہوں اوران کوپکایانہ جائے تو شیخین سے دوروایتیں ہیں ایک روایت میں اس کاپینا حلال نہیں ہے جیساکہ کہ زبیب کاوہ رس جس کوپکایانہ گیاہو،اور ایک روایت میں ہے کہ اس کاپیناحلال ہے۔ فتاوٰی منصوریہ میں مذکورہے فتوٰی اس پرہے کہ اس کے حلال ہونے کے لئے پکاناشرط نہیں۔(ت)

فتح اللہ المعین میں ہے:

من ادلة حله ماقال فی الاختیار،عن ابن ابی لیلٰی قال اشهد علی البدریین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انهم یشربون النبیذ فی الجرار الخضر وقد نقل ذٰلك عن اکثر الصحابة ومشاهیر هم قولاوفعلا حتی قال ابوحنیفة انه مما یجب اعتقاد حله لئلا یؤدی الٰی تفسیق الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم[2]۔	اس کے حلال ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل وہ ہے جو اختیار میں ابن ابی لیلٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بدری صحابہ کرام کے بارے میں گواہی دیتاہوں کہ وہ سبز صراحیوں میں نبیذ پیتے تھے اوریہ بات اکثر مشاہیر صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے قولاً اورفعلاً منقول ہے یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اس کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھنا واجب ہے تاکہ صحابہ کرام کوفسق کی طرف منسوب کرنا لازم نہ آئے۔(ت)

---

[1] شرح النقایة للبرجندی کتاب الاشربہ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۸۸

[2] فتح المعین کتاب الاشربہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۴۲۳

خانیہ میں ہے:

لابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله تعالٰی ماروی ان رجلا اتی عمر رضی الله تعالٰی عنه بمثلث قال عمر رضی الله تعالٰی عنه ما اشبه هذا بطلاء الابل کیف تصنعونه قال الرجل یطبخ العصیر حتی یذهب ثلثاه ویبقی ثلثه فصب عمر رضی الله تعالٰی عنه علیه الماء وشرب ثم ناول عبادة بن الصامت رضی الله تعالٰی عنه ثم قال عمر رضی الله تعالٰی عنه اذا رابکم شرابکم فاکسروه بالماء وعن عمر رضی الله تعالٰی عنه اذا ذهب ثلثا العصیر ذهب حرامه وریح جنونه وروی عن ابراهیم النخعی رحمه الله تعالٰی مایرویه الناس کل مسکر حرام خطاء لم یثبت، انما الثابت کل سکر حرام وکذا مایرویه الناس ما اسکر کثیره فقلیله حرام لیس بثابت وابراهیم النخعی رحمه الله تعالٰی کان حبرا فی الحدیث[1]۔	امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کی دلیل وہ روایت ہے کہ ایک شخص سید حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں ثلث لے کر آیا آپ نے فرمایا یہ اونٹوں کے طلاء کے ساتھ بہت مشابہت رکھتا ہے تم اس کو کیسے بناتے ہو، اس نے کہا ہم انگور کے رس کو پکاتے ہیں یہاں تک کہ اس کا دو ثلث خشک ہوجاتا ہے اور ایک ثلث باقی رہ جاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس پر پانی ڈال کر پی لیا، پھر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دے دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا جب تمہیں تمہاری شراب شک میں ڈالے تو پانی سے اس کی تیزی کو توڑ دو۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ جب انگور کے شیرہ کا دو ثلث پکانے سے خشک ہوجائے تو اس کی حرمت اور نشہ جاتا رہتا ہے، اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ لوگ جو یہ روایت کرتے ہیں کہ ہر مسکر (نشہ آور) حرام ہے، یہ غلط ہے اور ثابت نہیں ہے، البتہ ثابت یہ ہے کہ ہر سکر (نشہ) حرام ہے، اسی طرح لوگوں کا یہ روایت کرنا کہ جو مسکر ہے اس کا قلیل و کثیر حرام ہے ثابت نہیں، حالانکہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ حدیث متبحر عالم ہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الاشربۃ فصل فی معرفۃ الاشربۃ نولکشور لکھنؤ ۴ /۶۷۴

لابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله تعالٰی الآثار التی وردت فی اباحة النبیذ الشدید قولا وفعلا ذکرها محمد رحمه الله تعالٰی فی الکتاب وعن ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی فی الکتاب وعن ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی انه قال من شرائط السنة والجماعة ان لا یحرم النبیذ الجرلان فی تحریمه تفسیق کبار الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم ،وعنه انه قال لا احرم النبیذ الشدید دیانة ولااشربه مروئة، اجمع کبار الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم علی اباحة النبیذ واحتاطوا فی شربه لاجل الاختلاف وکذا السلف عدهم کانوا یشربون نبیذ الجر بحکم الضرورة لاستمراء الطعام[1]۔	امام ابوحنیفه وامام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کی دلیل وہ آثار ہیں جو قولاً اور فعلاً گاڑھی نبیذ کی اباحت پر وارد ہیں۔اس کو امام محمد علیہ الرحمہ نے کتاب میں ذکر فرمایا۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ گھڑوں میں بنائی ہوئی نبیذ کو حرام نہ قرار دینا سنت وجماعت کی شرائط میں سے ہے کیونکہ اس کو حرام قرار دینے میں صحابہ کبار رضی اللہ تعالٰی عنہم کی طرف فسق کو منسوب کرنا لازم آتا ہے،اورانہی سے منقول ہے کہ میں گاڑھی نبیذ کو از راہ دیانت حرام قرار نہیں دیتا اور بطور مروّت اس کو نہیں پیتا۔نبیذ کی اباحت پر صحابہ کبار رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اجماع ہے مگر وہ بسبب اختلاف کے اس کو پینے میں احتیاط کرتے تھے۔اسی طرح ان کے بعد اسلاف کسی ضرورت کے تحت گھڑوں میں بنائی ہوئی نبیذ پیتے تھے مثلاً کھانا ہضم کرنے کے لئے۔(ت)

خلاصہ میں ہے:

عن محمد بن مقاتل الرازی انه قال لواعطیت الدنیا بحذافیرها ماشربت المسکر یعنی نبیذ التمر والزبیب ولو اعطیت الدنیا بحذافیرها ما افتیت بانه حرام[2]۔	محمد بن مقاتل رازی نے کہا اگر مجھے ساری دنیا دے دی جائے تو بھی مسکر یعنی کھجور اور زبیب کا نبیذ نہیں پیوں گا،اوراگر مجھے ساری دنیا دے دی جائے تو بھی اس کے حرام ہونے کا فتوٰی نہیں دوں گا۔(ت)

غایۃ البیان علامہ اتقانی میں ہے:

واحتج ابوحنیفة وابویوسف فی قوله	امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاشربۃ فصل فی معرفۃ الاشربۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۷۶

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاشربۃ مکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۲۰۵

الاٰخر بقوله تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝۹۰ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝۹۱ "وقد بین العلة فی تحریم الخمر وهی الصد عن ذکر الله وعن الصلاة وایقاع العداوة و هذه المعانی لاتحصل بشرب القلیل فلو خلینا و ظاهر الاٰیة لکُنا نقول بان القلیل من الخمر لایحرم و لٰکن ترکنا الظاهر فی القلیل من الخمر بالاجماع ولا اجماع فیما تنازعنا فیه من الاشربة علی حرمة القلیل منها مباحا علی علة ظاهر الاٰیة لانه مما لا یورث العداوة والبغضاء ولا الصد عن ذکر الله وعن الصّلٰوة[1]۔	تعالٰی علیہ نے اپنے دوسرے قول میں اللہ تعالٰی کے اس ارشاد سے استدلال کیاہے کہ "اے ایمان والو! بیشک خمر، جُوا، بُت اور پانسے نجس ہیں شیطانی عمل سے توان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ، بیشک شیطان خمر اور جُوئے سے تمہارے درمیان بغض وعداوت ڈالنا چاہتاہے اور تمہیں اللہ تعالٰی کے ذکر اور نماز سے روکتاہے توکیا تم باز آؤگے"۔ تحقیق یہاں تحریم خمر کی جو علت بیان کی گئی وہ ذکر الٰہی اور نماز سے روکنا اور بغض و عداوت واقع کرنا ہے اور یہ امور قلیل کے پینے سے حاصل نہیں ہوتے اگر ہم آیت کریمہ کو اس کے ظاہر پر چھوڑتے تو یوں کہتے کہ خمر میں سے قلیل حرام نہیں ہے لیکن ہم نے اجماع کے ساتھ آیت کریمہ کے ظاہر کو ترک کر دیاہے اور جو شرابیں ہمارے درمیان متنازعہ ہیں ان کے قلیل کی حرمت پر اجماع واقع نہیں ہوالہٰذا ان کا قلیل آیت کریمہ کے ظاہر کی وجہ سے مباح رہے گا کیونکہ وہ نہ تو بغض وعداوت کا موجب ہے اور نہ ہی ذکر خدا و نماز سے روکتاہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

قال شیخ الاسلام خواهرزاده رحمه الله تعالٰی فی شرحه ذکر ابن قتیبة فی کتاب الاشربة باسناده عن زید بن علی بن الحسین علی رضی الله تعالٰی عنهم انه شرب هو واصحابه نبیذا شدیدا فی ولیمة فقیل له یا ابن رسول الله حدِّثنا	شیخ الاسلام خواہرزادہ نے اپنی شرح میں فرمایا کہ ابن قتیبہ نے کتاب الاشربہ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہم کے بارے میں ذکر کیاکہ انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے ایک ولیمہ میں گاڑھی نبیذ پی تو ان سے کہاگیا اے ابن رسول! ہمیں نبیذ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ

[1] غایۃ البیان

بحدیث سمعته من اٰبائك عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی النبیذ فقال حدثنی ابی عن جدی علی بن ابی طالب رضی الله تعالٰی عنهم عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم انه قال ینزل امتی علی منازل بنی اسرائیل حذوا لقذة بالقذة والنعل بالنعل ان الله تعالٰی ابتلی بنی اسرائیل بنهر طالوت واحل لهم منه الغرفة وحرم منه الرّیّ وان الله ابتلاکم بهذه النبیذ و احل منه الری وحرم منه السکر وحدیث ابن زیاد الذی رویناه عن ابن عمر فی مسئلة الخلیطین من ادل ادلائل وان المراد ماروٰه الخصم القدر المسکر لاالقلیل لان احد رواة الحدیث الذی احتج به الخصم ابن عمر فلوکان القلیل هو المراد لم یعمل بخلاف ماروٰه ولم یفسقه ابن زیاد وکذٰلك قول ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما حرمت الخمر بیعنها والسکر من کل شراب دلیل علی ان المراد من حدیث الخصم القدر المسکر لاالمسکر لان احد رواة

تعالٰی علیہ وسلم کی وہ حدیث سنائیں جوآپ نے اپنے آباؤ اجداد سے سنی ہے توانہوں نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث بیان کی میرے والد نے انہوں نے میرے جد حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم سے کہ میری امت بنی اسرائیل کے طور طریقے اپنا کریوں ان کے برابر ہوجائے گی جیسے تیر تیر کے اور جوتا جوتے کے برابر ہوتا ہے،اللہ تعالٰی نے بنی اسرائیل کاامتحان نہر طالوت کے ساتھ لیاکہ ان کے لئے چلو بھرپانی حلال اور سیر ہو کر پینا حرام کیااور تمہارا امتحان اللہ تعالٰی نے اس نبیذ کے ساتھ لیا، اس کو سیر ہو کر پیناحلال اور حد نشہ تک پیناحرام کیا ہے۔ حدیث ابن زیاد جس کو ہم نے مسئلہ خلیطین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیاوہ اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔اور مخالف نے جو روایت کیا ہے اس سے مراد قدر مسکر ہے نہ کہ قلیل، کیونکہ مخالف نے جس حدیث سے استدلال کیاہے اس کے راویوں میں سے ایک سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں۔اگر اس سے قلیل مراد ہوتا وہ اپنی روایت کے خلاف نہ کرتے اور نہ ہی ابن زیاد ان کی طرف فسق کو منسوب کرتے۔اسی طرح ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کاقول کہ خمر تو بعینہٖ حرام ہے جبکہ باقی شرابوں سے نشہ آور حرام ہے اس بات کی دلیل ہے کہ مخالف کی روایت کردہ حدیث سے مراد قدر مسکر ہے نہ کہ قلیل

ذٰلك الحديث ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما فيبعد فی العقول ان يروی ابن عباس حديثا ثم يقول بخلافه،وقد اطنب الكرخی رحمه الله فی رواية الاٰثار عن الصحابة والتابعين بالاسانيد الصحاح فی مختصره فی تحليل النبيذ الشديد تركنا ذكرها مخافة التطويل و الحاصل ان الاكابر من اصحاب النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم واهل بدر كعمر وعلی وعبدالله بن مسعود وابی مسعود رضی الله تعالٰی عنهم كانوايحللون شرب النبيذ وكذاالشعبی و ابراهيم النخعی وقال فی شرح لاقطع،وقدسلك بعض الجهال فی هذه المسئلة طريقة قصدبها الشنيع والفسوق عندالعوام،لما ضاق عليه طريق الحجة فقال روی عن النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم انه قال ليشربن ناس من امتی الخمر ويسمونها باسماء قال هذا القائل وهم اصحاب ابی حنيفة وهذا كلام جاهل بالاحكام والنقل والاٰثار ومتعصب قليل الورع لايبالی ماقال ثم يقال لهذا القائل مارميت بهٰذا القول اصحاب ابی حنيفة رضی الله تعالٰی عنه وانما السلف الصالح اردت

کیونکہ حدیث مذکورکے راویوں میں سے ایک سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی ہیں اور یہ بات عقل سے بعید ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ایک حدیث روایت فرمائیں، پھر خود اس کے خلاف فرمائیں،گاڑھی نبیذکے حلال ہونے سے متعلق صحابہ وتابعین کے آثار کو صحیح سندکے ساتھ روایت کرنے میں امام کرخی علیہ الرحمۃ نے اپنی مختصر میں بہت طوالت فرمائی ہم نے طوالت کے ڈر سے ان کے ذکر کو ترک کردیا۔خلاصہ یہ کہ اکابر اصحاب رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور اہل بدر جیسے حضرت عمر، علی، عبداللہ ابن مسعود اورابومسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم نبیذکے پینے کو حلال قرار دیتے تھے اوریہی موقف ہے شعبی اورابراہیم نخعی کا۔ شرح اقطع میں ہے کہ ایک جاہل نے اس مسئلہ میں ایسا راستہ اختیار کیاجس سے اس کا مقصدلوگوں کے ہاں برائی اور فسق کو رائج کرناہے،جب اس کے لئے دلیل کاراستہ تنگ ہوگیاتو اس نے کہارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کافرمان ہے میری امت میں سے کچھ لوگ ضرور شراب پئیں گے اوراس کے مختلف نام رکھ لیں گے،وہ لوگ امام ابوحنیفہ کے اصحاب ہیں۔یہ اس کا کلام ہے جواحکام، نقل اورآثار سے جاہل اور متعصب اور تقوی میں بہت گھٹیا ہے،اس کی پروانہیں کرتا کہ وہ کیاکہہ رہاہے۔پھراس قائل کو کہاجائے کہ جوکچھ تو نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی کے اصحاب کی طرف منسوب کیاہے اس سے تیرا

ولم یمکنك التصریح بذلك لان اصحاب ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه ما ابتدعوا فی ذلك قولا بل قالوا ماقاله اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و وجوه التابعین وزھادھم وکیف یظن بعمر وعلی وابن مسعود وابن عباس و عمار بن یاسر وعلقمه بن الاسود انھم شربوا الخمر غلطا فی اسمھا حتی استدرك علیھم ھذا القائل حقیقة الاسم ویحسن الظن بنفسه و یسیئ الظن بلسفه. ان ھذه الجرأة فی الدین، وقال شیخ الاسلام خواھر زادہ فی شرحه روی ان رجلا سال ابراھیم الحربی فی مدینة الاسلام فی جامع المنصور بالجانب الغربی فقال لنا امام یشرب النبیذا فأصلی خلفه فقال له ابراھیم ارأیت لوادرکت علقمة والاسودا کنت تصلی خلفھما قال نعم ولم یفھم السائل الجواب فاعاد السوال فقال له ابراھیم قد اجبتک، والقیاس مع ابی حنیفة وابی یوسف رحمھما اللہ تعالٰی لان اللہ تعالٰی لم یحرم شیئا یقصده الناس من المحرمات فی الدنیا الا اباح مایغنی عنه الاتری انه لما حرم	ارادہ سلف صالحین ہیں جس کی تصریح کرنا تیرے لئے ممکن نہیں کیونکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اصحاب نے یہ کوئی نئی بات نہیں کہی بلکہ وہی کچھ کہا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صحابہ اور معزز و زاہد تابعین نے کہا ہے۔اس کا کیا گمان ہے حضرت عمر، علی، ابن مسعود، ابن عباس، عمار بن یاسر اور علقمہ بن اسود رضی اللہ تعالٰی عنہم کے بارے میں، کیا انہوں نے نام تبدیل کرکے شراب پی۔ حتی کہ اس قائل نے ان پر حقیقی نام کے ساتھ اصلاح کی اور اپنے بارے میں حسن ظن جبکہ اسلاف کے بارے میں برا گمان کیا، بلاشبہہ یہ دین میں جسارت ہے۔ شیخ الاسلام خواہر زادہ نے اپنی شرح میں کہا مروی ہے کہ ایک شخص نے مدینۃ الاسلام کی جامع منصور کی جانب غربی میں ابراہیم حربی سے سوال کیا کہ ہمارا امام نبیذ پیتا ہے کیا ہم اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں؟ توابراہیم نے کہا تیرا کیا خیال ہے اگر تو علقمہ واسود کو پالے تو کیا تو ان کے پیچھے نماز پڑھے گا؟ اس نے کہاہاں، حالانکہ وہ سائل ابراہیم حربی کے جواب کو نہ سمجھ سکا چنانچہ اس نے دوبارہ وہی سوال کیا توابراہیم نے فرمایا بیشک میں تجھے جواب دے چکاہوں۔ قیاس امام ابوحنیفہ وامام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کا مؤید ہے کیونکہ اللہ تعالٰی نے دنیامیں محرمات میں سے کوئی چیز حرام نہ فرمائی جس کا قصد لوگ کرتے ہیں مگراس میں سے اتنا کچھ مباح فرمایا جس سے لوگوں کی حاجت پوری ہوتی ہو۔ کیا تو نے

لحم الخنزیر والمیتة اباح انواعا من اللحوم تغنی عنها ولما حرم نکاح المحارم والجمع بین المحارم اباح من الاجنبیات کذٰلك ھٰھنا فالشراب المطرب شیئ یقصدہ الناس فلما حرم منه انواعا یجب ان یکون نوع منه مباحا یغنی عنه ویقوم مقامه وذٰلك فیما قالاہ،فاما من حرم جمیع انواع الاشربة المطربة بحیث لایوجد من جنسه مباح یکون ذٰلك خلاف الاصول وخلاف الاصول لایجوز [1] اھ باختصار۔	دیکھانہیں کہ اللہ تعالٰی نے جب خنزیر ومردار کا گوشت حرام فرمایاتو کچھ اقسام گوشت کی حلال بھی فرمادیں جس سے لوگ اپنی حاجت پوری کرتے ہیں اور جب محرمات سے نکاح اور دو آپس میں محرم عورت کو نکاح میں جمع کرنا حرام کیاتو غیر محرم عورتوں کے ساتھ نکاح کو حلال فرمایا۔اسی طرح یہاں شراب کے مسئلہ میں ہوگا کیونکہ فرحت بخش شراب بھی ایک شیئ ہے جس کالوگ قصد کرتے ہیں۔جب اللہ تعالٰی نے اس کی کچھ انواع کو حرام کیاتو اس کی کوئی قسم حلال بھی ضرور ہوگی جس سے لوگ نفع اُٹھائیں اور وہ اس کے قائم مقام ہوجائے اور یہ بات شیخین کے قول میں حاصل ہوتی ہے،لیکن جنہوں نے شراب کی فرحت بخش تمام اقسام کو حرام قرار دیاکہ اس کی جنس میں سے کوئی نوع بھی مباح نہیں پائی جاتی تو یہ خلاف اصول ہے اور خلاف اصول جائز نہیں اھ باختصار(ت)

محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب المؤطا میں فرماتے ہیں:

اخبرنا مالك اخبرنا داؤد بن الحصین عن واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ عن محمود بن لبید الانصاری عن عمر بن الخطاب حین قدم الشام شکی الیه اھل الشام وباء الارض اوثقلها قالوا لا یصلح لنا الا ھذا الشراب قال اشربوا لعسل قالوا لایصلحنا العسل قال له رجل من اھل الارض ھل لك ان	حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنی سند کے ساتھ ہمیں خبر دی کہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ جب شام تشریف لائے تواہل شام نے اپنی سر زمین پر وباء اور گرانی کی شکایت کرتے ہوئے کہاکہ ہمیں اس شراب کے علاوہ کوئی علاج موافق نہیں آتا۔آپ نے فرمایا شہد پیو،انہوں نے کہا ہمیں شہد موافق نہیں آتا۔اسی علاقے کے

[1] غایۃ البیان

اجعل لك من هذا الشراب شيئا لايسكر قال نعم فطبخوه حتى ذهب ثلثاه وبقى ثلثه فاتوا به الى عمر بن الخطاب فادخل اصبعه فيه ثم رفع يده فتبعه يتمطّط فقال هذا الطلاء مثل طلاء الابل فامرهم ان يشربوه فقال عبادة بن الصامت احللتها، والله قال كلاّ والله ما احللتها اللهم انی لا احل لهم شيئا حرمته عليهم ولا احرم عليهم شيئا احللته لهم قال محمد (رحمة الله تعالٰی عليه) وبهذا ناخذ لاباس بشرب الطلاء الذی قد ذهب ثلثاه وبقى ثلثه وهو لايسكر فاماكل معتق يسكر فلاخير فيه [1]۔	ایک شخص نے کہا اے امیر المومنین کیا آپ رغبت رکھتے ہیں کہ میں آپ کے لئے ایسی شراب تیار کروں جو نشہ نہ دے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ان لوگوں نے انگور کے شیرہ کو اس حد تک پکایا کہ دو تہائی خشک ہو کر ایک تہائی رہ گیا وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس لائے۔آپ نے اس میں انگلی داخل کرکے باہر نکالی تو وہ آپ کی انگلی کے ساتھ چمٹ گیا۔ آپ نے فرمایا یہ اونٹوں کی طلاء کی مثل طلاء ہے۔آپ نے ان لوگوں کو فرمایا کہ اس کو پیو۔حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کیا بخدا آپ نے اس کو حلال قرار دے دیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ہرگز نہیں بخدا میں نے اس حلال نہیں کیا،اے اللہ! جو چیز تو نے ان پر حرام کی ہے میں اس کو ان پر حلال نہیں کرتا اور جو تو نے ان پر حلال کیا میں اس کو ان پر حرام نہیں کرتا۔امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں کہ ایسے طلاء کے پینے میں کوئی حرج نہیں جس کا دو تہائی خشک ہو کر ایک تہائی باقی رہا ہو اور وہ نشہ نہ دے۔لیکن ہر پرانی نشہ آور شراب میں کوئی خیر نہیں۔(ت)

نیز کتاب الآثار میں فرماتے ہیں:

[1] موطا امام محمد کتاب الحدود باب نبیذ الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۷-۲۱۶

اخبرا ابو حنیفۃ عن سلیمان عــہ۱ الشیبانی عن ابن زیاد عــہ۲ انہ افطر عند عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما فسقاہ شرابا لہ	ہمیں امام ابو حنیفہ نے سلیمان شیبانی سے خبر دی انہوں نے ابن زیاد سے روایت کی کہ انہوں نے (ابن زیاد) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس روزہ

عــہ۱: ھو ابو اسحٰق سلیمان الکوفی من ثقات التابعین ورجال الستۃ ۱۲منہ۔

یہ ابواسحاق سلیمان بن ابی سلیمان کوفی جو ثقہ تابعین اور صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں ۱۲منہ (ت)

عــہ۲: السید المرتضی الاشبہ انہ محمد بن زیاد احد شیوخ شعبۃ روی عن ابی ھریرۃ حدیث الرجل جبار ذکرہ المنذری فی مختصر السنن [1] وھو من اقران ابن سیرین **قلت** ھو ابن زیاد الجمحی ابو الحارث المدنی نزیل بعد البصرۃ ثقۃ ثبت من رجال الستۃ روی الدارقطنی فی السنن من طریق اٰدم بن ابی ایاس عن شعبۃ عن محمد بن زیاد عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال الرجل [2] جبار ھذا ما ابداہ السید ظنا والمنصوص علیہ انہ عبداللہ قال الامام البدر محمود فی البنایۃ بعد ذکر الحدیث ابن زیاد ھو عبداللہ ابن زیاد [3] اھ۔

سید مرتضٰی نے کہا حق سے اشبہ ہے کہ یہ محمد بن زیاد شعبہ کے شیوخ میں سے ایک ہیں انہوں نے "الرجل جبار" والی حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے یہ بات امام منذری نے مختصر السنن میں ذکر کی اور یہ امام ابن سیرین کے ہم زمان ہیں۔ **میں کہتاہوں** یہ ابن زیاد جمحی ابوالحارث مدنی ہیں جو بعد میں بصرہ میں مقیم ہوگئے ثقہ ہیں صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں دارقطنی نے سنن میں آدم بن ایاس کے طریق سے عن شعبہ عن محمد بن زیاد عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا آپ نے فرمایا "الرجل جبار" سید مرتضٰی نے اپنے گمان کی بیان پر یہ بیان کیاہے جبکہ منصوص یہ ہے کہ وہ عبداللہ ہیں، امام بدرالدین محمود نے بنایہ میں ابن زیاد کی اس حدیث کے بعد کہا ابن زیاد سے مراد عبداللہ بن زیاد ہے اھ۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] مختصر السنن

[2] سنن الدارقطنی کتاب الحدود والدیات ۲۱۵ نشر السنۃ ملتان ۳ /۱۵۴

[3] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب الاشربۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴ /۳۳۸

فکانه اخذ فیه فلما اصبح قال ما هذا الشراب ما کدت اهتدی الی منزلی فقال عبدالله ما زدناك علی عجوة و زبیب، قال محمد وبه ناخذ وهو قول ابی حنیفة [1]۔ اخبرنا ابوحنیفة عن حماد قال کنت اتقی النبیذ فدخلت علی ابراهیم وهو یطعم فطعمت معه فاوتی قدحا من نبیذ فلما رأی ابطائ عنه قال حدثنی علقمة عن عبدالله بن مسعود انه کان ربما طعم عنده ثم دعا بنبیذ له تنبذه	افطار کیا تو آپ نے ابن زیاد کو اپنے ہاں سے شراب پلائی تو گویا کہ اس نے ابن زیاد میں کچھ اثر کیا جب صبح ہوئی تو ابن زیاد نے کہا یہ کیا شراب ہے یوں لگا کہ میں اپنے گھر کی طرف راہ نہ پاؤں گا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ ہم نے تو آپ کے لئے عجوہ اور زبیب پر کوئی شیئ زیادہ نہیں کی۔ امام محمد نے فرمایا ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ ہمیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت حماد سے خبر دی انہوں نے کہا کہ میں نبیذ سے پرہیز کرتا تھا میں ابراہیم کے پاس گیا وہ کھانا کھا رہے تھے میں نے بھی ان کے ساتھ کھانا کھایا پھر نبیذ کا ایک پیالہ لایا گیا جب ابراہیم نے مجھے اس سے پس وپیش کرتے ہوئے دیکھا تو کہا مجھے علقمہ نے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی کہ میں بسا اوقات ان کے ہاں کھانا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قلت یعنی ابا مریم الاسدی الکوفی من ثقات التابعین ورجال البخاری فی التهذیب ذکره ابن حبان فی الثقات وقال فی تهذیبه قال العجلی کوفی ثقة وقال الدارقطنی ثقة [2]۔

میں کہتاہوں ابن زیاد یعنی ابومریم اسدی کوفی جو ثقہ تابعین اور بخاری کے راویوں میں شمار ہیں، تہذیب میں ہے کہ ابن حبان نے اس کو ثقہ لوگوں میں ذکر کیا ہے اور تہذیب والے نے فرمایا کہ عجلی نے کہا کہ وہ کوفی ثقہ میں شمار ہیں، دارقطنی نے کہا وہ ثقہ ہیں۔ (ت)

[1] کتاب الآثار لامام محمد باب النبیذ الشدید ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۸۳

[2] تہذیب التہذیب ترجمہ عبداللہ بن زیاد الکوفی ۳۷۹ دائرۃ المعارف النظامیہ ۵/ ۲۲۱

سیرین ام ولد عبداللہ فشرب و وسقانی[1]۔اخبرنا ابوحنیفة قال حدثنا ابواسحٰق السبیعی عن عمرو بن میمون الاودی عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنه قال ان للمسلمین جزورا لطعامھم وان العتق منھا لاٰل عمر،وانه لایقطع ھٰذہ الابل فی بطوننا الا النبیذ الشدید۔اخبرنا ابوحنیفة عن حماد عن ابراھیم ان عمررضی اللہ تعالٰی عنه اتی باعرابی قدسکر،فطلب له عذرا فلما اعیاہ(الاذھاب عقل)قال احبسوہ فاذاصح فاجلدوہ ودعا بفضلة فضلت فی اداوته،فذاقھا فاذا نبیذ شدید ممتنع، فدعا بماء فکسرہ(وکان عمر رضی اللہ تعالٰی عنه یحب الشراب الشدید)فشرب وسقی جلسائه ثم قال ھذا اکسروہ بالماء اذا غلبکم شیطانه[2]۔اخبرنا ابوحنیفة عن حماد عن

کھاتا،پھرانہوں نے نبیذ طلب فرمائی جوان کی ام ولد سیرین نے ان کے لئے تیار کی تھی جس کو ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خود بھی پیا اور مجھے بھی پلائی۔ہمیں امام ابوحنیفہ نے اپنی سند کے ساتھ خبر دی کہ حضرت عمرابن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا عمدہ اونٹ مسلمانوں کے کھانے کے لئے ہیں اوران میں سے پرانے حضرت عمر(رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے لئے ہیں،اور بیشک ان اونٹوں کو پیٹوں میں سوائے گاڑھی نبیذ کے کوئی شَے ہضم نہیں کرتی۔ہمیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی سند کے ساتھ خبر دی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس ایک اعرابی لایاگیاجو نشے میں تھا آپ نے اس سے عذر پوچھا توسوائے خرابی عقل کے اس کو عاجز پایا،آپ نے فرمایا اس کو روک رکھو جب ہوش میں آئے تو اس کو کوڑے لگاؤ،اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے برتن میں بچی ہوئی شراب منگوائی اوراسے چکھا تو وہ گارھا نبیذ تھاجو کہ ممتنع ہے۔پھرآپ نے پانی منگوایا اور اس نبیذ کی تیزی کو توڑا(حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ گاڑھی شراب کو پسند فرماتے تھے)پھراسے پیا اور شرکاء مجلس کو پلایا۔پھر فرمایا کہ جب اس شراب کا شیطان تم پر غالب آجائے تو پانی سے اس کی تیزی توڑ دیا کرو۔ہمیں امام ابوحنیفہ نے حماد سے انہوں نے

---

[1] کتاب الآثار لامام محمد باب النبیذ الشدید ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۸۳

[2] کتاب الآثار لامام محمد باب النبیذ الشدید ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۸۳و۱۸۴

ابراھیم انه کان یشرب الطلاء قدذھب ثلثاہ وبقی ثلثه ویجعل له منه نبیذ،فیترکه حتی اذا اشتد شربه ولم یربذٰلك بأسا،قال محمد وھو قول ابی حنیفة۔اخبرنا ابوحنیفة قال حدثنا الولید بن سریع(مولی عمروبن حریث)عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه انه کان یشرب الطلاء علی النصف قال محمد ولسنا ناخذ بھٰذاولاینبغی له ان یشرب من الطلاء الاما ذھب ثلثاہ وبقی ثلثه وھو قول ابی حنیفة۔[1] اخبرنا ابوحنیفة عن حماد عن ابراھیم قال ماأسکرہ کثیرہ فقلیله حرام خطاء من الناس، انما ارادوالسکر حرام من کل شراب۔[2]	ابراہیم سے خبر دی کہ وہ ایساطلاء پیتے تھے جس کا دو تہائی خشک ہو کر ایک تہائی بچ گیا ہو اس سے ان کے لئے نبیذ بنائی جاتی تھی تو وہ اس کو چھوڑے رکھتے یہاں تک کہ جب وہ جوش کھا کر سخت ہو جاتی تو اس کو پی لیتے اور اس میں وہ کوئی حرج نہ دیکھتے۔امام محمد نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے۔ ہمیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی انہوں نے فرمایا کہ ہمیں ولید بن سریع (مولٰی عمرو بن حریث) نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں حدیث بیان کی کہ وہ ایساطلاء پیتے تھے جس کا نصف خشک ہوگیا ہوتا۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم اس سے اخذ نہیں کرتے اور انہیں ایساطلاء نہیں پیناچاہئے سوائے اس کے کہ اس کا دو تہائی خشک ہو کر ایک تہائی رہ جائے،اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ کا۔ہمیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حماد سے اور انہوں نے ابراہیم سے خبر دی کہ ابراہیم نے فرمایا کہ ہر وہ شراب جس کا کثیر نشہ آور ہو اس کا قلیل حرام ہے،یہ لوگوں کی خطا ہے بیشک اس سے مراد یہ ہے کہ ہر شراب سے نشہ حرام ہے۔(ت)

امام طحاوی شرح معانی الآثار میں فرماتے ہیں:

حدثنا فھد ثنا ابونعیم قال ثنا مسعر بن کدام عن ابی عون الثقفی عن عبداللہ بن شداد بن الھاد عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال حرمت الخمر	حضرت عبداللہ بن شداد بن الہاد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں ابن عباس نے فرمایا کہ خمر پر تو بعینہا حرمت واقع ہوئی اور اس کے ماسوا دیگر شرابوں کی نشہ آور مقدار

[1] کتاب الآثار لامام محمد باب نبیذ البطیخ والعصیر ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۸۴

[2] کتاب الآثار لامام محمد باب الشرب فی الاوعیة والظروف ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۸۵

بعینہا والسکر من کل شراب فاخبر ابن عباس ان الحرمۃ وقعت علی الخمر بیعنہا وعلی السکر من سائر الاشربۃ سواہا فثبت بذٰلك ان ماسوی الخمر التی حرمت ممایسکر کثیرہ قدابیح شرب قلیلہ الذی لا یسکر علی ماکان علیہ من الاباحۃ المتقدمۃ تحریم الخمر وان التحریم الحادث انما ھو فی عین الخمر و السکرممافی سواہا من الاشربۃ فاحتمل ان تکون الخمر المحرمۃ ھی عصیر العنب خاصۃ واحتمل ان یکون کل ماخمر من عصیر العنب وغیرہ فلما احتمل ذٰلك وکانت الاشیاء قد تقدم تحلیلہا جملۃ ثم حدث تحریم فی بعضہالم یخرج شیئ مماقداجمع علی تحلیلہ الاباجماع یاتی علی تحریمہ ونحن نشھد علی اللہ عزوجل انہ حرم عصیرالعنب اذا حدثت فیہ صفات الخمر ولانشھد علیہ انہ حرم

حرام ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے خبر دی کہ بیشك حرمت خمر پر تو بعینہٖ واقع ہوئی جبکہ باقی شرابوں کی اتنی مقدار حرام ہے جو نشہ آور ہو چنانچہ ثابت ہوگیا کہ خمر کے علاوہ جس کی زیادہ مقدار نشہ لائے وہ حرام ہے اور اس کی قلیل مقدار جو نشہ نہ لائے وہ حسب سابق مباح ہے جیسا کہ خمر کے حرام ہونے سے پہلے مباح تھی اور جو حرمت نئی نازل ہوئی وہ عین خمر اور دیگر شرابوں کے نشہ کے بارے میں ہے چنانچہ اس بات کا احتمال ہے کہ حرام شدہ خمر خاص کھجوروں کا رس ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہر وہ چیز جس سے خمر بنے وہ حرام ہے چاہے وہ انگور کا رس ہو یا کچھ اور، تو جب اس بات کا احتمال موجود ہے اور تمام اشیاء شروع میں حلال تھیں پھر بعد میں تحریم وارد ہوئی تو جس شیئ کے حلال ہونے پر اجماع ہے وہ حلال ہونے سے اس وقت تک نہیں نکلے گی جب تک اس کے حرام ہونے پر اجماع واقع نہ ہو اور ہم اس بات پر گواہی دیتے ہیں اللہ تبارک وتعالٰی نے انگور کے رس کو حرام فرمایا جب اس میں خمر کی صفات پیدا ہو جائیں اور ہم یہ گواہی نہیں دیتے کہ انگور کے رس کے علاوہ جن اشیاء میں یہ صفت پیدا ہو جائے اسے بھی اللہ تعالٰی نے حرام کیا لہذا جس چیز کے حرام ہونے پر ہم گواہی دیتے ہیں وہ خمر ہے جس کے معنی پر ہم یقین رکھتے ہیں جیسا کہ اس کے نازل کئے جانے پر ہمارا ایمان ہے اور جس چیز کی حرمت پر ہم گواہی نہیں دے سکتے

ماسوی ذٰلك اذا حدث فیه مثل هذه الصفة فالذی نشهد علی الله تعالٰی بتحریمه ایاه هو الخمر الذی اٰمنا بتاویلها من حیث قداٰمنا بتاویلها والذی لانشهد علی الله انه حرم هوالشراب الذی لیس بخمر فماکان من خمر فقلیله وکثیره حرام وماکان مما سوی ذٰلك من الاشربة فالسکر منه حرام وما سوی ذٰلك منه مباح هذا هو النظر عندنا وهو قول ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد رحمهم الله تعالٰی غیر نقیع الزبیب والتمر خاصة فانهم کرهوا ولیس ذٰلك عندنا فی النظر کما قالوا، ولٰکن اصحابنا خالفوا ذٰلك للتاویل الذی تاولوا علیه حدیث ابی هریرۃ وانس الذین ذکرنا وشیئ رووہ عن سعید بن جبیر انه قال فی ذٰلك هی الخمر فاجتنبها۔[1]	کہ اس کو اللہ نے حرام کیا ہے وہ خمر کے علاوہ دوسری شرابیں ہیں، چنانچہ جو خمر ہے اس کا قلیل اور کثیر سب حرام ہے اور جو اس کے ماسوا دیگر شرابیں ہیں ان میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے باقی مباح ہے ہمارے نزدیک یہی قیاس ہے اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد کا، رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم، جبکہ کشمش اور کھجور کے رس کو انہوں نے مکروہ قرار دیا اور ہمارے نزدیک قیاس میں ایسا نہیں جیسا کہ انہوں نے کہا (اس لئے کہ جو بات ہم متفق علیہ دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ رس چاہے کچا ہو یا پکا دونوں صورتوں میں برابر ہے اور پکانے سے وہ حلال نہیں ہوسکتا جبکہ وہ پکانے سے پہلے حلال نہیں تھا البتہ ایسا پکانا جو اس کو رس کی حد سے نکال دے اور وہ شہد کی تعریف میں داخل ہوجائے تو اب اس کا حکم وہی ہوگا جو شہد کا ہے۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ کشمش اور کھجور کا پکا ہوا رس بالاتفاق مباح ہے۔ اب قیاس کا تقاضایہ ہے کہ ان دونوں میں بھی حکم ایسا ہی ہو لہٰذا کھجور اور انگور کا نبیذ اور پکا ہوا رس برابر ہوگئے جس طرح انگور کا کچا رس اور اس کا پکایا ہوا برابر ہے یہی قیاس ہے) لیکن ہمارے اصحاب نے اس میں اختلاف کیا اس تاویل کی بنیاد پر جو انہوں نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیثوں میں بیان کی جن کو ہم ذکر کرچکے اور اس حدیث کی بنیاد پر بھی جو انہوں نے حضرت سعید بن جُبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ خمر ہے لہٰذا اس سے بچو۔ (ت)

اسی میں ہے:

حدثنا فهد (فذکر بسنده) عن عمر رضی الله تعالٰی عنه انه	فہد نے اپنی سند کے ساتھ ہمیں حدیث بیان کی حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سفر میں تھے کہ

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربہ باب الخمر المحرمۃ ماھی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۷-۳۵۶

کان فی سفر فاتی بنبیذ فشرب منه فقطب ثم قال ان نبیذ الطائف بله غرام فذکر شدة لااحفظها ثم دعا بماء فصب علیه ثم شرب۔ حدثنا ابوبکرة (بسندہ) عن عمرو بن میمون قال شهدت عمر حین طعن فجائه الطبیب فقال ای الشراب احب الیك قال النبیذ فاتی بنبیذ فشرب منه فخرج من احدی طعنتیه۔ حدثنا روح بن الفرج (بسندہ) عن عمرو بن میمون مثله وزاد ان عمر کان یقول انا نشرب من هذا النبیذ شرابا یقطع لحوم الابل فی بطوننا من ان یؤذینا قال وشربت من نبیذه فکان اشد النبیذ [1]۔ **قلت** ورواہ ابن ابی شیبة حدثنا ابو الاحوص عن ابی اسحٰق عن عمرو بن میمون قال قال عمر انا لنشرب هذا	آپ کی خدمت میں نبیذ لائی گئی جسے آپ نے پیا پھر ماتھے پر شکن ڈالا اور فرمایا طائف کی نبیذ میں ہلاکت ہے اور اس کی شدت کا ذکر فرمایا جو مجھے یاد نہیں۔ اس کے بعد پانی منگوا کر اس پر ڈالا پھر نوش فرمایا۔ حضرت ابوبکرہ اپنی سند کے ساتھ عمرو بن میمون سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا جب آپ کو نیزہ چبھو کر زخمی کر دیا گیا تھا آپ کے پاس طبیب آیا اور کہا کہ آپ کو کونسا مشروب زیادہ پسند ہے، آپ نے فرمایا نبیذ۔ چنانچہ نبیذ لائی گئی تو آپ نے اس کو پیا جو آپ کے دو زخموں میں سے ایک سے باہر نکل گئی۔ روح بن فرج نے اپنی سند کے ساتھ عمرو بن میمون سے اسی کی مثل روایت کی مگر اس میں یہ اضافہ کیا کہ حضرت عمرو بن میمون نے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے تھے ہم اس نبیذ سے ایسا مشروب پیتے ہیں جو ہمارے پیٹوں میں اونٹ کے گوشت کو نقصان دینے سے روکتا ہے۔ راوی کہتا ہے میں نے ان کے نبیذ سے پیا جو سخت ترین نبیذ تھا۔ **میں کہتا ہوں** اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہمیں ابوالاحوص نے حدیث بیان کی انہوں نے ابواسحاق سے انہوں نے عمرو بن میمون سے انہوں نے کہا کہ حضرت عمر

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربة باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۳۵۹

الشراب الشدید لنقطع به لحوم الابل فی بطوننا ان تؤذینافمن رابه من شرابه شیئ فلیمزجه بالماء، حدثنا وکیع ثنا اسمٰعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم ثنی عتبة بن فرقد قال قدمت علی عمر فدعا بشرب من نبیذ قد کادان یصیر خلافقال اشرب فاخذته فشربته فما کدت ان اسیغه ثم اخذه فشربه ثم قال یاعتبة انانشرب هذا النبیذ الشدید لنقطع به لحوم الابل فی بطوننا ان تؤذینا [1] **قلت** واسمٰعیل هذاهوالامام الحافظ المتفق علی جلالته احمسی، کوفی، ثقة، ثبت، من رجال الستة و حفاظ التابعین وقیس من لایجهل امام ثقة حافظ جلیل مخضرم کوفی من رجال الستة واکابر التابعین و عتبة بن فرقد رضی الله تعالٰی عنه صحابی نزل الکوفة فالحدیث صحیح علٰی شرط الشیخین مسلسل بالکوفیین من لدن ابی بکر الٰی اٰخر السند۔

رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ بیشک ہم یہ سخت شراب اس لئے پیتے ہیں تاکہ یہ ہمارے پیٹوں میں اونٹوں کے گوشت کی اذیت کو ختم کرے جس شخص کو اس شخص کی شراب شک میں ڈالے تو وہ اس میں پانی ملالے۔ ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی اس نے کہاکہ ہمیں اسمٰعیل بن ابی خالد نے قیس بن ابی حازم سے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ مجھے عتبہ بن فرقد نے بتایاکہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے نبیذ کامشروب منگوایا یاجو سرکہ ہونے کے قریب تھا اور فرمایا پیو، میں نے اس کو لے کرپیاتو مجھے کچھ خوشگوار نہ لگا، پھر آپ نے اس کو لے کرپیااور فرمایا اے عتبہ! ہم یہ سخت نبیذ اس لئے پیتے ہیں کہ یہ ہمارے پیٹوں میں اونٹوں کے گوشت کی ایذارسانی کو ختم کرے۔ **میں کہتاہوں** کہ یہ اسمٰعیل وہی ہی جو امام حافظ ہیں ان کی بزرگی پر اتفاق ہے احمسی، کوفی، ثقہ، ثبت، صحاح ستہ کے رجال اور حفاظ تابعین میں سے ہیں۔ اور قیس مجہول نہیں وہ امام، ثقہ، حافظ جلیل، مخضرم، کوفی، صحاح ستہ کے رجال اور اکابر تابعین میں سے ہیں۔ اور عتبہ بن فرقد رضی اللہ تعالٰی عنہ صحابی ہیں جو کوفہ میں قیام پذیر ہوئے، پس حدیث شرط شیخین پر صحیح ہے جس کے راوی ابوبکر سے لے کر آخر سند تک مسلسل کوفی ہیں۔ ہمیں روح نے اپنی سند کے

---

[1] المصنف لابن ابی شیبه کتاب الاشربه حدیث ۳۹۲۷ و ۳۹۲۸ الجزء الثامن مع الجزء السابع ۱۴۳/۳، ۱۴۲

حدثنا روح (بسندہ) عن سعید بن ذی لعوۃ قال اتی عمر برجل سکران فجلدہ فقال انما شربت من شرابك فقال وان کان۔ حدثنا فھد (بسندہ) عن سعید بن ذی حُدّان او ابن ذی لعوۃ قال جاء رجل قد ظمیٔ الی خازن عمر فاستسقاہ فلم یسقه فاتی بسطیحة لعمر فشرب منها فسکر فاتی به عمر فاعتذر الیه فقال انما شربت من سطیحتك فقال عمر انما اضربك علی السکر فضربه عمر [1]، **قلت** و رواہ الدارقطنی فی سننه عن طریق سعید بن ذی لعوۃ ایضا ان اعرابیا شرب من اداوۃ عمر نبیذا فسکر به فضربه الحد [2] فقال الاعرابی انما شربته من اداوتك فقال عمر رضی اللہ تعالٰی عنه انما جلدناك بالسکر [3]۔ وروی ابوبکر بن ابی شیبة

ساتھ حدیث بیان کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس ایک نشے والا شخص لایا گیا آپ نے اسے کوڑے لگائے اس نے کہا میں نے آپ کی شراب میں سے ہی پیا ہے توآپ نے فرمایا اگرچہ ایسا ہو۔ ہمیں فہد نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ ایک شخص پیاسا تھا وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے خازن کے پاس لایا اور پانی مانگا تو اس نے پانی نہ پلایا پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے ایک مشکیزہ لایا گیا اس شخص نے اس میں سے پی لیا تو اسے نشہ آگیا اس کو حضرت عمر فاروق کے پاس لایا گیا آپ نے اس سے عذر طلب کیا اس نے کہا کہ میں نے تو آپ کے مشکیزہ س پیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ میں نشہ کی وجہ سے تجھے کوڑے لگاؤں گا، پھر آپ نے اسے کوڑے لگائے۔ **میں کہتا ہوں** اس کو دارقطنی نے اپنی سنن میں سعید بن ذی لعوۃ کے طریق سے بھی روایت کیا کہ بیشک ایک اعرابی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے برتن سے نبیذ پیا تو اس کو نشہ ہوا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس پر حد جاری فرمائی، اعرابی نے کہا میں نے توآپ کے برتن سے پیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہم نے تجھے نشہ کی وجہ سے کوڑے لگائے ہیں۔

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربہ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵۹

[2] سنن الدارقطنی کتاب الاشربہ حدیث ۷۵ دار المحاسن للطباعۃ القاھرۃ الجزء الرابع ص ۲۶۰

[3] التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی بحوالہ العقیلی حدیث ۷۵ دار المحاسن للطباعۃ القاھرۃ الجزء الرابع ص ۲۶۰

فی مصنفه، حدثنا علی بن مسهر عن الشیبانی عن حسان بن مخارق قال بلغنی ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنه سایر رجلا فی سفر وکان صائما فلما افطر اهوی الی قربة لعمر معلقة فیها نبیذ فشرب منها فسکر فضربه عمر الحد فقال له انما شربت من قربتك فقال له عمر انما جلدناك لسکرك[1] **قلت** وهذا امثل طرقه وما یخشی فی البلاغ من الانقطاع فلایضر عندنا وعند الجمهور القابلین لمراسیل۔ وروی عبدالرزاق اخبرنا ابن جریج عن اسمٰعیل ان رجلا عب فی شراب نبیذ لعمر بن الخطاب بطریق المدینة فسکر فترکه عمر (رضی اللہ تعالٰی عنه) حتی افاق فحده[2]۔ فقال الطحاوی حدثنا

ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنّف میں روایت فرمایا کہ ہمیں علی بن مسہر نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک شخص کے ساتھ سفر میں تھے اور وہ روزہ دار تھا جب اس نے افطار کیاتو وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ایک مشکیزہ کی طرف مائل ہوا جو لٹکا ہوا تھا اور اس میں نبیذ تھا اس نے پیا جس سے اسے نشہ ہوگیا، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس پر حد لگائی تو اس نے کہا میں نے تو آپ کے مشکیزہ سے پیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہم نے تجھے تیرے نشے کی وجہ سے کوڑے لگائے، **میں کہتاہوں** یہ اس حدیث کے طرق میں سے عمدہ ترین ہے اوراس میں جوانقطاع کاخدشہ ہے وہ ہمیں نقصان نہیں دیتااور نہ جمہور کوجو مرسل حدیثوں کو قبول کرتے ہیں۔ عبدالرزاق نے روایت کیاکہ ہمیں ابن جریج نے اسمٰعیل سے خبر دی کہ ایک شخص نے مدینہ کے راستے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نبیذ کوایک ہی سانس میں پیا تواسے نشہ ہوگیا حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اُسے کچھ دیر چھوڑے رکھا یہاں تک کہ اسے افاقہ ہوا پھر اسے حدماری۔ امام طحاوی نے فرمایاکہ

---

[1] المصنّف لابن ابی شیبة کتاب الحدود النبیذ من رأی فیه حدًا حدیث ۸۴۵۰ ادارۃ القرآن کراچی ۹ /۵۴۴

[2] المصنف لعبدالرزاق کتاب الاشربه حدیث ۱۷۰۱۵ المجلس العلمی ۹ /۲۲۴

فھد (بسندہ) عن ابن عمر قال اتی (یعنی امیر المومنین) بنبیذ قد احلف واشتد فشرب منہ ثم قال ان ھذا لشدید ثم امر بماء فصبّ علیہ ثم شرب ھو واصحابہ، حدثنا محمد بن خزیمۃ (بسندہ) عن ابن عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) ان عمر انتبذ لہ فی مزادۃ فیھا خمسۃ عشر او ستہ عشر فاتاہ فذاقہ فوجدہ حلوا فقال کانکم اقللتم عکرہ ؏۔ حدثنا ابن ابی داؤد	ہمیں فہد نے اپنی سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں نبیذ لایا گیا جو متغیّر اور سخت ہو چکا تھا آپ نے اس میں سے پیا پھر فرمایا بیشک یہ سخت ہے، پھر پانی لانے کا حکم دیا اور اس پر پانی ڈالا پھر آپ نے اور آپ کے اصحاب نے اس کو پی لیا۔ ہمیں محمد بن خزیمہ نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے ایک مشکیزے (توشہ دان) میں جو کہ پندرہ سولہ رطل کے برابر تھا نبیذ بنایا گیا آپ تشریف لائے اسے چکھا اور میٹھا پایا تو فرمایا گویا کہ تم نے اس کا تلچھٹ کم کردیا ہے۔ ہمیں ابن ابی داؤد

؏: عکر النبیذ العتیق اذا اضیف الی الجدید عجل اشتدادہ وھذا معنی ماروی النسائی فی سننہ عن سعید بن المسیب انہ کان یکرہ کل شیئ ینبذ علی عسکر وایضا عنہ انہ قال فی النبیذ خمّرہ دُردیہ[1] اھ ای جعلہ عکرہ مسکرا فکأن امیر المؤمنین انکر علیھم تقلیل العسکر حتی بقی الی الاٰن حلوا ولم یشتد واللہ تعالٰی اعلم قالہ الفقیر المجیب غفر اللہ تعالٰی منہ ۱۲ منہ

؏: "عکر النبیذ" پرانا نبیذ جو تازہ نبیذ کے ساتھ ملانے سے جلد تیزی حاصل کرتا ہے۔ نسائی کی اپنی سنن میں سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ وہ پرانے نبیذ میں ملائے ہوئے ہر نبیذ کو ناپسند کرتے تھے نیز ان سے نبیذ کے متعلق یہ روایت کہ اس کو پرانے نبیذ نے نشہ آور بنادیا، کا معنی یہی ہے، گویا امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے قلیل پرانے نبیذ میں ملاوٹ کر ناپسند فرمایا کہ اس وجہ سے ابھی تک وہ میٹھا ہے اور شدید نہ ہوا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ یہ مجیب غفر اللہ تعالٰی کا بیان ہے ۱۲ منہ۔

[1] سنن النسائی ذکر مایجوز شربہ من الانبذۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۵

(یبلغه الیٰ)عبدالرحمٰن بن عثمٰن قال صحبت عمر بن الخطاب الیٰ مکة فاھدٰی له رکب من ثقیف سطیحتین من نبیذ فشرب عمر احدٰھما ولم یشرب الاخری حتی اشتد مافیه فذھب عمر فشرب منه فوجدہ قد اشتد فقال اکسروہ بالماء[1]. **قلت** ورواہ عبدالرزاق۔قال الطحاوی فلما ثبت بما ذکرنا عن عمر اباحة قلیل النبیذ الشدید وقد سمع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول کل مسکر حرام کان مافعله دلیلًا ان ماحرم رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من النبیذ الشدید ھو السکر منه لاغیر فاما ان یکون سمع ذٰلك من النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قولا اوراٰہ رأیا فرأیه عندنا حجّة ولاسیما اذا کان فعله المذکور بحضرۃ اصحاب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم	نے حدیث بیان کی کہ عبدالرحمٰن بن عثمان نے کہا کہ میں نے مکہ مکرمہ کی طرف سفر کے دوران حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت اختیار کی قبیلہ بنی ثقیف کے ایک وفد نے آپ کی خدمت میں نبیذ کے دو مشکیزے بطور ہدیہ پیش کئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں سے ایک پی لیا اور دوسرے کو نہیں پیا یہاں تک کہ اس میں شدت آگئی پھر جب آپ نے اس کو پیا تو اس کو شدید پایا اور فرمایا پانی سے اس کی تیزی کو توڑ دو۔ **میں کہتا ہوں** اس کو عبدالرزاق نے روایت کیا۔امام طحاوی نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان واقعات مذکورہ سے جب نبیذ شدید کی قلیل مقدار کا مباح ہونا ثابت ہوگیا حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر نشہ آور حرام ہے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل اس بات کی دلیل ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نبیذ شدید سے جو حرام فرمایا وہ نشہ آور مقدار ہے نہ کہ اس کا غیر چاہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہو یا اُن کی اپنی یہ رائے ہو کیونکہ ہمارے نزدیک ان کی رائے حجت ہے خصوصًا جب کہ آپ کا یہ فعل مذکور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی موجودگی میں واقع

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربہ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵۹

فلم ینکرہ علیہ منھم منکر فدل علی متابعتھم ایاہ علیہ وھذا عبداللہ بن عمر وھواحد النفر الذین رووا عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل مسکر حرام وقد روی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماحدثنا ابوامیۃ البغدادی ثنا ابونعیم ثنا عبدالسلام عن لیث عن عبدالملک بن اخی القعقاع بن شوذب عن ابن عمر قال شھدت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتی بشراب فادناہ الی فیہ فقطب فردہ فقال رجل یارسول اللہ احرام ھو فرد الشراب ثم عادبماء فصبہ علیہ ذکرمرتین اوثلثا ثم قال اذا اغتلمت ھٰذہ الاسقیۃ علیکم فاکسروا متونھا بالماء [1]. **قلت** ورواہ النسائی فی سننہ بسندین بمعناہ احدھما اخبرنا زیادبن ایوب ثناھشیم اخبرنا العوام عن عبدالملک بن نافع	ہوااوران میں سے کسی نے انکار نہیں کیا تو ان سب کا جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی متابعت کرناان کے اس فعل کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی کہ ہر نشہ آور حرام ہے۔انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے وہ حدیث روایت کی جو ہمیں ابوامیّہ بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ بیان کی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کے پاس شراب لائی گئی آپ نے اس کو اپنے منہ کے قریب کیا پھر ماتھے پر شکن ڈالی وراس کورَد فرما دیا،ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیا یہ حرام ہے؟ تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پھر وہ شراب لوٹائی اوراس میں پانی ڈالااس کادو تین بار ذکر کیا پھر فرمایا جب یہ مشکیزے تم پر سخت ہوجائیں تو پانی کے ساتھ ان کی تیزی کو توڑدیا کرو۔میں کہتاہوں اس کو امام نسائی نے اس کے معنی کے ساتھ دوسندوں سے روایت فرمایا جن میں سے ایک یہ ہے کہ ہمیں زیاد بن ایوب نے خبر دی انہوں نے کہاکہ ہمیں حدیث بیان کی ہشیم نے انہوں نے کہا ہمیں عوام نے عبدالملک

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۶۰۔۳۵۹

قال قال ابن عمر [1]۔والاٰخر اخبرنی زیاد بن ایوب عن ابی معٰویۃ ثنا ابواسحٰق الشیبانی عن عبدالملک [2] الخ۔قال الطحاوی حدثنا وھب بن عثمان البغدادی ثنا ابوھمام ثنی یحیی بن زکریا بن ابی زائدہ عن اسمٰعیل بن ابی خالد ثنا قرۃ العجلی ثنی عبدالملك ابن اخی القعقاع عن ابن عمر مثلہ [3] **قلت** بھٰذا السند رواہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ فقال حدثنا وکیع عن اسمٰعیل بن ابی خالد [4] الخ بنحوہ قال الطحاوی حدثنا محمدبن عمروبن یونس ثنی اسباط بن محمد عن الشیبانی عن عبدالملك بن نافع قال سألت ابن عمر فقلت ان اھلنا ینبذون نبیذا فی سقاء لو انھکتہ لاخذ فیّ فقال ابن عمر انما البغی علی من اراد البغی شھدت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عند ھذا الرکن واتاہ رجل بقدح من نبیذ ثم ذکر مثل حدیث ابی امیّۃ غیر انہ

بن نافع سے خبر دی انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا،اور دوسری سندیہ ہے کہ مجھے زیاد بن ایوب نے ابو معاویہ سے خبر دی انہوں نے کہا ہمیں ابواسحاق شیبانی نے عبدالملک سے حدیث بیان کی الخ۔امام طحاوی نے فرمایا ہمیں وہب بن عثمان بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اس کی مثل حدیث بیان کی۔**میں کہتا ہوں** اسی سند کے ساتھ اس کو ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنّف میں روایت فرمایا اور کہا ہمیں وکیع نے اسمٰعیل بن ابی خالد سے بیان کی الخ۔امام طحاوی نے فرمایا ہمیں محمد بن عمرو بن یونس نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ عبدالملک بن نافع نے کہا میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سوال کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے گھر والے مشکیزے میں نبیذ بناتے ہیں اگر میں اس کو زیادہ پی لوں تو وہ میرے اندر نشہ پیدا کرتی ہے۔تو ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا گناہ اس پر ہے جو گناہ کا ارادہ کرے میں اس رکن کے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے پاس ایک شخص نبیذ کا پیالہ لایا پھر ابن عمر نے حدیث ابن اُمیّہ کی مثل ذکر فرمایا سوائے اس کے

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر اخبار التی اعتل بھا من اباح الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۲

[2] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر الاخبار التی اعتل بھا من اباح الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۲

[3] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۳۶۰

[4] المصنف ابن ابی شیبہ کتاب الاشربہ حدیث ۴۲۶۲ ادارۃ القرآن کراچی ۸ /۳۹

قال فاکسروھا بالماء ففی ھذا اباحۃ قلیل النبیذ الشدید واولی الاشیاء بنا اذکان قدروی عنہ ھذا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وروی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل مسکر حرام ان نجعل کل واحد من القولین علٰی معنی غیرمعنی الاٰخر فیکون قولہ کل مسکر حرام علی المقدار الذی یسکر والحدیث الاٰخر علی اباحۃ قلیل النبیذ الشدید، اخبرنا فھدبن محمدبن سعید ثنا یحیٰی بن الیمان عن سفیٰن عن منصور عن خالد بن سعد عن ابی مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال عطش النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حول الکعبۃ فاستسقی فاتی نبیذ من نبیذ السقایۃ فشمہ فقطب فصب علیہ من ماء زمزم ثم شرب فقال رجل احرام ھو فقال لا [1] **قلت** و رواہ النسائی بھذا السند نحوہ فقال اخبرنا الحسن بن اسمٰعیل بن سلیمٰن اخبرنا یحیٰی بن یمان [2]	اس کی تیزی کو پانی کے ساتھ توڑو۔اس حدیث میں تیز نبیذ کی قلیل مقدار کی اباحت ہے،جب ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی توانہی کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر نشہ آور حرام ہے،توہمارے لئے اولٰی یہ ہے کہ ہم ان دونوں حدیثوں میں سے ہرایک کو دوسری کے مفہوم کے غیرپر محمول کریں،چنانچہ آپ کا یہ ارشاد کہ "ہر نشہ آور حرام ہے"اس مقدار پر محمول ہوگا جو نشہ دیتی ہےاور دوسری حدیث نبیذ شدید کی قلیل مقدار کے مباح ہونے پر محمول ہوگی۔ہمیں فہدبن محمد نے اپنی سند کے ساتھ ابوسعید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے خبر دی انہوں نے کہا نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کوکعبہ شریف کے پاس پیاس لگی تو آپ نے پانی مانگا چنانچہ آپ کی خدمت میں ایک مشکیزے سے نبیذلائی گئی آپ نے سونگھا اور تیوری چڑھائی پھراس پر زمزم کا پانی ڈالا پھرنوش فرمایاتو ایک شخص نے کہاکیایہ حرام ہے؟آپ نے فرمایاکہ نہیں۔**قلت** (میں کہتاہوں)اس کو امام نسائی نے اسی سند کے ساتھ بیان فرمایا اور کہاکہ ہمیں حسن بن اسمٰعیل بن سلیمان نے خبردی انہوں نے کہاکہ ہمیں یحیٰی بن یمان نے خبر دی الخ،

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربہ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۲۶۰

[2] سنن النسائی کتاب الاشربہ ذکر اخباالتی اعتل بھامن اباح الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۳

الخ،ورواہ الدارقطنی حدثنا احمدبن عبداللّٰہ الوکیل ثنا علی بن حرب نایحیٰی بن الیمان [1] الخ و رواہ عبدالرزاق عن مجاھد مرسلا قال عمدالنبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم الی السقایۃ سقایۃ زمزم فشرب من النبیذ فشد وجھہ ثم امربہ فکسر بالماء ثم شربہ فشد وجھہ ثم امربہ الثالثہ فکسر بالماء ثم شرب [2]۔قال الطحاوی حدثنا علی بن معبد ثنایونس ثنا شریك عن ابن اسحٰق عن ابی بردۃ عن ابی موسٰی عن ابیہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال بعثنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلّم انا ومعاذا الی الیمن فقلنا یارسول اللّٰہ ان بھاشرابین یصنعان من البروالشعیر احدھما یقال البر والشعیر احدھما یقال لہ المزر والاٰخر یقال لہ البتع فما نشرب فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلّم	اس کو دارقطنی نے روایت کیا اور کہاکہ ہمیں احمد بن عبداللہ الوکیل نے حدیث بیان کی اور انہوں نے کہاکہ ہمیں علی بن حرب نے اورانہوں نے کہاکہ ہمیں یحیٰی بن یمان نے حدیث بیان کی الخ اوراس کو عبدالرزاق نے مجاہد سے مرسلًا روایت کیا انہوں نے کہاکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زمزم کے مشکیزوں میں سے ایک مشکیزہ کی طرف متوجہ ہوئے آپ نے نبیذ نوش فرمایا پھر مشکیزے کامنہ مضبوطی سے باندھ دیا پھرآپ نے حکم دیا تو پانی کے ساتھ س کی تیزی کوتوڑا گیا پھرآپ نے اس کونوش فرمایااور مشکیزے کامنہ مضبوطی سے باندھ دیا،پھر تیسری مرتبہ حکم فرمایا اوراس کی تیزی کو پانی سے توڑاگیا پھرآپ نے نوش فرمایا۔امام طحاوی نے فرمایا کہ ہمیں علی بن معبد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی انہوں نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اور معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجاہم نے کہایارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وہاں دوشرابیں ہیں جوگندم اورجو سے بنائی جاتی ہیں ان میں سے ایک کومزراور دوسری کوبتع کہا جاتاہے توکیاہم اسے پئیں؟ تورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

[1] سنن الدارقطنی کتاب الاشربہ حدیث ۸۵ دارالمحاسن للطباعۃ القاہرہ ۴/ ۲۶۳

[2] المصنف لعبدالرزاق کتاب الاشربہ حدیث۱۷۰۲۱ المجلس العلمی ۹/ ۲۲۶

اشربا ولاتسکرا فدل ذالك ان ماذکرہ ابوموسٰی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من قولہ کل مسکر حرام انما ھو علی المقدار الذی یسکر لاعلی العین التی کثیرھا یسکر وقد روینا حدیث ابی سلمۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا فی جواب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للذی سالہ عن البتع بقولہ کل شراب اسکر فھو حرام فان جعلنا ذٰلك علٰی قلیل الشراب الذی لیسکر کثیرہ ضاد جواب النّبی صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لمعاذ و ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنھما وان جعلناہ علٰی تحریم السکر خاصۃ وافق حدیث ابی موسٰی واولی الاشیاء بنا حمل الاٰثار علی الوجہ الذی لاتتضاد، حدثنا ابن مرزوق (بسندہ) عن شماس قال قال عبداللہ (یعنی ابن مسعود) رضی اللہ تعالٰی عنہ ان القوم یجلسون علی الشراب وھو یحل لھم فمایزالون حتی یحرم علیھم۔ حدثنا محمد بن خزیمۃ (بسندہ)	"پیو اور نشہ میں مت آؤ"۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جو حدیث ذکر فرمائی کہ "ہر نشہ آور حرام ہے" وہ نشہ آور مقدار پر محمول ہے نہ کہ اس شیئ کے عین پر جس کا کثیر نشہ آور ہے اور ہم حدیث ابی سلمہ بحوالہ امّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا روایت کرچکے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی وآلہ وسلم کے اس جواب کے بارے میں ہے جو بتع سے متعلق سوال کرنے والے شخص کو آپ نے دیا وہ یہ کہ "ہر شراب جو نشہ دے وہ حرام ہے" اگر اس حدیث کو ہم اس شراب کے قلیل پر محمول کریں جس کا کثیر نشہ دیتا ہے تو یہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے اس جواب کے خلاف ہے جو آپ نے حضرت معاذ اور ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہما کو دیا۔ اور اگر اس کو ہم خاص نشہ کی حرمت پر محمول کریں تو یہ حدیث ابوموسٰی کے موافق ہو جاتا ہے اور ہمارے لئے اولٰی یہ ہے کہ ہم تمام آثار کو ایسے معنی پر محمول کریں کہ ان میں باہمی تضاد نہ رہے۔ ہمیں ابن مرزوق نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ قوم شراب نوشی کے لئے بیٹھتی جب وہ ان کے لئے حلال تھا وہ ایسا کرتے رہے یہاں تک کہ وہ ان کے لئے حرام ہوگیا۔ ہمیں محمد بن خزیمہ نے اپنی سند کے

عن علقمة بن قیس انه اکل مع عبدالله بن مسعود خبزا ولحما قال فاتینا بنبیذ شدید نبذته سیرین فی جرة خضراء فشربوا منه۔حدثنا ابن داؤد (بسنده)عن علقمة قال سألت ابن مسعود عن قول رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی المسکر قال الشربة الاخیرة۔حدثنا ابوبکرة ثنا بواحمد الزبیری ثنا سفیٰن عن علی بن بذیمة عن قیس بن حَبتَر قال سألت ابن عباس عن الجر الاخضر والجر الاحمر فقال ان اوّل من سأل النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن ذٰلك وفد عبدالقیس فقال لاتشربوا الا فی الدباء ولافی المزفت و لافی النقیر واشربوا فی الا سقیة فقالوا یارسول الله فان اشتد فی الاسقیة قال صبوا علیه من الماء وقال لهم فی الثالثة اوالرابعة فاهریقوه۔حدثنا محمد بن خزیمة ثنا عبدالله بن رجاء ثنا اسرائیل عن علی بن بذیمة عن قیس بن حبتر

ساتھ حضرت علقمہ بن قیس سے حدیث بیان کی کہ انہوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ روٹی اور گوشت کھایا انہوں نے کہا پھر ہمارے پاس تیز نبیذلا یاگیا جس کو سیرین نے سبز گھڑے میں تیار کیا انہوں نے اسے پیا۔ ہمیں ابی داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علقمہ سے حدیث بیان کی انہوں نے کہاکہ میں نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مُسکِر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قول سے متعلق سوال کیاتوانہوں نے کہاکہ وہ آخری گھونٹ ہے۔ہمیں ابوبکرہ نے اپنی سند کے ساتھ قیس بن حبتر سے حدیث بیان کی انہوں نے کہاکہ میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سبز اور سرخ گھڑوں کے بارے میں سوال کیاتوانہوں نے فرمایا سب سے پہلے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے وفد عبدالقیس نے سوال کیاتھا تونبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "دباء،مزفت اورنقیر میں مت پیو اورمشکیزوں میں پیو۔ "انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! اگر مشکیزوں میں وہ تیز ہوجائے توآپ نے فرمایا: "اس پر پانی ڈال دو"۔اورآپ نے انہیں تیسری یاچوتھی مرتبہ فرمایا کہ "اسے انڈیل دو"۔ہمیں محمد بن خزیمہ نے اپنی سند کے ساتھ اسی کی مثل حدیث بیان کی۔**قلت**(میں کہتاہوں)اس کو

عن ابن عباس مثل ذٰلك [1] قلت ورواہ ابوداؤد [2] فی سننه، حدثنا محمد بن بشار ثنا ابواحمد الیٰ اٰخرہ سندا ومتنا نحوہ وزاد ثم قال ان الله حرم علیّ او حرم الخمر والمیسر والکوبة قال وکل مسکر حرام قال سفیٰن فسالت علی بن بذیمة عن الکوبة قال الطبل، ورواہ عبدالرزاق عن ابی سعید قال کنا جلوساعندالنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقال جاءکم وفد عبدالقیس الحدیث بطوله وفیه فان رابکم فاکسروہ بالماء [3] اھ ولیس فیه مابعدہ، قال الطحاوی ففی ھذا الحدیث ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اباح لھم ان یشربوا من نبیذ الاسقیة وان اشتد فان قال قائل فان فی امرہ باھراقه دلیلا علی نسخ الاباحة قیل لھم کیف یکون

ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا کہ ہمیں محمد بن بشار نے ابواحمد سے حدیث بیان کی الخ جو کہ سند اور متن دونوں کے اعتبار سے اس کی مثل ہے، اور اس میں یہ زائد ہے پھر فرمایا کہ بیشک اللہ نے مجھ پر حرام کیا یا یوں فرمایا کہ خمر، جُوا اور کُوبہ حرام کردیئے گئے اور ہر نشہ آور حرام ہے۔ سفیان نے کہا کہ میں نے علی بن بذیمہ سے کُوبہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ طبل (ڈھول)، اور اس کو عبدالرزاق نے ابوسعید سے روایت کیا ابوسعید نے کہا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس وفد عبدالقیس آیا ہے (طویل حدیث ذکر کی) اور اس حدیث میں ہے کہ اگر تمہیں وہ (نبیذ) شک میں ڈالے تو پانی سے اس کی تیزی کو توڑ دو الخ اور اس میں حدیث کا بعد والا حصہ نہیں ہے۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وفد عبدالقیس کے لئے مشکیزوں کی نبیذ کو پینا مباح فرمایا اگرچہ اس میں تیزی آئے۔ اگر کوئی کہنے والا کہے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کو انڈیلنے کا حکم دیا یہ اباحت کے نسخ کی دلیل ہے اس کو کہا جائے گا یہ کیسے

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربہ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۶۱۔۳۶۰
[2] سنن ابی داؤد کتاب الاشربہ باب فی الاوعیة آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۶۴
[3] المصنف لعبدالرزاق کتاب الاشربہ حدیث ۱۶۹۳۰ المجلس العلمی ۹/ ۲۰۱۔۲۰۲

ذالك وقد روی عن ابن عباس من کلامه بعد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم حرمت الخمر لعینها والسکر من کل شراب وقد ذکرنا ذالك باسنادہ وکیف یجوز علی ابن عباس مع علمه وفضله ان یکون قد روی عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم مایوجب تحریم النبیذ الشدید ثم یقول حرمت الخمر لعینها والسکر من کل شراب ولٰکن معنی حدیث قیس انه لم یأمنهم علیه ان یشرعوا فی شربه فیسکروا فامرهم باهراقه ذالك وقد روی فی مثل ما هذا ماحدثنا محمد بن خزیمة ثنا عثمٰن بن الهیثم بن الجهم المؤذن ثنا عوف بن ابی جمیلة ثنی ابو القموص زید بن علی عن احد وفد عبدالقیس او یکون قیس بن النعمان فانی قد نسیت اسمه انهم سألوہ صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن الاشربة فقال لا تشربوا فی الدباء ولا فی النقیر واشربوا فی السقاء الحلال الموکأ علیها فان اشتد منه فاکسروہ بالماء فان اعیاکم فاهریقوہ حدثنا ربیع المؤذن ثنا اسد بن موسٰی ثنا مسلم بن خالد ثنی زید	ہوسکتا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کا یہ کلام مروی ہے کہ خمر لعینہٖ حرام کی گئی اور ہر شراب میں سے نشہ کی مقدار حرام کی گئی، ہم اس حدیث کو اس کے اِسناد کے ساتھ ذکر کرچکے ہیں، اور ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے لئے اپنے علم وفضل کے باوجود یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے وہ حدیث روایت کریں جو نبیذ شدید کی حرمت کو ثابت کرے اور پھر یہ فرمائیں کہ خمر تو لعینہٖ حرام ہے جبکہ باقی ہر شراب میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے لیکن حدیث قیس کا معنی یہ ہے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ ڈر ہوا کہ وہ اس کو پی کر نشہ میں آئیں گے لہٰذا اس کو انڈیل دینے کا انہیں حکم دیا، اور اسی کی مثل مروی ہے اس حدیث میں جو ہمیں محمد بن خزیمہ نے اپنی سند کے ساتھ وفد عبد القیس میں شریک ایک شخص سے حدیث بیان کی یا وہ راوی قیس بن نعمان تھا، راوی کہتا ہے مجھے اس کا نام بھول گیا ہے کہ وفدِ عبدالقیس نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے شرابوں کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ کدّو اور کھرچی ہوئی لکڑی میں مت پیو اور ایسے مشکیزوں میں پیو جن کے منہ باندھے گئے ہوں اگر اس نبیذ میں شدت آجائے تو پانی سے اس کی شدت توڑو اگر وہ تمہیں عاجز کردے تو پھر اسے انڈیل دو۔ ہمیں ربیع المؤذن نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان

بن اسلم عن سمّی عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا دخل احدکم علی اخیہ المسلم فاطعمہ طعاما فیاکل من طعامہ ولایسأل عنہ فان اسقاہ شرابا فلیشرب منہ ولایسأل عنہ فان خشی منہ فلیکسرہ بشیئ،ففی ھذا الحدیث اباحۃ شرب النبیذ فان قال قائل انما اباحہ بعد کسرہ بالماء و ذھاب شدتہ قیل لہ ھذا کلام فاسد لانہ لوکان فی حال شدتہ حراما لکان لایحل وان ذھبت شدتہ بصب الماء علیہ الاتری ان خمر الوصب فیھا ماء حتی غلب الماء علیھا ان ذالک حرام فلما کان قد ابیح فی ھذا الحدیث الشراب الشدید اذا کسر بالماء ثبت بذٰلک انہ قبل ان یکسر بالماء غیر حرام فثبت بما رویناہ فی ھذاالباب اباحۃ مالایکسر من النبیذ الشدید وھو قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمھم اللہ تعالٰی۔[1]	کی انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک اپنے مسلمان بھائی کے ہاں جائے تو وہ اس کو کھانا کھلائے اس کو چاہئے کہ وہ کھانا کھالے مگر اس سے کھانے کا سوال نہ کرے اور اگر وہ اس مشروب سے نشہ کا ڈر محسوس کرے تو پانی وغیرہ سے اس کی تیزی کو توڑ دے،اس حدیث میں نبیذ کی اباحت کا ثبوت ہے،اگر کوئی شخص کہے کہ پانی کے ساتھ اس کی سختی ختم کرنے کے بعد اسے مباح قرار دیا گیا ہے جبکہ اس کی شدت ختم ہوجاتی ہے تو اس کو کہا جائے گا کہ تیرا یہ کلام فاسد ہے اس لئے کہ اگر وہ شدت کی حالت میں حرام ہو تو وہ حلال نہیں ہوسکتی اگرچہ پانی انڈیلنے کے ساتھ اس کی شدت ختم ہوجائے،کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر خمر میں اس قدر پانی ملایا جائے کہ وہ اس غالب آجائے تو وہ حرام ہی رہے گا،اس حدیث میں جب تیز شراب (نبیذ) کو مباح قرار دیا گیا ہے جب پانی کے ساتھ اس کی شدت ختم کردی جائے،اس سے ثابت ہوگیا کہ پانی انڈیل کر تیزی ختم کرنے سے پہلے وہ حرام نہیں تھی لہٰذا جو کچھ ہم نے اس باب میں روایت کیا اس سے تیز نبیذ کا مباح ہونا ثابت ہوگیا جبکہ وہ نشہ نہ دے،اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ،امام ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم کا۔(ت)

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربہ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۶۲۔۳۶۱

زیادۃ احادیث **اخبرنا** سوید قال اخبرنا عبداللّٰه عن السری بن یحیٰی ثنی ابو حفص امام لنا وکان من اسنان الحسن عن ابی رافع ان عمر بن الخطاب رضی اللّٰه تعالٰی قال اذا خشیتم من نبیذ شدته فاکسروہ بالماء قال عبداللّٰه بن قبل ان یشتد **اخبرنا** زکریا بن یحیٰی (بسندہ)عن سعید بن المسیب یقول تلقت ثقیف عمر بشراب فدعا بہ فلما قربہ الی فیہ کرھہ فدعا بہ فکسرہ بالماء فقال ھکذا فافعلوا [1] **قلت** ورواہ عبدالرزاق والبیہقی۔	**(مزید حدیثیں):** سنن نسائی شریف میں ہے: امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ ابو رافع سے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا جب تمہیں نبیذ کی تیزی کا ڈر ہو تو پانی سے اس کی تیزی کو توڑدیا کرو۔ عبداللہ نے فرمایا کہ تیزی آنے سے پہلے ایسا کرو۔ امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا کہ قبیلہ بنی ثقیف نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں مشروب پیش کیا، آپ نے اس کو طلب فرمایا، جب اپنے منہ کے قریب کیا تو وہ اچھا نہ لگا، پھر اس کو منگوایا اور پانی کے ساتھ اس کی تیزی کو کم کرکے فرمایا: ایسا ہی کرو۔ **میں کہتا ہوں** اس کو عبدالرزاق اور بیہقی نے روایت کیا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

عن ابن سیرین قال بعہ عصیرا ممّن یتخذہ طلاء ولایتخذہ خمرا [2] **عن** سوید بن غفلۃ قال کتب عمر بن الخطاب الی بعض عمالہ ان ارزق المسلمین من الطلاء ذھب ثلثاہ وبقی ثلثۃ [3]، ورواہ عبدالرزاق وابو نعیم	ابن سیرین نے کہا کہ انگور کا شیرہ اس کے ہاتھ بیچو جو اس سے طلاء بناتا ہے اس کے ہاتھ مت بیچو جو خمر بناتا ہے۔ سید بن غفلہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے بعض عاملوں کو لکھا مسلمانوں کو ایسا طلاء پینے دیجئے جس کا دو ثلث جل کر خشک ہوجائے اور ایک تہائی رہ جائے۔ اس کو عبدالرزاق اور ابو نعیم

[1] سنن النسائی کتاب الاشربہ ذکر اخبار التی اعتل بھا من اباح الخ نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۳۳۳)

[2] سنن النسائی کتاب الاشربہ الکراھۃ فی بیع العصیر نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۳۳۴

[3] سنن النسائی کتاب الاشربہ ذکر مایجوز شربہ من الطلاء نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۳۳۴

فی الطب وعن ابی مجانۃ عن عامر بن عبداللّٰہ انہ قال قرأت کتاب عمر بن الخطاب الٰی ابی موسٰی امّا بعد فانھا قدمت علیّ عیر من الشام تحمل شرابا غلیظا اسود کطلاء الابل وانی سألتھم علی کم یطبخونہ فاخبرونی انھم یطبخونہ علی الثلثین ذھب ثلثاہ الاخبثان ثلث ببغیہ وثلث بریحہ فمر من قبلك یشربونہ[1]۔**قلت** ومن ھذا الطریق رواہ سعید بن منصور فی سننہ وفیہ کتب عمر الٰی عمار رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما ثم روی النسائی عن عبداللّٰہ بن یزید الخطمی قال کتب الینا عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ اما بعد فاطبخوا شرابکم حتی یذھب منہ نصیب الشیطان فان لہ اثنین ولکم واحد[2]۔**قلت** صححہ الحافظ فی الفتح و رواہ سعید بن منصور و البیھقی وسیأتی حدیث کتابہ بطریقین اٰخرین

نے طب میں ابو مجانہ سے بحوالہ عامر بن عبداللہ روایت کیا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مکتوب گرامی بنام ابوموسٰی اشعری پڑھا جس میں آپ نے لکھا کہ میرے پاس شام کا ایک قافلہ آیا جس کے پاس سیاہ رنگ کی گاڑھی شراب تھی جیسے اونٹوں کا طلاء ہوتا ہے، میں نے ان سے سوال کیا کہ تم اس کو کس قدر پکاتے ہو، توانھوں نے بتایا وہ اس کے دو تہائی کو جلادیتے ہیں جن میں خبث ہے ایک تہائی سر کا اور ایک تہائی بُو کا یعنی ایک تہائی باقی رہ جاتا ہے توتم اپنی طرف سے لوگوں کو کہہ دو کہ اس کو پی لیا کریں۔ **میں کہتا ہوں** اسی طریق سے اس کو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، اس میں ہے کہ حضرت عمر نے حضرت عمار رضی اللہ تعالٰی عنہما کو لکھا پھر امام نسائی نے اس کو عبداللہ بن یزید خطمی سے روایت کیا انہوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان کو لکھا: امابعد، اپنی شرابوں کو اس حد تک پکاؤ کہ ان سے شیطان کا حصہ جل جائے اور اس کے لئے دو حصے (دو تہائی) اور تمہارے لئے ایک حصہ ہے۔ میں کہتا ہوں اس کو حافظ نے فتح میں صحیح قرار دیا اور س کو سعید بن منصور اور بیہقی نے روایت کیا۔ عنقریب حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا خط دو[۲] اور طریقوں سے بھی آرہا ہے۔

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربہ ذکر مایجوز شربہ من الطلاء الخ نور محمد کارخانہ کتب کراچی ۲/ ۳۳۴

[2] سنن النسائی کتاب الاشربہ ذکر مایجوز شربہ من الطلاء الخ نور محمد کارخانہ کتب کراچی ۲/ ۳۳۴

ثم روی النسائی **عن** الشعبی قال کان علی رضی اللہ تعالٰی عنہ یرزق الناس الطلاء یقع فیہ الذباب ولا یستطیع ان یخرج منہ **عن** داؤد سألت سعید اما الشراب الذی احلہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال الذی یطبخ حتی یذہب ثلثاہ و یبقی ثلثہ[1] **قلت** ورواہ ابن ابی شیبۃ قال حدثنا عبدالرحیم بن سلیمٰن عن داؤد بن ابی ھند قال سألت سعید بن المسیب فذکرہ، ثم روی النسائی **عن** سعید بن المسیّب ان ابا الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کان یشرب ماذھب ثلثاہ و بقی ثلثہ عن قیس بن ابی حازم عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ ان کان یشرب من الطلاء ذھب ثلثاہ وبقی ثلثۃ **عن** یعلی بن عطاء قال سمعت سعید بن المسیّب وسألہ اعرابی عن شراب یطبخ علی النصف فقال	پھر اس کو امام نسائی نے شعبی سے روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ لوگوں کو طلاء پلاتے تھے اس میں اگر مکھی گرجائے تو نکل نہیں سکتی تھی (یعنی بہت گاڑھی ہوتی تھی) داؤد نے کہا میں نے سعید سے سوال کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کون سی شراب کو حلال کیا تھا انہوں نے بتایا کہ جس کے دو تہائی جل کر خشک ہو جائیں اور ایک تہائی باقی رہ جائے۔ **میں کہتا ہوں** اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں عبدالرحیم بن سلیمان نے داؤد بن ابی ہند سے بیان کی انہوں نے کہا کہ میں نے سعید بن مسیّب سے سوال کیا پھر مذکورہ حدیث کو ذکر کیا، پھر نسائی نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا کہ ابوالدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ ایسا شراب پیتے تھے جس کا دو تہائی خشک ہو جاتا اور ایک تہائی باقی رہ جاتا۔ قیس بن ابی حازم نے ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ وہ ایسا طلاء پیتے تھے جس کا دو تہائی خشک ہو جاتا اور ایک تہائی باقی رہ جاتا۔ یعلٰی بن عطاء نے کہا کہ میں نے سعید بن مسیّب کو کہتے ہوئے سنا جب ان سے ایک اعرابی نے ایسی شراب کے بارے میں سوال کیا جس کا نصف پکانے سے خشک ہو گیا انہوں نے جواب دیا

1

لاحتی یذھب ثلثاہ و یبقی الثلث عن یحیٰی بن سعید عن سعد بن المسیب قال اذا طبخ الطلاء علی الثلث فلاباس بہ عن بشیر بن المھاجر قال سألت الحسن عما یطبخ من العصیر قال تطبخہ حتی یذھب الثلثان ویبقی الثلث عن انس بن سیرین قال سمعت انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول ان نوحا علیہ الصلٰوۃ والسلام نازعہ الشیطان فی عود الکرم فقال ھٰذا لی وقال ھذا لی فاصطلح علی ان لنوحٍ ثلثھا و للشیطان ثلثیھا عن عبدالملك بن طفیل الجزری قال کتب الینا عمر بن عبد العزیز ان لا تشربوا من الطلاء حتی یذھب ثلثاہ و یبقٰی ثلثہ وکل مسکر حرام[1]۔	کہ یہ حلال نہیں یہاں تک کہ اس کادو تہائی جل کر ایک تہائی باقی رہ جائے۔یحیٰی بن سعید نے سعید بن مسیب سے روایت کی انہوں نے کہاکہ جب طلاء ایک ثلث تک پکایاجائے تواس کے پینے میں کوئی حرج نہیں۔بشیر بن مہاجر نے کہاکہ میں نے حسن سے پکائے ہوئے شیرہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا تو اس کواس حد تک پکاکہ اس کادو ثلث خشک ہوجائے اورایک ثلث باقی رہے۔انس بن سیرین نے کہامیں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کوفرماتے ہوئے سناکہ شیطان نے حضرت نوح علیہ السلام سے انگور کے درخت کے بارے میں جھگڑا کیاشیطان نے کہایہ میرا ہے اورنوح علیہ السلام نے فرمایاکہ یہ میراہے پھراس بات پر صلح ہوئی اس کاایک تہائی نوح علیہ السلام کے لئے اور دو تہائی شیطان کے لئے۔عبدالملک بن طفیل جزری نے کہاکہ ہماری طرف عمر بن عبدالعزیز نے لکھاتم طلاء مت پیویہاں تک کہ اس کا دو تہائی خشک ہوجائے اورایک تہائی باقہ رہ جائے اورہر نشہ آور حرام ہے۔(ت)

مسند سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے:

ابوحنیفہ عن ابی عون ؎ عن	امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابوعون سے انہوں نے

؎: فی النسخۃ التی شرح علیھا العلامۃ العلی القاری ابوحنیفۃ عن	ملاعلی قاری نے جس نسخہ پر شرح لکھی ہے اس میں ابوحنیفہ عن ابی عون محمد الثقفی الحجازی ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] سنن النسائی کتاب الاشربہ ذکر مایجوز شربہ من الطلاء الخ نور محمد کارخانہ کتب کراچی ۲ /۳۳۴

عبداللہ بن شداد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال حرمت الخمر لعینھا قلیلھا وکثیرھا والسکر من کل شراب[1]۔وفی بعض روایات المسند ابوحنیفۃ عن ابی عون عن عبداللہ بن شداد عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رواہ الحارثی من طریق محمد بن بشر عن الامام وفی اخری ابو حنیفۃ عن عون بن ابی جُحَیفۃ عن ابن عباس	عبداللہ ابن شداد سے انہوں نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی آپ نے فرمایا خمر لعینہ حرام کی گئی چاہے قلیل ہو یا کثیر، باقی ہر شراب میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے۔ مسند کی بعض روایات میں یوں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے ابوعون سے انہوں نے عبداللہ ابن شداد سے اورانہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی،اس کو حارِثی نے بطریق محمد بن بشر امام صاحب سے روایت کیا۔دوسری سند میں یوں ہے امام ابوحنیفہ نے عون بن ابی جُحَیفہ سے اورانہوں نے ابن عباس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ابی عون محمد الثقفی الحجازی عن عبداللہ بن شداد عن ابن عباس قال القاری الظاھر انہ محمد بن ابی بکر بن عوف الثقفی الحجازی روی عن انس بن مالك وعنہ جماعۃ[2]اھ **اقول**: الحدیث انما یعرف بابی عون محمد بن عبیداللہ الثقفی الکوفی وھو الصواب والاأدری لفظ الحجازی افادہ الشارح اووقع من بعض النساخ ۱۲منہ۔

اس پرملاعلی قاری نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ وہ محمد بن ابی بکر بن عوف الثقفی الحجازی جوانس بن مالک سے روایت کرتے ہیں اوران سے جماعت نے روایت کی ہےاھ، **میں کہتاہوں** یہ حدیث ابی عون محمد بن عبیداللہ الثقفی الکوفی سے معروف ہےاور یہی درست ہےاور مجھے معلوم نہیں کہ حجازی کالفظ شارح نے ذکرکیا ہے یایہ کسی نقل کرنے سے واقع ہواہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] مسندالامام الاعظم کتاب الاطعمۃ والاشربۃ الخ نور محمد کارخانہ کتب خانہ کراچی ص ۲۰۲

[2] شرح مسندالامام الاعظم لملاعلی القاری فائدہ حرمۃ خمر وکل مسکرات مکتبہ توحید وسنۃ پشاور ص ۲۵۶

<table>
<tr>
<td>ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال فذکرہ رواہ طلحة من طریق یحیی الیمانی وحماد ابن الامام عن الامام وھٰکذا اوردہ العلاء ابن اتر کما فی الجوھر النقی قال المرتضٰی والمحفوظ فی مسند الامام ما ذکرناہ اولًا ابوحنیفة عن حماد عن ابراھیم عن علقمة قال رأیت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه وھو یاکل طعاما ثم دعا بنبیذ فشرب فقلت رحمك اللہ تشرب النبیذ والامة تقتدی بك فقال ابن مسعود رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یشرب النبیذ لولا انی رأیته یشربه ماشربته[1]۔ ابوحنیفة عن حماد عن ابراھیم انه قال قول الناس کل مسکر حرام خطؤمن الناس انما اراد وان یقولوا السکر حرام من کل شراب[2]۔ ابوحنیفة عن حماد عن انس</td>
<td>رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، پھر وہی حدیث ذکر کی، اس کو طلحہ نے بطریق یحیٰی یمانی و حماد ابن امام ابوحنیفہ امام صاحب سے روایت کیا۔ اسی طرح علاء ابن اتر نے اس کو وارد کیا جیسا کہ جواہر النقی میں ہے، مرتضٰی نے کہا مسند امام اعظم میں محفوظ وہی ہے جسے ہم نے پہلے ذکر کیا۔ امام ابوحنیفہ نے حماد سے انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے علقمہ سے روایت کی، علقمہ نے کہا کہ میں نے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کھانا تناول فرماتے ہوئے دیکھا، پھر انہوں نے نبیذ منگوائی اور اسے پیا تو میں نے کہا اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے آپ نبیذ پیتے ہیں حالانکہ اُمّت آپ کی اقتداء کرتی ہے، ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا اگر میں نے آپ کو نبیذ پیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتو میں اس کو نہ پیتا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حماد سے انہوں نے ابراہیم سے روایت کی، ابراہیم نے کہا کہ لوگوں کا یہ قول لوگوں کی خطا ہے کہ ہر نشہ آور حرام ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ یوں کہیں ہر شراب سے نشہ حرام ہے۔ امام ابوحنیفہ سے حماد سے انہوں نے حضرت انس</td>
</tr>
</table>

[1] مسند الامام الاعظم کتاب الاطعمة والاشربة الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۰۱۔۲۰۲

[2] جامع المسانید الباب الثلاثون فی الحدود المکتبة الاسلامیه سمندری فیصل آباد ۲ /۱۸۹

بن مالك انه كان ينزل على ابى بكر بن ابى موسٰى الاشعرى بواسط فيبعث برسول الى السوق يشترى له النبيذ من الخوابى[1]۔ابو حنيفة عن حماد قال كنت اتقى النبيذ فدخلت على ابراهيم وهو يطعم فطعمت معه فناولنى قدحا فيه نبيذ فلما رأى اتقائى منه قال حدثنى علقمة عن عبدالله بن مسعود انه كان ربما طعم عنده ثم دعا بنبيذ له تنبذه له سيرين ام ولده فشرب وسقانى[2]۔ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم انه قال كتب عمر بن الخطاب رضى الله تعالٰى عنه الى عمار بن ياسر رضى الله تعالٰى عنهما وهو عامل له على الكوفة اما بعد فانه انتهى الىّ شراب من الشام من عصير العنب وقد طبخ وهو عصير قبل ان يغلى حتى ذهب ثلثاه وبقى ثلثه فذهب شيطانه وبقى حلوه وحلاله فهو شبيه بطلاء	بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ وہ ابوبکر بن ابوموسٰی اشعری کے پاس واسط میں اترے توانہوں نے بازار میں قاصد بھیجا تاکہ وہ ان کے لئے خوابی سے نبیذ خریدے۔ امام ابوحنیفہ نے حماد سے روایت کی حماد نے کہا میں نبیذ سے پرہیز کرتا تھا میں ابراہیم کے پاس گیا وہ کھانا کھارہے تھے میں نے ان کے ساتھ کھانا کھایا مجھے انہوں نے ایک پیالہ دیا جس میں نبیذ تھی جب انہوں نے مجھے اس سے بچتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا مجھے علقمہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی کہ وہ (علقمہ) بسااوقات ابن مسعود کے ساتھ کھانا کھاتے، پھر انہوں نے نبیذ طلب فرمائی جو سیرین نے ان کے لئے تیار کی تھی جو ان کی ام ولد ہے،انہوں نے نوش فرمایا اور مجھے بھی پلایا،امام ابوحنیفہ نے حماد سے اور انہوں نے ابراہیم سے روایت کی کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف خط لکھا جبکہ وہ کوفہ کے عامل تھے،امابعد! میرے پاس شام سے انگور کے رَس کی شراب پہنچی جس کو پکایا گیا ہے دراں حالیکہ وہ پکانے سے انگور کا شیرہ تھی یہاں تک کہ اس کا دوتہائی جل گیا اور ایک تہائی باقی رہ گیا تو اس کا شیطان چلا گیا تو اس کی مٹھاس وحلت باقی رہی گئی،اور وہ اونٹوں کے

[1] جامع المسانید الباب الثلاثون فی الحدود المکتب الاسلامیہ سمندری فیصل آباد ۲ /۱۹۱۔۱۹۰
[2] جامع المسانید الباب الثلاثون فی الحدود المکتب الاسلامیہ سمندری فیصل آباد ۲ /۱۹۱۔۱۹۰

الابل فمر من قبلك فيتوسعوا به شرابهم [1] **قلت** وروى عبدالرزاق [عـــه] حدثنا معمر بن عاصم عن الشعبى قال كتب عمر بن الخطاب الى عمار بن ياسر امابعد فانها جاءتنا اشربة من قبل الشام كانها طلاء الابل قد طبخ حتى ذهب ثلثاه الذى فيه خبث الشيطان وريح جنونه وبقى ثلثه فاصطنعه وامر من قبلك ان يصطنعوه [2] ورواه الخطيب فى تلخيص المتشابه عن الشعبى عن حبان الاسدى قال اتانا كتاب عمر فذكره بلفظ ذهب شره وبقى خيره

طلاء کے مشابہ ہے تم اپنی طرف سے حکم دے دو کہ لوگ اپنی شرابوں میں گنجائش پیدا کریں۔ **میں کہتاہوں** امام عبد الرزاق نے روایت کیا کہ ہمیں معمر نے عاصم سے اور انہوں نے شعبی سے حدیث بیان کی کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عمار بن یاسر کو خط لکھا امابعد ! بیشک ہمارے پاس شام کی طرف سے کچھ شرابیں آئی ہیں گویا کہ وہ اونٹوں کا طلاء ہیں جنہیں پکایاگیا یہاں تک کہ اس کا دو ثلث جل گیا جس میں خبث شیطان اوراس کے جنون کی بو تھی باقی ایک تہائی رہ گیا، اس کو بناؤ اور لوگوں کو بنانے کا اپنی طرف سے حکم دو، اوراس کو تلخیص المتشابہ میں خطیب نے شعبی سے اور انہوں نے حِبان اسدی سے روایت کیا حِبان نے کہاکہ ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا خط آیا اس میں حِبان نے یہ لفظ ذکر کیا ہے کہ اس کا شر

عـــه: ھٰکذا اعزاہ لعبد الرزاق الامام البدر فی البنایۃ، والامام خاتم الحفاظ فی الجامع الکبیر ووقع فی تعلیقات مؤطا الامام محمد لبعض المعاصرین عزوہ لابن ابی شیبۃ وکانہ شبہ علیہ احد المصنفین بالاٰخر ۱۲منہ۔

عـــه: اور امام بدرالدین عینی نے بنایہ میں اور امام عسقلانی نے جامع الکبیر میں اس کو عبدالرزاق کی طرف منسوب کیاجبکہ مؤطا امام محمد کی تعلیقات میں ایک معاصر (علامہ عبدالحیٔ لکھنوی) نے اس کو ابن ابی شیبہ کی طرف منسوب کیا، ہوسکتاہے علامہ لکھنوی کو مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں اشتباہ ہوگیا ہو ۱۲منہ (ت)

[1] جامع المسانید الباب الثلاثون فی الحدود المکتب الاسلامیہ سمندری فیصل آباد ۲ /۱۹۱

[2] المصنف لعبدالرزاق کتاب الاشربۃ حدیث ۱۷۱۲۰ المجلس العلمی ۹ /۲۵۵

فاشربوه[1]. **ابوحنیفه** عن حماد عن ابراهیم انه قال فی الرجل یشرب النبیذ حتی یسکر قال القدح الاخیر الذی سکر منه هو الحرام[2]۔	زائل ہوگیا اور خیر باقی رہالہٰذا تم اس کو پیو۔امام ابوحنیفہ نے حماد سے انہوں نے ابراہیم سے روایت کیاانہوں نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو نبیذ پیتا یہاں تک کہ اسے نشہ آجاتا،فرمایاآخری پیالہ جس سے نشہ ہوا وہ حرام ہے۔(ت)

عقودالجواہر میں ہے:

فی مصنّف ابن ابی شیبة **حدثنا** علی بن مُسهر عن سعید بن ابی عروبة عن قتادة عن انس رضی الله تعالٰی عنه ان ابا عبیدة ومعاذ بن جبل واباطلحة رضی الله تعالٰی عنهم کانوا یشربون من الطلاء ما ذهب ثلثاه وبقی ثلثه[3] **قلت** ورواه ایضا ابومسلم الکجی وسعید بن منصور فی سننه کما فی العمدة قال ابوبکر **حدثنا** وکیع عن الاعمش عن میمون(هو ابن مهران)عن ام الدرداء قالت کنت اطبخ لابی الدرداء رضی الله تعالٰی عنه الطلاء ماذهب ثلثاه وبقی ثلثه[4]۔**حدثنا** ابن فضیل عن	مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے ہمیں علی بن مسہر نے سعید بن ابی عروبہ سے انہوں نے قتادہ سے اورانہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی حضرت انس نے فرمایا کہ ابوعبیدہ،معاذ بن جبل اورابوطلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہم ایسا طلاء پیتے جس کادو ثلث جل کرایک ثلث باقی رہتا۔**میں کہتا ہوں** کہ اس کوابومسلم الکجی اور سعید بن منصور نے بھی اپنی سنن میں روایت کیاجیساکہ عمدہ میں ہے۔ابوبکر نے کہا ہمیں وکیع نے اعمش سے انہوں نے ام درداء سے حدیث بیان کی، ام درداء نے کہاکہ میں ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے طلاء پکاتی جس کادوتہائی جل کرایک تہائی باقی رہ جاتا۔ہمیں ابن فضیل نے

[1] تلخیص المتشابہ حدیث ۱۰۵۲ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۵۱۵

[2] جامع المسانید الباب الثلاثون فی الحدود المکتبۃ الاسلامیہ سمندری ۲/ ۱۹۲

[3] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاشربہ حدیث ۴۰۳۹ ادارۃ القرآن ۸/ ۱۷۰

[4] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاشربہ حدیث ۴۰۳۹ ادارۃ القرآن ۸/ ۱۷۱

عطاء بن السائب عن ابی عبدالرحمٰن قال کان علی رضی اللہ تعالٰی عنہ یرزقنا الطلاء فقلت لہ ماھیأتہ قال ابو اسود یاخذہ احدنا باصبعہ[1] حدثنا وکیع عن سعید بن اوس عن انس بن سیرین قال کان انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ سقیم البطن فامرنی ان اطبخ لہ طلاء حتی ذھب ثلثاہ وبقی ثلثہ فکان یشرب منہ الشربۃ علی اثر الطعام[2] حدثنا ابن نمیر ثنا اسمعیل عن مغیرۃ عن شریح ان خالد بن الولید رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یشرب الطلاء بالشام[3]۔	عطا بن سائب سے انہوں نے عبدالرحمٰن سے حدیث بیان کی کہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہمیں طلاء پلاتے، میں نے کہا اس کی ہیئت کیا ہوت؟ ابواسود نے کہا کہ ہم میں سے کوئی ایک اس کو اپنی انگلی کے ساتھ لے سکتا تھا (یعنی وہ بہت گاڑھا ہوتا تھا) ہمیں وکیع نے سعید بن اوس سے انہوں نے انس بن سیرین سے حدیث بیان کی کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہوئے تو مجھے حکم دیا کہ میں ان کے لئے طلاء پکاؤں یہاں تک کہ وہ دو تہائی جل کر ایک تہائی باقی رہ جاتا تو آپ اس میں سے کچھ کھانے کے بعد نوش فرماتے۔ ہمیں ابن نمیر نے حدیث بیان کی کہ ہمیں اسمٰعیل نے مغیرہ سے انہوں نے شریح سے حدیث بیان کی کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالٰی عنہ شام میں طلاء پیا کرتے تھے (ت)

سنن دارقطنی میں ہے:

حدثنا محمد بن احمد بن ھارون نا احمد بن عمر بن بشر ناجدی ابراھیم بن قرۃ نا القاسم بن بھرام ثنا عمر وبن دینار عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال مر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی	ہمیں محمد بن احمد بن ہارون نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدینہ میں ایک قوم پر گزرے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم! ہمارے پاس بنائی ہوئی ایک

[1] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاشربۃ حدیث ۴۰۶۱ ادارۃ القرآن کراچی ۸/ ۱۷۶

[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاشربۃ حدیث ۴۰۴۶ ادارۃ القرآن کراچی ۸/ ۱۷۲

[3] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاشربۃ حدیث ۴۰۵۸ ادارۃ القرآن کراچی ۸/ ۱۷۵

قوم بالمدینة قالوا یارسول اللہ ان عندنا شرابا لنا افلا نسقیك منه قال بلٰی فاتی بعقب او قدح غلیظ فیه نبیذ فلما اخذہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وقربه الٰی فیه قطب قال فدعا الذی جاء به فقال خذہ فاھرقه فلما ان ذھب به قالوا یارسول اللہ ھذا شرابنا ان کان حراما لم نشربه فدعا به فاخذہ ثم دعا بماء فصبّه علیه ثم شرب وسقی وقال اذاکان ھٰکذا فاصنعوا به ھکذا[1]۔	شراب ہے کیا اس میں سے ہم آپ کو نہ پلائیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کیوں نہیں۔آپ کی خدمت میں ایک پیالہ پیش کیا گیا جس میں تیز نبیذ تھی، جب آپ نے اس کو پکڑا اور منہ کے قریب کیا تو تیوری چڑھائی اور اس شخص کو بلایا جو لایا تھا، اور فرمایا اس کو لے جاؤ اور انڈیل دو۔جب وہ شخص اس نبیذ کو لے کر چلا گیا لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ ہماری شراب اگر حرام ہے تو ہم اس کو نہ پئیں، نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کو دوبارہ طلب فرمایا اسے پکڑا پھر پانی منگوا کر اس میں ڈالا پھر پیا اور پلایا اور فرمایا جب نبیذ ایسی ہو تو اس کے ساتھ اس طرح کیا کرو۔ (ت)

اُسی میں ہے:

عن وکیع عن شریك عن فراس عن الشعبی ان رجلا شرب من اداوۃ علی بصفین فسکر فضربه الحد۔[2]	وکیع سے شریک سے فراس سے شعبی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے صفین میں حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے برتن سے شراب پی تو اسے نشہ ہوگیا آپ نے اس پر حد لگائی۔ (ت)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا عبدالرحیم بن سلیمٰن عن مجالد عن الشعبی عن علیّ نحوہ وقال فضربه ثمانین[3]۔	ہمیں عبدالرحیم بن سلیمان نے مجالد سے انہوں نے شعبی سے انہوں نے علی سے ایسے ہی حدیث بیان کی اور کہا حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسے اسّی کوڑے لگائے۔(ت)

[1] نصب الرایة بحوالہ الدارقطنی کتاب الاشربة احادیث فی الباب الخ المکتبة الاسلامیہ ۴ /۳۰۹

[2] سنن الدارقطنی کتاب الاشربة حدیث ۸۰ دار المحاسن لطباعة القاہرہ الجزء الرابع ص۲۶۱

[3] المصنّف ابن ابی شیبہ کتاب الحدود النبیذ من رأی فیه حدًا حدیث ۸۴۵۵ ادارۃ القرآن کراچی ۹ /۵۴۵

کامل ابن عدی میں ہے:

حدثنا ابو العلاء الکوفی بمصر ثنا محمد بن الصباح الدولابی نا نصر بن المجدر قال کنت شاھدا حین ادخل شریك ومعه ابو امیّة الذی رفع الی المھدی ان شریکا حدثه عن الاعمش عن سالم عن ثوبان رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال استقیموا لقریش ما استقاموا لکم فاذا ازاغوا عن الحق فضعوا سیوفکم علی عواتقکم فقال المھدی لشریك حدثت بھذا قال لاقال ابو امیة علیّ المشی الٰی بیت الله تعالٰی وکل مالی فی المساکین صدقة ان لم یکن حدثنی فقال شریك علیّ مثل الذی علیه ان کنت حدثته قال فکانّ المھدی رضی فقال ابو امیة یا امیر المومنین عندك ادھی العرب انما یعنی علیه مثل الذی علیه من الثیاب قل له فلیحلف مثل الذی حلفت فقال صدقت احلف کما حلف فقال شریك قد حدثته	ہمیں ابوالعلاء کوفی نے مصر میں حدیث بیان کی انہوں نے کہاکہ ہمیں حدیث بیان کی محمد بن صباح دولابی نے انہوں نے کہاکہ ہمیں نصر بن مجدر نے خبر دی کہ میں اس وقت حاضر تھا جب شریک کو داخل کیاگیا اس کے ساتھ ابوامیّہ تھا جس نے مہدی کے پاس مقدمہ دائر کیا تھا کہ شریک نے اسے اعمش سے انہوں نے سالم سے انہوں نے ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا قریش کے لئے سیدھے رہو جب تک وہ تمہارے لئے سیدھے رہیں جب وہ حق سے ٹیڑھے ہوجائیں توتم اپنی تلواریں اپنے کندھوں پر رکھ لو۔ مہدی نے شریک سے کہا تو نے یہ حدیث بیان کی؟ اس نے کہا نہیں، ابوامیہ نے کہا مجھ پر بیت اللہ شریف کی طرف جانالازم ہے اور میرا سارا مال مسکینوں پر صدقہ ہے اگر اس نے مجھے یہ حدیث بیان نہ کی ہو، شریک نے کہا مجھ پر اسی کی مثل ہے جو اس پر ہے اگر میں نے اس کو یہ حدیث بیان کی ہو۔ راوی نے کہا گویا کہ مہدی شریک کی بات پر راضی ہوگیا۔ ابوامیہ نے کہا اے امیر المومنین! آپ کے پاس عرب کا سب سے بڑا چالاک شخص موجود ہے اس نے جو کہا ہے کہ مجھ پر اس کی مثل ہے جو اس پر ہے اس قول سے اس کی مراد کپڑے ہیں آپ اسے حکم دیں کہ وہ میری طرح قسم کھائے۔ مہدی نے کہا تو نے سچ کہا، اور مہدی

فقال ویل علی شارب الخمر یعنی الاعمش وکان یشرب المصنف لوعلمت موضع قبرہ لاحرقتہ قال شریك لم یکن یھودیا کان رجلا صالحا[1] الخ۔	نے شریک کو کہا تم قسم کھاؤ جیساکہ ابوامیہ نے قسم کھائی، توشریک نے یہ کہاکہ میں نے یہ حدیث بیان کی ہے، تواس نے کہاشراب پینے والے یعنی اعمش پرہلاکت ہواور وہ ایسی شراب پیتاتھا جس کانصف جل کرخشک ہوجاتا اگر مجھے اس کی قبر کی جگہ معلوم ہوتی تومیں اس کوجلادیتا، شریک نے کہا وہ یہودی نہیں تھاوہ ایک نیک مرد تھاالخ۔ (ت)

صحیح بخاری شریف میں ہے:

رای عمروابوعبیدۃ ومعاذبن جبل شرب الطلاء عل الثلث وشرب البراء وابوجحیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما علی النصف[2] اھ۔ تقدمت اسانید الثلثۃ الاول ووصل الاخیرین ابن ابی شیبۃ کما فی العمدۃ۔ **اضافہ افاضۃ:** نزیدك عدۃ أبحاث تفیدك بعون اللہ تعالٰی: **الاوّل** تقدم تسعۃ احادیث من المرفوع وروی العقیلی من طریق عبدالرحمٰن بن بشر الغطفانی عن ابی اسحٰق عن الحارث عن علی کرم اللہ وجھۃ	حضرت عمر، ابوعبیدہ اور معاذبن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہم ایسی طلاء کوحلال سمجھتے جس کادوتہائی جل کر ایک تہائی رہ جائے جبکہ حضرت براء اور ابوجُحیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہما وہ طلاء پیتے جس کانصف جل کرخشک ہوگیاالخ۔ پہلی تینوں حدیثوں کی سندیں گزرچکیں اورآخری دونوں کو ابن ابی شیبہ نے موصول فرمایا جیساکہ عمدہ میں ہے۔ **اضافہ افاضہ:** ہم تیرے لئے چند بحثوں کااضافہ کرتے ہیں جو اللہ تعالٰی کی توفیق سے تجھے فائدہ دیں گی: **پہلی بحث:** نومرفوع حدیثیں گزرچکی ہیں، اور عقیلی نے بطریق عبدالرحمٰن بن بشر غطفانی ابواسحٰق سے انہوں نے حارث سے انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سے روایت کی کہ میں نے

[1] الکامل فی ضعفاء الرجال ابن عدی شریك بن عبداللہ بن الحارث بن شریك بن عبداللہ نخعی الخ دارالفکر للطباعۃ النشر ۴/ ۱۳۳۷

[2] صحیح البخاری کتاب الاشربۃ باب الباذق ومن نھی عن کل مسکر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۸

قال سألت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن الاشربة عام حجة الوداع فقال حرم الله الخمر بعینها والسکر من کل شراب[1] واخرجه مطولا من طریق محمد بن الفرات الکوفی عن ابی اسحٰق السبیعی وفیه انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم اتی بقعب نبیذ فذاقه فقطب وردہ فقام الیه رجل من اٰل حاطب فقال یارسول الله هذا شراب اهل مکة قال فصب علیه الماء حتی رغا ثم شرب فقال حرمت الخمر بعینها والسکر من کل شراب[2] (فتلك عشرة کاملة)و قداخرج هذا الکلام من دون القصة اعنی حرمت الخمر بعینها الخ ابوالقاسم الطبرانی فی معجمه الکبیر عن سعید بن المسیّب عن ابن عباس عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وتقدم بوجهین مرسل و متصل من مسند الامام عن ابن شداد وعن ابن عباس عن النبی صلی الله علیه وسلم کانت اثنی عشر حدیثا

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حجۃ الوداع والے سال شرابوں کے بارے میں سول کیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالٰی نے خمر کو بعینہٖ حرام فرمایا اور ہر شراب کے نشہ کو حرام فرمایا، اور عُقیلی نے طوالت کے ساتھ بطریق محمد بن فرات کوفی ابواسحٰق سبیعی سے اس کی تخریج کی۔اس میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں نبیذ کا ایک بڑا پیالہ لایا گیا آپ نے اسے چکھا تیوری چڑھائی اور اسے لوٹا دیا۔آپ کی خدمت میں آل حاطب سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم! یہ مکہ والوں کی شراب ہے۔راوی نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے اس پر پانی انڈیلا یہاں تک کہ اس میں جھاگ آ گئی پھر اسے پی لیا اور فرمایا خمر بعینہٖ حرام ہے اور ہر شراب سے نشہ حرام ہے۔یہ دس حدیثیں مکمل ہو گئیں۔اس کلام کی قصہ مذکورہ "یعنی شراب بعینہٖ حرام ہے الخ" کے بغیر تخریج کی ابو القاسم طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں سعید بن مسیب سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے،اور مسند امام اعظم کے حوالے سے دو وجہیں یعنی "مرسل و متصل "ابن شداد اور ابن عباس سے گزر چکیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی،تو اس طرح یہ بارہ "۱۲" حدیثیں ہو گئیں،

[1] الضعفاء الکبیر ترجمہ عبدالرحمن بن بشر ۹۱۴ دار الکتب العلمیة بیروت ۲ /۳۲۴

[2] الضعفاء الکبیر ترجمہ محمد بن فرات الکوفی ۱۶۸۱ دار الکتب العلمیة بیروت ۴ /۲۴۔۱۲۳

منها الصحيح ومنها الحسن وجل بقيتها ليس فيها مايسقطها عن درجة الاعتبار وحيز الانجبار والحسن ولولغيره كاف للاحتجاج فكيف وقد وجد لذاته. ونشير الى بعض تفاصيل ماهنا **حديث** ابن عمر اعله النسائى بعبد الملك بن نافع قال ليس بالمشهور ولايحتج بحديثه[1] **اقول:** فلم يقل لا يكتب وقال فى التقريب [2] مجهول وكذا قاله ابو حاتم والبيهقى. قال الامام البدر بعد نقل كلامهما **قلت** و ذكره ابن حبان فى الثقات من التابعين[3] اھ. **اقول:** قدروى هذا الحديث عنه العوام عند النسائى، والليث عند الطحاوى وابواسحٰق الشيبانى عندهما، وقرة العجلى عند الطحاوى، وابن ابى شيبة فارتفعت جهالة العين ولم يذكر بجرح قط

ان میں سے بعض صحیح اور بعض حسن ہیں، اور باقی متعدد وہ ہیں جن میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی گئی جو ان کو درجہ اعتبار سے ساقط کردے، اور حسن اگرچہ لغیرہ ہو استدلال کے لئے کافی ہوتی ہے، تو پھر کیا حال ہوگا جبکہ حسن لذاتہ پائی جائے،! ہم اس کی کچھ تفصیلات کی طرف اشارہ کرتے ہیں: **حدیث** ابن عمر کی امام نسائی نے عبدالملک بن نافع کے سبب سے تعلیل فرمائی اور کہا کہ وہ مشہور نہیں اور اس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی **اقول:** (میں کہتاہوں کہ) امام نسائی نے یوں نہیں کہا کہ اس کی حدیث لکھی نہیں جاتی، تقریب میں ہے کہ وہ مجہول ہے، ابوحاتم اور بیہقی نے یوں ہی کہا۔ امام بدر نے ان دونوں کا کلام نقل کرنے کے بعد کہا **قلت** (میں کہتاہوں کہ) ابن حبان نے اس کو ثقہ تابعین میں ذکر کیا ہے اھ، **اقول:** (میں کہتاہوں) یہ حدیث اس سے عوام نے روایت کی نزدیک امام کسائی کے، اور لیث نے روایت کی امام طحاوی کے نزدیک، اور ابواسحٰق شیبانی نے روایت کی ان دونوں کے نزدیک، اور قرۃ العجلی نے روایت کی امام طحاوی اور ابن ابی شیبہ کے نزدیک، تو اس طرح جہالت عین مرتفع ہو گئی اور جرح بالکل ذکر نہ کی گئی، روایت

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر الاخبار التی اعتل بہا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۲
[2] تقریب التہذیب حرف العین ترجمہ عبدالملک بن نافع ۴۲۳۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱ /۶۲۱
[3] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب الاشربۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴ /۳۴۴

البتة فغایته ان کان مستورا لاسیماوھو من القرون المشھود لھا بالخیر التابعین والمستور مقبول عندنا والجمھور کما بیّنّاہ فی "الھاد الکاف فی حکم الضعاف" فالحدیث لاینزل ان شاء اللہ عن درجة الحسن۔ حدیث ابی مسعود اعله بیحیٰی بن یمان قال لایحتاج بحدیثه لسوء حفظه وکثرة خطائه [1]، **اقول:** یحیٰی من رجال مسلم والاربعة، قال الحافظ، صدوق عابد یخطیئ کثیرا وقد تغیر[2]اھ وقد تابعه الیسع بن اسمٰعیل عن زید بن الحباب عن سفیٰن قال ابن الجوزی والیسع ضعیف[3] **قلت** قال فی المیزان ضعفه الدارقطنی[4] اھ وھو کما تری جرح مجرد **حدیث** ابن عباس من طریق القاسم بن بھرام، قال ابن الجوزی تفردبه

اس کی یہ ہے کہ وہ مستور ہے خصوصًا وہ ان زمانوں میں ہے جن کے لئے غیر کی شہادت دی گئی یعنی تابعین سے، اور مستور ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک مقبول ہے، جیسا کہ ہم نے اس کو "الھاد الکاف فی حکم الضعاف" میں بیان کیا۔ چنانچہ ان شاء اللہ العزیز یہ حدیث درجہ حسن سے نہیں گرے گی۔ امام نسائی نے یحیٰی بن یمان کے سبب سے حدیث ابی مسعود کی تعلیل کرتے ہوئے کہا کہ حافظہ کی کمزوری اور کثرت خطاء کی وجہ سے یحیٰی کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی، **اقول:** (میں کہتا ہوں) یحیٰی بن یمان امام مسلم اور اصحاب سنن اربعہ کے رجال میں سے ہے، حافظ نے کہا کہ وہ صدوق عابد ہے خطا زیادہ کرتا ہے اور وہ متغیر ہوا الخ اس کی متابعت کی یسع بن اسمٰعیل نے زید بن حباب کے حوالے سے جس نے سفیان سے نقل کیا، ابن جوزی نے کہا کہ یسع ضعیف ہے۔ **قلت** (میں کہتا ہوں) میزان میں کہا کہ دارقطنی نے اس کو ضعیف قرار دیا الخ اور وہ جیسا کہ تو دیکھتا ہے کہ جرح مجرد ہے، حدیث ابن عباس بطریق قاسم بن بہرام ہے، ابن جوزی نے کہا کہ وہ اس میں متفرد ہے، ابن حبان نے

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربة ذکر الاخبار التی اعتل بھا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۳

[2] تقریب التھذیب حرف الباء ترجمہ ۷۶۷۷ دار الکتب العلمیة بیروت ۲ /۳۰۹

[3] العلل المتناھیة کتاب الاشربة تحت حدیث ۱۱۲۴ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۲ /۱۸۷

[4] میزان الاعتدال ترجمہ الیسع بن اسمٰعیل ۹۷۸۴ دار المعرفة بیرت ۴ /۴۴۵

قال ابن حبان لایجوز الاحتجاج بہ بحال[1] اھ **قلت** فانما منع الاحتجاج وھذا اوھاھن فیما اعلم حدیث الحارث عن علی اعلہ فجرحہ بعبدالرحمٰن بن بشر قال مجھول فی الروایۃ و النسب وحدیثہ غیر محفوظ وانما یروی ھذا عن ابن عباس من قولہ[2] اھ وقال الذی لایعرف والخبر منکر[3] اھ امّا الطریق المطول فاوھن واوھی فیہ ابن الفرات کذبہ احمد و ابوبکر بن ابی شیبۃ وقال خ منکرالحدیث[4] ثم مدارہ علی الحارث وفیہ مالایجھل **حدیث** ابن عباس المذکور اُخرا۔**اقول**: لعل المحفوظ موقوف ھکذا رواہ الحفاظ عن ابن عباس قولہ کما ستسمع ان شاء اللہ تعالٰی نعم ان ثبت الرفع بطریق جیّد فلك ان تقول زیادۃ ثقۃ فتقبل و یعضدہ مرسل عبداللہ بن شداد المار	کہاکہ کسی حال میں اس سے استدلال جائز نہیں اھ **قلت** (میں کہتاہوں) اس سے استدلال کو منع کیا گیا اور میرے علم کے مطابق یہ کمزور علت ہے وہ حدیث جو حارث نے علی سے لی اس کی تعلیل کی گی اور اس پر جرح کی گئی، عبدالرحمٰن بن بشر کے سبب سے کہاکہ وہ روایت ونسب میں مجہول ہے اوراس کی حدیث غیر محفوظ ہے، اور یہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ان کا قول روایت کرتاہے الخ اور کہاکہ یہ معروف نہیں اورحدیث منکر ہے الخ اور کہاکہ یہ معروف نہیں اور حدیث منکر ہے الخ رہا طریق طویل وہ انتہائی کمزور اور ضعیف ہے اس میں ابن فرات ہے جس کو امام احمد اورابوبکر بن ابی شیبہ نے جھوٹا کہا۔خ نے کہاکہ منکر الحدیث ہے، پھر اس کامدار حارث پرہے اوراس میں وہ ہے جو مجہول نہیں۔ ابن عباس کی دوسری مذکور حدیث،**اقول**: (میں کہتاہوں) شاید محفوظ موقوف ہے،یونہی حفاظ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ان کا قول روایت کیا جیساکہ عنقریب ان شاء اللہ توسنے گا،ہاں اگراس کا مرفوع ہونا بطریق جیّد ثابت ہو جائے تویہ کہہ کر ثقہ راوی نے زائد بات کی ہے لہٰذا مقبول ہے، اوراس کی تائید عبداللہ بن شداد کی مرسل حدیث کرتی ہے۔

---

[1] العلل المتناھیہ کتاب الاشربہ تحت حدیث ۱۱۲۳ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۲/ ۱۸۶

[2] نصب الرایہ کتاب الاشربہ تحت الحدیث التاسع المکتبۃ الاسلامیہ ۴/ ۳۰۶

[3] میزان الاعتدال ترجمہ عبدالرحمن بن بشر الغطفانی ۴۸۲۱ دارالمعرفۃ بیرت ۲/ ۵۵۰

[4] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن الفرات ۶۴۸ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۹/ ۳۹۷

حدیث زید الشهید لم اقف علی اول سنده فالله تعالٰی اعلم امازید عن آبائه الکرام فمن اصح الاسانید۔**حدیث** ابی هریرة **اقول**: فیه مسلم بن خالد شیخ الامام الشافعی وثقه ابن حبان وابن معین وقال مرة ضعیف وقال ابن عدی حسن الحدیث وقال خ منکر الحدیث[1] وجملة القول فیه، کما فی التقریب فقیه صدوق کثیر الاوهام[2]،**قلت** و العامة کالبخاری وابن المدینی وابی حاتم وابی داؤد و الناجی علٰی تضعیفه ومع ذاك فلیس ممن یسقط حدیث ابی موسٰی **اقول**: فیه شریك ولاعلیك من شریك الرجل من رجال مسلم والاربعة والبخاری فی التعالیق وقد وثقه یحیٰی بن معین قال النسائی لیس به بأس،وقال الذهبی فی تذکرة الحفاظ کان شریك حسن الحدیث اماما فقیها ومحدثا مکثرا لیس فی الاتقان کحماد	**حدیث** زید شہید کی سند کے اول پر میں واقف نہیں ہوا، اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے لیکن زید کی روایت اس کے آباء کرام سے صحیح ترین سندوں میں سے ہے۔**حدیث** ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس میں مسلم بن خالد ہے جو امام شافعی علیہ الرحمہ کا شیخ ہے، ابن حبان اور ابن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا، اور ایک مرتبہ کہا کہ ضعیف ہے۔ابن عدی نے کہا حسن الحدیث ہے، خ نے کہا منکر الحدیث ہے، ان کے بارے میں تمام قول ہیں جیساکہ تقریب میں ہے کہ وہ فقیہ، صدوق اور زیادہ وہم والا ہے، **قلت**(میں کہتا ہوں) عام محدثین کرام جیسے بخاری، ابن المدینی، ابوحاتم، ابوداؤد اور ناجی اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ ساقط الاعتبار نہیں ہے۔حدیث ابو موسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس میں شریک ہے وہ امام مسلم، اصحاب اربعہ اور تعالیق میں امام بخاری کے رجال میں سے ہے۔یحیٰی بن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا۔ نسائی نے کہا اس میں کوئی خرابی نہیں۔ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں کہا کہ شریک حسن الحدیث، امام، فقیہ، محدث اور مالدار شخص تھا مگر اتقان میں حماد

[1] میزان الاعتدال ترجمه مسلم بن خالد ۸۴۸۵ دار المعرفة بیروت ۴ /۱۰۲،تهذیب التهذیب ترجمه مسلم بن خالد ۲۲۸ دار المعرفة بیروت ۱۰ /۱۲۹

[2] تقریب التهذیب حرف المیم ترجمه مسلم بن خالد ۶۶۴۶ دار الکتب العلمیة بیروت ۲ /۱۷۸

بن زید [1] الخ وفی تھذیب التھذیب قال العجلی کوفی ثقة وکان حسن الحدیث. قال عبدالرحمٰن وسألت ابی عن شریك وابی الاحوص ایھما احب الیك قال شریك وقد کان له اغالیط وقال ابن عدی الغالب علٰی حدیثه الصحة. وقال ابن سعد کان ثقة ماموناکثیرا الحدیث وکان یغلط. وقال ابوداؤد ثقة یخطی عن الاعمش وقال ابراھیم الحربی کان ثقة وقال معٰویة بن صالح سألت احمد بن حنبل عنه فقال کان عاقلا صدوقامحدثا شدیدا علی اھل الریب والبدع [2] الخ لاسیما وروایته ھٰھنا عن ابی اسحٰق و قدقال الامام احمد بن حنبل شریك فی ابی اسحٰق اثبت من زھیر و اسرائیل وزکریا قال وسمع منه قدیما [3] وقال یحیٰی بن معین شریك فی ابی اسحٰق احب الینا من اسرائیل [4] ولامعجز فی السند سوی ھذا غیران الفضیل	بن زید کی مثل نہیں تھا الخ۔اور تہذیب التہذیب میں ہے عجلی کوفی نے کہاکہ شریک ثقہ اور حسن الحدیث ہے۔عبد الرحمٰن نے کہاکہ میں نے اپنے باپ سے پوچھاکہ شریک اور ابوالاحوص میں سے آپ کو زیادہ پسند کون ہے توانہوں نے کہاشریک، حالانکہ اس کی کئی غلطیاں بھی ہیں۔ابن عدی نے کہا اس کی حدیث پر غالب صحت ہے۔ابن سعد نے کہاکہ وہ ثقہ،مامون اور کثیر الحدیث ہے حالانکہ وہ غلطی کرتاہے۔ ابو داؤد نے کہاکہ وہ ثقہ ہے اوراعمش سے روایت میں خطا کرتا ہے۔ابراہیم حربی نے کہاثقہ ہے۔معاویہ بن صالح نے کہا میں نے امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ سے اس کے بارے میں پوچھاتوانہوں نے فرمایاکہ وہ عاقل،صدوق،محدث اور شک وبدعت والوں پر سخت ہے الخ خصوصًا یہاں پر اس کی ابو اسحاق سے روایت۔اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا شریک ابواسحٰق کے بارے میں اثبت ہے بنسبت زہیر،اسرائیل اور زکریاکے،حالانکہ اس سے بہت پہلے سناہے یحیٰی بن معین نے کہاکہ شریک ابواسحٰق کے بارے میں میرے نزدیک اسرائیل سے زیادہ پسندیدہ ہے۔اس کو سوائے س کے سند میں کوئی عاجز کرنے والانہیں۔مگر فضیل

[1] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ شریك بن عبداللہ ۲۳ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۱/ ۲۱۴

[2] تھذیب التھذیب ترجمہ شریك بن عبداللہ الکوفی ۵۷۷ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۴/ ۳۳۵ تا ۳۳۷

[3] تھذیب التھذیب ترجمہ شریك بن عبداللہ الکوفی ۵۷۷ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۴/ ۳۳۴

[4] میزان الاعتدال ترجمہ شریك بن عبداللہ الکوفی ۳۶۹۷ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۷۱

بر مرزوق یرویه عن ابی اسحٰق وفیه قال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اشربا ولاتشربا مسکرا تابعه عبدالله بن رجاء عن اسرائیل عن ابی اسحٰق اوعن شریك عنه علی اختلاف النسخ رواهما الطحاوی [1]۔واخرجه البخاری فی المغازی من طریق سعید بن ابی بردہ عن ابیه عن ابی موسٰی وفیه قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم کل مسکر حرام [2] واحضرہ النسائی و اخرج کذٰلك من طریق طلحة الایامی واخری من جهة الشیبانی کلیهما عن ابی بردة واخرج من طریق اسرائیل عن ابی اسحٰق عن ابی بردة وفیه قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم اشرب ولاتشرب مسکرا [3]۔ومن طریق ابی بکر بن ابی موسٰی عن ابیه وفیه قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لاتشرب مسکرا فانی	بن مرزوق نے اس کو ابواسحٰق سے روایت کیااوراس میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایاکہ پیو اور نشہ کی حدتک مت پیو۔اس کی متابعت کی عبداللہ بن رجاء نے انہوں نے اسرائیل سے انہوں نے ابواسحٰق سے روایت کی، یاشریک نے ابواسحاق سے روایت کی یعنی نسخوں میں اختلاف ہے۔ان دونوں کو امام طحاوی نے روایت کیا۔امام بخاری نے مغازی میں بطریق سعید بن ابوبردہ تخریج کی، سعید نے ابوبُردہ سے اورانہوں نے ابوموسٰی اشعری سے روایت کی اوراس میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایاہر نشہ آور حرام ہے۔امام نسائی نے اس کو ذکرکیا اوراسی طرح بطریق طلحہ ایامی اورایک دوسری روایت کی بطریق شیبانی تخریج کی،دونوں ہی ابوبردہ سے مروی ہیں، اوربطریق اسرائیل تخریج کی اسرائیل نے ابواسحاق سے، اور اس نے ابوبردہ سے روایت کی،اس میں یوں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایاکہ پی اورنشے کی حد تک مت پی، اور بطریق ابوبکر بن ابوموسٰی بحوالہ تخریج کی،اس میں یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا نشہ کی حدتک مت پی اس لئے کہ میں نے

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربة باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۳۶۰

[2] صحیح البخاری کتاب المغازی باب بعث ابوموسٰی ومعاذالی الیمن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۶۲۲

[3] سنن النسائی کتاب الاشربہ تحریم کل شراب اسکر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۲۵

حرمت کل مسکر [1] وقد علمت ان لاتنافی بین ھٰذہ و بین روایۃ اشربا ولاتسکرا فان المسکر ھو المسکر بالفعل کما ان القاتل ھو القاتل بالفعل لامن یقدرعلیہ ویصح منہ فاذن تتوافق الاٰثار ولاتتضاد کما سمعت من کلام الامام الطحاوی **حدیث** القیسی **اقول**: ھذا حدیث حسن رجالہ کلھم ثقات۔قال فی المیزان امامحمّد بن خزیمۃ شیخ الطحاوی فمشھور ثقۃ [2] اھونص فی التقریب فی بقیۃ الرجال انھم ثقات غیران قال فی عثمان الموذن من رجال البخاری ثقۃ تغیر فصار تلقن [3] اھ وقد نص المحقق علی الاطلاق فی باب الشھید من الفتح ان الاٰخذ من المختلط اذا لم یعلم متی اخذ منہ لم ینزل الحدیث عن الحسن [4] **حدیث** قیس بن حَبتَر عن ابن عباس **اقول**: حدیث حسن صحیح	ہر نشہ آور کو حرام کر دیا ہے۔ تحقیق تجھے معلوم ہوگیاکہ اس روایت میں اور دوسری روایت میں جس میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایاکہ پیو اور نشہ میں مت آؤکوئی منافات نہیں،اس لئے کہ نشہ آور وہی ہے جو بالفعل نشہ آور ہو، جیساکہ قاتل وہی ہے جو بالفعل قاتل ہو نہ کہ وہ جو قتل پر قادر ہو۔ تو اس طرح آثار میں باہم موافقت ہو گئی اور کوئی تضاد نہ رہا، جیساکہ امام طحاوی کے کلام سے تونے سنا۔ **حدیث** قیسی **اقول**: (میں کہتاہوں) یہ حدی حسن ہے،اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ میزان میں کہاکہ محمد بن خزیمہ جو امام طحاوی کا شیخ ہے وہ مشہور اور ثقہ ہے الخ۔ تقریب میں باقی رجال کے بارے میں تصریح کی گئی کہ وہ ثقہ ہیں، مگر عثمان الموذن کے بارے میں کہاکہ وہ امام بخاری کے رجال میں ہے ثقہ ہے متغیر ہوگیا تھا اسے تلقین کی جاتی تھی الخ۔ محقق علی الاطلاق نے فتح کے باب میں الشہید میں تصریح کی کہ مختلط سے حدیث لینے والا اگر یہ نہ جانے کہ کب،اس سے حدیث لی تو وہ حدیث حسن کے درجہ سے نہیں گرتی۔ حدیث قیس بن حَبتَر بحوالہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما،**اقول**: (میں کہتا ہوں) حدیث حسن صحیح ہے

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ تفسیر البتع والمرز نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۲۵

[2] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن خزیمہ ۷۴۸۶ دار المعرفۃ بیروت ۳ /۵۳۷

[3] تقریب التہذیب ترجمہ عثمان بن الہیثم ۴۵۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱ /۶۶۲

[4] فتح القدیر

لامغمز فیه اصلا رجاله کلهم ثقات اجلاء۔حدیث ابن مسعود من اصح الاحادیث واجلها مروی بلسلة الذهب کماتری ولله الحمد۔

الثانی: الآثار فی الباب عن امیرالمؤمنین قدتواترت ولم تقدر الخصوم علی ردها فعدلوا الی التاویل وادعاء الرجوع اما التاویل فاسند النسائی عن ابن المبارك ماتقدم من قوله من قبل ان یشتد واسند عن عتبة بن فرقد قال کان النبیذ الذی یشربه عمر بن الخطاب قد خُلِل [1]۔**اقول:** من نظر الآثار التی اتت عن امیرالمومنین کالشمس تیقن ان لامساغ لهٰذین التاویلین فیها اصلا وان لم تکن فیها جلائل تصریحات الاشتداد لکان حسبك مافی المؤطا من قول عبادة رضی الله تعالٰی عنه احللتها والله [2] فای مساغ کان لهذا لوکان لم یشتد او

اس میں کوئی عیب نہیں اس کے تمام رجال بلندمرتبہ ثقہ ہیں۔حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ صحیح ترین اور عظیم ترین احادیث میں سے ہے جو بطور سلسلۃ الذھب مروی ہے جیسا کہ تودیکھتاہے اوراللہ تعالٰی ہی کے لئے حمد ہے۔

دوسری بحث: اس باب میں امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تواتر کے ساتھ آثار منقول ہیں۔مخالفین ان کے رَد پر قادر نہیں،لہذاانہوں نے تاویل کی طرف عدول کیااور رجوع کادعوی کیا،رہی تاویل تو وہ یوں کہ امام نسائی نے ابن مبارک سے امیرالمومنین کے اس قول مذکورکے بارے میں بیان کیاکہ اس سے مراد یہ ہے کہ قبل اس کے کہ وہ سخت ہوجائے۔اور عتبہ بن فرقد سے بیان کیاکہ جو نبیذ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ پیتے تھے وہ سرکہ بنالی گئی ہوتی۔ **اقول:** (میں کہتاہوں) جس نے ان آثار میں نظر کی جو امیر المومنین سے سورج کی طرح واضح طورپر منقول ہیں وہ یقین کرلے گاکہ ان دونوں تاویلوں کی ان میں گنجائش نہیں اگرچہ اس میں نبیذ کی شدّت کے بارے میں عظیم تصریحات نہ بھی ہوتیں،تو مجھے عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مؤطا میں منقول وہ قول کفایت کرتاکہ انہوں نے امیر المومنین سے کہاکہ بخدا کیا آپ نے اس کو

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر اخبار التی اعتل بہا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۳۳۳

[2] مؤطاالامام مالك کتاب الاشربۃ باب ماجاء فی تحریم الخمر میر محمد خانہ کراچی ص ۶۹۵

تخلل واما ادعاء الرجوع فقال النسائی ممایدل علی صحة ھٰذا حدیث السائب فذکر ما اسند مالك عن ابن شھاب عن السائب بن یزید ان عمر بن الخطاب خرج علیھم فقال انی وجدت من فلان ریح شراب فزعم انه شراب الطلاء وانا سائل عما شرب فان کان مسکرا جلدته فجلدہ عمر بن الخطاب رضی اللّٰه تعالٰی عنه الحد تامًا [1] اھ ورواہ ایضا الشافعی وعبد الرزاق وابن وھب وابن جریر والطحاوی والبیھقی وتبعه الزرقانی فی شرح المؤطا فقال تحت حدیث محمود بن لبید المار عن المؤطا کان عمرا جتھد فی تلك المرۃ ثم رجع عنه فحد ابنه فی شرب الطلاء کما مر [2] اھ۔**اقول:** رحم اللّٰه ابا عبدالرحمٰن کان مذھب امیر المؤمنین	حلال کردیا، اگر وہ نبیذ سخت نہ ہوئی یا سرکہ بن چکی ہوئی تو اس قول کی کیا گنجائش بنتی۔ رہا رجوع کا دعوی تو امام نسائی نے کہا کہ اس کے صحیح ہونے کی دلیل حدیث سائب ہے، اس کے بعد پھر وہ حدیث ذکر فرمائی جس کو مالک نے ابن شہاب انہوں نے سائب بن یزید سے روایت کی کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ میں نے فلاں سے شراب کی بو پائی ہے اور گمان کیا کہ وہ شراب طلاء ہے اگر وہ نشہ آور ہوئی تو میں اس کو کوڑے لگاؤں گا پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس پر مکمل حد جاری فرمائی الخ، اور اس کو امام شافعی، عبدالرزاق، ابن وہب، ابن جریر، طحاوی اور بیہقی نے بھی روایت کیا، اور زرقانی نے شرح مؤطا میں اس کی پیروی کرتے ہوئے اس حدیث محمود بن لبید کے تحت فرمایا جو کہ مؤطا کے حوالے سے گزر گئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس مرتبہ اس بارے میں اجتہاد فرمایا تھا پھر اس سے رجوع فرمالیا، چنانچہ طلاء کے پینے پر حد جاری فرمائی، جیسا کہ گزرا الخ۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی ابوعبدالرحمٰن پر رحم فرمائے۔ امیر المومنین

[1] سنن النسائی کتاب الاشربه ذکر الاخبار التی اعتل بھا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ۲ /۳۳۱

[2] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك کتاب الاشربه جامع تحریم الخمر تحت حدیث ۱۶۴۵ دار المعرفة بیروت ۴ /۱۷۴

تحلیل القلیل والحد فی الکثیر اما سمعت الی قوله فی جواب المعتذر انما شربته من قربتك انما جلدناك لسکرك فان جلد فی السکر فاین الدلیل علی حرمة القلیل و لیت شعری متی رجع وقد شربه فی طعنته التی انتقل فیها الی الفراد لیس العُلٰی کما تقدم من حدیث عمرو بن میمون۔

الثالث: حدیث ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما حرمت الخمر بعینها والسکر من کل شراب. اخرجه النسائی فقال اخبرنا ابوبکر بن علی اخبرنا القواریری ثنا عبدالوارث قال سمعت ابن شبرمة یذکره عن عبدالله بن شداد بن الهاد عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما قال حرمت الخمر قلیلها و کثیرها والسکر من کل شراب [1] وھو کما تری

رضی اللہ تعالٰی عنہ کامذہب یہ تھاکہ قلیل حلال ہے اور حد کثیر میں جاری فرمائی۔ کیاتونے امیر المومنین کاوہ جواب نہیں سنا جوآپ نے اس شخص کو دیا جس نے یہ عذر پیش کیا تھا کہ میں نے آپ کے مشکیزے سے شراب پی ہے، جواب یہ تھاکہ ہم نے تجھے نشہ کی وجہ سے کوڑے لگائے ہیں تو اس میں قلیل کی حرمت پر دلیل کہاں سے آئی، کاش میرا علم حاضر ہو آپ نے رجوع کب فرمایا حالانکہ آپ نے اسے نیزے کے اس زخم کے موقع پر نوش فرمایا جس زخم میں آپ فردوس اعلٰی کی طرف منتقل ہوگئے جیسا کہ حدیث عمرو بن میمون کے حوالہ سے گزر چکا۔

تیسری بحث: حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ خمر بعینہٖ حرام کی گئی اور ہر شراب سے نشہ حرام ہے۔ امام نسائی نے اس کی تخریج کی، چنانچہ فرمایا ہمیں ابوبکر بن علی نے خبر دی انہوں نے کہا ہمیں قواریری نے خبر دی انہوں نے کہا ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ میں نے ابن شبرمہ کو عبداللہ بن شداد بن الہاد سے بحوالہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ذکر کرتے ہوئے سنا، ابن عباس نے کہاکہ خمر کا قلیل وکثیر حرام کردیا گیا اور ہر شراب سے نشہ حرام ہے، اور وہ جیسا کہ تو دیکھتا ہے

[1] سنن النسائی کتاب الاشربة ذکر الاخبار التی اعتل بها الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۱

سند نظیف نفیس، ابوبکر ھو احمد بن علی بن سعید ثقۃ حافظ، والقواریری عبیداللّٰہ بن عمر بن میسرۃ ثقۃ ثبت من رجال الشیخین، وعبدالوارث ھو ابن سعید بن ذکوان ثقۃ ثبت من رجال الستۃ، وابن شبرمۃ ثقۃ فقیہ من رجال مسلم، وعبداللّٰہ بن شداد ثقۃ فقیہ جلیل من رجال الستۃ ولد علی عھد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علہ وسلم ومثلہ او انظف واجود ماقدمنا من سند الامام الطحاوی، فھد ھو ابن سلیمٰن بن یحیٰی ثقۃ، وابونعیم ھو الفضل بن دُکین ثقۃ ثبت من رجال الستہ من کبار شیوخ خ، بینہ الحافظ ابوکر بن ابی خیثمۃ اذا روی ھٰذا الحدیث فی تاریخہ فقال حدثنا ابونعیم الفضل بن دُکّین ثنا مسعر عن ابی عون کما سیأتی، ومسعر من لایجھل ثقۃ ثبت فاضل فقیہ من رجال الستۃ، وابوعون ھو محمد بن عبیداللّٰہ الثقفی ثقۃ من رجال الستۃ الا ابن ماجۃ، وعبداللّٰہ عبداللّٰہ بیدان اباعبدالرحمٰن

صاف ستھری عمدہ سند ہے۔ابوبکر احمد بن علی بن سعید ثقہ اور حافظ ہے۔ قواریری عبیداللہ بن عمر بن میسرہ ثقہ،ثبت اور شیخین کے رجال میں سے ہے۔ عبدالوارث ابن سعید بن ذکوان ثقہ،ثبت اور اصحاب صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ابن شبرمہ عبداللہ ابوشبرمہ ثقہ، فقیہ اورامام مسلم کے رجال میں سے ہے۔ عبداللہ بن شداد ثقہ، فقیہ جلیل اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوا، اور اس کی مثل یا اس سے زیادہ نظیف اور زیادہ جید امام طحاوی کی وہ سند ہے جسے ہم پہلے ذکر کر آئے۔ فہد ابن سلیمان بن یحیٰی ثقہ ہے۔ ابونعیم فضل بن دکین ثقہ،ثبت، صحاح ستہ کے رجال اور بڑے شیوخ میں سے ہے، "خ" اس کو حافظ ابوبکر بن خیثمہ نے بیان کیا جب انہوں نے اپنی تاریخ میں یہ حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں ابونعیم فضل بن دکین نے حدیث بیان کی انہوں نے مسعر سے انہوں نے ابوعون سے، جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ مسعر وہ ہے جو مجہول نہیں ثقہ،ثبت، فاضل، فقیہ اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ ابوعون محمد بن عبیداللہ ثقفی ثقہ اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے سوائے ابن ماجہ کے، اور عبداللہ عبداللہ ہے مگر جب ابوعبدالرحمٰن

حاول ان یخدشه،فاتی بوجهین **احدهما** ان ابی شبرمة لم یسمعه عن عبدالله بن شداد **اخبرنا** ابوبکر بن علی ثنا سریج بن یونس ثنا هشیم عن ابن شبرمة قال حدثنی الثقة عن عبدالله بن شداد عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما قال حرمت الخمر بعینها قلیلها وکثیرها والسکر من کل شراب[1] اھ۔**اقول:** الحمد لله قد علم الثقة،اخرج البزار فی مسنده حدثنا محمد بن حرب ثنا ابو سفیٰن الحمیری ثنا هُشَیم عن ابن شبرمة عن عمار الدّهنی عن عبدالله بن شداد عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما فذکرہ قال وقد رواہ عن ابوعون عن عبدالله بن شداد و رواہ عن ابی عون مسعر والثوری و شریك لانعلم رواہ عن ابن شبرمة عن عمار الدّهنی عن ابن شدّاد عن ابن عباس الا هشیم ولا عن هشیم الا ابوسفیٰن ولم یکن	نے ارادہ کیا کہ اس پر عیب لگائے تو وہ دو وجہیں لایا جن میں سے ایک یہ ہے کہ ابن ابی شبرمہ نے اس کو عبداللہ بن شداد سے نہیں سنا۔ہمیں خبر دی ابوبکر بن علی نے،انہوں نے کہا ہمیں حدیث بیان کی سریج بن یونس نے اور انہیں بیان کی ہشیم نے ابن شبرمہ سے انہوں نے کہا کہ مجھے حدیث بیان کی ثقہ نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے انہوں نے فرمایا کہ خمر بعینہٖ یعنی قلیل و کثیر حرام کر دی گئی اور ہر شراب سے نشہ حرام کیا گیا الخ۔**اقول:** (میں کہتا ہوں) **الحمدللہ** معلوم ہوگیا کہ وہ ثقہ ہے۔بزاز نے اپنی مسند میں تخریج کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں محمد بن حرب نے حدیث بیان کی اور انہیں ابوسفیان حمیری نے انہیں ہشیم نے ابن شبرمہ سے حدیث بیان کی اور ابن شبرمہ نے عمار الدھنی سے اس نے عبداللہ بن شداد سے اور اس نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی پھر اسی حدیث کو ذکر کیا اور کہا کہ اس کو روایت کیا ہے ابوعون نے عبداللہ بن شدّاد سے اور اس کو روایت کیا ابوعون سے مسعر،ثوری اور شریک نے اور معلوم نہیں کہ اس کو روایت کیا ہے ابن شبرمہ سے انہوں نے عمار دُہنی سے انہوں نے ابن شداد سے انہوں نے ابن عباس سے سوائے ہشیم کے،اور نہ ہشیم سے سوائے ابوسفیٰن کے۔اور یہ

[1] سنن النسائی کتاب الاشربہ ذکر اخبار التی اعتل بها الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۱

هٰذا الحدیث الا عند محمد بن حرب وکان واسطیاً ثقة [1] اھ۔ **قلت** وابوسفیٰن الحمیری ھو سعید بن یحیٰی صدوق وسط من رجال البخاری قال الحافظ المنذری فی الترغیب ثقة مشھور [2] اھو قد قال الذھبی فی المیزان فی بیان مجاھیل الاسم اعنی تعیین من ابھم اسمه عبدالله بن شبرمة عن الثقة فی الخمر جاء مبیناً انه عمار الدھنی [3] اھ وعمار ھو ابن معٰویة ابومعٰویة الکوفی صدوق من رجال الستة الا البخاری قال الذھبی وثقة احمد وابن معین وابوحاتم والناس وماعلمت احدا تکلم فیه الا العقیلی فتعلق علیه بما سأله ابوبکر بن عیاش اسمعت عن سعید بن جبیر قال لا قال فاذھب [4] اھ۔ **قلت** وناھیك توثیق الائمة وانه شیخ شعبة والسفیانین	حدیث نہیں مگر محمد بن حرب کے نزدیک، اور وہ واسطی ہیں اور ثقہ ہیں اھ، **قلت** (میں کہتا ہوں) ابوسفیٰن حمیری وہ سعید بن یحیٰی ہے جو صدوق، وسط اور بخاری کے رجال میں سے ہے۔ حافظ مُنذری نے ترغیب میں کہاکہ وہ ثقہ مشہور ہے الخ۔ ذہبی نے میزان میں ان لوگوں کے بیان میں جن کے نام مجہول اور مبہم ہیں ان کی تعیین کرتے ہوء کہاکہ اس کانام عبداللہ بن شبرمہ ہے اس نے خمر کے معاملے میں ثقہ سے روایت کی وہاں اس بات کو واضح کیاہے کہ وہ عمار الدھنی ہے الخ عمار وہ ابن معاویہ ابومعاویہ کوفی، صدوق اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے سوائے بخاری کے۔ ذہبی نے کہاکہ اس کو احمد، ابن معین، ابوحاتم اور کئ لوگوں نے ثقہ قرار دیا ہے۔ میں نہیں جانتاکہ کسی نے اس میں کلام کیا ہے سوائے عقیلی کے۔ چنانچہ عقیلی نے اس پر معلق کیاجو اس سے ابوبکر بن عیاش نے پوچھاکہ کیا تو نے سعید بن جبیر سے سنااس نے کہا نہیں تو ابوبکر نے کہاکہ جا الخ، **قلت** (میں کہتاہوں) تجھے یہ بات کافی ہے کہ جن ائمہ کرام نے عمار کی توثیق کی ہے وہ شیخ شعبہ اور دوسفیان

[1] نصب الرایة بحواله البزار فی مسندہ کتاب الاشربة تحت الحدیث التاسع المکتبة الاسلامیه ۴ /۳۰۷

[2] الترغیب والترھیب

[3] میزان الاعتدال فصل فی المجاھیل الاسم ترجمه عبدالله ابن شبرمة ۱۰۹۲۷ دار المعرفة بیروت ۴ /۶۰۳

[4] میزان الاعتدال فصل فی المجاھیل الاسم ترجمه عمار بن معاویه ۶۰۰۵ دار المعرفة بیروت ۳ /۱۷۰

ولاعلیك من دندنة العقیلی فقد اخذ یلین ذاك الجبل المشامخ علی بن المدینی الذی قال فیه البخاری ما استصغرت نفسه الا عنده وقد اورد الامام موسی الکاظم فی الضعفاء فحسبنا الله ولا حول ولاقوۃ الا بالله، وبالجملة ان کان ابن شبرمة یرسله تارۃ ویبهم اخری ویبین مرۃ فتبین العدل فکان ماذا، ثمّ اخذ ابو عبد الرحمٰن یلین هذا بهشیم قال وهشیم بن بشیر کان یدلّس ولیس فی حدیثه ذکر السماع من ابن شبرمة۔**اقول**: هشیم ثقة ثبت من رجال الستة وقد بت سماعه هذا الحدیث عن ابن ابی شبرمة اخرج ابوبکر بن ابی خیثمة قال حدثنا ایوب عن یزید بن هارون عن قیس ثنا ابی ثنا هشیم اخبرنی ابن شبرمة عن عبد الله بن شدّاد عن ابن عباس قال حرمت الخمر بعینها قلیلها وکثیرها و	ہیں، اور تومت توجہ دے عقیلی کی بھنبھناہٹ کی طرف، وہ تو علی مُدینی جیسے بلند پہاڑ کو نرم اور کمزور قرار دیتا ہے جس کے بارے میں امام بخاری نے کہا کہ میں اپنے آپ کو چھوٹا نہیں سمجھتا مگر علی بن مدینی کے پاس، اور اس نے امام موسٰی کاظم کو ضعفاء میں وارد کیا، پس اللہ تعالٰی ہی ہمیں کافی ہے اور اللہ تعالٰی کی توفیق کے بغیر نہ کسی کو گناہ سے بچنے کی طاقت ہے نہ نیکی کرنے کی طاقت۔ خلاصہ یہ کہ ابن شبرمہ کبھی اس میں ارسال کرتا ہے کبھی اس کو مبہم بیان کرتا ہے اور کبھی اس کو ظاہر کرتا ہے۔ پس عدل ظاہر ہوگیا تو یہ کیا ہے، پھر ابو عبد الرحمٰن اس کو ہُشیم کے سبب سے نرم قرار دینے لگے، اور کہا کہ ہشیم بن بشیر تدلیس کرتا تھا اور اس کی حدیث میں ابن شبرمہ سے سماع کا ذکر نہیں۔**اقول**: (میں کہتا ہوں) ہشیم ثقہ، ثبت اور اصحاب ستہ کے رجال میں سے ہے اور اس کا اس حدی کو سننا ابن شبرمہ سے ثابت ہے۔ ابو بکر بن ابو خثیمہ نے تخریج کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں ایوب نے یزید بن ہارون سے انہوں نے قیس سے حدیث بیان کی، قیس نے کہا مجھے میرے باپ نے انہوں نے کہا مجھے ہشیم نے انہوں نے کہا مجھے ابن شبرمہ نے عبداللہ بن شداد سے بحوالہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما حدیث بیان کی، ابن عباس نے کہا کہ خمر بعینہٖ یعنی قلیل و کثیر حرام کردی گئی اور

<table>
<tr>
<td>السکر من کل شراب [1]،وقد علمت من کلام البزار ان عامة الحفاظ انما رووہ عن ابن شبرمة عن ابن شداد ولم یدخل بینھما رجلا الا ھُشَیم حیث عنعن ووافق الجماعة حیث نص علی سماع نفسہ من ابن شبرمة وسماع ابن شبرمة من ابن شداد صحیح فاذن انما کان الاولٰی بالطرح کونہ بواسطة انہ لم یثبت بسند یثبت وثانیھا ان خالفہ ابوعون اخبرنا محمد بن عبداللہ بن الحکم ثنا محمد(غندر)ح واخبرنا الحسین بن منصور ثنا احمد بن حنبل ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبہ عن مِسْعَر عن ابی عون عن عبداللہ بن شدّاد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قالت حرمت الخمر بعینھا قلیلھا و کثیرھا والسکر من کل شراب لم یذکر ابن الحکم قلیلھا وکثیرھا،اخبرنا الحسین بن منصور ثنا احمد بن حنبل ثنا ابراھیم بن ابی العباس ثنا شریك عن عباس بن ذریح عن ابی عون</td>
<td>ہر شراب سے نشہ حرام کیا گیا،اور تحقیق بزار کے کلام سے تجھے معلوم ہوچکا کہ عام حفّاظ نے اس کو روایت کیا۔ابن شبرمہ سے اس نے ابن شدّاد سے ان دونوں کے درمیان سوائے ہشیم کے کسی مرد کو داخل نہیں کیا۔ہشیم نے جہاں عنعنہ کے طورپر حدیث بیان کی اس میں انہوں نے جماعت کی موافقت کی کیونکہ انہوں نے اس بات پر نص کی کہ ان کا ابن شبرمہ سے سماع اور ابن شبرمہ کا ابن شداد سے سماع صحیح ہے تو اس صورت میں اس کا ترک اولٰی ہے کیونکہ سند ثابت سے اس کا ثبوت نہیں ہوا،اور دوسری وجہ یہ کہ ابوعون نے اس کی مخالفت کی،ہمیں خبر دی عبداللہ بن حکم نے،اس نے کہا ہمیں حدیث بیان کی محمد یعنی غُندر نے،اس نے کہا ہمیں خبر دی حسین بن منصور نے،اس نے کہا ہمیں امام احمد بن حنبل نے،انہوں نے کہا ہمیں محمد بن جعفر نے،انہوں نے کہا ہمیں شعبہ نے مِسعر سے،اس نے ابوعون سے،اس نے عبداللہ ابن شداد سے،اس نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے حدیث بیان کی کہ خمر بعینہٖ یعنی قلیل وکثیر حرام کر دیا گیا اور ہر شراب سے نشہ آور مقدار حرام ہے۔ابن حکم نے قلیل وکثیر کا ذکر نہیں کیا۔ہمیں حسین بن منصور نے خبر دی،اس نے کہا ہمیں امام احمد بن حنبل نے،اور انہیں ابراہیم ابن ابوالعباس نے،انہیں ابن شریک نے حدیث بیان کی اور شریک نے عباس بن ذریع سے،اس نے ابوعون سے،</td>
</tr>
</table>

[1] حواشی مسند امام الاعظم بحوالہ ابی بکر بن ابی خیثمہ فی تاریخہ کتاب الاطعمہ والاشربۃ نور محمد کارخانہ کراچی ص ۲۰۳،سنن النسائی ذکر اخبار التی اعتل بھا نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ۲ /۳۳۱

عن عبداللّٰہ بن شداد عن ابن عباس قال حرمت الخمر قلیلھا وکثیرھا وما اسکر من کل شراب قال ابوعبدالرحمٰن وھٰذا اولٰی بالصواب من حدیث ابی شبرمۃ [1]۔**اقول**:رحم اللّٰہ ھٰؤلاء المحدثین لوانا قدمنا روایۃ الامام العابد الفاضل شریك الذی کان یخطی کثیرا وقد تغیر ولم یحتج البخاری ولامسلم فی شیئ من الاصول وقال یحیٰی بن سعید ضعیف جدا،وقال ابن المثنٰی مارأیت یحیٰی ولاعبدالرحمٰن حدثا عن شریك شیئا[2] وقال عبدالجبار بن محمد قلت لیحیٰی بن سعید زعموا ان شریکا انما خلط بآخرہ قال مازال مخلطا وعن ابن المبارك قال لیس حدیث شریك بشیئ وقال الجوزجانی سیئ الحفظ مضطرب الحدیث مائل وقال ابراھیم بن سعیدالجوھری اخطاء شریك فی اربعمائۃ حدیث وروی معاویۃ بن صالح عن ابی معین صدوق ثقۃ الاانہ اذا خالف فغیرہ	اس نے عبداللہ بن شداد سے اوراس نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ خمر کا قلیل وکثیر حرام کردیا گیااور ہر شراب سے وہ مقدار حرام کردی گئی جو نشہ دے۔ ابو عبدالرحمٰن نے کہایہ ابن شبرمہ کی حدیث سے درست ہونے میں اولٰی ہے۔**اقول**: (میں کہتاہوں) اللہ تعالٰی ان محدثین کرام پر رحم فرمائے۔اگرہم امام عابد فاضل شریک کی روایت کاعیب تسلیم کرلیں جو کثرت سے خطا کرتے اور متغیر ہو گئے۔امام بخاری اورامام مسلم کسی بھی اصول میں اس سے استدلال نہ کرتے۔یحیٰی بن سعید نے کہاوہ بہت ضعیف ہے۔ ابن مثنٰی نے کہامیں نے نہیں دیکھانہ عبدالرحمٰن نے شریک سے کوئی حدیث بیان کی۔عبدالجبار بن محمد نے کہاکہ میں نے یحیٰی بن سعید کو کہاکہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ شریک نے آخر میں خلط ملط کیاہے اس نے کہاکہ وہ ہمیشہ خلط ملط کرتارہا۔ ابن مبارک نے کہاکہ حدیث شریک کوئی شے نہیں۔ جوزجانی نے کہاکہ وہ کمزور حافظے والا،مضطرب حدیث والا اور کجرو تھا۔ابراہیم بن سعید جوہری نے کہاکہ شریک نے چارسو حدیثوں میں خطاکی۔معاویہ بن صالح نے ابومعین سے روایت کی کہ وہ صدوق اور ثقہ ہے مگرجب وہ کسی کی مخالفت کرے تواس کا

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر اخبار التی اعتل بھا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۱

[2] میزان الاعتدال ترجمہ شریك بن عبداللّٰہ ۳۶۹۷ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۷۰

احب الینا منه وقال مرة ثقة الا انه یغلط ولا تتیقن وقال الدار قُطنی لیس بالقوی فیما ینفرد به[1] وقال ابواحمد الحاکم لیس بالمتین[2] وکذٰلك قلت انت مرة یا اباعبدالرحمٰن انه لیس بالقوی وقال الازدی کان صدوقا الا انه سیئ الحفظ کثیر الوھم مضطرب الحدیث کما فی تهذیب التهذیب[3] علی عـــہ۱ روایة ابن شبرمة ذاك الامام الشهیر الثقة الفقیه المحتج به فی صحیح مسلم وثقه احمد وابوحاتم فضلا عن حدیث الامام الاجل الثقة الثبت مِسْعَر لکانوا قاموا باشد الانکار ثم الرجل عـــہ۲ مُدَلِّس قال عبدالحق الاشبیلی کان یدلس وقال ابن القطان کان مشهورا بالتدلیس[4] وقد عنعن فمالکم تنقمون عنعنة هُشَیم ذاك الجبل الشامخ ثم تعودون تحتجون بعنعنة شریك واما شعبة فقد تفرد به من بین الجماعة ونقص

غیر مجھے اس کی بنسبت زیادہ پسند کرتا ہے۔ مرۃ نے کہا کہ وہ ثقہ ہے مگر وہ غلطی کرتا ہے اور ثابت نہیں رہتا۔ دار قطنی نے کہا کہ شریک ان حدیثوں میں قوی نہیں جن میں وہ منفرد ہے۔ ابواحمد حاکم نے کہا کہ وہ متین نہیں۔ اور یوں ہی اے عبدالرحمٰن! ایک بار تو نے کہا کہ وہ قوی نہیں ہے۔ ازدی نے کہا کہ وہ صدوق تھا مگر وہ کمزور حافظے والا، کثیر الوہم اور مضطرب الحدیث تھا، جیسا کہ تہذیب التہذیب میں ابن شبرمہ کی روایت پر ہے کہ وہ مشہور امام، ثقہ، فقیہ اور مقتدی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ امام احمد نے اس کو ثقہ قرار دیا۔ ابوحاتم نے اس کو امام اجل ثقہ ثبت مِسعر کی حدیث سے افضل قرار دیا تو لوگوں نے اس کا شدید انکار کیا، پھر وہ مدلس شخص ہے، عبدالحق اشبیلی نے کہا کہ وہ تدلیس کرتا تھا۔ ابن قطان نے کہا کہ وہ تدلیس میں مشہور تھا۔ تحقیق اس نے عنعنہ کے ساتھ روایت کی تمہیں کیا ہے کہ تم ہشیم کے عنعنہ کو برا سمجھتے ہو جو کہ ایک بلند پہاڑ ہے پھر لوٹ کر شریک کے عنعنہ سے استدلال کرتے ہو مگر شعبہ اس کے ساتھ جماعت میں سے متفرّد ہے، اس سلسلہ میں

عـــہ۱: متعلق باقول رحمہ اللہ ھولاء المحدثین لوانا قدمنا۔ عـــہ۲ای شریک۔

[1] میزان الاعتدال ترجمه شریك بن عبدالله ۳۶۹۷ دار المعرفة بیروت ۲/ ۲۷۰و۲۷۲

[2] تهذیب التهذیب ترجمه شریك بن عبدالله ۵۷۷ دائرة المعارف النظامیه ۴/ ۳۳۶

[3] تهذیب التهذیب ترجمه شریك بن عبدالله ۵۷۷ دائرة المعارف النظامیه ۴/ ۳۳۷

[4] تهذیب التهذیب ترجمه شریك بن عبدالله ۵۷۷ دائرة المعارف النظامیه ۴/ ۳۳۷

علیك الامر فی ذٰلك روی ھٰذا الحدیث عن ابن عباس سعید بن المسیب وعون بن ابی جحیفة و عکرمة وعبداللہ بن شداد اما الاولان فروی عنھما الرفع الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کما تقدم،و امّا عکرمة وقال الطبری فی تھذیب الاٰثار **حدثنا** محمد بن موسٰی ثنا عبداللہ بن عیسٰی ثنا داؤد بن ابی ھند عن عکرمة عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال حرم اللہ الخمر بعینھا والسکر من کل شراب [1]،واما ابن شداد فروی عنه ابوعون وعمار الدھنی وابوشبرمة علی الوجوہ التی علمت وعیاش العامری عن ابی بکر بن ابی خثیمة قال حدثنا محمد بن الصباح البزار اخبرنا شریك عن عیاش العامری عن عبداللہ بن شداد عن ابن عباس قال حرمت الخمر بعینھا والسکر من کل شراب وقال وعیاش العامری ھو عیاش بن عمر [2]،**قلت** ثقة من رجال مسلم وسلیمٰن الشیبانی وعنه شعبة عن ابن ابی خثیمة ایضا

تجھ پر معاملہ ناقص ہوگیا۔اس حدیث کو ابن عباس سے سعید بن مسیّب، عون بن ابوجحیفہ، عکرمہ اور عبداللہ بن شداد نے روایت کیا۔پہلے دونوں سے تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک مرفوع ہونا مروی ہے جیسا کہ گزر چکا۔ رہا عکرمہ، تو طبری نے تہذیب الآثار میں کہا کہ ہمیں محمد بن موسٰی نے انہیں عبداللہ بن عیسٰی نے انہیں داؤد بن ابی ہند نے عکرمہ سے بحوالہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما حدیث بیان کی،ابن عباس نے کہا کہ اللہ تعالٰی نے خمر کو بعینہٖ اور ہر شراب سے نشہ کو حرام فرمایا۔رہا ابن شداد تو اس سے ابو عون، عمار دُہنی اور ابوشبرمہ نے ان وجوہ پر روایت کیا جو تو جان چکا۔عیاش عامری نے ابوبکر ابوخثیمہ سے روایت کی انہوں نے کہا کہ ہمیں محمد بن صباح البزار نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہمیں شریک نے عیاش عامری سے خبر دی اور انہوں نے عبداللہ بن شداد سے اور اس نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ خمر بعینہٖ حرام کی گئی اور ہر شراب سے نشہ حرام ہے۔اور عیاش عامری وہ عیاش بن عمر ہے۔**قلت** (میں کہتا ہوں) وہ ثقہ ہے اور امام مسلم اور سلیمان شیبانی کے رجال میں سے ہے اور اسی سے شعبہ نے بھی ابن ابی خثیمہ کے نزدیک روایت کیا

---

[1] البنایة بحوالہ الطبرانی فی التہذیب کتاب الاشربہ المکتبة الامدادیة مکۃ المکرمۃ ۴/ ۳۲۸

[2] حواشی مسند الامام الاعظم بحوالہ ابی بکر بن ابی خثیمہ فی تاریخہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۰۳

وبلغه الٰی امر المومنین میمونة حیث قال حدثنا علی الجعد اخبرنا شعبة عن سلیمان الشیبانی عن عبدالله بن شداد عن عبدالله بن عباس عن خالته میمونة بنت الحارث رضی الله تعالٰی عنهم ورواه عن ابی عون الامام الاعظم وسفیٰن الثوری ومسعر بن کدام و عبدالله بن عیاش وقدوقعت روایتهم جمیعا فی مسند الامام وشریك و ابوسلمه عند البزار۔ورواه عن مسعر ابونعیم الفضل بن دُکین عند الطحاوی وابن ابی خیّمة ومن طریقه القاسم بن اصبغ فقال حدثنا احمد بن زهیر(یعنی ابابکر بن ابی خیّمه)نا ابونعیم الفضل بن دکین عن مسعر عن ابی عون عن عبدالله بن شداد عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما قال حرمت الخمر بعینها القلیل منها والکثیر والسکر من کل شراب[1]۔قال البدر محمود عینی فی البنایة قال ابن حزم صحیح.قال	جس کو اس نے ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا تک پہنچایا جہاں اس نے یہ کہاکہ ہمیں حدیث بیان کی علی الجعد نے،اس نے کہاکہ ہمیں خبر دی شعبہ نے سلیمان شیبانی سے اوراس نے عبداللہ بن شداد سے اس نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اورانہوں نے اپنی خالہ سیّدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی اور اس کو ابوعون سے امام اعظم،سفیان ثوری،مِسعر بن کدام اور عبداللہ بن عیاش نے روایت کیاان سب کی روایت سیدامام اعظم میں واقع ہے۔اور بزار کے نزدیک اس کو شریک اور ابو سلمہ نے روایت کیا،طحاوی اورابن ابی خیّمہ کے نزدیک اس کو مسعر سے ابونعیم فضل بن دکین نے روایت کیا اوراسی کے طریق سے قاسم بن اصبغ نے روایت کرتے ہوئے کہاکہ ہمیں احمد بن زہیر یعنی ابوبکر بن ابی خیّمہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہاہمیں ابونعیم فضل بن دکین نے مسعر سے حدیث بیان کی اور مسعر نے ابوعون سے،اس نے عبداللہ ابن شداد سے اور اس نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ ابن عباس نے فرمایا خمر بعینہٖ یعنی اس کا قلیل وکثیر اورہر شراب سے نشہ حرام کردیا گیا۔بدر محمود عینی نے بنایہ کہاکہ ابن حزم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔اس نے

[1] البنایه بحواله قاسم بن اصبغ کتاب الاشربة المکتبة الامدادیة مکة المکرمة ۴/ ۳۲۸

وتابعہ ابانُعیم جعفر بن عون فرواہ عن مسعر کذٰلك [1] الخ وکذا تابعہ قال ابن حزم صحیح خلاد بن یحیٰی عند ابی نعیم فی الحلیہ وسفیٰن الثوری وشعبۃ وسفیٰن وابراھیم ابنا عیینۃ رفعہ عن مسعر فقال عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما فی الحلیۃ وبالجملۃ ھٰؤلاء اربعۃ عن ابن عباس منھم ابن شداد وعنہ خمسۃ،منھم ابوعون وعنہ ستۃ، منھم ،مسعر وعنہ سبعۃ،منھم شعبۃ لم یذکر احد منھم والمسکر بزیادۃ المیم الاشعبۃ قال ابونعیم تفرد شعبۃ بلفظہ عن مسعر فیہ فقال والمسکر من کل شراب [2] اھفروایۃ الجماعۃ ھی الاحق بالقبول ان فرض التنافی واین التنافی فان المسکر من کل شراب اوماسکر من کل شراب یحتمل القدر المسکر من کل شراب احتمالا جلیاواضحا فکیف یقضی بالمحتمل علی المتعین	ابونعیم جعفر بن عون کی متابعت کی چنانچہ اس کو مِسعَر سے اسی طرح روایت کیا الخ ابن حزم نے کہاکہ صحیح ہے۔خلاد بن یحیٰی نے ابونعیم کے نزدیک حلیہ میں اور سفیان ثوری، شعبہ، سفیان بن عیینہ اورابراہیم بن عیینہ نے مسعر کے حوالے سے اس کو مرفوعًا روایت کیا،مسعر نے کہاکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے جیساکہ حلیہ میں ہے۔خلاصہ یہ ان چاروں نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیاانہیں میں سے ابن شدّاد ہے جس سے پانچ حدیثیں مروی ہیں،انہیں میں سے ابوعون ہے جس سے چھ حدیثیں مروی ہیں،انہیں میں سے مسعر ہے جس سے سات حدیثیں مروی ہیں،انہیں میں سے مسعرہے جس سے سات حدیثیں مروی ہیں،انہیں میں سے شعبہ ہے،سوائے شعبہ کے ان میں سے کسی نے بھی لفظ مُسکِر میم کی زیادتی کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔ ابونعیم نے کہاکہ مسعر سے یہ روایت کرنے میں شعبہ متفرد ہے کیونکہ اس کہاکہ ہر شراب میں مُسکِر حرام ہے الخ اگران میں تنافی فرض کی جائے توشعبہ کی بنسبت جماعت کی روایت قبولیت کی زیادہ حقدار ہے اوران میں تنافی کہاں ہے اس لئے کہ ہر شراب میں سے مسکر یاہر شراب میں سے وہ جو نشہ دے وہ ہر شراب میں سے مقدار مُسکِر کاواضح احتمال رکھتی تو محتمل کے ساتھ متعین پرکیسے فیصلہ کیاجاسکتا ہے اوراللہ تعالٰی

[1] البنایہ بحوالہ قاسم بن اصبغ کتاب الاشربۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۳۲۸

[2] حلیۃ الاولیاء ترجمہ مسعر بن کدام ۳۸۹ دارالکتاب العربی بیروت ۷/ ۲۲۴

وباللہ التوفیق وبه ثبت وللّٰہ الحمد ان اباعون لم یخالف شعبة عن مسعر سائر الجملة من مسعر وعن ابی عون وعن ابن شدّاد وعن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهم، والعجب من الامام ابن الهمام کیف تبع النسائی علٰی ھٰذا الکلام وزعم ان لفظ السکر تصحیف وما التوفیق الا باللہ الخبیر اللطیف والحمدللہ رب العٰلمین۔

الرّابع: حدیث الطحاوی عن علقمة سالت ابن مسعود عن قول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی السکر قال الشربة الاخیرة [1] رواہ الدارقطنی فی سننه عن عمار بن مطر ثنا جریر بن عبدالحمید عن الحجاج عن حماد عن ابراھیم عن علقمة عن عبداللہ فی قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کل مسکر حرام قال عبداللہ ھی الشربة التی

ہی کی طرف سے توفیق ہے اوراس توفیق سے ہی ثابت قدمی ہے اوراللہ تعالٰی ہی کے لئے حمد ہے۔ بیشک ابوعون نے ابوشبرمہ کی مخالفت نہیں کی البتہ شعبہ نے مسعر سے روایت کرتے ہوئے باقی تمام حضرات کی مخالفت کی جوانہوں نے مسعر سے کی اور مسعر نے ابوعون سے، اس نے ابن شداد سے، اوراس نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کی اور امام ابن الہمام پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس کلام پر نسائی کی پیروی کیسے کرلی! اور یہ گمان کیاکہ لفظ مُسکِر غلط ہے اور نہیں ہے توفیق مگر اللہ تعالٰی سے جو خبر رکھنے والا باریک بین ہے، اورسب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جوسب جہانوں کا پروردگار ہے۔

چوتھی بحث: طحاوی کی سند علقمہ سے کہ میں نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نشہ سے متعلق قول کے بارے میں سوال کیاتوانہوں نے کہاوہ آخری گھونٹ ہے۔ اس کو دارقطنی نے اپنی سنن میں عمار بن مطر سے روایت کیا، عمار نے کہاہمیں جریر بن عبد الحمید نے حجاج سے، اس نے حماد سے، اس نے ابراہیم سے اس نے علقمہ سے، اوراس نے عبداللہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کے بارے میں حدیث بیان کی کہ ہر نشہ آور حرام ہے، عبداللہ نے کہاکہ وہ آخری گھونٹ ہے جس نے تجھے

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۶۱

اسکرتك ثم اسند عن عمار بن مطر ثنا شريك عن ابی حمزة عن ابراهيم قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کل مسکر حرام قال هی الشربة التی اسکرتك قال هذا اصح من الذی قبله ولم یسنده غیر الحجاج واختلف عنه وعمار بن مطر ضعیف وحجاج ضعیف وانما هو من قول ابراهيم النخعی ثم اخرج عن ابن المبارك انه ذکر عنده حدیث ابن مسعود کل مسکر حرام هی الشربة التی تسکرك فقال هذا حدیث باطل[1] اھ وتبعه المحقق فی الفتح.اقول:سند الطحاوی حدثنا ابن ابی داؤد ثنا نعیم وغیره انا حجاج عن حماد[2] الخ ولیس فیه عمار کما تری و الحجاج هو ابن ارطاة من رجال مسلم والاربعة وهو وان کان من شیوخ شعبة وشعبة من قد علم فی شدة ورعه واحتیاطه وقد کان یقول اکتبوا	نشہ دیا۔ پھر دارقطنی نے اس کا اسناد بیان کیا عمار بن مطر سے، اس نے شریک سے، اس نے ابوحمزہ سے، اس نے ابراہیم سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول کہ ہر نشہ آور حرام ہے، فرمایا وہ آخری گھونٹ ہے جس نے تجھے نشہ دیا۔ دارقطنی نے کہا یہ پہلی سند سے زیادہ صحیح ہے، سوائے حجاج کہ کسی نے اس کا اسناد بیان نہیں کیا، اور اس سے روایت میں اختلاف ہے۔ عمار بن مطر ضعیف ہے، یہ ابراہیم نخعی کا قول ہے۔ پھر ابن المبارک سے اس کی تخریج کی کہ اس کے پاس حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ "ہر مسکر حرام ہے" سے مراد وہ گھونٹ ہے جس نے تجھے نشہ دیا، تو ابن المبارک نے کہا یہ حدیث باطل ہے اھ۔ اور اس کی پیروی کی محقق نے فتح میں۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) طحاوی کی سند یہ ہے کہ ہمیں ابن داؤد نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ ہمیں نعیم وغیرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں حجاج نے حماد سے خبر دی الخ اس میں جیسا کہ تو نے دیکھا عمار نہیں ہے اور حجاج وہ ابن ارطاۃ ہے جو مسلم اور اصحاب سنن اربعہ کے رجال میں سے ہے۔ وہ اگرچہ شعبہ کے شیوخ میں سے ہے۔ اور شعبہ کے تقوٰی واحتیاط میں سختی جانی ہوئی ہے کہا کرتے تھے حجاج بن ارطاۃ اور ابن اسحاق سے لکھ لیا کرو

[1] سنن الدارقطنی کتاب الاشربة وغیرها حدیث ۲۳و۲۵ دار المحاسن للطباعة القاهرة ۴/ ۲۵۰و۲۵۱

[2] شرح معانی الآثار کتاب الاشربة وغیرها باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۶۱

عن حجاج ابن ارطاۃ وابن اسحٰق فانھما حافظان[1] وقد اثنی علیہ غیر واحد منھم الثوری وابوحاتم بیدانہ کثیرالتدلیس قال الذھبی اکثر مانقم علیہ التدلیس[2]، وقال ابوحاتم یدلس عن ضعفاء[3] فالحدیث وان لم یصح عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کما قالہ عبداللہ لکنہ قدصح عن ابراھیم کما قدمناہ عن مسند الامام اعظم عن حماد عنہ، فماکان ینبغی لابی عبدالرحمٰن ان یقول لیس کما یقول ابوعون،لانفھم بتحریمھم اُخرالشربۃ و تحلیلھم ما تقدمھا اماما تعلل بہ قائلا لاخلاف بین العلم ان المسکر بکلیتہ لایحدث علی الشربۃ الاُخر دون الاولٰی والثانیۃ بعدھا۔**اقول:** ارایت اذا کان لایسکر المسك والعنبر والزعفران واشباھھا	کیونکہ وہ دونوں حافظ ہیں۔ نیز متعدد ائمہ نے اس کی تعریف کی جن میں ثوری اورابوحاتم شامل ہیں سوائے اس کے کہ وہ تدلیس میں کثرت کرتا ہے۔ ذہبی نے کہا اکثر اس پر جس شیئ میں ملامت کی جاتی ہے وتدلیس ہے۔ ابوحاتم نے کہا کوہ تدلیس کرتاہے اور ضعفاء میں سے ہے۔ تو یہ حدیث اگرچہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح نہیں جیساکہ عبداللہ نے کہامگر ابراہیم سے صحیح ہے جیساکہ ہم مسند امام اعظم کے حوالے سے ذکر کرچکے ہیں کہ حماد نے ابراہیم سے روایت کی۔ لہٰذا ابوعبدالرحمٰن کو ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا کہ ابن عون کا کہنادرست نہیں کیونکہ ان کاآخری گھونٹ کوحرام اور اس سے پہلے والے گھونٹ کوحلال قرار دینا ہمیں سمجھ نہیں آتا لیکن ابو عبدالرحمٰن کاوجہ بیان کرتے ہوئے یہ کہنا کہ مسکر کے آخری گھونٹ پر اثرانداز ہونا اور پہلے اور دوسرے پر نہ ہونا اور پہلے اوردوسرے پر نہ ہونا علمی اعتبار سے یہ فرق درست نہیں ہے۔**اقول:** (میں کہتاہوں) تیراکیاخیال ہے کہ کستوری، عنبر، زعفران اوران جیسی دیگراشیاء

[1] میزان الاعتدال ترجمہ حجاج بن ارطاۃ ۱۷۲۶ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۴۶۰
[2] میزان الاعتدال ترجمہ حجاج بن ارطاۃ ۱۷۲۶ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۴۶۰
[3] تہذیب التہذیب ترجمہ حجاج بن ارطاۃ ۳۶۵ دائرۃ المعارف النظامیہ ۲/ ۱۹۷

الا اذا بلغ عشر حبات مثلاً فاذا تناول رجل حبة فهل تناول الحرام فان قلت نعم فقد اعظمت القول وان قلت لا قلنا فان تناول اخری حتی بلغ تسعا فلابد ان تقول فی الکل بالحل قلنا فاخبرنا اذا تناول العاشرة فسکر فان قلت الآن ایضا حل فقد اعظمت القول وان قلت حرم فقد قضیت علی نفسك ولا شك ان السکر انما اتی للمجموع لکن الحرمة انما هی للاکلة الاخیرة دون الاولی والتی تلیها ای تسع و من عرف ان المعلول و هی الحرمة المعلولة بالکسر المعلول بالعشر انما یتحق عند تحقق الجزء الاخیر من اجزاء العلة عرف المرام ولم تذهب به الاوهام۔ وبھذا التقریر ولله الحمد تبین انزهاق ما لمع به الشوکانی فی نیل الاوطار ناقلا عن الطبری ما نصه یقال لهم (ای لائمتنا رضی الله تعالٰی عنهم) اخبرونا عن الشربة التی یعقبها السکر اهی التی اسکرت	مثلاً اگر نشہ نہ دیں جب تک وہ دس رتی کے برابر نہ ہو جائیں۔ جب کسی شخص نے ان میں سے ایک رتی کے برابر کھایا تو کیا اس نے حرام کھایا، اگر تو کہے کہ ہاں تو تونے بہت بڑی بات کہہ دی اور اگر کہے کہ نہیں تو ہم کہیں گے کہ اگر دوسری رتی کھائی تو کیا حکم ہے یہاں تک کہ نو تک پہنچ جائے۔ تیرے لئے اس سے چھٹکارا نہیں کہ تو ان سب کے حلال ہونے کا قول کرے۔ پھر کہیں گے کہ بتاؤ اگر وہ دسویں رتی کھائے اور نشہ آجائے تو اب کیا حکم ہے۔ اگر تو کہے کہ اب بھی حلال ہے تو تم نے بہت بڑی بات کہہ دی۔ اور اگر کہے کہ حرام ہے تو خود اپنے خلاف تو نے فیصلہ دے دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں نشہ اس مجموعے سے آیا ہے لیکن حرمت آخری رتی کو کھانے پر ہے نہ کہ پہلی اور اس کے بعد والیوں پر جو کہ نو ہیں۔ جس نے یہ سمجھا کہ معلول جو کہ وہ حرمت ہے جس کی علت نشہ ہے وہ معلول پوری دس رتیاں ہیں مگر اس کا تحقق علت کی آخر جزء کے تحقق کے وقت ہوا تو اس نے مقصد کو پہچان لیا۔ اس کو وہم نہ بہکائے گا۔ الحمدللہ اس تقریر سے شوکانی کا نیل الاوطار میں حد سے تجاوز کرنا ظاہر ہو گیا دراں حالیکہ وہ طبری سے نقل کرنے والا ہے جس کی اس نے تصریح کی کہ ان (ہمارے ائمہ) کو کہا جائے گا کہ اس گھونٹ کے بارے میں بتاؤ جس کے بعد نشہ آیا ہے کہ کیا اس نے ما قبل والے گھونٹوں کے بغیر

صاحبها دون ماتقدم من الشراب ام اسكرت باجتماعها مع ماتقدم واخذت كل شربت بحظها من الاسكار فان قالوا انما احدث له السكر الشربة الآخرة التى وجد خبل العقل عقبها قيل لهم وهل هٰذه التى احدثت له ذالك الا كبعض ماتقدم من الشربات قبلها فى انها لو انفردت دون ماقبلها كانت غيرمسكرة وحدها،وانها انما اسكرت باجتماعها واجتماع عملها فحدث عن جميعها السكر [1] اهـ فان التقرير بهذا فيه جار فى الحبة العاشرة من المسك ونظرائه والوهم انما نشاء من عدم الفرق بين الجزء الاخير وبين سائر العلل الناقصة المقدمة عليه وكذا استبان بحمدالله انخساف مازوق به الشوكانى تحت حديث"كل شراب اسكر فهو حرام" بقوله ان الشراب اسم جنس فيقتضى ان يرجع التحريم الى الجنس كله كما يقال هذا الطعام مشبع، الماء مُروٍ يريد به الجنس وكل جزء منه يفعل ذٰلك الفعل،فاللقمة تشبع العصفور وماهو اكبر منها يشبع ماهو اكبر من العصفور	نشہ دیا یاما قبل والے گھونٹوں کے ساتھ مجتمع ہو کر نشہ دیا اور ہر گھونٹ کا نشہ دینے حصہ ہے،اگر وہ کہیں کہ اس کو نشہ آخری گھونٹ نے دیا ہے جس کے بعد اس کی عقل میں خلل واقع ہوا تو ان کو کہا جائے گا کہ یہ آخری پہلے والے گھونٹوں کی طرح ہی ہے اس بات میں کہ اگر یہ ان سے منفرد ہوتا تو اکیلے نشہ نہ دیتا۔اس نے ما قبل والے گھونٹوں کے ساتھ مجتمع ہو کر نشہ دیا ہے،لہٰذا ثابت ہو گیا کہ نشہ ان تمام گھونٹوں کے مجموعہ سے پیدا ہوا ہے اھ،بیشک یہی تقریر تمام شقوں کے ساتھ کستوری اور اس جیسی دیگر اشیاء میں جاری ہوتی ہے۔ وہم صرف اس لئے پیدا ہوا کہ آخری جزء اور اس سے پہلے والی باقی ناقص علتوں میں فرق نہیں کیا گیا۔یونہی الحمدللہ حدیث "ہر شراب جو نشہ دے وہ حرام ہے"کے تحت شوکانی کا یہ کلام بھی زنگ آلود ہو گیا جس کو اس نے یوں منقش کیا کہ شراب اسم جنس ہے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تحریم تمام جنس کی طرف لوٹے جیسا کہ کہا جاتا ہے طعام سیر کرنے والا ہے اور پانی سیرب کرنے والا ہے،یہاں طعام اور پانی سے مراد جنس ہے اور جنس کی ہر جزء جنس والا عمل کرتی ہے،چنانچہ طعام کا ایک لقمہ چڑیا کا پیٹ بھر دیتا ہے اور اس سے زیادہ مقدار چڑیا سے بڑے جانور کا پیٹ بھر دیتی

[1] نیل الاوطار کتاب الاشربۃ باب مایتخذ منه الخمر الخ مصطفى البابى مصر ۸ /۲۰۲

وکذٰلك جنس الماء یروی الحیوان علی هذا الحد فکذٰلك النبیذ [1]۔**اقول**:نعم وقع التحریم علی الجنس مقیدا بصفة الاسکار فاذا اسکر حرم والا لاوانما انشدك الله والانصاف اذا قیل لك انهاك عن کل طعام اشبع هل یفهم منه النهی عن الاکل مطلقًا ولولقمة اولقیمة اصغر ماتکون،ماھٰذه الامکابرة الاتری ان الاجماع ماض علی تحریم کل ضار کالسموم والطین وغیرذٰلك ثم لم ینطلق ھٰذاالحکم الا الی قدریضرك ایاك لامایضرولو ذبابا اونملة،وقد اخرج احمد وابوداؤد وعن ام سلمة رضی الله تعالٰی عنها قالت نهی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن کل مسکر ومفتر [2]،و معلوم ان من الادویة ما اذاا کثر منه اورث التفتیر والتحذیر ثم لم یرجع التحذیر الا الی ذٰلك القدر الکثیر ولو کان الامر کما زعمت لوجب القول بحرمة المسك و	ہے اسی طرح پانی کی جنس عمل کرتی ہے اور یہی حال نبیذ کا ہے۔**اقول**:(میں کہتاہوں)ہاں تحریم جنس پر واقع ہے درانحالیکہ وہ نشہ آور ہونے کی صفت سے مقید ہے۔لہذا جب نشہ دے توحرام ہے ورنہ نہیں۔میں تجھے اللہ تعالٰی کی قسم دے کر انصاف کامطالبہ کرتاہوں کہ جب تجھے کہاجائے کہ میں تجھے ہرایسے طعام سے منع کرتاہوں جوسیر کردے توکیا اس سے مطلق طعام کی ممانعت سمجھی جائے گی اگرچہ ایک لقمہ کی مقدار یا اس سے بھی کمتر ہو؟ یہ تو محض انکارحق ہے،کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر نقصان دہ چیز کی حرمت پر اجماع جاری ہے جیسے زہراور کیچڑ وغیرہ،پھر یہ حکم نہیں جاری ہوتا مگراتنی مقدار پر جو تجھے نقصان پہنچائے نہ مطلق نقصان پہنچانے والی شیئ پر اگرچہ وہ مکھی یاچیونٹی کو نقصان پہنچائے،امام احمد وابو داؤد نے ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے تخریج کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اور عقل میں خلل ڈالنے والی چیز سے منع فرمایا۔یہ بات معلوم ہے کہ بعض دوائیوں کی زیادہ مقدار عقل میں خلل ڈالتی ہے جس سے پرہیز کرنالازمی ہے۔پھر یہ پرہیزاور ممانعت صرف اسی مقدار کثیر کی طرف لوٹی ہے۔اگر معاملہ ایسے ہوتا جیسے تونے گمان کیا ہے توکستوری اوراس جیسی

[1] نیل الاوطار کتاب الاشربة باب مایتخذ منه الخمر الخ مصطفی البابی مصر ۸ /۲۰۱

[2] سنن ابی داؤد کتاب الاشربة باب ماجاء فی السکر آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۱۶۳

امثاله مطلقًا وکل ذٰلك خلاف الاجماع هذا ثم اتفقت المراجعة الى البناية فرايت الامام البدر محمود ارحمه الله تعالٰى اتى ھٰهنا بكلام حسن نقلا عن الامام تاج الشريعة زاد فيه من النظائر فاحببت ايراده قال روح روحه، الحرام هو المسكر و اطلاقه على ماتقدم مجاز وعلى القدح الاخير حقيقة وهو مراد فلايكون المجاز مرادا وقد قال تاج الشريعة المسكر مايتصل به السكر بمنزلة المتخم من الطعام وهو مايتصل به من التخمة فان تناول الطعام بقدر مايغذيه حلال ومايتخم وهوالاكل فوق الشبع حرام ثم المحرم منهما وهو المتخم وان كان لايكون ذٰلك متخما الاباعتبار ماتقدمه من الاكلات وكذٰلك فى الشراب وقد قال ابو يوسف رحمه الله ذٰلك مثل دم فى ثوب مادام قليلا فلاباس بالصلٰوة فيه فاذا اكثر لم يحل ومثل رجل ينفق على نفسه واهله من كسبه

اشیاء کی مطلقًا حرمت کا قول کرنا واجب ہوتا حالانکہ یہ سب خلاف اجماع ہے۔ پھر بنایہ کی طرف مراجعت کا اتفاق ہوا تو میں نے دیکھا کہ امام بدر محمود رحمہ اللہ تعالٰی نے یہاں پر امام تاج الشریعۃ سے نہایت عمدہ کلام نقل فرمایا جس میں کئی نظائر کا اضافہ کیا۔ اس کلام کو یہاں ذکر کرنا مجھے پسند ہے۔ اس نے کہا اس کی روح کشادہ ہو کہ حرام وہ ہے جو نشہ آور ہے۔ اس سے پہلے والی شراب پر حرام کا اطلاق مجازًا ہے جبکہ آخری پیالہ پر اس کا اطلاق حقیقتًا ہے اور وہی مراد ہے لہٰذا مجاز مراد نہیں ہوگا۔ اور تاج الشریعۃ نے فرمایا کہ نشہ آور شراب جس کے ساتھ نشہ متصل ہے وہ بدہضمی پیدا کرنے والے طعام کی طرح ہے اور وہی طعام ہے جس کے ساتھ بدہضمی متصل ہے اس لئے کہ بقدر غذا طعام کھانا حلال ہے۔ اور جو بدہضمی پیدا کرتا ہے وہ وہ ہے جو سیر ہو جانے کے بعد کھایا جائے وہ حرام ہے۔ پھر اس میں سے حرام وہی ہے جو بدہضمی پیدا کرنے والا ہے اگرچہ پہلے والے لقموں کا اعتبار کئے بغیر وہ بدہضمی پیدا نہیں کرتا، اور یہ حکم شراب میں ہوگا۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ کپڑے میں لگے ہوئے خون کی طرح ہے کہ جب تک وہ قلیل ہو اس کپڑے میں نماز ادا کرنے میں کوئی خرابی نہیں اور جب وہ زیادہ ہو جائے تو حلال نہیں۔ اور اس شخص کی طرح ہے جو اپنی کمائی میں سے اپنی ذات اور

فلاباس بذٰلك فاذا اسرف فی النفقة لم یصلح له ذٰلك ولاینبغی وکذٰلك النبیذ لابأس ان یشربه علی طعامه ولاخیر فی السکر منه لانه اسراف واظهر من ذٰلك ان الضمان یضاف الی واضع المنّ الاخیر فی السفینة وان لم یحصل الغرق بدون ماتقدم من الامناء وهذا لانه لایوجد التلف حکما بما تقدم من الامناء وانما وجد ذٰلك بفعل فاعل مختار فاضیف الغرق لولی المن الاخیر فکذاهنا اضیف السکر الی القدح الاخیر الذی یحصل به السکر حقیقة لاما تقدم من الاقداح[1] اھـ ثم ان البیهقی فی المعرفة اراد الرد علی حدیث الحجاج بوجه آخر فذکر مارواه ابن المبارك عن الحسن بن عمروالفقیمی عن فضیل بن عمروعن ابراهیم قال کانوا یقولون اذا سکر لم یحل له ان یعود فیه ابدا[2]۔

اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے جس میں کوئی حرج نہیں مگر جب وہ خرچ میں زیادتی کرے تو اس کے لئے یہ درست نہیں اور اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اسی طرح کھانے کے اوپر نبیذ پینے میں کوئی حرج نہیں مگر اس سے نشہ میں کوئی بھلائی نہیں کیونکہ یہ اسراف ہے، اور اس میں زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ ضمان اس شخص کی طرف منسوب ہوتا ہے جس نے کشتی میں آخری مَن رکھا اگرچہ اس سے پہلے رکھے جانے والے مَنوں کے بغیر کشتی کا غرق ہونا متحقق نہیں ہوا۔ اور یہ اس لئے ہے کہ پہلے والے مَنوں سے حکمی طور پر تلف نہیں پایا گیا تو وہ فاعل مختار کے فعل سے پایا گیا لہٰذا غرق کی نسبت آخری مَن والے کی طرف کی جائے گی۔ یوں ہی یہاں نشہ کی اضافت آخری پیالے کی طرف کی جائے گی جس سے حقیقتًا نشہ حاصل ہوا نہ کہ پہلے والے پیالوں کی طرف الخ۔ پھر بیہقی نے المعرفہ میں حدیث حجاج پر ایک اور وجہ سے رَد کرنا چاہا تو ذکر فرمایا جس کو ابن مبارک نے حسن بن عمرو فقیمی سے، اس نے فضیل بن عمرو سے اور اس نے ابراہیم سے روایت کیا ابراہیم نے کہا وہ کہتے تھے کہ جب کسی کو نشہ آجائے تو اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ کبھی بھی اس نشہ والی نبیذ کی طرف عود کرے۔

[1] البنایة فی شرح الهدایة کتاب الاشربة المکتبة الامدادیة مکة المکرمة ۴ /۳۴۳

[2] نصب الرایة بحواله البیهقی فی المعرفة کتاب الاشربة المکتبة الاسلامیة ۴ /۳۰۶

قلت واسندہ النسائی من طریق ابن ابی زائدۃ عن الحسن بن عمر بالسند قال کانوا یرون ان من شرب شرابا فسکر منه لم یصلح ان یعود فیه [1]۔قال البیهقی فکیف یکون عند ابراهیم قول ابن مسعود هٰکذا(یعنی ماروا ه الحجاج)ثم یخالفه قال فدل علی بطلان ما رواہ الحجاج بن ارطاۃ[2]۔**اقول**:لاننکر ان حدیث الحجاج لایصلح الاحتجاج لکن فی الرد بهذا الوجه خفاء لایخفی فان القول وان لم یصح عن عبدالله قد ضح عن ابراهیم فاذا لم یمنعه هٰذا عن قول نفسه فکیف یمنع ان یکون عندہ عن عبدالله مثله اما ابوعبدالرحمٰن فجعل هٰذا خلافا عن ابراهیم فی اذا قال،ذکرالاختلاف علی ابراهیم فی النبیذ فروی هذا ثم قال اخبرنا سوید اخبرنا عبد الله عن ابی عوانة عن ابی مسکین قال سالت ابراهیم قلت انا ناخذ دُردی الخمر او الطلاء فننظفه

قلت(میں کہتاہوں)امام نسائی نے اس کو بطریق ابن ابی زائدہ حسن بن عمر سے مسنداً بیان کیا کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جس نے شراب پی اوراس کو نشہ آگیا اس کے لئے ایسی شراب کی طرف عود کرنا درست نہیں۔بیہقی نے کہاکہ ابراہیم کے نزدیک ابن مسعود کا قول اس طرح کیسے ہوگیا یعنی جس کو حجاج نے روایت کیا پھراس کی مخالفت کی اس نے کہاکہ اس کے بطلان پر دلیل وہ ہے جس کو حجاج بن ارطات نے روایت کیا۔**اقول**:(میں کہتاہوں)ہم اس بات کاانکار نہیں کرتے کہ حدیث حجاج قابل استدلال نہیں لیکن اسے اس وجہ کے ساتھ رَد کرنے میں خفاء ہے جوکہ مخفی نہیں اس لئے کہ یہ قول اگرچہ عبداللہ سے صحیح نہیں مگرابراہیم سے صحیح ہے کہ جب اس نے اپنا قول ہونے سے انکار نہیں کیاوہ کیسے انکار کرے گا، اس کے نزدیک عبداللہ سے اس کی مثل منقول ہے لیکن ابو عبدالرحمٰن نے اس کو ابراہیم کی نقل کے خلاف قرار دیا ہے انہوں نے اس کو ذکرالاختلاف علی ابراہیم فی النبیذ کے باب میں روایت کیاپھر کہاکہ ہمیں خبردی سُوَید نے،اس نے کہا ہمیں خبردی عبداللہ نے ابوعوانہ سے،اس نے ابومسکین سے کہ میں نے ابراہیم سے سوال کرتے ہوئے کہاکہ ہم خمر یا طلاء کا تلچھٹ لیتے ہیں پھراس کو صاف کرتے

[1] سنن النسائی کتاب الاشربة ذکر الاختلاف علی ابراهیم فی النبیذ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۵

[2] نصب الرایة بحواله البیهقی کتاب الاشربة المکتبة الاسلامیه ۴/ ۳۰۶

ثم ننقع فیه الزبیب ثلثاثم نصفیه ثم ندعه حتی یبلغ فنشربه قال یکره[1] اھ فزعم ان فی ھٰذین خلاف ماثبت عن ابراھیم من تحلیل القلیل۔ **اقول:** ولامتمسك له فی شیئ منهما فان معنی الاول علی مانری والله تعالٰی اعلم ان من استخفه الشیطان فی شراب فلم یصبر علٰی قلیله حتی اکثر فاسکر لا ینبغی له ان یعود فیه کیلا یستجره العدو اخری، فیکون معناہ علی وزان قول النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لایلدغ المؤمن من جحر مرتین[2] او یکون المعنی لایعود الی ما اسکر فقد علمه بالتجربة وذٰلك ان من ظن فی شراب انه لایسکر منه ثلث کؤس مثلا فشرب فسکر لم یحل له	ہیں پھر تین دنوں تک اس میں کشمش بھگو دیتے ہیں پھر اس کو صاف کرکے رکھ چھوڑے ہیں یہاں تک کہ وہ تیزی کی حد تک پہنچ جاتا ہے پھر اس کو پی لیتے ہیں توابراہیم نے کہایہ مکروہ ہے الخ ابوعبدالرحمٰن نے گمان کیاان دونوں میں اس کے خلاف ہے جو قلیل مقدارکے حلال ہونے سے متعلق ابراہیم سے ثابت ہے۔ **اقول:** (میں کہتاہوں)ان دونوں روایتوں میں ابوعبدالرحمٰن کے لئے ستدلال کی کوئی گنجائش نہیں،اس لئے کہ پہلی کامعنی جیساکہ ہم سمجھے ہیں اور الله تعالٰی خوب جانتاہے یہ ہے کہ بیشک جس کی نظرمیں شیطان نے شراب کوہلکاکردیااس نے قلیل پر صبر نہیں کیایہاں تک کہ زیادہ پی کرمست ہوگیا تو اس کو دوارہ شراب کی طرف نہیں لوٹناچاہئے تاکہ دشمن پھراس کونہ کھینچ لے۔چنانچہ اس کا معنی رسول الله صلی الله تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرح ہوگیاکہ مومن ایک سوراخ سے دومرتبہ نہیں ڈساجاتا، یا اس کامعنی یہ ہے کہ جس شراب کانشہ آورہونا اس کو تجرہ معلوم ہوگیااس کی طرف عودنہ کرے۔اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کاگمان تھا اس شراب کے تین گلاس مجھے نشہ نہیں دیں گے اس نے تین گلاس پی لئے تواس کونشہ آگیااب ہمیشہ کے لئے اس کو

[1] سنن النسائی کتاب الاشربة ذکر الاختلاف علی ابراھیم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۵

[2] کنزالعمال عن ابی ھریرہ حدیث ۸۳۰ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱/ ۱۶۶

العود الی الثالثة ابدا، واما الاثر الآخر فانما الکراھة فیه لاجل دُردی الخمر والطلاء بالاشتراك یطلق علی معان بینها العلّامة الشرنبلالی فی غنیة ذوی الاحکام، منها العصیر العنبی الذی ذھب اقل من ثلثیه، وھو الباذق والذی ذھب نصفه وھو المصنف والذی ذھب ثلثاہ وھو المثلث والذی ذھب ثلثه وھو الباذق قال ویسمّی بالطلاء کل ماطبخ من عصیر العنب مطلقًا[1] والکل غیر المثلث حرام کثیرہ وقلیله نجس نجاسة غلیظة کالخمر عندنا وعند الجمھور خلافا للامام الشافعی و الاوزاعی وبعض الظاھریة والمعتزلة واللہ تعالٰی اعلم۔

تیسرے گلاس کی طرف عود حلال نہیں رہا۔ رہی دوسری اثر تو اس میں خمر وطلاء کے تلچھٹ کی وجہ سے جو حرمت ہے اور وہ بطور اشتراک کئی معنوں پر بولی جاتی ہے جنہیں علامہ شرنبلالی نے غنیہ ذوی الاحکام میں بیان فرمایا ہے ان میں انگور کے جس شیرہ کا دو تہائی سے کم جل کر خشک ہوجائے اس کو باذق، جس کا نصف خشک ہوجائے اس کو منصف اور جس کا دو تہائی خشک ہوجائے اس کو مثلث اور جس کا ایک تہائی خشک ہوجائے اس کو باذق کہا جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ انگور کے جس شیرہ کو پکایا جائے اس کو مطلقًا طلاء کہتے ہیں الخ مثلث کے سوا تمام خمر کی طرح حرام اور ان کا قلیل وکثیر نجاست غلیظہ کے ساتھ نجس ہے۔ ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک۔ بخلاف امام شافعی اوزاعی، بعض ظاہریہ اور معتزلہ کے۔ اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔

الخامس: قال النسائی حدثنا عبیداللہ بن سعید عن ابی اسامة قال سمعت ابن المبارك یقول ما وجدت الرخصة فی المسکر عن احد صحیحا الاعن ابراھیم[2]۔ **اقول:** رحم اللہ الامام الجلیل و

پانچویں بحث: امام نسائی نے کہا ہمیں عبیداللہ بن سعید نے ابو اسامہ سے حدیث بیان کی کہ میں نے ابن مبارک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے نشہ آور نبیذ کے بارے میں سوائے ابراہیم کے کسی سے رخصت صحیح نہیں پائی۔

اقول: (میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی امام جلیل پر

[1] غنیة ذوی الاحکام حاشیة الدرر الحکام کتاب الاشربة میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷

[2] سنن النسائی کتاب الاشربة ذکر الاختلاف علی ابراھیم فی النبیذ نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۳۳۵

نفعنا ببرکاته فی الدنیا والاٰخرة بلی قد صح عن امیر المومنین عمر وقدم حدیث مالك عن داؤد بن الحصین من رجال الستة قال الحافظ ثقة الا فی عکرمة [1] عن واقد بن عمرو ثقة من رجال خ عن محمود بن لبید صحابی صغیر وفیه قول عبادة، احللتها [2] واللّٰه وفیه ادعی الزرقانی ان کان عمر اجتهد فی تلك المرة ثم رجع عنه [3] کما تقدم حدیث ابی حنیفة عن ابی اسحٰق السبیعی ثقة من رجال الستة و لم یکن ابو حنیفة لیذهب الیه بعد ما اختلط فیاخذ عنه کما نص علیه المحقق حیث اطلق وذکرناہ فی منیرالعین عن عمرو بن میمون مخضرمه مشهور ثقة عابد نزل الکوفة من رجال الستة وبه وبما تقدم من روایة ابن ابی شیبة عن ابی الاحوص عن ابی اسحٰق عن عمرو بن میمون ابو الاحوص	رحم فرمائے اور ہمیں دنیاوآخرت میں ان کی برکات سے نفع پہنچائے۔ کیوں نہیں، تحقیق امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی صحت ثابت ہے،اور حدیث مالک بروایت داؤد بن حصین گزرچکی جو کہ صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں۔حافظ نے کہاوہ ثقہ ہے مگراس روایت میں جو عکرمہ نے واقد بن عمرو سے کی کہ وہ ثقہ اور "خ"کے رجال میں سے ہیں، محمود بن لبید صحابی صغیر سے روایت ہے اور اس میں حضرت عبادہ کا یہ قول مذکور ہے کیاآپ نے بخدااس کوحلال کردیا؟ اس میں زرقانی نے دعوی کیاکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس موقع پراجتہاد کیاپھراس سے رجوع کرلیاجیساکہ پہلے گزرا،حدیث ابی حنیفہ بروایت ابو اسحٰق سبیعی وہ ثقہ اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے،اس کے اختلاط کے بعد امام ابو حنیفہ اس کے پاس جاکر حدیث اخذ نہ کرتے جیساکہ اس پر محقق علی الاطلاق نے نص فرمائی اور ہم نے اس کو منیر العین میں عمرو بن میمون مخضرم سے ذکر کیا ہے وہ مشہور ثقہ عابد ہے جو کہ کوفہ میں ٹھہرے صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں۔اس روایت سے اورما قبل میں مذکور حدیث ابن ابی شیبہ سے جوانہوں نے اپنی سند کے ساتھ ابوالاحوص سلام بن سلیم ثقہ از رجال صحاح ستہ سے روایت کی ان دونوں

[1] تقریب التہذیب حرف الدال ترجمہ داؤد بن الحصین ۱۷۸۵ دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۲۷۸

[2] مؤطا امام مالك کتاب الاشربة باب ماجاء فی تحریم الخمر میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۶۹۵

[3] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك کتاب الاشربة جامع تحریم الخمر حدیث ۱۶۴۵ دار المعرفة بیروت ۴ /۱۷۴

هو سلام بن سليم ثقة المصيصى من رجال الستة تأيد الحديثان المار ان للطحاوى عن عمرو،و احدهما،حدثنا ابوبكرة ثنا ابوداؤد ثنا زهيربن معٰوية عن ابى اسحق عن عمروبن ميمون [1]،والاخر، حدثنا روح بن الفرج ثنا عمروبن خالد نازهيرنا ابواسحٰق عن عمروبن ميمون [2] رجالهما جميعا ثقات الجلاء ابوبكرة هوبكاربن قتيبة و ابوداؤد هو الطيالسى ثقة حافظ من رجال مسلم والاربعة اهل الستة فقد كنى عنه خ فى تفسير المدثر حيث قال فى سند حديث مرفوع حدثنى محمد بن بشار نا عبدالرحمٰن بن مهدى وغيره قالا حدثنا حرب بن شداد [3] الخ غيره هو ابوداؤد كما بينه ابونعيم فى مستخرجه وزهير قة ثبت من رجال الستة وروح بن الفرج شيخ الطحاوى هو القطان المصرى ثقة

گزشتہ حدیثوں کی تائید ہو گئی جوانہوں نے عمرو سے روایت کی ہیں،ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہمیں ابوبکرہ نے،ان کو ابوداؤد نے،ان کو زہیر بن معاویہ نے ابواسحٰق سے حدیث بیان کی اور ابواسحٰق نے عمرو بن میمون سے روایت کی۔ **دوسری حدیث** یہ ہے کہ ہمیں روح بن الفرج نے،ان کو عمرو بن خالد نے،ان کو زہیر نے ابواسحٰق سے حدیث بیان کی اور انہوں نے عمرو بن میمون سے روایت کی۔ان دونوں حدیثوں کے تمام رجال جلیل القدر، ثقہ ہیں۔ابوبکرہ وہ بکار بن قتیبہ ہے۔ابوداؤد طیالسی ثقہ،حافظ،مسلم و سنن اربعہ کے رجال میں سے ہیں اور اصحاب صحاح ستہ میں سے ہیں۔خ نے سورۃ المدثر کی میں ان سے بطور کنایہ روایت کی ہے جہاں اس نے سند مرفوع میں کہاکہ مجھے حدیث بیان کی محمد بن بشار نے،اس نے کہاہمیں حدیث بیان کی عبدالرحمٰن بن مہدی اور اس نے غیر نے،انہوں نے کہاہمیں حدیث بیان کی حرب بن شداد نے الخ اس کے غیر سے مراد ابوداؤد ہیں جیسا کہ ابونعیم نے اپنی مستخرج میں بیان کیا۔زہیر ثقہ،ثبت اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔روح بن الفرج امام طحاوی کے شیخ ہیں وہ قطان مصری ثقہ

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵۹
[2] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵۹
[3] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ المدثر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۳۲

وثقه فی تهذیب التهذیب[1] وعمرو بن خالد شیخ روح وتلمیذ زهیر هوالحرانی الخزاعی ثقة من رجال البخاری، فبموافقة الامام ومتابعة سلام زال ماکان یخشی من سماع زهیر عن ابن اسحٰق اخیرا۔و حدیث ابی حنیفة عن حماد عن ابراهیم ان عمر اُتی[2] باعرابی، صحیح علی اصولنا فان الجمهور علٰی قبول المراسیل ولاسیما مراسیل ابراهیم فقد قال الامام احمد مرسلات سعید بن المسیب اصح المرسلات و مرسلات ابراهیم النخعی لابأس بها ذکره فی التدریب[3] وقد اخرج ابن عدی عن یحیٰی بن معین قال مراسیل ابراهیم صحیحة الاحادیث تاجر البحرین وحدیث القهقهة[4]، قال فی نصب الرایة اما حدیث القهقهة فقد عرف واما حدیث تاجر البحرین فرواه ابن ابی شیبة فی مصنفه ثنا وکیع ثنا الاعمش عن ابراهیم

ہیں تہذیب التہذیب میں ان کی توثیق کی گئی ہے۔عمروبن خالد روح کے شیخ اورزہیر کے شاگرد ہیں وہ حرانی خزاعی، ثقہ اور بخاری کے رجال میں سے ہیں لہٰذا امام کی موافقت اور سلام کی متابعت کے سبب سے اس خدشہ کاازالہ ہوگیا جوابو اسحٰق سے زہیر کے سماع سے متعلق کیاجارہاتھا الخ۔

حدیث ابوحنیفہ جوانہوں نے حماد سے اورحماد نے ابراہیم سے روایت کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس ایک اعرابی کولایاگیا ہمارے اصول کے مطابق صحیح ہے اس لئے کہ جمہور کاموقف یہ ہے کہ مراسیل خصوصًا ابراہیم کی مراسیل مقبول ہیں۔امام احمد نے فرمایا سعید بن مسیب کی مراسیل صحیح ترین مراسیل ہین اورابراہیم نخعی کی مراسیل میں کوئی حرج نہیں۔یہ تدریب میں مذکور ہے۔ابن عدی نے یحیٰی بن معین سے تخریج کی کہ ابراہیم کی مراسیل صحیح ہیں سوائے تاجرالبحرین اور قہقہہ کی حدیث کے۔نصب الرایہ میں کہا حدیث قہقہہ تومعروف ہے۔۔رہی حدیث تاجرالبحرین تو اس کوابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں یوں روایت کیاہے کہ ہمیں وکیع نے اوران کواعمش نے ابراہیم سے حدیث بیان کی،

---

[1] تهذیب التهذیب ترجمه روح بن الفرج ۵۵۴ دائرة المعارف النظامیه حیدرآباد دکن ۲ /۲۹۷

[2] جامع المسانید الباب الثلاثون فی الحدود المکتبة الاسلامیه سمندری ۲ /۱۱۲

[3] تدریب الراوی النوع التاسع المرسل وبیان اطلاقه الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۶۸

[4] نصب الرایه کتاب الطهارت فصل فی نواقض الوضوء المکتبة الاسلامیه ۱ /۵۲

قال جاء رجل فقال یارسول الله انی رجل تاجر اختلف الی البحرین فامرہ ان یصلی رکعتین یعنی القصر [1] اھ وکذا **حدیث** کتاب عمر المروی فی المسند بالسند۔**وحدیث** الطحاوی حدثنا فھد ثنا عمر بن حفص ثنا ابی ثنا الاعمش ثنی ابراھیم عن ھمام بن الحارث عن عمر انہ کان فی سفر [2] الحدیث عمر بن حفص ثقۃ من رجال الشیخین وابوہ حفص بن غیاث ثقۃ [3] من رجال الستۃ وابراھیم ھوالنخعی و ھمام النخعی ثقۃ من رجال الستۃ **وحدیثہ** حدثنا فھدثنا عمر بن حفص ثنا ابی عن الاعمش ثنی حبیب بن ابی ثابت عن نافع عن ابن عمر قال امر بنبیذ لہ [4]. الحدیث، رجالہ کلھم ثقات	ابراہیم نے کہا کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں ایک تاجر شخص ہوں بار بار بحرین جاتا رہتا ہوں، توآپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ دو رکعتیں یعنی نماز قصر پڑھا کرے اھ یونہی حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے خط والی حدیث جو کہ مسند میں سند کے ساتھ مروی ہے۔اور امام طحاوی کی حدیث کہ ہمیں فہد نے،اس کو عمر بن حفص نے،اس کو اس کے باپ نے،اس کو اعمش نے،اس کو ابراہیم نے ہمام بن حارث سے حدیث بیان کی،ہمام نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ وہ سفر میں تھے (الحدیث)۔عمر بن حفص ثقہ اور شیخین کے رجال میں سے ہیں اور ان کا باپ حفص بن غیاث ثقہ اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ابراہیم وہ نخعی ہیں۔ہمام نخعی فقہ اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں۔اوراس کی حدیث یہ ہے کہ ہمیں فہد نے اوران کی عمر بن حفص نے،ان کو ان کے باپ نے اعمش سے حدیث بیان کی،کہا مجھے حبیب بن ابی ثابت نے نافع سے اورانہوں نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ آپ نے اپنے لئے نبیذ کا حکم دیا (الحدیث)۔اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

[1] نصب الرایۃ کتاب الطہارات فصل فی نواقض الوضوء المکتبۃ الاسلامیہ ۱/ ۵۲

[2] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵۹

[3] تقریب التہذیب ترجمہ عمر بن حفص ۴۸۹۲ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۷۱۴

[4] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵۹

حبیب ثقة امام جلیل من رجال الستة وقد سمع ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم قالہ البخاری[1] قلت وھو من اقران نافع لیس بین موتھما الا سنة اوسنتان فلودلس لامکنہ ان یقول عن ابن عمرلکن اوضح وبین فرحمہ اللہ تعالٰی، وحدیثہ حدثنا ابن ابی داؤد ثنا ابوصالح ثنی اللیث ثنا عقیل عن ابن شھاب اخبرنی معاذ بن عبدالرحمٰن بن عثمٰن اللیثی عـــہ ان اباہ عبدالرحمٰن بن عثمان قال صحبت عمر[2] الحدیث۔ ابن ابی داؤد ھو ابراھیم ثقة صح لہ الطحاوی فی رفع الیدین، وعبد الرحمٰن بن عثمان صحابی، والبقیة کلھم ثقات،	حبیب ثقہ، امام جلیل اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ اس نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اور ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے حدیث سنی ہے یہ امام بخاری نے کہا ہے۔ **قلت** (میں کہتا ہوں) وہ نافع کا ہمعصر ہے ان دونوں کی موت کے درمیان ایک یا دو سال کا فرق ہے، اگر وہ تدلیس کرتا تو اس کے لئے ممکن تھا کہ وہ یوں کہتا عن ابن عمر، لیکن اس نے تدلیس نہیں کی، بلکہ وضاحت فرمائی، اللہ تعالٰی اس پر رحم فرمائے۔ امام طحاوی کی حدیث ہے کہ ہمیں ابوداؤد نے، انہیں ابوصالح نے، اس کو لیث نے، اس کو عقیل نے ابن شہاب سے حدیث بیان کی ابن شہاب نے کہا کہ مجھے معاذ بن عبدالرحمٰن بن عثمان لیثی نے خبر دی کہ اس کے باپ عبد الرحمٰن بن عثمان نے کہا میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صحبت پائی (الحدیث)۔ ابن ابی داؤد وہ ابراہیم ہے جو کہ ثقہ ہے۔ امام طحاوی نے رفع یدین کے بارے میں اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا۔ عبدالرحمٰن بن عثمان صحابی ہیں۔ اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں،

عـــہ: وقع فی نسخة طبع اللیثی وانما ھوالتیمی کما فی الاصابة والتقریب ۱۲منہ

عـــہ: مطبوعہ نسخہ میں اللیثی ہے جبکہ یہ تیمی ہے جیسا کہ اصابہ اور تقریب میں ہے ۱۲منہ (ت)

[1] میزان الاعتدال بحوالہ البخاری ترجمہ حبیب ابن ابی ثابت ۱۶۹۰ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۴۵۱

[2] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵۹

مشھورون من رجال البخاری فان الصحیح انہ خرج فی الصحیح لعبداللہ بن صالح ابی صالح کاتب اللیث قالہ المنذری فی الترغیب والذھبی فی المیزان[1]۔ **وحدیث النسائی** اخبرنا زکریا بن یحیٰی ثنا عبدالاعلٰی ثنا سفیٰن عن یحیٰی بن سعید سمع سعید بن المسیّب یقول تلقت ثقیف[2] الخ زکریا ثقۃ حافظ والبقیۃ ثقات مشاھیر من رجال الستۃ۔ **وحدیثہ** اخبرنا محمدبن عبدالاعلٰی ثنا المعتمر سمعت منصورا عن ابراھیم عن نباتہ عن سوید بن غفلۃ[3] الخ محمد ثقۃ[4]، نباتہ مقبول[5] والبقیۃ کلھم ثقات مشھوررون من رجال الستۃ وبالطریق رواہ عبدالرزاق عن	اور بخاری کے رجال میں سے مشہور ہیں کیونکہ صحیح یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن ابوصالح کاتب اللیث کے لئے اس کی تخریج کی، یہ بات منذری نے ترغیب میں اور ذہبی نے میزان میں کہی۔ اور نسائی کی حدیث ہے کہ ہمیں زکریا بن یحیٰی نے خبر دی اس نے کہا ہمیں عبدالاعلٰی نے، اس نے کہا ہمیں سفیان نے یحیٰی بن سعید سے حدیث بیان کی اس نے سعید بن مسیّب کو کہتے ہوئے سنا کہ بنی ثقیف کے لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ایک شراب پیش کی الخ۔ زکریا ثقہ اور حافظ ہے، اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں اور صحاح ستہ کے رجال میں سے مشہور ہیں۔ امام نسائی کی حدیث ہے کہ ہمیں محمد بن عبدالاعلٰی نے خبر دی اس نے کہا ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی کہ میں نے منصور کو ابراہیم سے روایت کرتے ہوئے سنا، اس نے نباتہ سے اور اس نے سوید بن غفلہ سے الخ۔ محمد ثقہ ہے، نباتہ مقبول ہے اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں اور صحاح ستہ کے رجال سے مشہور ہیں اور اسی طریق سے اس کو عبدالرزاق

[1] میزان الاعتدال ترجمہ عبداللہ بن صالح ۴۳۸۳ دارالمعرفۃ بیروت ۲ /۴۴۰

[2] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر الاخبار التی اعتل بھا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۳

[3] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر مایجوز شربۃ من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۴

[4] تقریب التھذیب ترجمہ محمد بن عبدالاعلٰی ۶۰۸۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲ /۱۰۲

[5] تقریب التھذیب ترجمہ نباتہ کوفی ۷۱۱۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲ /۲۴۰

منصور۔ **وحدیثه** اخبرنا سوید اخبرنا عبدالله عن هشام عن ابن سیرین ان عبدالله بن یزید الخطمی قال[1] الخ هم کما تری کلهم ائمة اجلاء ثقات اثبات مشهورون من رجال الستة غیر سوید بن نصر فمن رجال الترمذی والنسائی ثقة معروف راوی الامام الجلیل عبدالله بن مبارك وهو المراد بعبدالله، وهشام هو الدستوائی وعبدالله بن یزید صحابی وقدمنا ان الحافظ صححه فی الفتح۔ **وحدیثه** اخبرنا محمد بن المثنی ثنا ابن ابی عدی عن داؤد سالت سعید[2] الخ ابن ابی عدی محمد بن ابراهیم وداؤد هو ابن ابی هند وسعید هو ابن المسیّب والسند کله ثقات من رجال الستة الا داؤد فمن عدا البخاری، فهٰذه اکثر من عشرة احادیث صحاح عن امیر المومنین رضی الله تعالٰی عنه	نے منصور سے روایت کیا۔ امام نسائی کی حدیث ہے ہمیں سوید نے خبر دی اس نے کہا ہمیں عبداللہ نے ہشام سے اور اس نے ابن سیرین سے ہمیں خبر دی کہ عبداللہ بن یزید خطمی نے کہا الخ وہ تمام راوی جیسا کہ تو دیکھتا ہے جلیل القدر ائمہ، ثقہ، ثبت اور صحاح ستہ کے رجال میں سے مشہور ہیں سوائے سوید بن نصر کے وہ ترمذی اور نسائی کے رجال میں سے ہے ثقہ ہے معروف ہے۔ راوی امام جلیل عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہیں اور عبداللہ سے وہی مراد ہے۔ ہشام وہ دستوائی ہے۔ عبداللہ ابن یزید صحابی ہیں۔ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ حافظ نے فتح میں اس کی تصحیح کی۔ امام نسائی کی حدیث ہے کہ ہمیں محمد بن مثنی اس نے کہا کہ ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی داؤد سے اس نے کہا میں نے سعید سے پوچھا الخ۔ ابن ابی عدی محمد بن ابراہیم ہے۔ داؤد وہ ابن ابی ہند ہیں۔ سعید وہ ابن مسیب ہیں۔ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں سوائے داؤد کے کہ وہ بخاری کے علاوہ باقیوں کے رجال میں سے ہیں۔ یہ دس سے زائد صحیح حدیثیں ہیں جو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہیں،

[1] سنن النسائی کتاب الاشربة ذکر مایجوز شربة من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۴

[2] سنن النسائی کتاب الاشربة ذکر مایجوز شربة من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۴

وکذا صح عن ابن مسعود وعن ابنه عامر ابی عبیدة وعن علقمة وعن حماد فان ابا حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن علقمة عن عبدالله ان لم یفق مالکا عن نافع عن ابن عمر فلاینزل عنه ولاعن شیئ مماقیل اصح الاسانید عندنا و عند کل من نورالله بصیرته بنورالانصاف،وعن ابن عباس کما علمت مر تصحیحه عن ابن حزم وکذا عن عتبة بن فرقد السلمی وکذٰلك صحت الاٰثار وحسنت فی الطلاء مثلثا اومنصفا وغیره عن انس بن مالك حدیثه الاول عن الولید بن سریع الکوفی صدوق [1]۔**والثانی** عندالنسائی قال اخبرنا اسحٰق بن ابراهیم ثنا وکیع ثنا سعد بن اوس عن انس بن سیرین [2] رجاله کلهم ثقات	اوراسی طرح ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ان کے بیٹے عامر ابوعبیدہ، علقمہ اور حماد سے صحیح حدیث منقول ہے۔ بیشک یہ سند ابوحنیفہ نے حماد سے، اس نے ابراہیم سے، اس نے علقمہ سے اور اس نے عبداللہ سے روایت کی اگر نہیں فوقیت رکھتی اس سند پر جو مالک نے نافع سے اوراس نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی تو اس سے کمتر بھی نہیں ہے، اورنہ اس شیئ سے جس کے بارے میں کہا گیا کہ یہ تمام سندوں سے صحیح ترین ہے۔ ہمارے نزدیک اور ہر شخص کے نزدیک جسے اللہ تعالٰی نے نورانصاف کے ساتھ نورانی بصیرت عطا فرمائی، اورابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے جیسا کہ تو جان چکا ابن حزم سے اس کی تصحیح گزرچکی ہے۔ اور یونہی عتبہ بن فرقد سلمی سے، اسی طرح صحیح اور حسن آثار اس طلاء کے بارے میں وارد ہیں جو مثلث ہو (یعنی جس کا دو ثلث خشک ہوگیا) یا منصف ہو جس کا نصف خشک ہوگیا یا اس کے علاوہ۔ حضرت انس بن مالک سے ان کی پہلی حدیث ولید ابن سریع کوفی سے مروی ہے جو صدوق ہے۔ اوردوسری نسائی سے، انہوں نے کہا کہ ہمیں اسحٰق بن ابراہیم نے خبر دی اس نے کہا ہمیں وکیع نے اس نے کہا ہمیں سعد بن اوس نے انس بن سیرین سے

[1] تقریب التہذیب ترجمہ الولید بن سریع ۷۴۵۱ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲ /۲۸۵

[2] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر مایجوز شربۃ من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۴

مشھورون من رجال الستة الاسعدا وسعد، ان کان ھو العبسی الکوفی کما یظن من روایة وکیع فثقة وثقه العجلی ویحیٰی وابوحاتم وذکرہ ابناحبان و شاھین فی الثقات قال الحافظ لم یصب الأزدی فی تضعیفه [1] وان کان ھو العدوی البصری کما یفھم من تھذیب التھذیب [2] فصدوق لاینزل حدیثه عن درجة الحسن و ثقة ابن حبان وغیرہ، **والثالث** عند ابن ابی شیبة عن وکیع بعین ھذا السند وعن ابن سیرین عند النسائی اخبرنا سوید **اخبرنا** عبدالله عن ھارون بن ابراھیم عن ابن سیرین قال بعه [3] الخ ھذا کما تری سند صحیح ھارون ثقة [4]۔وعن علی امیر المؤمنین کرم الله تعالٰی وجھه حدیثه عند النسائی	حدیث بیان کی، اس کے تمام رجال ثقہ اور صحاح ستہ کے رجال میں سے مشہور ہیں سوائے سعد کے اور سعد اگر عبسی کوفی ہے جیسا کہ وکیع کی روایت سے گمان کیاجاتاہے تو وہ ثقہ ہے۔ اس کو عجلی، یحیٰی اور ابوحاتم نے ثقہ قرار دیا ہے، اس کا بن حبان اور شاہین نے ثقہ راویوں میں ذکر کیاہے۔حافظ نے کہا کہ اس کو ضعیف قرار دینے میں ازدی نے درست نہیں کیا، اور اگر وہ عدوی بصری ہے جیساکہ تہذیب التہذیب میں سمجھاجاتاہے تو وہ صدوق ہے اس کی حدیث درجہ حسن سے ساقط نہیں ہوتی۔ابن حبان وغیرہ نے اس کو ثقہ قرار دیا۔اور تیسری حدیث ابن ابی شیبہ کے نزدیک وکیع سے بعینہٖ اسی سند کے ساتھ ہے اور ابن سیرین سے امام نسائی کے نزدیک یوں ہے کہ ہمیں خبر دی سُوَید نے اس نے کہا ہمیں خبر دی عبدالله نے ہارون بن ابراہیم سے اور اس نے ابن سیرین سے انہوں نے کہا اس کو بیچ دوالخ یہ جیساکہ تودیکھتا ہے صحیح سند ہے، ہارون ثقہ ہے۔اورامیر المومنین حضرت علی کرم الله تعالٰی وجہہ سے ان کی حدیث امام نسائی کے نزدیک یوں ہے کہ ہمیں

[1] تقریب التھذیب ترجمہ سعدبن اوس ۲۲۳۹ دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۳۴۳
[2] تھذیب التھذیب ترجمہ سعدبن اوس ۸۷۱ دائرۃالمعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۳/ ۴۶۷
[3] سنن النسائی کتاب الاشربة الکراھة فی بیع العصیر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۴
[4] تقریب التھذیب ترجمہ ھارون بن ابراہیم ۷۲۴۶ دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۲۵۷

اخبرنا سوید اخبرنا عبداللہ عن جریر عن مغیرۃ عن الشعبی قال کان علی یرزق [1] الخ رجالہ کلھم ثقات وکلھم ماخلا سویدا من رجال الستۃ جریر، ھو ابن عبدالحمید صاحب منصور و مغیرۃ ھو ابن مقسم کوفیان بنیان، وشاھدہ ابن ابی شیبۃ بسند جید اما حدیث ضربہ الحد من سکر من اداوتہ فطریق الدارقطنی فیہ حسن، شریك من قد علمت و فراس من رجال الستۃ وثقہ احمد ویحیٰی والنسائی قال القطان ما انکرت من حدیثہ الاحدیث الاستبراء [2] وبہ یعتضد طریق ابی بکر، فیہ مجالد تکلم فیہ الناس وقال الحافظ لیس بالقوی وقد خرج لہ مسلم والاربعۃ۔ وعن ابی الدرداء وعن امہ حدیثہ عندالنسائی اخبرنا زکریا بن یحیٰی	خبر دی سوید نے اس نے کہا ہمیں خبر دی عبداللہ نے جلیل سے اس نے مغیرہ سے اس نے شعبی سے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ لوگوں کو شراب دیتے تھے الخ۔ اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ سوید کے سوا تمام صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں جریر وہ ابن عبدالحمید ہے جو کہ منصور کا صاحب ہے۔ مغیرہ وہ ابن مقسم ہیں، جریر و مغیرہ دونوں کوفی ہیں، اور اس حدیث کے شاہد ابن ابی شیبہ نے جید سند کے ساتھ ذکر کیا، لیکن وہ حدیث کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس شخص کو حد لگائی جس نے آپ کے مشکیزے سے نبیذ پی اور اس کو نشہ ہو گیا، وہ بطریق دارقطنی حسن ہے، شریک جس کے بارے میں تُو جان چکا ہے اور فراس صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ اس کو امام احمد، یحیٰی اور نسائی نے ثقہ قرار دیا۔ قطان نے کہا میں نے اس کی حدیث کا انکار نہیں کیا سوائے حدیث استبراء کے۔ اور طریق ابوبکر کو اسی سے قوت ملی۔ اس میں مجالد ہے جس میں لوگوں نے کلام کیا۔ حافظ نے کہا وہ قوی نہیں ہے اس کے لئے امام مسلم نے اور اصحاب سنن اربعہ نے تخریج کی۔ ابوالدرداء اور امّ درداء سے اس کی حدیث مروی ہے امام نسائی کے نزدیک حدیث اس طرح ہے کہ ہمیں زکریا بن یحیٰی نے خبر دی

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر مایجوز شربہ من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۴

[2] میزان الاعتدال ترجمہ فراس بن یحیٰی ۶۶۹۵ دارالمعرفۃ بیروت ۳ /۳۴۳

ثنا عبدالاعلٰی ثنا حماد بن سلمة عن داؤد عن سعید بن المسیّب [1] ھذا سند صحیح نظیف، زکریا ھو خیاط السنة سکن دمشق [2]، و عبدالاعلٰی ھو ابن مسھر ابومسھر الدمشقی، وحماد من لایجھل، و داؤد ھو ابن ابی ھند کلھم ثقات جلة مشاھیر و حدیثھما عندابی بکر والسند کما رأیت من اجل الاسانید میمون بن مھران ثقة فقیه [3] وعن ابی موسٰی الاشعری رواہ النسائی بطریق سوید عن عبدالله عن ھُشَیم اخبرنا اسمٰعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم عن ابی موسٰی [4] ھٰؤلاء کلھم من اکابر الائمة الثقات الاثبات کما لایخفی وعن سعید بن المسیّب بالطریق عـــه عن سفیٰن عن یعلٰی بن عطاء یعلی ثقة [5] من رجال مسلم و	اس نے کہا ہمیں عبدالاعلٰی نے اس کو حماد بن سلمہ نے داؤد سے حدیث بیان کی اور اس نے سعید بن مسیب سے روایت کی۔ یہ سند صحیح اور ستھری ہے زکریا وہ خیاط السنۃ ہے جو دمشق میں سکونت پذیر ہوا۔ عبدالاعلٰی وہ ابن مسہر ابومسہر دمشقی ہے۔ حماد یہ مجہول نہیں ہے۔ داؤد وہ ابن ابی ہند ہے۔ وہ تمام ثقہ، برگزیدہ اور مشہور ہیں۔ ابوبکر کے نزدیک ان کی حدیث اور سند جیساکہ تو نے دیکھا مضبوط ترین سند ہے۔ میمون بن مہران ثقہ اور فقیہ ہے۔ اور ابوموسٰی اشعری سے مروی ہے اس کو نسائی نے بطریق سوید عبداللہ سے اور اس نے ہشیم سے روایت کیا۔ ہشیم نے کہا ہمیں اسمٰعیل بن ابی خالد نے قیس بن ابی حازم سے اور اس نے ابوموسٰی اشعری سے خبر دی۔ یہ تمام اکابر ائمہ میں سے ہیں ثقہ اور ثبت ہیں جیساکہ پوشیدہ نہیں۔ سعید بن مسیب سے اسی طریق سے سفیان سے مروی ہے سفیان نے یعلٰی بن عطاء سے روایت کی۔ یعلٰی ثقہ اور مسلم کے رجال میں سے ہے اس نے

عـــه: ای طریق سوید بن عبدالله ۱۲منه

[1] سنن النسائی کتاب الاشربة ذکر مایجوز شربه من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۴

[2] تقریب التھذیب ترجمه زکریا بن یحیٰی ۲۰۳۳ دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۳۱۴

[3] تقریب التھذیب ترجمه میمون بن مھران ۷۰۷۵ دار الکتب العلمیة بیروت ۲ /۲۳۷

[4] سنن النسائی کتاب الاشربة ذکر مایجوز شربه من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۴

[5] تقریب التھذیب ترجمه یعلٰی بن عطاء ۷۸۷۴ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۴۱

قال اخبرنا احمدبن خالد عن معن ثنا معویة بن صالح عن یحیٰی بن سعید[1]،احمد بغدادی ثقة، معن القزاز ویحیی المدنی کلاھما ثقة ثبت من رجال الستة،ومعویة صدوق من رجال الخمسة،و عن الحسن البصری بالطریق عن بشیر بن المھاجر مختلف فیه وثقه ابن معین وغیرہ وقال النسائی لیس به بأس واخرج له مسلم والاربعة، وقال ابو حاتم لایحتاج به[2] **قلت** وقول احمد منکر الحدیث ربما لایکون للحرج کما بیناہ فی غیرھٰذا الکتاب فاذن حدیثه فی عدادالحسن،وعن عمر بن عبد العزیز بالطریق عن عبد الملك بن طفیل الجزری مقبول[3]،وعن ابی عبیدة وعن معاذ بن جبل وقد علق عنهما البخاری جازما،وعن ابی طلحة اسند عن ثلثتھم رضی اللہ تعالٰی عنهم ابو بکر وغیرہ والسند کله من جلة ثقات رجال الستة عن خالد بن الولید۔	کہا ہمیں احمد بن خالد نے معن سے خبر دی اس نے کہا ہمیں معاویہ بن صالح نے یحیٰی بن سعید سے حدیث بیان کی،احمد بغدادی ثقہ ہے۔ معن القزاز اور یحیٰی مدنی دونوں ثقہ،ثبت اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ حسن بصری سے اسی طریق کے ساتھ بشیر بن مہاجر سے مروی ہے جس میں اختلاف کیا گیا۔ابن معین وغیرہ نے اسے ثقہ قرار دیا۔ نسائی نے کہا اس میں کوئی خرابی نہیں۔ مسلم اور اصحاب سنن اربعہ نے اس کے لئے تخریج کی۔اور ابوحاتم نے کہا کہ وہ قابل استدلال نہیں۔**قلت** (میں کہتا ہوں) امام احمد کا قول "منکر الحدیث" بسا اوقات حرج کے لئے نہیں ہوتا جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے غیر میں بیان کیا ہے،چنانچہ اس کی حدیث کا شمار حَسَن میں ہوگا۔اور عمر بن عبدالعزیز سے اسی طریق کے ساتھ عبدالملک بن طفیل جزری سے روایت ہے جو کہ مقبول ہے۔ابو عبیدہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہما سے امام بخاری نے بطور جزم تعلیق بیان کی،اور ابوطلحہ سے۔ابو بکر وغیرہ نے ان تینوں سے مسنداً حدیث بیان کی۔تمام سند کے راوی بر گزیدہ، ثقہ اور صحاح ستّہ کے رجال میں سے ہیں، اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔(ت) (رسالہ الفقہ التسجیلی ختم ہوا)

[1] سنن النسائی کتاب الاشربة ذکر مایجوز شربه من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۴

[2] میزان الاعتدال ترجمہ بشیر بن المھاجر ۱۲۴۳ دار المعرفة بیروت ۱ /۳۰-۳۲۹

[3] تقریب التھذیب ترجمہ عبدالملك بن الطفیل ۴۲۰۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱ /۶۱۶

مسئلہ ۲۶تا۲۸: از مسجد جامع مسئولہ حامد حسین خاں بن الطاف علی ۶ جمادی الآخرہ ۱۳۲۹ھ

جناب مولوی صاحب معظم ومکرم دام ظلکم ! یہ چند امور حضور سے دریافت کئے جاتے ہیں :

(۱) اول یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پیشتر اور جو نبی گزرے ہیں ان کے وقت میں شراب حلال تھی یا حرام؟

(۲) دوسرے یہ کہ ایک شخص نے بیان کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، نے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت میں شراب پی اور حالت نشہ میں نماز میں سورۃ غلط پڑھی؟

(۳) اور تیسرے یہ بیان کیا کہ حضرت امیر حمزہ صاحب نے حالت نشہ میں ایک اونٹنی بلاذبیحہ کا دل اور جگر کھایا۔

الجواب:

(۱) اگلی شریعتوں میں بلکہ خود شریعت اسلام کی ابتداء میں شراب کی تحریم نہ تھی ہاں نشہ ہمیشہ ہر شریعت میں حرام رہا ہے۔

(۲و۳) امیر المومنین سیدنا مولانا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کی نسبت امر مذکور کا بیان کرنے والا اگر اس شان اقدس مرتضوی پر طعن چاہتا ہے تو خارجی ناصبی مردود جہنّمی ہے ورنہ بلاضرورت شرعیہ عوام کو پریشان کرنے والا سفیہ، احمق، بد عقل، بے ادب ہے۔ یہی حال سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت کا ہے بلکہ اس میں قائل نے جھوٹ ملایا ہے اسے توبہ لازم ہے **لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹ :

کیافرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اطاعت والدین وبرادران واجب ہے یا فرض؟ اور درصورت ارتکاب ان کے یہ گناہ کبیرہ مثلاً زنا کرنا، چوری کرنا، ڈاڑھی منڈانا یا کتروانا ترک اطاعت واجب ہے یا اب بھی اطاعت کرنا چاہئے؟ اور اگر بعد ارتکاب کے لڑکا اپنے باپ سے یا چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے کہے کہ ڈاڑھی منڈانا یا زنا کرنا یا چوری کرنا چھوڑ دو، اور اس کے جواب میں وہ کہے کہ یہ تو ضرور کروں گا۔ اس حالت میں اطاعت کرے یا نہیں؟ اور اگر وہ شخص توبہ سے انکار کرے تو کافر ہوا یا نہیں؟

الجواب:

اطاعت والدین جائز باتوں میں فرض ہے اگرچہ وہ خود مرتکب کبیرہ ہوں ان کے کبیرہ کا وبال ان پر ہے مگر اس کے سبب یہ اُمورِ جائزہ میں ان کی اطاعت سے باہر نہیں ہو سکتا، ہاں اگر وہ کسی ناجائز بات

کاحکم کریں تو اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں،**لاطاعة لاحد فی معصیة الله تعالٰی**[1] (اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی بھی شخص کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ت) ماں باپ اگرگناہ کرتے ہوں ان سے بہ نرمی وادب گزارش کرے اگرمان لیں بہتر ورنہ سختی نہیں کرسکتا بلکہ ان کے لئے دعا کرے،اوران کا یہ جاہلانہ جواب دینا کہ یہ توضرور کروں گا یا توبہ سے انکار کرنا دوسرا سخت کبیرہ ہے مگرمطلقاً کفرنہیں جب تک کہ حرام قطعی کوحلال جاننا یاحکم شرع کی توہین کے طور پرنہ ہو،اس سے بھی جائز باتوں میں ان کی اطاعت کی جائے گی ہاں اگر معاذاللہ یہ انکار بروجہ کفر ہو تو وہ مُرتد ہوجائیں گے،اور مُرتد کے لئے مسلمان پر کوئی حق نہیں۔رہا بڑا بھائی وہ ان احکام میں ماں باپ کاہمسر نہیں،ہاں اسے بھی حق تعظیم حاصل ہےاور بلاوجہ شرعی ایذارسانی توکسی مسلمان کی حلال نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۰: بیجاپور گجرات ضلع بڑودہ شمالی کڑی پرانت مرسلہ حافظ فقیر محمد بن حافظ سلیمان میاں محلّہ بھوڑواڑہ ۱۵شعبان ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانے میں جوشراب مہوہ سے بناتے ہیں اور عرق کی طرح کھینچے جاتے ہیں اور اس کانام شراب ہےاور تمام ملک میں مستعمل ہے پس ایک حکیم صاحبِ فقہ اوراہل علم ہےان کی رائے ہے کہ تیزاب کی طرح نکالاجاتاہے اگرچہ بسبب مُسکِر کے حرام تو ہے لیکن دوامیں استعمال کرنایادواکے واسطے پیناجائز ہےاورآٹھ قسم فقہ میں جوہے اس میں سے کسی قسم میں یہ شراب نہیں ہاں سُکر کرے جب حرام ہے دوامیں پینا تھوڑاپینا کسی بیماری میں حرام نہیں اور حد اس پرنہیں۔یہ کہنا حکیم صاحب کا صحیح ہے یاغلط؟اوراس پرایک درمختار کامسئلہ افیون بھی پیش کرتے ہیں۔

الافیون حرام الالصاحب التداوی وغیرہ۔	افیون(افیم)حرام ہے سوائے اس شخص کے جو بطورعلاج استعمال کرے(ت)

کی طرح اس کو بھی سمجھنا یاخمر کے موافق یہ شراب کیسے ہےاور حکم اس کا کیاہے؟ بیّنواتوجروا اجرکم اللہ اجرًا وافیا۔

الجواب:

صحیح یہ ہے کہ مائعات مسکرہ یعنی جتنی چیزیں رقیق وسیال ہوکرنشہ لاتی ہیں خواہ وہ مہوہ سے بنائی جائیں یاگڑیاناج یالکڑی یاکسی بلاسے وہ سب شراب ہیں ان کاہر قطرہ حرام بھی اورپیشاب کی طرح نجس وناپاک بھی اوران سے نشہ میں شراب کی طرح حد بھی ہےاور صحیح یہ ہے کہ دوامیں بھی ان کااستعمال حرام ہی ہے۔بخلاف ان چیزوں کے جوبغیر سیال ہونے کے نشہ رکھتی ہیں جیسے افیون،مشک وزعفران وغیرہ

---

[1] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث حکم بن عمرو الغفاری المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۶۶و۶۷

کہ یہ ناپاک نہیں اور بقدر سکر مطلقًا حرام ہیں یونہی بقصد لہو وفساد بھی مطلقًا حرام اگرچہ بقدر سکر نہ ہو، ورنہ مقدار، قلیل بغرض صحیح مثل دواوغیرہ بے تشبّہ فاسقین حلال ہے، تو درمختار کی اس عبارت کو مہوہ کی شراب سے کوئی تعلق نہیں، درمختار میں ہے:

حرمها محمد مطلقًا قلیلها وکثیرها وبه یفتی وهو نجس ایضا ولوسکر منها المختار فی زماننا انه یحد وبه یفتی اما عند قصد التلهی فحرام اجماعا[1] اھ ملتقطا۔	امام محمد نے اس کو مطلقًا حرام قرار دیا ہے چاہے قلیل ہو یا کثیر، اور اسی پر فتوٰی ہے، اور وہ نجس بھی ہے، اگر اس سے نشہ آئے تو ہمارے زمانے میں مختار یہ ہے کہ اس پر حد جاری کی جائے گی اسی پر فتوٰی ہے اور لہو ولعب کے ارادے سے پینا بالاجماع حرام ہے اھ ملتقطا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

والحاصل انه لایلزم من حرمة الکثیر المسکر حرمة قلیله ولانجاسته مطلقًا الا فی المائعات لمعنی خاص بها واما الجامدات فلا یحرم منها الا الکثیر المسکر ولایلزم من حرمته نجاسته[2] الخ۔	خلاصہ یہ ہے کہ کثیر نشہ آور کی حرمت سے اس کے قلیل کی حرمت ونجاست لازم نہیں آتی سوائے مائعات کے اس معنی کی وجہ سے جو ان کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن جامد اشیاء میں سے صرف زیادہ مقدار جو کہ نشہ آور ہے وہی حرام ہے۔ اور اس کے حرام ہونے سے اس کا نجس ہونا لازم نہیں آتا الخ (ت)

درمختار میں ہے:

المحرم شرعا لایجوز الانتفاع به للتداوی[3]۔ واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	جو چیز شرعًا حرام ہے اس سے علاج معالجہ کے لئے نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ (ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱: ۱۴/ صفر مظفر ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، حرمت بنگ مثل حرمت شراب کے ہے

---

[1] درمختار کتاب الاشربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۰

[2] ردالمحتار کتاب الاشربۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۳

[3] درمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۰

یااس سے کم ہے؟اور پینے والا بنگ کامرتکب کبیرہ ہے یا صغیرہ؟اور مستحل اس کاکافر ہے یامبتدع یازندیق؟اگر کوئی طبیب کسی شارب خمر کو بجائے شراب کے استعمال بنگ تجویز کرے اوراس طبیب کامنشایہ ہو کہ استعمال بنگ سے پیناشراب کاچھوٹ جائے گاتویہ حلال ہوگایاحرام اوراس کامجوز گنہگار ہوگایانہیں؟اور نشہ بنگ کا اس مضمون حدیث میں کہ **کل مسکر حرام**[1] (ہر نشہ آور حرام ہے۔ت)**وایضًا مااسکر کثیرہ فقلیلہ حرام**[2] (جس کا کثیر نشہ آور ہو اس کا قلیل بھی حرام ہے۔ت)داخل ہے یانہیں؟اگر کوئی شخص اس کے رنگ سے کپڑا رنگے اوراس کپڑے سے نمازپڑھے توجائز ہوگایاناجائز؟عبارت فتاوٰی بزازیہ سے توصراحتًا اس کی نجاست معلوم ہوتی ہے جیساکہ منقول ہے:

قال محمد رحمۃ اللہ علیہ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام وھو نجس ایضا قالوا وبقول محمد ناخذ[3] **انتھی۔**	امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا جس کا کثیر نشہ دے اس کا قلیل بھی حرام ہے اور وہ نجس بھی ہے۔علماء کرام نے کہا کہ ہم امام محمد کے قول سے اخذ کرتے ہیں انتہی(ت)

الجواب:

خمر کی حرمت قطعیہ بلکہ ضروریات دین سے ہے اس کے ایک قطرہ کی حرمت کامنکر قطعًا کافر ہے باقی مسکرات میں یہ حکم نہیں۔ہاں بنگ وغیرہ کسی چیز سے نشہ کی حرمت کامنکر گمراہ ومخالف اجماع ہے شراب کی حرمت بعینہا ہے اور بنگ کی حرمت بعلت اسکار ہے نشہ بازی بنگ یاافیون کسی بلاد سے ہومطلقًا کبیرہ ہے،شراب کسی طرح کی ہو صرف حرام ہی نہیں بلکہ اس کی ایک ایک بوند نجس ناپاک ہے **ھوالصحیح وعلیہ الفتوی** (وہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ت)اور بنگ وافیون وغیرہما اشیاء جن کی خشکی میں بھی نشہ ہے ان کامسکر ہونا ان کے بائع وسیال پانی کی مثل بہنے والی ہونے پر موقوف نہیں وہ نجس نہیں ان کا نشہ حرام ہے یہیں سے ظاہر ہواکہ بنگ کے رنگ سے یابنگ کپڑے میں

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاحکام باب امر الوالی اذاوجّہ امیرین الی موضع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۶۳،صحیح مسلم کتاب الاشربۃ باب النھی عن الانتاذ فی المذقت الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۶۷،جامع الترمذی ابواب الاشربۃ باب ماجاء فی شارب الخمر امین کمپنی دہلی ۲/ ۸

[2] جامع الترمذی ابواب الاشربۃ باب ماجاء مااسکر کثیرہ فقلیلہ حرام امین کمپنی دہلی ۲/ ۹

[3] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الھندیۃ کتاب الاشربۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۲۷

بندھی ہو تو نماز جائز ہے وہ کل مسکر حرام میں داخل ہے فانھا عرفیۃ عامۃ ای مادام مسکرا (اس لئے کہ یہ عرفیہ عامہ ہے یعنی جب تک وہ نشہ آور ہے۔ت) مگر ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام میں صرف مسکرات مائعہ مراد ہیں جن کا نشہ لانا ان کے سیال کرنے سے ہوتا ہے ورنہ مشک وعنبر وزعفران بھی مطلقاً حرام ونجس ہوجائیں کہ حد سے زیادہ ان کا کھانا بھی نشہ لاتا ہے یقینا نشہ جبکہ مطلقاً اجماعاً قطعی ہے شراب سے ہو خواہ بنگ وغیرہا کسی شیئ خراب سے، تو شرابی کو بجائے شراب بنگ سے کمی تجویز محض جہالت ہے اور ضرور معصیت ہے، حرام کا کرنا اور رائے دینا دونوں حرام ہیں، دوسرے کو ایک حرام سے بچانے کے لئے خود بھی حرام کا ارتکاب اور اسے بھی دوسرے حرام میں ڈالنا کیا مقتضائے عقل ودیانت ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْؕ"[1]	اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہیں نقصان نہ پہنچاسکے گا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

والحاصل انه لایلزم من حرمة الکثیر المسکر حرمة قلیله ولانجاسته مطلقًا الا فی المائعات لمعنی خاص بها اما الجامدات فلا یحرم منها الا الکثیر المسکر ولایلزم من حرمته نجاسته۔[2] واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	خلاصہ یہ ہے کہ کثیر نشہ آور کی حرمت سے اس کے قلیل کی حرمت ونجاست مطلقاً لازم نہیں آتی سوائے مائعات یعنی بہنے والی اشیاء کے، اس معنی کی وجہ سے جوان کے ساتھ خاص ہے، رہیں جامدات یعنی ٹھوس اشیاء تو ان میں سے صرف کثیر نشہ آور مقدار ہی حرام ہے اوراس کی حرمت سے اس کی نجاست لازم نہیں آتی۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲: المرسل عبدالحکیم از ملک بنگالہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس بارہ میں کہ بعض جاہل بلکہ عالم یہ کہتے ہیں کہ

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۵

[2] ردالمحتار کتاب الاشربۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۳

حقہ پینا مکروہ ہے اور اس کا پانی اگر کپڑے پر گر جائے تو کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔

الجواب:

حقے کے پانی کو ناپاک بتانا محض جہالت اور شریعت مطہرہ پر افترا ہے، اور حقہ جس طرح بعض جاہل افطار رمضان کے وقت پیتے ہیں جس سے کہ حواس میں خلل آتا ہے ضرور ناجائز اور گناہ ہے، اور تیکیے وغیرہ کا حقہ جو مدّتوں تازہ نہ ہوتا ہو اور کریہہ بدبو دے مکروہ ہے، اور عام حقہ جیسا کہ اہل تہذیب پیتے ہیں جس میں بدبو نہیں ہوتی وہ محض مباح ہے، **وقد فصّلناہ فی فتاوانا** (اس کی تفصیل ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کر دی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳: ازمارہرہ بنام شیخ امیر احمد ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ادویہ انگریزی استعمال ہوں یا نہ ہوں اور اگر ہوں تو وہ کون سی ہے جس کو بلاتکلف استعمال کر لیں، اور عام فتوٰی ان کا مطلوب ہے کل ادویات کی نسبت قابل استعمال اور ناقابل استعمال، آیا کل ادویہ ممنوع ہیں یا وہ صرف جن میں اثر شراب ہے خواہ پینے کی ہو خواہ مالش کی ہو، جواب جلد آئے تاکہ استعمال اور عطریات کا بھی معلوم ہو جائے کہ کل عطر منع ہیں جس میں آمیزش شراب کی ہو، بظاہر آمیزش شراب معلوم ہوتی ہو مگر اس میں خلط ہو اور ایسے عطریات کی مالش کیئے جائیں یا سونگھے جائیں؟ اس کی تفصیل بھی ہو جائے۔

الجواب:

انگریزی رقیق دوائیں جو ٹنچر کہلاتی ہیں ان میں عموماً اسپرٹ ہوتی ہے اور اسپرٹ یقیناً شراب بلکہ شراب کی نہایت بدتر قسموں سے ہے وہ نجس ہے، ان کا کھانا حرام، لگانا حرام، بدن یا کپڑے یا دونوں کی مجموع پر ملا کر اگر روپیہ بھر جگہ سے زیادہ میں ایسی شیئ لگی ہوئی نماز نہ ہوگی ہاں خشک دوا جس میں کسی نجاست کی خلط کا حال معلوم نہ ہو لگانا جائز ہے اور اگر کسی حرام شیئ کا اختلاط معلوم نہ ہو تو کھانے کی بھی اجازت ہے، اور افضل احتیاط ہے۔ انگریزی عطروں کا حال فقیر کو معلوم نہیں سوا اس کے کہ بہت بدبُو کریہہ الرائحہ ہوتی ہیں رقیق اشیاء میں ان کی قوت رکھنے کے لئے ڈاکٹری نسخوں میں اسپرٹ ہی کا مطلقاً استعمال ہے لہٰذا ان سے احتراز ہی چاہئے، اور اگر ثابت ہو جائے کہ ان میں اسپرٹ ہے تو ان کا نہ صرف لگانا بلکہ سونگھنا بھی ناجائز ہے کہ شراب کے مول لینے والے اٹھانے والے پر بھی لعنت فرماتے ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴: بتاریخ ۲۸ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں بروز قیامت حقہ پینے والے سے حضور سرورکائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام روئے مبارک پھیرلیں گے اور درود شریف اس کاپڑھنا قبول نہ ہوگا، یہ بیان غلط ہے یا صحیح؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

یہ سب دروغ کاذب ہے اور شریعت مطہرہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پرافتراء، حقہ تومباح ہے، اگربفرض غلط حرام بھی ہوتا تواتناگناہ نہ ہوتا جس قدر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کرنا کبیرہ شدیدہ ہے جس کے بعد بس کفرہی کادرجہ ہے **ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۵، ۳۶: مسئولہ عبدالرحیم خاں صاحب از بہرام پور ضلع مرشدآباد بنگال ۲۱ صفر ۱۳۳۲ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سنتے ہیں کہ تاڑی کے خمیر سے ڈبل روٹی پکائی جاتی ہے مسلمانوں کے لئے کھاناکیساہے؟

(۲) اس ملک میں اکثر کھجوروں کارس نکالتے ہیں اس رس کاگڑ بناتے ہیں اکثر کھیر بھی پکاتے ہیں اگر تازہ رس جوکہ شیریں ہوتاہے اورلوگ پیتے بھی ہیں دودھ یاکہ خمیر ملاکرتاڑی بناتے ہیں تاڑی کے پینے سے نشہ ہوتاہے مسلمانوں کے لئے یہ کیساہے، ازروئے شرع جواب فرمایئے۔اللہ تعالٰی اجرعطافرمائے گا۔

الجواب:

(۱) اگرثابت ہوتواس سے احتراز چاہئے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) جب تک اس میں نشہ نہیں حلال ہے اور اس کی کھیر اورگڑ بھی جائز ہیں اور نشہ لانے کے بعد حرام بھی ہیں اورپیشاب کی طرح نجس بھی۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۷: مرسلہ عبدالرحیم ضلع ہوگلی وانمباڑ

اسپرٹ کااستعمال خوردنی اشیاء میں یارنگ وغیرہ میں جائزہے یانہیں؟ بہت سے لوگ اس کو شراب کہتے ہیں۔

الجواب:

اسپرٹ واقعی شراب بلکہ سب شرابوں سے تیزوتند ہے حتّٰی کہ اپنی تیزی کے سبب سم ہوگی

مذہب معتمد مفتی بہ یہ ہے کہ ہر بائع مسکر کا ایک قطرہ بھی حرام اور نجس ہے لہذا اشیائے خوردنی نیز ادویہ میں اس کا استعمال مطلقًا حرام ہے انگریزی ٹنچروں میں عمومًا اسپرٹ ہو تو کھانے پینے کے سوا رنگنے وغیرہ میں جہاں خود اس کا چھونا لگانا پڑے وہ بھی ممنوع و ناجائز ہے صرف کپڑوں میں فقیر کے نزدیک عموم بلوی حکم طہارت ہے اخذا باصل المذھب والتفصیل فی فتاوٰینا (اصل مذہب کا اعتبار کرتے ہوئے، اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت)

مسئلہ ۳۸: مرسلہ عبدالرحیم ضلع ہوگلی دانمباڑ

پاؤروٹی جو ہندوستان میں اکثر جگہ تاڑی کے لگاؤ سے پکاتے ہیں اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اور جو نہ معلمو ہو کہ یہ روٹی تاڑی سے بنی ہے اس کا کھانا کیسا ہے؟ اور جو تاڑی شامل ہو اس کو جان کر جو کھائے اس پر توبہ لازم ہے یا نہیں؟ اور وہ شخص حرام شیئ کا حلال سمجھنے والا ہوا یا نہیں؟

الجواب:

مسئلہ تحریم حلال کو تو یہاں کوئی تعلق نہیں جب تک نشہ کو حلال نہ جانے،

لانھا فی الحرمۃ القطعیۃ ولیست فی تلک المشروبات الا فی الخمر المسکر حرام قطعا اجماعا۔	اس لئے کہ یہ حرمت قطعیہ میں ہے حالانکہ ان مشروبات میں حرمت قطعیہ نہیں سوائے نشہ آور خمر کے کہ وہ بالاجماع حرام قطعی ہے(ت)

اور جب یہ معلوم نہ ہو کہ یہاں روٹی میں تاڑی پڑتی ہے یا نہیں تو اس کا کھانا بھی حرام نہیں لان الاصل الاباحۃ ولا یثبت حکم بالشک (کیونکہ اصل اباحت ہے اور شک کے ساتھ کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔ت) ہاں اہل تقوی کو بچنا بہتر۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فمن اتقی الشبہات فقد استبرألدینہ وعرضہ۔[1]	جو شبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا۔(ت)

اور نہ بچیں تو مواخذہ نہیں۔ اشباہ و در مختار میں ہے:

لیس زماننا زمان اتقاء الشبہات[2]۔	ہمارا زمانہ شبہات سے بچنے کا زمانہ نہیں(ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب فضل من استبرألدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۰۸

اور جہاں تاڑی پڑنا معلوم ہو تو اس سے احتراز لازم ہے لان کل مائع مسکر نجس وحرام (کیونکہ ہر بہنے والی نشہ آور شیئ حرام اور نجس ہے۔ت) مگر جب ثابت ہوا کہ اس میں وہ تاڑی ملائی جایت ہے جو نشہ کی حالت تک نہ پہنچی یا اس طرح ملائی جاتی ہے کہ نمک وغیرہ کی وجہ سے اس کا نشہ قطعًا زائل ہو جاتا ہے اس وقت جواز ہوگا اور نرا احتمال کہ شاید نشہ نہ رہا ہو کافی نہ ہوگا لان الیقین لایزول بالشک (کیونکہ یقین شک سے زائل ہوتا ہے۔ت) اس صورت میں جو اسے کھائے اس پر توبہ لازم ہے اور ہاتھ اور منہ اور برتن پاک کرنا بھی جبکہ شِیر یا شوربا میں کھائی گئی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۹: از ڈاک خانہ مہر گنج محلّہ چر لکھی ضلع بریسال ملک بنگالہ مرسلہ محمد حسین صاحب ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

یک جماعت ظاہر شدہ اند تمباکو را حرام گویند وحقہ نوشید را حرام زادہ گویند قول امام وصاحبان را اتباع نکنند۔	ایک جماعت ظاہر ہوئی جس کے لوگ تمباکو کو حرام اور حقہ پینے والے کو حرامزادہ کہتے ہیں۔ وہ لوگ امام صاحب اور صاحبین کی اتباع نہیں کرتے (ت)

الجواب:

تمباکو خوردن وکشید نوشمیدن ہمہ رواست کما حققناہ فی حقۃ المرجان، وقد قال فی غمز العیون منہ یعلم حل شرب الدخان [1] وآنکہ حرام زادہ گفت تعدی بر شرع کرد وظلم بر مسلمانان عجب ست کہ بمقتضائے حدیث حرامزادہ نباشد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایبغی علی الناس الا ولد بغی اومن فیہ عرق منہ [2] وہر کہ اتباع ائمہ نکند بری از اتباع نتواں بود متبع شیطان ست	تمباکو کھانا، پینا اور سونگھنا سب جائز ہے جیسا کہ ہم نے رسالہ "حقۃ المرجان" میں اس کی تحقیق کی ہے۔ غمز العیون میں فرمایا کہ اس سے تمباکو نوشی کا حلال ہونا معلوم ہوا۔ اور جس نے حرامزادہ کہا اس نے شریعت پر زیادتی اور مسلمانوں پر ظلم کیا۔ عجب نہیں کہ وہ خود حدیث کے تقاضے کے مطابق حرامزادہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو زناکار وہی قرار دیتا ہے جو ولدزنا ہو یا اس میں زنا کی کوئی راگ ہو اور جو ائمہ کرام

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثالثہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۹۸

[2] شعب الایمان حدیث ۶۶۷۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۲۸۶، کنز العمال بحوالہ طب عن ابی موسٰی حدیث ۳۰۴۵۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۱۹

گو تبع ائمہ مباش۔ واللہ تعالٰی اعلم	کی اتباع نہیں کرتا وہ اتباع سے بری نہیں ہوتا، وہ شیطان کی اتباع کرنے والا ہوتا ہے اگرچہ ائمہ اتباع کرنے والا نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۰تا۴۲: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور نعمت بوڑھا ۹ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) کھجور کا رس جو اس کے درخت کو چھیل کر ہنٹنی کے پاس سے نکالتے ہیں اس کا پینا کیسا ہے؟

(۲) تاڑ کا پھل جس میں رس ہوتا ہے اس رس کو نکال کر تاڑی پیتے ہیں اور نشہ کی وجہ سے بدمست ہو جاتے ہیں لیکن پھل کھانے سے نہیں۔ بدمست ہو جانا پھل کھانا کیسا ہے؟

(۳) تاڑی جو نشہ کی چیز ہے اس کا سرکہ بنا کر کھانا کیسا ہے؟

الجواب:

(۱) جب تک نشہ نہ لائے جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) پھل کھانا جائز ہے اور تاڑی پینا حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) جب حقیقۃً سرکہ ہو جائے جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۳: اختر حسین طالب علم مدرسہ منظر الاسلام بریلی ۳ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ سوائے شراب کے بھنگ، افیون، تاڑی، چرس کوئی شخص اتنی مقدار میں پیئے کہ اس سے نشہ نہ آئے وہ شخص حرام کا مرتکب ہوا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ ت)

الجواب:

نشہ بذاتہ حرام ہے، نشہ کی چیزیں پینا جس سے نشہ بازوں کی مشابہت ہو اگرچہ نشہ تک نہ پہنچے یہ بھی گناہ ہے یہاں تک کہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ خالص پانی دورِ شراب کی طرح پینا بھی حرام ہے ہاں اگر دوا کے لئے کسی مرکب میں افیون یا بھنگ یا چرس کا اتنا جزڈالا جائے جس کا عقل پر اصلاً اثر نہ ہو حرج نہیں بلکہ افیون میں اس سے بھی بچنا چاہئے کہ اس خبیث کا اثر ہے کہ معدے میں سوراخ کر دیتی ہے جو افیون کے سوا کسی بلا سے نہیں بھرتے تو خواہی نخواہی بڑھانی پڑتی ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۴: شہر کہنہ قاضی ٹولہ مرسلہ عبدالرحیم تاریخ ۲۱ ماہ شعبان ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک سائل کوچہ و بازار میں

پھرتاہے اورہرایک سے سوال کرتاہے کہ مجھے اللہ کے واسطے روٹی یا کپڑا یاپیسہ دو۔بعض دیتے ہیں اوراکثر نہیں دیتے۔اول اکثروں کے واسطے جونہیں دیتے ہیں کیاحکم ہے؟ ونیز ایک شخص کسی دوسرے شخص سے کہتاہے کہ تواپنی بیٹی کا اللہ کے واسطے میرے ساتھ نکاح کردے، لیکن وہ نہیں کرتا،اس کے واسطے کیاحکم ہے؟ ونیز ایک شخص کسی صاحب ریاست وامارت سے کہتاہے کہ ایک ہزارروپیہ مجھے اللہ کے واسطے دے دے مگروہ نہیں دیتااس کے واسطے کیاحکم ہے؟ بعض سائل ان الفاظ میں سوال کرتے ہیں کہ خداو رسول کے واسطے مجھے کچھ دو، یاکوئی شخص کسی سے کہہ بیٹھے کہ خدااور سول کے واسطے مجھے معاف کرو، ان پرہر شخص کے واسطے ازروئے شرع شریف کیاحکم ہے؟ بالتفصیل جواب عنایت ہو۔یہ سوالات خالصًا لوجہ اللہ ہیں اس رو رعایت کسی کی نہ پائی جائے،جوشرع شریف کاحکم ہو وہ بیان فرمائیے۔بیّنوا توجروا۔

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ملعون من سأل بوجه الله وملعون من سئل بوجه الله ثم منع سائله مالم یسأل هجرا،رواه الطبرانی[1] فی المعجم الکبیر عن ابی موسی الاشعری رضی الله تعالٰی عنه بسند صحیح۔	ملعون ہے جواللہ کاواسطہ دے کرکچھ مانگے اورملعون ہے جس سے خداکاواسطہ دے کرمانگاجائے اس سائل کو نہ دے جبکہ اس نے کوئی بیجاسوال نہ کیاہو(اس کو طبرانی نے معجم کبیر میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اورفرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من سأل بالله فاعطی کتب له سبعون حسنة،رواه البیهقی فی شعب الایمان[2] عن	جس سے خداکاواسطہ دے کرکچھ مانگاجائے اور وہ دے دے تو اس کے لئے ستر نیکیاں لکھی جائیں(اس کو بیہقی نے شعب الایمان

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب الادعیة باب السؤال بوجہ اللہ الکریم دارالکتاب بیروت ۱۰ /۱۵۳،الترغیب والترہیب السائل ان یسأل بوجہ اللہ حدیث ۱ مصطفی البابی مصر ۱ /۱۰۱،کنزالعمال بحوالہ طب عن ابی موسٰی حدیث ۱۶۷۲۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶ /۵۰۲

[2] کنزالعمال بحوالہ ھب عن ابن عمر حدیث ۱۶۰۷۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶ /۳۶۳

ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند صحیح۔	میں صحیح سند کے ساتھ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

اور مروی کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من سألکم باللہ فاعطوہ وان شئتم فدعوہ۔رواہ الامام الحکیم الترمذی [1] فی النوادر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	یعنی جو تم سے خدا کا واسطہ دے کر مانگے اسے دو اور اگر نہ دینا چاہو تو اس کا بھی اختیار ہے (اس کو امام حکیم ترمذی نے نوادر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لایسأل بوجہ اللہ الا الجنّۃ۔رواہ ابوداؤد [2] والضیاء عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔	اللہ کے واسطے سے سوائے جنت کے کچھ نہ مانگا جائے (اس کو امام ابوداؤد اور ضیاء نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

علمائے کرام نے بعد توفیق و تطبیق احادیث یہ حکم منقح فرمایا کہ اللہ عزوجل کا واسطہ دے کر سوا اخروی دینی شیئ کے کچھ نہ مانگا جائے اور مانگنے والا اگر خدا کا واسطہ دے کر مانگے اور دینے والے کا اس شیئ کے دینے میں کوئی حرج دینی یا دنیوی نہ ہو تو مستحب و موکد دینا ہے ورنہ نہ دے بلکہ امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ جو خدا کا واسطہ دے کر مانگے مجھے یہ خوش آتا ہے کہ اسے کچھ نہ دیا جائے یعنی تاکہ یہ عادت چھوڑ دے،اس تفصیل سے سب سوالات کا جواب واضح ہوگیا۔جو خدا کا واسطہ دے کر بیٹی مانگے اور اس سے مناکحت کسی دینی یا دنیوی مصلحت کے خلاف ہے یا دوسرا اس سے بہتر ہے تو ہرگز نہ مانا جائے کہ دختر کے لئے صلاح و اصلح کا لحاظ اس بیباک سے اہم و اعظم ہے اور روپیہ پیسہ دینے میں اپنی وسعت و حالت اور سائل کی کیفیت و حاجت پر نظر درکار ہے اگر یہ سائل قوی تندرست گدائی کا پیشہ ورجوگیوں کی طرح ہے تو ہرگز ایک پیسہ نہ دے کہ اسے سوال حرام اور اسے دینا حرام پر اعانت کرنا ہے دینے والا گنا ہگار ہوگا اور اگر صاحب حاجت ہے اور

[1] کنزالعمال بحوالہ الحکیم عن معاذ حدیث ۱۶۲۹۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۴۰۷

[2] سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب کراھیۃ المسألۃ بوجہ اللہ تعالٰی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۵

جس سے مانگا اس کا عزیز وقریب بھی حاجتمند ہے اور اس کے پاس اتنا نہیں کہ دونوں کی مواسات کرے تو اقربا کی تقدیم لازم ہے ورنہ بقدر طاقت ووسعت ضرور دے اور روگردانی نہ کرے۔ یہ سوالات کا جواب تھا اور اتنی بات اور گزارش ہے کہ بے ادب سائل ہونا نہ چاہئے، سوال کیا جائے علمائے کرام سے کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین، اور آخر میں یہ ہدایت کی جائے کہ رورعایت کسی کی نہ پائی جائے، یہ کھلی دریدہ دہنی ہے، علمائے دین ومفتیان شرع متین کو کسی کی رُورواعایت سے کیا تعلق، جو احکام الٰہیہ ہیں بتاتے ہیں جو کسی کی رُورعایت سے معاذاللہ قصداً حکم غلط بتائیں وہ علمائے دین کب ہوئے نائبان شیطان ہوئے، عوام پر علمائے دین کا ادب باپ سے زیادہ فرض ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لایستخف بحقّھم الاالمنافق بین النفاق ذو الشیبة فی الاسلام والامام المقسط ومعلم الخیر۔ رواہ ابوالشیخ فی التوبیخ عن جابر والطبرانی فی الکبیر[1] بسند حسن عن ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	تین شخص ہیں جن کے حق کو ہلکا نہ جانے گا مگر منافق کھلا منافق ازانجملہ ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا عالم کہ مسلمان کو نیک بتائے، تیسرا بادشاہ مسلمان عادل۔ (اس کو ابوالشیخ نے توبیخ میں حضرت جابر سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں سند حسن کے ساتھ ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

پہلے بھی ایک سوال میں یہ تنبیہ وتوبیخ کے کلمات اس سائل نے لکھے تھے اس پر چشم پوشی کی گئی اب یہ دوسری بار ہے لہٰذا اطلاع دی گئی سائل کو اگر ان الفاظ کے لکھنے کی ضرورت ہے ہی تو شروع سوال میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین، مطلق نہ لکھا کرے، جس سے توہین علماء پیدا ہو بلکہ خاص اس فقیر کا نام لکھ کر اخیر میں جیسے الفاظ چاہے لکھے واللہ الھادی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۱۹ المکتبة الفیصلیة بیروت ۸ /۲۳۸، کنزالعمال بحوالہ ابی الشیخ والتوبیخ حدیث ۴۳۸۱۱ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۶ /۳۲

کتاب الرھن

(رہن کا بیان)

مسئلہ ۴۵: ۲۲صفر ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیئ مرہونہ کو اپنے استعمال میں لانا یااس میں سکونت کرنا کسی طور سے جائز ہے یانہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

کسی طرح جائز نہیں، حدیث میں ہے:

کل قرض جرمنفعة فھو ربو[1]۔اخرجه الحارث عن سیدنا علی کرّم الله تعالٰی وجھه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	یعنی قرض کے ذریعہ سے جومنفعت حاصل کی جائے وہ سود ہے۔(اس کی تخریج حارث نے سیدنا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے کی اور حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے اس کو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ت)

علامہ طحطاوی پھر علامہ شامی خود شرح درمختار میں فرماتے ہیں:

الغالب من احوال الناس انھم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ	لوگوں کاغالب حال یہ ہے کہ وہ مرہون شیئ دیتے وقت نفع اٹھانے کاارادہ رکھتے ہیں

[1] کنزالعمال بحوالہ الحارث عن علی الباب الثانی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

لما اعطاہ الدراھم وھذا بمنزلۃ الشرط لان المعروف کالمشروط وھو ممایعین المنع[1] انتھی **اقول**: ولاشك ان ھذا بعینہ حال اھل الزمان یعرفہ منھم کل من اختبر ومعلوم ان احکام الفقہ انما تبنی علی الکثیر الشائع ولاتذکر حال شذت و ندرت فیہ الجواز کما نص علیہ المحقق حیث اطلق فی فتح القدیر وغیرہ من العلماء الکرام فالحکم فی زماننا ھو اطلاق المنع لایرتاب فیہ من لہ المام بالعلم، والکلام ھٰھنا وان کان طویلا فجملۃ القول ماذکرنا واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اگر یہ نفع اٹھانا مطلوب نہ ہو تو وہ قرض کے لئے درہم ہی نہ دیں گے، اور یہ بمنزلہ شرط کے ہوگیا اس لئے کہ جو چیز معروف ہو وہ مشروط کی طرح ہوتی ہے اور یہ بات ممانعت کو معین کرتی ہے انتھی، **میں کہتا ہوں** کہ بیشک بعینہٖ یہی حال ہمارے زمانہ والوں کا ہے جس کو ہر باخبر شخص جانتا ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ فقہی احکام کی بنیاد کثرت سے واقع ہونے والے مروّج حال پر ہوتی ہے اور اس حال کا تذکرہ نہیں کیا جاتا جس میں جواز شاذونادر ہو۔ جیساکہ اس پر محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور دیگر علماء کرام نے نص فرمائی ہے۔ چنانچہ ہمارے زمانہ میں مرہون سے نفع حاصل کرنے کی مطلقًا ممانعت کا حکم ہے، اور اس میں علم سے کچھ بھی تعلق رکھنے والے شخص کو شک نہیں ہوگا۔ یہاں گفتگو اگرچہ طویل ہے مگر اجمالی بات وہی ہے جو ہم نے ذکر کردی۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۶: ۲۲/ صفر ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان مثلًا سَو روپیہ کو زید نے عمرو کے پاس رہن رکھا عمرو نے اس خیال سے کہ مجھ کو مکان مرہونہ میں سکونت ناجائز ہے بکر ہندو کے ہاتھ بعوض اسی قدر پر زرِ رہن کے رہن کردیا اور اپنا اُتنا ہی روپیہ بلا کسی نفع کے بکر سے لے لیا، اب اس مکان میں عمرو کو بکر سے کرایہ پر لے کر سکونت اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں اور معاملہ مذکورہ شرعًا درست ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**۔

[1] ردالمحتار کتاب الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۱

الجواب:

شرع مطہر نے عقد رہن صرف اس لئے مشروع فرمایا ہے کہ قرض دہندہ کو اپنے روپیہ کا اطمینان ہو جائے اور وصول نہ ہونے کا اندیشہ جاتا رہے اس کی مالیت سے ایک حق مرتہن کا متعلق ہو جاتا ہے اور عین شیئ میں سوا حفظ و حبس کے کوئی استحقاق نہیں ہوتا مرہون کے رہن یا اجارہ کا اُسے اختیار نہیں کہ وہ شے اس کی مملوک نہیں صرف اس کے پاس محبوس ہے۔

فی الدرالمختار له حبس رهنه لاالانتفاع به مطلقًا لاباستخدامه ولاسکنی ولالبس ولااجارة ولااعارة[1] الخ وفی ردالمحتار عن التتارخانیة عن شرح الطحاوی لیس للمرتهن ان یرهن الرهن۔[2]	درمختار میں ہے مرتہن کو مرہون کے روک رکھنے کا اختیار ہے اس سے کسی قسم کا نفع اٹھانے کی اجازت نہیں، نہ اس سے خدمت لینے کی، نہ سکونت کی، نہ پہننے کی، نہ اُجرت پر دینے کی اور نہ عاریت پر دینے کی الخ، ردالمحتار میں ہے تاتارخانیہ سے بحوالہ شرح الطحاوی منقول ہے کہ مرتہن کو یہ اختیار نہیں کہ وہ مرہون کو رہن پر دے دے۔(ت)

یہاں تک کہ اگر بے اذن راہن ان تصرفات کا ارتکاب کرے گا گنہگار ہوگا اور غاصب ٹھہرے گا۔

کمانص علیه فی غایته ولذا لوهلك هلك بالقیمة بالغة مابلغت لابالدین، فی الدرالمختار ضمن بایداعه واعارته واجارته واستخدامه وتعدیه کل قیمته[3] اھ وفی الهندیة عین الرهن امانة فی ید	جیسا کہ غایۃ البیان میں اس پر نص کی گئی۔یہی وجہ ہے کہ اگر مرہون ہلاک ہو جائے تو وہ قیمت کے بدلے میں ہلاک ہو جائے گا چاہے جتنی بھی قیمت ہو جائے نہ کہ قرض کے بدلے میں درمختار میں ہے کہ مرتہن مرہون کی کل قیمت کا ضامن ہوگا جبکہ وہ مرہون کو ودیعت رکھے، عاریت پر دے، اجارہ پر دے، اس سے خدمت لے یا تعدی کرے الخ ہندیہ میں ہے

---

[1] الدرالمختار کتاب الرهن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۶

[2] ردالمحتار کتاب الرهن باب التصرف فی الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۲۹

[3] الدرالمختار کتاب الرهن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۷

المرتھن بمنزلۃ الودیعۃ ففی کل موضع لوفعل المودع بالودیعۃ لایغرم فکذٰلك اذا فعل المرتھن ذٰلك بالرھن [1] اھملتقطا	کہ مرہون شیئ بعینہٖ مرتہن کے ہاتھ میں امانت ہے جیسا کہ ودیعت۔ چنانچہ جس جگہ ودیعت میں کچھ تصرف کرنے سے اس شخص پر تاوان لازم نہیں آتا جس کے پاس ودیعت رکھی گئی اسی طرح وہاں رہن میں جب مرتہن کوئی تصرف کرے تو اس پر بھی تاوان لازم نہیں آئے گا اھ (التقاط) (ت)

اور اگر باذن راہن واقع ہوں تو یہ تصرفات اگرچہ جائز و نافذ ہوں گے مگر وہ رہن زائل ہوجائے گا اور مرتہن مذکور مرتہن نہ رہے گا،

فی الدرالمختار الاجارۃ والرھن من اجنبی اذا باشرھا احدھما باذن الاٰخر یخرج عن الرھن ثم لایعود الابعقد مبتدأ لانھا عقود لازمۃ بخلاف العاریۃ [2] اھ ملخصا۔	درمختار میں ہے اجنبی شخص سے مرہون کا اجارہ یا عقدرہن جبکہ راہن اور مرہون میں سے کوئی ایک دوسری کی اجازت سے اس کا مباشر ہو تو وہ رہن سے خارج ہوجاتا ہے پھر سوائے نئے عقد کے رہن کی طرف عود نہیں کرتا اس لئے کہ مذکورہ بالا عقود لازم ہیں بخلاف عاریت کے الخ ملخصا (ت)

بہرحال یہ حیلہ عمرو کو کچھ مفید نہیں کہ اگر زید کا اذن نہ تھا تو یہ عقود مال غیر میں تصرف بے جا و گناہ ہے نہ اس مکان میں رہنا جائز، اور اگر باذن زید واقع ہوئے یا بعد وقوع اس نے جائز کردیئے تو اجارہ صحیح اور مکان میں سکونت حلال بعد اجازت اور جو کرایہ ہو اس کا مالک زید مگر مکان رہن سے نکل گیا۔

فی شرح الطحاوی ثم التتارخانیۃ ثم الشامیۃ ان رھن باذن الراھن صح الثانی وبطل الاول [3] اھ، وفی الھندیۃ ان آجر المرتھن	شرح طحاوی پھر تاتارخانیہ پھر شامیہ میں ہے اگر مرتہن نے راہن کی اجازت سے مرہون شیئ کو کسی کے پاس رہن رکھا تو دوسرا رہن صحیح اور پہلا باطل ہوگیا الخ ہندیہ میں ہے کہ

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الرہن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۵

[2] الدرالمختار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۴

[3] ردالمحتار بحوالہ التاتارخانیۃ عن شرح الطحاوی کتاب الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۲۹

من اجنبی بأمر الراھن یخرج من الرھن وتکون الاجرۃ للراھن[1] الخ۔	اگر مرتہن نے راہن کے حکم پر مرہون شیئ کسی کو اجارہ داری پر دی تو وہ رہن سے نکل جائے گی اور اُجرت راہن کے لئے ہوگی الخ (ت)

شقوق اس مسئلہ میں بکثرت ہیں،

لان رھن المرتھن اما ان یکون باذن الراھن اولا و علی الثانی اما ان یجیز اویردّ اولا ولا فھٰذہ اربعۃ وعلٰی کل منھا مثلھا فی الاجارۃ فتکون ستۃ عشر و ان جعل الاولان من التشقیقین واحدا لاتحاد الحکم فان الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ کما فی الخیریۃ[2] فتبقٰی تسعۃ۔	کیونکہ مرتہن کا مرہون کو رہن رکھنا یاتو راہن کی اجازت سے ہوگا یا ایسا نہیں ہوگا، بصورت ثانی راہن اجازت دے دے گا یا رَد کردے گا یانہ اجازت دے گا اور نہ ہی رد کرے گا تو اس طرح چار صورتیں ہوجائیں گی پھر ان میں سے ہر ایک میں یوں ہی چار صورتیں اجارہ کی بنیں گی، چنانچہ مجموعی احتمالات سولہ ہوجائیں گے اور اگر دونوں تشقیقوں کی پہلی صورت کو اتحاد حکم کی وجہ سے ایک بنادیا جائے کیونکہ اجازت لاحقہ، وکالت سابقہ کی طرح ہوتی ہے جیسا کہ خیریہ میں ہے، تو باقی نوصورتیں بچیں گی (ت)

لیکن حاصل حکم اُسی قدر ہے کہ یاتو رہن معدوم یا یہ اجارہ بے جا اور سکونت ناجائز۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۷: ۲۲/ صفر ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرتہن سے مکان مرہون کرایہ پر لینا مالک مرہون یا غیر مالک کو مباح ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

مرتہن سے راہن کا شیئ مرہون کو کرایہ پر لینا اصلاً وجہ صحت نہیں رکھتا کہ مالک کا اپنی مِلک کو

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الرھن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۴

[2] الفتاوی الخیریۃ کتاب الدعوی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۵۶

دوسرے سے کرایہ پر لینا محض بے معنی ہے۔

فی الھندیۃ آجرھامن الراھن لاتصح الاجارۃ۔[1]	ہندیہ میں ہے مرتہن نے مرہون شیئ راہن کو اجرت پر دی تو اجارہ صحیح نہیں ہوگا۔ (ت)

اور اجنبی کو بھی مرتہن سے اجارہ پر لینا مباح نہیں کہ وہ غیر مالک ہے اور کرایہ پر دینے کا اصلاً اختیار نہیں رکھتا تو جس طرح مرتہن اس فعل سے گناہ گار ہوگا کہ اس نے ملک غیر میں تصرف بیجا کیا اس لئے کرایہ اُسے حلال نہ ہوگا بلکہ شرع حکم دے گی کہ خیرات کردے یا راہن کو دے دے اور یہ اولٰی ہے **کما حققناہ فی تحریر مستقل** (جیسا کہ ہم نے مستقل تحریر میں اس کی تحقیق کردی ہے۔ت) اسی طرح یہ مستاجر بھی جبکہ جانتا ہو کہ مکان اس کی ملک نہیں بلکہ اس کے پاس بطور رہن ہے اس سے کرایہ پر لے کر مبتلائے گناہ ہوگا کہ یہ غیر کے مکان میں بے اس کے اجازت کے رہا اور مرتہن کو گناہ پر معاون ہوا،

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ۪"[2]، ومن القواعد المقررۃ ان ماحرم اخذہ حرم اعطائہ۔[3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو" اور مسلمہ قواعد میں سے ہے کہ جس چیز کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام ہوتا ہے۔ (ت)

ہاں اگر یہ اجارہ باذن راہن واقع ہو یا راہن بعد وقوع، اجازت دے دے تو بیشک عقد جائز و نافذ اور رہنا حلال و مباح ہو جائے گا مگر اس تقدیر پر در حقیقت راہن سے اجارہ لینا ہوا نہ مُرتہن سے ولہذا بعد اجازت جو کرایہ آئے گا اس کا مالک راہن ہوگا اور اس صورت میں مکان مرہون رہن سے نکل جائے گا کما فی الھندیۃ وغیرھا (جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۸: از جالندھر محلّہ راستہ بھگواڑہ دروازہ مرسلہ میاں شمس الدین شعبان ۱۳۱۰ھ

گروی زمین و مکانات سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الرھن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۴

[2] القرآن الکریم ۵/ ۲

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الرابعۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۹

الجواب: اس قسم کے قول منقح و محرر واصل محقق ومقرر یہ ہے کہ بربنائے قرض کسی قسم کا نفع لینا مطلقاً سود وحرام ہے، حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعة فھو ربًا۔ رواہ الحارث فی مسندہ[1] عن امیر المومنین المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو قرض کوئی نفع کھینچ کرلائے وہ سود ہے۔ اس کو حارث نے اپنی مسند میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور اگر اس بنا سے جدا ویسی ہی باہمی سلوک کے طور پر کوئی نفع وانتفاع ہو تو وہ مدیون کی مرضی پر ہے اس کے خالص رضا واذن سے ہو تو رَوا ورنہ حرام، اب یہ بات کہ یہ انتفاع بربنائے قرض ہے یا بطور سلوک اس کے لئے معیار شرط وقرارداد ہے یعنی اگر قرض اس شرط پر دیا کہ نفع لیں گے تو وہ نفع بربنائے قرض حرام ہوا، اور اگر قرض میں اس کا کچھ لحاظ نہ تھا پھر آپس کی رضا مندی سے کوئی منفعت بطور احسان ومروّت حاصل ہوئی تو وہ بربنائے حسن سلوک ہے نہ بربنائے قرض تو مدار کار شرط پر ٹھہرا یعنی نفع مشروط سُود اور نفع غیر مشروط سود نہیں بلکہ باذن مالک مباح، پھر شرط کی دو صورتیں ہیں: نصًا یعنی بالتصریح قرارداد انتفاع ہوجائے، اور عُرفاً کہ زبان سے کچھ نہ کہیں مگر بحکم رسم ورواج قرارداد معلوم اور دادوستد خود ہی ماخوذ ومفہوم ہو ان دونوں صورتوں میں وہ نفع حرام وسُود ہے،

فان المعھود کالمشروط لفظاً۔[2]	اس لئے کہ بے شک جو عرف کے اعتبار سے معہود ہو وہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے لفظوں میں مشروط ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

قالوا اذا لم تکن المنفعة مشروطة ولا متعارفة	مشائخ نے کہا جو منفعت مشروط نہ ہو اور نہ ہی متعارف ہو تو اس میں کوئی

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فیما یدخل فی البیع تبعاً الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹

فلاباس[1]۔	حرج نہیں۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

فی الفتاوی الصغری وغیرھا ان کان النفع مشروطا فی القرض فھو حرام والقرض بھذا الشرط فاسد و الاجاز .الاتری انه لو قضاہ احسن مما علیه لایکرہ اذالم یکن مشروطا وقالوا انما یحل ذٰلك عند عدم الشرط اذا لم یکن فیه عرف ظاھر .فان کان یعرف ان ذٰلك یفعل لذٰلك فلا[2] اھ ملخصًا۔	فتاوی صغرٰی وغیرہ میں ہے کہ اگر قرض میں نفع کی شرط لگائی گئی تو نفع حرام، اور قرض اس شرط کے ساتھ فاسد ہوگا، اور اگر شرط نہیں لگائی گئی تو جائز ہے۔کیاتو نہیں دیکھتا کہ جس پر قرض ہے اگر وہ قرض سے زیادہ بہتر واپس کرے تو یہ مکروہ نہ ہوگا بشرطیکہ اس کی شرط نہ لگائی گئی ہو۔مشائخ نے کہا عدم شرط کی صورت میں یہ حلال تب ہوگا جب زیادہ واپس کرنے کا عرف ظاہر نہ ہواور اگر یہ معروف ہے تو پھر ایسا کرنا جائز نہیں اھ اختصار۔(ت)

منح الغفار میں جواہر الفتاوی سے ہے:

اذا کان مشروطا صار قرضا فیه منفعة فھو ربًا والافلا باس به۔[3]	جب شرط لگادی گئی تو یہ ایسا قرض ہوگیا جس میں نفع ہے لہٰذا وہ سود ہوا اور اگر مشروط نہیں تو کوئی حرج نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ما فی الجواھر یصلح للتوفیق وھو وجیه،وذکر وا نظیرہ فیما لو اھدی المستقرض للمقرض	جو کچھ جواہر میں ہے وہ موافقت کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ وجیہ ہے۔اس کی نظیر مشائخ نے ذکر کی کہ جب مقروض قرض دہندہ کو

---

[1] الدر المختار کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۰

[2] فتح القدیر کتاب الحوالہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۶

[3] ردالمحتار بحوالہ جواھر الفتاوٰی کتاب الرھن دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۰

ان کانت بشرط کرہ والافلا۔[1]	ہدیہ دے تو اگر اس کی شرط لگائی گئی ہے تب تو مکروہ ہے ورنہ نہیں۔(ت)

جب یہ اصل کلی معلوم ہولی حکم مسئلہ واضح ہوگیا کہ اگر مکان وغیرہ شیئ مرہون سے مرتہن کا بذریعہ سکونت وغیرہ نفع لینا مشروط ہوچکا ہے جیسا کہ دخلی رہن ناموں میں اس کی صاف تصریح ہوئی ہے جب تو اس کا صریح سُود حرام ہونا ظاہر، ورنہ غالب عرف وعادت رسم ورواج زمانہ صراحۃً حاکم ابنائے زمان اسی نفع کی غرض سے قرض دیتے ہیں اور لینے دینے والے سب بغیر ذکر اسے قرار یافتہ سمجھتے ہیں، اگر مرتہن جانے کہ مجھے انتفاع نہ ملے گا ہرگز عقد نہ کرے اور راہن بوجہ قرض دبا ہوا نہ ہو تو کبھی مجبورًا اجازت انتفاع نہ دے ولہذا مرتہن اس نفع وسود کو اپنا حق واجب جانتے ہیں اور راہن کو اس پر مجبور کرتے ہیں، تو یہ انتفاع اگرچہ لفظًا مشروط نہ ہو عرفًا بیشک مشروط ومعہود ہے تو حکم مطلق حرمت وممانعت ہے۔علامہ احمد طحطاوی پھر علامہ محمد شافعی قدس سرہما ایسا ہی حواشی دُر میں فرماتے ہیں:

الغالب من احوال الناس انھم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراھم وھذا بمنزلۃ الشرط لان المعروف کالمشروط وھو مما یعین المنع۔[2]	لوگوں کا غالب حال یہ ہے کہ رہن کے وقت وہ مرہون سے نفع اٹھانے کاارادہ رکھتے ہیں، اگر نفع متوقع نہ ہو تو قرض پر درھم ہی نہ دیں گے، اور وہ بمنزلہ شرط کے ہے کیونکہ معروف کا حکم مشروط کے حکم کی مثل ہوتا ہے اور یہ ممانعت کو متعین کرتا ہے۔(ت)

ہاں اگر مرتہن بے لحاظ انتفاع قرض دے اور صرف بغرض وثوق وصول جو تشریع رہن سے مقصود شارع ہے رہن لے اور عاقدین وقت عقد صراحۃً شرط کرلیں مرتہن کسی طرح نفع اٹھانے کا مجاز نہ ہوگا،

وذٰلك لان ماصار معروفا لایصیر مرفوعا بالسکوت	یہ اس لئے ہے کہ جو چیز معروف ہوچکی ہو وہ چپ رہنے سے مرفوع نہیں ہوجاتی

---

[1] ردالمحتار کتاب الرھن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۱

[2] ردالمحتار کتاب الرھن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۱

فلایکفی عدم الشرط بل شرط العدم کی یفوق الصریح الدلالۃ۔	لہٰذا شرط نہ لگانا کافی نہیں بلکہ عدم نفع کی شرط ضروری ہوگی تاکہ صریح، دلالت پر فوقیت پاجائے۔(ت)

پھر راہن اپنی خوشی سے مرتہن کو انتفاع کی اجازت دے اور مرتہن صرف بربنائے اجازت نہ کہ اپنا استحقاق جان کر نفع اٹھائے اور حال یہ ہو کہ اگر راہن اس وقت روک دے تو فوراً رُک جائے یعنی بعد اس شرط عدم انتفاع کے مالک نے برضائے خود مکان رہن میں رہنے کا اذن دیا یہ آکر بیٹھا ہی تھا کہ اس نے منع کیا تومعًا باز رہے اور اصلاً چون وچرانہ کرے تو ایسا انتفاع جب تک رضائے راہن رہے حلال ہوگا، مگر حاشا ہندوستان میں اس صورت کی صورت کہاں، اللہ عزوجل مسلمانوں کی اصلاح فرمائے، آمین! **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۹: ۴/رجب ۱۳۱۲ھ:

زید نے عمرو سے مبلغ دوہزار روپے بلاسود قرض لئے ایک موضع اپنا بطور رہن کے عمرو کے قبضہ میں دے دیا توفیر اس موضع کی تقریبًا تین سو روپیہ ہے اس صورت میں بعوض حق المحنت تحصیل وصول زر وادائے سامان حاکم وقت ودیگر کاروبار متعلقہ موضع مذکور کے مبلغ دس روپیہ ماہوار کے حساب سے ایک سوبیس روپیہ سالانہ عمرو کو دینا چاہتا ہے، پس لینا اُجرت مذکور کا عمرو کو زید سے بحالت مسطورہ شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ اور زید کے کاموں کا انجام دینا اور توفیر وصول کرکے پہنچانا باخذ اجرت وحق المحنت درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

رہن واجارہ باہم دو عقد متنافی ہیں کہ شرعًا جمع نہیں ہوسکتے جو اُن میں بوصف نفاذ دوسرے پر وارد ہوگا اسے باطل کردے گا **کما نص علیہ الکبار فی معتمدات الاسفار** (جیسا کہ اس پر معتمد کتابوں میں علماء کبار نے نص فرمائی ہے۔ت) تو رہن دیہات کا یہ طریقہ کہ زمین مزارعین پر کے اجارہ پر رہے اور گاؤں مرتہن کے پاس رہن ہو محض باطل وبے معنی ہے بلکہ یہ رہن اجازت مستاجران زمین پر موقوف رہے گا اور اگر وہ باطل کردیں گے رہن باطل ہوجائے گا اجازت دیں گے تو ان کا اجارہ باطل ہو کر ان کی طرف سے استعفاء قرار پائے گا پھر بعد استعفاء جب رہن صحیح ہوا تو اب زمین زراعت پر نہیں اُٹھ سکتی اگر راہن بے اجازت مرتہن زمین

اٹھائے گا اجازت مرتہن پر موقوف رہے گی، اگر باطل کردے گا اجارہ زمین باطل ہوجائے گا رہن قائم رہے گا، اجازت دے گا تو رہن باطل اجارہ زمین صحیح ہوجائے گا، بہر حال رہن واجارہ دونوں جمع ہوں یہ ہرگز نہ ہوگا کل ذٰلك مصرح به فی الکتب الفقهیة (اس تمام کی تصریح فقہ کی کتابوں میں کردی گئی ہے۔ت) پس صورت مستفسرہ میں کہ زید نے اپنا گاؤں عمرو کے پاس رہن رکھا، ظاہر ہے کہ مزارعین دِہ سے استعفاء نہ لیا ہوگا کما ھو المعروف والمعهود فی هذا العهود (جیساکہ اس زمانے میں مشہور و معروف ہے۔ت) توشرعًا وہ رہن صحیح ہی نہ ہوا، اور اگر بالفرض استعفاء لے بھی تو اب کہ مزارعوں کے پاس اجارہ پر ہے ضرور ہے کہ یہ اجارہ بعد رہن یا راہن نے کیا اور مرتہن سے اسے جائز رکھا کہ تحصیل زر اجارہ پر نوکر رکھنا چاہتا ہے یا مرتہن نے کیا اور راہن نے اسے جائز کردیا کہ تحصیل زر اجارہ پر اسے نوکر رکھنا چاہتا ہے بہر حال گاؤں رہن سے نکل گیا اب نہ زید راہن نہ عمرو مرتہن، نوکری کا اختیار ہے قرضہ عمرو ذمہ زید جدا رہا۔ **واللّٰه تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔**

مسئلہ ۵۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے شرع متین اس بارے میں کہ ایک مکان پختہ زید کا اور بعد فوت زید کے وہ مکان بیع قبض ودخل دونوں لڑکوں زید کے رہا ایک طفل کلاں کا نام عمرو اور طفل خورد کا نام بکر بباعث تنگدستی کے بکر حصہ اپنا غیر شخص کے ہاتھ مبلغ چہار صد روپیہ کو فروخت کرتا تھا عمرو نے ظلم تعدی کرکے مبلغ تین سو روپیہ کو خرید لیا اس میں سے مبلغ ایک سو روپیہ نقد بکر کو دیئے اور بالعوض مبلغ صد روپیہ کے مکان سکونت اپنے کا عمرو نے پاس بکر کے رہن دخلی کردیا بعدہ وہ مکان بکر ایہ سہ روپیہ ماہواری کرایہ پر بکر نے دے دیا وہ کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں برتقدیر صحت بیع اگر بکر نے مکان مرہون باجازت عمرو کرایہ پر دیا تو رہن باطل ہوگیا اور زر کرایہ عمرو کو ملے گا بکر کا اس میں کچھ حق نہیں اور جو عمرو کی اجازت نہ تھی تو زر کرایہ بکر کا ہے مگر اس کے لئے وہ مال طیب نہیں زر خبیث کو اپنے صرف میں نہ لائے مانع اجابت دعا ہوتا ہے **کما فی الحدیث** (جیساکہ حدیث میں ہے۔ت) بلکہ تصدق کردے یا مالک کو دے دے **کما فی غمز العیون للحموی عن البزازیة ونحوہ فی الهندیة عن فتاوٰی قاضی خان** (جیساکہ حموی کی غمز العیون میں بحوالہ بزازیہ منقول

ہے اور اسی کی مثل ہندیہ میں فتاوٰی قاضی خان سے منقول ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۱: از ریاست رام پور

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ ہندہ از زید نابالغ کہ دراں زمان ہشت سالہ بود قرضے گرفت و مکان خود بمیعاد دوماہ نزد او گرو داشت و ہندہ بدستور دراں مکان ساکن بود پس ازاں زید آں مکان رابذریعہ مرتہنی بعمرو پسر ہندہ بحساب یازدہ روپیہ چہار آنہ ماہوار بکرایہ داد در کرایہ گرفتن لفظ عمرو ہم چنیں بودہ کہ مکان فلانی از زید بچندیں اجرت ماہانہ بکرایہ گرفتم واقرار میکنم کہ تاانفکاک رہن اجرت ماہ بماہ دہم ویک اقرار نامہ نوشت کہ میان دوماہ میعاد مندرجہ رہن نامہ موضع مینی عوض مکان نزد مرتہن رہن خواہم کرد روپیہ کرایہ یکساں بمرتہن دہم لیکن عمرو دران مکان یکروز ھم سکونت نور زید بمکان مملوک خود کہ ہمدراں محلّہ واقع است ساکن ماند نہ آں مکان فارغ بود کہ ہندہ خود دروسکونت میداشت کہ ازیں بیازدہ ماہ فک رہن و تبدیلش بموضع مینی رونمود زید تاچار ونیم سال از مطالبہ اجرت	کیاارشاد ہے آپ کااے علماء کرام،اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے آٹھ سالہ نابالغ زید سے قرض لیااور اپنا مکان دوماہ کی مدت کے لئے اس کے پاس رہن رکھ دیا،اس کے باوجود ہندہ حسب سابق اس مکان میں مقیم رہی، پھر زید نے وہ مکان بحیثیت مرتہن لے کر ہندہ کے بیٹے عمرو کو گیارہ روپے چارآنے کے ماہانہ کرائے پر دے دیا، کرائے پر مکان لیتے ہوئے عمرو نے یہ الفاظ کہے کہ میں نے فلاں مکان زید سے اتنے ماہانہ کرائے پر لیااور میں اقرار کرتا ہوں کہ رہن کے چھڑانے تک ہر ماہ کرایہ ادا کرتا رہوں گا، اورایک اقرار نامہ لکھا کہ رہن نامہ میں مندرج دوماہ کی مدت میں موضع مینی مرتہن (زید) کے پاس مکان کے بدلے رہن رکھ دوں گا،اور کرائے کے روپے باقاعدگی سے ادا کرتا رہوں گا، لیکن عمرو نے ایک دن بھی اس مکان میں رہائش اختیار نہیں کی بلکہ اپنے مکان ہی میں رہاجو اسی محلے میں ہے۔ وہ مکان فارغ نہیں تھا کیونکہ خود ہندہ اس مکان میں رہائش پذیر تھی، گیارہ ماہ میں رہن کی واگزاری اور موضع مینی کے ساتھ اس کی تبدیلی رونما ہوئی، زید ساڑھے چار

مہر سکوت برلب نہابعد ایں قدر مدت مدید برائے اجرت یافتن استغاثہ کرد گواہانش بوقوع رہن واجارہ شہادت دادہ بیاں می کنند کہ مدعاعلیہ پس از تصدیق اجارہ نامہ وسپردنش بمدعی قبضہ برمکان کردبہ متعلقان خویش دروسکونت، ورزید بلکہ ہنوز قبضہ مدعاعلیہ براں مکان آشکارست حالااز علمائے دین متین ایدھم اللہ بتوفیقہ استفسار میرود کہ درصورت مذکورہ حکم شرعی چیست ورہن واجارہ مسطورہ صحیح است یانہ و زر کرایہ کل یابعض برذمہ عمرو واجب الاداست یاچہ وگواہی مذبور صالح استناد وشایان اعتماداست یاخیر۔ **بینوا توجروا۔**	سال تک کرائے کے مطالبے سے خاموش رہا، اس طویل مدت کے بعد اس نے کرایہ وصول کرنے کے لئے دعوٰی کر دیا، اس کے گواہوں نے گواہی دی کہ عقد رہن بھی پایا گیا اور عقد اجارہ بھی پایا گیا، گواہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ مدعاعلیہ نے کرایہ نامہ کی تصدیق اور اسے مدعی کے سپرد کرنے کے بعد مکان پر قبضہ کیا اور اپنے متعلقین سمیت اس میں رہائش اختیار کرلی، بلکہ اب بھی مدعاعلیہ کا قبضہ اس مکان پر ظاہر و باہر ہے۔ اب علماء دین متین سے دریافت کیا جاتا ہے اللہ تعالٰی اپنی توفیق سے انہیں تقویت عطا فرمائے کہ صورت مذکورہ میں شرعی حکم کیا ہے کیا رہن اور اجارہ مذکورہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور کرایہ پورا یا اس کا کچھ حصہ عمرو کے ذمہ واجب الادا ہے یا نہیں؟ اور مذکورہ گواہی قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

رہن مذکورہ ہرگز صحیح نیست واگر نباشد دروجز تقرر اجل تاایں قدرہم افساد رابسنداست فی الاشباہ **الاجل فی الرھن یفسدہ**[1] ہم چنیں آں اجارہ نیز وجہ صحت ندارد کہ تقریر سوال سپیدمی گوید کہ مدت درپردہ جہالت ماند نفس ایجاب وقبول از ذکر اجل	رہن مذکور ہرگز صحیح نہیں ہے، اگر اس میں مدت کے معین کرنے کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تو یہ بھی رہن کے فاسد کرنے کے لئے کافی تھا، الاشباہ میں ہے، رہن میں مدت کا مقرر کرنا اسے فاسد کردیتا ہے، اسی طرح اس اجارہ (کرائے پر دینے) کے صحیح ہونے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے، سوال کی عبارت سے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث کتاب الرھن ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱۴

راسا معزول وآں لفظ کہ تا فکاک رہن کرایہ ماہ بماہ دہم وعدہ ایست جداگانہ از سخن قبول بیگانہ اوا گرنہ آنچناں گیریم تافکاک رہن خود امریست نامعین چہ دانی امروز مے شود یا دردہ سال ومعلوم ہست کہ جہالت مدت دراجارہ فساد آرد فی الدرالمختار **کل مافسد البیع یفسدھا کجھالۃ مدۃ**[1] اھ ملخصًا پس درصورت مستفسرہ بحساب اجر مثل حدیث باید کرد یعنی یازدہ روپیہ چارآنہ کلا یابعضًا چیزے لازم نیاید بلے اگر اینجا سخن مے تواں گفت اجر مثل حدیث باید کرد یعنی آنچہ اُجرت ہمچو خانہ در ہمچو جائے در ہمچو زمانے باشد بشرطیکہ برزر مسمّٰی نیفزاید **کما ھو حکم الاجارۃ الفاسدۃ اذا فسدت لا لجھالۃ المسمّٰی** لیکن دراجارہ فاسدہ اجر مثل ھم لازم نیاید الابدو شرطیکے حقیقت انتفاع مستاجر بداں چیز مستاجر کہ قوۃ تمکّن

واضح ہے کہ مدت اجارہ مجہول رہی، محض ایجاب وقبول کامدت کے ذکر سے کوئی نہیں ہے، اور یہ کہنا کہ ہر ماہ کرایہ دیتا رہوں گا صرف ایک وعدہ ہے جس کا قبول کرنے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، اور اگر اس پہلو کو نہ لیا جائے تو "رہن کی واگزاری تک" یہ خود غیر معین (اور مجہول ہے) کیا پتا آج ہوتا ہے یا دس سال میں، اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ اجارہ میں مدت کا مجہول ہونا اسے فاسد کردیتا ہے، درمختار میں ہے: جو چیز بیع کو فاسد کردیتی ہے اجارہ کو بھی فاسد کردے گی، جیسے مدت کی جہالت اھ تلخیص۔ لہٰذا جس صورت کے بارے میں سوال کیا گیا ہے اس میں بیان کردہ کرائے یعنی گیارہ روپے اور چار آنے کے حساب سے تمام کرایہ یا اس کا کچھ حصہ لازم نہیں آتا، ہاں اس جگہ اگر بات کی جاسکتی ہے تو "اجر مثل" کی بات کرنی چاہئے، یعنی ایسی جگہ اور ایسے وقت میں ایسے گھر کا جو کرایہ ہوسکتا ہے بشرطیکہ بیان کردہ کرائے سے زیادہ نہ ہو، جیسے کہ اجارہ فاسد کا حکم ہے جبکہ وہ فاسد ہو لیکن بیان کردہ کرائے کی جہالت کی وجہ سے نہ ہو، لیکن فاسد اجارے میں اجر مثل بھی تب لازم آتا ہے جب دو شرطیں پائی جائیں: **(۱)** کرائے

---

[1] الدرالمختار کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

انتفاع اینجا برگ وبارنیست فی الاشباہ التمکن من الانتفاع یوجب الاجر الافی مسائل الاولی اذاکانت الاجارۃ فاسدۃ فلا یجب الابحقیقۃ الانتفاع کما فی فصول العمادی[1] دوم وقوع تسلیم از جانب مواجر بروجہ اجارہ کما فی غمزالعیون والبصائر عن البزازیۃ انما یجب الاجر فی الفاسد بحقیقۃ الاستیفاء اذا وجد التسلیم من جھۃ الاجارۃ[2] وفی الھندیۃ بعد ماوجب الاستیفاء حقیقۃ انما یجب الاجر اذا وجد التسلیم الی المستاجر من جھۃ المواجر[3] پس درصورتیکہ عمرو مستاجر دراں مکان یکروز ھم سکونت نورزید نہ آں مکان فارغ بود کہ خود ہندہ مالکہ دروسکونت میداشت دگرہیچ مپرس کہ مواجرین رہن عقد تاچند سال تناسخ فکر کردند یافکاک رہن و تبدیل	پر لینے والا کرائے کی چیز سے حقیقۃً نفع اٹھائے، کیونکہ نفع حاصل کرنے کی قوت کا اس جگہ کوئی اعتبار نہیں ہے۔الاشباہ میں ہے: حقیقۃً نفع حاصل کرنے پر قادر ہونا کرائے کو واجب کرتاہے مگر چند مسائل میں (۱)جب اجارہ فاسد ہوتو اجر صرف اس وقت واجب ہوگا جب حقیقۃً نفع حاصل کیاجائے گا جیسے فصول عمادی میں ہے۔(۲)اجرت پر دینے والا بطور کرایہ کرایہ دار کے سپرد کردے، جیسے کہ غمزالعیون والبصائر میں بزازیہ سے نقل کیاگیاہے کہ اجارہ فاسدہ میں کرایہ صرف اس وقت واجب ہوتاہے جب حقیقۃً بھرپور نفع حاصل کیا جائے اور بطور کرایہ، کرایہ دار کو، چیز سپرد کی جائے۔فتاوٰی ہندیہ (عالمگیری) میں ہے کہ جب حقیقۃً بھرپور نفع حاصل کرنا پایاجائے تو کرایہ صرف اس صورت میں واجب ہوگا جب کرایہ پر دینے والا کرائے کی چیز کو کرایہ دار کے سپرد کردے گا۔ پس جس صورت میں کرائے دار عمرو نے اس مکان میں ایک دن بھی قیام نہیں کیا، نہ ہی وہ مکان خالی تھا، کیونکہ ہندہ جو اس مکان کی مالک تھی اس مکان میں رہائش پذیر تھی، یہ مت پوچھئے کہ رہن کو بطور کرایہ دینے والوں نے کتنے سال عقد کو فسخ

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۰
[2] غمزعیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۰
[3] الفتاوی الھندیہ کتاب الاجارہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ کراچی ۴/ ۴۱۴

مرہون درچہ قدرمدت پدید آمدکائنا ماکان ولئگے ازاُجرت برذمہ اولازم نیست زیراکہ چوں حقیقت انتفاع پر بہوائے عدم کشاید لزوم اجرنیزعنان معائش درگوتمکن ھزار باشد و خود ازینجاچہ مے پرسی کہ جائے تمکن ہم مفقود ست زید راگو کہ از گریبان عمرو دست کوتاہ دارد از شہادت شہدائے زید ہم اینجا کارے نکشاید وآبے بررو ئے کارنیاید کہ از بیان شان بر تقدیر استجماع شرائط قبول ہمیں قدربثبوت می پیوندد کہ مدعاعلیہ براں مکان قبضہ آورد باوابستگان خویش درو سکونت کرد از کجاکہ مدعی نیزآں مکان راازسامان خود تفریغ نمودہ بدست مدعا علیہ سپرد وخود باتوگفتہ ایم کہ مجرد سکونت بے تسلیم مواجر بروجہ اجارہ اینجا ثمرے ندارد می تواند کہ سکونت عمروبرسبیل ہماں انبساط معہود کہ درمیان اصول وفروع بودہ باشد کہ اولاد راچنانکہ دانی اگرچہ مساکیں جداگانہ باشدگاہے از سکونت نزد والدین ھم مانع نیست نہ ازیں بیاں گواہان مدت انتفاع رنگ

کرنے کی فکر کی ہوگی؟ یارہن کو چھڑانے اوررہن رکھی ہوئی چیز کو تبدیل کرنے پر کتنی مدت صرف ہوئی ہوگی؟ بہر صورت عمروکے ذمہ پر کرایہ لازم نہیں ہے،اس لئے کہ جب حقیقت انتفاع ہوائے عدم میں پرَکھولتی ہے توکرائے کالازم ہونا بھی اپنی لگام پھیرلے گا(یعنی جب حقیقۃً نفع حاصل نہیں کیاگیاتو کرایہ بھی لازم نہیں ہے ۱۲مترجم)اگرچہ نفع حاصل کرنے کی قوت ہزارمرتبہ ہو،آپ اس جگہ کیاپوچھتے ہیں کہ یہاں تونفع حاصل کرنے کی قدرت بھی نہیں ہے،زید کو کہیں کہ عمروکاگریبان چھوڑدے،زیدکے گواہوں کی گواہی سے بھی اس جگہ کوئی کام نہیں بنتااورپانی کارآمد ثابت نہیں ہوتا،کیونکہ قبولیت کی شرطیں جمع ہونے کی صورت میں بھی ان کے بیان سے صرف یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ مدعاعلیہ نے اس مکان پر قبضہ کرلیااوراپنے متعلقین سمیت اس میں رہائش اختیار کرلی،یہ بات کہاں سے ثابت ہوئی کہ مدعی نے بھی وہ مکان اپنے سامان سے خالی کرکے مدعالیہ کے سپرد کیا۔ہم اس سے پہلے بیان کرچکے ہیں کہ محض رہائش کا اس جگہ کوئی فائدہ نہیں ہے جب تک کہ مالک بطور کرایہ کرائے دارکے سپرد نہ کرے،

ظہور یافت و قول ایشاں کہ بلکہ ہنوز قبضہ مدعاعلیہ براں مکان آشکار ست باچہ کار آید کہ قبضہ انتفاع و تمکن انتفاع را شامل وانیجا محض تمکن از ثمر عاطل کما قد القینا علیک سخن گفتنی ماند از اقرار نامہ کہ مدعا علیہ بتحریرش پرداخت اگر نیک بنگری ہمانا سراسر لغو و مہمل ست وبر بیانش حکمے نمی رسد اینکہ مجرد وعدہ وآں ھم بچیزے کہ شرعا وجہ صحت ندارد ازچہ رو مواخذہ و مدعی را مطالبہ روا باشد، بالجملہ ہر چند در اجارہ ملک غیر بے رخصت شرع مطہر اگر پیش از استیفائے منافع اجازتے از مالک رونماید استحقاق اجرت مر عاقد مؤاجر رامی باشد شرع فرمائش دہد کہ بصدقہ دہ یا بدامان مالک نہ کما فی **منیۃ المفتی والخانیۃ والغمز والھندیۃ** وغیرہ اما در صورت مستفسرہ بربنائے وجوہ مذکورہ گردن عمرو از بار اجرت آں فرومی بینم فقیر غفراللہ تعالٰی لہ ایں مباحث را

ہوسکتا ہے کہ عمرو کی رہائش اسی معلوم بے تکلفی پر مبنی ہو جو ماں باپ اور اولاد کے درمیان ہوتی ہے، جیسے کہ آپ جانتے ہیں کہ مسکین اولاد اگرچہ الگ رہتی ہو ان کے لئے گاہے بگاہے والدین کے پاس رہنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، گواہوں کے اس بیان سے نفع حاصل کرنے کی مدت بھی واضح نہیں ہوتی اور ان کا یہ کہنا کہ "تاحال مدعاعلیہ کا اس مکان پر قبضہ ظاہر و باہر ہے" کس کام آئے گا؟ کیونکہ قبضہ دونوں صورتوں کو شامل ہے (۱) نفع حاصل کرنے اور (۲) نفع حاصل کرنے کی قوت (یعنی بالفعل اور بالقوۃ نفع حاصل کرنے کو شامل ہے) اور اس جگہ صرف نفع حاصل کرنے کی قوت بے فائدہ ہے، جیسے کہ ہم اس سے پہلے بیان کرچکے ہیں۔ کہنے والی ایک بات رہ گئی اور وہ یہ کہ مدعاعلیہ نے جو اقرار نامہ تحریر کیا وہ بالکل لغو اور مہمل ہے، اس کے بیان پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا، اس نے صرف ایک وعدہ کیا ہے اور وہ بھی ایسی چیز کا جو شرعاً صحیح نہیں ہے، لہٰذا نہ تو مواخذہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی مدعی کا مطالبہ جائز ہے۔ مختصر یہ کہ غیر کی ملکیت کو شریعت مطہرہ کی اجازت کے بغیر کرائے پر دینے میں اگر منافع کے حاصل کرنے سے پہلے مالک اجازت دے بھی دے

درفتوٰی مفصله ہرچہ تمامتر رنگ ایضاح واداست ازانجامی باید گرفت کہ دریں رہ پالغزرفتار نہایت ضرررساں وسخت و دشوار گزاریاں پیشیں راکارچہ بلادشوار افتادہ است "کُلُّ حِزۡبٍۭ بِمَا لَدَیۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿۵۳﴾"[1] والعلم بالحق عند واهب العلوم عالم کل سر مکتوم وصلی الله تعالٰی علٰی سیدنا ومولانا محمد البدر واٰله وصحبه الاقمار و النجوم۔	کرائے کا مستحق وہ ہے جو کرائے کا عقد کرنے والا ہے، شریعت مبارکہ کا حکم ہے کہ یا تو صدقہ کردے یا پھر مالک کو واپس کر دے جیسے کہ منیۃ المفتی، خانیہ، غمزالعیون، عالمگیری وغیرہ میں ہے، جس صورت کے بارے میں سوال کیا گیا ہے اس میں وجوہ مذکورہ بالا کی بنا پر مجھے عمرو کی گردن کرائے کے بوجھ سے آزاد نظر آتی ہے۔ فقیر، اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے، نے ان مباحث کو ایک تفصیلی فتوے میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اس کا مطالعہ کیا جائے، کیونکہ اس راستے میں لغزش کھانے والا پاؤں بہت نقصان دہ ہے اور یہ راستہ بہت مشکل اور دشوار ہے پہلے حضرات کو اس معاملے میں بڑی دشواری پیش آئی ہے، ہر گروہ اپنی رائے پر خوش ہے، حق کا علم اس کے پاس ہے جو علوم کا دینے والا اور ہر راز کا جاننے والا ہے۔ اللہ تعالٰی ہمارے آقا و مولا چودھویں کے چاند محمد مصطفٰی اور آپ کی آل اور صحابہ کرام ہدایت کے چاندوں اور ستاروں پر رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین! (ت)

مسئلہ ۵۲: از قصبہ پاڑہم ضلع مین پوری پرگنہ مصطفٰی آباد مسئولہ محمد صادق علی خاں صاحب ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع متین حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس مسئلہ میں کہ مسماۃ زینب نے پانچ بسوہ زمینداری ایک موضع کی بقرارداد مبلغ (سالہ ۱۳۹) مالیانہ حق مالکانہ کے مسمّٰی خالد سے واسطے معاش اپنے کے تامدت گیارہ سال رہن دخلی کی اور مرتہن یعنی خالد مذکور قابض شیئ مرہون ہوا بعد چند سال مسماۃ زینب راہنہ فوت ہوئی تو بعد ازیں بحث مقدمہ اثبات وراثت مسماۃ مریم مدعیہ وارثہ راہنہ جس میں سوت راہنہ اور دوسرا مرتہن جائداد مرہونہ مدعا علیہا مجیب تھے ازروئے شرع محمد علیہ الصلوات والتسلیم

[1] القرآن الکریم ۲۳/ ۵۳

شَے مرہون جزاً یعنی ۱۶ بسوانسہ ۱۳کچوانسہ اورایک ثلث کچوانسہ ملکیت حقیت راہنہ کی اورمدعیہ وارثہ کی ٹھہری اورجزاً شے مرہون یعنی ۴بسوہ ۳سوانسہ ۶کچوانسہ اور۲ثلث کچوانسی شیئ مرہون مال غصب اور حقیت ملکیت شخص ثالث جوفریق مقدمہ مذکورنہ تھاقرار پائی، چنانچہ ۱۶بسوانسہ ۳کچوانسہ اورایک ثلث کچوانسہ مدعیہ وارثہ راہنہ کوملے اوربعد ازیں فک الرہن بھی ہوگئی اور ۴بسوہ ۳بسوانسہ ۶کچوانسہ اوردو ثلث کچوانسہ یعنی بمقدار مال غصب معلق رہے چنانچہ آج تک وہ مال غصب بہ قبضہ رہن قائم مقام مرتہن ہے اوراب وارثہ راہنہ بھی مرچکی ہے مگراس کی اولاد باقی ہے یعنی وارثہ راہنہ کی تومسئلہ فرماؤ بقید نام وباب کتاب کے جس سے مسئلہ اخذ کروکہ حق انفکاک رہن مذکورہ بالاکا وارثان وارثہ راہنہ کو ہے یانہیں؟ اجردے تم کو اللہ صاحب نیک اجر۔

الجواب:

بلاشبہہ ہے۔ تقریر سوال وبیان سائل سے واضح کہ یہاں شخص ثالث نہ فریق مقدمہ تھانہ راہنہ یااس کے وارث اپنے غصب کے مقر، توبالائی طورپر غاصب سمجھ لیناان کے حق فک کو کیا زائل کرسکے جبکہ علماء تصریح فرماتے ہوں کہ راہن اگراقرار بھی کردے کہ شیئ مرہون دوسرے کی ملک ہے تاہم اسے یہی حکم دیں گے کہ فک رہن کراکر مالک کوواپس دے، درمختار باب التصرف فی الرہن میں ہے:

لورھن شیئا ثم اقر بالرھن لغیرہ لایصدق فی حق المرتھن ویؤمر بقضاء الدین وردہ الی المقرلہ۔[1]	اگر کوئی شیئ رہن رکھی پھرراہن نے اقرارکیاکہ مرہون شیئ کسی اور کی ملک ہے تومرتہن کے حق میں راہن کی تصدیق نہیں کی جائے گی اورراہن کوحکم دیاجائے گاقرض کی ادائیگی کا اورمرہون شیئ، مقرلہ کی طرف لوٹانے کا۔(ت)

معہذاجب ملک غیربے اذن غیرکوئی شخص راہن کودے توراہن غاصب اورمرتہن مثل غاصب الغاصب ہوتاہے۔ہدایہ باب الرھن الذی یوضع علی ید العدل میں ہے:

ان مات العبد المرھون فی ید المرتھن ثم استحقہ رجل	اگرمرہون غلام مرتہن کے قبضے میں مرگیا پھر کوئی اور شخص اس کا مستحق نکل آیاتواس کو

[1] الدرالمختار کتاب الرھن باب التصرف فی الرھن الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۴

فله الخیار ان شاء ضمن الراهن و ان شاء ضمن المرتهن لان کل واحد منهما متعد فی حقه بالتسلیم او بالقبض۔[1]	اختیار ہوگا چاہے توراہن کو ضامن ٹھہرائے اور چاہے تومرتہن کو۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک مستحق کے حق میں تعدی کرنے والا ہے بسبب رہن کی سپردگی کے یابسبب اس پر قبضہ کرنے کے۔(ت)

غایۃ البیان علامہ اتقانی باب مذکور میں ہے:

ای متعد فی حق المستحق اما الراهن فبتسلیم الرهن الی المرتهن واما المرتهن فبالقبض فصار الراهن کالغاصب والمرتهن کغاصب الغاصب۔[2]	یعنی مستحق کے حق میں تعدی کرنے والا ہے۔راہن اس لئے کہ اس نے مرہون شے مرتہن کے سپرد کی اور مرتہن اس لئے کہ اس نے مرہون پر قبضہ کیالہذا راہن غاصب کی مثل اور مرتہن غاصب سے غصب کرنے والے کی مثل ہوگیا۔(ت)

راہن جب کہ مالک سے غاصب اور مرتہن کامدیون ہوا توآخر اسے یہی حکم ہوگا کہ مرتہن کا دَین دے اور مالک کو اس کی شیئ واپس کرے اور جب مرتہن اپنا دین پالیتا ہے تو اسے کوئی حق حبس نہیں رہتا اور جس سے وہ چیز لی تھی یعنی راہن اگرچہ وہ حقیقۃً غاصب ہی ہو اسے سپرد کردینے سے بری الذمہ ہوجاتا ہے۔عالمگیری کتاب الغصب باب ثانی عشر میں ہے:

غاصب الغاصب یرد الی الغاصب الاول لیخرج عن العهدۃ۔[3]	غاصب سے غصب کرنے والا غاصب اول کی طرف مغصوب کو لوٹادے تاکہ ذمہ داری سے نکل جائے۔(ت)

بالجملہ صورت مستفسرہ میں بعد ادائے دَین وارثانِ راہنہ کو شیئ مرہون واپس دینے میں مرتہن یا اس کے قائمقام کو کوئی عذر نہیں ہوسکتا اب اگر حقیقتًا اس میں شخص ثالث کا

---

[1] الهدایۃ کتاب الرهن باب الرهن الذی یوضع علی ید العدل مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۳۷

[2] غایۃ البیان کتاب الرهن باب الرهن الذی یوضع علی ید العدل

[3] الفتاوی الهندیۃ کتاب الغصب الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۴۸

حصہ ہے تو ورثہ راہنہ پر فرض ہوگا کہ مستحق کو اس کا حق پہنچائیں۔یہ دوسری بحث ہے جس سے مرتہن کو تعلق نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۳: مسئولہ حاجی غلام حضرت ۵رجب المرجب ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید کچھ زیور سونے کا عمرو کے پاس لے کر گیاکہ مجھے روپے کی ضرورت ہے زیور رکھ لو اور روپیہ دے دو میں روپیہ دے کر زیور اپنا لے لوں گا عمرو نے کہا اس وقت میرے پاس روپیہ نہیں زید نے کہاتم کسی اور سے یہ کام کرادو عمرو وہ زیور بکر کے پاس لے گیااور زید کا مقولہ بکر سے کہا بکر نے جواب دیا بیس روپے تولہ کے حساب سے اس زیور کے دام دیتاہوں اور ایک ماہ تک وعدہ پر واپسی کرتاہوں یک ماہ تک اگر روپیہ نہ دیا تو میں واپس نہ کروں گا عمرو نے یہ شرط منظور کرکے روپیہ لے لیا۔زید کا روپیہ عمرو کے پاس قبل وعدہ کے جمع تھا زید نے اپنے زیور کا تقاضا عمرو سے کیا اور کرتا رہا، عمرو اپنے کاروبار میں مصروف تھا بکر سے تقاضا مابین وعدہ نہ کرسکا یہاں تک کہ وعدہ سے عرصہ زیادہ ہوگیا اب عمرو نے بکر سے زید کا وہ زیور طلب کیا اور روپیہ دیناچاہا تو بکر نے زیور واپس کرنے سے انکار کیا اور کہا میں نے بعد گزرنے وعدے کے زیور فروخت کردیا لیکن بدون اطلاع اور بلااجازت زید وعمرو کے فروخت کیااور وہ زیور اس قدر روپیہ سے جو زید کو دیاگیا تھا سوائی قیمت سے بھی زائد کا تھا پس صورت مسئولہ میں شرع شریف کا کیاحکم ہے آیا وہ بکر کو وہ زیور واپس کرنالازم ہے یا نہیں؟ اور اس کے نفع کامالک اور نقصان کا متحمل زید یا عمرو یا بکر؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

یہ صورت بیع الوفا کی ہے اور بیع الوفا مذہب معتمدین محض رہن ہے اور مرتہن جب بلااذن راہن شیئ مرہون کو بیع کردے تو وہ بیع اجازت راہن پر موقوف رہتی ہے بشرطیکہ شیئ مبیع ہنوز موجود ہو اور اگر مشتری کے پاس ہلاک ہوجائے تو راہن کو اختیار ہوتاہے کہ مرتہن یا مشتری جس سے چاہے اپنی چیز کا تاوان لے لے۔فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی رجل باع رجلاً اٰخر دارا بثمن معلوم الی اجل معلوم بیعامعادا	ایک شخص کے بارے میں سوال کیاگیاجس نے دوسرے شخص کے ہاتھ معین ثمنوں کے عوض مدت معلومہ تک کے لئے گھر بیچاایسی بیع کے

علی انه فی شهر کذا یحضر الثمن ویسترجع الدار ثم مضی الزمن المعین بینهما ولم یقدر البائع علی الثمن الا بعد مدة والثمن دون قیمة الدار فهل للبائع دفع الثمن واسترجاع الدار، اجاب یجبر المشتری علی قبول الثمن من البائع ورد الدار علیه، والذی علیه الاکثر انه رهن لایفترق عن الرهن فی حکم من الاحکام[1] اھملخصاً۔	ساتھ جولوٹائی جائے گی اس شرط پر کہ فلاں مہینے بائع ثمن حاضر کردے گا، اور گھر واپس لے لے گا۔ پھر ان دونوں کے درمیان طے شدہ مدت گزر گئی درآنحالیکہ بائع ثمن حاضر کرنے پر قادر نہ ہوا مگر اس کے کچھ عرصہ بعد وہ دینے پر قادر ہوا جبکہ ثمن قیمت سے کم ہیں۔ توکیا بائع کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ثمن دے کر گھر واپس لے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا کہ مشتری کو بائع سے ثمن وصول کرنے اور گھر واپس لوٹانے پر مجبور کیا جائے گا۔ اکثر مشائخ اس مؤقف پر ہیں کہ یہ بیع رہن ہے کیونکہ اس میں اور رہن میں کسی بھی حکم میں فرق نہیں اھ تلخیص (ت)

جواہر الفتاوٰی پھر حاشیہ جامع الفصولین پھر ردالمحتار میں ہے:

حکمه حکم الرهن وهو الصحیح[2]۔	اس کا حکم وہی ہے جو رہن کا حکم ہے اور وہی صحیح ہے۔ (ت)

اسی طرح جواہر الاخلاص میں ہے کما رأیته فیها (جیسا کہ میں نے اس میں دیکھا ہے۔ ت) شرح الطحاوی پھر جامع الرموز پھر حاشیہ شامی میں ہے:

توقف علی اجازة الراهن بیع المرتهن فان اجازه جاز و الافلا، وله ان یبطله ویعیده رهنا، ولوهلك فی ید المشتری قبل الاجازة لم تجز الاجازة بعده و	مرتہن اگر مرہون کو بیچ دے تو یہ بیع راہن کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ اگر راہن نے اجازت دے دی تو جائز ورنہ نہیں۔ راہن کو اختیار ہے کہ بیع کو باطل کرکے اسے رہن کی طرف لوٹادے

---

[1] الفتاوی الخیریة کتاب البیوع دار المعرفة بیروت ۱/ ۲۲۵

[2] ردالمحتار بحوالہ جواهر الفتاوٰی کتاب البیوع باب الصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۶

للراھن ان یضمن ایھما شاء۔[1]	اگر مرہون مشتری کے قبضہ میں راہن کی اجازت سے قبل ہلاک ہوجائے تواس کے بعد کی اجازت جائز نہیں اور راہن کواختیار ہوگا کہ مرتہن اور مشتری میں سے جسے چاہے ضامن ٹھہرائے۔(ت)

در مختار ورد المحتار میں ہے:

ضمن بتعدیه(کالبیع بلااذن قھستانی)کل قیمته(ای بالغة مابلغت لانه صار غاصبا۔اتقانی)فیسقط الدین بقدرہ[2] اھ مختصرا۔	مرتہن اپنی تعدی کی وجہ سے(جیساکہ بلااجازت بیع، قہستانی) کل قیمت کاضامن ہوگا(یعنی وہ قیمت جس قدر بھی ہو،اتقانی)للذا اس کے برابر قرض ساقط ہوجائے اھ اختصار (ت)

پس صورت مستفسرہ میں بکر پر لازم ہے کہ زیور ہنوز نہیں بیچا توفوراً اپنا دیا ہوا روپیہ لے کر کل زیور واپس کردے اور اس مہمل و باطل قرارداد کی آڑ نہ لے اور اگر بکر نے واقع میں بیع کردیا اور زیور ہنوز مشتری کے پاس موجود ہے توزید کو اختیار ہے چاہے اس میں بیع کو جائز کردے اور زر ثمن تمال وکمال خود لے یا رد کردے اگر رد کردے تومشتری پر فرض ہے کہ روپے واپس کرے، اور اگر زیور تلف ہوگیا یا اب اس کا پتا نہیں چلتا قابو سے باہر ہے توزید اس کا پورا تاوان بکر سے لے سکتا ہے مثلاً اگر بکر نے ستر روپے اسے دیئے اور زید کا بازار کے بھاؤ سے سو روپے کا نکلا تو بکر کے ستر روپے ساقط برابر ہوگئے زیادہ کے تیس روپے زید کو دے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۴: از شہر کہنہ مرسلہ عبدالصمد صاحب ۸ ربیع الثانی ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو شیئ مرہون سے نفع اٹھانا بہ اجازت راہن جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مرہون سے انتفاع حرام محض ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] ردالمحتار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۲۷

[2] الدر المختار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۷،ردالمحتار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۳

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔[1]	جو قرض منفعت کو کھینچ لائے وہ سود ہے (ت)

بہ اجازت راہن نفع اٹھانے کے یہ معنٰی تھے کہ قرض کے دباؤ سے نہ ہو اور اس کی اجازت ہی کا پابند رہے جب وہ خوشی سے کہہ دے انتفاع کرے اور جس وقت منع کردے فورًا باز رہے مثلًا اس نے اپنی خوشی سے کہہ دیا کہ مکان میں رہو یہ آکر رہا اسی وقت اس نے کہہ دیا مجھے منظور نہیں تو فورًا نکل جائے کچھ عذر حیلہ درمیان میں نہ لائے ایسا یہاں ہرگز نہیں ہوتا بلکہ قطعًا دباؤ پر رہتے ہیں اور راہن دباؤ ہی کے باعث اجازت دیتا ہے اور وہ رجسٹری کے کاغذوں میں لکھی جاتی ہے کہ اس کے سبب انتفاع بالجبر کر سکیں اور اگر لاکھ کہے کہ نکل جاؤ ہرگز نہ نکلیں گے اور یہی جواب دیں گے کہ پہلے ہمارا قرض دے دو تو جائیں تو یہ صورت اجازت سے اصلًا متعلق نہیں بالاجماع حرام و ربا ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

مسئلہ ۵۵: از جائس رائے بریلی محلّہ زیر مسجد مکان حاجی ابراہیم مرسلہ ولی اللہ صاحب ۲/ربیع الاول شریف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرہون شیئ سے فائدہ اٹھانا مثلًا زمین رہن رکھا اس کو جوتا ہے اور اس میں زراعت بوتا ہے اور اس کے مینڈھ وغیرہ بندھواتا ہے اس کے نیچے اس کا منافع کھاتا ہے اور اس کو قیاس کرتا ہے بکری اور گھوڑے کے اوپر جائز ہے اس کے منافع کھانا یا نہیں؟ فقط

الجواب:

مرتہن کو مرہون سے نفع اٹھانا حرام اور نرا سُود ہے،

کما افادہ العلامۃ الطحاوی و العلامۃ الشامی فی حاشیتی الدر وحققناہ فی فتاوٰینا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ علامہ طحاوی اور علامہ شامی نے درمختار کے حاشیوں میں افادہ فرمایا ہے ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں کی ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۶: از ریاست رامپور متصل کوتوالی مکان مرحوم مجددی مرسلہ مولوی احمد حسین صاحب ۱۸ جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

چند شخص نے ایک ملک مشترک اپنے چند شخصوں کے پاس بالاشتراک رہن کی زررہن

[1] کنزالعمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

لے لیااور ملک پر مرتہنان کو قبضہ دے دیا رہن نامہ میں یہ لکھ دیا کہ ہم نے منافع ملک مرہون مرتہنان کو ہبہ معاف کردیا اور بخش دیا۔ اکثر راہنان مرگئے اور بعض زندہ ہیں۔ مرتہنان نے بعد موت راہنان متوفی منافع مِلک مرہون زائد از مقدار زر رہن حاصل کریں یہ ارشاد فرمایا جائے کہ منافع مذکورہ حق جائز وشرعی مرتہنان کا ہے یا نہیں؟ اور باوجود اس کے کہ مرتہنان نے منافع ملک مرہون بقدر مقدار زر رہن یازائد از زر رہن خود کاوصول کرلیا پھر بھی وہ مستحق پانے زرر ہن کے ہیں یاوارثان راہن زر رہن یافتنی مرتہن کو منافع وصول شدہ میں مجراومحسوب کر سکتے ہیں اور بلاادائے زردیگر ملک کو چھڑا سکتے ہیں، ہبہ وبخشش زرمنافع مذکورہ رہن نامہ عموماًاور بعد موت راہنان خصوصًا کیااثر رکھتے ہیں۔ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زرمنافع مرہون مرتہنوں کے حق میں ضرور حرام اور سود ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جرمنفعة فھو ربا۔ اخرجه الحارث فی مسنده[1] عن امیرالمؤمنین علی کرم الله تعالٰی وجھه۔	جوقرض نفع کو کھینچ لائے وہ سود ہے۔ حارث نے اپنی مسند میں امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے اس کی تخریج کی (ت)

عقودالدریہ میں محیط سے ہے:

لیس للمرتھن ولاللراھن ان یزرع الارض ولا یؤاجرھا لانه لیس لھما الانتفاع بالرھن[2]۔	راہن اور مرتہن کو یہ اختیار نہیں کہ وہ مرہون زمین میں کاشت کریں کیونکہ انہیں رہن سے نفع اٹھانا جائز نہیں۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

یکرہ للمرتھن الانتفاع بالرھن باذن الراھن۔[3]	راہن کی اجازت سے مرتہن کو رہن سے انتفاع مکروہ ہے۔ (ت)

---

[1] کنزالعمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] العقود الدریۃ کتاب الرھن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۸

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث کتاب الرھن ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱۳

تہذیب وجامع المضمرات میں ہے:

یکرہ للمرتھن ان ینتفع بالرھن وان اذن له الراھن۔[1]	مرتہن کو رہن سے انتفاع مکروہ ہے اگرچہ راہن اجازت دے دے۔(ت)

درمختار میں ہے:

قال المصنف وعلیه یحمل ماعن محمد بن اسلم انه لایحل للمرتھن ذٰلك ولو بالاذن لانه ربا۔[2]	مصنف نے کہا اور اسی پر محمول ہے وہ جو محمد بن اسلم سے مروی ہے کہ مرتہن کو مرہون سے کچھ بھی نفع اٹھانا جائز نہیں اگرچہ راہن کے اذن سے ہو کیونکہ وہ سود ہے۔(ت)

غمزالعیون میں ہے:

فی الجامع لمجد الائمة عن عبدالله بن محمد بن اسلم انه لایحل له ان ینتفع بشیئ منه وان اذن له الراھن لانه اذن فی الربا،لانه یستوفی دینه فتکون المنفعة ربا۔[3]	مجدالائمہ کی جامع میں عبداللہ بن محمد بن اسلم سے منقول ہے کہ مرتہن کو مرہون سے کچھ بھی نفع اٹھانا جائز نہیں اگرچہ راہن نے اس کی اجازت دی ہو کیونکہ یہ سُود کی اجازت ہے اس لئے کہ مرتہن اپنا قرض پورا وصول کرتا ہے تو منفعت سود ہو گی۔(ت)

تحقیق یہ ہے کہ انتفاع مرتہن جب مشروط ہو جائے تو باہم اس کی قرارداد عمل پر آئے تو بالاجماع حرام ہے اور جوامر عرف ظاہر سے معلوم ومعہود ہو وہ بلاذکر بھی مثل مشروط ہے اور شک نہیں کہ اب انتفاع مرتہنان کی بلاضرور دائر وسائر وعالمگیر ہے تو رہن میں اگر اس کا ذکر بھی نہ آتا عرفاً مشروط قرار پاتا اور حرام ہوتا، راہنوں کی اجازت قطعاً اسی عرف پر مبنی اور اسی قرض کے دباؤ سے ناشیئ ہے یہ نہ ہو تو ہر گز وہ اجازت نہ دیں کہ ہماری جائداد کا منافع زید وعمرولیں اور ہم نہ پاسکیں، مرتہنوں کا قرض دینا بھی اسی منافع پر ہے اور وہ ضرور

---

[1] الدرالمختار بحوالہ التھذیب کتاب الرھن فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۷

[2] الدرالمختار بحوالہ التھذیب کتاب الرھن فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۷

[3] غمزعیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث کتاب الرھن ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱۳

راہنوں کو اس پر مجبور کرتے ولہذا دستاویز میں لکھالیتے ہیں اور اگر بعد تحریر راہن انہیں انتفاع سے منع کریں کبھی باز نہ رہیں گے بلکہ تاادائے زر رہن اپنا حق جانیں گے، یہ نہ ہر گز راہنوں کی طرف سے بطور خود محض احساناً بے دباؤ اپنے ملک کی منفعت جب تک اپنا جی چاہے مباح کرنا ہے نہ مرتہنوں کی طرف سے نرے اجنبی طور پر بے کسی دعوی بے کسی داب کے صرف اجازت دہندہ کی خوشی پر جب تک وہ چاہے اس کی ملک سے نفع پاتا ہے بلکہ قطعاً وہی شرط وقرار داد لزومی اور وہ بالاجماع حرام وربا ہے، طحطاوی علی الدر المختار ورد المحتار میں ہے:

الغالب من احوال الناس انهم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف کالمشروط وهو مما یعین المنع[1]، واللّٰه تعالٰی اعلم۔	لوگوں کا غالب حال یہ ہے کہ وہ مرہون شیئ دیتے وقت نفع حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ورنہ قرض پر درہم نہ دیں گے اور یہ شرط کی طرح ہوگیا کیونکہ معروف مشروط کی مثل ہوتا ہے اور وہ ممانعت کو متعین کرتا ہے۔اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

راہنوں کا منافع مرتہنوں کو ہبہ کردینا محض لغو بے معنی ہے منافع کہ ہبہ کئے گئے اس وقت موجود نہ تھے اور معدوم کا ہبہ باطل ہے اور باطل کے لئے کوئی اثر نہیں۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

وبهذا علم عدم صحة هبة ما سیتحصل من محصول القریتین بالاولی لان الواهب نفسه لم یقبضه بعد فکیف یملکه وهذا ظاهر۔[2]	اور اسی سے معلوم ہوگیا کہ دونوں قریوں سے اب جو آمدنی حاصل ہوگی اس کا ہبہ بدرجہ اولٰی صحیح نہیں کیونکہ ہبہ کرنے والے نے ابھی خود اس پر قبضہ نہیں کیا تو کسی کو اس کا مالک کیسے بنا سکتا ہے اور یہ ظاہر ہے۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الرہن دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۱

[2] الفتاوی الخیریۃ کتاب الھبۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۱

مسئلہ ۵۷: از شہر متصل کچی سرائے مرسلہ ابوتراب بوساطت محمد عبدالرشید صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرصہ تین سال کا ہوا کہ ایک دکان زید نے (ماصہ عہ ۱۲۵) روپیہ پر رہن دخلی بمیعاد پانچ سال حسب فتوی ایک مولوی صاحب کے لیا تھا (یعنی اس عرصہ میں جوکچھ اس کی مرمت میں صرف ہواوہ میرا اور کچھ آمدنی اس مدت میں ہوگی وہ میری ہوگی جب روپیہ واپس کروگے دکان چھوڑ دوں گا) اور تین سال تک اسی طرح کرتارہا یعنی اس کی مرمت وغیرہ اپنے پاس سے کرکے منافع کولیتارہا اب وہی مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہے اب آپ حضرات سے التجا ہے کہ مولوی صاحب کے ان قولوں میں کون صحیح ہے اگر وہ واقعی حرام ہے تواس مدتِ تین سال میں جوکچھ روپیہ مولوی صاحب نے کھلایا اس کا گناہ کن پر ہوگا اور وہ روپیہ کس طرح پاک ہوسکتا ہے؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ مولوی صاحب ماخوذ وگنہگار ہیں کہ انہوں نے حرام غذا کو حلال بتایا اور ایک مسلمان کو حرام کھانے میں مبتلا کیا، اور یہ مسئلہ کوئی ایسا خفی نہ تھا کہ عالم پر مخفی رہتا، رہا زید اس کی دو حالتیں ہیں، وہ مولوی صاحب جس کے فتوی پر اس نے عمل کیا کوئی ایسا ہی نام کا مولوی تھا جب تو زید بھی ماخوذ وگنہگار ہے، عوام کو یہ حکم ہے کہ علمائے معتمدین مفتیان مستندین کے فتوی پر عمل کریں نہ یہ کہ ہر کس وناکس سے پوچھ کر، اور اگر وہ عالم معتمد تھا توجب تک اس فعل کے حرام ہونے پر زید کو اطلاع نہ ہوئی اس کے لئے امید آسانی ہے کہ اس نے ایک عالم معتمد کے فتوی پر عمل کیا وہ اسی قدر کرسکتا تھا۔

"لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا"۔[1] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۸: از شہر بریلی محلّہ گندہ نالہ مرسلہ جناب سید حاجی ابوالحسن صاحب پارچہ فروش ۲۵/ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

زید وعمرو نے ایک جائداد باہمی خریدی اور نفع نقصان اس کا برابر ٹھہرایا اسی جائداد کا ایک جز ایک اور شخص کے پاس رہن تھا مبلغ (سہ لہ ۸۸) روپے پر، تواس کو کہا گیا کہ تو ہماری

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

جائداد واگزاشت کردے اس نے جواب دیا کہ میں مع سود روپیہ لوں گا، زید نے ایک دستاویز اسی شخص کے نام ایک دوسرے شخص سے جس کا وہ مقروض تھا خریدی پھر چند مدت تک وہ دستاویز زید کے پاس رہی بعد کو اس سے کہا گیا کہ تو ہماری جائداد کا جز چھوڑدے اس نے بخوف دستاویز خرید کردہ کے (ما) روپے چھوڑدیا اب زید عمرو سے کہتا ہے کہ مجھے (ماصہ عہ ۱۲۵) روپے میرے حصے کے دے اب عمرو پر از روئے شریعت (ماصہ عہ ۱۲۵) اسے دینا لازم ہے (یا للعہ للعہ ۴۴) کہ نصف (مہ لہ) ہے **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ زید نے سَو روپے دے کر فک رہن کرایا اور کاغذ میں مرتہن سے ڈھائی سو روپے پانا لکھ لیا اس صورت میں اس کا سوا سو روپے مانگنا محض ناجائز ہے صرف پچاس (مہ ۵۰) روپے لے سکتا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۹: از ریاست رامپور محلّہ گنج مرسلہ شیخ محمد نور ۳/صفر مظفر ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے ۲۴/اگست ۱۸۹۸ء کو ایک دستاویز بہ مضمون بیع نامہ بعوض مبلغ پانصد روپیہ بابت یکمنزلہ دکان مملوکہ خود بنام عمرو تحریر کی ہے جس میں شرط مندرجہ ذیل تحریر ہے:

مضمونِ شرط

اگر میں بائع اندر مدت دس سال کے کل زر ثمن یکمشت مشتری کو ادا کروں تو مبیعہ مذکورہ واپس لے لوں ورنہ بعد انقضائے میعاد مذکور کے اسی زر ثمن میں یہی بیع قطعی تصور ہوگی لہٰذا بیعنامہ بالوفا لکھ دیا گیا کہ سند ہو۔

عمرو فوت ہوگیا زید نے دکان مذکور پر اپنا قبضہ کرکے دکاندار سے کرایہ دکان کا خود وصول کیا ورثائے عمرو نے اول زید پر عدالت میں دعوی دلا پانے دخلی کا باستحقاق رہن کیا عدالت سے ڈگری باستحقاق رہن دلا پانے دخلی کی ہوگئی مگر تاہنوز ورثائے عمرو نے دخلی حاصل نہیں کیا ہے اب ورثائے عمرو بنام زید دعوی کرتے ہیں کہ جس قدر کرایہ زید نے ایام قبضہ رہنے میں کرایہ دار سے وصول کیا ہے وہ ہم کو زید سے دلایا جائے، زید یہ عذر کرتا ہے کہ ورثائے عمرو شرعاً مجھ سے رقم زر کرایہ جو میں نے اپنی مملوکہ دکان سے وصول کیا ہے مجھ سے دلا پانے کے مستحق نہیں ہیں شرعاً کیا ہونا چاہئے؟ جواب بحوالہ کتب فقہ تحریر فرمایئے۔

بینوا توجروا فقط سائل زید۔

الجواب:

بیع بالوفاء خالص رہن ہے رہن سے زیادہ کچھ اثر نہیں رکھتی۔

فی ردالمحتار عن حاشیۃ جامع الفصولین عن جواھر الفتاوٰی ھٰذا البیع باطل وھو رھن وحکمہ حکم الرھن وھو الصحیح۔[1]	درمختار میں حاشیہ جامع الفصولین سے بحوالہ جواہر الفتاوٰی منقول ہے کہ یہ بیع باطل ہے اور وہ رہن ہے اس کا حکم رہن کے حکم کی طرح ہے اور وہی صحیح ہے۔(ت)

خیریہ میں ہے:

والذی علیہ الاکثر انہ رھن لایفترق عن الرھن فی حکم من الاحکام قال السید الامام قلت للامام الحسن الماتریدی قدفشاھٰذا البیع بین الناس و فیہ مفسدۃ عظیمۃ وفتواك انہ رھن وانا ایضاً علٰی ذٰلك فالصواب ان نجمع الائمۃ ونتفق علی ھٰذا و نظھرہ بین الناس فقال المعتبر الیوم فتوانا وقد ظھر ذٰلك بین الناس فمن خالفنا فیہ فلیبرز نفسہ و لیقم دلیلہ۔[2]	اور اکثر مشائخ اس مؤقف پر ہیں کہ بے شک وہ رہن ہے اور کسی حکم میں رہن سے مختلف نہیں ہے۔ سید امام نے کہا کہ میں نے امام الحسن ماتریدی سے کہا یہ بیع لوگوں میں پھیل چکی ہے اور اس میں فساد عظیم ہے۔ آپ کا فتوٰی یہ ہے جس کے ساتھ میں بھی متفق ہوں کہ یہ رہن ہے، درست بات یہ ہے کہ ہم ائمہ کرام اجماع کرلیں اور اس پر متفق ہو جائیں، اس فتوٰی کو لوگوں میں ظاہر کریں، توانہوں نے فرمایا کہ آج کل ہمارا فتوٰی معتبر ہے اور وہ لوگوں میں ظاہر ہے۔ لہٰذا جو ہماری مخالفت کرے اس کو چاہئے کہ وہ خود ظاہر کرے اور اپنی دلیل قائم کرے۔(ت)

اور شرع مطہر میں رہن واجارہ دو عقد متنافی ہیں کہ کسی حال جمع نہیں ہو سکتے جو چیز

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۶۴

[2] الفتاوی الخیریۃ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۶

کسی کے اجارہ میں ہے اگر مالک اسے رہن کرے گا یہ رہن اجازت مستاجر پر موقوف رہے گا اگر وہ جائز کردے اور اپنا قبضہ چھوڑ کر مرتہن کا قبضہ کرادے تو اجارہ جاتا رہے گا رہن پورا ہوجائے گا ورنہ رہن تمام نہ ہوگا اور اجارہ باقی رہے گا، اور جو چیز کسی کے رہن ہے اگر مالک اسے اجارہ پر دے یہ اجارہ اجازت مرتہن پر موقوف رہے گا اگر وہ جائز کردے اور اپنا قبضہ مرتہنی چھوڑ کر قبضہ مستاجر کرادے تو رہن جاتا رہے گا اجارہ نافذ ہوجائے گا اور رد کردے تو اجارہ باطل ہوجائے گا اور رہن بدستور رہے گا، یہ جو عوام زمانہ میں رائج ہے کہ مکان یا دکان کرایہ پر ہے وہ اجارہ قائم رکھ کر مالک اسے رہن رکھ دیتا ہے اور روز رہن سے اس کرایہ کا مستحق مرتہن سمجھا جاتا ہے محض بیہودہ و بے معنی و حرام ہے اور اصلاً کوئی عقد شرعی نہیں کہ اجارہ میں بھی قبضہ کی حاجت ہے، اذلایمکن الانتفاع الابہ (اس لئے کہ اس کے بغیر نفع اٹھانا ممکن نہیں۔ت) اور رہن تو بے قبضہ تمام ہی نہیں ہوتا۔ فقال اللہ تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"[1] (تو رہن ہو قبضہ میں لیا ہوا۔ت) اور شیئ واحد وقتِ واحد میں دو مختلف جہت سے دو قبضوں میں نہیں ہوسکتی۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

اذا کان البیت مقبوضاً فی الرھن دون الاجارۃ اعتبر و کان المرتھن احق بمالیتہ من المستاجر، وان کان مقبوضاً فی الاجارۃ دون الرھن کان المستاجر احق بہ من المرتھن، وان اتصل بکل منھما قبض فالعبرۃ للاسبق تاریخاً منھما مالم یجز صاحب القبض السابق العقد المتأخر لانفساخ السابق بالاجارۃ منہ للعقد اللاحق۔[2]	اگر مکان پر بطور رہن قبضہ ہو نہ کہ بطور اجارہ تو رہن معتبر ہوگا اور مرتہن اس کی مالیت کا بنسبت مستاجر کے زیادہ حقدار ہوگا، اور اگر قبضہ بطور اجارہ ہے نہ کہ بطور رہن تو مستاجر اس کا زیادہ حقدار ہوگا بنسبت مرتہن کے، اور اگر اس کے ساتھ دونوں کا قبضہ متصل ہوگیا تو دونوں میں سے اس کا اعتبار ہوگا جو تاریخ میں مقدم ہے جب تک سابق قبضے والا بعد والے عقد کی اجازت نہ دے کیونکہ اس کی طرف سے بعد والے عقد کی اجازت سے پہلے والا عقد فسخ ہوجائے گا۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

[2] الفتاوی الخیریۃ کتاب الرھن دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۹۳۔۱۹۲

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہ دکان پہلے سے بنیے کے پاس کرایہ پر تھی، اور اب تک کرایہ پر ہے کرایہ دار نے کسی وقت مرتہن کے لئے خالی نہ کی نہ اپنا قبضہ چھوڑ کر عمرو کا قبضہ کرایا اس صورت میں یہ رہن محض ناتمام و بے اثر و بے معنی ہے وارثان عمرو کو کوئی دعوی دخلیابی کا نہ پہنچتا تھا حاکم کو ایسا بے اصل دعوی سننا بھی نہ تھا نہ کہ ڈگری دیتا کہ قبضہ جو رہن میں شرط ہے کہ باذن راہن ہو، نہ یہ کہ قاضی جبراً قبضہ دلادے عقد کہ ناتمام رہا قاضی کو اس کے تمام کرنے پر جبر کا کیا اختیار، عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز الرهن الامقبوضاً وشرط صحة القبض ان یأذن الراهن فان قبض بغیر اذن الراهن لم یجز قبضه[1] اهمختصرا۔	رہن جائز نہیں جب تک اس پر قبضہ نہ کیا جائے، اور اس کے قبضہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ راہن اجازت دے۔ اگر راہن کی اجازت کے بغیر قبضہ کیا تو جائز نہیں ہوا اھ، اختصاراً۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

ان ادعی المرتهن الرهن مع القبض یقبل برهانه علیهما وان ادعی الرهن فقط لایقبل لان مجرد العقد لیس بلازم۔[2]	اگر مرتہن نے رہن کا قبضے سمیت دعوی کیا تو اس کے گواہ رہن اور قبضے پر قبول کرلئے جائیں گے۔ اور اگر فقط رہن کا دعوی کیا تو قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ محض عقد سے رہن لازم نہیں ہوتا۔ (ت)

اور جب خود عمرو کا کوئی حق اس دکان میں ثابت نہیں تو ورثاء عمرو کا کیا حق ثابت ہوسکتا ہے، سائل کا کہنا کہ زید نے دکان مذکور پر اپنا قبضہ کرکے دکاندار سے کرایہ خود وصول کیا اسی غلط فہمی پر مبنی ہے جو عوام میں پھیلی ہوئی ہے کہ شیئ مواجر کے رہن کو بھی باوصف بقائے اجارہ اپنے زعم میں رہن صحیح و تام سمجھتے ہیں ورنہ حقیقۃً قبضہ مستاجر کا ہے اور ملِک زید کی ہے اور عمرو کی ہنوز نہ مرتہنی پوری ہوئی نہ اس کا کوئی قبضہ، بالجملہ شک نہیں کہ زر کرایہ کا مالک خاص زید ہے عمرو و وارثان عمرو

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الرهن الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۳۳

[2] العقود الدریة کتاب الرهن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۹

کااس میں کچھ حق نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی رہن صحیح وتام ہواور مرتہن بلااجازت راہن اسے کرایہ پر دے یا بے اجازت دے اور راہن جائز کردے تواس صورت میں بھی کرایہ کامالک خاص راہن ہوتاہے اور کرایہ پر اٹھانے سے رہن باطل ہوجاتاہے۔

عقودالدریہ میں ہے:

امرأۃ باعت دارھا من رجل بیع وفاء منزلا منزلۃ الرھن ثم ان الرجل اٰجرھا باذنھا من بعلھا باجرۃ معلومۃ قبضھا الرجل ویزعم ان الاجرۃ لہ تکون الاجرۃ للراھنۃ وبطل الرھن۔[1]	کسی عورت نے اپناگھر کسی مرد کے ہاتھ بیع وفاء کے طور پر فروخت کیا درانحالیکہ اس کو بمنزلہ رہن کے کیا، پھر مشتری مرد نے وہی مکان اس عورت کے شوہر کوایک معین اجرت کے عوض اجارہ پر دے دیا اوراجرت پر یہ گمان کرتے ہوئے قبضہ کیاکہ یہ اجرت اس کے لئے ہے تو یہ اجرت راہنہ کے لئے ہوگی اور رہن باطل ہوجائے گا۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

واٰجرہ احدھما بغیر اذنہ ثم اجاز صاحبہ صحت الاجارۃ وبطل الرھن وتکون الاجرۃ للراھن۔[2]	راہن اور مرہون میں سے کسی ایک نے دوسرے کی اجازت کے بغیر مرہون شیئ اجارہ پر دے دی پھر دوسرے نے اس کو جائز قرار دے دیا تواجارہ صحیح ہوگیا جبکہ رہن باطل ہوگیا اور اجرت راہن کے لئے ہوگی۔(ت)

یہاں کہ رہن سرے سے خود ہی بے قبضہ وناتمام ہے اور کرایہ دینے والا خود زید مالک دکان ہے توعمرو یاوارثان عمرو کازرکرایہ میں کوئی حق ہونا محض بے معنی ہے۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۰: ازکانپور محلّہ پٹکاپور مطبع نظامی مرسلہ مولوی ابوسعید صاحب سوم صفر ۱۳۲۶ھ

زیدنے اپنی جائداد رہن کرکے کچھ روپیہ عمروسے قرض لیا، شرائط رہن یہ تھے: میعاد اس رہن کی صرف ایک مہینہ ہے اگر بعد میعاد فورًا فک نہ کرالوں تو یہی دستاویز

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الرھن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۴

[2] الفتاوی کتاب الرھن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۵

رہن نامہ بجائے بیعنامہ اور یہی زرِ رہن بجائے زرِ ثمن مقرر ہوگا اور جائداد مرہونہ بیع شدہ سمجھی جائے گی اور اسی وقت سے قبضہ جائداد مرہونہ پر مرتہن کا مالکانہ ہوجائے گا اور مرتہن مثل میرے ان تمام حقوق کے مالک کامل مشتریانہ ہوجائیں گے جو مجھ کو جائداد مرہونہ میں اس وقت حاصل ہیں لہٰذا یہ چند کلمہ بطور دستاویز بیع بالوفاء کے لکھ دیئے، اس رہن کے پہلے سے ایک مکان میں خود راہن رہتا تھا باقی مکانات ودکانات میں کرایہ دار راہن کی طرف سے تھے بعد اس رہن کے راہن نے کرایہ داروں سے کہہ دیا کہ کرایہ عمرو مرتہن کو دیا کریں اور جس مکان میں خود راہن رہتا تھا اس کا کرایہ بھی ایک مدت تک راہن ادا کرتا رہا۔
اب حضرات علمائے کرام مدظلہم العالی سے بکمال ادب یہ سوال ہے:

(۱) صورت مذکورہ میں شرعًا جائداد مرہونہ بعد گزرنے ایک ماہ کے رہن رہی یا بیع ہوگئی؟

(۲) جو کرایہ جائداد مرہونہ کا کرایہ داروں اور نیز زید راہن سے عمرو مرتہن کو وصول ہوتا رہا وہ ملکِ راہن تھا یا ملک مرتہن شرعًا اصل زرِ رہن میں محسوب ہوتا گیا یا نہیں؟

(۳) عمرو مرتہن کو اب اسی قدر اصل روپیہ رہن کا لینا حلال ہے جو بعد مجرائے کرایہ وصول شدہ کے باقی ہو یا کل زرِ رہن بدون وضع کرایہ وصول شدہ کے لینا حلال ہے۔

(۴) جس وقت زید راہن اس قدر روپیہ جو بعد وضع کرایہ وصول شدہ کے عمرو مرتہن کا اصل زرِ رہن باقی ہوا ادا کرے تو عمرو مرتہن پر جائداد مرہونہ چھوڑ دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:

وہ بیع بھی باطل محض اور وہ رہن بھی محض بے معنی، اور مرتہن کے لئے وہ زرِ کرایہ کہ خود راہن یا اور کرایہ داروں سے لیتا رہا حرام محض، اور جبکہ دَین بھی روپے تھے اور کرایہ کہ لیا گیا وہ بھی روپے ہیں بسبب اتحاد جنس مقاصد ہوگیا یعنی جس قدر زرِ کرایہ عمرو کو وصول ہوا دین میں مجرا ہوگا اصل زرِ رہن میں اس مجرائی کے بعد جو باقی ہے اسی قدر کا مطالبہ عمرو کو حلال ہے زیادہ حرام ہے اور جائداد ہنوز کامل مرہون ہوئی ہی نہیں چھوڑنا نہ چھوڑنا کچھ معنی نہیں رکھتا، زید کو اختیار ہے کہ بے ادائے بقیہ زرِ دین اپنا قبضہ جائداد پر رکھے عمرو صرف اپنے بقیہ دَین کا مطالبہ کرسکے گا جائداد کے قبضہ پر جبر کا اسے کوئی اختیار نہیں، بیع تو یوں باطل محض ہے کہ ایک شرط پر معلق کی گئی اور بیع قابل تعلیق نہیں۔ اشباہ میں ہے:

تعلیق التملیکات بالشرط باطل کالبیع والشراء۔[1]	تملیک والے معاملات کو شرط کے ساتھ معلق کرنا باطل ہے جیسے بیع اور شراء۔(ت)

اور رہن یوں بے معنی ہے کہ وہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔

قال اللہ تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"۔[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو رہن ہو قبضہ میں لیا ہوا۔(ت)

قدوری میں ہے:

الرھن یتم بالقبض۔[3]	رہن کی تکمیل قبضہ سے ہوتی ہے۔(ت)

اور جب رہن ہنوز تام نہیں ہوا تو مرتہن کو تحصیل قبضہ پر جبر نہیں پہنچتا، نہ بے اذن راہن قبضہ کر سکتا ہے۔عالمگیری میں ہے:

قال محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی کتاب الرھن لایجوز الرھن الا مقبوضا کذا فی المحیط و شرط صحۃ القبض ان یاذن الراھن فان قبض بغیر اذن الراھن لم یجز قبضہ۔[4] (مختصرًا)	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب الرھن میں فرمایا قبضہ کے بغیر رہن جائز نہیں، محیط میں یوں ہے،اور قبضہ صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ راہن اجازت دے اگر راہن کی اجازت کے بغیر قبضہ کیا تو اس کا قبضہ جائز نہ ہوا، مختصرًا۔(ت)

راہن کو اختیار ہے کہ بے ادائے دین اپنا قبضہ رکھے۔عنایہ میں ہے:

ان قبضہ المرتھن علٰی ھذا الوجہ تم العقد ولزم وان لم یقبضہ فان الراھن بالخیار بین التسلیم	اگر مرتہن نے مرہون پر رہن کی بنا پر قبضہ کر لیا تو عقد تام اور لازم ہوگا ورنہ راہن کو سونپنے اور نہ سونپنے کا اختیار

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الشرط ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۲۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

[3] القدوری کتاب الرھن مطبع مجیدی کانپور ص ۱۰۰

[4] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الرہن الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۳۳

وعدمه[1]۔	ہوگا۔(ت)

یہاں کہ تمام اشیائے مرہونہ یاقبضہ مستاجران میں تھیں یاقبضہ خود مالک مکان میں اور بعد رہن بھی مالک ومستاجران ہی کا قبضہ رہاتومرتہن کاقبضہ متحقق نہ ہوااور رہن بے اثر وبے معنی رہاجوکچھ زر کرایہ عمرو نے وصول کیا محض ناحق تھااور اصل دَین میں مجراہو کر صرف باقی زر اصل کااس کو مطالبہ جائز رہا۔ عقودالدریہ میں ہے:

رهن زيد دارہ عند عمرو بدين ثم اٰجر عمرو الدار من زيد مدة معلومة باجرة معلومة قبضها من زيد فالاجرة باطلة فليرجع زيد بمادفع ان لم يكن من جنس الدين وان كان من جنسه تقع المقاصة۔[2]	زید نے اپناگھر قرض کے عوض عمرو کے پاس رہن رکھا پھر عمرو نے وہی گھر معین مدت کے لئے معین اجرت کے بدلے میں زید کوبطور اجارہ دے دیااور زید سے اجرت وصول کری تو وہ اجرت باطل ہے۔ زید کو چاہئے کہ جوکچھ اس نے دیا وہ اس سے واپس لے اگر وہ دین کی جنس سے نہیں ہے۔ اور اگر وہ دین کی جنس سے ہے تو وہ قرض میں مجراہوگا۔(ت)

اور بالفرض اگریہ خیال قابل تقسیم ہوسکے کہ زید کا کرایہ داروں اور عمرو کاسامنا کرادینا اور ان سب کی اس پر تراضی گویااس کی مفید ہوئی کہ آج سے عقد اجارہ کہ زید ومستاجران میں تھا بتراضی فریقین منتہی ہو کر عمرو ومستاجرین میں باذن زید عقد اجارہ منعقد ہوااور اسی قدر کو قبضہ مرتہن فرض کرلیاجائے تواب بھی ہماں آتش درکاسہ (وہ سب کچھ کاسہ میں رہا۔ت) کا مضمون ہوگا مرتہن جب باذن راہن شیئ مرہون کسی شخص ثالث کوبطور اجارہ دے رہن فورًا باطل ہوجاتاہے اوراجرت کامالک خاص راہن قرار پاتاہے تومرتہن نے جوکچھ لیاغصب تھادَین سے مجراہو کر صرف باقی زر اصل کااسے مطالبہ پہنچے گااور جائداد اس کی رہن سے نکل گئی باقی لے کر چھوڑنا کیامعنی۔ ہندیہ میں ہے:

لوآجر واحد منهما(ای من الراهن والمرتهن) باذن	اگران دونوں (راہن ومرتہن) میں سے کسی ایک نے دوسرے کی اجازت سے مرہون شیئ

[1] العنایۃ علی الهدایۃ علٰی ہامش فتح القدیر کتاب الرھن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۷۰

[2] العقود الدریۃ کتاب الرھن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۴

صاحبه اوبغیر اذنه ثم اجاز صاحبه صحت الاجارة و بطل الرهن فتكون الاجرة للراهن، وكذٰلك لو استاجره المرتهن صحت الاجارة وبطل الرهن اذا جددالقبض للاجارة هٰكذا فی شرح الطحاوی[1]۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اجرت پر دے دی یادوسرے کی اجازت کے بغیردی پھر دوسرے نے اس کی اجازت دے دی تواجارہ صحیح ہوگیا جبکہ رہن باطل ہوگیا اوراجرت راہن کے لئے ہوگی اوریونہی اگر مرتہن نے مرہون کواجارہ پرلے لیا اجارہ صحیح اوررہن باطل ہوگیا جبکہ اجارہ کے لئے نیاقبضہ پایاگیا یونہی شرح الطحاوی میں ہے۔اوراللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتاہے۔(ت)

مسئلہ ۶۱: از مقام قصبہ بلرام پور ضلع گونڈہ مرسلہ سید محمد تجمل حسین صاحب ڈاکٹر

مخدوم ومکرم بندہ حضرت مولوی احمد رضاخاں صاحب بعد سلام علیک کے التماس ہے کہ میں نے ایک مکان رہن باقبضہ لیا تین سو روپے پر،اوریہ مکان اوردکان ایک ہندو کا ہے اوراسی شخص نے پھرمجھ سے یہ مکان دکان تین روپے مہینے پرکرائے پرلے لیا ہے میعاد دوسال کی ہے مگرشرط یہ بھی دستاویز مذکور میں ہے کہ اگراندر دوسال کے مکان دکان نہ چھڑاسکے تو رہن نامہ بجائے بیعنامہ کے سمجھا جائے مجھ کو یہ علم نہ تھا کہ یہ فعل ناجائز ہے اور،براہ بندہ نوازی اس مسئلہ سے مطلع فرمائیے کہ جو کرایہ نامہ میں نے لکھا ہے وہ روپے لوں یانہ لوں؟ جائز ہے لینا یانہیں،اوروہ روپیہ کسی غریب یاکسی حاجتمند کو دیاجاسکتاہے یعنی کسی کام میں یہ روپیہ کرایہ کاصرف ہوسکتاہے یانہیں؟ اگریہ روپیہ کسی کام میں آسکتاہے توخیر،اوراگرکسی کام میں نہیں آسکتا تواتنے روپے کوکیاکیاجائے یاجس کے یہ روپیہ ملے اسی کو واپس کیاجائے؟ جواب صاف مرحمت ہو۔ایک شخص مجھ سے کہتاہے کہ اگریہ روپیہ ناجائز ہے اورآپ اپنے صرف میں نہیں لاسکتے ہیں تومیں قرضدار ہوں جس کی ادامیرے امکان سے باہر ہے مجھ کو دے دیجئے کہ میں قرضہ اداکروں۔

الجواب:

سیّد صاحب سلّمہ فی الواقع رہن دخلی بھی سود ہے اورشیئ مرہون کاراہن کوکرایہ پردینااوراس سے کرایہ لینا بھی سود ہے اور سود لینا حرام مگرجب کہ وہ شخص ہندو ہے اگراس نے کسی مسلمان سے سود لیاہو تواس سے یہ رقم نہ بہ نیت سود بلکہ اس نیت سے کہ اس نے

---
[1] الفتاوٰی الهندیة کتاب الرهن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۶۔۴۶۷

جو ناجائز رقم لی تھی وہ اس مسلمان کی اس پر شرع کی رو سے آتی ہوئی وصول کرکے مستحق کو پہنچاتا ہوں لینا جائز ہے۔اور اگر یہ اندیشہ ہوتا کہ لوگوں میں سودخواری سے نام مشہور ہوگا اور جس طرح برا کام برا ہے برا نام بھی پسندیدہ نہیں تو یہ جواز خالص بلا کراہت ہوتا یونہی یہ بھی کہ سود کی نیت نہ کی جاتی بلکہ ایک نامسلم غیر ذمی کا مال طریق جائز قانونی سے لے کر اس محتاج مدیون مسلمان کی مدد کرتے جو آپ سے استمداد کررہا ہے اور مساکین مسلمین کے صرف میں لاتے کوئی حرج نہ رکھتا غرض ان نیتوں کے ساتھ حرام نہیں برے نام کے سبب بچنا چاہئے فقط، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۳،۶۲: از دھاروپور مرسلہ جناب فوجدار خاں صاحب ۱۴صفر المظفر ۱۳۳۰ھ

علمائے دین واتباع شرع متین کیا فرماتے ہیں ان مسائل میں کہ:

(۱) کسی اہل ہنود کی حقیت اگرچہ رہن دخلی رکھی جائے اور اس کی مالگزاری سرکاری سال بہ سال بموجب بندوبست سرکاری سرکار کو ادا کی جائے تو اس کا منافع جو کچھ اراضی میں ہوگا وہ سود میں شمار کیا جائے گا یا نہیں یا کیا حکم ہے؟

(۲) اگر کسی اسامی دخیل کار کی اراضی موروثی چند سال معین کے لئے رہن رکھی جائے اور اس اراضی مرہونہ کا لگان زمین دار کو رہن دار سال بسال ادا کرے تو اس اراضی کے کاشت کرنے سے جو کچھ منافع ہوگا اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) ہندو کی حقیت رہن دخلی لینا اور اس سے منافع حاصل کرنا کوئی حرج نہیں مگر شرط یہ ہے کہ اپنے قرض پر نفع لینے یا سود کی نیت نہ کرے بلکہ یہ کہ ہندو کی رضامندی سے اس کے مال پر قبضہ جائز ہے اور اس مباح سے نفع حاصل کیا جاتا ہے،

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء مانوی[1]۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**	بے شک عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔**واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

(۲) دخیل کار زمین موروثی کا شرعًا مالک نہیں ہوتا اس پر قبضہ کے بعد اصل مالک یعنی زمین دار سے اس کے کاشت کی اجازت لے کر لگان زمین دار کو تامدت رہن ادا کرتا رہے

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

اس کا منافع حلال طیب ہے یہ خیال نہ کرے کہ دخیل کار کو ہم نے قرض دیا ہے اور اس کی ملک رہن رکھی ہے اور اپنے قرض کا نفع اس سے لیتے ہیں کہ یہ نیت غلط و باطل ہے اور قصدِ گناہ سے گناہگار ہوگا بلکہ یہی نیت کرے کہ زمین زمین دار کی ہے دخیل کار سے اتنے دنوں کے لئے مل گئی ہے اور ہم نے مالک سے اجازت لے کر کاشت کی ہے لہٰذا ہم کو اپنی کاشت کا نفع حلال ہے اس میں حکم یکساں ہے خواہ وہ دخیل کار مسلمان ہو یا ہندو،

لانه رهن ملك غيره فالمالك ان لم يقع منه اجازة الرهن واذن لهذا فی الزرع بالاجر المعهود فهذه اجارة نافذة وقد كان الرهن موقوفا علی اجازته وكل موقوف طرأ عليه بات بطل وان فرض انه اجاز الرهن ولو دلالة فالرهن الی اجل فاسد والفاسد واجب الفسخ ويستبد به كل منهما فلما آجر من هذا بطل الرهن لان الرهن والاجارة متنافيان لايجتمعان كما صرحوا به، والله تعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ یہ ملک غیر کا رہن ہے، چنانچہ مالک نے اگر رہن کی اجازت نہ دی اور مرہون زمین میں معین اجرت کے بدلے کاشت کی اجازت دے دی تو یہ اجارہ نافذ ہوگا۔ اور تحقیق رہن اس کی اجازت پر موقوف تھا اور ہر موقوف جب اس پر قطعیت طاری ہو تو وہ باطل ہو جاتا ہے اور اگر فرض کرلیا جائے کہ اس نے رہن کی اجازت دی اگرچہ بطور دلالت ہو تو یہ ایک مدت تک رہن ہوا جو کہ فاسد ہے، اور فاسد کا فسخ واجب ہوتا ہے۔ عاقدین میں سے ہر ایک اس کو فسخ کرنے میں مستقل ہوتا ہے کہ جب مالک نے اس کو اجارہ پر دے دیا تو رہن باطل ہوگیا کیونکہ رہن اور اجارہ آپس میں متنافی ہیں جو جمع نہیں ہو سکتے جیسا کہ مشائخ نے اس کی تصریح فرمائی۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)
قال فی ردالمحتار فی مسئلة من اعار ليرهن افتی فی الحامدية فيما لو قيد العارية بمدة معلومة	رد المحتار میں اس شخص کے بارے میں کہا جس نے کوئی شیئ بطور عاریت دی تاکہ اسے رہن رکھے۔ حامدیہ میں فتوٰی دیا ہے کہ اگر عاریت کو معین مدت کے ساتھ مقید کیا ہے

ومضت المدۃ بأن للمعیر اخذھا من المستعیر قال وبہ افتی فی الخیریۃ والاسمٰعیلیۃ ومثلہ فی فتوٰی ابن نجیم قائلا، ولیس لہ مطالبتہ بالرھن قبل مضی المدۃ فاذا مضت وامتنع من خلاصہ من المرتھن اجبر علیہ اھ اقول: ولایخالفہ مافی الذخیرۃ استعارہ لیرھنہ بدینہ فرھنہ بمائۃ الٰی سنۃ فللمعیر طلبہ منہ وان اعلمہ انہ یرھنہ الی سنۃ اھ لان الرھن ھنا فاسد لتأجیلہ کما مروکلامنا فی تاجیل العاریۃ تأمل اھ واللہ تعالٰی اعلم۔[1]	اور وہ مدت گزرچکی ہے تو مُعیر اس کو مُستعیر سے لے سکتا ہے۔ فرمایا اسی کے ساتھ خیریہ اور اسمٰعیلیہ میں فتوٰی دیا ہے اور اسی کی مثل فتاوٰی ابن نجیم میں ہے کہ معیر کو مدت گزرنے سے پہلے رہن کے مطالبہ کا اختیار نہیں اور جب مدت گزر جائے اور وہ مرتہن سے عاریت والی شیئ چھڑانے سے انکاری ہو تو اس پر جبر کیا جائے اھ میں کہتا ہوں یہ اس کے مخالف نہیں جو کچھ ذخیرہ میں ہے۔ مستعیر نے اس لئے عاریت پر لیا کہ وہ اس شیئ کو اپنے قرض کے بدلے رہن رکھے گا چنانچہ اس نے اس شیئ کو سو روپے کے بدلے میں ایک سال تک کے لئے رہن رکھا تو معیر اس کا مطالبہ کرسکتا ہے اگرچہ مستعیر نے اسے بتادیا ہو کہ وہ سال تک رہن رکھے گا کیونکہ رہن یہاں مدت مقرر کرنے کی وجہ سے فاسد ہے جیسا کہ گزر گیا۔ اور ہمارا کلام عاریت کی مدت مقرر کرنے میں ہے غور کرو اھ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۶۴: از ملک کاٹھیاواڑ مسئولہ حاجی عیسٰی خان محمد ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

(نوٹ) ادھار خریدا اور اطمینان کے لئے پاس زیور رہن رکھا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے۔ پھر اگر زیور مرتہن کے پاس تلف ہو جائے تو اگر جنس کے بدلے رہن تھا مثلاً نوٹ روپوں کو خریدا اور چاندی کا زیور رہن رکھا یا اشرفیوں کو مول لیا اور سونے کا زیور گروی کیا جب تو اس کا وزن معتبر ہوگا، اور اگر خلاف جنس کے بدلے رہن تھا مگر نوٹ روپوں کو خریدا اور سونے کا زیور رہن رکھا یا اشرفیوں کو مول لیا اور چاندی کا زیور گرو کیا تو زیور کی قیمت معتبر ہوگی

[1] ردالمحتار کتاب الرھن باب التصرف فی الرھن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۳۰-۳۳۱

مثلاً نوٹ سوروپے کو مول لیااور چاندی کازیور کہ وزن میں سوروپے بھراور قیمت میں دوسوروپے کاتھارہن رکھااور وہ جاتارہاتو برابر ہوگئے کہ وزن یکساں تھااور اگرپچاس روپے بھر کازیور رہن کیاجو قیمت میں سوروپے کاتھااور تلف ہوگیاتودَین میں سے صرف پچاس ساقط ہوئے کہ یہاں قیمت میں سَوروپے کاتھارہن رکھااور وہ ہلاک ہوگیاتوبرابر ہوگئے دین ساقط ہوگیاکہ یہاں قیمت کااعتبار ہے، درمختار میں ہے:

صح رهن الحجرين والمكيل والموزون فان رهن بخلاف جنسه هلك بقيمته وهو ظاهر وان بجنسه هلك هلك بمثله وزنا اوكيلا لاقيمة ولاعبرة بالجودة عند المقابلة بالجنس ثم ان تساويا فظاهر وان الدين ازيد فالزائد فی ذمة الراهن وان الرهن ازيد فالزائد امانة، درر وصدرالشريعة[1] والله سبحٰنه و تعالٰی اعلم۔	اور صحیح ہے رہن رکھناسونے، چاندی اور کیلی ووزنی چیزوں کا۔ اگراس نے مذکورہ چیزوں کوان کی جنس کے خلاف کے عوض رہن رکھااور مرھون ہلاک ہوگیاوہ قیمت کے ساتھ ہلاک ہوا اور یہ ظاہر ہے۔اوراگرمذکورہ چیزیں انکی جنس کے مقابل رہن رکھیں اور مرھون ہلاک ہوگیاتو وہ اپنی مثل قرض کے مقابل ہلاک ہوگا باعتبار وزن یا کیل کے نہ کہ باعتبار قیمت کے۔ اور جنس کے ساتھ مقابلہ کے وقت مرھون کے کھَرے ہونے کاکوئی اعتبار نہیں۔ پھراگرقرض اور مرہون برابر ہیں توظاہر ہے،اوراگرقرض زائد ہے تو وہ زائد راھن کے ذمے ہوگا۔اور اگرمرھون زائد ہے تو وہ زائد امانت ہوگا،درر وصدر الشریعۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۵: حیدرآباد دکن محلّہ قاضی پورہ دفتر قادری تفسیر مرسلہ جناب مولوی سید عبدالجبار صاحب سلمہ ۱۰ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکرسے زید نے مکان رہن لیااوراب زید اس مکان کے کرایہ سے یاخود رہ کرمنتفع ہوناچاہتاہے آیادرست وجائز ہے یانہیں؟ زید کابیان ہے کہ کچھ خفیف ترمیم یاآہک پاشی میں اپنی ذات سے کرلیتاہوں اس صورت میں کیاانتفاع جائز ہوسکتاہے؟ **بینوا توجروا۔**

[1] الدرالمختار کتاب الرھن باب مایجوز ارتھانہ الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۰

الجواب:

مرتہن کو رہن سے کسی طرح کا انتفاع جائز نہیں، نہ رہ کر نہ کرایہ پر، سب حرام اور سود ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعة فھو ربو، رواہ الحارث فی مسندہ[1] عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ۔	جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سود ہے۔ اس کو حارث نے اپنی مسند میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے روایت کیا۔ (ت)

یہاں جو انتفاع ہوتا ہے معروف و معہود ہے اور معروف مشروط اور مشروط بالاجماع حرام اور وہ یقینا روپے کے دباؤ سے ہوتا ہے تو یہاں اذن راہن کی صورت متحقق نہیں اگرچہ حیلہ باطلہ کے طور پر اس کا نام کرلیا ہے کہ انتفاع بالاذن کے یہ معنی ہیں کہ نہ اس کی شرط ہو نہ اس پر اصرار بلاشرط اگر راہن بطور خود مثلاً کسی وقت سکونت کی اجازت دے تو صرف اس کے اذن کی بنا پر رہنا چاہئے اور اس میں اپنے کو ہر وقت اس کے اذن کا محتاج جانے یہاں تک کہ وہ اس وقت کہہ دے کہ باہر نکل جاؤ تو وہ فوراً بلا عذر چلا جائے یا اس نے اجازت دی اور نہ اسباب لایا ایک قدم دروازے کے اندر اور ایک باہر ہے کہ راہن نے کہہ دیا مجھے منظور نہیں تو فوراً قدم باہر نکال لے یہ صورت اذن راہن کی ہے مگر حاشا اس کا وجود کہاں بلکہ بالیقین بزور رہتے ہیں اور تا ادائے دَین راہن ہرگز نہیں منع کرسکتا ہے اور منع کرے تو ہرگز نہیں مانتے۔ لاجرم حکم مطلقاً تحریم ہے۔ طحطاوی علی الدر المختار پھر رد المحتار میں ہے:

الغالب من احوال الناس انھم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراھم وھٰذا بمنزلة الشرط لان المعروف کالمشروط وھو مما یعین المنع انتھی۔[2]	لوگوں کا غالب حال یہ ہے کہ وہ رہن دیتے وقت نفع حاصل کرنے کا ارادہ کرتے ہیں وگرنہ وہ قرض کے لئے درھم ہی نہ دیں گے۔ اور یہ بمنزلہ شرط کے ہے کیونکہ معروف مشروط کی مثل ہوتا ہے اور وہ ممانعت کو متعین کرتا ہے۔ انتہی (ت)

---

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسة الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الرھن دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۱

آہک پاشی وغیرہ کا حیلہ مفید نہیں کہ اگراسے اُجرت ٹھہرائیں تو اول تو رہن واجارہ دو عقد متنافی ہیں جمع نہیں ہوسکتے اور رہن چھوڑ کر اجارہ مانیں تو اجرت مجہول ہے اور ایسا اجارہ حرام اور عاقدین گنہگار اور دونوں پر اس کا فسخ واجب، اور وہ نہ کریں تو حاکم پر لازم کہ جبراً فسخ کردے **دفعًا للمعصیة کما فی الدر المختار وغیرہ** (معصیت سے بچتے ہوئے جیساکہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۶: از بھڑوچ مسئولہ محمد عبدالرشید خاں صاحب ۱۹محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس عمرو نے باغ وزمین گرور کھا چند عرصہ میں عمرو مع آل اولاد مرگیا اب اس کے باغ وزمین کا واپس لینے والا کوئی نہ رہا وہ باغ وزمین زید ہی کے پاس ہے، اب اگر زید اس باغ و زمین کی آمدنی کے روپے سے خیرات وحج کرے تو از روئے شرع شریف درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگروہ باغ وزمین اس کے روپے سے جو اس نے راہن کردیا تھا زیادہ قیمت کی ہوں جیساکہ اکثر اشیاء مرہونہ میں یہی ہوتا ہے تو یہ اس سب کا مالک نہیں ہوسکتا بقدر اپنے روپے کے لے سکتا ہے باقی فقرائے مسلمین کا حصہ ہے جبکہ فی الواقع مالک کا کوئی وارث نہ رہا ہو جس قدر اس کا حصہ ہے اس سے حج کرسکتا ہے اور تصدق سب کا ممکن ہے اپنے حصہ کا باختیار خود اور حصہ فقراء اس طرح کہ وہ انہیں کا مال ہے اور اگر اس کی مالیت اس کے روپے سے کم یا برابر ہو تو اس سب کو اپنے دین میں سے لے سکتا ہے،

علٰی مانقل الفتوٰی علیه فی ردالمحتار ان فی زماننا اخذ حقه من خلاف جنسه۔[1]	جیساکہ اس پر فتوی منقول ہے۔ ردالمحتار میں ہے کہ ہمارے زمانے میں اس کو خلاف جنس سے اپنا حق وصول کرنے کا اختیار ہے۔ (ت)

اس وقت اس سے حج وتصدق کا جواز خود ظاہر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔**

[1] ردالمحتار کتاب السرقه داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۰۰، ردالمحتار کتاب الحجر ۴/ ۹۵ وکتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع ۴/ ۲۷۱

مسئلہ ۶۷: از قصبہ دوکانہ خاص پاڑھم ضلع مین پوری مرسلہ حکیم ظہورالدین صاحب ۱۷ ربیع الآخر ۱۳۱۰ھ

جناب فضیلت مآب فیض اکتساب دام اقبالکم، بعد سلام علیکم آنکہ مژدہ صحتوری مزاج کامدام دعاگو درجواب باصواب کاآپ کے اسلامی معاملات شہرہ ویکتائے آفاق ہے منتظر مثل ماہی بے آب ہوں۔

یہ مسئلہ بذریعہ سوال مندرجہ ذیل صدر کے بجواب مندرجہ تحت کہ جس کے نقل منسلک ہذا ہے آنجناب نے عرصہ گزرا کہ حل فرمایا تھا تو ۴بسوہ ۳ سوانسہ ۶ کچوانسہ اور دو ثلث کچوانسہ مال غصب اس وقت معلق تھا کہ بعدہ جس کا دعوی ورثائے شخص کو ثالث نے باستحقاق مستحقہ مجوزہ عدالت بابت دخلیابی بانفکاک الرہن وزیر عدالت کہ جو ۱۳ مئی ۱۸۹۱ء کو بعارض تمادی قانون انگریزی ڈسمس ہواتواب جوورثاء راہنہ کو جو ۱۶سوانسہ ۱۳کچوانسہ اورایک ثلث کچوانسہ اور منجملہ پانچ بسوہ رہن کردہ مذکورہ کی پاچکے ہیں اس ۴بسوہ ۶ کچوانسہ اور دو ثلث کچوانسہ ملکیت مال معلق کو فک الرہن کرادیں تواب بھی ہوسکتاہے یاکہ بوجہ اس کے ورثائے شخص ثالث مستحقہ کادعوی ڈسمس ہونے سے قائم مقام مرتہن شرعًا مالک اصل ہوگیااور ورثہ راہنہ غاصبہ کوانفکاک الرہن کاکوئی حق باقی نہ رہااوراگر شرعًا استحقاق ہے تواب بصورت استحقاق ورثہ راہنہ فک الرہن کرادیں تواصل مالک یہ بھی رہے گی یاکہ ورثائے شخص ثالث کواستحقاق پھر بھی ورثہ راہنہ پر پہنچانے کا رہے گا یاکہ کوئی حق ورثائے ثالث کااب بوجہ اس کے اس کادعوی ڈسمس ہوچکاہے نہیں رہاامید کہ جیسی صورت شرعًا ہو بجواب مفصل صاف بحوالہ کتب بواسطے خداور سول جوابًا ارقام فرماکر معزز ممتاز فرمائیں، والسلام

الجواب:

اٹھارہواں سال ہے کہ ذی القعدہ ۱۳۱۳ھ میں یہ مسئلہ یہاں سے لکھاگیاوہی جواب اس کا اب بھ ہے جو جب تھا حق انفکاک وارثان راہنہ کو ہے ادائے دین مرتہن راہنہ ہی کے ترکہ سے ہوگا جزء معلق کی نسبت اگر ثابت یاوارثان راہنہ کو معلوم ہے کہ وہ شخص ثالث کا ہے توان پر فرض ہے کہ بعد انفکاک وارثان ثالث کو پہنچادیں شرع مطہر میں تمادی سے حق نہیں جاتا، جوہرہ نیرہ کتاب الطلاق باب اللعان، پھر اشباہ والنظائر فن ثانی کتاب القضاء والشہادت والدعاوی میں ہے:

الحق لایسقط بتقادم الزمان قذفا اوقصاصا اولعانا اوحقا لعبد۔[1]	حق زیادہ زمانہ گزر جانے کے سبب سے ساقط نہیں ہوتا چاہے قذف ہو یا قصاص ہو یا لعان ہو یا حق عبد ہو۔(ت)

اور اگر نہ ان کو معلوم نہ کوئی ثبوت تو وہ جز بھی ملک راہنہ سمجھا جائے گا جو اس پر قابض تھی اور جس نے بدعوی مالکانہ اس کو رہن کیا لان القبض دلیل الملک (کیونکہ قبضہ ملکیت کی دلیل ہے۔ت) اس صورت میں وہ خود وارثان راہنہ کا ہے بہر حال وارثان مرتہن کا کسی طرح نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۸: از لکھنؤ نئی سڑک جوتا بازار نخاس مرسلہ حاجی قدرت اللہ خاں تاجر جفت پاپوش ۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

استفتاء مزید (یعنی نسبت مسئلہ آمدہ از کانپور ۳ صفر ۱۳۲۶ھ)

واقعات مندرجہ استفتاء سابق میں لکھا ہے (بعد اس زمین کے راہن نے کرایہ داروں سے کہہ دیا کہ کرایہ عمرو مرتہن کو دیا کریں) اس کی نسبت عمرو مرتہن نے ظاہر کیا ہے کہ صحیح واقعہ اس طرح ہے کہ بربنائے شرط مندرجہ دستاویز ایک ماہ کے بعد راہن نے کرایہ داروں سے کہا کہ کرایہ عمرو مرتہن کو دیا کریں، اگر یہ صحیح واقعہ استفتاء میں تحریر ہوتا تو فتوی یہ ہوتا کہ شرعاً بیع صحیح ہو گئی اور کرایہ وصول شدہ ملک مرتہن ہے۔ لہذا حضرات علمائے کرام مدظلہم العالی کی خدمت والا میں بکمال ادب گزارش کہ عبارت استفتاء منسلکہ (بعد اس رہن کے راہن نے کرایہ داروں سے کہہ دیا کہ کرایہ مرتہن کو دیا کریں) عبارت صحیح یہ ہے کہ (بربنائے شرط مندرجہ دستاویز ایک ماہ کے بعد کرایہ داروں سے راہن نے کہہ دیا کہ کرایہ مرتہن کو دیا کریں) پس اس تصحیح واقعہ و تبدیل عبارت کے بعد احکام مندرجہ فتوی میں کیا تبدیلی ہو گی، اور کیا اس صورت میں جائداد بیع ہو جائے گی اور کرایہ وصول شدہ ملک مرتہن ہوگا، بملاحظہ حالات مندرجہ استفتاء سابق و تصحیح واقعہ مندرجہ استفسار مزید ہذا و فتوی منسلکہ جواب بحوالہ کتب عطا ہو۔

---

[1] الاشباہ والنظائر بحوالہ الجوہرۃ النیرہ، الفن الثانی، کتاب القضاء والشہادت الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۵۳

الجواب:

اس تبدیلی سے ایک تغیر ضرور ہوا سوال سابق میں اگر عبارت یوں صاف مصرح ہوتی تو جواب میں بہت تخفیف رہتی، عبارت اولٰی سے ظاہر یہ تھا کہ رہن کے بعد ہی راہن نے کرایہ داروں سے ایسا کہہ دیا اور جب کہ یہ شرط رہن نامہ نہ تھا کہ اس میں حصول بیع وملک مرتہن انقضاء میعاد ایک ماہ وعدم فک رہن پر مشروط تھا پیش از میعاد رہن کے اس کہہ دینے سے ناواقف کو وہم ہو سکتا تھا کہ راہن نے کرایہ داروں سے اپنا اجارہ فسخ کرکے مرتہن سے اجارہ کرادیا اور گویا اس طرح رہن پر مرتہن کا قبضہ ہوگیا جس کے دفع کو فتوائے سابقہ میں وہ تقدیر لکھی گئی نیز یہ وہم ہو سکتا تھا کہ جب کہ اجازت قبل میعاد بربنائے شرط نہیں تو یہ راہن کا مرتہن کو محض احسانا بلاشرط اپنی طرف سے منافع مرہون کی اجازت دینا ہوا تو وہ کرایہ حق مرتہن میں حلال ہونا چاہئے۔ تنویر الابصار میں ہے:

لہ حبس رھنہ لاالانتفاع بہ مطلقًا الا باذن۔[1]	مرتہن کو مرہون کے روک رکھنے کا اختیار ہے نہ کہ اس سے کسی قسم کا نفع حاصل کرنے کا سوائے اس کے کہ راہن اس کو اجازت دے دے۔ (ت)

جواہر الفتاوٰی پھر منح الغفار پھر ردالمحتار میں ہے:

اذا کان مشروطا صار قرضا فیہ منفعۃ وھو ربا والا لا باس۔[2]	اگر مرہون سے نفع اٹھانے کی شرط لگادی گئی تو یہ ایسا قرض ہو گیا جس میں منفعت ہے اور وہ سود ہے۔ اور اگر شرط نہیں لگائی گئی تو کوئی حرج نہیں۔ (ت)

اور اس جواب کی حاجت ہوتی جسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں منقح کیا جس کا خلاصہ یہ کہ محض بروجہ تبرع واحسان اجازت انتفاع یہاں لفظ بے معنی واسم بے مسمّی ہے یقینا قرض ہی کے دباؤ سے اجازت ہوتی ہے مرتہن اسے اپنا حق سمجھتے ہیں اور معروف مثل مشروط ہے تو وہ

---

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الرھن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۶

[2] ردالمحتار بحوالہ الجواھر کتاب الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۰

خالص ربا ہی ہے۔ طحطاوی علی الدرالمختار پھر ردالمحتار میں ہے:

والغالب من احوال الناس انهم يريدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع۔[1]	لوگوں کا غالب حال یہ ہے کہ وہ رہن رکھتے وقت نفع اٹھانے کا ارادہ کرتے ہیں وگرنہ قرض پر درہم ہی نہ دیں گے، اور یہ بمنزلہ شرط کے ہے کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہوتا ہے اور وہ ممانعت کو متعین کرتا ہے۔(ت)

نیز یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شرعًا بوجہ تعلیق وعدم قبضہ نہ یہاں بیع ہوئی نہ رہن تمام اور یہ اجازت پیش از میعاد اس قرارداد پر مبنی نہیں کہ کہا جائے جب وہ عقد باطل ہوا یہ اجازت بھی باطل ہو گئی اذا بطل المتضمن بطل المتضمن (جب متضمن باطل ہو گیا تو متضمن بھی باطل ہو گیا۔ت) بلکہ یہ ایک اجازت مستقلہ ہے تو اپنا عمل کرے گی لصدورھا عن اھلھا فی محلھا (اس لئے کہ یہ اپنے اہل سے اپنے محل میں صادر ہوئی۔ت) اور جواب کی حاجت ہوتی ہے کہ رہن نہ سہی قرض تو ہے اور اسی کی وجہ سے یہ اجازت ہے ورنہ راہ چلنے کے لئے کہہ دیتا کہ میری تمام مکانات دکانات کا کرایہ آج سے فلاں کو دیا کرو اور خود اپنے مکان سکونت کا کرایہ دینا اس پر دلیل قاطع ہے تو اجازت اگرچہ مستقلہ ہے اجازت حرام ور با ہے اور ربا ہندہ کی اجازت سے حلال نہیں ہو سکتا ہے۔ حدیث میں ہے:

كل قرض جرمنفعة فهو ربا[2]، رواه الحارث بن ابی اسامة عن امیر المومنین علی کرم الله تعالٰی وجهه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سود ہے۔ اس کو حارث بن ابی اسامہ نے بروایت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔(ت)

امام عبداللہ ابن محمد ابن اسلم سمرقندی نے فرمایا:

اذن له فی الربا لانه یستوفی	راہن کا مرتہن کو مرہون سے نفع اٹھانے کی

---

[1] ردالمحتار کتاب الرھن دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۱

[2] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

دینہ کاملا فتبقٰی لہ المنفعۃ فیکون ربا وھذا امر عظیم۔[1]	اجازت دینا سود کی اجازت ہے کیونکہ وہ اپنا قرض مکمل وصول کرتا ہے تو اس کے لئے نفع باقی رہا جو کہ سود ہوگیا اور یہ امر عظیم ہے۔(ت)

اس پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ یہ فضل ربا نہیں بلکہ فضل مستحق بالعقد اور یہ جبکہ پیش از میعاد ووقت قرارداد ہے مستحق بالعقد نہیں اور پھر اسی تنبیہ کی ضرورت ہوتی کہ:

المعھود عرفاکالمشروط لفظا۔[2]	جو عرف میں معہود ہو وہ لفظوں میں مشروط کی مثل ہے۔(ت)

غرض اس عبارت سابقہ میں متعدد اوہام اور اس کے دفع کی مؤنت تھی اب کہ سوال میں آپ کی تصریح ہوگئی کہ حسب قرارداد وبعد مرور میعاد اسی شرط کی بنا پر راہن نے یہ اجازت دی سب مؤنتیں اٹھ گئیں اور خود ہی ظاہر ہوگیا کہ یہ اجازت اسی شرط باطل پر مبنی تھی اور باطل پر جو کچھ مبنی ہو باطل ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مابال رجال یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ ما کان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل ان کان مائۃ شرطا فقضاء اللہ احق وشرط اللہ اوثق۔رواہ الشیخان عن اُمّ المومنین رضی اللہ عنھا۔[3]	ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں،جو شرط بھی کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہوں پس اللہ کا فیصلہ زیادہ حق والا ہے اور اللہ کی شرط زیادہ مضبوط ہے۔اس کو شیخین نے ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔(ت)

تو اس تبدیل سے احکام فتوائے سابقہ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی بلکہ اور ان کی تائید وتوکید ہوگئی۔واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] ردالمحتار بحوالہ عبداللہ ابن محمد بن اسلم السمرقندی کتاب الرھن دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۱

[3] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۷،صحیح مسلم کتاب العتق باب بیان الولاء لمن اعتق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۴

مسئلہ ۶۹: از مقام مذکور ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ

حضرت اقدس مد ظلہ العالی بعد عرض تسلیم بصد تعظیم گزارش ہے کہ قبل اس کے دو عریضے خدمت اقدس میں روانہ کئے ہیں مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی افسر مدرس مدرسہ ندوہ کی رائے یہ معلوم ہوئی کہ وہ منافع جائداد مرہونہ ملک مرتہن بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالمگیری میں ایک جزئیہ موجود ہے **الاأن یأذن الراھن** (مگر یہ کہ راہن اجازت دے دے۔ت) براہ دستگیری عاجز ان اس کے متعلق جو تحقیق صحیح حضور والا کی رائے میں ہو اس سے آگاہ فرماکے سرفرازی بخشی جائے بعید بندہ نوازی سے نہ ہوگا، زیادہ حد ادب۔ عریضہ قدرت اللہ خاں از لکھنؤ نئی سڑک جوتا بازار۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آج چوتھا روز ہے جواب فتوٰی حاضر کرچکا ہوں، غالبًا اس کے وصول سے پہلے آپ نے یہ کارڈ لکھا۔ اس فتوٰی میں اس وہم کے تین رد موجود ہیں:

(۱) یہاں رہن ہی نہیں محض قرض ہے اور قرض پر نفع سود اور سود کسی کی اجازت سے حلال نہیں ہوسکتا۔

(۲) اگر رہن بھی مانیے تو اجازت راہن جسے شرع اجازت مانتی ہے یہاں عنقا ہے ہر گز محض اس کی اجازت بروجہ احسان و تبرع کے طور پر نفع نہیں لیتے بلکہ دَین کے دباؤ سے جس پر اس مرتہن کا راہن کو در بارہ کرایہ نوٹس دینا شاہد ہے احسان وغیرہ پر نوٹس نہیں ہوتا لاجرم اسے اپنا حق سمجھا اور بالجبر حاصل کرنا چاہا پھر اجازت سے ہونا کیسا۔

(۳) ان سب سے قطع نظر ہو تو جب سائل نے تصریح کردی کہ یہ اجازت بعد انقضائے میعاد بربنائے قرار داد تھی تو قطعًا نفع کی شرط ہوگئی اور دَین پر جو نفع شرط کرلیا جائے بالاجماع ربا وحرام قطعی ہے اسے بہ اجازت راہن لینا نہیں کہہ سکتے بلکہ معاہدہ فاسدہ محرمہ۔

ولاحول ولاقوۃ الاباللہ رب العلی العظیم وھو تعالٰی اعلم۔	بلندی وعظمت والے رب کی توفیق کے بغیر نہ تو بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی قوت ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۷۰: از ریاست رامپور محلّہ زینہ عنایت خاں مرسلہ حامد علی خاں صاحب ۱۸جمادی الاخری ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ازروئے شرع مبین اندریں مسئلہ کہ زید بکر کامقروض ہے بکر نے زید پر عدالت میں دعوی دائر کرکے عدالت سے اپنے وصول کرلینے قرضہ کی ڈگری حاصل کی ہے زید کوایک جائداد متروکہ عمرواپنے مورث اعلیٰ سے منجملہ ۱۶سہام کے ۶سہام شرعًا پہنچی، جائداد متروکہ عمرواس کی حیات سے منجانب عمروایک شخص کے پاس رہن دخلی ہے اور کوئی جائداد زید کی سوائے سہام مذکورہ نہیں ہے جس سے وصول ڈگری ہوسکے اندریں صورت بکرحق وحصہ مرہونہ زید بہ تحفظ حق مرتہنی بکرعدالت سے نیلام کراکر زرڈگری اپناوصول کرنے کامختار ہے یانہیں اگرشے مرہونہ مذکورہ شرعًا بغیرانفکاک نیلام نہیں ہوسکتی اور کیاصورت ہوسکتی ہے کہ بکراپنازرڈگری زید سے وصول کرسکے بکر مجبورًا کل زررہن یافتنی مرتہن قابض عدالت میں داخل کرکے اور انفکاک کرکے حق وحصہ زید جائداد مذکورہ سے نیلام کرادے اور بصورت مذکورہ بکر زر رہن اداکردہ خود کودے کر بکر حصہ داران شرکاء زید سے شرعًا وصول کرنے کامختار ہوگا یانہیں؟فقط

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہواکہ وہ جائداد گاؤں ہے اوراس کی زمین زمانہ عمروسے مزارعوں کواُٹھی ہوئی ہے وہ اس پربدستور قابض رہے ان سے زمین نکالی نہ گئی اوراسی حالت پروہ گاؤں ایک شخص کے پاس دخلی رکھ دیااور واقعی یہاں پر یہی معمول ہے یوں ہی کرتے ہیں اجارہ مقدم ہوتا ہے رہن مؤخر بلاتخلیہ مزارعین ہرگزنہ زمین سے دست بردار ہوتے ہیں نہ اپناعقد فسخ کرتے ہیں بلکہ اسی مقبوض فی اجارہ کو محض زبانی وکاغذی باتوں سے معًا مقبوض فی الرہن تصور کرلیاجاتا ہے حالانکہ شیئ واحد پر وقت واحد میں دوقبضہ مختلف وارد نہیں ہوسکتے توحقیقۃً رہن بے قبضہ وبے اثر رہتا ہے اگرچہ براہ نادانی اسے زمین پرقبضہ ہونا سمجھیں اور رہن دخلی کہیں،اعتبار حقائق کاہے نہ مزعومات عوام کا،لہٰذااس صورت میں اصل حکم شرعی یہ ہے،رہن سرے سے جائز ہی نہیں،نہ مرتہن کوجائداد میں کوئی حق کہ اورقرضخواہوں پرمقدم ہوحاکم زید کوحکم دے کہ اپنے سہام بیچ کرڈگری اداکرے اگر وہ نہ مانے حاکم نیلام کردے اور حق مرتہنی کوئی نہیں جس کاتحفظ کیاجائے۔فتاوٰی خیریہ میں ہے:

الواجب فی ذٰلك شرعاً النظر فی	اس میں شرعی طورپرواجب یہ ہے کہ دونوں

کلا العقدین(الرھن والاجارۃ)فان کان البیت مقبوضاً فی الرھن دون الاجارۃ اعتبر وکان المرتھن احق بمالیتہ من المستاجر ومن سائر غرماء البیت وان کان مقبوضًا فی الاجارۃ دون الرھن کان المستاجر(ای الذی عجل الاجرۃ)احق من المرتھن ومن سائر الغرماء(حتی یستوفی الاجرۃ المعجلۃاھ در)وان خلا العقدان عن القبض کان جمیع الغرماء اسوۃ فیہ یتقاسمونہ بقدر حقوقھم وان اتصل بکل منھما قبض فالعبرۃ للاسبق تاریخا منھما مالم یجز صاحب القبض العقد المتاخر لانفساخ السابق بالاجازۃ منہ اللعقد اللاحق وکل ھذہ الاحکام صرح بھا علمائنا الاعلام[1]اھ مختصرا موضحا بزیادۃ مابین الاھلۃ۔	عقدوں یعنی رہن واجارہ میں نظر کی جائے۔اگراس گھر پر قبضہ بطور رہن ہے نہ کہ بطور اجارہ تووہ معتبر ہوگا اور مرتہن مرہون کی مالیت کا مستاجر اور میت کے دیگر قرضخواہوں سے بڑھ کر حقدار ہوگا،اوراگر قبضہ بطوراجارہ ہے نہ کہ بطور رہن تو کرایہ دار(جس نے پیشگی کرایہ ادا کردیا ہے)مرتہن اور دیگر قرضخواہوں سے بڑھ کر مرہون کی مالیت کاحقدار ہوگا(یہاں تک کہ وہ پیشگی اداکیاہوا کرایہ پوراوصول کرلےاھ در)اور اگردونوں عقد قبضہ سے خالی ہوں تو تمام قرضخواہ اس میں برابر ہوں گے جواپنے اپنے حقوق کے مطابق اس کو تقسیم کریں گے۔اوراگردونوں عقدوں میں سے ہر ایک کے ساتھ قبضہ متصل ہے توجو قبضہ تاریخ میں مقدم ہے اس کااعتبار کیاجائے گاجب تک سابق قبضہ والابعد والے عقد کی اجازت نہ دے دے کیونکہ اس کی طرف بعد والے عقد کی اجازت کے باعث پہلا عقد فسخ ہوجائے گا۔ان تمام احکام کی ہمارے علماء کبارنے ایسی تصریح فرمائی جو مختصر مگرچاند سے بڑھ کرواضح ہے۔(ت)

اوراس کے سوا یہاں ایک اور نکتہ ہے رہن تو شرع میں نہیں ہوتا مگر دخلی،قال تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا:تورہن قبضہ میں کیاہوا۔ت)

---

[1] الفتاوٰی الخیریۃ کتاب الرھن دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۹۲و۱۹۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

مگر عوام جسے رہن دخلی کہتے ہیں جس میں مرہون سے مرتہن کا انتفاع شرط ہوتا ہے جیسے مکان رہن میں اس کا رہنا یا دیہہ رہن کی توفیر لینا یہ قطعًا سود اور محض حرام اور مردود ہے **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں کردی۔ت) حدیث میں ہے:

کل قرض جرّ منفعۃ فھو ربا[1]۔	جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سود ہے (ت)

جواھر الفتاوٰی میں ہے:

اذا کان مشروطا صار قرضا فیہ منفعۃ فھو ربا۔[2]	جب شرط لگادی گئی تو یہ ایسا قرض ہوگیا جس میں منفعت ہے اور وہ سود ہے (ت)

اور از آنجا کہ مزارعوں سے عقد کرنے والا راہن ہی ہوا،

لانہ العاقد والمنافع انما تتقوم بالعقد۔	کیونکہ عقد کرنے والا راہن ہے اور منافع عقد کے ساتھ قائم ہوتے ہیں (ت)

تنویر میں ہے:

ماھو بدل عن المنفعۃ کالکسب و الاجرۃ یکون للراھن۔[3]	جو منفعت کا بدل ہے جیسے کسب واجرت وہ راہن کا ہے۔(ت)

توراہن نے مرتہن نے اتنی توفیر پائی کہ اس کے تمام وکمال دَین کے برابر یا زائد تھی اور دَین وتوفیر ایک جنس ہوں مثلًا روپے قرض دئے تھے اور مزارعوں پر بھی لگان میں روپیہ ہی دیا ہے نہ بٹائی تو مرتہن نے اپنا دین وصول پالیا اور وہ چاہے یا نہ چاہے مقاصہ ہوگیا یعنی یہ توفیر کہ اس نے لی غصبًا تو اس قدر راہن کا دَین مرتہن پر لازم ہوا اور جبکہ یہ اس مقدار کو پہنچ گیا تھا جتنا اس کا دَین راہن پر تھا دونوں کا معاوضہ ہوا اتنی توفیر کا تاوان مرتہن پر سے جاتا رہا اور مرتہن کا دَین راہن پر سے اتر گیا اور جائداد رہن سے نکل گئی اب اسے اس پر کوئی حق ومطالبہ باقی نہیں ہے ڈگری دار بلامزاحمت اپنا حصہ زید سے وصول کرے، اشباہ والنظائر

---

[1] کنزالعمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] ردالمحتار بحوالہ الجواہر الفتاوٰی کتاب الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۰

[3] الدرالمختار شرح تنویر الابصار فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۷

میں ہے:

اٰخر الدینین قضاء للاول۔[1]	دو قرضوں میں سے بعد والا پہلے کی ادائیگی ہوتا ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

للزوج علیھا دین وطلبت النفقة لاتقع المقاصة بدین النفقة بلارضاء الزوج بخلاف سائر الدیون لان دین النفقة اضعف فصار کاختلاف الجنس فشابه مااذاکان احدالحقین جیداوالاٰخر ردیالاتقع التقاص بلاتراض۔[2]	خاوند کا بیوی پر قرض ہے اور بیوی نے نفقہ کا مطالبہ کیا تو خاوند کی رضامندی کے بغیر قرض میں سے نفقہ کا مجرا نہیں ہوگا بخلاف دوسرے قرضوں کے کیونکہ نفقہ کا قرض ضعیف ہوتا ہے تو وہ اختلاف جنس کی طرح ہو کر اس صورت کے مشابہ ہوگیا جس میں دو حقوں میں سے ایک جید اور دوسرا ردی ہوتا ہے، جس میں باہمی رضامندی کے بغیر دونوں کو ایک دوسرے کا بدلہ قرار نہیں دیا جاتا۔(ت)

اور اگر لگان روپے سے ہوا اور موت راہن تک مرتہن کی توفیر بقدر اپنے دین کے نہ ملی اگرچہ ایک ہی روپیہ کم ہو تو اس صورت میں اگرچہ جائداد راہن سے نہ نکلی اور اسے حق حبس حاصل ہے، درمختار میں ہے:

لایکلف من قضی بعض دینه تسلیم بعض رهنه حتی یقبض البقیة۔[3]	جس مرتہن کا بعض قرض ادا کر دیا گیا ہو اس کو بعض رہن راہن کے حوالے کرنے کا مکلّف نہیں ٹھہرایا جائے گا جب تک وہ اپنا باقی قرض وصول نہ کرلے۔(ت)

ولہٰذا وہ صورت کہ صرف بقدر سہم زید ادائے دَین کرکے اتنے حصے کو فک کرالیں بے رضائے مرتہن ناممکن ہے اور بعد موت راہن جو توفیر مرتہن لیتا رہا اس سے مقاصہ نہ ہوگا کہ اب عاقد

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۴۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۴۹

[3] الدرالمختار کتاب الرھن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۷

خود مرتہن ہے تو بعد کی توفیر کا یہ خود ہی مالک ہوگا،

لما قدمنا ان المنافع فی الاجارۃ وتتقوم الابالعقد فلایملکھا الا العاقد کائنامن کان۔	ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ منافع کا قیام عقد کے ساتھ ہی ہوتا ہے لہٰذا سوائے عاقد کے چاہے وہ کوئی ہو مکان کامالک نہیں ہوتا۔(ت)

اگرچہ بوجہ ربا ملک خبیث وحرام ہے اوراس پر فرض ہے کہ یہ توفیر مالکان جائداد کو دے اور یہی بہتر ہے یا تصدق کردے کما حققناہ فی فتاوٰینا (جیساکہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) مگرازانجاکہ ملک حرام ہے اور اولٰی یہی ہے کہ مالکوں کو دے تومرتہن کے لئے خیر یہی ہے کہ بعد موت راہن بھی اگر توفیر بقدرِ دَین وصول ہوگئ جائداد سے دست بردار ہو۔ یونہی توفیر اگر روپیہ نہ تھی بلکہ بٹائی ہے تواس کا غلہ بھی اگر موت راہن تک یااس کے بعد آج تک اتنا وصول ہوگیاکہ بازار کے بھاؤ سے اس کی قیمت دَین کے برابر ہو جب بھی اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ اپنادین وصول سمجھے اور جائداد چھوڑدے بلکہ جتنا روپیہ یاغلہ دَین سے زائد آیا ہو مالکان جائداد کو واپس دے۔ عقود الدریہ میں ہے:

یرد ما قبض علی المالك وھو الاولٰی ثم سئل أیلزم المسمّی للمالك ام للعاقد فقال للعاقد ولایطیب له بل یردہ علی المالک۔[1]	مرتہن نے جوکچھ قبضہ میں لیا ہے وہ مالک کو لوٹادے وہی اولٰی ہے۔ پھر پوچھا گیاکہ مقرر شدہ بدل مالک کے لئے لازم ہوگا یا عاقد کے لئے فرمایا عاقد کے لئے مگر وہ اس کے لئے اچھا نہیں بلکہ وہ مالک کو لوٹادے۔(ت)

وجیز کردری وغمز العیون میں ہے:

اُجر المرتھن الرھن من اجنبی بلااجازۃ الراھن فالغلۃ للمرتھن ویتصدق بھا کالغاصب اویردھا علی المالک۔[2]	مرتہن نے راہن کی اجازت کے بغیر مرہون کو اجارہ پر دے دیا تو آمدن مرتہن کے لئے ہوگی تو وہ غاصب کی طرح اس کو صدقہ کرے یا مالک کو لوٹادے۔(ت)

[1] العقود الدریۃ کتاب الاجارۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۱۰

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب الرہن ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۳۔۱۱۲

خیریہ میں ہے:

والثانی افضل لخروجه من الخلاف۔[1]	اختلاف سے نکلنے کے لئے دوسری صورت افضل ہے۔(ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ یہاں رہن تسلیم کرلیں ورنہ ہم ثابت کرچکے کہ سرے سے رہن جائز ہی نہیں بہر حال ان صورتوں میں مرتہن کو کوئی مزاحمت پہنچتی ہی نہیں اور اگر ابنائے زمانہ اسے نہ مانیں نہ مجوزین سے اس تجویز کی امید ہو کہ مدت سے نہ صرف کفار بلکہ دنیا بھر کے عامہ حکام نے اپنے تراشیدہ قوانین باطلہ کے آگے شرع مطہر کے احکام حقہ عادلہ کو منسوخ سمجھ رکھا ہے تو بکر فقط اُتنا دَین کہ حصہ زید پر ہے ادا کرکے اتنا استخلاص کرالے، اور اگر یہ ناممکن ہو جب تک کل دَین ادا نہ کیا جائے تو مرتہن کا سارا مطالبہ ادا کرکے جمیع جائداد رہن سے چھڑا کر اپنا دَین حصہ زید سے وصول کرے اور جو کچھ اس میں سے مرتہن کو دینا پڑے وہ تمام وکمال ورثاء عمرو سے وصول کرے کہ جو شخص دوسرے کا دَین بے اس کے کہے بطور خود ادا کرے وہ اس وقت متبرع ٹھہرتا ہے کہ اس کی ادا میں مضطر نہ ہو اور جسے بے اس کے چارہ کار نہ ہو وہ متبرع نہیں اور اسے اصل مدیون سے وصول کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے اور اپنے حق تک بے اس کے نہ پہنچ سکنے کی بھی صورت اضطرار ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ در مختار میں ہے:

اشتری اثنان شیئا وغاب واحد منهما فللحاضر دفع کل ثمنه ویجبر البائع علی قبول الکل ودفع الکل للحاضر وله قبضه وحبسه عن شریکه اذا حضر حتی ینقد شریکه الثمن۔[2]	دو شخصوں نے مل کر کوئی چیز خریدی پھر ان میں سے ایک غائب ہوگیا، تو جو حاضر ہے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ کل ثمن ادا کرے اور بائع کو کل ثمن وصول کرنے اور کل مبیع حاضر مشتری کے حوالے کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔اور حاضر مشتری کو حق حاصل ہے کہ وہ مبیع کو اپنے قبضہ میں لے کر دوسرے شریک سے روک رکھے یہاں تک کہ وہ شریک سے اس کے ثمن وصول کرلے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] الفتاوٰی الخیریۃ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۵

[2] الدرالمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۱

قوله غاب واحد منهما قید به لان لو کان حاضرا یکون متبرعا بالاجماع لانه لایکون مضطرا فی ایفاء الکل اذیمکنه ان یخاصمه الی القاضی فی ان ینقد حصته ولیقبض نصیبه فتح[1]۔	ماتن کا قول کہ "دونوں میں سے ایک غائب ہوجائے" یہ قید اس لئے لگائی کہ اگر وہ حاضر ہوتو کل ثمن ادا کرنے والا بالاتفاق متبرع ہوگا کیونکہ وہ کل ثمنوں کی ادائیگی پر مجبور نہیں۔اس لئے کہ قاضی کے پاس مخاصمہ کرکے وہ اپنے حصے کے ثمن دے کر اپنے حصے کا مبیع حاصل کرسکتا ہے، فتح۔ (ت)

درمختار میں ہے:

رهن الاب من مال طفله شیئا بدین علٰی نفسه جاز ولوادرك الابن و مات الاب لیس للابن اخذه قبل قضاء الدین ویرجع الابن فی مال الاب ان کان رهنه لنفسه لانه مضطر کمعیر الرهن۔[2]	باپ نے اپنے ذاتی قرض کے عوض اپنے بیٹے کی کوئی چیز رہن رکھ دی تو جائز ہے اگر بیٹا بالغ ہوگیا اور باپ مرگیا ہے تو قرض کی ادائیگی سے پہلے بیٹا مرہون کو لینے کا حقدار نہیں۔وہ بیٹا باپ کے مال میں رجوع کرے گا اگر باپ نے وہ چیز اپنی ذات کے لئے رہن رکھی ہو کیونکہ بیٹا اس میں مجبور ہے جیسے رہن کو عاریت پر دینے والا۔(ت)

ردالمحتار مسئلہ معیر میں ہے:

لانه یرید بذٰلك تخلیص ملکه فهو مضطر الیه[3]۔	کیونکہ اس عمل سے اس کا مقصد اپنی ملکیت کی خلاصی کرانا ہے چنانچہ وہ اس میں مجبور ہے۔(ت)

اور شرعًا اگرچہ یہ مرتہن نہ ہو یا اس کا دَین بتمامہ توفیر سے ادا ہوگیا جس کے سبب

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۱۷

[2] الدرالمختار کتاب الرهن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۴

[3] ردالمحتار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۳۱

اس کا مطالبہ شرعًا باطل ہو مگر قانون زمانہ کے اعتبار سے اسے بے اس کے دیئے اپنے حق تک وصول ناممکن ہے تو ادامیں مضطر ہوااور رجوع کااختیار ملا۔ غرض مدار کار اضطرار پر ہے نہ اس مطالبہ کے حق ہونے پر، در مختار میں ہے:

وکذا النوائب ولو بغیر حق کجبایات زماننا فانها فی المطالبة کالدیون بل فوقها حتی لواخذت من الاکّار فله الرجوع علی مالك الارض وعلیه الفتوٰی[1]۔	یونہی شاہی ٹیکسوں کی کفالت صحیح ہے اگرچہ وہ ناحق ہوں جیسے ہمارے زمانے میں مظالم سلطانیہ کیونکہ وہ مطالبہ میں قرضوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں یہاں تک کہ اگر مزارع سے وہ مظالم وصول کئے گئے تو وہ زمین کے مالک کی طرف رجوع کرسکتا ہے اور اسی پر فتوٰی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی اُخراجات القنیة برمزظهیرالدین المرغینانی وغیره المستأجر اذا اخذ منه الجبایة الراتبة علی الدور والحوانیت یرجع علی الاٰجر وکذا لاکار فی الارض وعلیه الفتوی[2]۔والله تعالٰی اعلم۔	قنیہ کی کتاب الاجارات کے آخر میں ہے ظہیرالدین مرغینانی وغیرہ نے ظاہر کیا ہے کہ اگر کرایہ دار سے مروّج ٹیکس جو کہ گھر اور دکانوں پر عائد ہے وصول کیا گیا تو وہ آجر کی طرف رجوع کرے گا۔ اور فتوٰی اسی پر ہے۔ والله تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۱ تا ۷۳: مسئولہ ظہور الدین صاحب ۲۶ صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) اگرایک مسلمان کچھ زیور دوسرے مسلمان کے پاس لے کر گیا اور اس سے کچھ روپیہ قرض لیا اور زیور اپنا اس کے پاس روپیہ کی ضمانت میں رکھ دیا جس مسلمان کے پاس زیور رکھا گیا ہے وہ زیور کا حق حفاظت یا کرایہ حاصل کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر لے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

---

[1] الدرالمختار کتاب الکفالة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۶

[2] ردالمحتار کتاب الکفالة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۸۲

زیور جس کے پاس رکھا گیا وہ بندہ خدا سُود سے بچنا چاہتا ہے اور اس طرح سے نفع حاصل کرنا چاہتا ہے۔

(۲) اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے پاس کچھ روپیہ لینے گیا اور اس روپیہ کی ضمانت میں ایک دستاویز لکھا جس میں کوئی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ اس روپیہ کی ضمانت میں تحریر کی اب جس مسلمان نے کہ روپیہ دوسرے مسلمان کو دیا اور اس جائداد کی حفاظت کرنے کا روپیہ مانگتا ہے لہٰذا اس کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

مکرّر یہ ہے کہ یہ سنا ہے کہ حضو نے رہن دخلی کی کوئی ایسی صورت نکالی ہے جو جائز ہے امید ہے کہ اس سے بھی مطلع فرمایا جاؤں گا۔

(۳) مکرّر یہ کہ شرعی طور پر ایسی کون کون سی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں کہ جن سے مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے یا غیر قوم سے روپیہ کا لین دین کر سکیں اور فائدہ اٹھا سکیں، امید کہ ایک یا دو صورتیں تحریر فرمادی جائیں جو حسب تصریح فقہائے کرام ثابت یا حدیث نبوی میں واقع ہوں۔ اللہ تعالٰی اس کا اجر دے گا، فقط۔

الجواب:

(۱) زیور کہ روپیہ کی ضمانت میں دیا گیا اس کے معنی بعینہٖ رھن رکھنے کے ہیں اور رہن کی حفاظت ذمہ مرتہن ہے کہ وہ اسی کے حق میں محبوس ہے اس پر اُجرت لینے کے کوئی معنی نہیں اگر لے گا خالص سود ہوگا، یہ نفع جائز نہیں ہو سکتا بلکہ قطعی حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) جائداد ضمانت میں دینا یہاں دو طریقے پر رائج ہے، ایک یہ کہ جائداد مالک ہی کے پاس رہتی ہے اور وہ دائن کو لکھ دیتا ہے کہ یہ میں نے تیرے دین میں مکفول کی ہے اسے کفالت یا استغراق کہتے ہیں یہ شرعًا محض باطل و مہمل ہے، نہ اس میں کسی حق حفاظت کا وہم ہو سکتا ہے کہ جائداد مرتہن کے قبضے میں دی نہیں جاتی۔ دوسری صورت رہن دخلی کی ہے وہ خود ہی حرام و سُود ہے۔ تیسری صورت جو شرعی ہے اور یہاں جاری نہیں وہ یہ کہ جائداد مرتہن کے قبضے میں دی جائے اور مرتہن صرف اس پر قبضہ رکھے کسی طرح کا نفع اس سے حاصل نہ کرے، یہ صورت جائز اور یہی رہن شرعی ہے اور اس کی حفاظت کا وہی حکم ہے جو جواب اول میں گزرا کہ اس پر کچھ لینا محض سود اور حرام قطعی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) رہن دخلی کے جواز کی یہاں کوئی شکل نہیں، نہ میں نے نکالی ہے نہ کوئی نکال سکتا ہے اس کے

جواز کی صرف یہ صورت ہے کہ زید نے عمرو کے پاس اپنا مکان رہن رکھا اور کوئی شرط اس کی سکونت کی قرار نہ پائی، پھر زید نے محض اپنی خوشی سے صرف بطور احسان اسے سکونت کی اجازت دی اور وہ اس کی اجازت ہی کی بناپر اس میں رہنا چاہتا ہے، نہ اس پر اصرار کرے گا نہ قرض کا بار ڈالے گا یہاں تک کہ اگر اس نے اجازت دی اور یہ مکان میں رہنے کو آیا ایک پاؤں دروازے کے باہر اور ایک اندر ہے کہ اس نے کہا اب میں اجازت نہیں دیتا تو فوراً پاؤں باہر نکال لے ایسا رہنا ہو تو ممکن ہے، مگر کیا یہاں ایسی صورت کا احتمال ہے، حاشا ہرگز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۴و۷۵: مرسلہ محمد سبحان از موضع پوراکوٹھی ڈاکخانہ شمشیر نگر ضلع گیا ۱۶صفر المظفر ۱۳۳۵ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہماری بستی میں مسلمانوں کی رائے ہے کہ شاہراہ بیچ بستی کے جو عام لوگ کو فائدہ پہنچ سکے ایک کنواں پختہ تیار کریں اور قیمت چرم قربانی کا اس میں خرچ کریں کیونکہ اس بستی میں ایک شخص کو کسی کو لیاقت نہیں جو ایک آدمی کنواں بندھوا سکے پانی پینے کی از حد تکلیف ہے ایسی حالت میں قیمت چرم قربانی کنویں میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔

(۲) ہم نے ایک بیگھہ کھیت گرویں مبلغ پچاس روپے اس شرط پر دے کر لیا کہ تاادائے روپیہ ہم نے اس کھیت کو آباد کیا اور اس کی مالگزاری لگان وغیرہ ہر سال ادا کرتے گئے اور پیداوار اس کی اپنے مصرف میں لائے اس طور کا کھیت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) قربانی کی کھال ہر نیک ثواب کے کام میں صرف ہو سکتی ہے حدیث میں ہے:

کلوا وادخروا واتجروا۔[1]	کھاؤ، ذخیرہ کرو اور کار ثواب میں خرچ کرو۔ (ت)

ہاں جس نے دام حاصل کرنے کے لئے بیچی ہوئی ہو اس پر لازم ہے کہ وہ دام فقیروں ہی کو دے۔ حدیث میں ہے:

من باع جلد اضحیۃ	جس نے اپنی قربانی کی کھال فروخت کی

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث نبیشۃ الھذلی المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۷۶۔۷۵

لااضحیة له[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کی قربانی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) کاشت کار کھیت کا مالک نہیں ہوتا، نہ اسے بے اجازت زمین دار رہن کرنے کا اختیار، اور یہاں اگر زمیندار بھی اجازت دے گا تو نہ اس طرح کہ کھیت معطل ہے اور اس کی لگان نہ ملے بلکہ یونہی کہ کھیت تم جوتو اور لگان ادا کرو، یہ اجارہ ہوگا نہ کہ رہن، اس صورت میں اس نے جو روپیہ اس کاشتکار کو دیا وہ اس کے ذمہ رہا اور کھیت کا مستاجر اس کی جگہ یہ ہوگیا اسے کھیت سے کوئی تعلق نہ رہا، زمیندار کو اختیار ہے اس کے پاس رکھے خواہ اسے واپس دے، یہ جو کچھ جوتے بوئے اس کا ہے لگان زمین دار کا ہے اور اس کا قرض کاشتکار پر ہے، صورت شرعی تو اس میں یہ ہے، اور اگر یہ سمجھتے ہیں کہ کھیت اسی کاشتکار سابق کے اجارہ میں ہے ہمارے پاس رہن ہے اور زمیندار نے بھی اسے مستاجر نہ بنایا بلکہ اس کو رکھا اور اس نے اس کا قائمقام ٹھہرا کر لگان لیا تو یہ صورت باطل ہے مرتہن کو رہن سے نفع لینا جائز نہیں تو امر ناجائز کا قصد کیا اور ناجائز کا قصد بھی گناہ ہے اگرچہ واقع کے خلاف ہو کہ یہ نہ رہن شرعی ہے نہ رہن و اجارہ جمع ہوسکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۷۶: مرسلہ الف خاں صاحب مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ سانگود ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۱۰/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

ایک کاشتکار کی زمین ملکیت سرکاری اس کا کھاتہ بند ہے اور وہ لگان اس کافی بیگھ دو روپیہ ماہوار بابت کاشت کار دیتا رہتا ہے یہی زمین اس نے رفع ہونے کی غرض سے مبلغ ایک صد روپے یا اس سے زیادہ کم میں کسی مسلمان کے رہن بالقبض کردی اب مرتہن نے اس کو کاشت کیا اور وہی سرکاری زمین کا جو سابق کاشتکار دیا کرتا تھا سرکار نے اس سے وصول کرلیا یا اس نے کسی قدر منافع پر دے کر شخص کو کاشت کرادی تو جو منافع زمین سرکاری سے مرتہن نے بحالت ادائیگی کھاتہ معہودہ سرکاری حاصل کیا وہ زر رہن میں محبوس کرے گا یا کیا؟

الجواب:

رہن و اجارہ جمع نہیں ہوسکتے یہ زمین کہ اجارہ میں ہے رہن نہ ہوئی اور ظاہراً یہاں یہ بھی نہیں ہوتا ہے کہ گورنمنٹ اس کی جگہ اس کو مستاجر زمین سمجھے بلکہ مستاجر وہی رہتا ہے

---

[1] کنز العمال بحوالہ ک۔ ھق عن ابی ہریرہ حدیث ۱۲۲۰۵ موسسة الرسالہ بیروت ۵/ ۹۴

اور یہ مثل ذیلی اور اس کا اس زمین سے انتفاع نہیں مگر بربنائے قرض اور قرض کے ذریعہ سے جو نفع حاصل کیا جائے جائز نہیں۔ حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعة فھو ربا[1]۔	جو قرض نفع لائے وہ سُود ہے۔(ت)

لگان جو مرتہن نے گورنمنٹ کو ادا کی خود کاشت کی اور اس کے بدلے دی نہ راہن کی طرف سے، تو اس کا جس طرح راہن سے مطالبہ کوئی وجہ نہیں رکھتا، ہاں اگر راہن کہے کہ میرے ذمہ جو لگان ہے وہ ادا کیا کر اب وہ اس بنا پر ادا کرتا ہے تو اس کا مطالبہ راہن سے کر سکتا تھا اسی طرح جب کہ اس نے زمین میں کاشت کی تو جو پیداوار ہے اس کا یہی مالک ہے اگرچہ یہ انتفاع اس کو ناجائز تھا اس کے سبب زررہن سے کچھ ساقط نہ ہوگا۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۷و۷۸: از موہن پور مسئولہ سالار بخش خیّاط ۱۲/ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) کھیت رہن ۶ بیگہ مبلغ ایک سو روپیہ میں رکھا گیا اور لگان اس کا ۶ روپیہ ہے اور کاشت خود کرتے ہیں تو جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زمین داری ۱۲ ابسبانسی رہن دخلی ۱۲ سو روپیہ میں اور لگان سرکاری ۳۵ روپیہ ہیں وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) صورت مسئولہ میں اگر موروثی کھیت دخلیکار آسامی سے بالعوض ایک سو روپے کے رہن رکھا ہے تو اس میں خود کاشت کرنا اس وقت تک جائز نہیں کہ اصل مالک یعنی زمین دار سے اجازت حاصل کریں دخلیکار آسامی موروثی ہونے سے شرعًا مالک نہیں ہوتا، صورت جواز یہ ہے کہ اس پر قبضہ کے بعد اصل مالک یعنی زمین دار سے اس کے کاشت کی اجازت لے کر لگان زمین دار کو تامدت رہن ادا کرتا رہے اس کا منافع حلال طیب ہے یہ خیال نہ کرے کہ ہم نے دخلیل کار کو قرض دیا ہے اور اس کی ملک رہن رکھی ہے اور اپنے قرض کا نفع اس سے

[1] کنزالعمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

لیتے ہیں کہ یہ نیت غلط و باطل ہے اور قصدِ گناہ سے گناہگار ہوگا بلکہ یہی نیت کرے کہ زمین زمیندار کی ہے دخیل کار سے اتنے دنوں کے لئے مل گئی ہے اور ہم نے مالک سے اجازت لے کر کاشت کی ہے لہٰذا ہم کو اپنی کاشت کا نفع حلال ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) مواضعات کا دخلی رہن جیسا کہ آج کل رواج ہے قطعی حرام ہے، حدیث میں ارشاد فرمایا:

کل قرض جر منفعة فھو ربا۔	جو قرض کہ نفع لائے وہ سود ہے۔

مال مرہونہ سے کسی قسم کا نفع اٹھانا مرتہن کو جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۹: اودے پور میواڑ مرسلہ احمد خاں وکیل دربار مارواڑ متعینہ مورخہ ۲ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

جناب عالی! عرض ہے کہ زمین داری ۱۲ بسوانسی رہن دخلی ۱۲سو روپیہ میں اور لگان سرکاری ۳۵ روپیہ میں، وہ جائز ہے یا نہیں؟

مواضعات کا دخلی رہن جیسا کہ آج کل رواج ہے قطعی حرام ہے، حدیث میں ارشاد فرمایا:

کل قرض جر منفعة فھو ربا۔[1]	جو قرض کہ نفع لائے وہ سود ہے۔

مال مرہونہ سے کسی قسم کا نفع اٹھانا مرتہن کو جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

مسئلہ ۸۰تا۸۳: از ریاست رام پور مرسلہ منّا بھائی ۲۰صفر ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مبلغ ایک ہزارروپیہ پر چند قطعہ دُکانات ومکانات اپنے جو بقبضہ کرایہ داران زید کی طرف سے تھیں بذریعہ رہن نامہ مصدقہ بکرکے پاس رہن کیں بعدازاں اس زررہن پر مبلغ پانچسوروپیہ اوراضافہ کرکے دوسری دستاویز بحوالہ دستاویز سابقہ تصدیق کرادی دستاویز مذکور میں اقرار تسلیم قبضہ بکرنے تحریر کرالیااوریہ بھی دستاویز میں تحریر کرالیاکہ جو منافع بذریعہ سکونت وغیرہ کرایہ داروں سے مرتہن وصول کرے وہ حق مرتہن ہے چنانچہ مبلغ چارہزارنوسوپینتالیس روپے بکرنے بذریعہ زید کرایہ داران سے وصول پائے اورحسب مضمون دستاویز ودکانات کو کرایہ پر قائم رکھ کراس کرایہ کی منفعت بکرنے حاصل کی اس کے بعد پھر بکرنے عدالت میں نالش زررہن بغرض نیلام جائداد مرہونہ دائر کی۔

زید مدعاعلیہ کو یہ عذرات ہیں:

(۱) قبضہ مرتہن مرہونہ پر نہیں ہوااس وجہ سے کہ مرہونہ پہلے سے بقبضہ کرایہ داران تھی جس کامرتہن کو خوداقرار ہے اوررہن میں قبضہ واقعیہ وتسلیم خاص کی ضرورت ہے تصریحات فقہیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تسلیم وقبضہ کی تحریر کافی نہیں ہے۔ در مختارمیں **فاذا سلمہ وقبضہ المرتھن** [1] (جب راہن، مرہون سونپ دے اورمرتہن اس پر قبضہ کرلے۔ت) یوں نہیں ہے کہ **فاذا کتب تسلیمہ وقبض المرتھن** [2] (جب اس کی سپردگی کی تحریر ہوگئی اورمرتہن نے قبضہ کرلیا۔ت)

(۲) دستاویز میں یہ الفاظ ہیں کہ جو منافع بذریعہ سکونت وکرایہ مرتہن حاصل کرے وہ حق مرتہن ہے یہ اذن راہن برائے اجارہ ہے چنانچہ منافع کرایہ مرتہن نے بذریعہ اجازت راہن کے حاصل کئے اوریہ صورت ہے اجارہ دینے کی مرتہن کاباذن راہن کے اوریہ امر

---

[1] الدرالمختار کتاب الرھن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۵

[2] کنزالعمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

مبطل رہن رہے یہ مانا کہ نئے دکانداروں کو بکر نے دکان نہ دی لیکن پرانے دکانداروں کو قائم رکھ کر منفعت بااجازت راہن حاصل کی۔

(۳) رہن میں زیادتی فی الدین حضرت امام الائمہ سیدابوحنیفہ الکوفی وحضرت امام محمد رحمہمااللہ تعالٰی کے نزدیک جائز نہیں حالانکہ پہلے ایک ہزار روپے میں رہن ہونا اس کے بعد پانسو روپے اور لے کر ایک ہزار پانسو میں رہن ہونا خود بکر کو تسلیم ہے۔اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا اس زیادتی فی الدین کو جائز کہنا حجت نہیں ہے کہ فتوٰی اختلاف کی صورت میں امام صاحب کے قول پر ہوتا ہے چہ جائیکہ ان کے ساتھ امام محمد بھی ہیں۔درمختار میں ہے:

والاصح کما فی السراجیۃ وغیرھا انہ یفتی بقول الامام علی الاطلاق۔[1]	اصح یہ ہے کہ سراجیہ وغیرہ میں ہے کہ فتوٰی مطلقًا امام اعظم کے قول پر ہے۔(ت)

(۴) بکر مرتہن نے جوزر کرایہ تعدادی چارہزار نوسوسینتالیس روپے آٹھ آنے کرایہ داروں سے بذریعہ زید وصول کیا ہے وہ حق راہن یعنی زید ہے چنانچہ،

وان باذنہ فللمالك کما فی درمختار[2] وتکون الاجرۃ للراھن کمافی قاضی خاں[3]	اگر اس کی اجازت سے ہے تو اجرت مالک کے لئے ہے جیساکہ درمختار میں ہے کہ اجرت راہن کے لئے ہوگی جیساکہ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے۔(ت)

اس پر بیّن دلیلیں ہیں (بکر مدعی یہ کہتا ہے)

(۱) اقرار قبضہ جبکہ دستاویز میں تحریر ہے تو ضرورت کسی دیگر ثبوت کی نہیں کیونکہ مکانات مرہونہ کو راہن نے جب اپنے حقوق سے خالی کرکے مرتہن کے حوالے کردیا جس پر دستاویز شاہد ہے تو مرتہن کا قبضہ پورا ہوگیا۔

(۲) دستاویز کے یہ الفاظ کہ جو منافع بذریعہ سکونت وکرایہ مرتہن حاصل کرے وہ حق مرتہن ہے اور اس پر بذریعہ راہن مرتہن کا عملدرآمد بہ صورت اجارہ باذن راہن ہے اور اجارہ باذن راہن مبطل ہی نہیں ہوتا بلکہ

---

[1] الدرالمختار رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴

[2] الدرالمختار کتاب الرھن فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۸

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الرہن فصل فیمایجوز رھنہ ومالایجوز الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۹۵

دینا مرتہن کا باذن راہن مبطل ہوتا ہے یہاں اجارہ دینا مرتہن کا ثابت نہیں کیونکہ اس نے دکانات پر نئے دکانداروں کو نہیں بٹھایا۔

(۳) زیادتی فی الدین امام ابویوسف رحمۃاللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک جائز ہے اور معاملات میں اکثر فتوٰی انہیں کے قول پر ہوتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعًا عذرات مندرجہ بالا بکر کے صحیح ہیں یا اقوال زید کے صحیح ہیں ہر سوال کا جواب بالتفصیل نمبروار بحوالہ کتب فقہ عنایت ہو، بیّنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب (کتاب سے بیان کرو اور روزِ حساب اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

عذرات زید صحیح ومسموع اور شبہات بکر باطل ومدفوع ہیں۔

(۱) رہن اور یہ اجارہ تو دو عقد ہیں جن کا حکم قبضہ کا دست نگر، رہن بے قبضہ باطل اور اجارہ بے قبضہ نفاذ سے عاطل۔ بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

القبض شرط جواز الرھن لقولہ سبحٰنہ وتعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ" وصف سبحٰنہ وتعالٰی الرھن بکونہ مقبوضا فیقتضی ان یکون القبض فیہ شرطا ولانہ عقد تبرع للحال فلایفید الحکم بنفسہ کسائر التبرعات۔[1]	جواز رہن کے لئے قبضہ شرط ہے اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ "تو رہن ہو قبضہ میں دیا ہوا" اللہ سبحانہ وتعالٰی نے رہن کو اس وصف کے ساتھ موصوف فرمایا کہ وہ مقبوض ہو۔ یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ رہن پر قبضہ شرط ہو اور اس لئے بھی رہن حال کے لئے عقد تبرع ہے تو باقی تبرعات کی طرح باعتبار اپنی ذات کے حکم کا فائدہ نہیں دیتا۔ (ت)

اسی میں شرائط نفاذ اجارہ میں ہے:

الحکم فی الاجارۃ المطلقۃ لایثبت بنفس العقد عندنا لان العقد فی حق الحکم ینعقد علی حسب حدوث المنفعۃ فکان العقد فی حق الحکم مضافا	اجارہ مطلقہ میں ہمارے نزدیک نفس عقد سے حکم ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حکم کے حق میں عقد اجارہ منفعت کے پیدا ہونے کے مطابق منعقد ہوتا ہے۔ چنانچہ حکم کے حق میں عقد منفعت کے پیدا ہونے کے وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے،

[1] بدائع الصنائع کتاب الرھن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۳۷

الی حین حدوث المنفعة فیثبت حکمه عند ذٰلك حتی لوانقضت المدة من غیر تسلیم المستأجر لا یستحق شیئا من الاجر ولو مضٰی بعد العقد مدة ثم سلم فلا اجر له فیما مضی لعدم التسلیم فیه۔[1]	لہذا منفعت کے پیدا ہونے کے وقت حکم ثابت ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر مدت اجارہ گزر گئی اور آجر نے شیئ مستاجر کے حوالے نہ کی تو اجرت میں سے کسی شیئ کا حقدار نہ ہوگا۔ اور اگر عقد کے بعد کچھ مدت گزر گئی پھر آجر نے وہ شیئ مستاجر کے حوالے کی گزری ہوئی مدت کی اجرت کا حقدار نہیں ہوگا کیونکہ اس میں سپردگی نہیں پائی گئی۔ (ت)

رہن قبضہ مرتہن چاہتا ہے کہ اس کا مقتضٰی حبس ہے اور حبس بے قبض ناممکن اور اجارہ قبضہ مستاجر چاہتا ہے کہ اس سے مقصود انتفاع ہے اور انتفاع بے قبض نامتصوّر اور شیئ واحد کا وقت واحد میں دو مختلف قبضوں میں ہونا محال، ولہذا اگر راہن بہ اجازت مرتہن یا مرتہن باجازت راہن شے مرہون شخص ثالث کے اجارہ میں دے یا راہن خود مرتہن کو اجارہ دے، تینوں صورتوں میں رہن باطل ہوجاتا ہے۔ بدائع میں ہے:

لیس له ان یؤاجره من اجنبی بغیر اذن المرتهن لان قیام ملك الحبس له یمنع الاجارة ولان الاجارة بعقد الانتفاع وهو لایملك الانتفاع به بنفسه فکیف یملکه غیره ولوفعل وقف علی اجازته فان رده بطل وان اجازجازت الاجارة وبطل عقدالرهن لان الاجارة اذا جازت وانها عقد لازم لایبقی الرهن	راہن کے لئے جائز نہیں کہ مرتہن کی اجازت کے بغیر مرہون شیئ کسی اجنبی کو اجارہ پر دے دے کیونکہ مرتہن کا ملک حبس اجارہ سے مانع ہے اور اس لئے بھی کہ اجارہ کی بنیاد انتفاع پر ہے جبکہ راہن خود مرہون سے انتفاع کا مالک نہیں تو کسی غیر کو اس کا مالک کیسے بناسکتا ہے، اور اگر راہن نے ایسا کردیا تو یہ مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر مرتہن نے اسے رد کردیا تو باطل ہوجائے گا اور اگر اس نے اجازت دے دی تو اجارہ جائز جبکہ عقد رہن باطل ہوجائے گا کیونکہ اجارہ جب جائز ہوگا اور وہ عقد لازم ہے۔

[1] بدائع الصنائع کتاب الاجارہ فصل واما شرائط الرکن الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۷۹

ضرورۃ والاجرۃ للراھن لانہا بدل منفعۃ مملوکۃ لہ وولایۃ قبض الاجرۃ لہ ایضًا لانہ ھو العاقد[1] وکذا لیس للمرتھن ان یؤاجرہ من غیر الراھن بغیر اذنہ لان الاجارۃ تملیك المنفعۃ والثابت لہ ملك الحبس لاملك المنفعۃ فکیف یملکہا من غیرہ فان فعل وقف علی اجازۃ الراھن فان اجاز جاز وبطل الرھن لما ذکرنا وکانت الاجرۃ للراھن، وولایۃ قبضہا للمرتھن لان العاقد ھو المرتھن، ولایعود رھنا اذا انقضت مدۃ الاجارۃ، لان العقد قد بطل فلایعود الابالاستیناف۔[2]	تو رہن ضرورۃً باقی نہیں رہے گا اور اجرت راہن کی ہوگی اس لئے کہ وہ راہن کے مملوک کی منفعت کابدل ہے۔ اور اجرت پر قبضہ کی ولایت بھی اسی کو حاصل ہے کیونکہ عقد کرنے والا وہی ہے۔ اور اسی طرح مرتہن کے لئے جائز نہیں کہ وہ مرہون شیئ راہن کے غیر کو اس کی اجازت کے بغیر اجارہ پر دے کیونکہ اجارہ منفعت کی تملیک ہے جبکہ مرتہن کے لئے ملک حبس ثابت ہے نہ کہ ملک منفعت تو وہ کسی غیر کو اس کا مالک کیسے بناسکتا ہے۔ اگر مرتہن نے ایسا کردیا تو وہ راہن کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر اس نے اجازت دے دی تو اجارہ جائز اور رہن باطل ہوجائے گا اس دلیل کی وجہ سے جس کو ہم ذکر کرچکے ہیں، اور اجرت راہن کے لئے ہوگی جبکہ اجرت پر قبضہ کی ولایت مرتہن کو حاصل ہوگی کیونکہ عقد کرنے والا وہی مرتہن ہے۔ اور وہ شیئ رہن کی طرف عود نہیں کرے گی جبکہ اجارہ کی مدت ختم ہوچکی ہو کیونکہ عقد رہن باطل ہو چکا تو وہ عود نہیں کرے گا مگر یہ کہ نئے سرے سے عقد کیا جائے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

یخرج المرھون عن کونہ مرھونا ویبطل عقد الرھن بالاجارۃ بان آجرہ الراھن من اجنبی باذن المرتھن او المرتھن	مرہون شیئ مرہون ہونے سے نکل جائے گی اور عقد رہن اجارہ کے ساتھ باطل ہوجائے گا، اس صورت میں کہ راہن نے وہ شیئ مرتہن کی اجازت سے یا مرتہن نے راہن کی اجازت

[1] بدائع الصنائع کتاب الراہن فصل وامّا حکم الرھن الخ ایچ ایم سعید کمپنی ۶/ ۱۴۶

[2] بدائع الصنائع کتاب الراہن فصل وامّا حکم الرھن الخ ایچ ایم سعید کمپنی ۶/ ۱۴۷

باذن الراھن اواستاجرہ المرتھن۔[1]	سے کسی اجنبی کواجارہ پر دے دی یامرتہن خود اس کو اس اجرت پرلے لے۔(ت)

یہاں کہ فریقین کواقرار ہے کہ دکان ومکان رہن سے پہلے سے منجانب زید کرائے پر ہیں اور جب سے اب تک برابر قبضہ کرایہ داران میں ہیں کبھی ان سے خالی نہ کرائی گئیں، تو تخلیہ کہ شرط رہن تھا کبھی نہ ہوااور رہن سرے سے ناجائز وناتمام رہا[عہ]۔ عوام عموماً اورآج کل کے قانون دان خصوصاً نرے زبانی یاکاغذکے تلفظ کو قبضہ کہتے اور سمجھتے ہیں نہ وہ تخلیہ کے معنی سے آگاہ ہیں نہ اس کی

عــــہ:مشی فی الھدایۃ والملتقی والتنویر وغیرھا علی ان القبض شرط اللزوم فلایتم الرھن[2] الا بہ،قال فی العنایۃ وھو اختیار شیخ الاسلام وھو مخالف لروایۃ العامۃ قال محمد لایجوز الرھن الا مقبوضا ومثلہ فی کافی الحاکم الشھید ومختصر الطحاوی والکرخی[3]اھ قال الکرخی انہ قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد و الحسن بن زیاد وصححہ فی الذخیرۃ قھستانی، و المجتبی درمختار،والمحیط ھندیۃ وبہ جزم

ہدایہ،ملتقی اور تنویر وغیرہ میں یہ روش اختیار کی ہے کہ رہن میں مرہون پر قبضہ کرناعقد کے لازم ہونے کے لئے شرط ہے۔چنانچہ اس کے بغیر عقد تام نہیں ہوتا۔عنایہ میں کہااور وہی شیخ الاسلام کامختار ہے اور وہ عام مشائخ کی روایت کے مخالف ہے۔امام محمد نے فرمایاکہ مرہون پر قبضہ ہوئے بغیر رہن جائز نہیں ہوتااور اسی کی مثل حاکم شہید کی کافی اورامام طحاوی کی مختصر اورامام کرخی کی مختصر میں ہے الخ کرخی نے کہا کہ یہ امام ابوحنیفہ،امام ابویوسف،امام محمد اور حسن بن زیاد کاقول ہے،اس کوذخیرہ میں صحیح قراردیا (قہستانی)اور مجتبٰی میں اس کو صحیح قراردیا(درمختار)اور محیط میں اس کو صحیح قرار دیا (ہندیہ) (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] بدائع الصنائع کتاب الرھن فصل امابیان مایخرج بہ المرہون الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۷۱

[2] الھدایہ کتاب الرھن مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۱۳

[3] العنایۃ علی ھامش فتح القدیر کتاب الرھن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۶۶

حاجت جانتے ہیں زید اگراپنا مکان جس میں اس کامال اسباب رکھاہواہے عمرو کو ہبہ کرے اور کنجی اسے دے دے وہ کہیں گے قبضہ دے دیا حالانکہ ہر گز شرعاً قبضہ نہ ہوا کہ تخلیہ نہ ہوا۔ بدائع میں ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فی البدائع کما تری وکذا ذکرہ فی الرھن من العقود الدریۃ انه الصحیح،**اقول**:والھدایۃمع مشیه علی انه شرط اللزوم کلامه فی الدلائل فی مسئلۃ لایجوز رھن المشاع وغیرھایدل علی انه شرط الانعقادفتدبرہ وراجع العنایۃ ونتائج الافکار وکذا التنویر مع اتباعه للھدایۃ قال لایصح رھن المشاع[1] قال فی الدر الصحیح انه فاسد[2]اھ تامل وراجع ما علقنا علی ردالمحتار ویستفاد من العنایۃ ان معنی شرط الجواز عند قائلیه ان الرھن باطل ان لم یقبض فاخترناہ لما علمت له من القوۃ ۱۲منه غفرله۔

اوراسی پر بدائع میں جزم کیا جیساکہ تودیکھ رہا ہے،اوریونہی عقود الدریہ کی کتاب الرھن میں ذکرکیاکہ بے شک وہ صحیح ہے۔ **میں کہتاہوں** ہدایہ کی اس روش کے باوجود کہ قبضہ شرط لزوم ہے رھن مشاع وغیرہ کے عدم جواز پر دلائل کے ضمن میں صاحب ہدایہ کاکلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قبضہ شرط انعقاد ہے۔ پس اس میں غور کر،اور عنایہ اور نتائج الافکار کی طرف رجوع کر۔یونہی تنویر میں ہدایہ کی اتباع کرتے ہوئے کہاکہ مشاع کارہن صحیح نہیں۔ در میں کہا صحیح یہ ہے کہ وہ فاسد ہے الخ غور کر،اور ردالمحتار پر ہماری تعلیق کی طرف رجوع کر۔ عنایہ سے مستفاد ہے کہ شرط جواز کا معنی اس کے قائلین کے نزدیک یہ ہے کہ اگرمرہون پر قبضہ نہیں ہوا تو رہن باطل ہے۔ چنانچہ ہم نے اسی کواختیار کیا ہے جیساکہ تو اس کی قوت کو جان چکاہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

---

[1] الدرالمختارشرح تنویر الابصار کتاب الرہن باب مایجوز ارتھانہ الخ مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۸

[2] الدرالمختارشرح تنویر الابصار کتاب الرہن باب مایجوز ارتھانہ الخ مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۸

وعلٰی ھذا یخرج ما اذا وھب دارا فیھا متاع الواھب و سلّم الدار الیہ اوسلم الدار مع ما فیھا من المتاع فانہ لایجوز، لان الفراغ شرط صحۃ التسلیم و القبض ولم یوجد۔[1]	اور اسی سے اس صورت کا حکم ظاہر ہوجاتا ہے کہ جب کسی نے ایسا گھر ہبہ کیا جس میں واہب کا کچھ سامان موجود ہے اور اس نے وہ گھر موہوب لہ کے حوالے کردیا یا اس نے وہ گھر اس میں پڑے ہوئے اپنے سامان سمیت موہوب لہ کے حوالے کردیا تو یہ ہبہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ موہوب کو خالی کرنا سپردگی اور قبضہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے اور وہ یہاں نہیں پائی گی۔(ت)

دستاویز میں کہ بکر کو قابض کردینا مسطور، یقیناً اس سے یہی محاورہ جہال منظور، تو بکر کا اس سے استدلال ہباء منثور، اور اگر فرض کیجئے کہ اسے شرط قبضہ ہی پر محمول رکھیں تو اب دو[2] وجہ سے مردود ہے:

اوّلاً: جب یقیناً معلوم کہ کرایہ داروں سے تخلیہ کرکے قبضہ کسی وقت نہ دلایا پہلے سے اب تک کرایہ داروں کا قبضہ مستمر ہے اور اوپر بیان ہوچکا کہ شے واحد پر وقت واحد میں دو مختلف قبضے محال، تو یہ اقرار بالمحال ہوا، اور اقرار بالمحال باطل ونامسموع ہے مثلاً بھائی اقرار کرے اور رجسٹری کرادے کہ متروکہ پدری اس میں اور اس کی بہن میں بذریعہ میراث پدر نصف نصف ہے یہ اقرار مردود ہے بہن اس سے استدلال نہیں کرسکتی کہ وہ شرعاً محال ہے لہٰذا ثلث سے زیادہ نہ پائے گی۔یوں ہی یہاں باوصف استمرار قبضہ مستاجران قبضہ مرتہن شرعاً محال ہے، لہٰذا اقرار واجب الابطال ہے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

الاقرار بشیئ محال باطل کما لو اقرلہ بارش یدہ التی قطعھا خمسمائۃ درھم ویداہ صحیحتان لم یلزمہ شیئ کما فی	محال شیئ کا اقرار باطل ہے جیسے کسی کے لئے پانچسو روپے دیت کا اقرار کیا اس کے ہاتھ کے بدلے میں جو مقِر نے کاٹا ہے حالانکہ اس کے دونوں ہاتھ سلامت ہیں تو مقِر پر کچھ بھی لازم

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الھبہ فصل واما الشرائط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۲۵

التاتارخانية وعلى هذا افتيت ببطلان اقرار انسان بقدر من السهام لوارث وهو ازيد من الفريضة الشرعية لكونه محالا شرعا مثلا لومات عن ابن وبنت فاقر الابن أن التركة بينهما نصفان بالسوية فالاقرار باطل لما ذكرنا[1] اه وقيده السيد العلامة زيرك زاده فى حاشيته على الاشباه كما رأيت فيها و نقله السيد العلامة الحموى فى الغمز بلفظه قيل و اقره بان يزيد فى اقراره بالارث،قال اذ يتصوران يكون التركة بينهما نصفين بالوصية مع الاجازة او غيرها من وجوه التمليك كما هوظاهر[2] اه **اقول:** يمكن التنصيف بينهما بالارث ايضا كما اذا ماتت عن زوج و	نہیں جیسا کہ تتارخانیہ میں ہے۔اسی بنیاد پر میں نے فتوی دیا ہے کہ کسی انسان کا کسی وارث کے لئے اس قدر سہام کا اقرار کرنا باطل ہے جو اس کے شرعی مقرر حصے سے زائد ہو کیونکہ یہ شرع کی رو سے محال ہے مثلاً کوئی شخص ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ کر فوت ہوا بیٹے نے اقرار کیا کہ ترکہ ان دونوں کے درمیان برابری کے طور پر نصف نصف ہے تو یہ اقرار اس دلیل کی وجہ سے باطل ہوگا جس کو ہم ذکر کرچکے ہیں الخ سید علامہ زیرک زادہ نے اشباہ پر اپنے حاشیہ میں اس کو مقید کیا جیسا کہ میں نے اس کے حاشیہ میں دیکھا اور سید علامہ حموی نے غمز میں لفظ "قیل" کے ساتھ نقل کرکے اس کو برقرار رکھا مقید بایں صورت کیا کہ مُقِر اپنے اقرار میں میراث کا ذکر بڑھائے کیونکہ یہ بات متصور ہے کہ ترکہ ان دونوں بہن بھائیوں کے درمیان وصیت کے سبب سے نصف نصف ہوجائے گا وصیت کی اجازت کے ساتھ یا اس کے علاوہ دیگر وجوہ تملیک کے ساتھ جیسا کہ ظاہر ہے الخ **میں کہتا ہوں** ان دونوں کے درمیان میراث کے اعتبار سے بھی ترکہ کا نصف نصف ہونا ممکن ہے جیسے کوئی خاتون فوت ہوگئی

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵

بنت منه وابن من زوجها الاول ثم مات هذا الزوج ولم يرثه الابنته فلا بدان يزيد فی الاقرار بارثهما عن هٰذا المورث۔	جس کے ورثاء میں اس کا خاوند اور اسی خاوند سے ایک بیٹی اور اپنے پہلے خاوند سے ایک بیٹا ہے پھر یہ خاوند فوت ہوگیا جس کا وارث سوائے اس کی بیٹی کے اور کوئی نہیں لہٰذا مقر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اقرار میں اسی مورث سے ان دونوں کے وارث بننے کی قید کا اضافہ کرے۔(ت)

ثانیاً: بالفرض زید قبضہ بکر کا مقر ہے مگر بکر خود اپنے قبضہ سے منکر ہے کہ تسلیم کرتا ہے کہ اب تک قبضہ مستاجران مستمر ہے اور مقرلہ جب اقرار کی تکذیب کرے اقرار باطل ہو جاتا ہے۔اشباہ میں ہے:

المقرله اذا كذب المقر بطل اقراره الخ[1] واستثنٰی سبعة اشياء ليس هذا منها۔	مقرلہ جب مقر کو جھٹلادے تو اس کا اقرار باطل ہو جائے گا الخ صاحب اشباہ نے سات چیزوں کا استثناء کیا ہے اور یہ ان میں سے نہیں ہے۔(ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ بکر کا کہنا کہ حقوق سے خالی کرکے مرتہن کے حوالے کردیا صریح غلط ہے۔

(۲) بلاشبہہ جب باتفاق فریقین یقیناً ثابت کہ دکان ومکان پہلے سے کرایہ پر ہیں اور یہ کہ راہن ومرتہن دونوں اس اجارے اور اس کی بقاپر راضی، مرتہن اب تک اس کرایہ سے متمتع ہوتا رہا تو بعد رہن اگر یہ اجارہ از جانب راہن ہے تو مرتہن کا اذن ہے اور از جانبِ مرتہن فرض کیجئے تو راہن کا اذن ہے،اور ہم بدائع ملک العلماء سے لکھ آئے کہ دونوں صورتوں میں رہن باطل ہے، نیز فتاوٰی امام قاضی خان وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

ان آجر المرتهن من اجنبی بامر الراهن يخرج من الرهن وتكون الاجرة للراهن،وان آجره الراهن من اجنبی	مرتہن نے راہن کے حکم پر مرہون شیئ کسی اجنبی کو اجارہ پر دے دی وہ رہن سے نکل جائے گی اور اُجرت راہن کے لئے ہوگی،اور اگر راہن مرتہن کے حکم سے اجنبی کو اجرت

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الاقرار الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹

بامر المرتھن یخرج من الرھن والاجر للراھن۔[1]	پر دے دے تو وہ رہن سے نکل جائے گی اور اجرت راہن کے لئے ہوگی۔(ت)

بکر کا کہنا ہے کہ اجارہ باذن راہن مبطل رہن نہیں ہوتا۔اگر یہ مقصود کہ کسی شخص ثالث فضولی کا باذن راہن اجارہ میں دینا مبطل رہن نہیں جب تک مرتہن بھی اس پر راضی نہ ہو تو صحیح ہے مگر معاملہ دائرہ سے بے علاقہ، یہاں کسی فضولی نے اجارہ نہ دیا اور بالفرض ہو بھی تو راہن ومرتہن دونوں کی رضا موجود، بہرحال رہن باطل ہوگیا۔خانیہ وہندیہ میں ہے:

ان آجرھا اجنبی بغیر اذن الراھن والمرتھن ثم اجازا جمیعا کان الاجر للراھن ویخرج من الرھن۔[2]	اگر اجنبی شخص نے راہن ومرتہن کی اجازت کے بغیر مرہون شیئ اجارہ پر دے دی پھر دونوں نے اکٹھی اجازت دے دی تو اجرت راہن کے لئے ہوگی اور وہ شے رہن سے نکل جائے گی۔(ت)

اور اگر یہ مقصود کہ مرتہن کا باذن راہن اجارہ دینا مبطل رہن نہیں تو صریح کذب اور تمام کتب کے خلاف ہے اور یہ عذر کہ یہاں اجارہ نیا مرتہن کا ثابت نہیں کہ اس نے نئے دکاندار کو نہ بٹھایا محض باطل وبے اثر ہے،

اوّلًا: مرتہن کا اجارہ دینا ثابت نہ سہی راہن کا اجارہ دینا اور اس پر مرتہن کی رضا تو ثابت ہے یہ کیا بطلان رہن کو بس نہیں۔

ثانیًا: عقد اجارہ وقتًا فوقتًا نیا ہوتا ہے کہ منفعت بتدریج پیدا ہوتی ہے اسی تدریج سے اجارہ تجدید پاتا ہے۔بدائع میں ہے:

الطاری فی باب الاجارۃ مقارن لان المعقود علیہ المنفعۃ وانھا تحدث شیئا فشیئا فکان کل جزء یحدث	اجارہ کے باب میں مقارنت طاری ہوتی ہے کیونکہ اس میں معقود علیہ منفعت ہوتی ہے اور وہ وقتًا فوقتًا بتدریج پیدا ہوتی رہتی ہے، چنانچہ منفعت کی ہر جز جو پیدا ہوتی ہے وہ

[1] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الرھن الباب الثامن فی تصرف الراھن الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۵۔۴۶۴

[2] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الرھن الباب الثامن فی تصرف الراھن الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۵

معقود علیہ مبتدأ[1]۔	نئے سرے سے معقود علیہ بنتی ہے (ت)

ہدایہ میں ہے:

الاجارۃ تنعقد ساعۃ فساعۃ حسب حدوث المنفعۃ۔[2]	اجارہ وقتًا فوقتًا منفعت کے پیدا ہونے کے مطابق منعقد ہوتا ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

(جواز العقد لیس باعتبار أن المعدوم جعل موجودا حکما وکیف یقال ذلك والموجود من المنفعۃ لایقبل العقد لانہ عرض لایبقی زمانین فلایتصور فیہ التسلیم بحکم العقد والقدرۃ علی التسلیم شرط لجواز العقد وما لایتصور فیہ التسلیم لایکون محلا للعقد بل باعتبار ان العین التی ھی سب وجود المنفعۃ اقیمت مقام المنفعۃ فی حق صحۃ الایجاب و القبول وفی حق وجوب التسلیم اذ العین ھی التی یمکن تسلیمھا دون العرض فانعقد فی حقھا فی الحال فوجب علیہ تسلیمھا	اجارہ کے عقد کا جواز اس اعتبار سے نہیں کہ معدوم کو حکمی طور پر موجود بنادیا گیا ہے، اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے حالانکہ جو منفعت موجود ہو وہ عقد کو قبول نہیں کرتی اس لئے کہ وہ عرض ہے جو دو زمانوں میں باقی نہیں رہتی، لہٰذا اس میں عقد کے حکم سے سپردگی متصور نہیں جبکہ سپردگی پر قادر ہونا عقد کے لئے شرط جواز ہے، اور جس میں سپردگی متصور نہیں وہ عقد کا محل نہیں ہوسکتا بلکہ اجارہ کے عقد کا جواز اس اعتبار سے ہے کہ عین شیئ جو کہ وجود منفعت کا سبب ہے اس کو ایجاب و قبول کی صحت اور سپردگی کے وجوب کے حق میں منفعت کے قائمقام کردیا گیا ہے اس لئے کہ اس عین ہی کی سپردگی ممکن ہے نہ کہ عرض کی، لہٰذا اس عین کے حق میں فی الحال عقد منعقد ہوجائے گا اور آجر پر اس کی سپردگی واجب ہوگی

[1] بدائع الصنائع کتاب الاجارۃ واما شرائط الرکن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۸۷

[2] الہدایۃ کتاب الاجارۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۹۱

وصار العقد مضافا غیر منعقد للحال فی حق المنفعة لأن اقصی مایتصور العقد علی المنفعة ان یکون العقد مضافا الی وقت حدوثها فینعقد العقد فی کل جزءٍ من المنفعة علٰی حسب وجودها شیئًا فشیئًا وھو معنٰی قولنا ان عقد الاجارۃ فی حکم عقود متفرقة یتجدد انعقادها علٰی حسب حدوث المنافع وانما قامت العین مقام المنفعة تصحیحا للعقد فی حق الانعقاد والتسلیم ضرورۃ عدم تصورھما فی المنفعة ولاضرورۃ فیحق الملك فی البدل اذا ماثبت للضرورۃ یثبت بقدرھا فلا یظھر فی حق ملك البدل کما لا یظھر فی حق ملك المنفعة فیکون العقد مضافا الٰی وقت حدوثها غیر منعقد للحال فی حقهما[1] اھ وانما سقناہ لما فیه من الفوائد ولایکفینا بعضه کمالایخفٰی۔	اور منفعت کے حق میں کہ عقد مضاف ہوگا فی الحال منعقد نہیں ہوگا کیونکہ منفعت پر عقد میں انتہائی تصور یہ ہے کہ عقد منفعت کے پیدا ہونے کے وقت کی طرف منسوب ہو۔ چنانچہ عقد منفعت کی ہر جز میں اس کے تدریجًا موجود ہونے کے مطابق منعقد ہوگا۔ اور یہی معنی ہے ہمارے اس قول کا کہ "اجارہ کا عقد متفرق عقود کے حکم میں ہے جن کا انعقاد منافع کے پیدا ہونے کے مطابق متجدد ہوتا رہتا ہے۔ انعقاد اور سپردگی کے حق میں ان دونوں کا تصور معدوم ہے اور بدل کے اندر ملک کے حق میں کوئی مجبوری نہیں اس لئے کہ جس شے کا ثبوت ضرورت کی وجہ سے ہو اس کا ثبوت بقدر ضرورت ہوتا ہے، چنانچہ وہ مِلک بدل کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا جیسا کہ مِلک منفعت کے حق میں ظاہر نہیں ہوتا، وہ عقد منفعت کے پیدا ہونے کے وقت کی طرف منسوب ہوگا اور ان دونوں کے حق میں فی الحال منعقد نہیں ہوگا الخ بے شک ہم نے اس عبارت کو ان فوائد کی وجہ سے ذکر کیا ہے جو اس میں موجود ہیں ورنہ ہمیں اس میں سے بعض عبارت کافی ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

[1] تبیین الحقائق کتاب الاجارہ المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۵/ ۱۰۷

توبعد میں جو ساعت آئی اس میں نیا عقد اجارہ ہوا یہ اگر مرتہن کی طرف سے باذن راہن ہے تو بلاشبہہ مرتہن نے جدید اجارہ کیا اور اس کے لئے دکانداروں کو جدید ہونا کیا ضرور عقد نیا ہونا چاہئے وہ بے شک حاصل۔ کیا اگر مرتہن باذن راہن اسی مستاجر کو دے جسے پہلے راہن دے چکا تھا تو رہن باقی رہے گا۔ دوسرے کو دے تو جاتا رہے گا اس کا قائل نہ ہوگا مگر سخت جاہل، مرتہن کے عقد اجارہ باذن راہن کو تمام کتابوں نے مبطل رہن رکھا ہے نہ کہ صرف بحال تبدیل مستاجر۔ رہن پر اجارہ نافذہ کا ورود ہی اسے باطل کرتا ہے کہ دوام حق حبس جو شرط رہن ہے زائل ہوتا ہے۔ تعین مستاجر کو اس میں کیا دخل۔ بدائع میں ہے:

الاجارۃ تبطل الرھن۔[1]	اجارہ رہن کو باطل کردیتا ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

اخبر اللہ سبحانہ وتعالٰی المرھون مقبوض فیقتضی کونہ مقبوضا مادام مرھونا۔[2]	اللہ سبحانہ وتعالٰی نے خبر دی ہے کہ مرہون مقبوض ہو۔ یہ خبر اس کے مقبوض ہونے کا تقاضا کرتی ہے جب تک وہ مرھون ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

الرھن فی اللغۃ عبارۃ عن الحبس قال اللہ تعالٰی عزّوجلّ "كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝۲۱" ای حبیس فیقتضی ان یکون المرھون محبوسا مادام مرھونا ولو لم یثبت ملك الحبس علی الدوام لم یکن محبوسا علی الدوام فلم یکن مرھونا۔[3]	رہن لغت میں حبس کا نام ہے، اللہ تبارک وتعالٰی نے فرمایا: ہر شخص اپنے کئے میں مرہون یعنی محبوس ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ مرہون جب تک مرہون ہے محبوس ہو اور اگر ملک حبس دائمی طورپر ثابت نہ ہوئی تو وہ دائمی طورپر محبوس نہ ہوا، چنانچہ وہ مرہون نہ ہوا۔(ت)

اسی سے گزرا:

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الرھن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۷

[2] بدائع الصنائع کتاب الرھن فصل وامام الشرائط الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۲

[3] بدائع الصنائع کتاب الرھن فصل واما حکم الرھن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۵

الاجارۃ اذا جازت لایبقی الرھن ضرورۃ۔[1]	اجارہ جب جائز ہوجائے توضروری ہے کہ وہ رہن باقی نہ رہے۔(ت)

(۳) بے شک زیادت فی الدین ناجائزہے، یہی مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے، اوراسی پر متون و شروح، اوریہی من حیث الذیل اقوٰی، کما یظھر بمراجعۃ البدائع والتبیین وغیرھا (جیساکہ بدائع اور تبیین وغیرہ کی طرف رجوع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ت) اوربیشک فتوٰی ہمیشہ قول امام پر ہے مگر بضرورت، اس بارے میں ہمارا مبسوط رسالہ اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقًا علٰی قول الامام طبع ہوچکاہے، بکر کاقول کہ معاملات میں اکثر فتوٰی قول امام ابویوسف پر ہوتا ہے غلط ہے یہ صرف مسائل متعلقہ وقف وقضا میں کہاجاتاہے اوروہ بھی کوئی ضابطہ نہیں کہ بے تصحیح صریح اس سے خلاف قول امام وخلاف متون وشروح تصحیح کرلیں مگر یہ بحث یہاں کوئی نتیجہ خیز نہیں، نہ اس کی اصلًا حاجت، جبکہ ہم دلائل قاہرہ سے ثابت کرآئے کہ یہ رہن خود ہی باطل محض ہے، پھر بحث زیادت کی کیاگنجائش!

(۴) چارہزار نوسوپینتالیس روپے آٹھ آنے کہ بکرکے کرایہ داروں سے وصول کئے وہ ضرور حق زید ہیں بکرکاان میں کوئی حبّہ نہیں کہ یہ اجارہ راہن باذن مرتہن ہے یا علی التنزل اجارہ مرتہن باذن راہن مگرہم کتب معتمدہ بدائع امام ملک العلماء وفتاوٰی امام قاضی خان وفتاوٰی عالمگیریہ سے ثابت کرآئے کہ دونوں صورتوں میں اجر ملک راہن ہے فقط فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں کرایہ داروں سے کرایہ وصول کرنے کاحق بھی راہن ہی کو ہے، اوردوسری صورت میں مرتہن کو کہ وہی عاقد ہے وہی وصول کرے اورراہن کو دے دے خود اس میں سے کچھ نہیں لے سکتا، لہٰذا بکرپرلازم ہے کہ اپناقرض پندرہ سومجرا کرکے تین ہزارچارسوپینتالیس روپے آٹھ آنے زید کو ادا کرے، دستاویز میں زید کالکھنا کہ جو منافع مرتہن وصول کرے حق مرتہن ہے باطل وبے اثرہے کہ تغییر حکم شرع ہے، اوراگر یہ تاویل کی جائے کہ اگرچہ واقع میں عندالشرع وہ حق زید ہے مگرزید کایہ لکھنا اپنی طرف سے بکر کوان منافع کاہبہ ہے جب بھی باطل ہے کہ منافع بوقت تحریر معدوم تھے اور معدوم کاہبہ باطل۔بدائع میں ہے:

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الرھن فصل واماحکم الرھن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۶

لاتجوز هبة مالیس بموجود وقت العقد بأن وهب مایثمر نخله العام وما تلداغنامه السنة ونحوذٰلك بخلاف الوصیة والفرق ان الهبة تملیك للحال وتملیك المعدوم محال والوصیة تملیك مضاف الی مابعد الموت والاضافة لاتمنع جوازها و لاسبیل لتصحیحه بالاضافة الی مابعد زمان الحدوث لان التملیك بالهبة ممّالایحتمل الاضافة الی الوقت فبطل[1] اھ،واللہ تعالٰی اعلم۔	جو شیئ عقد کے وقت موجود نہ ہو اس کا ہبہ جائز نہیں اس کی صورت یہ کہ کوئی شخص ان پھلوں کا ہبہ کرے جو اس سال اس کے درختوں پر لگیں گے یا اپنی بکریوں کے ان بچوں کا ہبہ کرے جو اس سال وہ جنیں گی اور اسی کی مثل دوسری اشیاء بخلاف وصیت کے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ ہبہ کے لئے تملیک ہے اور معدوم کی تملیک محال ہے اور وصیت ایسی تملیک ہے جو موت کے مابعد کی طرف منسوب ہوتی ہے اور منسوب ہونا وصیت کے جواز کو منع نہیں کرتا، زمانہ حدوث کے مابعد کی طرف نسبت کرکے ہبہ کو صحیح قرار دینے کا راستہ نہیں کیونکہ ہبہ میں تملیک وقت کی طرف نسبت کا احتمال نہیں رکھتی لہٰذا وہ باطل ہے اھ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۴: از ریاست رامپور مرسلہ جناب مفتی عبدالقادر صاحب مفتی کچہری دیوانی ریاست ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

مرہونہ پر بعد عقد رہن مرتہن کا قبضہ شرعی ہوگیا، اس کے بعد بطور عاریت یا اجارہ یا غصب مرہونہ راہن کے قبضہ میں پہنچ گیا تو علمائے محققین سے سوال یہ ہے کہ مذکورہ صورتوں میں عقد رہن باطل ہوجائے گا یا وہ علٰی حالہٖ باقی رہے گا اور کیا مرتہن کو بربنائے رہن مذکور استرداد مرہونہ کا استحقاق شرعاً حاصل ہے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

فی الواقع صورِ مذکورہ میں عقد رہن باطل نہ ہوگا اور مرتہن کو استرداد مرہون کا حق رہے گا، عاریت وغصب میں توظاہر کہ منافی رہن نہیں عقد اجارہ البتہ منافی رہن ہے ولہٰذا اگر

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الہبہ فصل واماّ الشرائط الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۱۹

مرتہن باذن راہن یا راہن باذن مرتہن شخص ثالث کو یا راہن مرتہن کو اجارہ دے تو رہن باطل ہو جائے گا مگر یہاں کہ مرتہن نے راہن کو اجارہ دیا خود اجارہ ہی باطل ہوگا کہ مالک کو اس کی ملک اجارہ دینا کیا معنی، اور جب اجارہ باطل ہوا منافی رہن نہ پایا گیا اور عقد بحالہٖ باقی رہا والمسائل مصرح بھا فی البدائع وغیرھا (اور ان مسائل کی بدائع وغیرہ میں تصریح کردی گئی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۵: از ہوڑہ محلّہ کوکر بھوکا مکان مدار بخش گنیر مرسلہ جان محمد صاحب ۲۸/ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھیت رہن لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

کھیت کہ زمین دار کی مِلک ہو وہ بے اس کی اجازت کے رہن نہیں ہو سکتا اور اگر اس کی اجازت سے ہو یا یہ رہن رکھنے والا خود اس زمین کا مالک ہے تو رہن صحیح ہو جائے گا مگر اس میں کھیتی کرنی ناجائز ہوگی۔ حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔[1]	جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سود ہے (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۶: از قصبہ نگرام ضلع لکھنؤ مرسلہ خضر محمد ۱۱/ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس ملک میں عملداری غیر مسلم کی ہو اور ہر طرح سے انہیں استیلا ہو اور مسلمان باشندے مغلوب ہوں وہاں اگر کوئی غیر مسلم جائداد کسی مسلمان کے یہاں رکھے اور بخوشی خاطر جائداد کے منافع کو اس مسلمان کے لئے حلال کردے تو بقول حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ یہ منافع مسلمان کے لئے سُود تو نہ ہوں گے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں سُود نہیں، ہاں یہ سُود کی نیت سے لے تو اپنی نیت پر گنہگار ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

مسئلہ ۸۷: از شہر بریلی مدرسہ منظر اسلام مسئولہ مولوی رحیم بخش صاحب بنگالی ۱۶صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زمین کو عمر کے پاس رہن رکھامدت پانچ سال کی عمر اس زمین کو خرچ دے کر تصرف کرسکتے ہیں یانہیں؟

الجواب:

کاشتکار بے اجازت زمیندار زمین کو رہن نہیں رکھ سکتا اور بااجازت زمیندار ہو تو وہ اجارے پر نہ رہے گی اجارہ رکھیں گے کہ خراج دے اور کاشت کرے، تو رہن نہ رہے گا نہ زید کو زمین سے تعلق رہے گا عمر کاشتکار مستقل ہوجائے گا، روپیہ زید پر قرض رہا وہ ادا کرے اور اس کے بعد زمین واپس لینے کا اسے اختیار نہ ہوگا، ہاں اگر عمر خود چھوڑ دے چھوڑ دے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۸: ۲۰/ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص کسی کے پاس کوئی چیز رہن رکھے اور وہ مرتہن اس چیز پر برابر سُود لیتا رہے، اور فرض کرو کہ اس نے دوسو روپیہ کا سُود لیااب وہ شخص جس کی وہ چیز ہے رہن چھٹانا چاہتا ہے تو وہ مرتہن یہ کہتا ہے کہ دوسو روپیہ میں سے میں تم کو پانچ روپیہ واپس دیتاہوں اس شرط پر کہ تم شریعت کی رُو سے جو سُود کہ تم نے دیا ہے معاف کرو لیکن مالک چیز اس خوف سے کہ یہ پانچ روپیہ بھی ہاتھ سے جاتے ہیں معاف کرنے پر راضی ہوجائے تو یہ معافی جائز ہوگی یاناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ اور ایسی صورت میں مرتہن کو اپنے سُود کا کتنا حصہ دینا چاہئے؟

الجواب:

مرتہن پر فرض ہے کہ جتنا سُود لیا ہے سب راہن کو واپس دے اور یہ اولٰی ہے یا فقرائے مسلمین پر تصدق کرے اس میں سے اپنے صرف میں ایک حبّہ لانا اسے حرام ہے اور اگر صرف کرچکا ہے اس کا معاوضہ راہن یا فقیروں کو دینا فرض ہے، راہن کے معاف کئے سے معاف نہ ہوگا کہ یہ اس کا آتا ہوا نہیں جو اُس کے چھوڑے سے چھوٹ جائے،

الاتری انہ لایجب علی الآخذ ردّہ الیہ انما حکموا علیہ	کیاتُو نہیں دیکھتا کہ لینے والے پر واجب نہیں کہ وہ راہن کو واپس کرے۔ مشائخ نے

بالاولویہ۔	اس کے اولٰی ہونے کا فیصلہ دیا ہے (ت)

بلکہ وہ اللہ واحد قہار کے غضب کا خبیث مال ہے کسی حال میں مرتہن کے لئے حلال نہیں ہوسکتا اگر توبہ بھی کرے گا تو مقبول نہیں جب تک وہ سارا لیا ہوا راہن یا فقراء کو نہ دے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۹ تا ۹۱: مرسلہ نیاز الدین احمد ۱۶ جمادی الاخری ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان صورتوں میں کہ:

(۱) شیئ مرہون میں تصرف جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ہمارے اطراف میں ایک قطعہ زمین اس طور پر لیتے ہیں کہ مثلاً صاحب زمین کو سو روپے اس عہد و پیمان و قول پر دیتے ہیں کہ صاحب زمین روپیہ ادا کرسکے تو زمین مرتہن کے قبضہ سے چھوٹ کر راہن کے قبضہ میں آجاتی ہے اس میں بات اتنی ہے کہ مرتہن زمین کا خراج ادا کرتے ہیں اور پیداوار زمین کو خود لیتے ہیں اور جس وقت وہ دیئے ہوئے روپے لے گا وہ سو روپے پورا پورا لے گا۔

(۳) یہ صورت بعینہٖ دوسری ہے مگر ذرا بیش و کم یہ ہے کہ دلیل اس طور پر لکھتے ہیں کہ اگر راہن مدت معہودہ میں روپیہ ادا نہ کرے تو زمین فروخت کرکے مرتہن کے قبضہ میں ہمیشہ کے لئے آجاتی ہے۔

الجواب:

مرتہن کو مرہون سے انتفاع حرام ہے۔ حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعۃ فھوربا۔[1]	جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سود ہے۔ (ت)

زمین رہن رکھنے والا اگر خود مالک زمین ہے جیسے زمین دار معافیدار اگرچہ خراج گورنمنٹی بطور مالگزاری یا ابواب اس پر ہو جب تو یہ وہی صورت مرہون سے انتفاع کی ہے اور حرام ہے، اور اگر رہن رکھنے والا کاشتکار ہے اور خراج وہ لگان ہے کہ زمین دار کو دیا جاتا ہے تو اسے بے اجازت زمیندار نہ رہن رکھنے کا اختیار نہ اسے رہن لینے کا۔ اب کہ رہن رکھ دی اور مرتہن نے زمیندار کو لگان دی اور اس نے قبول کیا یہ عقد اجارہ زمیندار و

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

مرتہن میں ہوا رہن باطل ہوگیا اور پہلا کاشتکار زمین سے بے تعلق ہوگیا یہ مرتہن ہی کاشتکار ہوگیا زراعت اسے جائز ہے اور اس کا روپیہ پہلے کاشتکار پر فرض ہے جب وہ روپیہ دے اس پر زمین چھوڑنا لازم نہیں جب تک سال تمام پر زمین دار اس سے نہ چھڑائے اور دوسری صورت جس میں میعاد گزر جانے پر زمین کا فروخت ہوجانا ہے اگر مالک زمین نے زمین رکھی تو رہی ہے اور یہ شرط مردود اور اگر کاشتکار نے رہن رکھی تو زمین فروخت ہوجانے کا بطلان اور بھی ظاہر، اسے پرائی زمین بیع کردینے کا کیا اختیار؟ غرض یہ سب جاہلانہ طریقے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۲: ۱۶/رجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زمین علٰی وجہ الرہن خریدنا جائز ہے یا نہ؟

الجواب:

علٰی وجہ الرہن خریدنا بعینہٖ رہن لینا ہے اس پر تمام احکام رہن کے ہوں گے، خریدار کو اس سے نفع اٹھانا حرام، دَین اگرچہ بعد میعاد ملے زمین واپس نہ دینا حرام، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۳: از شہر محلّہ روہیلی ٹولہ متصل مسجد جہان خاں مسئولہ طالب علم بنگالی ۱۳ شوال ۱۳۳۸ھ

زید نے بکر سے ایک بیگہ زمین مبلغ ایک صد روپیہ دے کر لے لی اس شرط پر کہ جب تک روپیہ ادا نہیں کریں گے زمین ان کے قبضہ میں رہے گی اور نفع بھی اٹھائیں گے اور اصل روپے میں سے مبلغ عہ ہر سال میں کم ہوتا جائے یہ شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ صورت رہن واجارہ جمع کرنے کی ہے اور وہ جمع نہیں ہوسکتے رہن یوں باطل ہوا کہ دو روپے سال اُجرت منافع زمین رہن ٹھہرے، اجارہ یوں فاسد ہوا کہ مدت مجہول رہی کہ جب تک روپیہ ادا ہو، لہٰذا یہ شرعًا جائز نہیں گناہ ہے، اس کا فورًا فسخ کرنا دونوں پر واجب ہے زمین فورًا واپس کردے یا اس اجارہ فاسدہ کو فسخ کرکے از سر نو صحیح اجارہ متعین مدت کرلے جس میں یہ شرط نہ ہو کہ تا ادائے قرض زمین پر قبضہ رہے گا، رہا، اس کا قرض ہے اسے اختیار ہے کہ اب وصول کرے یا جب چاہے، قرض کے لئے

کوئی میعاد لازم نہیں ہو سکتی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۴: اظہار الحق ساکن چندوسی محلّہ کاغذی مکان شیخ عبدالحق صاحب ۱۰ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زید ایک مکان کا مرتہن ہے اگر وہ اس مکان کو راہن سے عاریۃً لے کر اس میں سکونت اختیار کرے یا اس کو کرائے پر اٹھائے تو یہ فعل اس کا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب تحریر فرمائیے۔

الجواب:

بہ اجازت راہن عاریۃً رہے کہ جس وقت راہن منع کرے فوراً سکونت چھوڑ دے مقفل کرکے صرف قبضہ رہن رکھے جائز ہے اور کرایہ پر چلانا بے اجازت راہن ہو تو حرام ہے اور باجازت ہو تو رہن جاتا رہا کرایہ کا مالک راہن ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۵: از میران پور کٹرہ ضلع شاہجہان پور مسئولہ محمد صدیق بیگ صاحب ۲۵/ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی اہل ہنود سے زمین دخلی رکھ کر پانچ برس کے واسطے اس میں زراعت خود کرے یا ان کو بونے پر کسی دوسرے کو دے دے کیسا ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ہنود سے اس عقد کے کرنے میں کوئی حرج نہیں **لجواز العقود الفاسدۃ مع من لیس ذمیّا ولامستامنا** (کیونکہ فاسد عقود ایسے کافروں کے ساتھ جائز ہیں جو ذمّی اور مستامن نہ ہوں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۶و۹۷: از الٰہ آباد مسئولہ سید سبحٰن الحسن صاحب ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک فٹن گاڑی مبلغ ۲۰۰ روپیہ میں دخلی رہن رکھی راہن نے ہر قسم کی مالکانہ اجازت بخوشی دی راہن نے اس کو کرایہ مبلغ ۷ روپیہ ماہوار پر دے دیا یہ کرایہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) دوسری یہ کہ زید نے ایک گھوڑا اپنا اس میں لے کر ڈالا اور کرایہ پر اس شخص کو جس سے دخلی رہن رکھی ہے مبلغ سَو روپیہ ماہوار دے دی۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) یہ حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حدیث ہے: **کل قرض جر منفعة فھو ربا**[1]۔ جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سود ہے (ت)

(۲) یہ بھی حرام ہے، مالک کو اس کی شے کرایہ پر دینا اور بھی بے معنی ہے، ہاں اگر رہن سے باز آئے اور اس کی گاڑی اسے واپس دے اور اپنا گھوڑا سات روپے مہینے کرایہ پر دے تو جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۸: از ضلع رنگپور ڈاک خانہ مہی پور موضع کلقند مدرسہ ملک بنگال مسئولہ فصل علی صاحب ۱۴/ رمضان ۱۳۳۹ھ

چہ می فرمایند علمائے شرع متین ومفتیان دین مبین اندریں مسئلہ کہ شخصی چند بیگہ اراضی خود نزد کسے رہن داشتہ بعوضش یک صد روپیہ قرض گرفت ومرتہن بایں شرط کہ تامدّت ایفائے زر مقروض از زمین مرہونہ بادائے خراج زمینداران بکاشتکاری خود خواہد داشت، قرض داد پس ایں چنیں قرض دادن جائزست یانہ؟ **بیّنوا توجروا۔**	کیا فرماتے ہیں علمائے شرع متین ومفتیان دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی چند بیگھ زمین کسی شخص کے پاس رہن رکھی اور اس کے بدلے ایک سو روپیہ قرض لیا مرتہن نے اس شرط پر قرض دیا کہ مقروض سے قرض کی وصولی تک مرہون زمین کا خراج زمینداروں کو دینے کے عوض اس زمین میں کاشتکاری کرے گا تو کیا ایسا قرض دینا جائز ہے یا نہیں؟ بیان کرو اجر پاؤ گے (ت)

الجواب:

قرض دادن رواست وآں شرط فاسد وبیجاست وآں رہن باطل وبے معنی ست در درمختارست **کل ماکان مبادلة مال بمال یفسد بالشرط الفاسد کالبیع ومالا فلا**	قرض دینا جائز ہے اور وہ شرط فاسد وبے جا ہے اور رہن باطل وبے معنی ہے، درمختار میں ہے: جس عقد میں مال کا مبادلہ مال سے ہو وہ شرط فاسد کے ساتھ فاسد ہو جاتا ہے جیسا کہ بیع، اور جو عقد ایسا نہ ہو

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

کالقرض[1] راہن مالک زمین نبود ونه ازمالک برائے رہن استعارہ نمود کاشتکاری برائے او گزاشت وخراج زمیندار ہم بسرش داشت چوں زمینداراِیں معنی رضا داد وخراج ازیں مُقرِض گرفت ایں عقد اجارہ میان زمین دارومقرض شدو راہن برکراں ماند وذٰلك انّ الراهن والاجارة عقدان متنافیان لایجتمعان، واللہ تعالٰی اعلم۔	وہ فاسد نہیں ہوتا جیسا کہ قرض۔ راہن زمین کامالک نہیں تھا اورنہ اس نے مالک سے رہن کے لئے زمین عاریت پرلی، اس نے مرتہن کے لئے کاشتکاری چھوڑی اورزمیندار کاخراج بھی مرتہن کے سرپررکھ دیاجب زمیندار نے اس پررضامندی ظاہر کردی اورزمین کاخراج قرض دہندہ سے لے لیاتو یہ عقد اجارہ زمیندار اورقرض دہندہ کے درمیان ہوااورراہن ایک طرف رہ گیا۔ اوریہ اس لئے کہ رہن واجارہ دومتنافی عقد ہیں جو جمع نہیں ہوسکتے۔ اوراﷲ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۹۹: از رنگون سکی منٹولی سربرٹ مکان ۲۱ کمرہ ۱۳ مسئولہ محمد ابراہیم خطیب ۲۰رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ زیدنے اپنی جائداد عمروکے پاس رہن رکھی عمرونے زید کی موجودگی میں مدت رہن ختم ہونے سے پیشترہی کوٹ سے اجازت لے کر بے اطلاع اس کی جائداد مرہونہ کو بیع کردیا، اب زید اس بیع کو فسخ کرے گایانہیں؟ اور ثمن بیع اداکرکے اپنی جائداد واپس لے سکتاہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید بے شک اس بیع کو فسخ کرسکتاہے اورزرثمن اداکرنا اس کے ذمہ نہیں، زرثمن کامطالبہ مشتری اس مرتہن سے کرے گا زید کے ذمہ صرف زرِرہن ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

توقف علی اجازة الراهن بیع المرتهن فان اجازه جازو الافلاوله ان	مرتہن کی بیع راہن کی اجازت پر موقوف ہوگی اگر اس نے اجازت دی تو جائز ورنہ جائز نہیں ہوگی راہن کواختیار ہے کہ وہ بیع کو

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مایبطل بالشرط مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۳

یبطله ویعیده رهنا۔[1] واللّٰه تعالٰی اعلم۔	باطل کردے اور اسے رہن کی طرف لوٹادے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۰: ازآول ضلع رہتک مسئولہ محمد جمال مہتمم مدرسہ رونق الاسلام ۱۴/شوال ۱۳۴۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بیع رہن جائز ہے یانہیں؟ زید کہتا ہے کہ جائز ہے اور اس کے لئے کتاب درمختار مطبع منشی نولکشور ص ۵۵۴ کی عبارت پیش کرتا ہے جس کاترجمہ یہ ہے کہ مرہون شیئ کا نفع باجازت راہن جائز ہے۔ کیازید کی دلیل صحیح ہے؟ مگر قول ثانی درمختار کہ متقی کے لئے جائز نہیں یہ بھی سود ہے۔ زید کہتا ہے کہ اتقانہایت مشکل ہے اور یہ متقی کے لئے ہے مگر عمروکاجواب ہے کہ ہر مسلمان متقی ہے توکیا عمروکاجواب صحیح ہے اور کیاہر مسلمان متقی ہے؟ اور تقوٰی اور فتوٰی میں کچھ فرق ہے یانہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

تحقیق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ مرتہن کورہن سے انتفاع جس طرح رائج ہے قطعًا مطلقًا اجماعًا حرام ہے اول تو وہ شرط سے ہوتا ہے رہن نامہ میں لکھاجاتاہے اور پھراذن بھی حقیقتًا اذن نہیں عـــہ۔

مسئلہ ۱۰۱: مدرسہ منظر اسلام مرسلہ محمد احمد طالب علم بنگالی مورخہ ۲۴رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے ہزارروپیہ لیااور اپنامکان بکر کے پاس دخلی رہن چھوڑا یعنی جب تک زید وہ روپیہ نہ دے سکے اتنے روز بکر کواختیار خاص ہے چاہے وہ خود اس مکان میں رہے بسے یادوسرے شخص کے پاس کرایہ پردے کرروپیہ لے، آیااس صورت میں بکر کے لئے ملکیت ثابت ہے اور بکر کامکان سے کرایہ وصول کرنا مطابق شرع شریف سُود ہے یانہیں؟

الجواب:

خودرہنا بھی حرام اور کرایہ لینا بھی سُود۔ اگر کرایہ پردیاتوازآنجاکہ اجازت زید سے تھا کرایہ کامالک زید ہوااوراب مکان رہن سے نکل گیا۔ واللہ تعالٰی اعلم

عـــہ: یہ فتوٰی ناتمام ہے۔ عبدالمبین نعمانی۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الرهن باب التصرف فی الرهن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۲۷

باب القسم
(قسم کا بیان)

مسئلہ ۱۰۲: از محلّہ بہاری پور، بریلی مرسلہ ریاض الدین احمد ۲۹ رجب ۱۳۳۸ھ

کسی سچی بات کے لئے قرآن پاک کی قسم کھانا یا اس کا اٹھا لینا گناہ ہے یا نہیں؟ آپ کو تکلیف دینے کی اس وجہ سے ضرورت ہوئی کہ ایک شخص سے کہا گیا کہ اگر تو سچا ہے تو قرآن شریف کو اُٹھالے۔ اس کا اس نے یہ جواب دیا کہ میں سچائی میں ہوں لیکن میں قرآن شریف نہیں اُٹھا سکتا کیونکہ قرآن شریف اٹھانا ہر حالت میں گناہ ہے، دوسرا فریق کہتا ہے کہ سچا قرآن شریف اٹھانا گناہ نہیں ہے البتہ جھوٹا قرآن شریف اٹھانا گناہ ہے، مہربانی فرما کر مطلع فرمایئے کہ ان دونوں باتوں میں کونسی بات سچی ہے؟

الجواب:

جھوٹی بات پر قرآن مجید کی قسم کھانا یا اٹھانا سخت عظیم گناہ کبیرہ ہے، اور سچی بات پر قرآن عظیم کی قسم کھانے میں حرج نہیں اور ضرورت ہو تو اٹھا بھی سکتا ہے مگر یہ قسم بہت سخت کرنا ہے بلاضرورت خاصہ نہ چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

کتاب الوصایا
(وصیتوں کا بیان)

مسئلہ ۱۰۳: ازمارہرہ مطہرہ مرسلہ حضرت سیدنا سید ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب دامت برکاتہم العالیہ ۱۲۹۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بزرگان دین قدس اللہ تعالٰی اسرارھم العزیزہ سے ایک بزرگ نے اپنے آباء کرام کے سجادہ نشین اور جائداد وقضیہ درگاہ وخانقاہ وقف کردہ امراء اسلام کے متولی تھے بنام اپنے صاحبزادہ حامد اور اپنے نبیرہ احمد بن محمد کے لئے وصیت فرمائی یہ دونوں بعد میرے متولی تمام جائداد ومصارف درگاہ خانقاہ اور جملہ امور متعلقہ ریاست درگاہی وخانقاہی میں شریک مساوی رہیں اور میری جائداد مملوکہ سے احمد بن محمد نبیرہ میرا ثلث حصہ بموجب وصیت شرعیہ پائے اور اس وصیت کو ایک کاغذپر تحریر فرمایا اور جناب ممدوح نے اپنی صاحبزادی کو اس قدر حصہ کہ بعد وفات انہیں پہنچنا تصور کیا جاتا خواہ اس سے کم اپنی حیات میں اس شرط پر دے کر قبض ودخل کرادیا کہ اب ان کے لئے میراث میں حق نہ ہوا اور یہ تخارج برضامندی ان کی واقع ہوا اور صاحبزادی صاحبہ کی طرف سے حکام کے یہاں تصدیق اس مضمون کی گزر گئی کہ میں نے اپنا حصہ پالیا اب مجھے بعد انتقال حضرت مورث کچھ دعوی ترکہ میں نہ رہا جناب ممدوح نے یہ مضمون بھی اسی وصیت نامہ میں ذکر فرمایا آیا اس صورت میں وہ وصیت کہ حضرت موصوف نے دربارہ تولیت فرمائی اور وصیت ثلث مال مملوک نسبت احمد بن محمد شرعًا جائز اور نافذ ہے یانہیں اور یہ تخارج کہ حضرت ممدوح اور صاحبزادی صاحبہ میں واقع ہوا شرعًا معتبر ہے یانہیں

اگر نامعتبر ہو تو وصیت نامہ مذکورہ میں اس کا ذکر آجانا کل وصیت نامہ کو باطل کردے گا یا صرف اسی قدر نامعتبر اور باقی وصایائے مذکورہ صحیح اور مقبول رہیں گے اسی طرح اس کاغذ میں یہ بھی ذکر فرمایا تھا کہ بعد میرے اگر اہل خانہ میری زندہ رہیں تو خبر گیری ان کی جائداد اور احمد بن محمد بقدر معتدبہ کرتے رہیں یہ امر ان دونوں کے ذمہ ہے مگر بی بی صاحبہ مورث کے سامنے ہی گزر گئیں آیا یہ کلمات بھی کچھ منافی صحت وصایائے مذکورہ ہیں یا نہیں اور بی بی صاحبہ اگر بعد کو زندہ رہتیں تو عام اس سے کہ یہ فقرہ ان کی رضا سے تحریر ہے یا بے رضا بہر تقدیر وہ اس تحریر کی بناء پر ترکہ سے محروم رہتیں یا نہیں اگر نہ رہتیں تو دعوی ان کا حامد پر تھا کہ بعد اخراج ثلث وصیت کل جائداد متروکہ پر وہی قابض ہوا یا احمد موصی لہ پر بھی کہ ثلث بحکم وصیت اس نے پایا بعد وصال حضرت ممدوح کے حامد اور احمد دونوں نے اس وصیت نامہ کو معتبر اور مقبول رکھا اور باہم بطریق مصالحت یہ امر قرار پایا کہ جس طرح جائداد مملوکہ میں احمد بن محمد کے لئے ثلث ہے یونہی تولیت اوقاف بھی اثلاثا رہے کہ دو ثلث میں حامد اور ایک میں احمد متولی اور متصرف ہوں آیا بر تقدیر وفرض بطلان کلی وصیت نامہ مذکورہ یہ مصالحہ کہ باہم حامد اور احمد میں واقع ہوا معتبر ہے یا نہیں اور در صورت صحت وصیت نامہ اس صلحنامہ کا کیا حکم ہے اور اگر متولی در بارہ اوقاف دو امر کی وصیت کرے کہ ایک اُن میں سے مطابق تعامل قدیم ہے اور دوسرا مخالف تو اس مخالف کے بطلان سے کل وصیت باطل قرار پائے گی یا صرف یہی امر مخالف اور اگر متولی وقف کسی شخص کے نام تولیت کرے تو یہ وصیت اس کی مطلقاً معتبر رہے گی یا متولیان سابق کا تعامل یہاں بھی دیکھا جائے گا اور اگر ان میں آج تک وصیت تولیت کا رواج نہ تھا تو متولی حال کی وصیت بسبب مخالفت تعامل باطل ہوجائے گی۔ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

در بارہ تولیت اوقاف مذکورہ حامد اور احمد کے نام بزرگ ممدوح کی وصیت کہ دونوں شریک مساوی ہوں صحیح ونافذ ہے اور تولیت محل جریان ارث نہیں جس میں حق وارث کا لحاظ ہو کہ ثلث سے زائد میں وصیت بے اذن ورثاء نفاذ نہ پائے۔

فی الوجیز، ان مات القیم و قد اوصی الی احد فوصی القیم بمنزلۃ القیم [1]۔ وفی وقف العٰلمگیریۃ عن الحاوی	وجیز میں ہے اگر متولی مرجائے اور وہ کسی کے لئے وصیت کرے تو اس متولی کا وصی متولی کے حکم میں ہوتا ہے۔ عالمگیریہ کے باب الوقف میں حاوی

[1] فتاوٰی بزازیۃ علی ھامش الفتاوی الھندیۃ کتاب الوقف النوع الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۵۲۔۲۵۱

ان مات احدالوصیین واوصی الی جماعۃ لم یتفرد واحد بالتصرف ویجعل نصف الغلۃ فی یدالجماعۃ الذین قاموامقام الوصی الھالک[1]	سے منقول ہے اگر دوصیوں میں سے ایک مرگیااور وہ ایک جماعت کے بارے میں وصیت کرگیا توا کیلے تصرف میں مستقل نہ ہوگا، اور وقف غلہ میں سے نصف اس جماعت کے ہاتھ میں دے دیا جائے گاجو مرنے والے کے قائمقام ہوئی۔(ت)

پس دونوں صاحب شرعًا متولی او قاف مذکورہ ہوئے اور ایسے ہوئے کہ ایک بے دوسرے کے تصرفات قوامت میں مستقل نہیں ہوسکتا۔

فقد صرحوا فی الوقف والوصایا ان القوامۃ والوصایاۃ اذاکانت الی اثنین لم یجز ان ینفرد احدھما عن الاٰخر۔	تحقیق مشائخ نے وقف ووصایا کے بارے میں تصریح کی کہ تولیت اور وصیت جب دو شخصوں کے لئے ہوتوان میں سے کسی ایک کادوسرے سے منفرد ہوناجائز نہیں۔(ت)

اور احمد بن محمد کے نام جائداد مملوک میں ثلث کی وصیت تو بدیہی الصحت والنفاذ ہے۔

فلقد قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ تعالٰی تصدق علیکم بثلث اموالکم فی اٰخر اعمارکم[2] او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	تحقیق نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اشاد فرمایا بیشک اللہ تعالٰی نے تمہاری عمروں کے آخر میں تمہارے تہائی مال کے ساتھ تم پر صدقہ فرمایا یاجیسا آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔(ت)

نہ احمد بن محمد باوجود حامد وارث نہ وصیت قدر ثلث سے متجاوز کہ کل یامقدار زائد میں اجازت ورثاء کی احتیاج ہوتی۔

فی تنویرالابصار، ویجوز بالثلث للاجنبی وان لم یجزالوارث ذٰلک[3] الخ۔	تنویرالابصار میں ہے کہ اجنبی کے لئے ایک تہائی کی وصیت جائز ہے اگرچہ وارث اس کو جائز نہ رکھیں الخ۔(ت)

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الوقف الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۱۰

[2] مجمع الزوائد باب الوصیۃ بالثلث دار الکتاب العلمیۃ بیروت ۴/ ۲۱۲

[3] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۷

رہامسئلہ تخارج بحالت مورث کہ بزرگ موصوف نے اپنی حیات میں صاحبزادی صاحبہ کو کچھ عطافرماکر میراث سے علیحدہ کردیااوروہ بھی راضی ہوگئیں کہ میں نے اپناحصہ پالیااور بعدانتقال مورث کے ترکہ میں میراحق نہیں، اشباہ میں طبقات علامہ شیخ عبدالقادر سے اس صورت کاجواز نقل کیااوراسے علامہ ابوالعباس ناطفی پھر جرجانی صاحب خزانہ پھر شیخ عبدالقادر پھر فاضل زین الدین صاحب اشباہ پھرعلامہ سیداحمد حموی نے مقرر و مسلم رکھااور فقیہ ابوجعفر محمد بن یمانی نے اس پر فتوٰی دیااور ایساہی فقیہ محدّث ابوعمرو طبری اوراصحاب احمد بن ابی الحارث نے روایت کیا۔

کماقال العلامۃ زین قال الشیخ عبدالقادر فی الطبقات فی باب الھمزۃ فی احمد،قال الجرجانی فی الخزانۃ،قال ابوالعباس الناطفی رأیت بخط بعض مشائخنارحمھم اللہ،فی رجل جعل لاحدبنیہ دارا بنصیبہ علی ان لایکون لہ بعد موت الاب میراث جازوافتی بہ الفقیہ ابوجعفر محمد بن الیمانی احد اصحاب محمد بن شجاع البلخی وحکی ذٰلك اصحاب احمد بن ابی الحارث وابوعمروالطبری انتھٰی۔[1] قال الفقیرالمجیب غفراللہ تعالٰی لہ مستند ذٰلك الی خط بعض المشائخ وھذا وان لم یرد علیہ ان الخط لایعمل بہ الا فی بعض صور مستثناۃ کما فی عامۃ الکتب وذٰلك لان خط المفتی من الصور المستثناہ فقدقال العلامۃ الحموی فی شرح احکام	جیساکہ علامہ زین نے کہا شیخ عبدالقادر نے طبقات کے باب الھمزہ میں احمد کے ذکر میں کہا،جرجانی نے خزانہ میں کہا، ابو العباس ناطفی نے کہاکہ میں نے بعض مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کے خط سے اس شخص کے بارے میں دیکھا جس نے اپناکوئی مکان اپنے ایک بیٹے کو حصہ کے طور پر دے دیااس شرط پر کہ وہ باپ کی موت کے بعد وارث نہیں بنے گا تو یہ جائز ہے،اسی کے ساتھ فتوٰی دیا فقیہ ابوجعفر محمد بن یمانی نے جومحمد بن شجاع بلخی کے اصحاب میں سے ہیں۔اوراسی کی حکایت کی احمد بن ابوالحارث اورابوعمرو طبری کے اصحاب نے،انتہٰی۔ فقیر مجیب غفراللہ تعالٰی لہ کہتاہے کہ اس کو بعض مشائخ کے خط کی طرف منسوب کرنے پر اگریہ اعتراض وارد نہیں ہوتاکہ خط بعض استثنائی صورتوں کے سواقابل عمل نہیں ہوتا جیساکہ عام کتابوں میں ہے کیونکہ مفتی کاخط انہی استثنائی صورتوں میں سے ہے۔ تحقیق علامہ حموی

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الفرائض ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۳۲

الکتابة من غمز العیون والبصائر ،یجوز الاعتماد علی خط المفتی اخذا من قولھم یجوز الاعتماد علی اشارته فالکتابة اولی [1] انتھی،لکن فیه جھالة الا ان یقال ان المشائخ کلھم ممن یستند بقوله فلاتضر جھالته کما یقال فی کثیر من المسائل قال بعضھم یجوز وبعضھم لاوان سلم فمعتمدنا تقریر تلك الفحول التحاریر اما قول العلامة الحموی فی شرح مانحن فیه،قوله علی ان لایکون له بعد موت الاب میراث جاز ای صح اقول:یتأمل فی وجه صحّة ذٰلك فانه خفی [2] انتھی **فاقول**: ھذا کما تری صریح فی القبول اذا ذعن رحمه الله ان له وجھًا صحیحًا ولکنه خفی حری التامل ولولاذٰلك لقال ھذا مما لاوجه له فلایعول علیه،وھذا مما لایخفی علی العارف باسالیب	نے شرح احکام الکتابۃ میں بحوالہ غمز العیون والبصائر کہا مفتی کے خط پر اعتماد جائز ہے مشائخ کے اس قول کا اعتبار کرتے ہوئے کہ مفتی کے اشارہ پر اعتماد جائز ہے کیونکہ کتابت اشارہ سے اولٰی ہوتی ہے انتہٰی، لیکن اس میں جہالت ہے مگر یہ کہ یوں کہا جائے کہ تمام مشائخ وہ ہیں جن کے قول سے استناد کیا جاتا ہے تو اب جہالت مضر نہ ہوگی جیسا کہ بہت سے مسائل میں کہا جاتا ہے ان میں سے بعض نے کہا کہ جائز ہے اور بعض نے کہا کہ نہیں جائز ہے، اگر اس کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو ہمارا معتمد ان جیّد متبحر علماء کی تقریر ہے۔ رہا ہمارے زیر بحث مسئلہ کی شرح میں علامہ حموی کا فرمان کہ مرنے والے کا یہ کہنا کہ یہ اس شرط پر ہے کہ باپ کی موت کے بعد اس بیٹے کے لئے کوئی میراث نہ ہوگی یہ جائز اور صحیح ہے، تو **میں کہتا ہوں** اس کی وجہ صحت میں تامل کرنا چاہئے کیونکہ یہ خفی ہے انتہٰی۔ **میں کہتا ہوں** جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے یہ قبول میں صریح ہے کیونکہ علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہ نے اذعان فرمایا کہ اس کے لئے وجہ صحیح ہے لیکن وہ خفی ہے جو تامل کے لائق ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت علامہ یوں فرماتے کہ اس کے لئے کوئی وجہ نہیں لہٰذا اس پر اعتماد نہ کیا جائے اور یہ بات کلام کے اسلوبوں کو

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۸

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الفرائض ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۳۲

الکلام۔	جاننے والے پر پوشیدہ نہیں۔(ت)

پس اس روایت اور ائمہ کی تقریر وافتاء وحکایت کی بناپر یہ تخارج بھی صحیح اور جائز واقع ہوااور صاحبزادی صاحبہ کو بعد انتقال مورث کوئی دعوی نہیں پہنچتا اور اگر یہ روایت بوجہ قلّت شہرت یا عدم ظہور علت پایہ اعتبار سے ساقط مانی جائے توضرور یہ تخارج باطل قرار پائے گا مگر اس کے کاغذ وصیت میں مذکور ہونے سے وصایائے مذکور کیوں باطل ہونے لگیں هذا باطل صریح (یہ واضح طور پر باطل ہے۔ت) علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر ایک شیئ کی وارث اور اجنبی کے لئے بالمناصفۃ وصیت کی وہ وصیت وارث کے حق میں باطل اور اجنبی کے نصف میں صحیح اور نافذ رہے گی۔

ففی تنویر الابصار ،ولاجنبی ووارثہ اوقاتلہ لہ نصف الوصیۃ وبطل وصیتہ للوارث والقاتل [1] انتھی ومثلہ فی عامۃ الکتب۔	تنویر الابصار میں ہے کہ اجنبی اور وارث یا اجنبی اور قاتل کے لئے وصیت کی تو اجنبی کو وصیت کا نصف ملے گا جبکہ وارث اور قاتل کے بارے میں اس کی وصیت باطل ہوگی انتہی،اور اسی کی مثل عام کتابوں میں ہے۔(ت)

سبحان اللہ! جب عقد واحد ولفظ واحد میں شیئ واحد کہ دو شخصوں کے نام وصیت کی اور ایک کے لئے شرع نے اجازت نہ دی صرف اسی کے حق میں باطل ہوئی اور اس بطلان نے نصف باقی تک سرایت نہ کی،توجہاں عقد متعدد لفظ متعدد معقود علیہ متعدد اور ایک عقد ان میں سے باطل ہو ان دونوں کے ایک کاغذ میں ذکر کر دینے سے کیونکر اس کا بطلان اس تک ساری و نافذ ہوجائے گا،ایسی بے اصل وجہ سے وصایائے مذکور کا ابطال کوئی عاقل تجویز نہیں کر سکتا اور یہیں سے ظاہر ہوگیا سوال اخیر کا جواب کہ اوقاف صحیحہ شرعیہ میں جب بوجہ جہالت شرط واقف معمول قدیم پر مستقر اعتبار رہے تو جو وصیت اس کے مطابق ہوگی جائز اور جو مخالف ہوگی باطل،اور باطل کا بطلان جائز تک سرایت نہ کرے گا کما اوضحناہ مع انہ کان واضحا (جیسا کہ ہم نے اس کی وضاحت کردی باوجودیکہ یہ واضح تھا۔ت) اور انہیں وجوہ سے وہ فقرہ کہ وصیت نامہ میں جناب بی بی صاحبہ کی نسبت تحریر ہوا صحت وصایائے سابقہ میں خلل انداز نہیں ہوسکتا اگرچہ اس کی تحریر بی بی صاحبہ کو بر تقدیر حیات بعد مورث ترکہ سے حاجب نہ تھی گویہ تحریر ان کی رضا سے واقع ہوئی،

[1] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۶

فان الارث سبب ضروری للملك حتی ان الوارث یرث ویملك سهمه ولوقال الف مرة انی ترکت حقی والمسئلة فی الاشباہ[1] وغیرھا۔	اس لئے کہ وارث ہونا ملک کے لئے سبب ضروری ہے یہاں تک کہ وارث اپنے حصے کاوارث ومالک بن جاتا ہے اگرچہ ہزار بار کہے کہ میں نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے اور یہ مسئلہ اشباہ وغیرہ میں مذکور ہے۔(ت)

ہاں اگر وہ زندہ رہتیں توان کادعوی حامد پر تھا جس نے بعد اخراج وصیت کل متروکہ پر قبضہ کیاکہ حق ورثہ صرف انہیں دو ثلث میں تھا ثلث وصیت ان کے حق سے جدا ہے تواحمد بن محمد جس نے بحکم وصیت ثلث پایا برتقدیر حیات بی بی صاحبہ اور برتقدیر بطلان تخارج صاحبزادی صاحبہ دونوں کے دعوے سے بایں معنی بری ہے کہ ان کے ظہور حصص سے اس کے ثلث میں کمی نہیں آسکتی بلکہ بحکم وصیت کل جائداد سے ثلث کامل اسے دیں گے اور دو ثلث باقی ماندہ ورثہ بحصص شرعیہ تقسیم کرلیں گے،

وذٰلك لان الوصیة مقدمة علی الارث ومعلوم انه لا یزاحم شیئ شیئا الا اذا کانا فی مرتبة واحدة ولو سلمت مزاحمة المتاخر للمقدم لم یبق المتقدم مقدما والمتاخر متاخرا هذا خلف،فثبت ان الموصی له ملك الثلث من دون المزاحم الاتری ان الوصیة لاتزاحم الدیون لتقدم الدیون علیها فکذٰلك المیراث لایزاحم الوصیة بعین ذٰلك الوجه وهذا ظاهر جدًا۔	اور یہ اس لئے کہ وصیت میراث پر مقدم ہے،اور یہ بات معلوم ہے کہ کوئی شیئ کی مزاحمت نہیں کرسکتی جب تک وہ دونوں ایک ہی مرتبہ میں نہ ہوں۔اگر متاخر کی مقدم کے لئے مزاحمت تسلیم کرلی جائے تومقدم مقدم نہ رہے گا اور متاخر متاخر نہ رہے گا۔یہ خلاف مفروض ہے۔لہٰذا ثابت ہوگیا کہ جس کے حق میں وصیت کی گئی وہ بغیر کسی مزاحم کے تہائی مال کامالک ہوگیا۔کیاتم نہیں دیکھتے کہ وصیت قرضوں کی مزاحمت نہیں کرتی کیونکہ قرضے اس پر مقدم ہیں۔یوں ہی بعینہٖ اسی وجہ سے میراث وصیّت کی مزاحمت نہیں کرتی اور یہ خوب ظاہر ہے۔(ت)

اب باقی رہامسئلہ صلحنامہ پر کلام جب وصیت بزرگ موصوف دربارہ تولیت بھی صحیح قرار پائی اور حامد اور احمد دونوں نصف نصف جائداد کے قسیم ٹھہرے تو نظر فقہی اسے مقتضی ہے اگراحمد کے لئے تفویض عام اور نقل تولیت کامطلقًا اختیار شرط واقف خواہ تعامل قدیم سے ثابت نہ ہو تو یہ صلحنامہ وجہ صحت نہیں رکھتا اور احمد اگرلاکھ بار ثلث خواہ ربع خواہ سدس پر مصالحہ کرے شرع ہرگز قبول

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام النقد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶۰

نہ فرمائے گی، اور اسے نصف کامل کا متولی رکھے گی کہ احمد کی طرف سے یہ صلح اور نصف چھوڑ کر ثلث پر راضی ہونا در حقیقت تولیت سدس سے اپنے نفس کو عزل کرنا ہے اور متولی کو بے علم واطلاع قاضی، عزل نفس کا اختیار نہیں اور اگر ہزار بار عزل کرے گا معزول نہ ہوسکے گا واین القاضی واین العلم (اور کہاں ہے قاضی اور کہاں ہے علم۔ت) بحر الرائق میں ہے:

اذا عزل نفسه عند القاضی فانه ینصب غیره ولا ینعزل بعزل نفسه مالم یبلغ القاضی[1] وبمثله فی اسفار اُخر۔	جب متولی قاضی کے پاس خود کو معزول کرے تو قاضی اس کی جگہ کسی اور کو مقرر کردے گا اور جب تک متولی قاضی تک اطلاع نہ پہنچائے وہ خود کو معزول کرلینے سے معزول نہیں ہوگا، اور اسی کی مثل دوسری کتابوں می مذکور ہے۔(ت)

اگر بغرض باطل وتقدیر غلط وصیت نامہ کو مہمل وکان لم یکن، ٹھہرایا جائے تاہم یہ اجازت شرع حامد اور احمد بن محمد سے جو متولی قرار پائے گا اسے ترک تولیت بعض بر مصالحہ صرف بشرائط مذکورہ جائز ٹھہرے گا والالا، بالجملہ وصیت نامہ صحیح ہو کما ھو الحق یا باطل کمافرض، بہر طور صحت صلحنامہ وترک تولیت بعض اسی تفویض عام اور اختیار تام کے ثبوت پر متوقف،

لما تقرر من ان النظار اذا لم یکونوا مرضی بمرض الموت فهم کمثل الوکلاء لیس لهم ان یعزلوا انفسهم الابخیرة من الواقف اوالقاضی اوثبوت التفویض العام الیهم کماصرح به فی الدرالمختار وردالمحتار وغیرهما من الاسفار وهذا کله واضح عند من له اجالة نظر فی کلمات القوم۔	بسبب اس کے جو ثابت ہوچکا ہے کہ متولی جب تک مرض الموت میں مبتلا نہ ہوں وہ وکیلوں کی طرح ہیں انہیں یہ اختیار نہیں کہ وہ خود کو معزول کرلیں جب تک واقف یا قاضی کی طرف سے انہیں ایسا کرنے کا اختیار نہ ہو یا جب تک انہیں تولیت کی تفویض عام نہ ہو۔ جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار وغیرہ ضخیم کتب میں اس کی تصریح کردی گئی ہے۔ اور یہ تمام ہر اس شخص پر روشن وواضح ہے جس کی نظر قوم کے کلام کے نتائج پر ہے۔(ت)

[1] بحر الرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۳۴، ردالمحتار بحوالہ بحر الرائق کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۲

اور متولی وقف کو وصیت تولیت کامطلقاً اختیار ہے خواہ نظار پیشیں میں ایسی وصیت کارواج ہو یانہ ہو حتی کہ یکے بعد دیگرے ہزار متولی گزرے اوران میں کسی نے تولیت کی وصیت نہ کی تاہم متولی حال کواختیار وصیت حاصل ہے۔ فتح القدیر وبزازیہ ووالولجیہ ومجتبٰی وسراجیہ وخانیہ وتاتارخانیہ وذخیرہ برہانیہ واشباہ النظائر وشروح حموی وبیری ودرمختار وحواشی طحطاوی وشامی وعقوددریہ و فتاوٰی خیریہ وہندیہ وغیرذٰلک عامہ کتب میں اس مسئلہ کی تصریح اوراس سے بحث کرتے ہیں کوئی تحقیق تعامل کی قید نہیں لگاتا۔

والفتاوی الخیریة افصح بیانا واوضح تبیانا لذٰلک، حیث قال بعد نقل المسئلة عن التتارخانیة والبزازیة وعزوه الی کثیر من الکتب حتی قال فی الخانیة والظهیریة وغیرهما والعبارة للخانیة ولو ان الواقف جعل رجلا متولیا و شرط انه ان مات هذا المتولی لیس له ان یوصی الٰی غیره جازهذا الشرط انتهٰی، والفقیه یفهم من هذه العبارة الابلغیة فی اثبات الولایة لوصی الناظر المذکور اذ التنصیص علٰی جواز الشرط لدفع توهم یطرأ علیه بعدم الجواز کما یدریه من اکثر من معاشرة نفائس ابکار عباراتهم، اذ مثل ذٰلك یقال فی مثل هذه المسائل التی کثر نقلها ودورانها بینهم، حتی کانها مقررة فی علم کل فقیه فیستغنی عن ذکرها بذکر مایتفرع علیها ویتشعب منها وهٰذه المسئلة کذٰلك	فتاوٰی خیریہ اس مسئلہ میں زیادہ فصیح بیان اور واضح تفصیل والا ہے، جہاں اس نے تاتارخانیہ اور بزازیہ سے مسئلہ نقل کرنے کے بعد کہااور اس کو علماء نے بہت سی کتابوں کی طرف منسوب کیاہے یہاں تک کہ خانیہ اور ظہیریہ وغیرہ میں جبکہ عبارت خانیہ کی ہے اگرواقف نے کسی شخص کو متولی بناتے ہوئے شرط لگائی کہ یہ متولی مرتے وقت غیرکے لئے ولایت کی وصیّت نہیں کرسکتا تو یہ شرط جائزہے،انتہٰی۔اور فقیہ اس عبارت سے متولی مذکورکے وصی کے لئے اثبات ولایت میں مبالغہ سمجھتاہے اس لئے کہ جواز شرط پر نص کرنااس وہم کے ازالہ کے لئے ہے جواس کے عدم جواز پر طاری ہوتا ہے جیساکہ عمدہ ونفیس عبارات علماء سے زیادہ ممارست رکھنے والا شخص اس کو جانتاہے،اوریونہی کہاجاتاہے اس قسم کے مسائل میں جوع لماء کے درمیان بکثرت منقول اوردائرہیں، یہاں تک کہ ہرفقیہ کے علم میں وہ اس طرح پختہ ہوگئے ہیں ان کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی جبکہ ان اصول کوذکر کردیا جائے جن سے یہ مسائل متفرع ومستنبط ہوتے ہیں،اوریہ مسئلہ بھی ایساہی ہے

فان کتب المذهب طافحة بها[1] الخ۔	کیونکہ ان سے کتابیں بھری پڑی ہیں الخ۔ (ت)

تقریر علماء سے واضح کہ اگر شروط واقف اس کے ذکر سے عاری ہوں تاہم یہ اختیار قیم کو حاصل، پھر عدم تعامل کیا مضر ہوسکتا ہے،

لان التعامل لایعتمد علیه الا لکونه مظن شرط الواقف کما صرح به فی الذخیرة والخیریة ورد المحتار وغیرها من الاسفار۔	اس لئے کہ تعامل پر اعتماد نہیں کیا جاتا مگر اس کے لئے کہ وہاں شرط واقف پائے جانے کا گمان ہوتا ہے جیسا کہ ذخیرہ، خیریہ اور ردالمحتار وغیرہ کتابوں میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ (ت)

بلکہ کلمات علماء موضح کہ یہ اختیار دلالۃً مشروط ہے گو صراحۃً مذکور نہ ہو پھر تعامل وعدم تعامل کی کیا حاجت ہے۔

قال العلّامة السید الطحطاوی فی حاشیة علی الدر المختار، وجه الاستحسان ان الاول لما اوصی الیه فقد علم ان الوصی لایعیش ابدا ولم یحب ان تکون امورہ ضائعة فصار کانه اذن له بان یوصی الی غیرہ بطریق الدلالة وان لم یاذن له بالافصاح ولوکان اذن له بالافصاح جاز له ان یوصی الی غیرہ فکذٰلك اذا اذن له بالدلالة[2] الخ **قلت** ومعلوم ان المتولی کالوصی کما فی جامع الفصولین والاشباہ وکذا بالعکس کما فی العقود الدریة والوقف والوصیة اخوان یستقیان من مورد واحد وینزع مسائل احدهما	علامہ سید طحطاوی نے درمختار کے حاشیہ میں فرمایا استحسان کی وجہ یہ ہے کہ جب پہلے وصی نے دوسرے کو وصیت کی تو اسے یقین ہوگیا کہ وصی ہمیشہ زندہ نہیں رہے گا اور اس نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ وقف کے معاملات ضائع ہوجائیں تو گویا اس کی طرف سے بطور دلالت غیر کو وصی بنانے کی اجازت ہوگئی اگرچہ اس نے صراحۃً اس کی اجازت نہیں دی۔ اگر وہ صراحۃً اجازت دیتا ہے تو اس کے لئے غیر کو وصی بنانا جائز ہوتا، پس یہی حکم بطور دلالت اجازت کی صورت میں بھی ہوگا الخ **میں کہتا ہوں** یہ بات معلوم ہے کہ متولی وصی کی مثل ہے جیسا کہ جامع الفصولین اور اشباہ میں ہے۔ اسی طرح اس کا عکس ہے جیسا کہ عقودالدریہ میں ہے اور اسی طرح وقف اور وصیت ایک دوسرے کے مُشابہ ہیں ایک ہی گھاٹ سے سیراب ہوتے ہیں اور ایک کے مسائل

[1] الفتاوی الخیریة کتاب الوقف دار المعرفة بیروت ۱/ ۲۰۲

[2] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الوصایا باب الوصی المکتبة العربیه کانسی روڈ کوئٹہ ۴/ ۳۴۰

من الاُخر کما فی عدۃ مواضع من الخیریۃ والعقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ۔	دوسرے سے اخذ کئے جاتے ہیں جیساکہ خیریہ اور عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کے متعدد مقامات پر مذکور ہے۔(ت)

اور نظر دقیق حاکم کہ اس نفس وصیت کو مخالف تعامل سمجھنا ہی محض باطل کہ منافات فعل اور کف میں ہے نہ فعل و ترک بمعنی عدم وقوع فعل میں، کما ھو المقرر فی اصولنا معشر اھل السنۃ والجماعۃ (جیساکہ ہمارے یعنی اہل سنت وجماعت کے اصول میں مقرر ہے۔ت) یہاں تک کہ ہمارے ائمہ کالعلامۃ المحقق علی الاطلاق کمال الملۃ والدّین محمد بن الھمام والفاضل الشیخ زین بن نجیم المصری وغیرھما (جیساکہ علامہ محقق علی الاطلاق کمال الملۃ والدین محمد بن ہمام اور عظیم فاضل شیخ زین بن نجیم مصری اوران دونوں کے علاوہ دیگر علماء۔ت) تصریح فرماتے ہیں کہ ترک بمعنی مذکور زیر قدرت عبد داخل نہیں۔

وھذا نص الاشباہ فی المبحث الاول فی حد النیۃ من القاعدۃ الثانیۃ بعد ذکر معناھا اللغوی وفی الشرع کما فی التلویح قصد الطاعۃ والتقرب الی اللہ تعالٰی فی ایجاد الفعل انتھی ولایرد علیہ النیۃ فی التروک لانہ کما قدمناہ لایتقرب بھا الااذاصار الترك کفا وھو فعل وھو المکلف بہ فی النھی لاالترك بمعنی العدم لانہ لیس داخلا تحت القدرۃ للعبد کما فی التحریر[1] انتھی۔	یہ نص ہے اشباہ کی جو مبحث اول میں نیت کی تعریف کی تعریف کے بارے میں ہے، قاعدہ ثانیہ میں نیت کالغوی معنی بیان کرنے کے بعد مذکور ہے،اور اصطلاح شرع میں جیساکہ تلویح میں ہے نیت کہتے ہیں ایجاد فعل میں طاعت اور اللہ تعالٰی کاتقرب حاصل کرنے کاقصد کرنا،اور اس تعریف پر ترک فعل کی نیت کے ساتھ اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ جیساکہ ہم پہلے بیان کرچکے کہ اس کے ساتھ تقرب حاصل نہیں کیاجاسکتا مگراس وقت جب ترک بمعنی کف یعنی رکنا ہو اور وہ فعل ہے اور نہی میں بندے کو اسی کے ساتھ مکلّف بنایا جاتاہے نہ کہ ترک بمعنی عدم اس لئے کہ وہ بندے کی قدرت میں داخل نہیں جیساکہ تحریر میں ہے انتہی۔(ت)

اور جب ایسا ہو تو اس میں اتباع غیر مقدور اور جہاں اتباع ناممکن مخالفت کاکیا محل،

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۴۶

قلت وبھذا لم یحرم علینا فعل کل مالم یفعله النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ولاالاصحاب ولا التابعون اذ لیس کل ترك کفا وانما التاسی فی الکف فالمعیار ھوالغرض علی قواعد الشرع فما حسّنه فھو حسن وماقبحه فھو قبیح ھکذا ینبغی التحقیق والله ولی التوفیق۔	میں کہتاہوں اس سے ثابت ہوا کہ ہم پر ہر وہ فعل حرام نہیں جس کو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، آپ کے صحابہ اور تابعین نے نہ کیا ہو کیونکہ ہر ترک کف نہیں اور بیشک اقتداء توکف یعنی منع کرنے میں ہے۔چنانچہ معیار قواعد شرع پر انحصار ہے جس چیز کو شرع نے حسن قرار دے دیا وہ حسن اور جس کو قبیح قرار دے دیا وہ قبیح ہے۔ایسے ہی تحقیق چاہئے اور اللہ تعالٰی توفیق کامالک ہے۔(ت)

ہاں اگر شرط واقف میں تصریح منع ہے کہ متولیوں کو اختیار وصیت نہیں تو بیشک اب وصیت روا نہ رہے گی

لان الصریح یفوق الدلالة[1] کما مر عن الخانیة و الظھیریة وغیرھما قلت یعنی اذا کان الوقف صحیحا شرعیا بحسب مراعاة شروطه، والله سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم وحکمه عزشانه احکم و صلی الله تعالٰی علی سیدنا ومولٰینا محمد وآله وصحبه وبارك وسلم۔	اس لئے کہ صریح دلالت سے برتر ہے جیساکہ خانیہ، ظہیریہ وغیرہ سے گزرچکا۔میں کہتاہوں مراد اس سے یہ ہے کہ جب وقف شرعی طورپر صحیح ہو اس کی شرطوں کی رعایت کرنے کے اعتبار سے، اللہ پاک اور بلندوبرتر خوب جانتاہے اس کا علم اتم اوراس کا حکم مستحکم ہے۔اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے ہمارے سرداراور آقا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور آپ کی آل اوراصحاب پراور برکت وسلام نازل فرمائے(ت)

مسئلہ ۱۰۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فالج ایک سال کے بعد مرض الموت رہتاہے یانہیں اور بعض کتب میں جو عدم خوف موت کی قید ہے اس کے کیا معنی ہیں؟بیّنوا توجروا۔

الجواب:

جمہور ائمہ کے نزدیک فالج ودق وسِل وغیرہا امراض مزمنہ جب ایک سال تک تطاول کریں مرض الموت نہیں رہتے اورایسے مریض کے تمام تصرفات شرعًا مثل صحیح کے ہیں مختصرا امام مجتہد علامہ ابو جعفر طحاوی اور فتاوٰی امام قاضی خاں اور فتوی امام ابو العباس شماس اورامام عبداللہ جرجانی اورامام شمس الائمہ حلوانی اور

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۷

فتاوٰی التمرتاشی اور جامع الفتاوٰی اور فصول عمادیہ اور درر علامہ خسرو اور مفتاح اور غمزالعیون علامہ احمد حموی اور مجتبٰی زاہدی اور فتاوٰی خیریہ اور درمختار اور حاشیہ علامہ حلبی اور ردالمحتار علامہ شامی اور فتاوٰی حامدیہ اور عقودالدریہ اور فتاوٰی ہندیہ وغیرہا متون وشروح وفتاوٰی میں اس مسئلہ کی تصریح ہے یہاں تک کہ علامہ محمد بن عابدین افندی شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے متون وشروح کے اطلاق وعموم پر نظر فرماکر حاشیہ درمختار میں تصریح کردی کہ اگر فالج وغیرہ امراض مذکورہ ایک سال کے بعد صاحب فراش بھی کردیں اور مریض چلنے پھرنے سے معذور مطلق ہوجائے جب بھی اسے مرض موت نہ کہا جائے گا کیونکہ ایک سال تک تطاول ہوگیا،

حیث قال، قال فی المعراج، وسئل صاحب المنظومۃ عن حد مرض الموت فقال اعتمادنا فی ذٰلك علٰی ان یقدر ان یذھب فی حوائج نفسہ خارج الدار اھ **اقول:** والظاھر انہ مقید بغیر الامراض المزمنۃ التی طالت ولم یخف منہ الموت کالفالج ونحوہ وان صیرتہ ذافراش ومنعتہ عن الذھاب فی حوائجہ فلا یخالف ماجرٰی علیہ اصحاب المتون والشرح ھنا تامل[1] انتھٰی ملخصاً۔	جہاں فرمایا کہ معراج میں کہا ہے صاحب منظومہ سے مرض الموت کی حد کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے کہا ہمارا اعتماد اس مسئلہ میں اس بات پر ہے کہ مریض اپنی حاجات کے لئے گھر سے باہر نہ جاسکے الخ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم دیر تک رہنے والی بیماریوں کے غیر کے ساتھ مقید ہے جو لمبی ہوجاتی ہیں اور ان میں موت کا خوف نہیں ہوتا جیسے فالج وغیرہ، اگرچہ وہ مریض کو صاحب فراش بنادیں اور اسے حاجات کے لئے نکلنے سے روک دیں۔ یہ بات اس کے مخالف نہیں جس پر اصحاب متون اور شارحین چلے۔ غور کرو انتہی، تلخیص (ت)

اور وہ جو بعض کتب میں عدم خوف موت کی قید ہے بہت علماء مثل صاحب مفتاح وعلامہ احمد حموی شارح اشباہ وعلامہ ابراہیم حلبی وعلامہ امین الملۃ والدین شامی وغیرھم رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ یہ کوئی قید احترازی نہیں بلکہ بعد تطاول ان امراض کے حال کی شرح ہے یعنی جب سال گزر جاتا ہے تو ان امراض سے وہ خوف نہیں رہتا جسے شرع مرض الموت میں اعتبار کرتی ہے۔

قال فی الفتاح، ان تطاول ذٰلك فلم یخف منہ الموت ھٰذہ الجملۃ	مفتاح میں کہا کہ اگر وہ بیماری لمبی ہوجائے تو اس سے موت کا خوف نہیں رہتا۔ یہ آخری جملہ جملہ شرطیہ کے لئے

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۳

ای الاخیرۃ وقعت موضحۃ للجملۃ الشرطیۃ[1] اھ ونقلہ الائمۃ المذکورون واقرواعلیہ۔	وضاحت کرنے والا ہے اس کو ائمہ مذکورہ نے نقل فرمایا اور اس کو برقرار رکھا۔ (ت)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

لیس قولہ ولم یخف منہ الموت تقییدا بل بیانا لحال ذٰلک المرض عند طولہ۔[2]	اس کا قول تو اس سے موت کا خوف نہ ہو یہ تقیید نہیں بلکہ بیماری کے لمبا ہو جانے کے وقت اس کے حال کا بیان ہے۔ (ت)

اور اسی طرح فتاوٰی عالمگیری میں تخصیص کی کہ فالج وغیرہ امراض جو اول اول شروع ہوتے ہیں تو اس وقت خوف ہلاک ہوتا ہے،

حیث قال والمقعد والمفلوج والاشل والمسلول اذا تطاول ذٰلک فصار بحال لایخاف منہ الموت فھو کالصحیح حتی تصح ھبتہ من جمیع المال واما فی اول مااصابہ اذامات من ذٰلک فی تلک الایام وقد صار صاحب فراش فھو مریض یخاف بہ الھلاک[3] انتھی ملخصًا قولہ فصار بحال یخاف منہ الموت الفاء للتفریع یعنی ان التطاول یتضرع علی عدم الخوف بل اذا قید فی الاٰخر باول مااصابہ۔	جہاں فرمایا کہ اقعاد، فالج، لنج اور تپ دق کے مریضوں کی بیماری جب لمبی ہو جائے اور وہ اس حال میں ہو جائیں کہ موت کا خوف نہ رہے تو وہ صحت مند کے حکم میں ہیں یہاں تک کہ ان کا تمام مال کو ہبہ کر دینا صحیح ہے لیکن جب شروع میں یہ بیماریاں لاحق ہوں تو وہ اسی بیماری کی وجہ سے انہی دنوں میں مر جائے تحقیق وہ صاحب فراش ہوا ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ جس سے موت کا خوف ہوتا ہے انتہی تلخیص، اس کا قول کہ "وہ مریض اس حال میں ہو جائے کہ خوف موت نہ رہے، اس میں فصار پر فاء تفریع کے لئے ہے یعنی بیماری کے لمبے ہونے پر عدم خوف متفرع ہوتا ہے (ت)

اور اگر اسے قید جدید ہی قرار دیں جیسے بعض کا قول ہے تاہم نفس خوف موت بالاجماع کافی نہیں کیونکہ اس قدر

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار بحوالہ الحموی کتاب الوصایا المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۲۰

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار بحوالہ الحموی کتاب الوصایا المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۲۰

[3] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الوصایا الباب الرابع فصل فی اعتبار حالۃ الوصیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۰۹

سے تو کوئی مفلوج ومدقوق ومسلول کبھی خالی نہیں ہوتا اگرچہ سالہاسال گزر جائیں پھر اس قید کے لگانے سے کیا فائدہ ہوگا بلکہ اعلٰی درجہ کاخوف واندیشہ شدید درکار ہے۔

فی ردالمحتار عن الکفایۃ ثم المراد من الخوف الغالب منہ لانفس الخوف۔[1]	ردالمحتار میں کفایہ کے حوالے سے منقول ہے، پھر خوف سے مراد اس کاغلبہ ہے نہ کہ نفس خوف۔(ت)

اور اس خوف کی امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی وغیرہ علماء نے یوں تفسیر کی کہ جب ان امراض سے یہ نوبت پہنچے کہ اپنی حوائج کے لئے گھر سے باہر نہ نکل سکے تو اس وقت خوف موت کہاجائے گا۔

فی تنویر الابصار من غالب حالہ الھلاك بمرض او غیرہ بان اضناہ مرض عجزبہ عن اقامۃ مصالح خارج البیت۔[2]	تنویر الابصار میں ہے کہ غالب حال اس کاہلاکت ہو بیماری سے یا اس کے غیر سے اس طور پر کہ بیماری نے اس کو اسی قدر کمزور کردیا ہو جس سے گھر کے باہر وہ اپنے معاملات و ضروریات قائم رکھنے سے عاجز ہوگیا ہو۔(ت)

درمختار میں ہے:

ھو الاصح کعجز الفقیہ عن الاتیان الی المسجد۔[3]	یہی زیادہ صحیح ہے جیسے فقیہ مسجد کی طرف آنے سے عاجز ہو جائے۔(ت)

اور اس قید کے لگانے کے بعد بھی امام شامی فرماتے ہیں:

فان قلت ان مرض الموت ھو الذی یتصل بہ الموت فما فائدۃ تعریفہ بما ذکر قلت فائدتہ ان قد تطول سنۃ فاکثر کما یأتی فلایسمی مرض الموت وان اتصل	اگر تُو کہے کہ مرض الموت تو وہ ہے جس کے ساتھ موت مقترن ہو۔ پھر موت کی یہ تعریف جو ذکر کی گئی اس کا کیافائدہ ہے۔ **میں کہتاہوں** کہ بیماری کبھی سال یا اس سے زائد عرصہ تک لمبی ہوجاتی ہے جیساکہ آرہا ہے تو اس بیماری کو مرض الموت نہیں

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۳

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الطلاق باب طلاق المریض مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۵

[3] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الطلاق باب طلاق المریض مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۵

بہ الموت۔[1]	کہاجاتااگرچہ اس کے ساتھ موت مقترن ہوجائے(ت)

اوراس خوف کی دو تمثیلیں درمختار میں یہ لکھیں کہ جہازپر سوار تھا جہاز ٹوٹ گیا ایک تختہ پر بہتارہ گیا یا شیر نے حملہ کیا اور اسے اپنے منہ میں لے لیا توجب تک اس کے منہ میں ہے وہ وقت اس خوف کا ہے۔

حیث قال اوبقی علی لوح من السفینة اوافتراسه سبع وبقی فی فیه۔[2]	جہاں فرمایا کہ وہ کشتی کے ایک تختہ پرپڑارہ گیا یا کسی درندے نے اس کو اپنے منہ میں لے لیااور ابھی تک اسی حال میں باقی ہے۔(ت)

بالجملہ مجرد خوف بالاجماع کافی نہیں بلکہ اس قسم کاخوف ہوناچاہئے جیسے گھڑی ساعت کانقشہ کہتے ہیں وہ مرض مرض الموت گنا جائے گااور یہ بات اسی وقت ہے جب صاحب فراش ہوجائے یا گھر سے باہر نکلنے کی طاقت نہ رہی مثلاً عالم ہو تو مسجد تک نہ جاسکے، اسی طرح ردالمحتار میں اسمٰعیلیہ سے نقل کرتے ہیں۔

من به بعض مرض یشتکی منه وفی کثیر من الاوقات یخرج الی السوق و یقضی مصالحه لایکون به مریضامرض الموت وتعتبر تبرعاته من کل ماله واذا باع لوارثه اووهبه لایتوقف علی اجازة باقی الورثة۔[3]	جس شخص کوکچھ بیماری ہے جس کی شکایت وہ کرتا ہے اور بسااوقات وہ بازار کی طرف نکلتاہے اوراپنے امور سرانجام دیتاہے، اس سے وہ مرض الموت کامریض نہیں ہوتا، چنانچہ اس کے تمام مال میں اس کے تبرعات معتبر ہوں گے، جب وہ کسی وارث سے بیع کرے یا اس کوکچھ ہبہ کرے تو یہ باقی وارثوں کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا(ت)

اور فتاوٰی خیریہ میں ہے:

حیث کان بالوصف المذکور وهوانه ای المرض لا یمنع الخروج لقضاء حوائجه فهبته لاحد اولاده وبیعه لبقیتهم بالغبن مطلقاًصحیح نافذ باجماع علمائنا	جب وہ وصف مذکور سے متصف ہے اوراس کا مرض اسے اپنی ضرورت کی ادئیگی سے نہیں روکتا تواس کااپنی اولاد میں سے کسی ایک کے لئے ہبہ کرنااور باقیوں کیلئے بیع کرنامطلقاً بالاجماع صحیح اور

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۰و۵۲۱

[2] الدرالمختار کتاب الطلاق باب طلاق المریض مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۶

[3] ردالمحتار کتاب الاقرار باب اقرار المریض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۱

صرحوا به فی کل مرض یطول کالدق والسل والفالج [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	نافذ ہے۔علماء نے ہر طویل مرض کے بارے میں اس حکم کی تصریح فرمائی جیسے دِق، سل اور فالج وغیرہ۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کو عارضہ فالج ہوااور وہ عروض عارضہ کے ساڑھے تین برس بعد یاہبہ یاکوئی تصرف وارث یاغیر وارث کسی کے نام کرے تو وہ تصرف شرعًا جائز رہے گا یانہیں اور مرض شرعًا مرض الموت قرار پائے گا یاغیر؟بیّنوا توجروا۔

الجواب:

ہمارے ائمہ کرام نے فالج ودِق وسِل وغیرہاامراض مزمنہ کے مرض الموت ہونے کے لئے سال بھر کی حد مقرر فرمائی ہے اگر اس کے اندر موت ہو تووہ مرض الموت قرار پاتے ہیں اور جب ایک سال سے تجاوز ہوجائے تواس مریض کاحکم شرعًا بعینہٖ مثل صحیح وتندرست کے ٹھہرتاہےاور جوکچھ تصرفات بیع خواہ ہبہ خواہ کچھ اور وارث خواہ غیروارث کسی کے نام کرے مثل تصرفات صحیح کے صحیح ونافذ قرار پاتاہے۔

فی الفتاوٰی للامام قاضی خان،اذا تصرف بعد سنة فھو کالصحیح یجوز تصرفاته انتھی[2]۔وفی الفتاوی العالمگیریة عن فتاوٰی التمرتاشی،فسّر اصحابنا التطاول بالسنة فاذا بقی علی ھذہ العلة سنة فتصرفه بعد سنة کتصرفه حال صحته[3] وفی الطحاوی فی مختصرہ وفی العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة للعلامة	امام قاضی خان کے فتاوٰی میں ہے جب مریض نے ایک سال بعد تصرف کیاتووہ صحیح کی مثل ہےاوراس کے تصرفات جائز ہیں،انتہی۔فتاوٰی عالمگیریہ میں بحوالہ فتاوٰی تمرتاشی مذکور ہے ہمارے علماء نے طوالت مرض کی تفسیر ایک سال کے ساتھ کی ہے،اگر وہ اس بیماری پرایک سال قائم رہاتوسال کے بعد اس کے تصرفات ایسے ہی ہوں گے جیسے تصرفات وہ حالت صحت میں کرتاتھا۔طحاوی اس کی مختصر اور علامہ شامی علیہ الرحمۃ کی تصنیف العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے کہ

[1] الفتاوی الخیریه کتاب البیوع دار المعرفة بیروت ۱/ ۲۲۸

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوصایا فصل فی مسائل مختلفة رجل الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۴۰

[3] الفتاوی الھندیة کتاب الطلاق الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۶۳

الشامی رحمہ اللہ تعالٰی فسّر التطاول بسنۃ فلو تصرف بعد سنۃ من مرضہ فھو کتصرفاتہ حال الصحۃ ھٰکذا کان شیخنا ابوعبداللہ الجرجانی یقول ھذا اللفظ الواقعات وبھذا اللفظ اوردہ فی جامع الفتاوی عمادیۃ[1] الخ۔وفی الفتاوی الخیریۃ لنفع البریۃ المصرح بہ فی غیر ماکتاب من کتب ابی حنیفۃ ان المقعدوالمفلوج والمسلول اذا اتصف کل داء منھم بالطول فحکم تصرف کل واحد منھم حکم تصرف الصحیح کما صرح بہ فی الجامع الصغیر فکان ھو الصحیح فاذا علمت ذٰلک علمت ان المدۃ المذکورۃ فوق ماقدروہ اضعافا فان اصحابنا قدروالمرض یطول بعام والمدۃ سبعۃ اعوام والاشھر الزوائد وقع زائدھا الیھا مضافا لاسیما مع کونہ یخرج ویجیئ فی حوائجہ ویقضی من ذٰلک بعض مصالحہ فاذا ثبت ذٰلک لدی الحاکم الشرعی صح جمیع ماصدر منہ مع زوجتہ واذا تعارضت بیّنۃ

طوالت مرض کی تفسیر ایک سال کے ساتھ کی گئی ہے اگر اس نے سال کے بعد حالت مرض میں تصرف کیا تو وہ اس کے حالت صحت میں کئے ہوئے تصرفات کی مثل ہے۔ہمارے شیخ ابوعبداللہ جرجانی یونہی فرماتے تھے، یہ لفظ واقعات کے ہیں، اورانہی لفظوں کے ساتھ جامع الفتاوی عمادیہ میں وارد ہے الخ۔فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ مخلوق کے نفع کے لئے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی متعدد کتب میں اس کی تصریح کی گئی ہے کہ اپاہج، مفلوج اور سِل کا مریض جب لمبی بیماری میں مبتلا ہوجائے تو ان میں سے ہرایک کا تصرف صحتمند شخص کے تصرف کی مثل ہوتا ہے جیساکہ اس کی تصریح جامع صغیر میں ہے گویاکہ وہ صحت مند ہے۔جب تُونے یہ جان لیاتو سمجھ لیا ہوگا کہ مدت مذکورہ ہمارے اصحاب کی مقرر کردہ مدت سے کئی گنازیادہ ہے کیونکہ ہمارے علماء نے طوالت مرض کی مدت ایک سال مقرر کی ہے جبکہ مدت مذکورہ سات سال اورکچھ ماہ مزید ہے، یہ زیادتی مدت مذکورہ سے کئی گنا ہے خصوصًا جبکہ مریض گھرسے نکلتااوراپنی ضروریات کے لئے آتاجاتاہے اور بعض ضروریات کوادا کرتاہے، جب حاکم شرعی کے پاس یہ ثابت ہوگیاتوکچھ معاملہ اس مریض کااپنی بیوی کے ساتھ صادر ہواوہ صحیح ہوگا۔اگر صحت ومرض کے گواہوں میں

---

[1] العقودالدریۃ کتاب الاقرار باب اقرارالمریض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۶۶

الصحة والمرض فالبینة الصادرة من الزوجة بانه کان فی صحته مرجحة لانها المدعیة والورثة ینکرون و البینة للمدعی لاللمنکر صرح به غیرماواحد من علمائنا وحیث طال مابه واتصف بما فهنا به نفذ جمیع تصرفه مع الزوجة باتفاق اهل المذهب وائمته والنظر الی العمل بعبارة المکلف اولی من اهدارها و الحاقة بالحیوانات وکلامه بجوارها والله اعلم [1]۔وفی الدرر للعلامة خسرو وھٰذه امراض مزمنة فمن عرض له واحدمنها وتصرف بشیئ من التبرعات ثم مات قبل تمام سنة مشتملة علی الفصول الاربعة کان المرض مرض الموت فتعتبر تصرفاته من الثلث وان مات بعدتمامها لم یکن مرض الموت لانه اذا سلم فی الفصول التی کل منها مظنة الهلاك صار المرض بمنزلة طبع من طبائعه وخرج صاحبه من احکام المرض حتّی

تعارض ہوتو بیوی کی طرف سے صحت پر پیش کیے گئے گواہوں کو ترجیح ہوگی کیونکہ بیوی مدعیہ اور ورثاء منکر ہیں جبکہ گواہ مدعی کے ہوتے ہیں نہ کہ منکر کے۔ ہمارے متعدد علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔ جب اس کی بیماری طوالت اختیار کی گئی اور وہ سال سے بڑھ گئی تو بیوی کے ساتھ اس کے تمام تصرفات نافذ ہوگئے۔ اس پر تمام اہل مذہب اور ائمہ مذہب کا اتفاق ہے۔ مکلّف کی عبارت قابل عمل بنانا اس کو لغو قرار دے کر مکلّف کو حیوانات اور اس کے کلام کو جانوروں کی آواز کے ساتھ ملحق کرنے سے اولٰی ہے، اور اللہ تعالٰی خوب جانتاہے۔ علامہ خسرو کی درر میں ہے یہ لمبی بیماریاں ہیں ان میں اگر کسی کو کوئی لاحق ہوجائے اور وہ حالت مرض میں تبرعات میں کچھ تصرف کرے پھر بیماری کو چار موسموں پر مشتمل سال پورا ہونے سے پہلے وہ مرجائے تو اس کی بیماری مرض الموت قرار پائے گی اور ایک تہائی مال میں اس کے تصرفات معتبر ہوں گے۔ اور اگر وہ بیمای کو سال پورا ہونے کے بعد مرا تو اس کی یہ بیماری مرض الموت نہ ہوگی اس لئے کہ جب وہ چاروں موسموں میں سلامت رہاحالانکہ ان میں سے ہر ایک میں ہلاکت کا گمان تھا تو گویا یہ بیماری اس کے طبائع میں سے ہوگئی، چنانچہ اس بیماری والا مرض کے احکام سے

[1] الفتاوی الخیریة کتاب الدعوٰی دارالمعرفة بیروت ۲/ ۷۶ و ۷۷

لایشتغل بالتداوی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	خارج ہوگیا یہاں تک کہ اس نے علاج کرانا بھی چھوڑ دیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگرایک شخص کو فالج ہو کہ ہاتھ پاؤں بالکل رہ جائیں اورزبان تکلم پر قادرنہ ہو پھرعلاج سے دست وپامطلقاً صحیح ہوجائیں اورزبان بھی تعبیر مطلب سے عاجزنہ ہو اپنی حوائج کے لئے اندر باہر آئے جائے چلے پھرے سفرکرے صرف زبان پربقیہ مرض کے سبب گونہ ثقل تکلم باقی ہواور حدوث مرض کو ساڑھے تین برس گزرچکے ہوں ایسی حالت میں وہ کوئی تصرف بیع یا ہبہ یاکچھ اوروارث خواہ غیروارث کے نام کرے تو وہ تصرف شرعاً صحیح ونافذ قرارپائے گایانہیں اور ایک سال گزرنے کے بعد فالج مرض الموت رہتاہے یانہیں؟ اور بعض نے جو قید عدم خوف موت کی لگائی ہے اس کے کیامعنی ہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ شخص بالاجماع شرعاً صحیح وتندرست ہے اور اس کے تمام تصرفات کیسے ہی ہوں اور کسی کے ساتھ ہوں مثل تصرفات صحیح مطلق صحیح نافذ، کہ اول عامہ کتب میں سال گزرنے کے بعد فالج ودِق وسِل وغیرہ کومرض موت قرار ہی نہ دیا اور سائل کہتاہے کہ یہاں ساڑھے تین برس گزرچکے تھے،

فی الفتاوی الامام قاضیخان اذا تصرف بعد سنة فھو کالصحیح یجوز تصرفاته[2] انتھٰی، وفی الفتاوی العالمگیریة عن فتاوی التمرتاشی فسر اصحابنا التطاول بالسنة فاذا بقی علی ھذہ العلة سنة فتصرفه بعد سنة کتصرفه حال	فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے کہ مریض جب سال بعد تصرف کرے تو وہ صحت مند کی طرح ہے اوراس کے تصرفات جائز ہیں، انتہی۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں بحوالہ فتاوٰی تمرتاشی ہے ہمارے علماء نے طوالت مرض کی تفسیر ایک سال کے ساتھ کی ہے۔ جب مریض ایک سال تک بیماری پر قائم رہاتوسال کے بعد اس کے تصرفات اس کی حالت صحت میں کئے ہوئے تصرفات

[1] الدررالحکام شرح غررالاحکام کتاب الوصایا میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۳۲،۴۳۱

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوصایا فصل فی مسائل مختلفة الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۴۰

صحتہ[1]،وفی العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ معنی قولہ طال ذٰلك ارادبه سنة وکذا صاحب السل اذا اتی علیه سنة فھو بمنزلة الصحیح ھٰکذا ذکر عن ابی العباس الشماس وکذا ذکر الطحاوی فی مختصرہ[2] وفی العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ للعلامۃ الشامی رحمۃ اللہ علیه فسر التطاول بسنة فلوتصرف بعد سنة من مرضه فھو کتصرفاته حال الصحة ھکذا کان شیخنا ابوعبد اللہ الجرجانی یقول ھذا لفظ الواقعات بھذا اللفظ اوردہ فی جامع الفتاوی عمادیۃ[3]الخ،وفی الفتاوی الخیریۃ لنفع البریۃ المصرح به فی غیرما کتاب من کتب الحنفیة ان المقعد والمفلوج والمسلول اذا اتصف کل داء منھم بالطول فحکم تصرف الصحیح کما صرح به فی جامع الصغیر فکان ھو الصحیح فاذا علمت ذٰلك علمت ان

کی مثل ہے۔العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے۔ اس کے قول "اس کی بیماری لمبی ہو گئی" کا معنی یہ ہے کہ اس کو سال ہو گیا۔یونہی سل کی بیماری والے کو جب حالت مرض میں سال گزر جائے توبمنزلہ صحتمند کے ہے،یوں ہی مذکور ہے ابو العباس الشماس سے،اوراسی طرح امام طحاوی نے اپنی مختصر میں اس کو ذکر فرمایا ہے۔علامہ شامی کی تصنیف العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے کہ طوالت مرض کی تفسیر ایک سال کے ساتھ کی گئی ہے۔لہٰذا اگر کوئی اپنی بیماری کے سال بعد تصرف کرے تو حالت صحت میں تصرفات کی مثل ہوگا۔یونہی ہمارے شیخ ابو عبداللہ جرجانی کہا کرتے تھے۔ یہ لفظ واقعات کے ہیں اوران ہی لفظوں کے ساتھ جامع الفتاوٰی عمادیہ میں وارد ہے الخ۔فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ مخلوق کے نفع کے لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی متعدد کتب میں اس کی تصریح کی گئی ہے کہ اپاہج،مفلوج اور سِل کا مریض جب لمبی بیماری میں مبتلا ہو جائے توان میں سے ہر ایک کاتصرف صحتمند شخص کے تصرف کی مثل ہوتا ہے جیسا کہ اس کی تصریح جامع صغیر میں ہے گویا کہ وہ صحتمند ہے۔ جب تُو نے یہ جان لیاتو سمجھ لیاہوگا کہ مدت مذکورہ

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الطلاق الباب الخامس نورانی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۳

[2] العقود الدریۃ کتاب الاقرار باب اقرار المریض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۶۶

[3] العقود الدریۃ کتاب الاقرار باب اقرار المریض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۶۶

المدۃ المذکورۃ فوق ماقدروہ اضعافا فان اصحابنا قدروا المرض الذی یطول بعام والمدۃ سبعۃ اعوام والاشھر الزوائد وقع زائدھا الیھا مضافا لاسیما مع کونہ یخرج ویجیئ فی حوائجہ ویقضی من ذٰلك بعض مصالحہ فاذا ثبت ذٰلك لدی الحاکم الشرعی صح جمیع ماصدر منہ مع زوجتہ واذا تعارضت بینۃ الصحۃ والمرض فالبینۃ الصادرۃ من الزوجۃ بانہ کان فی صحۃ مرجحۃ لانھا المدعیۃ والورثۃ ینکرون والبینۃ للمدعی لاللمنکر صرح بہ غیرما واحد من علمائنا وحیث طال مابہ واتصف بما فھنا بہ نفذ جمیع تصرفہ مع زوجتہ باتفاق اھل المذھب وائمتہ والنظر الی العمل بعبارۃ المکلف اولی من اھدارھا والحاقۃ بالحیوانات وکلامہ بحوارھا[1] واللہ اعلم۔

وفی الدرر للعلامۃ خسروھٰذہ امراض مزمنۃ فمن عرض لہ واحد منھا وتصرف بشیئ من التبرعات ثم

ہمارے اصحاب کی مقرر کردہ مدت سے کئی گنا زیادہ ہے کیونکہ ہمارے علماء نے طوالت مرض کی مدت ایک سال مقرر کی ہے جبکہ مدت مذکورہ سات سال اور کچھ ماہ مزید ہے، یہ زیادتی مدت مذکورہ سے کئی گنا ہے خصوصًا جبکہ مریض گھر سے نکلتا اور اپنی ضروریات کے لئے آتا جاتا ہے اور بعض ضروریات کو ادا کرتا ہے۔جب حاکم شرعی کے پاس یہ ثابت ہوگیا تو کچھ معاملہ اس مریض کا اپنی بیوی کے ساتھ صادِر ہوا وہ صحیح ہوگیا۔اگر صحت ومرض کے گواہوں میں تعارض ہو تو بیوی کی طرف سے صحت پر پیش کئے گئے گواہوں کو ترجیح ہوگی کیونکہ بیوی مدعیہ اور ورثاء منکر ہیں، جبکہ گواہ مدعی کے ہوتے ہیں نہ کہ منکر کے۔ہمارے متعدد علماء نے اس کی تصریح کی ہے، جبکہ اس کی بیماری طوالت اختیار کرگئی اور وہ سال سے بڑھ گئی تو بیوی کے ساتھ اس کے تمام تصرفات نافذ ہوگئے۔اس پر تمام اہل مذہب اور ائمہ مذہب کا اتفاق ہے۔ مکلّف کی عبارت قابل عمل بنانا اور کو لغو قرار دے کر مکلّف کو حیوانات اور اس کے کلام کو جانوروں کی آواز کے ساتھ ملحق کرنے سے اولٰی ہے۔اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔اور علامہ خسرو کی درر میں ہے یہ لمبی بیماریاں ہیں ان میں سے اگر کوئی کسی کو لاحق ہوجائے اور وہ طوالت مرض میں تبرعات میں

[1] الفتاوٰی الخیریۃ کتاب الدعوی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۷۶ و ۷۷

مات قبل تمام سنة مشتملة علی الفصول الاربعة کان المرض مرض الموت فتعتبر تصرفاته من الثلث وان مات بعد تمامها لم یکن مرض الموت لانه اذا سلم فی الفصول وفی کل منها مظنة الهلاك صار المرض بمنزلة طبع من طبائعه وخرج صاحبه من احکام المرض حتی لایشتغل بالتداوی۔[1]	کچھ تصرف کرے پھر بیماری کو چار موسموں پر مشتمل سال پورا ہونے سے پہلے وہ مرجائے تو اس کی بیماری مرض الموت قرار پائے گی اور ایک تہائی سال میں اس کے تصرفات معتبر ہوں گے۔ اور اگر وہ بیماری کو سال پورا ہونے کے بعد مرا تو اس کی یہ بیماری مرض الموت نہ ہوگی، اس لئے کہ جب وہ چاروں موسموں میں سلامت رہا حالانکہ ان میں سے ہر ایک میں ہلاکت کا گمان تھا تو گویا یہ بیماری اس کے طبائع میں سے ہوگئی چنانچہ اس بیماری والا مرض کے احکام سے خارج ہوگیا یہاں تک کہ اس نے علاج کرانا بھی چھوڑ دیا (ت)

یہاں تک کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اطلاق متون وشروح پر نظر کرکے تصریح فرمادی کہ فالج وغیرہ کو بعد تطاول وازمان مرض موت نہ کہنا چاہئے اگرچہ صاحب فراش ہو اور چلنے پھرنے سے معذور کردیں،

حیث قال فی المعراج وسئل صاحب المنظومة عن حد مرض الموت فقال اعتمادنا فی ذٰلك علی ان لایقدر ان یذهب فی حوائج نفسه خارج الدار۔اھ **اقول**:و الظاهر انه مقید بغیرالامراض المزمنة التی طالت و لم یخف منها کالفالج ونحوه وان صیرته ذافراش و منعته عن الذهاب فی حوائجه فلایخالف ماجری علیه اصحاب المتون والشرح هنا تأمل[2] انتهی ملخصًا۔	جہاں معراج میں کہا کہ صاحب منظومہ سے سوال کیا گیا کہ مرض الموت کی حد کیا ہے، تو انہوں نے فرمایا اس مسئلہ میں ہمارا اعتماد اس پر ہے کہ مریض اپنے حوائج کے لئے گھر سے باہر جانے پر قادر نہ ہو الخ، میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم امراض طویلہ کے غیر کے ساتھ مقید ہے جن کی طوالت اس حد تک ہوجاتی ہے کہ موت کا خوف جاتا رہتا ہے جیسے فالج وغیرہ اگرچہ یہ مریض کو صاحب فراش بنادیں اور اس کو اپنے حوائج کے لئے گھر سے باہر جانے سے روک دیں، لہٰذا یہ اس کے خلاف نہ ہوا جس پر اصحاب متون وشروح قائم ہیں، یہاں غور کرو، انتہی (تلخیص)۔(ت)

---

[1] الدررالحکام شرح غررالحکام کتاب الوصایا میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۳۱، ۴۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۳

اور بعض کتب میں کہ عدم خوف موت کی قید کرکے اکابر علماء ارشاد فرماتے ہیں یہ کوئی قید جداگانہ نہیں بلکہ مجرد ایضاح وبیان واقع ہے یعنی طول سنۃ کے بعد مریض کا یہ حال ہوجاتا ہے کہ وہ مرض طبعی ہوجاتا ہے اور خوف موت کا غلبہ نہیں رہتا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

والظاھران قولہ کالفالج الخ تصویر للمرض اذالحال ولم یخف منہ الموت ولیس قولہ ولم یخف منہ الموت تقییدا بل بیانا لحال ذٰلک المرض عند طولہ ثم رأیت الحموی فی شرحہ قال ان تطاول ذٰلک فلم یخف منہ الموت ھٰذہ الجملۃ ای الاخیرۃ وقعت موضحۃ للجملۃ الشرطیۃ ونقلہ عن المفتاح انتھی۔[1]	ظاہر یہ ہے کہ اس کا قول کالفالج (مثل فالج کے) مرض کی صورت کا بیان ہے اس لئے کہ طوالت مرض کے سبب مریض کا حال یہ ہوجاتا ہے کہ اس پر موت کا خوف نہیں رہتا، اور اس کا قول کہ اس کو موت کا خوف نہیں رہتا، تقیید نہیں بلکہ اس مرض کے لمبا ہوجانے کے وقت اس کے حال کا بیان ہے۔ پھر میں نے حموی کو دیکھا انہوں نے اس کی شرح میں یوں کہا کہ اگر بیماری لمبی ہوجائے تو موت کا خوف نہیں رہتا، یہ آخری جملہ جملہ شرطیہ کی وضاحت کے لئے واقع ہوا ہے۔ یہ مفتاح سے منقول ہے، انتھی۔ (ت)

حاشیہ طحطاوی میں ہے:

قولہ ولم یخف منہ الموت ھٰذہ الجملۃ وقعت موضحۃ للجملۃ الشرطیۃ حموی عن المفتاح۔[2]	اس کا قول کہ "اس سے موت کا خوف نہیں رہتا" یہ جملہ جملہ شرطیہ کی وضاحت کے لئے واقع ہوا ہے، اس کو حموی نے مفتاح سے نقل کیا ہے۔ (ت)

آخر نہ دیکھا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے سال گزرنے کے بعد فالج وغیرہ کو لم یخف منہ الموت (اس کو موت کا خوف نہیں رہتا۔ ت) کی مثال میں داخل فرمایا اگرچہ اس حد کو پہنچ گئے ہوں کہ چلنے پھرنے سے معذور اور صاحب فراش کردیں کما سبق نقلہ اٰنفا فافھم وتدبر (جیسا کہ اس کا منقول ہونا ابھی گزرا ہے۔ غور وتدبر کرو۔ ت) اور اس کی وجہ وہی ہے جو ہم ابھی درر علامہ خسرو سے نقل کر آئے، عالمگیریہ میں تصریح ہے کہ شروع مرض فالج میں خوف ہلاک ہوتا ہے اور بعد تطاول کے

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الوصایا المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۲۰

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الوصایا المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۲۰

وہ مریض مثل صحیح کے گنا جاتاہے۔

حیث قال والمقعد والمفلوج والمسلول اذا تطاول ذٰلك فصار بحال لایخاف منه فهو کالصحیح حتی تصح هبته من جمیع المال واما فی اول ما اصابه اذا مات عن ذٰلك فی تلك ایام وقد صار صاحب الفراش فهو مریض یخاف به الهلاک[1]۔ انتهی ملخصًا۔	جہاں فرمایا اقعاد، فالج اور سِل کے مریضوں کا مرض جب لمبا ہو جائے اور وہ اس حال میں پہنچ جائے اس سے موت کاخوف نہ رہے تو وہ صحتمند کی طرح ہوجاتاہے یہاں تک کہ کل مال میں اس کا ہبہ صحیح ہوتاہے لیکن شروع میں جب امراض ہوتے ہیں اگرانہی ایام میں مریض ہوگیا درانحالیکہ وہ صاحب فراش تھا تو وہ ایسا مریض ہوتاہے جس کو موت کاخوف عارض ہوتاہے انتہی تلخیص (ت)

ثانیًا: اگر اسے قید جدید ہی قرار دیں جیساکہ فاضل قہستانی کا گمان ہے تاہم مجرد خوف اندیشہ سے مرض الموت نہ ہوجائے گا کیونکہ اس قدر سے تو کوئی مفلوج ومدقوق ومسلول خالی کبھی نہیں ہوتے اگرچہ دس برس گزر جائیں بلکہ خوف غالب واندیشہ شدید درکارہے۔

فی ردالمحتار عن الکفایة،ثم المراد من الخوف الغالب منه لانفس الخوف۔[2]	ردالمحتار میں بحوالہ کفایہ ہے۔ پھرخوف سے مراد اس کاغلبہ ہے نہ کہ نفس خوف (ت)

اوراس خوف کو فاضل قہستانی نے یوں تفسیر کیاکہ اگرروزبروز حال اس کابدتراور مرض ترقی پذیر ہوتاجائے تواسے مرض کہیں گے۔

حیث قال وان لم یکن واحد منهما بان لم یطل مدته بان مات قبل سنة او خیف موته بان یزداد یومًا فیومًا[3] انتهٰی۔	جہاں فرمایا اگران مریضوں میں سے کوئی اس حال میں نہ ہو کہ اس کی موت مؤخر ہوگئی ہو بایں طور کہ وہ سال گزرنے سے پہلے مرگیا وہ یااس کو موت کاخوف لاحق ہو بایں طور دن بدن بیماری بڑھ رہی ہو۔انتہی (ت)

بالجملہ اگراطلاق وتوجیہ جماہیر علماء کی طرف لحاظ کریں جب توساڑھے تین برس گزرنا ہی صحت ونفاذ تصرفات کے لئے بس ہے اوراگررائے فاضل قہستانی پر عمل کیاجائے توصورت مستفسرہ

---

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب الرابع فصل فی اعتبار حالة الوصیة نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۰۹

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۳

[3] جامع الرموز کتاب الوصایا مکتبۃ الاسلامیۃ گنبد قاموس ایران ۴/ ۶۸۲

میں جو معنی خوف موت کے علماء نے قرار دیئے ہیں ہرگز موجود نہ تھے کہ مرض پہلے سے بہت کم تھا اور اپنے حوائج کے لئے آنا جانا چلنا پھرنا سفر کرنا علاوہ۔

فی ردّالمحتار عن الاسمٰعیلیۃ، من بہ بعض مرض یشتکی منہ وفی کثیر من الاوقات یخرج الی السوق و یقضی مصالحہ لایکون بہ مریضا مرض الموت و تعتبر تبرعاتہ من مالہ واذا باع لوارثہ اووھبہ لا یتوقف علی اجازۃ باقی الورثۃ[1]، وفی العقود الدریۃ، سئل فی مفلوج تطاول بہ فلجہ قدر ثلث سنین فوھب فی ھذہ الحالۃ جمیع مالہ من زید وارثہ وسلمہ ذٰلک ثم مات بعد عدۃ اشھر عنہ لاغیر فھل الھبۃ صحیحۃ الجواب نعم والمفلوج الذی لایزداد مرضہ کل یوم فھو کالصحیح کما فی الخانیۃ[2] وفی الفتاوی الخیریۃ حیث کان بالوصف المذکور وھوانہ ای المرض لایمنعہ الخروج لقضاء حوائجہ فھبتہ لاحد اولادہ وبیعہ لبقیتھم بالغبن مطلقا صحیح نافذ، صرحوا بہ فی کل مرض یطول کالدق والسل والفالج[3] الخ۔	ردالمحتار میں اسمٰعیلیہ سے منقول ہے جو شخص کسی بیماری میں مبتلا ہو اور بازار کی طرف جاتا ہے اور اپنی حوائج کو پورا کرتا ہے تو وہ مرض الموت کا مریض نہیں ہے۔ اس کے مال میں تبرعات معتبر ہیں۔ جب وہ اپنے کسی وارث سے بیع کرے یا ہبہ کرے وہ باقی وارثوں کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا۔ عقود دریہ میں ہے ایسے مفلوج کے بارے میں سوال کیا گیا جس کا مرض فالج تین سال تک لمبا ہوگیا۔ اس نے اسی حالت میں اپنا تمام مال اپنے ایک وارث زید کو ہبہ کرکے اس کے حوالے کردیا۔ پھر اس کے چندماہ بعد وہ مرگیا تو کیا اس کا یہ ہبہ صحیح ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ ہاں، اور وہ مفلوج جس کا مرض ہر روز بڑھ نہ رہا ہو وہ صحتمند کی مثل ہے جیسا کہ خانیہ میں ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے جب وہ وصف مذکور پر ہے اور اس کا مرض ضروریات پورا کرنے کے لئے گھر سے نکلنے سے مانع نہیں تو اس کا اپنی اولاد میں سے ایک کے لئے ہبہ کرنا اور باقیوں کے لئے غبن کے ساتھ بیع کرنا مطلقاً صحیح اور نافذ ہے۔ علماء نے ہر طویل مرض کے بارے میں اس حکم کی تصریح کی ہے جیسے تپ دق، سِل اور فالج الخ۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الاقرار باب اقرار المریض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۶۱

[2] العقود الدریۃ کتاب الوصایا ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۰۷

[3] الفتاوی الخیریۃ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۸

پس باتفاق روایات وباجماع ائمہ صورت مسئولہ میں وہ مرض مرض موت نہ تھا اور وہ تصرفات بیع ہوں خواہ ہبہ خواہ کچھ اور وارث کے ساتھ ہوں خواہ غیر وارث کے ساتھ ہوں قطعًا مطلقًا صحیح ونافذ ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۷: ۶۸۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے مرض موت میں ایک مکان اور ایک دکان کہ قریب سولہ سو روپیہ کی قیمت تھی چھ سو روپیہ کو اپنے شوہر ودختر کے ہاتھ بیع کی بعد پندرہ روز کے مر گئی، اس صورت میں یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیع صحیح نہیں کہ مرض موت میں کم قیمت کو باتفاق امام اعظم وصاحبین رحمہم اللہ ناجائز ہے اور وارث کے ہاتھ توبرابر قیمت کو بھی بے اجازت دیگر ورثہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز نہیں۔

فی التلویح لوباع من احد الورثۃ عینا من اعیان الترکۃ بمثل القیمۃ فلایجوز عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی [1] انتھٰی ملخصًا۔	تلویح میں ہے اگر کسی وارث کے ہاتھ ترکہ کی کوئی معین شیئ اس کی برابر قیمت کے ساتھ بیچی توامام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز نہیں انتہی، تلخیص۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے مرض موت میں کل مہر اپنا شوہر کو بخش دیا صرف اس میں سے پانسو روپیہ پانچ دینار کی نسبت کہا کہ اس قدر میں معاف نہیں کرتی اس کے مالک بعد میرے والدین ہیں، پس ازاں ہندہ نے زوج ووالدین وچار خواہر چھوڑ کر انتقال کیا اب مادر وپدر ہندہ معافی مہر اور شوہر ان پانسو روپیہ پانچ دینار کے والدین کو دینے میں کلام کرتا ہے اس صورت میں ترکہ ہندہ کس حساب سے تقسیم ہوگا اور اس قدر مہر معاف اور ما بقی کی وصیت کہ والدین کو کی تھی صحیح ہوئی یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

[1] التوضیح والتلویح مع الحاشیۃ التوشیح فصل فی الامور المعترضہ علی الاھلیۃ سماویہ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ص ۶۶۳

الجواب:

صورت مسئولہ میں ہبہ مہر شوہر کو کہ ہندہ سے اس کی مرض موت میں واقع ہوا تھا اور ورثہ باقین اس کی اجازت نہیں دیتے باطل ہوگیا اسی طرح ان پانسو روپیہ پانچ دینار کی وصیت کہ والدین کے لئے کی تھی اسی وجہ سے صحیح نہ رہی **کما ھو مصرح فی کتب الفقه** (جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں اس کی تصریح کردی گئی ہے۔ت) پس کل مہر ہندہ ذمہ شوہر لازم اور اس کے ترکہ میں سب وارث مشترک۔ برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم مقدم **کالدین والوصیة الصحیحة** (جیسے قرض اور صحیح وصیت) کل مہر ہندہ اور جو کچھ اس کا ترکہ ہو چھ سہام پر منقسم ہو کر تین سہم زوج اور ایک مادر اور دو پدر کو ملیں گے اور خواہروں کو کچھ نہ پہنچے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص قریب موت کے ایک وارث کو منجملہ اور ورثہ کے زبانی وصیت کر جائے کہ فلاں وارث کو مال میرا ملے اور فلاں وارث کو نہ ملے، یہ وصیت درست ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اگر وصیت مذکورہ کو ورثہ میت سے کوئی عاقل بالغ روا نہیں رکھتا تو وہ وصیت اس وارث موصی لہ کے حصہ میں باطل محض ہوگئی اور ان وارثوں میں کوئی مجنون یا نابالغ اجازت کو روا رکھتا ہے تو نامعتبر ہے اور جو سب وارث جائز رکھتے ہیں اور وہ سب عاقل بالغ ہیں تو وصیت مذکورہ حق موصی لہ میں تمام وکمال وجائز ونافذ ہوجائے گی پس بعد ادائے دیون مقدمہ علی الوصایا اگر ذمہ میّت ہوں، کل یا بعض جس قدر کی نسبت وصیت کی ہے اس وارث موصی لہ کو دیا جائے گا اور جو ان میں بعض جائز رکھتے اور بعض ناجائز تو جو جائز رکھتے ہیں بشرطیکہ وہ عاقل بالغ ہوں بقدر ان کے حصص کے وصیت نافذ ہوجائے گی اور بقدر حصوں اجازت نہ دینے والوں اور اطفال ومجانین کے اگرچہ وہ جائز بھی رکھیں باطل **وکان لم یکن** (گویا کہ ہوئی ہی نہیں۔ت) تصور کی جائے گی اور میت کا یہ کہنا کہ فلاں وارث کو میرا مال نہ ملے محض لغو وعبث ہے توریث ورثہ بحکم شرع ہے کہ کسی کے ابطال سے اس کا بطلان ممکن نہیں۔ حتی کہ خود وارث کو اختیار نہیں کہ حق ارث سے دستبردار ہو **کما صرح به العلماء قاطبة، واللہ اعلم وعلمه اتم واحکم** (جیسا کہ تمام علماء اس کی تصریح فرماچکے ہیں، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم اور مستحکم ہے۔ت)

مسئلہ ۱۱۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کسی قدر روپیہ اپنے برادر حقیقی عمرو کے پاس کسی مقام سے حالت صحت خود مرض الموت میں بطور امانت بھیجااور بذریعہ خطوط واسطے نگہداشت امانت کے اکثر تاکید کو دم واپسیں تک کام فرمایا اور دوایک خط میں عمرواور بکر برادرزادے اپنے کو یہ بھی لکھاکہ تم دونوں اس روپیہ کو آپس میں تقسیم کرلینا اور اسی طرح حفظ امانت کی تاکید کی۔اب زید نے انتقال کیااور سواعمرو کے کوئی وارث اس کانہیں پس عندالشرع زرامانت کس طرح تقسیم کیاجائے۔**بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں یہ وصیت بکروعمرودونوں موصی لہماکے حق میں صحیح ہوگئ۔

فی الدر عن ابن الکمال والولوالجیة لو اوصی لزوجته اوھی له ولم یکن ثمة وارث اٰخر تصح الوصیة[1] الخ۔	در میں کمال اور ولوالجیہ کے حوالہ سے منقول ہے اگر کسی نے اپنی بیوی کے لئے وصیت کی یا بیوی نے اپنے شوہر کے لئے، اور کوئی دوسراوارث موجود نہیں تو وصیت صحیح ہے الخ(ت)

پس اگرنصف اس زرامانت کاکل متروکہ زید کے بعدادا باقی رہاہو ثلث سے زائد نہیں یازائد ہے مگر عمرواس زیادت کو حق بکر میں جائزر کھتاہے تو وہ زرامانت عمرو بکر میں بالمناصفہ تقسیم ہوجائے گا ورنہ اس روپیہ سے بقدر ثلث متروکہ مذکورہ کے بکر کو دیاجائے۔باقی ماندہ سب عمرو کاہے،**واﷲ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۱: ۲۵/ربیع الاول شریف ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے جائداد اور چنداولاد نابالغ اور ایک پسر جوان لائق نیک اطوار چھوڑا جس نے بعد پدر اپنے چھوٹے چھوٹے بہن بھائیوں کو مثل اپنے بچوں کے پرورش کیااور ان کے مال کی نگہداشت اوران کی غورو پرداخت میں بجان ودل مصروف رہامگر زید نے اپنے بچوں یاان کے مال کی نسبت کسی کو وصیت نہ کی تھی اس صورت میں ہمارے بلاد میں ابن کبیر ان نابالغوں کے اموال میں دیانت وامانت کے ساتھ تصرفات جائزہ وشرعیہ کااختیار

---
[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

رکھے گا اور مثل وصی ماذون و مختار سمجھا جائے گا یا نہیں اگر نہیں توان اولاد و جائداد کا اختیار کسے دیا جائے گا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب:

اقول: متوکلا علی العلیم الخبیر الکریم الاکرم مستجیرا بذیل کرمه عن زیغ البصر وزلة القدم۔	میں علیم و خبیر اور سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے پر توکل کرتے ہوئے اور آنکھ کی کجی اور قدم کی لغزش سے اس کے دامن کرم کی پناہ مانگتے ہوئے کہتا ہوں۔ (ت)

ہمارے بلاد میں جبکہ یتیموں پر نہ باپ کا وصی ہو نہ حقیقی دادا نہ دادا کا وصی توان کا حقیقی جوان بھائی اگر لائق وامین ہو مثل وصی سمجھا جائے گا، اور امانت و دیانت اور بچوں پر رحمت و شفقت کے ساتھ جن تصرفات کا شرعاً وصی کو اختیار ہوتا ہے اسے بھی ہوگا اگرچہ صراحتًا باپ نے اس کو وصی نہ بنایا ہو کہ یہاں عرفاً و دلالۃً وصایت ثابت ہے ہمارے بلاد میں عادت فاشیہ جاری ہے کے باپ کے بعد جوان بیٹے اموال و جائداد میں تصرف کرتے اور اپنے نابالغ بہن بھائیوں کی پرورش و خبر گیری میں مصروف رہتے ہیں لوگ اگر نابالغ بچوں کے ساتھ کوئی جوان بیٹا بھی رکھتے ہیں تو بے غم ہوتے ہیں کہ ہمارے بعد ان کا خبر گیراں موجود ہے اور صرف نابالغ ہی بچے ہوں تو محزون و پریشان ہوتے ہیں کہ سرپرستی کون کرے گا یہ عادت دائرہ سائرہ دلالۃً اذن تعہد و تصرف ہے **والثابت عرفا کالثابت شرطا** (جو عرف کے اعتبار سے ثابت ہو وہ ایسے ہی جیسے شرع کے اعتبار سے ثابت ہو۔ ت) فتاوٰی امام قاضیخاں میں ہے:

لو ان رجلا من اهل السكة تصرف فی مال المیت من البیع و الشراء ولم یکن له وارث ولا وصی الا ان هذا الرجل یعلم انه لو رفع الامر الی القاضی فان القاضی ینصبه وصیا فاخذ هذا الرجل المال ولم یرفع الامر الی القاضی وافسده حکی عن ابی نصر الدبوسی رحمه الله تعالٰی	گلی والوں میں سے کوئی شخص میّت کے مال میں تصرف کرتا ہے جبکہ اس میّت کا کوئی وارث اور وصی نہیں، مگر یہ شخص جانتا ہے کہ اگر معاملہ قاضی کے پاس لے جایا جائے تو قاضی اس شخص کو میّت کا وصی مقرر کردے گا، چنانچہ اس شخص نے میت کا مال لے لیا اور معاملہ قاضی کے پاس نہ لے گیا اور مال کو خراب کردیا، ابونصر دبوسی علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ اس

انه کان یجوز تصرف هذا الرجل [1]اھ **اقول**: جواز تصرفه من دون وصایته بناء علی علمه ان لورفع الی القاضی لنصبه لیس الا اعتمادًا علی صلاحیة الاذن عند القاضی مع عدم تحقق الاذن اصلا فالاعتماد علی اذن نفس المورث الواقع المتحقق دلالة بحکم العادة الفاشیة المطردة و مقاصد الناس المعروفة المعهودة اولی واجدر۔	شخص کا تصرف جائز ہے اھ **میں کہتاہوں** وصی کے بغیر اس کے تصرف کا جواز اس بنیاد پر ہے کہ وہ جانتا ہے کہ معاملہ قاضی کے پاس لیجایا جائے تو وہ اس کو متولی مقرر کردے گا یہ محض قاضی کے پاس صلاحیت اذن پر بھروسہ کرتے ہوئے ہے باوجودیکہ وہاں بالکل متحقق نہیں، تو پھر خود مورث کے اذن پر بھروسا کرنا جو کہ دلالۃً واقع و متحقق ہے، اس عادت کے حکم سے جو لوگوں میں جاری وساری ہے اور ان مقاصد کے حکم سے جو لوگوں میں مشہور و معروف میں اولٰی اور زیادہ لائق ہے۔ (ت)

اور بلاشبہہ قطعًا معلوم کہ جو لوگ مال واولاد صغار و کبار رکھتے ہیں عام حالت دیکھ کر خوب سمجھتے ہیں کہ یوں ہی ہمارے بعد بھی ولد کبیر تعہد جائداد وپرورش اولاد میں ہمارا قائم مقام ہوگا بلکہ اس امر کی آرزو و تمنا رکھتے ہیں اور یقینًا اس پر راضی ہوتے ہیں اگر ان سے کہا جائے تمہارے بعد تمہاری جائداد اور چھوٹے چھوٹے بچے ان کے شقیق و شفیق یعنی تمہارے بیٹے سے چھین کر ایک اجنبی کو سپرد کردیئے جائیں جسے نہ مال کا درد ہو نہ بچوں پر ترس تو ہر گز ہر گز اس امر کو قبول نہ کریں گے تو عرفًا و دلالۃً اذن و تفویض متحقق اور بیشک اگر نظر فقہی سے کام لیجئے تو اس وصایت معروفہ کو معتبر رکھنے کی شدید ضرورت ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور اس کے ابطال میں مقاصد شرع کا بالکل خلاف بلکہ عکس مراد و قلب مقصود۔

وذٰلك لان عامة الناس فی بلادنا یموتون من دون تصریح بایصاء ویخلفون اموالا وعقارا واولاد صغارا لاجدلهم وربما تکون فیهم بنات قاصرات فلولم تعتبر الوصایا المعهودة التی یعلم کل احد	اور یہ اس لئے ہے کہ ہمارے شہروں میں لوگ صراحتًا وصیت کئے بغیر فوت ہوجاتے ہیں جو اپنے پیچھے مال، جائداد اور چھوٹی ناسمجھ اولاد چھوڑ جاتے ہیں انکا دادا نہ ہو جن میں بسا اوقات ناتواں بچیاں بھی ہوتی ہیں۔ اگر یہ معروف وصیت معتبر نہ ہو جس کے بارے میں ہر کوئی جانتا ہے جب

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا فصل فی تصرفات الوصی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۵۴

اذا رجع الی وجدانہ الصحیح ان الورث کان راضیا علیھا وان لوسئل عنھا لافصح بھا لزم تلف الاموال والضیاع وضیاع الاولاد اذلم یبق من یقوم بامرھم بحکم الشرع فاما ان یترك المال سائبۃ والاولاد ھملا فھذا الضیاع المردود واما ان ینزع الامر من ید الشقیق الشفیق ویفوض الی اجنبی سحیق فھذا ھو قلب المراد وعکس المقصود فوجب المصیر الی ماقلنا والتعویل علی دلالۃ الاذن کما عولنا واللہ الموفق۔	وہ اپنے صحیح وجدان کی طرف رجوع کرے کہ مرنے والا اس پر راضی تھا اور اگر اس سے سوال کیا جاتا تو وہ اس کی تصریح کر دیتا تو اموال واسباب کا برباد ہونا اور اولاد کا ضائع ہونا لازم آئے گا کیونکہ کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا جو بحکم شرع ان کے معاملات کا نگران ہو۔اب یا تو اموال واولاد کو بغیر نگران ومتولی کے چھوڑ دیا جائے تو یہ اس کا ضائع کرنا ہے جو کہ مردود ہے پھر شفیق بھائی سے نگرانی واپس لے کر شکستہ دل اجنبی کو سونپ دی جائے تو مقصود ومراد کے برعکس ہوگیا،لہٰذا ہمارے قول کی طرف رجوع کرنا اور دلالت اذن پر اعتماد کرنا ضروری ہے جیسا کہ ہم نے اس پر اعتماد کیا ہے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔(ت)

بلکہ غمزالعیون والبصائر میں ہے:

روی ان جماعۃ من اصحاب محمد بن الحسن رضی اللہ تعالٰی عنہ حجوا فمات واحد فاخذواماکان معہ فباعوہ فلما وصلوا الی محمد سألھم فذکروا لہ ذٰلك فقال لولم تفعلوا ذٰلك لم تکونوا فقھاء وقرأ واللہ یعلم المفسد من المصلح[1] اھ **اقول:** فاذا ساغ تصرف احد من الرفقۃ	مروی ہے کہ امام محمد بن حسن علیہ الرحمہ کے اصحاب نے حج کیا اور ان میں سے ایک ساتھی مر گیا تو انہوں نے اس کا مال و متاع جو اس کے پاس تھا فروخت کر دیا۔جب وہ امام محمد علیہ الرحمہ کے پاس پہنچے تو امام صاحب نے ان سے پوچھا انہوں نے یہ واقعہ آپ کو بتایا جس پر امام محمد نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو تم فقہاء نہ ہوتے اور امام محمد علیہ الرحمہ نے یہ آیت کریمہ پڑھی"اور اللہ تعالٰی فساد کرنے والے کو سنوارنے والے سے"اھ۔

[1] غمزعیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الغصب ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۹۹

لعدم تیسر الرجوع الی القاضی فی الطریق فالاخ الماذون له دلالة مع انعدام القاضی الشرعی اصلا اولٰی عــــہ۔	میں کہتا ہوں جب راستے میں قاضی کی طرف رجوع میسر نہ ہونے کی صورت میں ایک ہمسفر کو تصرف کی اجازت ہے تو بھائی جو کہ دلالۃً ماذون ہے اور قاضی شرع بھی بالکل معدوم ہے تو اس کو بطریق اولٰی تصرف کی اجازت ہوگی۔ (ت)

فتاوٰی کبرٰی پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اذا تصرف واحد من اهل السكة فی مال الیتیم من البیع والشراء ولاوصی للمیت وھو یعلم ان الامر لورفع الی القاضی حتی ینصب وصیا وانه یاخذ المال	گلی والوں میں سے کسی نے یتیم کے مال میں بیع وشراء وغیرہ تصرف کیا جبکہ میت کا کوئی وصی نہیں اور وہ محلّہ دار شخص جانتا ہے کہ اگر معاملہ قاضی کے پاس لیجایا جائے تو وہ متولی مقرر کر دے گا، تو وہ اس کا مال لے اور خرچ

عــــہ: لکن فی وصایا الانقروی ص۴۱۸ مانصه وعن محمد فیمن مات عن ابنین صغیروکبیر وترك الفافانفق الكبیر علی الصغیر خمسمائة وھو لیس بوصی قال ھو متطوع فی ذٰلك وان كان ترك طعاما اوثوبا فاطعمه والبسه الكبیر لایضمن الكبیر استحسانا من وصایا البزازیة قبیل نوع فی تصرف المریض [1] اھ **قلت الجواب** ان ھذا ھو حكم الاصل وكلامنا فی الضرورة كما تری فافھم ۱۲منه۔

لیکن انقروی کے وصایا ص۴۱۸ میں ہے جس کی عبارت یہ ہے: امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ ایک شخص دو بیٹے ایک بڑا اور ایک چھوٹا چھوڑ کر فوت ہوا اور ہزار ترکہ چھوڑا، تو بڑے نے چھوٹے پر پانچ سو خرچ کر دیا حالانکہ وہ وصی نہ تھا، تو امام محمد نے فرمایا یہ پانسو بڑے کی طرف سے تطوع شمار ہوگا اور اگر مرنے والے نے غلہ اور کپڑے ترکہ چھوڑا اور بڑے نے چھوٹے کو وہ غلہ طعام میں اور کپڑے لباس میں دیئے تو بڑا ضامن نہ ہوگا یہ حکم استحسان ہے، بحوالہ مریض کے تصرف کی نوع سے تھوڑا پہلے (بزازیہ کی بحث وصایا)

الجواب: میں کہتا ہوں کہ یہ اصل حکم ہے جبکہ ہمارا کلام ضرورت میں ہے جیسا کہ دیکھ رہے ہو، سمجھو ۱۲منہ (ت)

[1] الفتاوی الانقرویہ کتاب الوصایا دار الاشاعۃ العربیۃ افغانستان ۲/ ۴۱۸

یفسدہ افتی القاضی الدبوسی بان تصرفه جائز للضرورۃ قال قاضی خان وھذا استحسان وبه یفتی [1]	کرے۔ قاضی دبوسی نے فتوی دیا ہے کہ بوجہ ضرورت اس کا تصرف جائز ہے۔ قاضی خاں نے کہا یہ استحسان ہے اوراسی پر فتوی دیا جاتا ہے (ت)

فصول عمادی پھر جامع الرموز پھر درمختار میں ہے:

لغیر الوصی التصرف لخوف متغلب وعلیه الفتوی [2]۔	غلبہ خوف کے وقت غیر وصی کے لئے تصرف جائز ہے اوراسی پر فتوی ہے۔ (ت)

درمنتقی پھر ردالمحتار میں ہے:

انما لم یحصر التصرف فی الوصی اشارۃ الی جواز تصرف غیرہ کما اذا خاف من القاضی علی ماله ای مال الصغیر فانه یجوز لواحد من اھل السکۃ ان یتصرف فیه ضرورۃ استحسانا وعلیه الفتوی [3] اھ **اقول:** فاذا جاز التصرف لو احد من الجیران لمکان الضرورۃ مع وجود القاضی من دون اذن مورث و لاقاضی اصلا فلان یجوز للشقیق الشفیق عند عدم القاضی الشرعی مع تحقق اذن المورث دلالۃ لکان احری واجدر واجدی واولی۔	تصرف کو وصی میں منحصر نہ کرنے میں اشارہ ہے کہ وصی کے غیر کا تصرف بھی جائز ہے جیسے قاضی کی طرف سے نابالغ یتیم کے مال پر خوف ہو تو گلی والوں میں سے کسی کو اس کے مال میں بوجہ ضرورت تصرف کرنا بطور استحسان جائز ہے۔ اوراسی پر فتوی ہے اھ میں کہتاہوں جب بوجہ ضرورت مورث اور قاضی کی اجازت کے بغیر ایک پڑوسی کو تصرف کی اجازت ہے باوجودیکہ قاضی موجود ہے تو شفیق بھائی کے لئے قاضی کی عدم موجودگی میں تصرف کا جائز ہونا اولٰی وانسب ہے، جبکہ مورث کی طرف سے بطور دلالت اجازت بھی متحقق ہے۔ (ت)

غرض فقیر بحول القدیر جزم کرتا ہے کہ ایسی صورت میں ابن کبیر کی صحت تصرف وثبوت وصیانت بحکم دلالت میں کوئی محل شبہ نہیں۔

واللہ یعلم المفسد من المصلح.	اور اللہ تعالٰی جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۵

[2] درمختار کتاب الوصایا باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۸

[3] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۶

ومن لم یعرف اھل زمانه ولم یراع فی الفتیا حال مکانه فھو جاھل مبطل فی قوله وبیانه وارجوان لو عُرض کلامی ھذا علی الفقھاء الفحول نظروا الیه بعین الرضا وتلقوا طرا بالتحسین و القبول،والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	والے سے۔جو اپنے اہل زمانہ کو نہ پہچانے اور فتوٰی میں اس کے مکان کو ملحوظ نہ رکھے وہ جاہل ہے اور اس کا قول وبیان باطل ہے۔میں امید کرتا ہوں کہ اگر میرا یہ کلام فقہاء کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ اس کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیں گے اور تحسین وقبول کے ساتھ اس کا استقبال کریں گے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۲: ۲۷ربیع الاول ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک زوجہ اور ایک پسر بالغ اور ایک دختر بالغہ اور دولڑکیاں نابالغہ چھوڑ کر فوت ہوا نابالغ بہنیں اپنے جوان بھائی بکر کی پرورش میں رہیں جب وہ بالغ ہوئیں تو بکر نے ان کی شادیاں معمولی خرچ سے کردیں اور جو بڑی بہن بکر کی تھی اس کی شادی زید نے خود اپنی زندگی میں کردی تھی اس کی پرورش یا شادی کا خرچ بکر کے پاس نہ ہو صرف دو بہنوں کا خرچ پرورش وشادی اپنے مال متروکہ مشترکہ سے کیا،اس صورت میں یہ خرچ بکر کو ان دونوں چھوٹی بہنوں سے مجرا مل سکتا ہے یا نہیں؟بینوا توجروا۔

الجواب:

یہاں تین چیزیں ہیں:

(۱) خرچ پرورش

(۲) شادی کے مصارف بالائی یعنی جہیز کے سوا جو اور خرچ کرتے ہیں جیسے برات کا کھانا،خدمتیوں کا انعام،سمدھیانہ کے جوڑے،دولھا کی سلامی،سواریوں کا کرایہ،برات کے پان چھالیہ وغیرہ ذٰلک۔

(۳) دُلہن کا جہیز۔

بتوفیق اللہ ہر ایک کا حکم علیحدہ سنئے۔

خرچ پرورش: بیشک بحکم دیانت بحالت عدم وصی وارثان کبیر کو وارثان صغیر کی پرورش کرنا اور ان کے کھانے،پہننے وغیرہ ضروریات کی چیزیں ان کے لئے خریدنا اور ان امور میں ان کا مال بے اسراف وتبذیر اُن پر اُٹھانا شرعًا جائز ہے جبکہ وہ بچے ان کے پاس ہوں اگرچہ یہ ان پر وصایت وولایت مالیہ

نہ رکھیں۔ تنویر الابصار و در مختار و ردالمحتار وغیرہا اسفار میں ہے:

جازشراء مالابد للصغیر منه(کالنفقة والکسوة و استئجار الظئر منح)وبیعه ای بیع مالابد للصغیر منه لاخ وعم و ام وملتقط هو فی حجرهم ای فی کنفهم والالا[1]۔	نابالغ کے لئے نفقہ اور لباس وضروری اشیاء خریدنا، دودھ پلانے والی کو اجرت پر حاصل کرنا منح (ت) اسی طرح نابالغ کی خاطر ضروری اشیاء فروخت کرنا بھائی، چچا، ماں اور اس کو اُٹھانے والے کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ نابالغ ان کی زیر پرورش اور زیر نگرانی ہو ورنہ نہیں۔ (ت)

علامہ شامی قول در مختار:

لایجوز التصرف فی مال غیرہ بلااذنه ولاولایته الا فی مسائل[2]۔	غیر کے مال میں اس کی اجازت وولایت کے بغیر تصرف کرنا سوائے چند مسائل کے ناجائز ہے (ت)

کی شرح میں بضمن مسائل استثناء ارشاد فرماتے ہیں:

کذا لوانفق بعض اهل المحلة علی مسجد لامتولی له من غلته لحصیر ونحوہ اوانفق الورثة الکبار علی الصغار ولاوصی لهم فلاضمان فی کل دیانة[3]اھ ملخصاً۔ **اقول:** ولایخالفه بل ربما یؤیدہ مافی شهادة الاوصیاء عن الطحاوی عن الفصول حیث قال ورثة صغار وکبار وفی الترکة دین وعقار فهلك بعض المال وانفق الکبار البعض علی انفسهم وعلی الصغار فما هلك فهو	جیسا کہ بعض اہل محلّہ کا ایسی مسجد کے محاصل میں سے اس کی چٹائیوں وغیرہ پر خرچ کرنا جس مسجد کا کوئی متولی نہیں یا بڑے وارثوں کا ایسے چھوٹے وارثوں پر خرچ کرنا جس کا کوئی وصی نہیں ان سب پر ازروئے دیانت کوئی ضمان نہیں اھ تلخیص۔ **میں کہتا ہوں** یہ بات امام کے اس قول کے مخالف نہیں بلکہ مؤید ہے جو انہوں نے فصول کے حوالے سے شہادت اوصیاء میں فرمایا کہ کسی کے ورثاء چھوٹے بھی ہیں اور بڑے بھی جبکہ ترکہ میں دین اور جائداد ہے۔ پھر کچھ مال ہلاک ہوگیا اور کچھ بڑوں نے چھوٹوں پر خرچ کیا۔ جو ہلاک ہوا وہ تو سب پر ہے

[1] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۶، ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۰

[2] الدرالمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۷

[3] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۷

على كلهم وما انفقه الكبار ضمنوا حصة الصغار ان كانوا انفقوا بغير امر القاضي اوالوصي وما انفقوه بامر احدهما حسب لهم الى نفقة مثلهم [1] اھ فان هذا عند وجود الوصي وما مر فعند عدمه لاسيما فی بلادنا فافهم۔	اور جو بڑوں نے چھوٹوں پر خرچ کیا ہے اگر وہ قاضی یا وصی کی اجازت کے بغیر خرچ کیا ہے تو چھوٹوں کے حصہ کے ضامن ہوں گے اور اگر ان میں سے کسی کی اجازت سے خرچ کیا تو ان کے لئے مثلی نفقہ میں شمار کرلیا جائے گا اھ بیشک یہ اس صورت میں ہے کہ وصی موجود ہو اور جو پہلے گزرا وہ وصی کی عدم موجودگی کی صورت میں ہے خصوصًا ہمارے ملک میں۔ پس سمجھو(ت)

پس جو کچھ بکر نے ان لڑکیوں کی پرورش میں صرف کیا اگر نفقہ مثل کا دعوی کرے تو بیشک دیانۃً مجرا پائے گا۔

فانه كان ماذونا له فی ذلك من جهة الشرع فلا يكون ضمينا بل امينا مقبول القول مالم يدع مايكذبه الظاهر الاترى الى ماقدمنا عن الفصول حيث حكم بالاحتساب الى نفقة المثل عند وجود الاذن ممن له الاذن كالوصي والقاضي والشرع المطهر احق من له الاذن وقد وجد منه الاذن في مسئلتنا وان لم يوجد من وصي اوقاض لفقدانهما ههنا رأسا وانت تعلم ان المفتي انما يفتي بالديانة بل قد اثبتنا عرش التحقيق بتوفيق	کیونکہ وہ اس مسئلہ میں شریعت کی طرف سے ماذون تھا۔ لہٰذا وہ ضامن نہیں بلکہ امین ہوگا۔ اس کا قول قبول ہوگا جب تک وہ ایسا دعوی نہ کرے جس کو ظاہر جھٹلاتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے جو ہم نے بحوالہ فصول ذکر کیا ہے۔ اس میں مثلی نفقہ کی حد تک شمار کرنے کا فیصلہ دیا گیا جبکہ مالک اذن یعنی وصی یا قاضی کی طرف سے اذن موجود ہو، حالانکہ شرع مطہر مالک اذن ہونے کا زیادہ حقدار ہے تو ہمارے اس زیر بحث مسئلہ میں شرع کی طرف سے اذن پایا گیا ہے اگرچہ وصی یا قاضی کی طرف سے نہیں پایا گیا کیونکہ وہ دونوں یہاں بالکل مفقود ہیں اور تو جانتا ہے کہ مفتی دیانت کے ساتھ فتوٰی دیتا ہے بلکہ ہم نے مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی کی توفیق

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الوصایا فصل فی شہادۃ الاوصیاء المکتبۃ العربی کوئٹہ ۴/ ۳۴۵

المولی سبحٰنه وتعالٰی فی کتاب الوصایا من العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویه ان الابن الکبیر فی امصارنا هذه فی اعصارنا هذه یقوم مقام وصی ابیه علی الاولاد الصغار من دون حاجة الٰی تصریح بالوصایة لوجود الاذن والتفویض دلالة بحکم العرف الفاشی المطرد مع تحقق الضرورة الملجئة الٰی اعتبار تلك الدلالة، والله یعلم المفسد من المصلح ومن لم یعرف اهل زمانه ولم یراع فی الفتیا حال مکانه فهو جاهل مبطل فی قوله وبیانه، وقد بیّنا المسئلة بحول القدیر جل مجده بما یتعین المراجعة الیه وحینئذ فالامر اظهر۔	سے فتاوٰی رضویہ کی کتاب الوصایا میں بلند پایہ تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ ہمارے شہروں میں ہمارے اس زمانے میں بڑا بیٹا نابالغ اولاد پر باپ کے وصی کے قام مقام ہوتا ہے باوجویکہ اس کے وصی ہونے کی تصریح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اس کے لئے اذن و تفویض بطور دلالت موجود ہوتی ہے اس عرف کے حکم سے جو جاری وساری ہے۔ علاوہ ازیں وہ ضرورت بھی متحقق ہے جو دلالت مذکورہ کا اعتبار کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اور اللہ تعالٰی جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے۔ جو اپنے اہل زمانہ کو نہیں پہچانتا اور فتوٰی میں اس کے مکان کو ملحوظ نہیں رکھتا وہ جاہل ہے اور اس کا قول وبیان باطل ہے، ہم نے اللہ تعالٰی قدرت والے کی عطا کردہ قوت سے مسئلہ کو اس قدر وضاحت کے ساتھ بیان کردیا ہے کہ اس کی طرف رجوع کرنا متعین ہوگیا۔ اب معاملہ زیادہ ظاہر ہے۔ (ت)

اور نفقہ مثل کے یہ معنی کہ اتنی مدت میں ایسے بچوں پر اتنے مال والوں میں متوسط صرف بے تنگی واسراف کس قدر ہوتا ہے اُتنا مجرا پائے گا۔ عالمگیری میں ہے:

نفقة المثل مایکون بین الاسراف والتقتیر کذا فی المحیط۔[1]	مثلی نفقہ وہ ہے جو فضول خرچی اور ضرورت سے کمی کرنے کے درمیان ہو۔ محیط میں یونہی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ماینفق علی مثلهم فی تلك المدة[2]	جو خرچ کیا جاتا ہے ان کی مثل پر اس مدت میں (ت)

[1] الفتاوی الھندیة کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۵

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا فصل فی شھادة الاوصیاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۶۰

مصارف شادی: عبارت سوال میں مذکور کہ دونوں قاصرہ وقت شادی جوان تھیں اور سائل نے بعد استفسار بذریعہ تحریر اظہار کیا کہ مصارف عروسی وجہیز عروس سب بکر نے محض اپنی رائے سے کئے والدہ کا انتقال دونوں قاصرہ کی شادی سے پہلے ہوا اور بہنیں ان کی شادیوں میں عام بیگانوں کی طرح شریک ہوئیں، نہ ان سے دربارہ صرف کوئی استفسار ہوا تھا نہ ان کا کوئی اذن تھا نہ ان قاصرات سے کہا گیا کہ ہم یہ صرف تمہارے حصہ سے کرتے یا یہ جہیز تمہارے حصہ میں دیتے ہیں اور واقعی ہمارے بلاد میں مصارف شادی کنواریوں سے پوچھ کر نہیں ہوتے نہ ان سے اس امر میں کوئی اذن لیا جاتا ہے پس اگر بیان مذکور صحیح ہے تو جو کچھ مصارف بالائی جس قاصرہ کی شادی میں ہوئے وہ دلہن کے حصہ میں مجرا نہیں ہوسکتے۔

لانا وان قلنا بوصایۃ بکر دلالۃ کما اشرنا الیہ فقد انقطعت الولایۃ بالبلوغ۔	اس لئے اگرچہ ہم بطور دلالت بکر کے وصی ہونے کا قول کر چکے ہیں جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے مگر وہ ولایت بالغوں کے بلوغ سے منقطع ہوگئی۔(ت)

ردالمحتار میں عنایہ سے ہے:

انھم (یعنی الورثۃ الکبار) اذا کانوا حضورا لیس للوصی التصرف فی الترکۃ اصلا الا اذا کان علی المیت دین[1] الخ۔	جب بڑے ورثاء حاضر ہوں تو وصی کو ترکہ میں تصرف کا بالکل اختیار نہیں مگر جب میت پر قرض ہوالخ۔(ت)

تو ان مصارف میں جو کچھ بکر نے صرف کیا بہنوں کے ساتھ تبرع واحسان ہوا جسے کسی سے مجرا نہ پائے گا سب صرف اسی کے حصے پر پڑے گا خواہ ضمناً خواہ قصاصاً، دوسرے ورثہ جنہوں نے نہ خود صرف کیا نہ صراحۃً اذن دیا یہ بری رہیں گے اگرچہ انہوں نے صرف ہوتے دیکھا وہ خاموش رہے ہوں اذلاینسب الی ساکت قول (چپ رہنے والے کی طرف قول کو منسوب نہیں کیا جاتا۔ت) اشباہ میں ہے:

لورأی غیرہ یتلف مالہ فسکت لایکون اذنا	اگر کسی نے غیر کو اپنا مال تلف کرتے دیکھا اور چپ رہا تو یہ تلف کرنے کا

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۴

باتلافه[1]۔	اذن نہ ہوگا۔(ت)

خصوصًا اگر اُن میں کوئی اس وقت نابالغہ ہو کہ نابالغ کا اذن بھی معتبر نہیں،

فانه لیس من اهل التبرع ولالاحد ان یتبرع من ماله۔	اس لئے کہ وہ اہل تبرع میں سے نہیں ہے اور نہ ہی کسی کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کے مال میں تبرع کرے۔(ت)

بزازیہ و بحر الرائق ور دالمحتار و تنویر الابصار و سراج وہاج وغیرہ میں ہے:

الهبة والقرض وماکان اتلافا للمال اوتملیکا من غیر عوض فانه لایجوز مالم یصرح به نصا[2]اھ **اقول:** هذا افادون فی شریکی العنان والمفاوضة مع ان کلامنهما وکیل عن صاحبه وماذون التصرف فی المال من جانبه فکیف بالشریك شرکة العین فانه اجنبی صرف عن حصة اخیه لیس له التصرف فیه کما نصوا علیه۔	ہبہ اور قرض اور جس صورت میں مال کو تلف کرنا یا بغیر عوض کے مالک بنانا پایا جائے یہ جائز نہیں جب تک صراحتًا اس کی اجازت نہ دی گئی ہواھ، میں کہتاہوں یہ ممانعت شرکت عنان ومفاوضہ میں ہے باوجودیکہ ان میں ہر ایک دوسرے کا وکیل ہوتاہے اور ہر ایک کو دوسرے کی طرف سے تصرف کی اجازت ہوتی ہے تو پھر کیسا حکم ہوگا شرکت عین کے شریک کا کیونکہ وہ تو دوسرے بھائی کے حق میں محض اجنبی ہوتا ہے اور اس کو دوسرے کے حصہ میں تصرف کی اجازت نہیں ہوتی جیسا کہ علماء نے اس پر نص کی ہے(ت)

حاشیہ طحطاویہ میں ہے:

التجهیز لایدخل فیه الجمع والموائد فالفاعل لذٰلك ان کان من الورثة یحسب علیه من نصیبه ویکون متبرعًا وکذا ان کان اجنبیا[3]اھملخصا۔	لوگوں کا اجتماع اور ان کے کھانے کا اہتمام تجہیز میں داخل نہیں ایسا کرنے والا اگر وارثوں میں سے ہو تو یہ خرچ کرنا خود اس کے اپنے حصے سے شمار کیا جائے گا اور وہ اس خرچ میں متبرع ہوگا، اور ایسا ہی ہوگا اگر وہ اجنبی ہوالخ ملخصًا(ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۵

[2] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۴۵

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۴/ ۳۶۷

دلہن کا جہیز: وہ اگر بکر نے بطور ہبہ نہ دیا بقصد مجرائی دیا تو ہبہ دینا کچھ اثر پیدا نہ کرے گا جبکہ باہم کسی قسم کی کوئی گفتگو نہ آئی کہ یہ اشیاء تیرے فلاں حصہ کے معاوضہ میں دیتے ہیں اس کے بعد کل ترکہ یا ترکہ کی فلاں قسم میں تیرا حصہ نہ ہوگا نہ بالیقین یہ ہوا کہ اموال منقولہ کی ہر جنس جدا جدا جوڑ کر دُلہن کا حصہ نکال کر ہر چیز سے خاص جس قدر اس کے حصہ میں آیا بے کمی بیشی ایک ذرّہ کے اس کے لئے جدا کرلیا اور وہی اس کے جہیز میں دیا ہو،

فضلا عن الاقتصار علی المثلیات والتحرز عن الاستبداد فی القیمیات۔	چہ جائیکہ مثلی اشیاء پر اقتصار ہونا اور قیمتی چیزوں میں تبدیلی کو ترجیح دینے سے بچنا۔ (ت)

نہ اجناس مختلفہ میں قسمت جمع بے تراضی ممکن، یہاں تک کہ قاضی کو بھی اس کا اختیار نہیں **کما نصوا علیہ فی الکتب جمیعاً** (جیسا کہ اس پر تمام کتابوں میں علماء نے نص کی ہے۔ت) تو غایت درجہ اس قدر رہا کہ بکر نے دیتے وقت اپنے دل میں سمجھ لیا کہ یہ ہم علی الحساب دیتے ہیں جو کچھ جہیز کی لاگت ہے دُلہن کے حصے میں مجرا لیں گے صرف اتنا سمجھ لینا کوئی عقد شرعی نہیں ہوسکتا قسمت نہ ہونا تو ظاہر لما مر، صلح وتخارج یوں نہیں کہ کل ترکہ یا اس کی قسم سے حصہ دلہن کا ساقط نہ کیا گیا نہ دلہن کے خیال میں ہوگا کہ اب فلاں قسم ترکہ میں میرا کوئی دعوی نہ رہا اگرچہ میرا حصہ مقدار جہیز سے زائد نکلے نہ ایسا امر بے تصریح رضامندی فقط ایک طرف کے خیال پر عقد ٹھہر سکتا ہے **فان العقد ربط ولا بد فی الربط من شیئین معھذا** (اس لئے کہ عقد تو ربط کا نام ہے اور ربط کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ت) عندالحساب جہیز کی لاگت میں اختلاف پڑنا ممکن بلکہ مظنون تو قطع نزاع جس کے لئے صلح وتخارج کی وضع ہے حاصل نہ ہوا،

ومامن شیئ خلا عن مقصودہ الابطل و جہالۃ المصلح عنہ انما لاتمنع جواز الصلح اذالم تفض الی منازعۃ والامنعت۔	نہیں ہے کوئی جو مقصود سے خالی ہو مگر یہ کہ وہ باطل ہے اور جس شیئ پر صلح ہو رہی ہو اس کی جہالت صرف اس وقت جواز صلح سے مانع نہیں ہوتی جب اس سے کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو ورنہ مانع ہوتی ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الصلح شرعا عقد یرفع النزاع ویقطع الخصومۃ[1]۔	صلح شرع میں ایسے عقد کو کہتے ہیں جو جھگڑے کو رفع کرے اور خصومت کو ختم کرے۔ (ت)

[1] الدرالمختار کتاب الصلح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۱

نہایہ میں ہے:

جهالة تفضی الی المنازعة تمنع جواز الصلح[1]اھ ملخصین۔	ایسی جہالت جو جھگڑے کا باعث ہو وہ جواز صلح سے رکاوٹ ہےاھ تلخیص (ت)

رہی بیع وہ اگر بتصریح ایجاب وقبول بھی ہوتی مثلاً بکر کہتا میں نے یہ جہیز بعوض ان اشیائے متروکہ کے جو بمقدار مالیت جہیز تیرے حصہ میں آئیں بیع کیا اور دُلہن قبول کرتی تاہم فاسد ہوتی کہ نہ جہیز کی لاگت بیان میں آئی نہ یہ معلوم کہ اس کی مالیت کی کتنی چیزیں اور کیا کیا اشیاء حصہ عروس میں آئیں گی یہاں تک کہ اس قدر بھی نہ ہوا بلکہ کوئی تذکرہ درمیان نہ آیا صرف بکر نے ایک امر سمجھ کر جہیز سپرد کیا یہ بھی خبر نہیں کہ اس وقت قلب عروس میں کیا نیت تھی اسے کیونکر کوئی عقد شرعی قرار دے سکتے ہیں۔

ومعلوم انه لیس من عقد یتم بالنیة بل لابد من شیئ یظهر القصد القلبی ویکون دلیلا علی الرضاء النفسی۔	اور یہ بات معلوم ہے کہ کوئی عقد محض نیت سے تام نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے کسی ایسی چیز کا ہونا ناگزیر ہے جس سے دلی ارادہ ظاہر ہو اور وہ دلی طور پر رضامندی کی دلیل ہو۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

رکنه الفعل الدال علی الرضا بتبادل الملکین من قول اوفعل[2] اھ نعم المظهر قدیکون نصا وهو اللفظ المقرر للایجاب والقبول وقد یکون دلالة کالمساومة واخذ الثمن بعد بیان الثمن فی بیع التعاطی وحیث لا حاجة الی البیان للعرف العام کالخبز مثلا حیث یکون له	اس کا رکن ایسا فعل ہے جو دونوں ملکوں کے باہمی تبادلہ پر رضامندی کی دلیل ہو چاہے قول سے یا فعل سے اھ، ہاں اس کو ظاہر کرنے والی چیز کبھی نص ہوتی ہے جیسے وہ لفظ جو ایجاب وقبول کے لئے مقرر ہیں اور کبھی دلالت ہوتی ہے جیسے بھاؤ تاؤ طے کرنا اور دستی لین دین کی بیع میں ثمن بیان کرنے کے بعد اس کو لے لینا، اور جہاں عرف عام کی وجہ سے بیان کی حاجت نہ ہو مثلا روٹی کی قیمت جب معلوم ہو اس میں

[1] الفتاوی الهندیة بحواله النهایة کتاب الصلح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۳۱

[2] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۵۵

قیمۃ معلومۃ لاتختلف ففتح البائع الدکان وجلوسہ للبیع واعدادہ الخبز لذٰلك دلیل علی البیع واخذ المشتری علی الشراء امّا ھٰھنا فان فرضت دلالۃ من بکر فلادلالۃ اصلا من قبل العروس ولئن سلمت الرضا فالتعاطی ھٰھنا من احد الجانبین وھو وان جاز عندالبعض وبہ یفتی وھوارجح التصحیحین فلابد فیہ عند مجیزہ من بیان البدل والبدل ھٰھنا کما علمت مجھول فلم ینعقد البیع اجماعا۔	کوئی اختلاف نہ ہوتو بائع کادُکان کھول کر بیع کے لئے بیٹھنا اور روٹی تیار کرنا بیع کی دلیل ہے اور مشتری کااس کو لے لینا خریداری کی دلیل ہے۔مگر یہاں زیر بحث مسئلہ میں اگر بکر کی طرف سے دلالت فرض کر بھی لی جائے تو دلہن کی طرف سے بالکل دلالت موجود نہیں۔اگراس کی رضامندی کو تسلیم کرلیاجائے تویہاں تعاطی صرف ایک طرف سے ہے۔وہ اگرچہ بعض کے نزدیک جائز ہے،اسی کے ساتھ فتوی دیا جاتا ہےاور دونوں تصحیحوں میں سے یہ زیادہ راجح ہے۔لیکن اس کو جائز قرار دینے والے کے نزدیک بدل کابیان ضروری ہے اور یہاں جیسے کہ تُو جانتاہے بدل مجہول ہے للہذا بالاجماع بیع منعقد نہ ہوئی۔(ت)

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

الشرط فی بیع التعاطی الاعطاء من الجانبین عند شمس الائمۃ الحلوانی کذا فی الکفایۃ وعلیہ اکثر المشائخ وفی البزازیۃ ھو المختار کذا فی البحر الرائق والصحیح ان قبض احدھما کان لنص محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ علی ان بیع التعاطی یثبت بقبض احد البدلین وھذا ینتظم الثمن والمبیع کذا فی النہر الفائق وھذا القائل یشترط بیان الثمن لانعقاد ھذا البیع بتسلیم المبیع ھکذا حکی فتوی	شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک بیع تعاطی میں شرط دونوں طرفوں سے دیناہے،کفایہ میں یونہی ہےاوراسی پر اکثر مشائخ ہیں،بزازیہ میں ہے کہ یہی مختار ہے،ایساہی بحر الرائق میں ہے۔اور صحیح یہ ہے کہ اگرایک قبضہ کرے توکافی ہے کیونکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے نص فرمائی کہ بیع تعاطی دومیں سے ایک بدل پر قبضہ کرلینے سے ثابت ہوجاتی ہےاور یہ ثمن اور مبیع دونوں کوشامل ہے جیساکہ النہرالفائق میں ہے اور یہ قائل شرط قرار دیتاہے اس بیع کے منعقد ہونے کے لئے ثمن کے بیان کرنے اور مبیع کے سونپنے کو۔

الشیخ الامام ابی الفضل الکرمانی کذا فی المحیط[1]۔	اور یونہی منقول ہے شیخ امام ابوالفضل کرمانی کا فتوٰی جیسا کہ محیط میں ہے۔(ت)

پس واضح ہوا کہ جہیز دینے میں کسی عقد شرعی کی حقیقت تو حقیقت صورت بھی نہ تھی تو یہ دینا اصلًا کوئی اثر تبدل ملک پیدا نہ کرے گا بلکہ وہ مال جس کی ملک تھا بدستور اسی کی ملک پر رہے گا اب معرفت مالک درکار ہے جو چیزیں عین متروکہ تھیں مثلًا زیور، برتن، کپڑے وغیرہ کہ مورثوں نے چھوڑے بعینہٖ جہیز میں دئے گئے وہ جیسے سب وارثوں میں پہلے مشترک تھیں اب بھی مشترک رہیں گی اور جو اشیاء بکر نے خرید کردیں وہ سب مطلقًا ملک بکر کی تھیں اور اب یہی خاص اسی کے ملک پر ہوں گی اگرچہ مال مشترک سے خریدی ہوں،

لما علم من ان الشراء اذا وجد نفاذا علی الشاری نفذ۔	کیونکہ معلوم ہے کہ بیع جب نفاذ پائے تو مشتری پر نافذ ہوجاتی ہے(ت)

غایت یہ کہ مال مشترک سے خریدنے میں بکر باقی ورثہ کے حصص کا ذمہ دار ہوگا کما نقلنا فی مواضع من فتاوٰینا عن رد المحتار (جیسا کہ ہم ردالمحتار کے حوالے سے اپنے فتاوٰی میں متعدد مقامات پر نقل کرچکے ہیں۔ت) پھر اس قسم یعنی مملوکات بکر پر دلہن کا قبضہ امانت ہوگا لحصولہ بتسلیط المالک (کیونکہ یہ مالک کے مسلط کرنے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ت) پس جس چیز کو دلہن نے استہلاک نہ کیا بغیر اس کے فعل کے چوری وغیرہ سے ہلاک ہوگئی اس کا تاوان دلہن پر نہ آئے گا اور جو اس کے فعل و تعدی سے تلف ہوئی اس کی قیمت بکر کے لئے دلہن کے ذمہ واجب ہوگی لان الامین ضمین اذا تعدی (کیونکہ امین جب زیادتی کرے تو وہ ضامن ہوتا ہے۔ت) اور جو باقی ہو وہ بعینہٖ بکر کو واپس دے اور قسم اول یعنی عین متروکہ سے جو کچھ جہیز میں دیا گیا اس پر دلہن کا ہاتھ دست ضمان ہوگا یعنی کسی طرح اس کے پاس ہلاک ہوجائے مطلقًا تاوان آئے گا،

و ذٰلك لان بکرا قد تعدی علی حصص الشرکاء بتجهیز الاخت من مال مشترك وتسلیمه الیها جهاز التلبس وتستعمل وبالتصرف تستقل وكل يد مترتبة علی ید ضمان۔	کیونکہ بکر نے شرکاء کے حصوں میں تعدی کی اس لئے کہ اس نے مال مشترک سے بہن کا جہیز بنا کر اس کے حوالے کردیا کہ وہ اس کو پہنے، استعمال کرے اور تصرف میں مستقل ہو جائے۔ ہر قبضہ جو دست ضمان پر مرتب ہو وہ دست ضمان ہوتا ہے۔ (ت)

[1] الفتاوٰی الهندیة کتاب البیوع الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۹

پس باقی ورثاء جنہوں نے اذن نہ دیا مختار رہیں گے کہ جو کچھ ہلاک ہوا چاہیں اپنے حصوں کا تاوان بکر سے لیں لانہ الغاصب (کیونکہ وہ غاصب ہے۔ت) چاہیں دلہن سے لانھا کغاصبة الغاصب (کیونکہ وہ غاصب سے غصب کرنے والی ہے۔ت) فتاوٰی خیریہ میں ہے:

الید المترتبة علی ید الضمان ید ضمان فلرب البھیمة ان یضمن من شاء[1] الخ۔	جو قبضہ دست ضمان پر مرتب ہو وہ دست ضمان ہوتا ہے لہذا چارپائے کے مالک کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے ضامن ٹھہرائے۔(ت)

اور وہ بکر یا دلہن جس سے ضمان لیں اسے دوسرے پر دعوی نہیں پہنچتا،

امابکر فلانہ الغاصب وانما قبض العروس بتسلیطه واما العروس فلانھا قبضت لنفسھا لالبکر۔	بکر پر تو اس لئے کہ وہ غاصب ہے اور دُلہن نے اس کے مسلط کرنے سے اس پر قبضہ کیا ہے۔رہی دلہن تو وہ اس لئے کہ اس نے اپنے لئے قبضہ کیا ہے بکر کے لئے نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں بزازیہ سے ہے:

وھب الغاصب المغصوب اوتصدق او اعار وھلك فی ایدھم وضمنوا للمالك لایرجعون بما ضمنوا للمالك علی الغاصب لانھم کانوا عاملین فی القبض لانفسھم بخلاف المرتھن والمستاجر والمودع فانھم یرجعون بما ضمنوا علی الغاصب لانھم عملوا له[2] الخ۔	غاصب نے مغصوب چیز کسی کو ہبہ کردی یا صدقہ کردی یا عاریت پر دے دی، وہ چیز ان لوگوں کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی اور وہ اصل مالک کے ضامن ہوگئے تو اب یہ لوگ غاصب پر رجوع نہیں کرسکتے اس تاوان کے بارے میں جو انہوں نے مالک کو دیا کیونکہ وہ مغصوب پر قبضہ میں اپنے لئے عمل کرنے والے ہیں بخلاف مرتہن، مستاجر اور اس شخص کے جس کے پاس غاصب نے مغصوب چیز ودیعت رکھی۔یہ لوگ اگر بصورت ہلاکت مالک کو تاوان ادا کریں تو اس کے لئے غاصب پر رجوع کرسکتے ہیں کیونکہ انہوں نے غاصب کے لئے عمل کیا(ت)

اور جو کچھ باقی ہوں وہ دلہن سے واپس لے کر فرائض الٰہیہ پر تقسیم ہوجائیں یہ سب احکام اس صورت

---

[1] الفتاوٰی الخیریہ کتاب الغصب المعرفة بیروت ۲/ ۱۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۶

میں تھے کہ بکر نے جہیز بطور ہبہ نہ دیا ہو اور بیشک اس امر میں کہ ہبہ کی نیت تھی یا مجرائی کی، بکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا،

لانہ الدافع فھو ادری بجھۃ الدفع کما فی الاشباہ وجامع الفصولین و الفتاوی الخیریۃ وغیر ما کتاب وقد نصوا علیہ فی مسائل کثیرۃ۔اقول:ولیس فی تجھیز الاخوۃ الاخوات اذا کن ذوات مال شریکات فی مابایدی الاخوۃ من الترکۃ عرف فاش یقضی بالھبۃ بخلاف الأباء والامھات فی بلادنا وکیف ویکون الظاھر قصد التبرع مع بقاء الواجب بل الظاھر انھم یریدون الاحتساب علیھن من انصبائھن۔	کیونکہ وہ دینے والا ہے لہذا وہ دینے کی جہت کو زیادہ بہتر جانتا ہے جیسا کہ اشباہ، جامع الفصولین اور فتاوٰی خیریہ وغیرہ کتابوں میں ہے،اور علماء نے اس پر متعدد مسائل میں نص فرمائی ہے۔ میں کہتاہوں بھائی جب بہنوں کے لئے جہیز بنائیں جبکہ وہ بہنیں مالدار ہوں اور بھائیوں کے زیر قبضہ ترکہ میں شریک ہوں تو ایسا کوئی عرف ہمارے شہروں میں جاری وساری نہیں جو اس کو ہبہ قرار دے بخلاف ماں باپ کے۔تو واجب کے باقی رہتے ہوئے اس کا قصد تبرع ہونا کیسے ظاہر ہوگا بلکہ ظاہر یہاں یہ ہے کہ بھائی اس کو بہنوں کے حصوں میں سے شمار کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔(ت)

اسی طرح اگر بکر نے دل میں نیت ہبہ کی مگر دلہن نے ہبہ جان کر قبضہ نہ کیا بلکہ مثلاً اپنے حصہ کا معاوضہ یا حصے میں مجرائی سمجھ لیا تو بھی بعینہٖ یہی احکام ہوں گے کہ اس صورت میں دلہن کی طرف سے قبول ہبہ نہ پایا گیا،

فان القبول فرع العلم وھی اذا لم تحسبہ ھبۃ کیف یتصور انھا قبلت الھبۃ۔	اس لئے کہ قبول فرع ہے علم کی۔جب اس خاتون نے اس کو ہبہ سمجھا ہی نہیں تو اس کا ہبہ کو قبول کرنا کیسے متصور ہوگا(ت)

بحرالرائق میں ہے:

وکذا بقولہ اذنت الناس جمیعا فی ثمر نخلی،من اخذ شیئا فھو لہ فبلغ الناس،من اخذ شیئا	یونہی اس کا یہ کہنا کہ میں نے اپنے درختوں کے پھل کے بارے میں تمام لوگوں کو اجازت دے دی ہے تو لوگوں کو خبر پہنچ گئی جس نے جو کچھ لے لیا ہے وہ اسی کا ہے ایسا ہی

یملکہ کذا فی المنتقی وظاھرہ ان من اخذہ ولم یبلغہ مقالۃ الواھب لایکون لہ کما لایخفی[1] اھ اقول: ومثلہ مافی الھندیۃ عن الخلاصۃ رجل سیّب دابتہ فاصلحھا انسان ثم جاء صاحبھا واراد أخذھا واقر وقال قلت حین خلیت سبیلھا من اخذ فھی لہ او انکر فاقیمت علیہ البینۃ او استحلف فنکل فھی للاٰخذ سواء کان حاضرا سمع ھذہ المقالۃ اوغاب فبلغہ الخبر[2] اھ ووجھہ ظاھر فانہ اذا علم بمقالۃ الواھب فیکون الاخذ علی جھۃ الاتھاب ویقوم القبض مقام القبول بخلاف ما اذالم یعلم فانہ لم یتحقق القبول قطعًا وھو مدار ثبوت الملك للموھوب لہ قطعًا سواء جعل رکنا کما نص علیہ فی التحفۃ والولوالجیۃ	منتقی میں ہے۔اس سے ظاہر یہ ہے کہ جس شخص تک واہب کی یہ بات نہیں پہنچی اس نے جو کچھ لیاوہ اس کامالک نہ ہوگا الخ، **میں کہتاہوں** اوراس کی مثل خلاصہ کے حوالے سے ہندیہ میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے چارپائے کو چھوڑدیااور کسی انسان نے اس کو پکڑ کر سنبھال لیا پھراس چارپائے کا مالک آیا جو اس کو لیناچاہتاتھا۔اس نے اقرار کیاکہ میں نے اس کو چھوڑتے وقت کہاتھاکہ جواس کو پکڑلے یہ اسی کاہے یا اس نے انکارکیامگر گواہوں سے یہ بات ثابت ہوگئی یااس کو قسم کھانے کاکہاگیا اوراس نے انکار کردیا۔ان تمام صورتوں میں وہ چارپایہ پکڑنے والے کاہوگاچاہے وہ خود حاضر تھااوراس نے مالک کی یہ بات سنی تھی یاغائب تھااوراس تک اس کی خبر پہنچی اھ۔اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ جب اس کو واہب کے اس قول کاعلم ہوگیاتواس کالینا ہبہ کو لینے کے طورپر ہوااور قبضہ کرنا قبول کے قائم مقام ہوگا۔بخلاف اس کے کہ جب اسے واہب کے اس قول کاعلم نہ ہواہو، کیونکہ اس صورت میں قبول کرنا بالکل متحقق نہیں حالانکہ موہوب لہ کے لئے ملک کے ثبوت کادار ومدار قطعی طورپر قبول کرنے پر ہے۔چاہے قبول کورکن

[1] بحرالرائق کتاب الھبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۸۴

[2] الفتاوٰی الھندیہ کتاب الھبہ الباب الثالث نورانی کتب خانہ کراچی ۴/ ۳۸۲

والکافی والکفایۃ والتبیین و البحر ومجمع الانھر و الدر المختار وابی السعود وغیرھا من کتب الکبار و ھو ظاھر الھدایۃ وملتقی الابحر وغیرھما من الاسفار الغر اوشرطا کما نص علیہ فی المبسوط و المحیط و الھندیۃ وغیرھا و افادفی البدائع انہ الاستحسان و ان الاول قول زفر علی کل فاتفق القولان علی انہ لا تملك فیھا بدون القبول وھو الذی نص علیہ فی الخانیۃ وغیرھا وقد حققنا المسئلۃ بتوفیق اللہ تعالٰی علٰی ھامش ردالمحتار بما لامزید علیہ۔	بنایا جائے جیسا کہ تحفہ، ولوالجیہ، کافی، کفایہ، تبیین، بحر، مجمع الانہر، درمختار اور ابوالسعود وغیرہ بڑی بڑی کتابوں میں اس پر نص کی گئی ہے۔ہدایہ اور ملتقی الابحر وغیرہ عظیم کتابوں سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔چاہے اس کو شرط بنایا جائے۔جیسا کہ مبسوط، محیط اور ہندیہ وغیرہ میں اس پر نص ہے۔بدائع میں افادہ کیا ہے کہ یہ استحسان ہے۔اور پہلا قول امام زفر کا ہے۔بہر صورت دونوں قول اس پر متفق ہیں کہ ہبہ میں قبول کے بغیر ملک ثابت نہیں ہوتا اور اسی پر خانیہ وغیرہ میں نص کی گئی ہے۔ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں اس مسئلہ کی تحقیق کی ہے جس پر اضافہ کی گنجائش نہیں (ت)

تو اس حالت میں بھی وہ اشیاء بدستور ملک اصل مالک پر آئیں گی خواہ بکر ہو یا سب شرکاء، اور احکام سابقہ عود کریں گے، ہاں اگر بکر کا ارادہ ہبہ قولاً یا فعلاً یا دلالۃً کسی طرح ظاہر ہوا جس کے سبب دُلہن نے اُسے ہبہ ہی سمجھ کر قبضہ کیا تو البتہ ایجاب و قبول دونوں متحقق ہوگئے۔

فان القبض بوجہ الاتھاب قبول وان ناقصا کما فی مشاع یقسم لاستواء الکل فی الدلالۃ علی الرضا کما لایخفٰی۔	کیونکہ بطور ہبہ قبضہ کرنا قبول ہے اگرچہ ناقص ہے جیسا کہ قابل تقسیم چیز کو بلا تقسیم ہبہ کرنے کی صورت میں ہوتا ہے کیونکہ بطور دلالت رضامندی میں وہ سب برابر ہیں، جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔(ت)

ولوالوجیہ میں ہے:

القبض فی باب الھبۃ جارمجری الرکن فصار کالقبول[1]۔	ہبہ کے باب میں قبضہ کرنا رکن کے قائمقام ہے لہٰذا یہ قبول کی مثل ہوگیا۔(ت)

پس جو اشیاء بکر نے خرید کر جہیز میں دیں اگرچہ مال مشترک سے خریدی ہوں دلہن ان کی مالک

[1] ردالمحتار بحوالہ الولوالجیۃ کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

مستقل ہو گئی اور بکر پر اس مال مشترک میں اور ورثہ کے حصص کا تاوان آیا جن کے بے اذن یہ شراء واقع ہوا یہاں تک کہ خود اس دلہن کے حصے کا بھی جس نے جہیز پایا۔

فان البدل وان الیھا وصل لکن الشراء نفذ علی بکر فوقع الملك له وتم الضمان ثم العطاء للعروس ھبة علی حدة من مال نفسه فلا یرتفع به ضمان قسط العروس۔	کیونکہ بدل اگرچہ اس دلہن تک پہنچ گیا لیکن شراء کا نفاذ بکر پر ہوا چنانچہ اس کے لئے ملک ثابت ہو گئی اور ضمان تام ہو گیا پھر اس کا دلہن کو دینا الگ ہبہ ہے جو بکر کے اپنے مال سے ہوا لہٰذا اس سے دلہن کے حصہ کا تاوان ساقط نہیں ہوگا(ت)

اور جو کچھ عین ترکہ سے ہبہ کیں تو ہبہ باقی ورثہ کے حق میں نافذ نہ ہوا۔ اذ لا اذن منھم ولا ولایة علیھم (اس لئے کہ نہ تو ان کی طرف سے اجازت ہے اور نہ ہی ان پر ولایت ثابت ہے۔ت) تو اُن کے حصے تو ہر حال دُلہن کے ہاتھ میں مضمون رہے اور ضمان کا وہی حکم کہ انہیں اختیار ہے چاہیں بکر پر ڈالیں یا دلہن پر جس پر ڈالیں دوسرے سے مجرا نہ پائے گا کما قدمنا عن البزازیة (جیسا کہ بزازیہ کے حوالے سے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ت) رہا بکر کا اپنا حصہ جہیز میں جو مال قابل تقسیم تھا یعنی اس کے حصے کیجئے تو وہی انتفاع اس سے مل سکے جو قبل از تقسیم ملتا تھا، جب تو بکر کے حصے میں بھی ہبہ صحیح نہ ہوا لانھا ھبة مشاع فیما یقسم (کیونکہ یہ قابل تقسیم چیز میں بلا تقسیم ہبہ ہے۔ت) اس صورت میں مال مذکور بدستور شرکت جمیع ورثاء پر رہے گا اور جو کچھ دلہن کے ہاتھ میں کسی طرح ہلاک ہوگا اس میں حصہ بکر کا تاوان خاص دلہن پر پڑے گا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لاتصح ھبة المشاع الذی یحتمل القسمة ولاتفید الملك فی ظاھر الروایة قال الزیلعی ولو سلمه شائعا لا یملکه فیکون مضمونا علیه[1] الخ ملخصا وتمامه فیھا وفی ردالمحتار۔	ایسی غیر منقسم چیز کا ہبہ صحیح نہیں جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہو اور ظاہر الروایہ کے مطابق وہ مفید ملک نہ ہوگا۔ امام زیلعی نے کہا اگر غیر منقسم حالت میں اس کو سونپ دیا تو ملک ثابت نہ ہوگا چنانچہ اس پر ضمان آئے گا الخ تلخیص۔ اس کی مکمل بحث فتاوٰی خیریہ اور ردالمحتار میں ہے۔(ت)

اسی طرح اگر مال ناقابل تقسیم ہو مگر دلہن نہ جانے کہ اس میں بکر کا حصہ کس قدر ہے جب بھی ہبہ صحیح نہ ہوگا اور بعد ہلاک وہی حکم ہے کہ بکر کا تاوان دلہن پر آئے گا۔ بحر الرائق میں ہے:

[1] الفتاوی الخیریة کتاب الھبه دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۱۲

یشترط فی صحة هبة المشاع الذی لایحتملها ان یکون قدرا معلوما حتی لووهب نصیبه من عبد ولم یعلمه به لم یجز [1]۔	ناقابل تقسیم چیز کے غیر منقسم طور پر ہبہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کی مقدار معلوم ہو یہاں تک کہ اگر کوئی غلام میں اپنے حصہ کو ہبہ کردے حالانکہ اسے اپنا حصہ معلوم نہیں تو یہ جائز نہیں (ت)

محیط امام سرخسی میں ہے:

واذا علم الموهوب له نصیب الواهب ینبغی ان تجوز عندابی حنیفة رحمه الله تعالٰی [2] نقلهما فی الفتاوی الهندیة۔	جب موہوب لہ کو واہب کے حصہ کا علم ہو تو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس کو جائز ہونا چاہئے۔ان دونوں کو فتاوٰی ہندیہ میں نقل کیا ہے۔ (ت)

جامع الفصولین میں فتاوٰی امام فضلی سے ہے:

اذا هلك افتیت بالرجوع للواهب هبة فاسدة لذی رحم محرم منه اذالفاسدة مضمونة علی مامر [3]۔	اگر وہ ہلاک ہوجائے تو میں ذی رحم محرم کو ہبہ فاسدہ کرنے والے کی طرف رجوع کا فتوٰی دوں گا کیونکہ ہبہ فاسدہ کی صورت میں ضمان آتا ہے جیسا کہ گزر گیا (ت)

اور اگر دلہن کو معلوم تھا تو اس قدر میں ہبہ صحیح و نافذ و تام و لازم ہوگیا اور ان اشیاء میں دلہن اپنے اور بکر دونوں کے حصص کی مالک ہو گئی باقی ورثہ کے حصے بدستور دست عروس میں حکم ضمان پر ہیں جن کا حکم بارہا گزرا اور اول سے آخر تک سب صورتوں میں جو مشترک چیزیں دلہن کے ہاتھ میں تلف ہوئیں ان میں دلہن اپنے حصے کا تاوان کسی سے نہیں لے سکتی کہ اسکا مال اسی کے ہاتھ میں ہلاک ہوا اور بکر نے اس کے حصے پر کوئی تعدی نہ کی۔

فانه انما سلم الملك لید من ملك	کیونکہ اس نے تو ایسے کے ہاتھ میں دے دیا جو

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الهبة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸، بحر الرائق کتاب الهبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۸۶

[2] الفتاوی الهندیة بحوالہ محیط السرخسی کتاب الهبہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸

[3] جامع الفصولین الفصل الثلاثون فی التصرفات الفاسدة الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۷

فما هلك فی یدها فعلیها هلک، هذا كله من اوله الٰی اٰخره مما افیض علی قلب الفقیر من فیض القدیر واخذته تفقها من کلمات العلماء. اعظم الله اجورهم یوم الجزاء فما اصبت فمن الله تعالٰی وله الحمد علیه وما اخطأت فمن قصور نفسی وانا اتوب الیه اتقن هذه اتقانا کبیرا فان المسائل مما تمس الیه الحاجة کثیرا. فاغتنم هذا التفصیل الجمیل والحمدلله علی فیضه الجلیل، والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اس کامالک ہوگیا۔اب جو دلہن کے ہاتھ میں ہلاک ہوا تو اسی کے ضمان پرہلاک ہوا۔یہ سب کچھ رب قدیر کے فیض سے فقیر کے دل میں ڈالا گیا۔میں نے اس کو بطور تفقہ علماء کرام کے اقوال سے اخذ کیا۔اللہ تعالٰی قیامت کے روز ان کو عظیم اجر عطافرمائے۔جو کچھ میں نے درست کہا اس پر اللہ تعالٰی ہی کے لئے حمد ہے اور جو میں نے غلطی کی تو وہ میرا اپنا قصور ہے۔میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔وہ اس کو بہت مضبوط بنائے۔اس لئے کہ ان مسائل کی ضرورت زیادہ واقع ہوتی ہے،اس خوبصورت تفصیل کو غنیمت سمجھو،اور اللہ تعالٰی کے فیض جلیل پر تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۳: از شہر کہنہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ مجیداللہ خاں ولد کالے خاں ساکن شہر کہنہ نے اپنی جائداد موروثی دین مہر میں زوجہ کو دی یعنی مسماۃ امیر بیگم کو بعدہ مجیداللہ خاں مذکور کاانتقال ہوگیا بعدازاں جائداد مرقومہ بالاکا داخل مسماۃ امیر بیگم کے نام بذریعہ گواہان کے ہوا یہ شخص گواہ تھے عنایت اللہ خاں صاحب ولد کالے خاں صاحب، دیگر گواہ شفیع علی خان صاحب ولد کالے خان صاحب، مجیداللہ خاں مرقومہ بالاکی ایک لڑکی تھی امیر بیگم، والدہ دختر نے اس کی شادی کردی، چند عرصہ کے بعد نصف جائداد جو بذریعہ مہر کے شوہر اپنے سے پہنچی تھی دختر مذکورہ کو دے دی اور اس کا داخل خارج بھی کردیا بگواہی عنایت اللہ خاں صاحب وشفیع علی خاں صاحب اور پٹی بانٹ اس وجہ سے نہیں ہوسکا کہ اس زمین میں جگہ جگہ غار تھے، دوسرے یہ کہ والدہ اور دختر میں اتفاق بھی بہت تھا حتی کہ تاحیات دختر سے جدانہیں ہوئی، بعدہ مسماۃ امیر بیگم کی حیات میں دختر جس کے نام نصف جائداد کی تھی فوت ہوگئی مگر مسماۃ امیر بیگم نے وہ جائداد واپس نہیں لی اس پر قابض اور دخیل داماد رہا اور ہے اور جس وقت امیر بیگم کی علالت تھی اس وقت میں داماد مذکور سے وصیت کی کہ برخوردار من میری

تیمارداری کرو اور بعد انتقال کے جو کچھ خرچ ہو اور جو کچھ تیمارداری میں خرچ ہو وہ روپیہ نصف جائداد باقیماندہ جو میرے نام ہے اس سے وصول کیجیو ورنہ میں حشر میں دامنگیر ہوں گی اور جو جائداد میں نے اپنی دختر کے نام کی تھی وہ تم کو بخوشی بخشی چونکہ تم نے میری خدمت مثل فرزند بطن کے کی ہے اور کرتے ہو، وصیت کے بعد مسماۃ امیر بیگم کا انتقال ہوگیا داماد مذکور نے قرض دام کرکے تجہیز و تکفین کی اور خرچ تیمارداری کیا اب مسماۃ امیر بیگم کو انتقال کئے ہوئے عرصہ چند ہوا اور مسماۃ امیر بیگم کے وارث یہ ہیں دو بھائی چچازاد اور دو شوہر کی ہمشیریں حیات ہیں، یہ جائداد جس کا ذکر ہے کس طرح پر تقسیم ہوگی اور قرضہ جو داماد مذکور نے خرچ تیمارداری میں اور تجہیز و تکفین میں کیا کس طرح وصول کرے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

صورت مسئولہ میں وہ ہبہ کہ امیر بیگم نے بنام اپنی دختر کے کیا بوجہ مشاع و غیر منقسم ہونے زمین کے محض باطل ہوگیا۔ تتمۃ الفتاوٰی پھر مشتمل الاحکام پھر فتاوٰی خیریہ میں ہے:

هبة المشاع باطلة وهو الصحيح[1]۔	غیر منقسم کا ہبہ باطل ہے اور یہی صحیح ہے (ت)

اور داخل خارج کہ ایک عقد باطل پر مبنی ہوا خود باطل و بے اثر، اسی طرح اس کا موہوب مذکور کی نسبت اپنے داماد سے کہنا میں نے تجھ کو بخوشی بخشی کہ وہ بھی ہبہ ہے اور بوجہ شیوع باطل۔

فی الشامی عن الطحطاوی عن المکی عن الامام قاضی خاں وغیرہ هبة المريض هبة حقيقة وان كانت وصية حكما۔[2]	شامی میں بحوالہ طحطاوی، بحوالہ مکی، بحوالہ امام قاضی خان وغیرہ ہے کہ مریض کا ہبہ درحقیقت ہبہ ہے اگرچہ حکماً وصیت ہے۔ (ت)

پس وہ زمین تمام و کمال ملک و ترکہ امیر بیگم ہے جس میں وارثان دختر یا خواہران شوہر کا اصلاً کچھ حق نہیں صرف امیر بیگم کے دونوں چچازاد بھائی بر تقدیر عدم موانع ارث و انعدام وارث دیگر اس کے مستحق ہیں کہ بعد ادائے دین و وصیت آپس میں نصف نصف کرلیں داماد مورثہ نے جو کچھ اس پر اس کی بیماری و تیمارداری میں اٹھایا وہ امیر بیگم پر اس کا قرض ہے کہ ترکہ امیر بیگم سے لے سکتا ہے فانه لما انفق بامرها وقد افصحت بالرجوع لم يكن متبرعا (کیونکہ جب

---

[1] الفتاوی الخیریة کتاب الهبة دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۱۳

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۳۵

اس نے مرحومہ کے امر سے خرچ کی اور اس نے رجوع کی تصریح کی تو یہ متبرع نہ ہوا۔ت) اسی طرح جو کچھ کفن ودفن بطریق سنت میں صرف کیا ہو وہ بھی اس کا دین ہے بشرطیکہ امیر بیگم کے حال کے مناسب عرف وعادت کے لحاظ سے جس قیمت کا کفن دینا چاہئے تھا اس سے بیش قیمت نہ دیا ہو ورنہ قیمت کفن اصلاً مجرا نہ پائے گا۔ تنویر الابصار و در مختار و ردالمحتار میں ہے:

لوزاد الوصی علی کفن مثله فی العدد ضمن الزیادة ای الا اذا اوصی بها وکانت تخرج من الثلث وفی القیمة وقع الشراء له(لانه متعد فی الزیادة وهی غیر متمیزة فیکون متبرعا بتکفین المیت به رحمتی [1])۔	اگر وصی نے میت کے مثلی کفن میں زیادتی کی باعتبار تعداد کے تو زائد کا ضامن ہوگا (مگر جب اس کو اس کی وصیت کی گئی ہو اور وہ مال کے ایک تہائی سے پوری ہو سکتی ہو) اور اگر باعتبار قیمت کے زیادتی کی تو یہ خریداری وصی کے لئے واقع ہوگی (کیونکہ اس نے قیمت کی زیادتی میں تعدی کی اور وہ زیادتی ممتاز نہیں لہٰذا وہ میت کے لئے کفن کی خریداری میں متبرع ہوگا۔ رحمتی) (ت)

اسی طرح جو کچھ کفن دفن کے سوا فاتحہ، درود و سوم، چہلم، عورتوں کے جمع ہونے، ان کے پان چھالیہ کھانے پینے وغیرہ معمولی باتوں میں صرف ہوا اس کا بھی ایک حبہ مجرا نہ ملے گا **لوجوہ کثیرة وحسبک** (متعدد وجوہات کی وجہ سے اور تجھے اتنا ہی کافی ہے کہ۔ت) قول امیر بیگم "بعد انتقال کے جو کچھ خرچ ہو" **وصیة مهملة باطلة لانفاذ لها اصلا** (وصیت مہمل وباطل ہے جس کا بالکل نفاذ نہیں۔ت)

علامہ سائحانی مسئلہ تنویر الابصار وغیرہ **اوصی بان یتخذ الطعام بعد موته للناس ثلثة ایام فالوصیّة باطلة** [2] (کسی نے وصیت کی کہ اس کے مرنے کے بعد تین دن لوگوں کے لئے کھانا تیار کیا جائے تو یہ وصیت باطل ہے۔ت) کی تعلیل میں لکھتے ہیں:

انها وصیة للناس وهم لایحصون کما لوقال اوصیت للمسلمین ولیس فی اللفظ مایدل علی الحاجة فوقعت تملیکا من مجهول	کیونکہ یہ وصیت لوگوں کے لئے ہے جن کا شمار نہیں ہو سکتا جیسا کہ اگر وہ کہے کہ میں نے مسلمانوں کے لئے وصیت کی ہے درانحالیکہ لفظوں میں ایسی کوئی چیز نہیں جو حاجت پر دلالت کرے تو یہ مجہول

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا باب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۷، ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۴

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۲

فلم تصح[1] اھ ش۔	کی تملیک واقع ہوئی ہو لہٰذا صحیح نہیں اھ۔(ت)

پھر جس قدر دین اس کا ذمہ امیر بیگم ثابت ہوا اسی کے لائق زمین کا ٹکڑا بیچ کر اپنا دین وصول کر سکتا ہے یا وارثان امیر بیگم اپنے پاس سے اس کا دین ادا کرکے خالص کرلیں۔ ردالمحتار کے باب الوصی میں ہے:

اذاکان علی المیّت دین اواوصی بوصیة ولم تقض الورثة الدیون ولم ینفذوا الوصیة من مالھم فانه یبیع الترکة کلھا ان کان الدین محیطا وبمقدار الدین ان لم یحط وله بیع مازاد علی الدین ایضا عندابی حنیفة خلافالھما قال فی ادب الاوصیاء و بقولھما یفتی کذا فی الحافظیة والقنیة وسائر الکتب[2] اھ ملخصا، واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	جب میت پر قرض ہو یا اس نے کوئی وصیت کی ہو اور ورثاء نے اس کا قرض اپنے مال سے ادا نہ کیا اور نہ ہی اس کی وصیت کو نافذ کیا تو وصی تمام ترکہ کو بیچ سکتا ہے اگر قرض اس کو محیط ہو اور قرض ترکہ کو محیط نہ ہو تو قرض کے برابر ترکہ میں سے بیچ سکتا ہے۔امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک قرض سے زائد ترکہ کو بھی بیچ سکتا ہے بخلاف صاحبین کے۔ادب الاوصیاء میں کہا کہ فتوٰی صاحبین کے قول پر دیا جائے گا۔ ایسا ہی حافظیہ، قنیہ اور دیگر کتابوں میں ہے، اور اسی کی مثل بزازیہ میں ہے اھ تلخیص (ت) واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۴: از وطن مرسلہ نواب مولوی سلطان علی خان صاحب ۲ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

چہ می فرمایند علماء رحمھم اللہ تعالٰی در وصیت مطلقہ موصی لھم مردوزن باشند تقسیم برایشاں مساوی شود یا للذکر ضعف الانثی۔	کیافرماتے ہیں علماء کرام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم وصیت مطلقہ کے بارے میں جو مردوں اور عورتوں کیلئے کی گئی، تو کیاان سب پر برابر تقسیم ہوگی یا مذکر کے لئے مؤنث سے دگنا ہوگا؟

کیافرماتے ہیں علماء کرام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم وصیت مطلقہ کے بارے میں جو مردوں اور عورتوں کیلئے کی گئی، تو کیاان سب پر برابر تقسیم ہوگی یا مذکر کے لئے مؤنث سے دگنا ہوگا؟

الجواب:

چوں صراحةً واشارةً بہیچ گونہ تفصیل وتفضیل	جب صراحةً اور اشارةً کسی قسم کی تفصیل موجود نہیں

[1] ردالمحتار بحوالہ السائحانی کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۶

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۴

احدالنوعین علی الآخر مستفاد نباشد بہر ہر ہمہ علی السویہ بخش کنند لعدم الفضل بعدم الفصل پس اگر مثلاً برائے اولاد زید وصیت کند پسران ودختران ہمہ برابر باشند واگر برائے ورثہ زید پس للذکر مثل حظ الانثیین زیراکہ تعبیر بلفظ ورثہ دلیل است برآنکہ حیثیت وراثت او ملحوظ داشتہ پس ہم بحساب وراثت خواہند یافت وتمامه فی ردالمحتار[1] من الوصیة للاقارب۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور نہ ہی ایک نوع کی دوسری نوع پر کوئی فضیلت سمجھی جارہی ہے، لہٰذا ہر ایک کو برابر برابر حصہ دیں گے کیونکہ فرق نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہوگی، لہٰذا مثال کے طور پر اگر زید کی اولاد کے لئے وصیت کرے اس میں بیٹے اور بیٹیاں سب برابر ہوں گے، اور اگر زید کے ورثاء کے لئے وصیت کرے اس صورت میں مذکر کا حصہ دو مؤنثوں کے حصہ کے برابر ہوگا اس لئے کہ لفظ ورثاء کے ساتھ تعبیر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے وراثت کی حیثیت کو ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ وہ وراثت کے حساب سے حصہ پائیں گے۔ پوری تفصیل ردالمحتار کے باب الوصیت للاقارب میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۵: از میرٹھ بازارلال کرتی مرسلہ جناب مولوی محمد عبدالسمیع صاحب ۴/رمضان مبارک ۱۳۱۰ھ

بخدمت شریف مخدوم ومکرم محقق ومدقق جناب مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ فیوضہ وبرکاتہ وضاعف اجورہ وحسناتہ، بعد اتحاف ہدیہ سلام مرفوع برائے خورشید انجلائے باد، اس مسئلہ میں آپ کی رائے دریافت کی جاتی ہے کہ ایک عورت نے وصیت کی تھی کہ ایک شخص کو کہ یہ سوپچاس روپیہ میرا ہے اس کا یہ بندوبست کیجیو کہ جب کوئی موسم کا میوہ چلا کرے میری فاتحہ اس پر دلا کر تقسیم کردیا کرو، وصی نے ایسا ہی کیا، لیکن ایسا بھی کیا کہ اس مال مذکور سے کوئی کتاب دینی غریب طالب علم کو دلوادی، اور یہ بھی کیا کہ دہم وچہلم کی تواریخ معینہ میں مساکین کو کھانا کھلادیا فاتحہ دلا کر، اور ایک دو خرچ ایسے کئے کہ اس عورت کے مرنے کی خبر سن کر جو دو ایک جگہ سے آدمی آئے تھے اور اس عورت کا کوئی ولی نہ تھا جو ان کی مہمانی کرتا، ان کی مہمانی میں بھی روپیہ مذکورہ سے کچھ صرف ہوا، اب یہ سب اخراجات بقیاس قاعدہ نذر کا اس میں تعین زمان ومکان ومال وانفاق کی قید پر نظر رکھنا واجب نہیں ہے جائز ہوئی یا نہیں۔ وصی نے ان سب کو مصرف خیر سمجھ کو صرف کردیا کہ مقصود فاتحہ میوہ جات سے ایصال ثواب ہے ایصال ثواب ہوگیا اب

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیة للاقارب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۳۸

جو دس بیس روپیہ باقی ہے اس کا ارادہ ہے کہ مدرسہ میں دے دوں، اب آپ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں میرا رجحان تو جواز کی طرف ہوتا ہے۔

الجواب:

رائے سامی قرین صواب ہے اس لفظ میں کہ تقسیم کردیا کیجو نہ کسی قوم محصورین کے لئے وصیت ہے نہ لفظ منبیٔ حاجت تو ظاہر بطلان وصیت،

کما ھو مقتضی الضابطۃ المعروفۃ فی الوصایا قال فی الدرالمختار والاصل ان الوصیۃ متی وقعت باسم ینبیئ عن الحاجۃ کایتام بنی فلان تصح وان لم یحصوا علی مامر لوقوعھا للّٰہ تعالٰی وھو معلوم وان کان لاینبیئ عن الحاجۃ فان احصوا صحت ویجعل تملیکا والا بطلت وتمامہ فی الاختیار۔[1]	جیساکہ وصیتوں کے بارے میں معروف ضابطہ کاتقاضا ہے، درمختار میں فرمایا ضابطہ یہ ہے کہ وصیت جب ایسے اسم کے ساتھ واقع ہو جو حاجت کی خبر دے جیساکہ فلاں قبیلے کے یتیموں کے لئے، تو یہ وصیت صحیح ہوگی اگرچہ جن کے بارے میں وصیت کی گئی وہ غیر منحصر ہوں، جیساکہ گزرچکا، کیونکہ یہ وصیت اللہ تعالٰی کے لئے واقع ہوئی، اور یہ معلوم ہے، اگر وصیت ایسے اسم کے ساتھ واقع ہو جو حاجت کی خبر نہ دیتا ہو تو اس صورت میں جن کے لئے وصیت کی گئی اگر وہ منحصر ہیں تو وصیت صحیح ہوگی اور اس وصیت کو تملیک قرار دیا جائے گا اور اگر وہ منحصر نہیں تو وصیت باطل ہوگی، اس کی پوری تفصیل اختیار میں ہے۔(ت)

مگر اس کا کہنا "میری فاتحہ دلاکر" یہ بتارہا ہے کہ تقسیم مساکین پر مقصود تو لفظ میں اشعار بحاجت وقربت موجود گویا یوں کہا کہ ہر موسم میں اس کا میوہ خرید کر لوجہ اللہ مساکین پر تقسیم کردیا کرو یہ قطعًا وصیت صحیحہ جائز ہے۔

کذا ھذا فی الھندیۃ عن الخانیۃ مریض قال بالفارسیۃ صددرھم از من بخشش کنید قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ تعالٰی ھی	یُوں ہی ہندیہ میں بحوالہ خانیہ منقول ہے کہ ایک مریض نے فارسی زبان میں کہا "میری طرف سے سَو درہم بخشش کر دو"۔ شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل علیہ الرحمہ نے کہا یہ وصیت باطل ہے

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۰

باطلة لان ھذا للاغنیاء والفقراء جمیعا ولو قال صد درھم از من رواں کنید قال کانت الوصیة جائزة لان ھذا اللفظ یراد بہ القربة۔[1]	کیونکہ یہ اغنیاء اور فقراء سب کے لئے ہے۔اور اگر کہا"میری طرف سے سَودرہم رواں کردو"تو امام ابوبکر نے کہاکہ وصیت جائز ہے، کیونکہ اس لفظ سے قربت مراد ہوتی ہے۔(ت)

اورمذہب صحیح اور مفتی بہ میں موصی جس چیز کی مساکین کے لئے وصیت کرے وصی کواختیار ہے کہ وہ نہ دے اس کی قیمت تصدق کردے وبالعکس یعنی روپے خیرات کرنے کی وصیت ہوتو چیز خرید کر صدقہ کرسکتاہے۔

فیھا عنھا رجل اوصی بان یتصدق عنہ بالف درھم فتصدقوا عنہ بالحنطة او علی العکس قال ابن مقاتل یجوز ذٰلك وقال الفقیہ ابواللیث وبہ ناخذ ولو اوصی بان یباع ھذا العبد ویتصدق بثمنہ علی المساکین جازلھم ان یتصدقوا بنفس العبد ولو قال اشتر عشرة اثواب وتصدق بھا فاشتری الوصی عشرة اثواب لہ ان یبیعھا ویتصدق بثمنھا[2]اھ ملخصًا۔	ہندیہ میں خانیہ ہی کے حوالے سے ہےایک شخص نے وصیت کی کہ اس کی طرف سے ہزار درہم صدقہ کئے جائیں توانہوں نے اس کی طرف سے گندم صدقہ کردی یامعاملہ اس کے بر عکس ہوا۔ابن مقاتل نے کہایہ جائز ہے۔فقیہ ابواللیث نے کہا ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں۔اوراگروصیت کی کہ اس کا یہ غلام بیچ دیاجائے اوراس کی قیمت صدقہ کردی جائے توان کے لئے جائز ہے کہ وہ خود غلام کوصدقہ کردیں۔اوراگرکہادس کپڑے خریدواوران کوصدقہ کردو۔پھروصی نے دس کپڑے خریدلئے تواسے اختیار ہے کہ وہ ان کپڑوں کو بیچ دے اوران کی قیمت صدقہ کردے الخ تلخیص(ت)

یونہی اس کے کلام سے اس صدقہ کاچند موسم بدفعات اداکرنانکلتاہے اس کااتباع بھی ضرور نہیں وصی کواختیار ہے کہ ایک وقت میں سب روپیہ تصدق کردے،

فیھاعنھالوقال اوصیت	ہندیہ میں خانیہ سے ہی منقول ہے،اگرکہا

[1] الفتاوی الھندیہ کتاب الوصایا الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۹۵

[2] الفتاوی الھندیہ کتاب الوصایا الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۳۴

بان یتصدق من ثلثی کل سنة مائة درھم فالوصی یتصدق بجمیع الثلث فی السنة الاولٰی ولایوزع علی السنة[1] اھ وفیھا عن الخلاصة عن النوازل لو اوصی بان یتصدق فی عشرة ایام فتصدق فی یوم جاز۔[2]	"میں نے وصیت کردی کہ میرے ترکہ کے ثلث میں سے ہر سال سَو درہم صدقہ کئے جائیں" تو اس صورت میں وصی پہلے ہی سال پورے ثلث کو صدقہ کردے اور اس کو سالوں پر تقسیم نہ کرے اھ ہندیہ میں بحوالہ خلاصہ نوازل سے منقول ہے اگر وصیت کی کہ دس دنوں میں صدقہ کیا جائے، اور وصی نے ایک دن میں صدقہ کردیا تو جائز ہے۔ (ت)

پس وصی نے جو کتاب اس مال سے خرید کرکے مسکین کو دی یا مساکین کو کھانا کھلایا سب جائز و بجا واقع ہوا، یونہی اب جو روپیہ باقی ہے جائز کہ مدرسہ کے طلبہ مساکین کو نقد یا کپڑا یا کھانا یا کتابیں خرید کردے دے خواہ امداد طلبہ مساکین کو جو تنخواہ مقرر ہو اس میں صرف کردے غرض جس قدر وجوہ تصدق ہیں سب کا اختیار رکھتا ہے رہا وہ کھانا کہ اہل تعزیت کو کھلایا اگر وہ محل تصدق تھے اور انہیں بطور تصدق کھلایا جائز ہوا، اور اگر اغنیاء تھے ناجائز، اور اس قدر روپے کا تاوان ذمہ وصی لازم، مگر یہ کہ اسے دھوکا ہوا اور اپنے نزدیک محل صدقہ جان کر تصدق کیا ہو،

فیھا عن التاتارخانیة سئل عن رجل اوصی بثلث مالہ للفقراء فاعطی الوصی الاغنیاء وھو لایعلم قال محمد رحمہ اللہ تعالٰی لایجزیہ والوصی للفقراء ضامن فی قولھم جمیعا۔[3]	ہندیہ میں تاتارخانیہ سے منقول ہے، اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے فقیروں کے لئے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور وصی نے لاعلمی میں اغنیاء کو دے دیا، امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ کفایت نہ کرے گا۔ اور تمام ائمہ کے قول کے مطابق وصی فقیروں کے لئے ضامن ہوگا۔ (ت)

اسی طرح اگر کھانا بطور تملیک نہ تھا بلکہ جس طرح دعوت میں بر سبیل اباحت کھلایا جاتا ہے کہ

[1] الفتاوی الھندیة کتاب الوصایا الباب الثامن مسائل شتی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۳۵
[2] الفتاوی الھندیة کتاب الوصایا الباب الثامن مسائل شتی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۳۴
[3] الفتاوی الھندیة کتاب الوصایا الباب الثامن مسائل شتی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۳۵

کھانے والوں کو طعام کامالک نہیں کیاجاتا ہے بلکہ مِلک مالک پراس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں، تو بھی ناجائزاور تاوان لازم ہوگا،

فانہ انما کان مامورا بالتصدق ولاتصدق الا بالتملیک ولاتملیک فی الاباحۃ وکل ذٰلک ظاھر عـــہ عند من لہ المام بالفقۃ، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ اس کو توفقط صدقہ کرنے کاحکم دیاگیاتھااور صدقہ تملیک کے بغیر نہیں ہوتا۔اوراباحت میں کوئی تملیک نہیں۔ یہ سب کچھ اس شخص کے لئے ظاہر ہے جس کو فقہ کے ساتھ کچھ بھی تعلق ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے بحالت شدت مرض میں کہ امید حیات قطع ہوچکی تھی اور طاقت حس وحرکت بالکل نہ تھی مگر ہوش وحواس باقی تھے ایک دستاویز ہبہ نامہ اپنی دختر کے نام اس طور پر لکھی کہ اس میں ایک دکان خاص اپنی مملوکہ اورایک مکان کہ واقع میں مملوک دختر ہی تھاشامل اوراسی حالت میں ایک حویلی اپنی ماں کو بقدر سہام شرعی اس کے لائق ہوگی ہبہ لکھ دی اور زر ثمن معاف کردیااوراپنے خرچ دفن کے لئے تیس روپیہ اپنی بیٹی کے سپرد کر دیئے اوروصیت کردی کہ یہ روپے میری تجہیز وتکفین میں خرچ کرنا اگرزیادہ ضرورت ہوتو میرے زیور سے کوئی چیز بیع کر ڈالنااورایک دکان جو میرے مال سے باقی ہے اس میں سے ڈھائی سوروپے جو مجھ پر قرض ہیں ادا کرنااور کچھ مسجد وغیرہ میں خرچ کرنا اور میرے بھائیوں کو دینااس وقت کسی شخص نے کہا تمہارے بھائی مسکین ہیں اور حاجتمند ہیں ان کاحق پوراادا کرنا خرچ مسجد وغیرہ سے اولٰی ہے توکہاجو شریعت سے ہو اور بہتر ہو بعدہ ہندہ نے ایک دختر اور تین برادر حقیقی اورماں چھوڑ کرانتقال کیا اس صورت میں اشیائے منقولہ وغیر منقولہ کس طرح تقسیم ہوں گی اورہر ایک کو کتنا کتنا پہنچے گااوروہ دستاویز جائز یاناجائزاور بھائیوں کاحق پورادیاجائے گا یانہ اورخرچ تجہیز وتکفین میں کیاداخل ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل مظہر کہ ہندہ نے اسی حالت میں دوایک روز بعد وفات پائی توصورت مستفسرہ میں وہ

عـــہ: ھٰھناسقط ولعلہ عند صح ۱۲ اختر رضاخاں ازہری غفرلہ

مرض بلاشبہہ مرض الموت تھا،

فی الدرالمختار قیل مرض الموت ان لایخرج لحوائج نفسه وعلیه اعتمد فی التجرید بزازیة و المختار انه ماکان الغالب منه الموت وان لم یکن صاحب فراش قهستانی عن هبة الذخیرة[1]۔	درمختار میں ہے کہا گیا ہے کہ مرض الموت یہ ہے کہ مریض اپنی حاجتوں کے لئے گھر سے نہ نکل سکے، اسی پر اعتماد کیا ہے تجرید میں (بزازیہ)، اور مختار یہ ہے کہ اس کے سبب سے غالب موت ہو اگرچہ وہ صاحب فراش نہ ہو اور یہ بات قہستانی نے ذخیرہ کے باب الہبہ سے نقل کی۔ (ت)

اگرچہ ہوش وحواس بالکل صحیح ہوں کہ اختلال کچھ مرض الموت کے لئے شرط نہیں،

والالم تکن تبرعاته نافذة فی الثلث موقوفة فی الزائد مثلاً بل بطلت عن اٰخرها کمالایخفٰی۔	ورنہ یوں نہ ہوگا کہ اس کے تبرعات ایک تہائی میں نافذ ہوں اور اس سے زائد میں موقوف ہوں، بلکہ یہ وصیت سرے سے ہی باطل ہوگی جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

پس ہندہ نے جو مال اپنا اپنی دختر کو ہبہ کیا بشرطیکہ اپنی زندگی میں دختر کا قبضہ کاملہ کرادیا ہو اور جو کچھ اپنی ماں کے ہاتھ بیچا اور وہ زرِ ثمن کہ ماں کو معاف کیا اور دکان باقیماندہ سے بعد ادائے قرض جو بھائیوں کو کچھ دینا کہا چاروں تصرف اجازت باقی ورثہ پر موقوف ہیں ہبہ بنام دختر میں مادر و برادران کی اجازت درکار ہے اور بیع وہبہ ثمن بنام مادر میں دختر و برادران اور بھائیوں کو کچھ دینے کے باب میں مادر و دختر کی اجازت چاہئے جس تصرف کو باقی سب ورثہ جائز رکھیں گے بشرطیکہ وہ عاقل بالغ ہوں پورا نافذ ہوجائے گا جیسے باقی ورثہ سے کوئی اجازت نہ دے بالکل باطل ہوجائے گا اور جسے بعض اجازت دیں بعض نہ دیں تو صرف اجازت دہندہ عاقل بالغ کے حصہ میں نفاذ پائے گا باقی کے حصہ میں باطل وبے اثر ہوگا تو جس چیز میں باقی سب ورثہ کی اجازت معتبر شرعیہ ہوگئی وہ تمام وکمال اسی کو ملے گی جس کے نام ہندہ نے کردی دوسری کے ورثہ اس میں سے اصلاً حصہ نہ پائیں گے اور کسی کی اجازت نہ ہوئی تو وہ کل ترکہ میں شامل کی جائے گی اور بعض کی ہوئی اور بعض کی نہ ہوئی تو اجازت نہ دینے والے اس میں سے حصہ پائیں گے اور دینے والوں کا حصہ اسے جس کے نام وہ چیز کی گئی تھی

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۰

اور بھائیوں کے نام وصیت میں کچھ دینا ہے جس کی مقدار ہندہ نے معین نہ کی توان کی تعین مقدار مادر و دختر کے متعلق ہوگی اگر دونوں اس وصیت کو جائز رکھیں تو دونوں سے کہا جائے گا تو اپنے حصہ سے جو مناسب سمجھے بنام وصیت انہیں دے، اور ان سب صورتوں میں اجازت وہ معتبر ہوگی جو بعد موت ہندہ واقع ہوئی مثلاً حیات ہندہ میں کسی تصرف کو کوئی وارث تسلیم کر چکا تھا اس کی موت کے بعد اب جائز نہیں رکھتا تو وہ اجازت نہ دیناہی ٹھہرے گا مگر بعد موت اجازت دے کر پھرنے کا کسی کو اختیار نہیں مثلاً موت ہندہ پر کسی وارث نے ان میں سے کسی تصرف کی اجازت دے دی تو اس کی طرف سے اجازت ہوگئی اور اس کے حق میں نافذ ہو چکا اب اس سے رجوع نہیں کر سکتا۔ رہی مسجد وغیرہ کے لئے وصیت جبکہ ہندہ نے اسے قائم نہ رکھا بلکہ کہہ دیا جو شریعت میں بہتر ہو تو حکم شرع یہ ہے کہ تہائی مال سے کم کی وصیت اگرچہ مستحب ہے مگر جب ورثہ محتاج ہوں اور انہیں اس کے متروکہ سے ہر ایک کو اتنا نہ پہنچتا ہو جو اسے غنی کردے تو وصیت کا ترک ہی اولیٰ ہے، اور غنی ہونے کی مقدار یہ ہے کہ ہر وارث محتاج کو کم سے کم چار ہزار درہم کے قدر مال پہنچے جو یہاں کے روپے سے گیارہ سو بیس روپے ہوتے ہیں پس اگر ہندہ کا مال جو شرعاً بعد لحاظ مسائل مذکورہ بالا اس کا ترکہ قرار پائے بعد ادائے دین واخراج وصیت دس ہزار اسی روپے کی مالیت کا رہے تو وصیت بنام مسجد وغیرہ نافذ کی جائے گی اور اس کے مقدار کا بیان پانچوں وارثوں کے متعلق ہوگا جو ان کا جی چاہے دے دیں جب اتنی مالیت قابل تقسیم ورثہ رہے تو ہر بھائی کو گیارہ سو بیس کا پہنچے گا جو اسے غنی کردے گا اور ایسی حالت میں وصیت افضل ہے اور اگر اتنی مالیت نہ بچے تو وصیت بنام مسجد وغیرہ منسوخ ہوگئی کہ اس صورت میں افضل ترک وصیت ہے اور تجہیز و تکفین سے مصارف غسل وکفن ودفن بقدر سنت مراد ہیں فاتحہ درود کے خرچ اس میں شامل نہیں،

فی الدرالمختار اعتاقہ ومحاباتہ وھبتہ و وقفہ و ضمانہ کل ذٰلک حکمہ کحکم وصیۃ[1] اھ	درمختار میں ہے مریض کا آزاد کرنا، بیع میں سہولت برتنا، ہبہ کرنا، وقف کرنا اور اس کا ضامن ہونا ان میں سے ہر ایک کا حکم وصیت کے حکم کی طرح ہے اھ

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۷

فی ردالمحتار قولہ ھبتہ امااذامات ولم یقبض فتبطل الوصیۃ لان ھبۃ المریض ھبۃ حقیقۃ وان کانت وصیۃ حکما کما صرح بہ قاضیخاں وغیرہ عن المکی[1] اھ وفی الدرلالوارثہ الاباجازۃ ورثتہ وھم کبار عقلاء فلم تجز اجازۃ صغیرومجنون ولواجاز البعض وردالبعض جاز علی المجیز بقدر حصتہ[2] اھ وفیہ وقف بیع المریض لوارثہ علی اجازۃ الباقی[3] وفی ردالمحتار ولوبمثل القیمۃ وان مات منہ و لم تجز الورثۃ بطل فتح[4] اھ وفی الدر ولاتعتبر اجازتھم حال حیاتہ اصلا بل بعد وفاتہ[5] اھ

ردالمحتار میں ہے کہ ماتن کا قول "اس کا ہبہ کرنا" اس کا مطلب یہ ہے کہ موت سے پہلے اس پر قبضہ ہوجائے، لیکن اگر وہ مر گیا اور قبضہ نہ کیا تو وصیت باطل ہوجائے گی کیونکہ مریض کا ہبہ درحقیقت ہبہ ہے اگرچہ حکماً وصیت ہے جیسا کہ قاضیخان وغیرہ نے مکی کے حوالے سے اس کی تصریح کی الخ۔ درمختار میں ہے کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں سوائے دوسرے وارثوں کی اجازت کے اس حال میں کہ وہ بالغ اور عاقل ہوں، لہٰذا نابالغ اور مجنون کی اجازت جائز نہیں۔ اگر بعض وارثوں نے اجازت دی اور بعض نے رَد کردیا اجازت دینے والے پر اس کے حصہ کے برابر جائز ہے اھ اسی میں ہے کہ مریض کی بیع کسی وارث کے لئے باقی وارثوں کی اجازت پر موقوف ہوگی، ردالمحتار میں ہے اگرچہ مثلی قیمت کے ساتھ ہو، اگر وہ مر گیا اور وارثوں نے اجازت نہیں دی تو وہ بیع باطل ہوگئی، فتح اھ۔ درمختار میں ہے کہ اس کی زندگی میں وارثوں کی اجازت بالکل معتبر نہیں بلکہ اس کی وفات کے بعد اھ

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۳۵

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی ۲/ ۳۱۹

[3] الدرالمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی ۲/ ۳۲

[4] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی ۴/ ۱۳۹

[5] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۷

وفیه اذا اوصی بالزیادة علی الثلث او لقاتله او لوارثه فاجازتها الورثة حیث لایکون لهم المنع بعد الاجازة بل یجبروا علی التسلیم لما تقرر ان المجاز له یتملکه من قبل الموصی عندنا وعند الشافعی من قبل المجیز[1] اھ وفیه وبجزء او سهم من ماله فالبیان الی الورثة یقال لهم اعطوه ماشئتم اھ[2] فی رد المحتار مثله الحظ والشقص و النصیب والبعض جوهرة[3] اھ و فی الدر ندبت باقل منه ولو عند غنی ورثته او استغنائهم بحصتهم کما ندب ترکها بلا غنی او استغناء لانه ح صلة وصدقة[4] اھ فی رد المحتار صیرورتهم اغنیاء بان یرث کل منهم	اسی میں ہے کہ جب ایک تہائی سے زائد کی وصیت کی یا اپنے قاتل کے لئے وصیت کی یا اپنے کسی وارث کے لئے وصیت کی اور دوسرے وارثوں نے اس کی اجازت دے دی، تو اب ان وارثوں کو اجازت دینے کے بعد روکنے کا اختیار نہیں، بلکہ اس کو سونپنے پر وہ مجبور کئے جائیں گے کیونکہ یہ بات ثابت ہوچکی کہ جس کے لئے اجازت دی گئی ہمارے نزدیک وہ وصیت کرنے والے کی طرف سے مالک بنتا ہے اور امام شافعی کے نزدیک اجازت دینے والے کی طرف سے اھ، اور اسی میں ہے کہ اپنے مال کی ایک جزء یا ایک حصہ کی وصیت کی تو اس کا بیان وارثوں کے سپرد ہوگا ان کو کہا جائے گا کہ جو حصہ چاہو اس کو دے دو اھ۔ ردالمحتار میں ہے اسی کی مثل حکم ہوگا اگر مرنے والے نے اپنے مال میں کسی حظ، شقص، نصیب یا بعض کی وصیت کی، جوہرہ الخ۔ درمختار میں ہے ایک تہائی مال سے کمتر میں وصیت کرنا مستحب ہے اگرچہ وہ وصیت وارثوں کی مالداری کے ساتھ ہو یا میراث کے حصوں کی وجہ سے ان کو استغناء حاصل ہو رہا ہو جیسا کہ وارثوں کے مالدار نہ ہونے اور میراث کے حصوں کے سبب

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیة بثلث المال مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۶-۳۲۷

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیة بثلث المال مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۴

[3] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیة بثلث المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۹

[4] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۸

اربعۃ اُلاف درھم علی ماروی عن الامام اویرث عشرۃ الآف درھم علی ماروی عن الفضلی القھستانی عن الظھیریۃ واقتصر الاتقانی علی الاول[1] اھوفی الدر وللموصی الرجوع عنھا بقول صریح او فعل[2] الخ وفی الطحطاوی علی الدرالتجھیز لایدخل السبح و الصمدیۃ والجمع والموائد لان ذٰلک لیس من الامور اللازمۃ[3] الخ۔	مستغنی نہ ہونے کی صورت میں وصیت کو ترک کرنا مستحب ہے کیونکہ اس صورت میں ترک وصیت صلہ رحمی اور صدقہ ہے اھ۔ ردالمحتار میں ہے ان کے غنی ہونے کی صورت یہ ہو گی کہ ہر ایک ان میں سے چار ہزار درہم کا وارث بنے جیسا کہ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ سے منقول ہے، یا دس ہزار درہم کا وارث بنے جیساکہ امام فضلی قہستانی سے بحوالہ ظہیریہ منقول ہے، اتقانی نے قول اول پر اقتصار کیا اھ۔ در مختار میں ہے کہ موصی کو وصیت سے رجوع کا اختیار ہے چاہے صریح قول کے ساتھ رجوع کرے یا فعل کے ساتھ الخ۔ درمختار کے حاشیہ طحطاوی میں ہے کہ دعا و درود، ختم قل وچہلم، لوگوں کا اجتماع اور کھانے کا اہتمام وغیرہ تجہیز میں داخل نہیں کیونکہ یہ امور لازمہ میں سے نہیں الخ۔ (ت)

ان سب مسائل مذکورہ کے بعد جو متروکہ ہندہ ٹھہرے بعد خرچ تجہیز و تکفین وادائے دین واجزائے وصیت بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین اٹھارہ سہام پر منقسم ہو کر تین سہم مادر اور نو دختر اور دو دو ہر برادر کو ملیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ مری اس نے اپنی حیات میں وصیت کی کہ میرا جو کچھ ہے وہ سب راہ خدا یعنی تعمیر مسجد وغیرہ میں خرچ کیا جائے۔ اب از روئے شرع کے جو حکم ہو وہ کیا جائے اور اس کے وارثوں میں ایک زوج اور دو دختر اور ماں باپ اور ایک برادر اور ایک ہمشیرہ اس نے چھوڑی اور زیور ساختہ زوج کا وہ زوج کے پاس ہے کس کا حق قرار پائے گا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

سائل مظہر کہ اُن وارثوں میں دونوں لڑکیاں نابالغہ ہیں اور زیور کہ زوج نے بنایا صرف پہننے کو

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۸

[2] الدر المختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۶۷

دیا تھا عورت کو ہبہ نہ کیا تھا، وہاں تملیک کا عرف ہے، بلکہ یونہی پہننے کو بنادیتے ہیں۔پس صورت مستفسرہ میں اگرسب بیان واقعی ہیں توزیورساختہ زوج ملک زوج ہے اس میں ورثہ زوجہ کاکچھ حق نہیں اور متروکہ عورت سے اگراس پر کوئی دین ہو اداکیاجائے اس کے بعد جو باقی بچے اس کاایک ثلث تعمیر مسجد وغیرہ میں حسب وصیت صَرف کردیں اگرچہ ورثہ راضی نہ ہوں دو ثلث کہ باقی رہے اس کی تقسیم برتقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین پندرہ سہام میں سے زوج کے تین ماں باپ کے دودو، ہر دختر کے چار چار اور برادر وخواہر کاکچھ نہیں پھرایک ثلث میں وصیت نافذ کرنے کے بعد دو ثلث باقی ماندہ سے دونوں بیٹیوں کاحصہ توضرور ہے دیاجائے گا کہ بوجہ نابالغی ان کے حق میں وصیت کسی طرح عمل نہیں کرسکتی باقی تینوں وارثوں میں جو شخص وصیت کی اجازت نہ دے اس کاحصہ اسے دیاجائے گااور جو جائز رکھے اس کاحصہ بھی وصیت کے مطابق صَرف کردیاجائے گا، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۸: ۱۰جمادی الاولٰی ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی محبوب علی نے اپنی حالت صحت ونفاذ تصرفات میں اپنی جائداد مملوکہ مقبوضہ اپنی زوجہ ہندہ کے نام بعوض اس کے دین مہر کے منتقل کردی بعدہ محبوب علی کاانتقال ہوا، اب ہندہ نے ایسی حالت میں کہ اسے مرض فالج ہوچکاتھا جسے ایک سال سے زائد گزرااوراب کوئی حالت اس کی ترقی روزانہ اوراس سے غلبہ خوف ہلاک کی نہ تھی بلکہ مزمن ہوچکاتھا وہ جائداد اپنے شوہر کے بھانجے کو اس کے حسن خدمت کے صلہ میں ہبہ کی اور شرعی اور نیز قانونی تکمیل کردی، ہندہ ہنوز زندہ ہے، اب زید کہ محبوب علی کے چچاکی اولاد میں اور اس کاعصبہ ہے اس ہبہ پر فرض ہوتا اور جائداد میں اپنا حصہ بتاتاہے اس صورت میں اس کایہ دعوی مسموع اور ہبہ مذکورہ باطل ومرفوع ہوگا یانہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ہبہ مذکورہ تام وکامل اور دعوی زید نامسموع وباطل، محبوب علی نے جو جائداد اپنی صحت میں اپنی زوجہ کو بعوض دین مہردے دی محبوب علی وورثہ محبوب علی کو اس سے کچھ تعلق نہ رہا، ہندہ اس کی مالک مستقل ہوگئی مالک کو اختیار ہے کہ اپنی صحت میں اپنامال جسے چاہے دے دے کسی کو اس پر اعتراض نہیں پہنچتا، زید اگرچہ بذریعہ وراثت محبوب علی مدعی ہے تووراثت محبوب علی کومال ہندہ سے کیاعلاقہ، اوراگر وہ ہندہ کا بھی وارث شرعی اوراس بناپر مدعی ہے تاہم حیات مورث میں دعوی وراثت کیامعنی، ہاں اگر کوئی شخص مرض موت میں اپنامال کسی کو ہبہ کرے تو

وہ ہبہ بمنزلہ وصیت ہوتا ہے جس کا اثر یہ کہ بعد موت واہب اس کے ورثہ کو ثلث کو کل متروکہ واہب کے لحاظ سے اگر ہبہ میں کچھ زیادت ہوئی ہو تو صرف اس مقدار زائد میں اختیار اعتراض ہے زندگی واہب میں یہ اعتراض بھی نہیں پہنچتا کہ ابھی اس مرض کا مرض ہونا ہی معلوم نہیں، کیا معلوم کہ شفا ہو جائے تو مرض موت نہ رہے کہ مرض موت تو وہ مرض مہلک ہے جس میں موت واقع ہو جائے معہذا حیات مورث میں اس کے ثلث مال کی تعیین بھی ناممکن جس سے خیال کرسکیں کہ یہ ہبہ اس حد کے اندر یا اس سے زائد ہے، کیا معلوم کہ جو مال اب ہے اس سے زائد اسے کسی وجہ سے اور حاصل ہو جائے کہ جسے اس وقت ثلث سے زائد تصور کرتے ہیں ثلث سے کم رہ جائے، پھر ہندہ کا مرض مذکور کو مرض موت کی اصل جنس ہی سے خارج کہ جو مرض مزمن ہو جائے وہ مرض موت نہیں رہتا اگرچہ اس میں موت واقع ہو۔ بالجملہ دعوی زید اصلاً کسی طرح کوئی وجہ صحت نہیں رکھتا۔ درمختار کتاب الاقرار میں ہے:

تصرفات المریض نافذة وانما تنقض بعد الموت[1]۔	مریض کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں البتہ موت کے بعد وہ ختم ہو جاتے ہیں (ت)

ہدایہ میں ہے:

لامعتبر باجازتهم فی حال حیاته لانها قبل ثبوت الحق اذالحق یثبت عند الموت[2]۔	موصی کی زندگی میں وارثوں کی اجازت معتبر نہیں کیونکہ یہ ثبوت حق سے قبل ہوئی اس لئے کہ وارثوں کا حق تو موت کے وقت ثابت ہوتا ہے (ت)

عالمگیری میں ہے:

یعتبر کونه وارثا اوغیروارث وقت الموت لاوقت الوصیة[3]۔	وارث ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار موت کے وقت ہوتا ہے نہ کہ وصیت کے وقت (ت)

درمختار میں ہے:

هبة مقعد وفالج ومسلول من کل ماله ان طالت مدته سنة ولم یخف	مقعد، مفلوج اور سِل کے مریض کا ہبہ کا کل مال میں نافذ ہوتا ہے جبکہ بیماری سال تک لمبی ہو گئی اور

[1] الدرالمختار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۷

[2] الهدایة کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

[3] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۹۰

موتہ منہ لانہا امراض مزمنۃ[1] اھملخصًا	موت کا خوف اس بیماری سے نہ رہا ہو کیونکہ یہ لمبی بیماریاں ہیں اھ تلخیص (ت)

ردالمحتار میں ہے:

المراد من الخوف الغالب منہ لانفس الخوف کفایۃ[2]۔	خوف سے مراد خوف کا غالب ہونا ہے نہ کہ نفس خوف، کفایۃ (ت)

اسی میں ہے:

المانع من التصرف مرض الموت وھو مایکون سببا للموت غالبا وانما یکون کذٰلک اذاکان بحیث یزداد حالا فحالا الی ان یکون اٰخرہ الموت[3]۔ واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم۔	تصرف سے مانع مرض الموت ہے اور وہ غالبًا موت کا سبب ہوتی ہے۔ اور بیشک ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ بیماری دن بدن بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی انتہاء موت پر ہوتی ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۹: ۲۲/رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ مرسلہ جمیل احمد صاحب پیلی بھیت محلّہ پکریا

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد سے بقید حیات اپنے عمرو کے واسطے اور بعد انتقال عمرو کی زوجہ کے واسطے مبلغ دوروپیہ مشاہرہ مقرر کیا تھا بقضائے الٰہی زید اور عمرو نے انتقال کیا اور زوجہ عمرو متوفی موجود ہے اس حالت میں زوجہ مذکورہ اس مشاہرہ مقررہ کی جو زید نے یعنی بقید حیات مقرر کیا تھا شرعًا ورثاء زید سے مستحق پانے کی ہے یا نہیں؟

الجواب:

سائل مظہر کہ بعد انتقال سے مراد بعد انتقال عمرو ہے تو یہ وصیت نہ ہوئی فان الوصیت انما تکون مضافۃ الی مابعد الموت (کیونکہ وصیت تو موت کے مابعد کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ت) بلکہ صرف اپنی زندگی تک ایک تبرع کا وعدہ تھا ولا جبر علی تبرع ولاعلی وفاء وعد (تبرع اور وعدہ پورا کرنے پر جبر نہیں ہوتا۔ت) اور سائل مظہر کہ زید نے اپنی حیات تک وعدہ وفا بھی کیا انتقال عمرو

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۲۰

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۳

[3] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۳

سے پیشتر ہوا، غرض صورت مذکورہ میں خواہ وفائے وعدہ ہوا یا نہ ہوا زوجہ عمرو اس مشاہرہ کا مطالبہ نہ ورثائے زید سے کرسکتی ہے نہ ترکہ زید سے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۰: مسئولہ نواب محمد میاں خاں صاحب ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک موضع کی نسبت وصیت کی کہ میرے باپ کے اور میرے وقت سے جو جو جس جس کا مقرر ہے وہ اس کی توفیر سے ادا ہوتا رہے، خالد نے موضع مذکور کا ٹھیکہ لیا اور تین برس تک حقوق مستحقین کو نگاہ رکھا اب اس نے بالکل بند کرلیا شرعاً خالد کا زندہ زید کو ایسا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ اور وصیت مذکورۃ الصدر شرعاً درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

وصیت جبکہ ثلث کل متروکہ موصی بعد ادائے دین سے زائد نہ ہو تو واجب النفاذ ہے وارث بھی اسے بند نہیں کرسکتے نہ کہ کارندہ یا ٹھیکیدار تو کل موضع مذکور اگر ثلث متروکہ زید سے زائد نہیں تو یہ وصیت بتمامہا ہمیشہ نافذ رہے گی۔

فی التنویر تجوز بالثلث للاجنبی وان لم یجز الوارث ذٰلک[1] **اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم**	تنویر میں ہے اجنبی کے لئے ایک تہائی میں وصیت جائز ہے اگرچہ وارث اس کی اجازت نہ دے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۱: از لکھنؤ محمود نگر اصح المطابع مرسلہ مولوی محمد عبدالعلی صاحب مدراسی ۱۸ صفر ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کچھ روپے اور بعض چیزیں اپنی بہن کو دے کر یہ کہا کہ اسے اپنے پاس رکھو یا تو وقتاً فوقتاً ہم لے لیا کریں گے یا اگر ہمارا انتقال ہوگیا تو تم اس کو ہمارے نام پر صدقہ کردینا ہم کو تم سے امید ہے کہ تم ہمارے بعد صدقہ کردوگی بخلاف باپ کے کہ ان سے امید نہیں اس کے بعد وہ شخص کچھ دن پیچھے مرگیا اب وارث اس کی بی بی اور اس کا باپ ہے تو آیا بہن حسب وصیت بھائی کے ان روپوں اور چیزوں کو بلا اطلاع ورثہ صدقہ کردے یا ورثہ کے حوالے کردے خواہ وہ صدقہ کریں یا نہ کریں مگر امید صدقہ کی نہیں پائی جاتی۔ **بیّنوا توجروا۔**

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۷

الجواب:

اگر وہ مال کل متروکہ شخص مذکور بعد ادائے مہر و دیگر دیون کے ثلث سے زائد نہیں تو وصیت بلااجازت ورثہ نافذہ ہے بہن کہ وصیہ ہے بلااطلاع ورثہ صدقہ کرسکتی ہے اور اگر زائد ہے تو صرف قدر ثلث تصدق کرسکتی ہے زیادہ میں حاجت اجازت ورثہ ہے اگر اجازت نہ دیں قدر زائد انہیں واپس دے اور اگر مہر یا اور کوئی دین تمام ترکہ کو محیط ہے تو وصیت اصلاً نافذ نہیں سب مال دین میں دیا جائے گا مثلاً مورث نے تین سو روپے کا مال وصیہ کے پاس رکھوایا اور سات سو روپے کا اور متروکہ ہے اور اس پر مہر وغیرہ کوئی دین نہیں تو ظاہر ہے کہ تین سو روپیہ ہزار روپے کے ثلث سے کم ہیں یا اس صورت میں مثلاً سو روپے کا مہر وغیرہ دین ہے تو ہزار میں سے دین کے سو نکل کر نو سو رہے یہ تین سو روپے ان کے ثلث سے زائد نہیں ان دونوں صورتوں میں پورا تین سو کا مال بہن تصدق کردے اور اگر مہر وغیرہ دیون کی مقدار چار سو روپے ہے تو بعد ادائے دیون چھ سو بچیں گے تین سو میں اس کے ثلث سے سو روپے زائد ہیں لہٰذا دو سو تصدق کرے اور سو کا تصدق اجازت ورثہ پر موقوف ہے اور اگر ہزار روپے یا اس سے زائد مقدار مہر و دیون ہے تو کچھ تصدق نہ کرے سب ان کی ادا میں صرف کیا جائے۔

والاحکام کلھا واضحۃ جلیلۃ معلومۃ متداولۃ فی عامۃ الکتب الفقھیۃ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اور احکام تمام کے تمام واضح، روشن، معلوم اور فقہ کی عام کتابوں میں موجود ہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۲: ۲۲/ صفر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس (ماصہ) روپے بکر کے جمع ہیں اور بکر مرگیا اور اس کی وارث ایک بی بی ہے کہ اس نے اب دوسرا نکاح کرلیا ہے اور ایک بھائی حقیقی اور دو بھائی چچازاد ہیں تو ہر ایک کو اس میں سے کس قدر حصہ ملنا چاہئے اور سوائے اس کے ارادہ بکر کا حج کا تھا اور حج اس پر فرض بھی تھا لیکن مرتے وقت کوئی وصیت اس روپے کی بابت نہیں کی تھی سو اس صورت میں زید اگر چاہے تو اس کی طرف سے حج بھی کراسکتا ہے یا نہیں فقط مکرر یہ کہ مرتے وقت بکر کے حواس بھی درست نہیں تھے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

زید کو اس روپے میں کسی تصرف کا اختیار نہیں کہ وہ امانت دار تھا اب اس امانت کے مالک وارثان بکر ہوئے زید پر واجب ہے کہ سب روپے انہیں واپس دے۔

(اللہ تعالٰی فرماتا ہے) بیشک اللہ عزوجل حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچادو۔	قال اللہ تعالٰی " اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا " [1] ۔

روپے اور جو کچھ ترکہ بکر ہو بر تقدیر عدم موانعات ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم دین ومہر ووصیت چار سہم پر منقسم ہو کر ایک سہم اس کی زوجہ اور تین حقیقی بھائی کو پہنچیں گے چچازاد بھائیوں کا کچھ حق نہیں، نکاح ثانی کرلینا عورت کے مہر یا میراث کو ساقط نہیں کرتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۳ : کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے وقت فوت گواہوں کے روبرو کہاکہ میرا کچھ قرض میری بہنوں پر آتا ہے وہ میں نے بعوض ان کے حصے کے اپنے ترکہ میں معاف کیا اب وارث میری صرف دو دختر ہیں، بعدہ چاروں وارث اپنے چھوڑ کر فوت ہوا، اس صورت میں ترکہ اس کا کس طرح منقسم ہوگا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب :

تخارج وغیرہ کوئی عقد نسبت ترکہ کہ حیات مورث میں ہو صحیح نہیں تو یہ قول زید کاکأن لم یکن (نہ ہونے کے برابر ہے۔ ت) اب اگر خواہریں اس کی اس بات پر راضی ہوجائیں کہ بدلہ عــہ قرضہ کے ترکہ سے دست بردار ہوں تو سب ترکہ زید بالمناصفہ اس کے دختروں کو پہنچے گا اور خواہروں کو کچھ نہ ملے گا اور اگر نہ راضی ہوں تو کل ترکہ مع اس قرضہ کے جو خواہروں پر ہے بر تقدر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وتقدیم امور کاداء الدین واجراء الوصیہ وانحصار ورثہ فی المذکورین چھ سہام پر منقسم ہو کر دو دو سہم دختروں اور ایک ایک خواہروں کو ملے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر یتامٰی کے اولیاء واوصیاء ان کے مال سے قدرے شیرینی وغیرہ کوئی چیز ہدیۃً کسی کو بھیجیں تو اسے لینا جائز یا ناجائز؟ اور اگر بغرض تالیف قلوب ومحابت یا بجہت قرابت رحمی اس شرط پر لے کہ اتنا ہی یا اس سے زیادہ معاوضہ کروں گا تو کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

عــــہ: لعل الصواب قرضہ کے بدلہ ۱۲ ازہری غفرلہ۔

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵۸

الجواب:

وہ ولی جسے مال یتیم میں تصرف جائز ہو تین ہیں، باپ کا وصی، دادا اور دادا کا وصی۔ ان کے سوا اور اقارب اگرچہ مادر و برادر و عم و خواہر ہوں انہیں راسا تصرف فی المال کا اختیار نہیں۔

فی الدرالمختار ولیہ احد اربعۃ الاب ثم وصیہ ثم الجد ثم وصیہ[1] اھ ملخصًا۔	درمختار میں ہے اس کا ولی چار میں سے کوئی ایک ہوگا باپ پھر اس کا وصی۔ دادا پھر اس کا وصی اھ تلخیص۔ (ت)

اب رہے اولیائے ثلٰثہ انہیں بھی یہ مجال نہیں کہ مال یتیم کسی کو بخش دیں یا ہدیۃً دیں یا کسی طرح کا تبرع اس سے عمل میں لائیں، نہ مہدی الیہ یا موہوب لہ کو اس کا لینا جائز، اگرچہ ہزار قرابت رحمی رکھتا یا تالیف و محابت کا قصد کرتا ہو۔

قال تبارك وتعالٰی "اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًاؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۠(۱۰)"[2]	(اللہ تبارک وتعالٰی نے فرمایا) جولوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں یونہی ہے کہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں اور جلد پیٹھیں گے دہکتی آگ میں (ت)

اور شرط عوض بھی کچھ نافع نہیں کہ ہبہ بشرط العوض اگرچہ انجام میں بیع ہو جاتی ہے مگر ابتداءً ہبہ ہے اور وہ یہاں محض ناجائز، یہاں تک کہ ہمارے امام کے نزدیک باپ کو بھی اختیار نہیں کہ اپنے نابالغ بچہ کا مال بشرط عوض کسی کو دے۔

فی الدرالمختار من الهبۃ عن الخانیۃ لایجوز ان یھب شیئا من مال طفلہ ولو بعوض لانھا تبرع[3] وفیہ ایضا لایخفی ان ماھو تبرع ابتداء ضار فلا یصح باذن ولی الصغیر کقرض[4] اھ۔	درمختار کے باب الہبہ میں خانیہ سے منقول ہے کہ باپ کو یہ جائز نہیں کہ اپنے نابالغ لڑکے کے مال سے کچھ ہبہ کرے اگرچہ اس پر کچھ بھی لے کیونکہ یہ تبرع ہے۔ اسی میں یہ بھی ہے پوشیدہ نہ رہے کہ جو ابتداء کے اعتبار سے تبرع ہو وہ مضر ہے چنانچہ ولی صغیر کی اجازت سے صحیح نہیں ہو سکتا جیسے قرض اھ (ت)

[1] الدرالمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۰

[3] الدرالمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[4] الدرالمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

البتہ اگروصی یتیم مال یتیم کوان لفظوں سے ہدیہ کردے کہ میں نے یہ چیز تجھے بعوض اتنے مال کے ہدیہ دی اوراس مال کی تعین و تبیین کردے اورمہدی لہ قبول کرے اور وہ یعنی جسے ہدیہ دیاگیانہ میت کاوارث ہو نہ اس وصی کاایساقریب کہ اس کی گواہی اس کے لئے جائزنہ ہو یعنی اصول وفروع ماں باپ دادا دادی نانا نانی بیٹا بیٹی پوتا پوتی نواسانواسی، تو یہ صورت جائز ہے بشرطیکہ اس میں غبن فاحش نہ ہوکہ ہبہ بالعوض ابتداءً وانتہاءً ہرطرح بیع ہے اور بیع وصی بشرائط مذکورہ روا۔

فی الدر المختار الھبۃ بشرط العوض المعین فھی ھبۃ ابتداء وبیع انتھاء وھذا اذاقال وھبتك علی ان تعوضنی کذا امالو قال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداء وانتھاء وقید العوض بکونہ معینا لانہ لوکان مجھول بطل اشتراطہ فیکون ھبۃ ابتداء وانتھاء[1] اھ ملخصا وفی تنویر الابصار صح بیعہ وشرائہ من اجنبی بما یتغابن الناس[2] اھ فی ردالمحتار قولہ من اجنبی ای عن المیت وعن الموصی فلو باع ممن لا تقبل شھادتہ او من وارث المیّت لایجوز[3]۔	درمختار میں ہے جوہبہ عوض معین کی شرط کے ساتھ مشروط ہو وہ ابتداء کے اعتبار سے ہبہ اور انتہاء کے اعتبار سے بیع ہے، یہ اس صورت میں ہے جب واہب یوں کہے میں نے تجھے ہبہ کیا اس شرط پر کہ فلاں چیز مجھے عوض میں دے لیکن اگریوں کہے کہ میں نے تجھے فلاں چیز کے مقابلے میں ہبہ کیاکہ یہ ابتداء و انتہاء دونوں کے اعتبار سے بیع ہے اور عوض کے ساتھ معین ہونے کی قید اس لئے لگائی کہ اگروہ مجہول ہو توشرط لگانا باطل ہوگیا چنانچہ یہ ابتداء وانتہاء دونوں کے اعتبار سے ہبہ ہوگااھ تلخیص۔ تنویرالابصار میں ہے اس کی بیع وشراء اجنبی کے ہاتھ اتنے غبن کے ساتھ صحیح ہے جتنالوگوں میں چلتاہےاھ، رد المحتارمیں ماتن کے قول "من اجنبی" کے تحت مذکور ہے یعنی وہ میت اوروصی سے اجنبی ہو۔ اگرایسے کے ہاتھ بیچا جس کی شہادت وصی کے حق میں مقبول نہیں یامیت کے وارث کے ہاتھ بیچاتوجائز نہیں(ت)

[1] الدر المختار کتاب الھبہ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[2] الدر المختار کتاب الوصایا باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۷

[3] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۳

مسئلہ ۱۲۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ محمد یوسف کی حیات میں اس کی زوجہ نے انتقال کیاایک پسر اور ایک دختر وارث چھوڑے، مہراس کا ذمہ محمد یوسف کے رہا، محمد یوسف نے نکاح ثانی کیا، طرفداران زوجہ ثانیہ نے محمد یوسف کے مرض موت میں سب مال واسباب اس کا بنام زوجہ ثانیہ محمد یوسف کے لکھوا کر رجسٹری کرادی وہ عورت اب اس پر قابض ہے، اس صورت میں شرعًا وہ تحریر محمد یوسف کی بنام زوجہ ثانیہ جائز ہے یا نہیں اور مہر زوجہ اولٰی کا ترکہ محمد یوسف سے جس پر زوجہ ثانیہ قابض ہے ادا کیا جائے گا یا نہیں اور اس کے پسر ودختر کو بھی اس میں سے کچھ ملے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ عقد کہ محمد یوسف سے اس کے مرض موت میں صادر ہوا اگر ہبہ نہیں تو بدون اجازت اور وارثوں کے صحیح نہیں کہ ہبہ مرض موت کا مثل وصیت کے ہے اور وصیت وارث کے لئے وقت وجود دیگر ورثہ کے بلااجازت اوروں کے نافذ نہیں،

فی فتاوی قاضیخان لان ھبۃ المریض وصیۃ والوصیۃ للوارث باطل[1]۔	فتاوٰی قاضی خان میں ہے مریض کا ہبہ کرنا وصیت ہے اور وارث کے لئے وصیت باطل ہے۔(ت)

اور اگر بیع ہے تو یا کم قیمت کو ہے پس وراثت سے بغیر اجازت اور ورثہ کے اتفاقًا یا قیمت مساوی کو ہے تو مذہب امام اعظم میں خلافًا للصاحبین جائز نہیں بہر تقدیر جب یہ عقد ناجائز ٹھہرا تو اول مہر زوجہ اولٰی اور اسی طرح ثانیہ کا، اگر ثابت ہو تو ترکہ سے علی السویہ اگر برابر ہوں ورنہ رسدی ادا کیا جائے گا مابقے بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم باقی امور مقدمہ علی المیراث کاجراء الوصیۃ واداء الدین چوبیس ۲۴ سہام پر منقسم ہو کر تین سہام زوجہ ثانیہ کو اور چودہ پسر اور سات دختر کو پہنچیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۶: (سوال دستیاب نہ ہوا)

الجواب:

صورت مسئولہ میں اگر محب اللہ کا اپنی بھانجی کے لئے یہ الفاظ کہنا اور وصیت کرنا ثابت ہو تو درصورت عدم اجازت ورثہ بر تقدیر صدق استفتاء وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین بعد

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاقرار فصل فی اقرار المریض نولکشور لکھنؤ ۳/ ۶۲۴

ادائے قرض ومہر زوجہ اگر ذمہ محب اللہ ہوں جومال باقی بچے گا اس کا تہائی جگا کو ملے گا اور دو تہائی باقی چار سہام پر منقسم ہو کر ایک سہم عجوبہ اور تین چھدا کو پہنچیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی جائداد سے ایک حقیت کی بنام اپنی نواسی سلمٰی بنت لیلٰی اور حقیت اور پانچ روپیہ ماہوار ملا کرنے کی، اپنے پانچ بھتیجوں کے نام وصیت کی، اور ایک بیٹی لیلٰی اور پھر پانچ بھتیجے حقیقی اور ایک بھتیجی علاتی اور بھاوج اور بھتیجیاں اور ایک بھائی کہ پہلے سے مفقود الخبر ہے وارث چھوڑ کر انتقال کیا، اس صورت میں ترکہ اس کا شرعًا کس طرح منقسم ہوگا اور برادر مفقود کے لئے اگر کچھ حصہ امانت رکھا جائے گا تو وہ حصہ اس کی بی بی بیٹی کے قبضہ میں دے دیں گے یا کیا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اول ہندہ پر جودین ہو، ادا کیا جائے بعدہ جو باقی بچے اس کے تین حصے مساوی کئے جائیں کہ ایک حصہ میں دونوں جائداد موصٰی بہا جن کی وصیت بنام سلمٰی دختر لیلٰی وبنام برادر زادگان ہوئی ہے داخل ہوں اور اس حصہ کا نام مثلًا "ثلث وصیت" رکھیں دو ثلث باقیماندہ سے بالفعل ایک ثلث لیلٰی کو دے دیا جائے اس کا نام "ثلث وراثت" فرض کیجئے تیسرا حصہ کہ باقی رہا اسے "ثلث موقوف" سے نامزد ٹھہرایئے، اب ثلث وصیت ہے کہ حسب اظہار زبانی سائل ان وصایا کے لئے کافی بلکہ زائد ہے جس قدر جائداد کی وصیت بنام سلمٰی بنت لیلٰی کی ہے بالفعل اس کا نصف سلمٰی کو دیا جائے باقی کل جائداد تا ظہور حیات مفقود کسی ایسے امین دیانتدار کے ہاتھ میں امانت رہے جس طرح کسی طرح اس میں تصرف بے جا اور ایک پیسہ ناحق لینے کا گمان نہ ہو۔

قال العلامة البدر العینی رحمۃ اللہ علیہ فی البنایۃ و یوضع علی ید عدل الی ان یظھر المستحق[1]۔	علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بنایہ میں ہے کہ مستحق کے ظاہر ہونے تک اس کو کسی عادل کے قبضہ میں رکھ دیا جائے گا۔ (ت)

اب اس امین کے ہاتھ میں ثلث موقوف تو تمام وکمال ہے اور ثلث وصیت سے نصف وصیت سلمٰی نکال کر باقیماندہ اس کی امانت میں ہے اس باقیماندہ کی جائداد تین نوع پر ہے:

[1] البنایۃ فی شرح الھدایۃ کتاب المفقود المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۲/ ۹۵۱

[1] ایک تو وصیت سلمٰی کا نصف ثانی، اسے حصہ نمبر اول کہئے۔
[2] دوسری جائداد وصیت شدہ بنام برادر زادگان، اسے حصہ نمبر دوم ٹھہرائیے۔
[3] تیسرے پارہ حال تعیین وصیت ہے، اسے حصہ نمبر سوم قرار دیجئے۔

تو امانت امین میں چار قسم کی جائداد ہوئی، تینوں حصے یہ اور ایک ثلث موقوف بالاشتراک، اب یہ امین فصل بفصل ان چاروں قسم کی جائداد کا حساب دخل وخرج جداجدا تفصیل وار لکھتا رہے اور ہر حصہ کا خرچ ومالگزاری اسی کی آمدنی سے نکالے جو پس انداز ہو اسے تفریق سے جمع کرتا رہے یہاں تک کہ مفقود کا حال ظاہر ہو یا شرع اس کے حق میں کچھ حکم فرمائے اور ظہور حال مفقود کی نسبت دو [2] صورتیں ہیں:

[1] ایک یہ کہ اس کی زندگی بعد موت ہندہ کے ثابت ہو اگرچہ اس کے بعد ایک آن جی کر انتقال کرگیا یا اب تک زندہ ہو۔
[2] دوسرا یہ کہ ہندہ سے ایک آن پہلے سے اس کی وفات تحقیق ہو اس قدر زمانہ تک اس کا کچھ حال مرنے جینے کا نہ کھلے کہ اس کے شہر وطن میں اس کے ہمعمروں سے کوئی زندہ نہ رہے اس وقت ایک شخص کو پنچ قرار دے کر مقدمہ اس کے حضور پیش کریں اور وہ بوجہ مرور مدت مذکور اس کی موت کا حکم کردے (پچھلی صورت میں) تو کچھ وقت نہیں ثلث وصیت کا حصہ نمبر اول اور آج تک جو اس حصہ کے واصلات ہوں سب سلمٰی کو دے کر اس کی وصیت پوری کردی جائے، اور بھتیجے اس صورت میں بحکم وصیت کچھ نہ پائیں گے کہ جب مفقود کا انتقال ہندہ سے پہلے ٹھہرا تو یہ وارث ہوئے اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ باطل، پس بعد ادائے دین واخراج وصیت سلمٰی جس قدر متروکہ ہندہ باقی رہے مع ثلث وراثت و ثلث موقوف وواصلات حصہ ۲ و حصہ ۳ وواصلات ثلث موقوف سب بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین دس سہم پر منقسم ہو کر پانچ سہم لیلٰی اور ایک ایک ہر برادر زادہ حقیقی کو دیا جائے (اور پہلی صورت پر) یعنی جبکہ بعد ہندہ مفقود کا زندہ رہنا ثابت ہو اس تقدیر پر ثلث موقوف مع اس کے واصلات کے مفقود یا اس کے ورثہ کو دے دیا جائے اور ثلث وراثت تو لیلٰی نے پہلے ہی پالیا تھا باقی رہا ثلث وصیت اس میں سے حصہ نمبر دوم مع واصلات اور بھتیجوں کو دے دیا جائے اور حصہ ا و ۳ بدستور امین کے ہاتھ میں رہیں اور ان کی واصلات جمع شدہ سے روز موت ہندہ سے آج تک حساب پانچ روپیہ ماہواری کا لگا کر جو روپیہ حساب سے نکلے بھتیجوں کو دیا جائے اور زر واصلات سے جو باقی بچے دست امین میں رہے اور ہمیشہ ان دونوں حصص کی توفیر سے پانچ روپیہ ماہوار بھتیجوں کو دیا کرے اگر کمی پڑے تو واصلات باقیماندہ سے پورا کرے اور بچ رہے تو اپنے پاس امانت رکھے

یہاں تک کہ پانچوں اپنی اپنی اجل کو پہنچ کر انتقال کرجائیں اوران میں سے جو گزرتا جائے اس کا حصہ ماہوار اس کے وارثوں کونہ ملے بلکہ وہ پورا پانچ روپیہ مشاہرہ باقیماندہ بھتیجوں میں بٹتا رہے یہاں تک کہ اگران میں سے ایک بھی باقی رہے تو وہی پانچ روپیہ بالاستیعاب پاتارہے جب ان میں سے کوئی باقی نہ رہے تو حصہ اجو وصیت سلمٰی میں سے دست امین میں امانت تھااوراس کے واصلات سے کچھ بچاہو تو وہ بھی سلمٰی کو دے کہ اس کی وصیت پوری کردی جائے اور حصہ ۳ مع اس کی واصلات کے اگرکچھ باقی ہو لیلٰی ومفقود میں نصف نصف منقسم ہوجائے اس وقت امین کاہاتھ خالی اورہرایک اپنے اپنے حق کو پورا پہنچ جائے گا اور بھاوج بھتیجیاں علاتی بھتیجاہر صورت میں محروم رہیں گے نہ وہ حصہ جو مفقود کے لئے امانت رکھاگیاہے اس کو عورت یادختر اپنے قبضہ میں کرسکتی ہے بلکہ جس طرح ہم نے تفصیل کی اسی طرح امین کے ہاتھ میں رہے گا، یہ ہے حکم شرع کااور شرع ہی کے لئے حکم ہے۔

والوجه فی ذٰلك ان الترکة اذا انتظرت مفقود الایعطی منها احد من المستحقین ورثة کانوا اوموصی لهم الا اقل نصیبه المتیقن به علی کل من حالتی حیاة المفقود ومماته وامر العصبات اعنی بهم ابناء اخیها دائر بین ان یکون المفقود حیا فیحجبهم ولیستحقوا منه مااوصی لهم به وان یکون میتا فیرثوا فلاتنفذ لهم الوصیة من دون اجازة الورثة الباقین فوصیتهم ووراثتهم کلاهما مشکوك فیهما بالمرة فلا یعطوا بالفعل شیئا ولاتسمع دعوی الملك الا بتفسیر	اس کی وجہ یہ ہے کہ ترکہ جب مفقود کامنتظر ہو تواس میں سے وارثوں اور جن کے لئے وصیت کی گئی ہے کوکچھ نہیں دیاجائے گا مگروہ جومیت کی دوحالتوں یعنی حالت حیات اور حالت ممات میں سے جس حالت میں کمتر ملتاہے کیونکہ یہ یقینی ہے۔اور عصبات یعنی بھتیجوں کامعاملہ دوحالتوں کے درمیان دائرہے۔ایک یہ کہ مفقود زندہ ہو اور ان کے لئے حاجب بنے۔اس صورت میں ان کو وہ شیئ ملے گی جس کی ان کے حق میں وصیت کی گئی ہے اور دوسری یہ کہ مفقود مردہ ہو تو اس صورت میں وہ وارث بنیں گے اور دیگر وارثوں کی اجازت کے بغیران کے لئے وصیت نافذ نہ ہوگی چنانچہ ان کی وصیت ومیراث دونوں یکبارگی مشکوک ہیں لہٰذاانہیں بالفعل کچھ نہیں دیاجائے گا۔اوران کادعوی ملک مسموع نہ ہوگا جب تک وہ سبب ملک کی

السبب والتفسیر غیر ممکن فتعین التاخیر۔	تفسیر نہ بیان کریں اور تفسیر ممکن نہیں لہٰذا تاخیر متعین ہو گئی۔(ت)

مسئلہ ۱۲۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیااور دو دختر اور ایک ہمشیرہ حقیقی چھوڑی، اور نیز بحالت صحت وثبات عقل یہ وصیت کی کہ میری جو دختر کلاں میرے سامنے مر گئی ہے اور اس سے ایک پسر اور ایک دختر باقی ہے میری جائداد سے جو حصہ شرعی کہ میری بڑی بیٹی کو پہنچے اس جائداد کے مالک اس مرحومہ کے بچے ہیں اگر اس وصیت میں فرق ہوگا تو بروز حشر دامن گیر ہوں گا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر الفاظ وصیت یہی تھے تو وہ باطل وبے اثر ہے کہ وصیت اس حصہ شرعی کی نسبت ہے جو ترکہ موصی سے دختر کلاں کو پہنچے اور صورت واقعہ میں دختر کلاں کو شرعًا کچھ نہیں پہنچتا تو وصیت اصلا کسی شیئ سے متعلق نہ ہوئی اور موصی لہا کا کوئی استحقاق نہ ہوا۔

اوصی بعین اوبنوع من ماله کثلث غنمه فهلك قبل موته بطلت الوصیة ولایتعلق حق الموصی له بشیئ کمافی العالمگیریة[1] وغیرها لعدم مایتعلق به فکیف اذالم یوجد اصلا۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	اپنے مال میں سے کسی عین یانوع کی وصیت کی جیسے بکریوں کے ایک تہائی کے بارے میں وصیت کی، پھر وہ عین یانوع موصی کی موت سے پہلے ہلاک ہو گئی تو وصیت باطل ہو جائے گی اور اس کے ساتھ وصیت کا حق متعلق نہ ہوگا جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہ میں ہے کیونکہ وہ شیئ معدوم ہو گئی جس کے ساتھ وصیت متعلق ہوتی پھر کیسے باطل نہ ہو گی اس صورت میں جبکہ سرے سے وہ شیئ پائی ہی نہیں گئی۔ واللّٰه تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹: سوال دستیاب نہ ہوا۔

الجواب:

وصیت زوجہ کے لئے بے اجازت دیگر ورثہ نافذ نہیں البتہ اگر دین مہر واجب الادا ہے تو وہ تقسیم ترکہ سے مقدم ہوگا پس برتقدیر عدم موانع ارث ووارث آخر چالیس سہام پر منقسم ہو کر

---

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الوصایا الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۰۶

پانچ سہم وکالت بیگم اور چودہ کریم الدین و نصیر الدین اور سات فضیلت بیگم کو ملیں گے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سنو نے اپنی جائداد اپنی زوجہ اگھانی کے ہاتھ بعوض دین مہر کے بیع کی، پھر اگھانی ورثہ حسب تفصیل ذیل چھوڑ کر فوت ہوئی، اب سنو نے اپنی موت کے دو ایک روز پیشتر بحالت علالت ایسی کیفیت میں کہ صاحب فراش ہوگیا تھا اور طاقت نشست وبرخاست نہ رہی تھی اپنی بیٹی معصومہ کے ہاتھ بیع کی اور مر گیا اور باقی ورثہ بیع ثانی کی اجازت نہیں دیتے، اس صورت میں وہ انتقال سنو کا کہ اس نے اپنی زوجہ کے ہاتھ کیا شرعًا صحیح و نافذ ہے یا نہیں؟ اور اس انتقال ثانی کا کیا حکم ہے؟ اور ترکہ اگھانی کا اس کے ورثہ پر کس طرح منقسم ہوگا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سنو نے کہ اپنی جائداد بعوض دین مہر اپنی زوجہ کے ہاتھ بیع کی اس کی صحت میں شبہہ نہیں، بعد اس انتقال کے اس جائداد کی مالک اگھانی قرار پائے گی اور وہ اسی کا ترکہ ٹھہرے گا، پھر اس کی وفات کے بعد سنو نے جو اپنا حصہ اپنی بیٹی کے ہاتھ مرض موت میں بیع کیا اور باقی وارث اسے روا نہیں رکھتے تو وہ بیع باطل محض ہوگئی اور وہ حصہ بھی حسب فرائض کل ورثہ پر منقسم ہوجائے گا۔

فی الخانیۃ ومن الموقوف اذا باع المریض فی مرض الموت من وارثہ عینا من اعیان مالہ ان صح جاز بیعہ وان مات من ذٰلک المرض ولم یجز الورثۃ بطل البیع[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	خانیہ میں ہے اگر مریض نے مرض الموت میں اپنے کسی وارث کے ہاتھ اپنے مال میں سے کوئی عین شیئ فروخت کی تو بیع موقوف رہے گی۔ اگر وہ صحت مند ہوگیا تو بیع جائز ہوجائے گی۔ اور اگر اسی بیماری میں مرگیا اور باقی وارثوں نے اجازت نہ دی تو بیع باطل ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۳

مسئلہ ۱۳۱: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ نذر علی کے تین زوجہ اور تین پسر اور تین دختر، زوجہ اولٰی سے ایک پسر ذو الفقار علی، اور زوجہ ثانیہ سے دو پسر اور دو دختر، اور زوجہ ثالثہ سے ایک دختر۔ ذوالفقار علی نے روبرو شیخ نذر علی کے انتقال کیا، ایک زوجہ اور ایک پسر محمد باقر وارث چھوڑے، شیخ نذر علی نے اپنی حیات میں روبرو دیگر ورثہ کے محمد باقر پسر ذو الفقار علی کو کہ عندالشرع محجوب تھا عوض دین مہر اپنی زوجہ یعنی والدہ ذوالفقار علی کے جو ترکہ کہ شیخ ذوالفقار علی کو بواجب شرع بعد شیخ نذر علی کے ملتا وہ بنام نہاد محمد باقر کردیا اور جملہ ورثاء نے قبول کرلیا حیات شیخ نذر علی میں زوجہ اولٰی وثانیہ نے بھی رحلت کی اور بعد انتقال شیخ نذر علی کے ایک زوجہ کے دو پسر تین دختر ایک محمد باقر پسر ذوالفقار علی وارث رہے۔

الجواب:

پسر کے لئے وصیت بشرطیکہ پسر موجود نہ ہو جائز ہے کہ یہ تقدیر واندازہ ہے نہ وصیت بمال الغیر اذلاحق لابن مات قبل ابیہ فی ترکۃ ابیہ (اس لئے کہ باپ سے پہلے مرجانے والے بیٹے کا باپ کے ترکہ میں کوئی حق نہیں ہوتا۔ت) ہدایہ میں ہے:

اذا اوصی بنصیب ابنہ فالوصیۃ باطلۃ ولو اوصی بمثل نصیب ابنہ جاز لان الاول وصیۃ بمال الغیر لان نصیب الابن مایصیبہ بعدالموت والثانی وصیۃ بمثل نصیب الابن ومثل الشیئ غیرہ وان کان یتقدربہ فیجوز [1] اھ قلت وقیدہ الشراح بمااذاکان الابن موجوداقالواوان لم یکن	اگر اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کی تو وصیت باطل ہے۔ اور اگر بیٹے کے حصے کے مثل کی وصیت کی تو جائز ہے، کیونکہ پہلی صورت میں مال غیر کی وصیت ہے کیونکہ بیٹے کا حصہ وہ ہے جو اس کو باپ کی موت کے بعد حاصل ہوگا اور دوسری صورت میں بیٹے کے حصہ کی مثل وصیت ہے اور شیئ کی مثل شیئ کا غیر ہوتی ہے اگرچہ شیئ کے ساتھ اس کا اندازہ کیا جاتا ہے چنانچہ یہ جائز ہوگی اھ میں کہتا ہوں شارحین نے اس کے ساتھ قید لگائی یہ کہ جب بیٹا موجود ہو۔ انہوں نے کہا کہ

[1] الہدایۃ کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۹-۶۵۸

موجوداصحت الوصیة[1] وبھذا التفصیل اتی فی الدرالمختار[2] معزیا للعنایة حاشیة الھدایة والجوھرةوشرح التکملة۔	اگر بیٹا موجود نہ ہو تو وصیت صحیح ہوگی۔اور یہی تفصیل در مختار میں لائی گئی جس کو ہدایہ کے حاشیہ عنایہ، جوہرہ اور شرح التکملہ کی طرف منسوب کیا گیا۔(ت)

پس بلاشبہہ یہ تصرف صحیح اور بوجہ قبول محمد باقر نافذ ہو کر سہام موصی لہا بعد محمد باقر کے اس کے ورثہ شرعی کی طرف منتقل ہو گئے امام النساء ان سے اپنے حصہ کی مالک ہوئی اب کہ بوجہ کبرسن وپیرانہ سال اس کے عقل میں قصور اور حواس میں فتور اس درجہ ہو گیا کہ نجاست وطہارت میں تمیز نہیں کرتی اور قلّت فہم واختلاط کلام وفساد تدبیر اسے لازم، تو وہ معتوہہ ہے اور کل تصرفات قولیہ سے مجورہ۔

قال الفاضل المحقق محمد بن علی بن محمد علاؤ الدین الدمشقی الحصکفی فی الدر المختار فی تفسیر الحجر ھو منع من نفاذ تصرف قولی وسببه صغر و جنون یعم القوی والضعیف کما فی المعتوہ[3] اھ ملتقطا،قال شیخه العلام خیرالملة والدین الرملی فی فتاواہ ان کان قلیل الفھم مختلطا فاسد التدبیر لکن لایضرب ولایشتم فھو المعتوہ[4] و مثله فی العالمگیریة وغیرہ۔	فاضل محقق محمد بن علی بن محمد علاء الدین دمشقی حصکفی نے حجر کی تفسیر کرتے ہوئے در مختار میں فرمایا کہ وہ تصرف قولی کو نفاذ سے روکنا ہے اور اس کا سبب نابالغ ہونا اور مجنون ہونا ہے، عام ازیں کہ جنون قوی ہو یا ضعیف جیسا کہ معتوہ میں ہوتا ہے الخ التقاط، ان کے شیخ علامہ خیرالدین رملی نے اپنے فتاوٰی میں فرمایا کہ اگر وہ تھوڑی سمجھ والا گفتگو میں خلط ملط کرنے والا اور فاسد تدبیر والا ہے لیکن وہ کسی کو مارتا نہیں اور نہ ہی گالیاں دیتا ہے تو وہ معتوہ ہے اور اسی کی مثل عالمگیریہ وغیرہ میں ہے۔(ت)

پس ایسی حالت میں اگر اس نے کسی کے آمادہ کرنے خواہ اپنی خواہش سے وصیت کی تو ہر گز نافذ نہ قرار پائے گی اور توریث ترکہ امام النساء حسب بیان مجیب اول ہے۔واللہ تعالٰی اعلم وعلمه اتم وحکمه احکم۔

---

[1] البنایة فی شرح الھدایة کتاب الوصایا باب الوصیت بثلث المال المکتبة الامدادیة مکة المکرمة ۴/ ۵۹۹

[2] الدر المختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۳

[3] الدر المختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۸

[4] الفتاوی الھندیة کتاب الحجر الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۵۴

مسئلہ ۱۳۲: از نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ رامپورہ مرسلہ شیخ عبدالمجید صاحب سب سرویئر ۱۴محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین نسبت مسائل ذیل کے، زید کی منکوحہ اولیٰ متوفی سے ایک پسر بکر بالغ اور منکوحہ ثانی موجودہ سے دوپسر عمروسعد نابالغ بعد وفات زید باقی ہیں، زید پر جو قرض تھا بکرنے ادا کیااور نیزواسطے خرچ شادی وخورد ونوش نابالغان کے اپنے نام یابشمول نام مادر قرض لے کر صرف کیااس قرض سے کچھ ادا ہوا کچھ باقی ہے، اب عمروسعد بھی بالغ ہیں اور درباب تقسیم جائداد وادائے قرضہ سابق وحال تنازع ہے، لہٰذا علمائے شریعت مطلع فرمائیں کہ مکانات موروثی کس طرح تقسیم ہوں اور قرضہ سابق وحال حسب سہام کل شرکاء پر چاہئے یاقرضہ سابق وحال میں کچھ تفریق ہے اور جو مکان بکرنے اپنے روپے سے خریدااس میں دوسرے برادران کو حصہ پہنچتا ہے یانہیں؟ اور منکوحہ اولیٰ جو زید کے حیات میں فوت ہوگئی اس نے اپنی وفات کے وقت زید کو مہر معاف کردیا تھااور منکوحہ ثانیہ نے کہ اب زندہ ہے وقت وفات زید مہر معاف کردیا اور ہماری برادری میں مہروں کا یہی دستور ہے یہ بھی واضح ہو کہ بعد وفات زید کھانا جملہ شرکاء کا یکجارہا۔جب نابالغ بالغ ہوئے علیحدہ ہوگیا۔**بینوا توجروا۔**

الجواب:

قرض مورث کہ بکرپسر بالغ نے ادا کیا تمام وکمال ترکہ مورث سے مجرا پائے گا جبکہ وقت ادا تصریح نہ کردی ہو کہ مجرا نہ لوں گا۔

فی فتاوٰی قاضیخان والعالمگیریۃ وغیرھما بعض الورثۃ اذا قضٰی دین المیت کان لہ الرجوع فی مال المیت والترکۃ انتہٰی[1] مختصرًا۔وفی جامع الفصولین والاشباہ وغیرھما لو استغرقھا دین لا یملکھا بارث الا اذا ابرأ المیّت غریمہ اواداہ وارثہ بشرط التبرع وقت الاداء امّا لو ادّاہ من مال نفسہ مطلقًا	فتاوٰی قاضی خان اور عالمگیریہ وغیرہ میں ہے کسی وارث نے میت کا قرض ادا کیاتو اسے میت کے مال اور ترکہ کی طرف رجوع کا حق حاصل ہے انتہٰی۔جامع الفصولین اوراشباہ وغیرہ میں ہے اگردین ترکہ کو محیط ہے تووارث میراث کے ساتھ اس ترکہ کامالک نہیں بنے گا، مگریہ کہ قرض خواہ میت کو بری کردے یامیت کے وارث نے ادائیگی کے وقت بشرط تبرع قرض ادا کیا ہو لیکن اگراس نے مطلقًا اپنے مال سے قرض ادا کیا ہو

[1] الفتاوی الہندیۃ بحوالہ فتاوٰی قاضیخاں کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۵

بلاشرط تبرع او رجوع یجب له دین علی المیّت فتصیر الترکة مشغولة بدینه فلا یملکھا[1]۔	نہ اس میں تبرع کی شرط ہو اور نہ ترکہ میت کی طرف رجوع کی تو میت پر اس کا دین ثابت ہو جائے گا تو ترکہ قرض ادا کرنے والے وارث کے دین کے ساتھ مشغول ہوگا لہٰذا وہ اس کا مالک نہیں بنے گا۔ (ت)

جو روپیہ بکر یا زوجہ زید نے قرض لے کر شادی نابالغان میں صرف کیا اس کا مطالبہ صرف اس قرض لینے والے پر ہے نابالغوں کے ساتھ اس کا احسان سمجھا جائے گا اسی طرح جو کچھ قرض لے کر خورد و نوش نابالغان میں اٹھایا وہ بھی ان سے مجرانہ ملے گا جبکہ یہ قرض لینے والا مورث کی جانب سے ان نابالغوں کا وصی نہ تھا یعنی زید اسے کہہ نہ مرا تھا کہ جائداد یا نابالغ اولاد تیری سپرد گی میں دیتا ہوں یا ان کی غور پرداخت تیرے متعلق ہے یا اس کے مثل اور الفاظ جو دلیل وصایت ہوں۔

فی ردالمحتار عن الحاوی المختار للفتوی مافی وصایا المحیط بروایة ابن سماعة عن محمد مات عن ابنین صغیر وکبیر والف درھم فانفق علی الصغیر خمسمائة نفقة مثله فھو متطوع اذا لم یکن وصیا[2] الخ وفی لقطة الدر المختار ھو متبرع لقصور ولایته[3] اھ وثمه فی ردالمحتار عن البحر لانّ الامر متردد بین الحسبة والرجوع بلایکون دینا بالشک[4] اھ۔	ردالمحتار میں حاوی سے منقول ہے۔ فتاوی کے لئے مختار وہ ہے جو محیط کے کتاب الوصایا میں بروایت ابن سماعہ امام محمد سے منقول ہے کہ کوئی شخص دو بیٹے ایک نابالغ اور ایک بالغ چھوڑ کر فوت ہوا اور ہزار درھم ترکہ میں چھوڑے پھر بڑے نے چھوٹے پر مثلی نفقہ کے ساتھ پانچسو درھم خرچ کئے تو وہ اپنی طرف سے بطور احسان خرچ کرنے والا ہوگا جبکہ وہ وصی نہ ہو الخ درمختار کے باب لقطہ میں ہے وہ احسان کرنے والا ہے بسبب اس کی ولایت کے قاصر ہونے کے الخ یہاں ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ یہ معاملہ اجر وثواب اور رجوع کے درمیان دائر ہے۔ چنانچہ یہ

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن والعشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا فصل فی شھادة الاوصیاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۸

[3] الدرالمختار کتاب اللقطة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۶

[4] ردالمحتار کتاب اللقطة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۲۲

	بسبب شک کے دین نہیں ہوسکا اھ۔(ت)

جو مکان بکر نے اپنے روپے سے اپنے نام خریدا اس میں سے دوسرے کا کچھ حق نہیں، مہر کہ زوجہ اولٰی نے اپنے مرتے وقت شوہر کو بخشا، اس کی معافی بکر وغیرہ دیگر وارثان زوجہ اولٰی کی اجازت پر موقوف ہے اگر انہوں نے جائز نہ رکھا تو معاف نہ ہوا اور اس کا مطالبہ ترکہ زید سے ہوسکتا ہے۔

فی العالمگیریة مریضة وھبت صداقھا من زوجھا فان کانت مریضة مرض الموت لایصح الا باجازة الورثة۔[1]	عالمگیریہ میں ہے ایک مریض عورت نے اپنا مہر خاوند کو ہبہ کردیا پس اگر وہ مرض الموت کے ساتھ مریض ہے تو وہ ہبہ دیگر وارثوں کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوسکا۔(ت)

ہاں زوجہ ثانیہ نے کہ وقت وفات زید اپنا مہر معاف کیا وہ معاف ہوگیا پس صورت مستفسرہ میں ترکہ زید سے قرضہ بکر (جو بابت ادائے قرضہ سابقہ اس کے لئے ترکہ پر لازم ہوا) اور زوجہ اولٰی کے مہر سے بعد اسقاط چہارم کہ خود حصہ زید ہوا کل یا بعض (جس قدر بوجہ عدم اجازت وارثان زوجہ ذمہ زید لازم رہا) اور اسی طرح اور دیون جو زید پر ہوں ادا کرکے ثلث باقی سے اس کی وصیتیں اگر کی ہوں) نافذ کرکے جو بچے بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین چوبیس سہام پر تقسیم کریں تین سہم زوجہ ثانیہ اور سات سات ہر پسر کو دیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۳: از بیجناتھ پاڑہ رائے پور ممالک متوسط مرسلہ شیخ اکبر حسین صاحب متولی مسجد و دبیر مجلس انجمن نعمانیہ ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فیض النساء بیگم سوتیلی ماں نے خدیجہ بی بی کا نکاح حسام الدین داروغہ جنگل کے ساتھ کیا، والدین خدیجہ مرچکے تھے، فیض النساء بیگم بعض اموال اپنے خدیجہ بی بی کے پاس عاریت بتاتی ہے، حسام الدین کہتا ہے کہ خدیجہ بی بی بہت دنوں بیمار رہی اس کی بیماری میں میرا ذاتی روپیہ بہت سا خرچ ہوا متوفیہ کا لڑکا متوفیہ کے مرتے وقت زندہ تھا ماں کی جائداد کا لڑکا مالک ہوا اور بعد مرنے لڑکے کے میں باپ اس کا وارث ہوا متوفیہ کی سوتیلی ماں کا کوئی حق نہیں، لہذا مفتیان شرع متین سے سوال ہے کہ حسب فہرست صرفہ حسام الدین نے وقت بیماری وغیرہ میں جو صرفہ کیا وہ حسام الدین پانے کا حقدار ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] الفتاوی الھندیة کتاب الھبہ الباب الحادی عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۳

الجواب:

اگر خدیجہ بی کے کوئی اور وارث نہ تھا، نہ اس پر اس بیان شوہر کے سوا کسی اور کا ایسا دین ہے جو اس سے ملا کر مقدار ترکہ سے بڑھ جائے، نہ اس کے پسر متوفی پر کسی کا اتنا دین آتا ہے کہ ترکہ خدیجہ بی سے دین شوہر وغیرہ ادا کرکے باقی سے جو حصہ پسر کو پہنچے اس کی مقدار سے زائد ہو جب تو یہ شوہر کا دعوی محض بے معنی ہے کہ خدیجہ بی کے پاس کا اگر کچھ مال حسب بیان فیض النساء بیگم ملک فیض النساء بیگم ہونا ثابت ہو تو اس میں سے خرچ دوائے خدیجہ بی پانے کے کوئی معنی نہیں وہ تو فیض النساء بیگم کو واپس دیا جائے گا اور جب خدیجہ کا سوائے پسر و شوہر اور اس پسر کے سوائے پدر کوئی وارث نہ رہا تو جو مال خدیجہ کا ٹھہرے اس کا وارث صرف حسام الدین ہے، دوسرے کسی دائن کا اگر خدیجہ بی پر کچھ آتا ہو تو جس حالت میں ترکہ اس کے دَین کو گھٹا سکے نہ نہ کرنا بڑھا سکے اسی طرح جبکہ ترکہ خدیجہ بی سے دَین شوھر وغیرہ ادا کرکے بھی جو بچتا ہے اس میں سے حصہ پسر دَین پسر کو کافی ہے تو شوہر کا ترکہ پر دین کا دعوی نہ اپنے استحقاق کو بڑھا سکے نہ نہ کرنا گھٹا سکے، بہر حال دعوی وعدم دعوی ہر صورت میں اس کا استحقاق ایک ہی مقدار پر رہتا ہے خواہ اس پر دَین ثابت کرکے قرض میں لے لے یا بے ثابت کئے میراث میں لے، ایسا فضول دعوی قابل سماعت نہیں ہوتا ہاں اگر خدیجہ بی کے بعد اس کا کوئی وارث بھی رہا (کہ نظر بتقریر سوال وہ اس کی نانی ہی ہو سکتی ہے، تو دعوی شوہر نافع ہے تاکہ میراث سے پہلے یہ بذریعہ دین بعض یا کل متروکہ لے، یونہی اگر دوسرے دائن کا دَین ایسا ہے کہ اس کے دعوی سے مل کر مقدار ترکہ سے زائد ہو جائے گا تو نافع ہے کہ ترکہ دونوں دَین پر حصہ رسد بٹ جائے، اسی طرح اگر پسر متوفی پر ویسا دین ہو تو نافع ہے کہ اول شوہر کا دین ترکہ خدیجہ بی سے ادا کیا جائے گا، اگر کچھ نہ بچے گا دائن پسر کچھ نہ پائے گا اور بچے گا تو باقی سے جس قدر حصہ پسر ہے وہ اس میں سے لینے کا مستحق ہوگا، اور بے دعوی زائد میں سے پاتا وھذا کلہ ظاھر بادنٰی حساب (یہ تمام ادنٰی حساب کے ساتھ ظاہر ہے۔ت) ان صورتوں میں دعوی شوہر البتہ قابل سماعت ہے، اب حکم مسئلہ یہ کہ اگر حسام الدین نے بطور خود اپنی زوجہ کے دوا دارو میں اپنا مال صرف کیا تو دعوی باطل ہے اور واپسی کا مستحق نہیں۔

فان من انفق فی امر غیرہ بغیر امرہ غیر مضطر الیہ فلا یرجع علیہ اذ لم یکن نافذ التصرف فیما لدیہ کما ابانت عنہ فروع جمۃ	جب کوئی غیر کے معاملے میں اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرے اور وہ اس خرچ کرنے میں مجبور نہ ہو تو اسے رجوع کا حق نہیں اس لئے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس میں اس کا تصرف

مصرح بہا فی کلمات الائمۃ۔	نافذ نہیں ہے جیسا کہ اس سے پیشتر فروع ظاہر ہیں جن کی ائمہ کرام کے اقوال میں تصریح کی گئی ہے۔(ت)

بلکہ اگر خدیجہ بی نے درخواست بھی کی کہ میرا علاج کرو اور اس کے سوا کوئی شرط رجوع وواپسی درمیان نہ آئی نہ وہاں عرف عام سے ثابت ہو کہ ایسی صورت میں شوہر جو کچھ معالجہ زوجہ میں اٹھائے اس سے واپس پائے تو بھی حسام الدین کو دعوی نہیں پہنچتا لعدم مایوجبہا من نص اوعرف (کسی نص یا عرف کے نہ پائے جانے کی وجہ سے جو اس کو واجب کرے۔ت) ہمارے بلاد کا تو عرف یہ ہے کہ شوہر جو اپنی بی بی کے علاج میں صرف کرتا ہے وہ یا عورت کسی کے خیال میں واپسی کا وہم بھی نہیں گزرتا ہاں اگر خدیجہ بی سے صراحۃً واپسی کی شرط ہو گئی تھی یا وہاں کے عرف عام کی رو سے استحقاق واپسی ثابت ہے تو ضرور اختیار واپسی ہوگا فان المعہود عرفا کالمشروط لفظا (کیونکہ جو باعتبار عرف کے معہود ہو ایسے ہی ہے جیسے باعتبار لفظ کے اس کی شرط لگائی گئی ہو۔ت) درمختار میں ہے:

لارجوع ولوبامرہ الا اذا قال عوض عنی علی انی ضامن، لعدم وجوب التعویض بخلاف قضاء الدین (و) الاصل ان (کل مایطالب بہ الانسان بالحبس والملازمۃ یکون الامر باداۂ مثبتا للرجوع من غیر اشتراط الضمان ومالافلا) الا اذا شرط الضمان ظہیریۃ[1] الخ **قلت** وانت تعلم ان الدواء ممالایجب اصلا فضلا عن ان یکون لہ مطالب من جہۃ العبد فضلا عن ان یکون طلبہ بحبس اوملازمۃ فلا رجوع فیہ من دون شرط شیئ من ہذہ الاصول۔	اس میں رجوع نہیں اگرچہ اس کے امر سے خرچ کرے مگر یہ کہ جب کہے تو میری طرف سے بدلہ دے اس شرط پر کہ میں ضامن ہوں کیونکہ تعویض واجب نہیں بخلاف قرض کی ادائیگی کے۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ جس چیز کا انسان سے حبس و ملازمہ کے ساتھ مطالبہ کیا جاتا ہے اس کی ادائیگی کا امر رجوع کو ثابت کرنے والا ہے ضمان کی شرط لگائے بغیر، اور اگر ایسا نہ ہو تو رجوع ثابت نہ ہوگا جب تک ضمان کی شرط نہ لگائے، ظہیریہ الخ۔ **میں کہتا ہوں** تو جانتا ہے کہ دوا ان چیزوں میں سے جو بالکل واجب نہیں چہ جائیکہ بندے کی طرف سے اس کا کوئی مطالبہ کرنے والا ہو اور چہ جائیکہ اس کا مطالبہ حبس و ملازمہ کے ساتھ ہو، لہٰذا اس میں کسی اصول کی شرط کئے بغیر رجوع کا حق نہ ہوگا(ت)

[1] الدرالمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۲

عقودالدریہ میں ہے:

ماجری به العرف فی الرجوع علی الاٰمر یرجع[1] اھ **اقول:** هذه مسئلة اضطربت فیها اقوال العلماء اصلاً وفرعاً فاصلوا اصولا لاتنضبط وفرعوا فروعا لاتلتئم واراد العلامة الشامی تحریرها فی العقود فلم یتهیأله الا الاقتصار علی بعض فروع نقلت مع طرح جمیع الاصول التی اصلت وللعبد الضعیف ھٰهنا کلام ذکرته فیما علقت علیها وھٰذا الذی اخترته هنا واضح جلی لاخفاء به ان شاء الله تعالٰی۔ والله تعالٰی اعلم۔	جس چیز کاآمر پر رجوع کرنے میں عرف جاری ہو وہاں رجوع کرے گااھ۔ **میں کہتاہوں** اس مسئلہ میں علماء کرام کے اقوال اصول وفروع کے اعتبار سے مضطرب ہیں۔انہوں نے کچھ ایسے اصول بنائے جو منضبط نہیں اور کچھ ایسے فروع ذکر کئے جو مجتمع ومربوط نہیں۔علامہ شامی علیہ الرحمہ نے عقود میں ان کی تحریر کرنے کاارادہ فرمایا تو انکو میسر نہ ہوا سوائے بعض فروع پر اقتصار کرنے کے جو نقل کئے گئے باوجودیکہ انہوں نے وہ اصول چھوڑدیئے جو وضع کئے گئے ہیں۔اور اس عبد ضعیف کا یہاں کچھ کلام ہے جس کو میں نے شامی پر اپنی تعلیقات میں ذکر کیا ہے۔اور وہ جس کو میں نے یہاں اختیار کیاوہ بالکل واضح وروشن ہے اس میں ان شاء اللہ تعالٰی کوئی پوشیدگی نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۴: ازریاست مرسلہ ۲۸/محرم الحرام ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ۱۲۷۸ہجری میں انتقال کیا اوراپنے چاروں بیٹے محمد زکریا، محمد یحیٰی، محمد عیسٰی، محمد موسٰی بالغ ونابالغ اور بیٹی بالغہ اور حافظ محمد عظیم صاحب خسر ۳۸سال، ۲۰سال، ۱۲سال کے سامنے یہ وصیت کی اس وصیت کوسب ورثاء نے تسلیم کیااور اس پر عملدرآمد کیااب یحیٰی وعیسٰی اپنابقیہ ورثہ تقسیم کراتے ہیں اوربڑا بھائی مصرف خورد ونوش وپارچہ وخرچ شادی یحیٰی وعیسٰی جواس نے اپنے پاس سے زید کے انتقال کے بعد سے ان پر کیا ہے طلب کرتا ہے یحیٰی وعیسٰی یہ عذر کرتے ہیں کہ جو کچھ آپ نے ہم پر صرف کیا تبرعاًواحساناً تھایہ ہم سے مجرانہ ہوناچاہئے نیز بروقت وصیت ہم نابالغ تھے اور قطع نظر اس ۱۳۰۳ھ میں جو تحریر فریابین برادران ہوئی جس میں محمد یحیٰی نے

---
[1] العقودالدریۃ کتاب الکفالۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۰۳

آمدنی کا حساب سمجھ کر ۴ روپے ماہوار اپنے حصے کے لئے منظور کئے ہیں اور اب تک لیتے ہیں اور وصیت پر علمدرآمد ہوا تو تم میں کسی نے انکار نہیں کیا بلکہ تسلیم وقبول تحریری موجود ہے چنانچہ نقل وصیت نامہ و نقل تحریر دیگر حسب ذیل ہے زید کی جائداد جو الور میں ہے وہ اب تک غیر منقسم اور ایک ہی مکان میں سب ورثاء رہتے ہیں اور اس کی تقسیم بھی چاہتے ہیں زکریا تقسیم پر راضی ہے مگر کہتا ہے کہ جو لاگت بعد انتقال زید میں نے اپنے پاس سے اس پر لگائی ہے مجھ کو ملنی چاہئے یحیٰی وعیسٰی کہتے ہیں کہ تم نے بلاوجہ پہلی عمارت کو ڈھایا اور نئی عمارت بنائی ہم اس کے ڈھانے کا نقصان تم سے لیں گے نئی عمارت بنانے کا تم کو بلارضامندی ہمارے اختیار نہ تھا، زکریا جواب دیتا ہے کہ بوجہ بوسیدگی تم سب کے سامنے ہنگام شادی محمد عیسٰی جس میں اب تک وہی رہتا ہے ایک ضلع خام تھا از سر نو پختہ میں نے اپنے ذاتی روپیہ سے بنایا اور ضلع اپنے واسطے پختہ بنایا اس وقت تم میں سے کسی نے انکار نہیں کیا اور اب تک تم ہم سب وہیں رہتے ہیں از روئے شرع شریف ان سب امور کا جواب مرحمت ہو۔ **بینوا توجروا۔**

نقل وصیّت نامہ

والد ماجد حکیم غلام نجم الدین مرحوم نے اپنے انتقال سے تخمیناً اٹھائیس روز پہلے روبروئے جناب ماموں حافظ محمد عظیم صاحب وبرادران عزیز محمد یحیٰی، محمد عیسٰی ومحمد موسٰی کہ مجھ کو جو وصیت فرمائی میں اس وقت مضمون وصیت روبروئے جناب ماموں صاحب موصوف وبرادران عزیز مذکور کے بیان کرتا ہوں اگر میرے بیان میں کچھ خلاف ہے تو اصلاح فرمادیں اور اگر میرا بیان صحیح ہے تو اس کاغذ کو تصدیق کریں، فقط۔ میرے والد نے مجھے محمد زکریا سے یہ فرمایا کہ میں نے تمہاری اور تمہاری ہمشیر کی شادی کردی تم دو کے فرض سے میں ادا ہوا۔ محمد یحیٰی ومحمد عیسٰی ومحمد موسٰی کی شادی باقی ہیں دہلی کی محلسرا اور دیوان خانہ فروخت کرکے ان کی شادی کردینا اور تمہاری والدہ کا جو زیور ہے وہ ان تینوں کے چڑھاوے میں چڑھادینا۔ باقی مکانات دہلی کے اور ظروف اور پارچہ وغیرہ جو ہے اس کو بموجب شرع شریف کے تم پانچوں بہن بھائی تقسیم کرلینا فقط۔

مبلغ دو صد روپیہ دو شخصوں کو دے کر ایک کو میرے واسطے اور دوسرے کو اپنی والدہ کے واسطے حج پر بھیجنا، باقی مکانات اور چاہ واراضی وباغ وتنخواہ جو الور میں ہے اس کا تو مختار ہے اگر محمد یحیٰی وعیسٰی وموسٰی تیری تابعداری کریں تو تم فرزندوں کی طرح ان کی پرورش کرتے رہنا اگر تیری تابعداری نہ کریں تو اپنا سر کھائیں فقط ۲۳ ستمبر ۱۸۷۹ء مطابق پنجم شوال ۱۲۹۶ ہجری

بقلم بندہ امراؤعلی۔

یہ نوشتہ میرے سامنے لکھاگیادرست ہے۔ العبد محمد موسٰی العبد محمد یحیٰی العبد محمد عیسٰی العبدخدیجہ خانم بقلم محمد عظیم العبد محمد عظیم گواہ نوشتہ محمد عبدالرحمٰن علی

جو کچھ مجھ محمد زکریا نے بموجب وصیت والد ماجد کے تعمیل کی اور کرتا رہوں گا وہ مراتب اس صفحے پر درج ہیں اور آپ صاحب اس سے رضامند ہیں تو اس پر اپنے اپنے دستخط کریں۔فقط مرقوم ۲۳ ستمبر ۱۸۷۹ء مطابق پنجم شوال ۱۲۹۶ھ

والدہ ماجدہ کا زیور برادران عزیز محمد یحیٰی و محمد عیسٰی و محمد موسٰی کو میں نے تقسیم کردیا اور ظروف و پارچہ مجھ محمد زکریا و محمد یحیٰی و محمد عیسٰی و محمد موسٰی و ہمشیرہ عزیزہ نے حسب وصیت والد مغفور باہم تقسیم کرلیا اور محلسرا اور دیوان خانہ کو تو میں نے فروخت نہیں کیا بلکہ اپنے پاس سے عزیز محمد یحیٰی و محمد عیسٰی کی تو میں نے شادی کردی اور محمد موسٰی کا حج ہوگیا اور باقی مکانات واقعہ دہلی بھی حسب وصیت تقسیم کئے جائیں ان شاء اللہ تعالٰی اور باقی مکانات وتہوار وچاہ واراضی و باغ و تنخواہ الورکی جو بلاشرکت غیرے حسب وصیت والد ماجد میرے قبضے میں ہے، مگر حویلی میں جس طرح ہم سب بھائی رہتے ہیں، اسی طرح میں اور میری اولاد اور وہ اور ان کی اولاد بدستور ہیں اور کھانے پینے کو جو خدا مجھ کو دے جس طرح آج تک محمد عیسٰی و محمد موسٰی کھاتے پیتے رہے ہیں اسی طرح کھلاتا پلاتا رہوں گا، اور محمد یحیٰی کو دو روپیہ اور محمد عیسٰی کو (۸/) اور محمد موسٰی کو ۱۲/ ماہوار دیتا رہوں گا، مبلغ دو صد روپیہ جناب ماموں حافظ محمد عظیم صاحب کی معرفت دو شخصوں کو دے کر حج کو بھیج دیئے فقط مرقوم صدر بقلم امراؤعلی یہ نوشتہ میرے سامنے لکھا گیا درست ہے۔العبد محمد عیسٰی العبد محمد یحیٰی عفی عنہ العبد محمد موسٰی عفی عنہ العبدخدیجہ خانم بقلم محمد عظیم العبد محمد عظیم گواہ شد محمد عبدالرحمٰن نقل تحریر

سابق میں ۲۳ ستمبر ۱۸۷۹ء مطابق پنجم شوال ۱۲۹۶ھ کو جو وصیت نامہ والد مرحوم کارو بروئے جناب ماموں صاحب حاجی حافظ محمد عظیم مرحوم کے تحریر ہوا تھا اس وقت عزیز محمد یحیٰی کو دو روپیہ ماہوار دینا تجویز ہوا تھا چنانچہ آج تک دیا گیا، اب پھر عزیز مذکور نے کہا کہ میرا گزارہ اس میں نہیں ہوتا کچھ زیادہ مقرر ہو جائے، اس واسطے مجھ زکریا نے اراضی بارانی وچاہ جال والا وچاہ تاج خاں والا کی آمدنی بوقوف عزیز محمد یحیٰی دو سو ساٹھ روپیہ مشخص کراکر عزیز مذکور کا حصہ للعہ ۷/ ماہوار کا قرار پایا مگر عزیز مذکور نے چار روپیہ چار آنے ماہوار اس میں سے لینے منظور کئے بشرط اس کے کہ مجھ سے چاہت کی مرمت وغیرہ کا مصارف نہ لیا جائے۔ مجھ محمد زکریا کو یہ بھی منظور ہے کہ میں ۴/للعہ ماہوار جب تک اراضی عطیہ سرکار ہمارے قبضہ میں ہے

خواہ آمدنی میں کمی ہو یا بیشی عزیز محمد یحیٰی کو اپنی زیست بھر دیتا رہوں گا اور بعد میرے آمدنی یہ دو چاہات مذکورہ واراضی بارانی و باغ یعنی جملہ آمدنی ان مواضعات کی وجملہ مصارف شکست ریخت مرمت وغیرہ متعلقہ ان کے ہمگی دس حصوں مفصلہ ذیل پر تقسیم ہو جائے اور جو حصہ دار مرجائے تو اس کے حصہ دار اس کے وارث یعنی فرزند یا دختر یا زوجہ کو ملتا رہے اور جو حصے دار بلا وارث فوت ہو اس کا حصہ سب پر تقسیم ہو جائے، تفصیل حصص یہ ہے: محمد زکریا، محمد یحیٰی، محمد عیسٰی، محمد موسٰی، ہمشیرہ عزیزہ، پھوپھی صاحبہ ان میں سے دو دو حصے چاروں بھائی لیتے ہیں اور ایک ایک حصہ ہمشیرہ عزیزہ اور پھوپھی صاحبہ لیتی رہیں فقط۔

بقلم احقر العباد امراؤعلی مرقومہ ہشتم جمادی الاولٰی ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۸۸۶ء

العبد محمد زکریا   العبد بندہ محمد یحیٰی عفی عنہ   العبد محمد عیسٰی عفی عنہ   العبد محمد موسٰی عفی عنہ   گواہ شد محمد فضل حق عفی عنہ

الجواب:

اوّل: تنخواہ پر بھائیوں کا دعوی باطل بیجا ہے کہ وہ اجرت ہے اور اجرت میں غیر اجیر کا حق نہیں، عقد اجارہ جو ان کے باپ سے تھا موت پدر پر ختم ہو گیا۔

فان الاجارۃ لامعنی لبقائھا بعد ھلاك الاجیر۔	کیونکہ اجیر کے فوت ہو جانے کے بعد اجارہ کے باقی رہنے کا کوئی معنی نہیں ہے (ت)

اب کہ برادر سے عقد جدید ہوا اس میں کیا حق، تو ایک ہو سکتا ہے بلکہ اگر اس تنخواہ کو بطور منصب ہی فرض کیجئے تو بتصریح علماء منصب وپنشن بھی موروث نہیں بعد فوت منصبدار، رئیس جس کا نام مقرر کردے وہی مستحق ہے باقی ورثہ کا کچھ حق نہیں۔ فتح القدیر وردالمحتار میں ہے:

العطاء صلۃ فلا یورث ویسقط بالموت[1]۔	عطیہ ایک صلہ ہے وراثت نہیں ہے اور موت سے پہلے یہ صلہ ختم ہو جاتا ہے (ت)

دوم: محمد زکریا نے جو کچھ محمد یحیٰی ومحمد عیسٰی کی شادیوں میں اپنے پاس سے صرف کیا اگر یہ صرف بعد بلوغ محمد موسٰی تھا جبکہ وہ بھی اجازت وصیت شامل ہو لیا تو تمام کمال ترکہ سے مجرا پائے گا کہ زکریا وصی تھا اور یہ مورث کی وصیت جسے بقیہ ورثہ نے نافذ رکھا اور بوجہ بلوغ ان سب کی تنفیذ شرعاً معتبر تھی تو وصیت

---

[1] ردّالمحتار کتاب الجہاد فصل فی الجزیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۸۲

کا وارثوں کے لئے ہونا مضر نہیں،

لقوله صلى الله تعالٰی علیه وسلم الا لا وصیة لوارث الا ان یجیزها الورثة۔[1]	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ وارث کے لئے وصیت نہیں مگر اس صورت میں کہ باقی وارث اسے جائز قرار دیں (ت)

اور وصیت میں جبکہ اس کی تنفیذ کسی شیئ کو بیچنے کے ساتھ مذکور ہو تو وصی پر اس کا اتباع لازم نہیں اسے روا ہے کہ وہ شیئ نہ بیچے اور دوسرے مال سے وصیت نافذ کرے۔ آداب الاوصیاء میں ہے:

فی المحیط والظهیریة والخلاصة اوصی بان یکفنه من ثمن هذا العین قال ابو القاسم للوصی ان یکفنه من ثمن عین اُخر ولایبیع تلك العین وتلك العین تکون للورثة وان وجد لما اوصی ببیعه مشتریا ولا یضمن الوصی۔[2]	محیط، ظہیریہ اور خلاصہ میں ہے کسی نے وصیت کی کہ فلاں معین چیز کے ثمن سے اس کو کفن دیا جائے ابوالقاسم نے فرمایا وصی کو اختیار ہے کہ کسی دوسرے چیز کے ثمن سے کفن دے اور اس معین چیز کو فروخت نہ کرے اور یہ معین چیز سب ورثاء کی مشترکہ قرار پائے گی اگرچہ جس چیز کو فروخت کرنے کی وصیت تھی اس کا کوئی خریدار بھی موجود ہو، ایسی صورت میں وصی ضامن نہ ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے:

فی الخاصی اوصی بان یتصدق منه کذا وکذا وقرا من الحنطة وعین لثمن تلك الحنطة نوعا من امواله کثمن داره فجعل الوصی من غیر ذٰلك المال قال	خاصی میں ہے کسی نے وصیت کی کہ اس کی طرف سے اتنی اتنی مقدار گندم کی صدقہ کی جائے اور اس گندم کی قیمت کے لئے اس نے اپنے اموال میں سے کوئی نوع متعین کر دی جیسے اپنے گھر کی قیمت، وصی نے کسی اور مال سے صدقہ

---

[1] الدر المختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹، کنز العمال بحوالہ ق عن عمرو بن خارجہ حدیث ۴۶۰۷۲ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۱۷

[2] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی تنفیذ الوصیة اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۔ ۳۱۲

جازله ذٰلك الا ان يكون فيما عينه دليل على التعيين كان يكون ماعينه معروفا بالطيب وسائره بالخبث فيخص الطيب بالوصية فلايشترى من المال الخبيث۔[1]	کردیا تو جائز ہے مگر اس صورت میں کہ جو کچھ موصی نے متعین کیا اس میں تعین پر دلیل موجود ہے مثلاً جس شیئ کو اس نے معین کیا وہ پاکیزگی کے ساتھ معروف ہے اور دیگر اشیاء خبث کے ساتھ معروف ہیں تو اس صورت میں پاکیزہ شیئ کو وصیت کے ساتھ خاص کیا جائے گا اور وصی خبیث مال سے خریداری نہیں کرے گا۔(ت)

اور قطع نظر اس سے کہ وصی جب اپنے مال سے وصیت نافذ کرے تو قول مفتٰی بہ پر اسے مطلقاً حق رجوع وواپسی ہے یہاں کہ وصیت عباد کے لئے تھی اور وصی وارث ہے باتفاق علماء اسے حق رجوع حاصل ہوا، خانیہ وہندیہ وغیرہما میں ہے:

وصی انفذ الوصية من مال نفسه قالوا ان كان هذا الوصی وارثا يرجع فی تركة الميت والا فلايرجع وفيه ان كانت الوصية للعباد يرجع لان لها مطالبا من جهة العباد وكان كقضاء الدين وان كانت الوصية لله تعالٰی لايرجع وقيل له ان يرجع فی التركة علٰی كل حال و عليه الفتوٰی۔[2]	وصی نے اپنے مال میں سے وصیت نافذ کردی، علماء نے کہا اگر یہ وصی وارث ہے تو ترکہ میت میں رجوع کرے گا ورنہ نہیں، اور اسی میں ہے اگر وہ وصیت بندوں کے لئے ہے تو رجوع کرے گا اس لئے کہ اس وصیت کے لئے بندوں کی جہت سے کوئی مطالبہ کرنے والا ہے تو یہ دین کی ادائیگی کی طرح ہو گئی، اور اگر وصیت اللہ تعالٰی کے لئے ہے تو رجوع نہیں کرے گا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ہر حال میں ترکہ میت میں رجوع کرے گا۔ فتوٰی اسی پر ہے۔(ت)

اور اگر قبل بلوغ محمد موسٰی ہوا تو حصہ محمد موسٰی اس صَرف سے بری رہے گا کہ نابالغ کی اجازت کوئی چیز نہیں، نہ اس کی طرف سے کوئی ولی یا وصی خواہ کوئی شخص اسے تصرف کی اجازت دے سکتا ہے

---

[1] آداب الاوصیاء فصل فی تنفیذ الوصیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۴

[2] الفتاوی الھندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۴

لکونہ ضررًا محضاً (اس کے محض نقصان ہونے کی وجہ سے۔ت) اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ اس صورت میں بعد بلوغ محمد موسٰی کا اس تصرف گزشتہ پر راضی ہونا یا اسے جائز کرنا بھی بکار آمد نہ ہوگا۔

لکونہ وقع ولامجیز وکل تصرف کذا فھو باطل کما فی الدر وغیرہ والاجازۃ انما تلحق الموقوف لاالباطل کما بینہ فی الفتح وغیرہ۔	بسبب اس کے کہ یہ واقع ہوا دراں حالیکہ کوئی اس کی اجازت دینے والا نہیں۔اور ہر وہ تصرف جو ایسا ہو وہ باطل ہوتا ہے جیسا کہ در وغیرہ میں ہے اور اجازت فقط موقوف کو لاحق ہوتی ہے نہ کہ باطل کو، جیسا کہ اس کو فتح وغیرہ نے بیان کیا ہے۔(ت)

سوم: خورد ونوش برادران میں جو کچھ محمد زکریا نے اپنے پاس سے صرف کیا اس میں سے محمد موسٰی نابالغ کے مصارف زمانہ نابالغی کے مجرا پائے گا،

فی الخانیۃ والھندیۃ بعد العبارۃ المذکورۃ وکذا الوصی اذا اشتری کسوۃ للصغار اواشتری ماینفق علیھم من مال نفسہ فانہ لایکون متطوعا[1]۔	خانیہ اور ہندیہ میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد ہے اور یونہی وصی نے جب اپنے مال سے نابالغ کے لئے لباس خریدا یا وہ شیئ خریدی جو اس پر خرچ کرے گا تو وہ احسان کرنے والا نہ ہوگا(ت)

اور بالغوں پر جو صرف کیا اگر بطور خود بے ان کے امر کے تھا نہ شرط رجوع کرلی تھی جیسا کہ عبارت سوال سے ظاہر ہے تو محمد زکریا کا تبرع واحسان تھا جس کا معاوضہ ان سے نہیں لے سکتا،

لعدم الولایۃ علیہ بالبلوغ ولم یکن مضطرا فیما فعل ولاامروہ ولاشرط الرجوع ففیم یرجع وھذا ظاھر جدا عند من خدم نفائس کلامھم۔	کیونکہ بلوغ کی وجہ سے وصی کو اس پر ولایت نہیں رہی نہ وہ اس فعل میں مجبور ہے، نہ انہوں نے وصی کو حکم دیا اور نہ رجوع کی شرط کی گئی تو وہ کس چیز میں رجوع کرے گا، یہ خوب ظاہر ہے اس شخص کے نزدیک جس نے فقہاء کے عمدہ کلام کی خدمت کی۔(ت)

خانیہ میں ہے:

لوقال انفق من مالک علٰی عیالی اوفی بناء داری یرجع بما انفق[2]	اگر کہا تو اپنے مال میں سے میری اہل وعیال یا میرے گھر کی تعمیر پر خرچ کر تو اس نے جو کچھ

[1] الفتاوی الهندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۵

[2] فتاوی قاضی خاں کتاب الکفالہ فصل فی الکفالۃ بالمال نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۸۷

وکذا لوقال اقض دینی یرجع علی کل حال[1] ولوقضی نائبۃ غیرہ بامرہ رجع علیہ وان لم یشترط الرجوع ھو الصحیح۔[2]	خرچ کیا وہ اس کے بارے میں رجوع کرے گا۔اسی طرح اگر کہا تو میرا قرض ادا کردے تو وہ ہر حال میں رجوع کرے گا اور اگر کسی کی حاجت اس کے امر پر پوری کردی تو وہ رجوع کرے گا اگرچہ رجوع کی شرط نہ لگائی گئی ہو، یہی صحیح ہے۔(ت)

فصول عمادیہ وفتاوٰی حامدیہ میں ہے:

من قضی دین غیرہ بغیر امرہ لایکون لہ حق الرجوع علیہ۔[3]	جس نے دوسرے کا قرض اس کے حکم کے بغیر ادا کردیا اس کو رجوع کا حق نہیں(ت)

انہیں میں ہے:

المتبرع لایرجع علی غیرہ کما لوقضی دین غیرہ بغیر امرہ[4]۔	احسان کرنے والا غیر پر رجوع نہیں کرتا جیسا کہ کوئی کسی کا قرض اس کے حکم کے بغیر ادا کردے(ت)

چہارم: زیور زوجہ میں موصی کی وصیت اسی قدر اثر ڈال سکتی تھی جس قدر اس زیور سے موصی کا حصہ شوہری ہوتا باقی حصص کہ ملک اولاد تھے ان کی نسبت اس کی وصیت محض بے معنی ہے اذلاتصرف لابن آدم فیما لایملک (اس لئے کہ ابن آدم کو ایسی چیز میں تصرف کا حق نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو۔ت) تو یحیٰی وعیسٰی وموسٰی کو وہ کل زیور دے دینا اگرچہ باجازت جملہ ورثہ ہو خود انہیں ورثہ کے حصص میں اصلاً مؤثر نہ ہوگا کہ غایت درجہ ان کی یہ اجازت اجازت تملیک بلامعاوضہ ہوگی کہ عین ہبہ ہے اور ہبہ مشاع باطل اور باطل کی اجازت مہمل۔ہدایہ میں ہے:

من اوصی من مال رجل لاٰخر بالف بعینہ فاجاز صاحب المال بعد موت الموصی فان دفعہ فھو جائز ولہ ان یمنع لان ھذا تبرع بمال الغیر فیتوقف علی اجازتہ واذااجازیکون تبرعامنہ ایضافلہ	جس نے کسی شخص کے لئے غیر کے مال سے ایک ہزار معین درہموں کی وصیت کردی اور موصی کی موت کے بعد اس غیر یعنی مالک مال نے اس کی اجازت دے دی پھر اگر اس نے وہ مال اس کے سپرد کردیا جس کے لئے وصیت کی گئی ہے تو جائز ہے اور مالک کو اختیار ہے کہ وہ مال کو روک لے

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الکفالۃ فصل فی الکفالۃ بالمال نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۸۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکفالۃ الباب الثانی الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۶۹

[3] العقود الدریۃ بحوالہ عمادیہ کتاب الکفالہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۰۳

[4] العقود الدریۃ بحوالہ عمادیہ کتاب الکفالہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۰۳

ان یمتنع من التسلیم[1]۔	کیونکہ غیر کے مال سے تبرع ہے تو یہ اس غیر کی اجازت پر موقوف ہوگا اور جب اس نے اجازت دے دی تو یہ اس کی طرف سے بھی تبرع و احسان ہوگا لہذا اسے اختیار ہوگا کہ وہ سپردگی سے انکار کردے (ت)

غایۃ البیان میں ہے:

لان العقد الموقوف اذالحقه الاجازة صار مضافا الی المجیز فاذا اضیف الیه صار ذٰلك هبة منه والهبة لاتتم الابالتسلیم۔[2]	کیونکہ موقوف عقد کو جب اجازت لاحق ہوتی ہے تو وہ اجازت دینے والے کی طرف منسوب ہوجاتا ہے، جب اس کی طرف منسوب ہوگیا تو یہ اسی کی طرف سے ہبہ ہوا اور ہبہ سپردگی کے بغیر تام نہیں ہوتا (ت)

تو محمد زکریا کا خود اپنا حصہ اس کی ملک سے نکلا نہ خدیجہ بیگم کا حصہ اس کی ملک سے، اگر زیور باقی ہے تو حصہ شوہری موصی چھوڑ کر سب ورثہ اپنے اپنے حصے اس سے لے سکتے ہیں، اور اگر یحیٰی وعیسٰی وموسٰی نے ہلاک کردیا تو باقیوں کے حصص کے تاوان دیں، رہا موصی کا حصہ شوہری کہ وہی محل نفاذ وصیت تھا نظر کی جائے کہ چڑھاوا جو دولھا کی طرف سے دلہن کو جاتا ہے وہاں عرف شائع میں دلہن کی ملک سمجھا جاتا ہے یا ملک پر دولہا ہی کے رہتا ہے اور دلہن کو پہننے کے لئے دیا جاتا ہے، اگر دلہن کی ملک سمجھا جاتا ہے تو اس حصے میں بھی وصیت باطل ہوئی کہ اب یہ وصیت حقیقۃً دلہنوں کے لئے تھی اور دلہنیں وقت موت موصی تک معدوم تھیں کہ دلہن ہونا بعد نکاح صادق ہوتا ہے اور نکاح موت موصی سے ایک مدت کے بعد ہوئے اور معدوم کے لئے وصیت باطل ہے کہ وہ تملیک اور معدوم صالح تملیک نہیں، ولہذا حمل کے لئے وصیت میں شرط ہے کہ اس کا باپ زندہ ہے تو چھ مہینے کے اندر پیدا ہو، اور مرگیا یا طلاق بائن دے دی اور عورت عدت میں ہے تو دو برس کے اندر پیدا ہوا کہ اس وقت اس کا وجود ہو یدا ہوا۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

هی تملیك مضاف الی مابعد الموت بطریق التبرع و شرائطها کون الموصی اهلا للتملیك والموصی له حیا وقتها تحقیقا	وہ تملیک ہے جو بطور تبرع موت کے مابعد کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اور اسی کی شرائط میں سے ہے کہ موصی تملیک کی اہلیت رکھتا ہو اور جس کے لئے وصیت کی گئی ہے وہ بوقت

[1] الہدایۃ کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۶۶

[2] غایۃ البیان

اوتقدیرالیشمل الحمل،وصحت للحمل ان ولد لاقل من ستة اشھر لو زوج الحامل حیا،ولومیتاوھی معتدة حین الوصیة فلاقل من سنتین بدلیل ثبوت نسبه اختیار وجوھرہ[1] اھملتقطًا۔	وصیت حقیقتًا یاتقدیرًازندہ ہو تاکہ یہ حمل کو بھی شامل ہے، حمل میں وصیت تب صحیح ہوگی وہ چھ ماہ سے کم مدت میں پیداہوجائے جبکہ حاملہ کاشوہر زندہ ہو اوراگر وہ مردہ ہے اور حاملہ عورت بوقت وصیت معتدہ ہے تواس صورت میں حمل کے لئے وصیت تب صحیح ہوگی جب دوسال سے کم مدت میں پیداہو اوراس پر دلیل اس مدت میں اس کے نسب کاثابت ہونا ہے،اختیار وجوہرہ اھ التقاط۔

ردالمحتار میں ہے:

قوله وقتها **اقول**:فی التاتارخانیة الموصی له اذاکان معینامن اھل الاستحقاق یعتبر صحة الایجاب یوم اوصی ومتی کان غیر معین یعتبر صحة الایجاب یوم موت الموصی فلواوصی بالثلث لبنی فلان ولم یسمھم ولم یشرالیھم فھی للموجودین عندموت الموصی وان سماھم اواشار الیھم فالوصیة لھم حتی لوماتوا بطلت الوصیة لان الموصی له معین فتعتبر صحة الایجاب یوم الوصیة[2]،قوله لاقل من ستة اشھر ،اذلو	ماتن کاقول"بوقت وصیت"**میں کہتاہوں** تاتارخانیہ میں ہے جس کے لیے وصیت کی گئی ہے اگر وہ مستحقین میں سے متعین ہے توصحت ایجاب کا اعتبار وصیت کے دن سے کیا جائے گا اورجب وہ غیر متعین ہے توصحت ایجاب کااعتبار موصی کی موت کے دن سے کیاجائے گا،اگرفلاں کے بیٹوں کے لئے ایک تہائی کی وصیت کی اوران کانام نہیں لیانہ ہی ان کی طرف اشارہ کیا تویہ وصیت صرف ان کے لئے ہوگی جو موصی کی موت کے وقت موجود ہوں گے۔اوراگران کانام لیا یا ان کی طرف اشارہ کیاتو وصیت خاص انہی کے لئے ہوگی۔ اگروہ مرگئے تووصیت باطل ہوجائے گی کیونکہ جس کے لئے وصیت کی گئی وہ متعین ہے۔للذاصحت ایجاب کااعتبار وصیت والے دن سے ہوگا۔ماتن نے کہاکہ چھ ماہ سے کم مدت میں حمل پیداہو۔یہ اس لئے

---

[1] درمختار شرح تنویرالابصار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۷و۳۱۸

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵و۱۶

ولد لستة اشھر او لاکثر احتمل وجودہ وعدمه فلا تصح، افادہ الاتقانی، قوله ولو میتا مثل الموت الطلاق البائن[1]۔	ہے کہ اگرپورے چھ ماہ پر یا اس سے زائد مدت میں پیدا ہوا توبوقت وصیت اس کاوجود وعدم دونوں محتمل ہوئے، لہٰذا وصیت صحیح نہ ہوئی، ماتن کا قول کہ اگروہ مردہ ہو، طلاق بائن بھی موت کی طرح ہے۔ (ت)

ہندیہ میں ہے:

شرطھا کون الموصی اھلا للتملیك و الموصی له اھلا للتملک۔[2]	وصیت کے لئے شرط یہ ہے کہ موصی تملیک کااہل ہو اور جس کے لئے وصیت کی گئی ہے وہ مالک بننے کااہل ہو۔ (ت)

ولہٰذا صحت وصیت کے لئے شرط ہے کہ یا تواہل حاجت کے لئے واقع ہو جیسے بنی فلاں کے یتیموں یا بیواؤں کے لئے کہ اس تقدیر پر وصیت حضرت حق عزوجل کے لئے واقع ہوگی اور وہ معلوم ہے ورنہ وہ لوگ معدود قابل شمار ہوں جیسے زید کے بیٹے کہ انہیں تملیک صحیح ہوسکے اور دونوں صورتیں نہ ہوں مثلاً سیدوں یا شیخوں کے لئے تو وصیت باطل ہے، درمختار میں ہے:

الاصل ان الوصیة متی وقعت باسم ینبیئ عن الحاجة کایتام بنی فلان تصح وان لم یحصوا علی مامر لوقوعھا ﷲ تعالٰی و ھومعلوم وان کان لاینبیئ عن الحاجة فان احصوا صحت ویجعل تملیکا والا بطلت۔[3]	اگروصیت ایسے اسم کے ساتھ واقع ہو جو حاجت کی خبر دے جیسے فلاں قبیلے کے یتیموں کے لئے تووصیت صحیح ہوگی اگروہ قابل شمار نہ ہوں جیساکہ گزرچکاہے کیونکہ یہ وصیت اللہ تعالٰی کے لئے واقع ہوئی ہے اور وہ معلوم ہے اوراگرایسے اسم کے ساتھ واقع نہ ہو جو حاجت کی خبر دیتاہے تواس صورت میں جن کے لئے وصیت کی گئی ہے اگروہ قابل شمار ہیں تب تو وصیت صحیح ہوگی اوراس کو تملیک قرار دیا جائے گا ورنہ وصیت باطل ہوگی۔ (ت)

ولہٰذا اگروارثان فلاں کے لئے وصیت کی اور فلاں ابھی زندہ ہے توصحت وصیت کے لئے

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۸

[2] الفتاوی الھندیة کتاب الوصایا الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۹۰

[3] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیة للاقارب وغیرھا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۰

ضروری ہے کہ وہ اس موصی سے پہلے مرجائے تاکہ وارثان فلاں کالفظ صادق آئے ورنہ وصیت باطل ہوجائے گی، ایسی جگہ ذات شخص کاوجود کافی نہیں بلکہ ذات مع اس وصف کے وجود ہونا درکار جس وصف کے لحاظ سے وصیت واقع ہوئی ہے۔

فی الدرالمختار، شرط صحتہا فی الوصیۃ لورثۃ فلان ومافی معناہا کعقب فلان موت الموصی لورثتہ اولعقبہ قبل موت الموصی لان الورثۃ والعقب انما یکون بعد الموت فلومات الموصی قبل موت الموصی لورثتہ اوعقبہ بطلت الوصیۃ لورثتہ اوعقبہ لان الاسم لایتناولہم الابعدالموت[1] اھ مختصرًا، وفی رد المحتار قولہ لان الاسم لایتناولہم، فکانت وصیۃ لمعدوم۔[2]	درمختار میں ہے فلاں کے وارثوں یا اس کے ہم معنی یعنی فلاں کے پسماندگان کے لئے وصیت کی تو اس وصیت کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ جس کے وارثوں اور پسماندگان کے لئے وصیت کی گئی ہے وہ موصی سے پہلے مرے کیونکہ اس کے مرنے کے بعد ہی وہ لوگ اس کے وارث یا پسماندگان بنیں گے اور اگر موصی اس سے پہلے مرگیا اور جس کے وارثوں اور پسماندگان کے لئے وصیت کی گئی ہے وہ ابھی زندہ ہے تو اس کے وارثوں یا پسماندگان کے لئے وصیت باطل ہوجائے گی کیونکہ ان پر لفظ ورثاء اور پس ماندگان کااطلاق تو اس کے مرنے کے بعد ہوگا اھ اختصار۔ ردالمحتار میں ہے اس کا قول کیونکہ لفظ ورثاء اور پس ماندگان کا ان پر اطلاق نہیں ہوتا، لہٰذا یہ معدوم کے لئے وصیت ہوئی۔ (ت)

اور اگر بحکم عرف چڑھاوا دُولہا کی ملک ہوتا ہے۔ (یہ جواب ناتمام دستیاب ہوا)

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب وغیرہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۹ و ۳۳۰

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب وغیرہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴۰

رسالہ
الشرعۃ البھیۃ فی تحدید الوصیّۃ ۱۳۱۷ھ
(کشادہ راستہ وصیّت کی جامع ومانع تعریف کے بیان میں)

مسئلہ ۱۳۵: از رنگون مکان نمبر ۸۵ و ۸۶ گلی نمبر ۳۱ مرسلہ شیخ عبدالعزیز سرکار ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

علمائے دین رحمہم اللہ تعالٰی رحمۃً واسعۃً فی الدنیا والاٰخرۃ اس میں کیافرماتے ہیں کہ زید کے دو وطن تھے ایک قدیم اور دوسرا جدید، اور دوہی بیویاں، ایک وطن قدیم میں شادی کرائی ہوئی، دوسری وطن جدید، اعنی شہر رنگون میں بطریق شادی مطابق شرع محمدی نکاح میں لائی ہوئی، زید نے بفضلہٖ تعالٰی رنگوں میں بہت کچھ کمایا، پھر یہیں کی کمائی سے وطن قدیم اور رنگون دونوں جگہ میں جائداد معتدبہ پیدا کی لیکن وطن قدیم تخمینا پانچ ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کی کل جائداد کو بحیلہ اپنے وطن قدیم کی ایک مسجد پر وقف کرنے کے جو کہ دس بارہ روپیہ ماہواری کے خرچ کی حاجت نہیں رکھتی وطن قدیم کی بی بی کی اولاد پر روک دیا اور وقف نامہ میں لکھ دیا کہ متولی اس وقف کے یہی لوگ رہیں جو کچھ مصارف مسجد سے بچے اپنے کام میں لائیں۔ رنگون کی بیوی کے بطن کی اولاد کو اس میں سے ایک حبہ نہیں دیا اور رنگونی جائداد میں سے وطن قدیم والی اولاد کو حصہ بھی دیا اور اس جائداد کے نفع سے کئی ہزار روپیہ لوگوں کو دینے کی اور پچاس روپیہ ماہواری اس مسجد وطن قدیم پر خرچ کرنے کی وصیت بھی کہ چنانچہ یہ امر نقل وصیت نامہ مرسل مع استفتاء سے بخوبی واضح ہوگا، پس چونکہ زید کی یہ وصیت رنگونی ورثہ کی مضرت یعنی حق تلفی اور وطن قدیم کے ورثہ کی منفعت کے لئے ہے، لہٰذا چند باتیں عرض کرتا ہوں:

۱**اول:** علی مافی کتب الفقہ، موصی کو توصیت کرنا مستحب ہے لیکن ورثہ پر اس کاادا کرنا واجب ہے کہ اگرنہ کریں گے تو ماخوذ ہوں گے یا کیا؟

۲**دوم:** زید کی یہ وصیت بکیفیت وعبارت کذائیتین (اعنی مجموعہ ترکہ کے نفع سے نہ اس کے کسی جزو معین کے نفع سے اور بایں عبارت کہ اس قدر روپیہ میری تجہیز وتکفین کے لئے رکھیں اور اتنا روپیہ میرے ملک کے لئے غرباء کے لئے رکھیں) شرعًا صحیح ہے یا نہیں؟

۳**سوم:** زید کے قول (اور میں خصوصًا اپنے پسران مذکور کو اس طرح فرمان وصیت کرتا ہوں کہ بعد میرے مرنے کے کاروبار کارخانہ لکڑی جاری رکھیں اور منافع کاروبار وکرایہ مکانات واراضی سے تمام سرکاری ومینوسپال کے خزانہ وغیرہ ادا کیا کریں اور مبلغ ایک ہزار روپیہ برائے میری تجہیز وتکفین کے جمع رکھیں الٰی قولہ اور ماہ بماہ مبلغ ۵۰ روپیہ موضع سالولا میرا پاڑہ کی مسجد کے اخراجات کے لئے دیا کریں) کاخلاصہ مضمون یہ ہے یا نہیں کہ لکڑی کی تجارت کے نفع اور مکانات واراضی کے کرایہ سے سوا مبالغ ٹیکس میونسپال وخزانہ سرکاری کے باقیماندہ مبالغ سے اتنا یوں کریں اور اتنا یوں کریں اعنی زید کا یہ قول متضمن استثنائے مبالغ معلومہ کو ہے یا نہیں؟

۴**چہارم:** وصیت از قبیل معاملات ہے یا نہیں؟

۵**پنجم:** بر تقدیر زید کے قول مذکور کے متضمن استثنائے مبالغ معلومہ اور وصیت کے از قبیل معاملات ہونے کے جیسے کہ بقول معتبر:

لایجوزان یبیع ثمرۃ ویستثنی منھا ارطالا معلومۃ۔[1]	یہ جائز نہیں کہ وہ پھل فروخت کرے اور اس میں سے کچھ معین رطل مستثنٰی کرلے۔(ت)

بیع ثمرہ باستثنائے ارطال معلومہ، بوجہ احتمال عدم وجود ماسوائے ارطال مستثناۃ کے جائز نہیں ایسے ہی اس کے قیام پر بجامع تملیک وصیت دراہم باستثنائے دراہم معلومہ بوجہ مذکور ناجائز ہوگی یا نہیں؟ اور یہ امر ظاہر ہے کہ بسااوقات ایسا ہوتا ہے کہ سوا ٹیکس میونسپال وخزانہ سرکاری کے مکانات واراضی وتجارت سے وصول نہیں ہوتا بلکہ کبھی اس میں بھی کمی ہوجاتی ہے۔

۶**ششم:** زید کی یہ وصیت متضمن مضرت ہے اور بعض شارحین مشکوٰۃ شریف حدیث مرفوع ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے:

---

[1] الھدایۃ کتاب البیوع فصل فی دخول بناء الراد فی البیع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۲

المخرج فی مسندالامام احمد وجامع الترمذی و سنن ابی داؤد وابن ماجة ان الرجل لیعمل والمراۃ بطاعۃ اللہ ستین سنۃ ثم یحضرھما الموت فیضاران افی الوصیۃ فتجب لھما النار ثم قرء ابوھریرۃ من بعد وصیۃ یوصی بھا اودین غیر مضار الآیۃ۔[1]	جس کی تخریج مسند امام احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور سنن ابی داؤد میں کی گئی ہے کہ بیشک کوئی مرد اور عورت ساٹھ سال تک اللہ تعالٰی کی طاعت وعبادت میں مصروف عمل رہتے ہیں، پھر انہیں موت آتی ہے تو وہ وصیت میں نقصان پہنچاتے ہیں چنانچہ ان کے لئے جہنم واجب ہوجاتی ہے، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ آیت کریمہ پڑھی: "میت کی وصیت یاقرض نکالنے کے بعد رانحالیکہ اس وصیت میں وہ نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔(ت) کی شرح میں ایسی وصیت کو مکروہ لکھتے ہیں،

اور صاحب درمختار کے قول لانھا حینئذ وصیۃ بالمکروہ[2] (اس لئے کہ اب یہ وصیت ہے مکروہ کے ساتھ۔ت) جو کہ صاحب تنویرالابصار کے قول اوصی بان یطین قبرہ اویضرب علیہ قبۃ فھی باطلۃ[3] (اگر کسی کو وصیت کی کہ وہ اس کی قبر کی لپائی کرے یا اس پر گنبد بنائے تو یہ وصیت باطل ہے۔ت) کے تحت ہے) وصیت مع الکراہت کا بطلان ثابت ہے علامہ شامی صاحب دُر کے قول مذکر کے تحت لکھتے ہیں:

مقتضاہ انہ یشترط لصحۃ الوصیۃ عدم الکراھۃ و قدّم اول الوصایا انھا اربعۃ اقسام وانھا مکروھۃ لاھل فسوق و مقتضی ماھنا بطلانھا اللھم الا ان یفرق[4] الخ۔	اس کا تقاضا یہ ہے کہ وصیت کے صحیح ہونے کے لئے عدم کراہت شرط ہے جبکہ کتاب الوصایا کے شروع میں کہا گیا ہے کہ وصیت کی چار قسمیں ہیں اور یہ کہ فاسقوں کے لئے وصیت مکروہ ہے اور جو کچھ یہاں ہے اس کا تقاضا اس وصیت کے بطلان کا ہے، اے اللہ! مگر یہ کہ فرق کیا جائے الخ(ت)

پس اس وصیت کے بطلان کی یہ تقریر صحیح ہے یا نہیں، برتقدیر ثانی علامی شامی نے جو تقریر

---

[1] جامع الترمذی ابواب الوصایا باب ماجاء فی الوصیۃ بالثلث امین کمپنی دہلی ۲ /۳۳، سنن ابی داؤد کتاب الوصایا باب فی کراہیۃ الاقرار فی الوصیۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۴۰

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب وغیرھا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۳۰

[3] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب وغیرھا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۳۰

[4] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب وغیرھا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۴۱

وصیت مکروہہ لاہل فسوق کی صحت کی اللھم سے آخر تک کی ہے اس کے صحیح ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے۔

۷**ہفتم:** موصی کے وطن قدیم والی اولاد نے صرف اپنے فائدہ کی وصیتوں پر عمل کیا اور اس کی ان وصیتوں پر عمل نہیں کیا:

(۱) اور میری وصیت ان کو (یعنی وصیان مذکور) کرتا ہوں کہ جو کچھ جملگی وہمگی میری یافتنی ومطالبات موجودہ اور مطالبات و یافتنی آئندہ کی بابت کرایہ مکانات یا اراضی بنام میرے وصول کریں۔

(۲) اور میں خصوصا اپنے پسران مذکور کو اس طرح فرمان اور وصیت کرتا ہوں کہ بعد میرے مرنے کے کاروبار کارخانہ لکڑی جاری رکھیں، پس موصی کی وصایا میں سے بعض پر عمل نہ کرنے اور بعض پر کرنے سے کل وصایا میں کچھ خلل آئے گا یا نہیں؟

۸**ہشتم:** موصی کی وصیت (اور میں نیز میرے وصیان مذکور کو اختیار دیتا ہوں کہ میرے جمیع نابالغ ورثہ کے امین اور حامی ہو رہیں الٰی قولہ مطابق شرع محمدی تقسیم کردیں) کی رو سے وصیوں پر ورثہ صغار کے کل سہام کو بعینہٖ رکھنا لازم ہوگا ان میں بلاوجہ کسی وجہ سے تصرف بیع وغیرہ کرنے کے مجاز ہوں گے ان سب باتوں کا جواب مفصل ومدلل رحمت فرمائیں اور اجراللہ سے پائیں عرض ضرور ہے۔

رنگون کے چند علماء کو وصیت کے بارے میں حکم بنایا گیا تھا انہوں نے اس کی صحت کا حکم دیا اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ وصیت بالمنافع ہے اور وصیت بالمنافع جائز لہٰذا یہ بھی جائز ہے۔ اب بہ اجازت انہیں علماء کے آپ حضرت سے اس کی اپیل کی گئی ہے خوب غور فرما کر جواب باصواب سے ممنون فرمائیں۔

نقل ترجمہ وصیت نامہ اززبان انگریزی

میکہ شیخ حاجی محمد بھولو سرکار لائق ساکن نمبر ۳۱ گلی شہر رنگون مالکی مکانات وکارخانہ ہائے ظاہر کرتا ہوں کہ جو کچھ تحریرات سابق اس کے منجانب میری ہو سب کی سب کو خرید ومنسوخ کرکے یہ میری وصیت صحیح کے کرتا ہوں اور بحالت صحت ذات نفس اور ثبات عقل اظہار کرتا ہوں کہ بایں وصیت نامہ میں اپنے داماد میاں رحیم بخش اور فرزندان خود شیخ میاں عبدالعزیز لائق اور شیخ میاں عبدالغنی لائق الحال ساکنان شہر رنگون مذکور الفوق کو اور شیخ میاں عبدالواحد لائق الحال ساکن موضع سالمولا میراپاڑہ ضلع بردوان اور ملا مقصد صاحب تاجر لکڑی الحال شہر رنگون کو اپنی وصیان واسق [عـــہ] بنایا ہوں اور میری یہ وصیت ان کو کرتا ہوں کہ جو کچھ جملگی وہمگی

عـــہ: کذا فی الاصل ۱۲ ازہری غفرلہ۔

میری یافتنی ومطالبات موجودہ اور مطالبات ویافتنی آئندہ کے بابت کرایہ مکانات یاسکینات یااراضی بنام میرے وصول کریں اور میں خصوصًا اپنے پسران مذکور کواس طرح فرمان اور وصیت کرتاہوں کہ میرے بعد میری موت کے کاروبار کارخانہ لکڑی جاری رکھیں اور منافع کاروبار وکرایہ مکانات واراضی سے تمام سرکاری ومیونسپال کے خزانہ وغیرہ اداکیاکریں اور مبلغ ایک ہزار روپیہ برائے میری تجہیز وتکفین جمع رکھیں اور مبلغ پانسوروپیہ میرے وطن میں غرباء کے خیرات کے لئے رکھیں اور میرے دامادمذکور میاں رحیم بخش کو مبلغ دوہزارروپیہ دیں اور میرے برادرزادہ شیخ حاجی محمد اسحاق لائق کو مبلغ دوسوروپیہ دیں اور مبلغ ایک سوروپیہ بنوبی بی زوجہ برادر مرحوم خود کودیں اور نسارن بی بی زوجہ برادر مرحوم خود کو مبلغ ایک سوروپیہ دیں اور دھنوبی بی کو مبلغ ایک سوروپیہ دیں اور ماہ بماہ مبلغ پچاس روپیہ موضع سالمولا میراپاڑہ کی مسجد کے اخراجات کے لئے دیاکریں اور میں نیز اپنے وصیان مذکور کوایک یاجملہ مکانات جوکہ قسم خود میں معروف یعنی پانچواں درجہ لاٹ نمبر ۲۱،۲۲ بلال اسٹریٹ پر واقع ہیں اگران کافروخت کرنامناسب سمجھیں اوراس زرفروختگی سے کچھ مال غیر منقولہ میرے ورثہ کی منفعت کے لئے خرید کریں اور میں نیز میرے وصیان مذکور کواختیار دیتاہوں کہ میرے جمیع نابالغ مذکوراپنے سن بلوغ کو پہنچیں اور جب ہرایک اپنے سن بلوغت کو پہنچ جائیں ان کے حقوق جو میری جائداد میں ہیں مطابق شرع محمدی کے تقسیم کردیں اور میں اپنی وصیان مذکور کو نیز اختیار دیتاہوں کہ بایں امر کہ میرے وطن میں ہرماہ محتاجوں اور مسکینوں کواس قدر خیرات دیاکریں کہ جوصاحبان موصوف کی نظر میں مناسب آئیں۔ لہٰذا ان چند کلمات کو بطور سند لکھ دیاہوں کہ عندالحاجت کام آئے۔

رنگون مؤرخہ ۱۵/ماہ مئی ۱۸۹۴ء دستخط حاجی محمد بھولو سرکار بزبان بنگلہ

ایں وصیت نامہ دستخط شدہ واعلان نمودہ واظہار کردہ شدہ بحضرات شاہدین مرقوم الذیل:

منشی مراد بخش، شیخ محمد اسحٰق، لعل محمد وشیخ سخاوت حسین

نقل مطابق اصل نمودہ شد معین الدین غفرلہ،

الجواب:

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حق اور درستگی کی ہدایت عطافرما۔ ت)

جواب سوال اول: وصیت نافذہ شرعیہ اگرچہ فی نفسہ واجبہ نہ ہواپنے حد نفاذ تک کہ ثلث مال باقی بعداداء الدین سے محدود ہے واجب التسلیم ہے جس طرح وقف کہ واقف پر اس کی انشاء واجب نہیں اور بعد انشاء لازم وواجب العمل ہے بلکہ نفس وقف در کنار شرائط واقف مثل نص شارع

واجب الاتباع ہیں کما نصوا علیہ بشرائطہ (جس طرح فقہاء نے شرائط سے متعلق نص فرمائی ہے۔ت) ورثہ اگر وصیت کو روکیں رد کریں گنہگار ہوں گے اور دوسرے کے حق پر ظالم وستمگار، قرآن عظیم نے ورثہ کا حق وصیت سے مؤخر رکھا ہے:

" مِّنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ تُوۡصُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ "[1]	جو وصیت تم کر جاؤ اور قرض نکالنے کے بعد۔(ت)

یہی آیت ثبوت ایجاب میں بس ہے کہ ورثہ کو ان کا حق پہنچانا ضرورۃً فرض ہے اور وہ بنص قرآن تقدیم وصیت پر محوّل،

ومالایتأتی الواجب الابہ وجب ان یحکم بایجابہ۔	جس کے بغیر واجب حاصل نہ ہو تو اس کے ایجاب کا حکم واجب ہے۔(ت)

بالجملہ اس کی تسلیم اور اس میں ترک مزاحمت ورثہ پر قطعًا واجب ہے اگرچہ تنفیذ وادا ذمہ وصی ہو یہی حال جملہ تبرعات مالیہ کا ہے کہ مالک پر واجب نہیں اور بعد وقوع وتمامی دوسرا ان میں مزاحمت نہیں کرسکتا، لاجرم علماء نے ایجاب کو نفس حقیقت وصیت میں داخل مانا اس کی تعریف ہی یوں کی:

"الوصیۃ ما اوجبہا الموصی فی مالہ بعد موتہ او مرضہ الذی مات فیہ" کما فی نتائج[2] الافکار عن النہایۃ عن الایضاح۔	وصیت وہ ہے جس کا ایجاب موصی پنے مال میں کرے، موت کے بعد یا اس بیماری میں جس میں وہ مرا۔ جیسا کہ نتائج الافکار میں نہایہ سے بحوالہ ایضاح منقول ہے۔(ت)

یا یوں ہے:

ایجاب بعد الموت کما فی الوقایۃ[3] والنقایۃ **قلت** وسیأتیك غایۃ التحقیق فانتظر۔	وہ ایجاب ہے موت کے بعد، جیسا کہ وقایہ اور نقایہ میں ہے۔ **میں کہتا ہوں** اس کی انتہائی تحقیق عنقریب آرہی ہے۔ انتظار کر۔(ت)

جواب سوال دوم: صحت وصیت کو کسی خاص جزء معین کی تعیین ضروری نہیں خواہ وصیت

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

[2] نتائج الافکار (وھو تکملۃ فتح القدیر) بحوالہ النہایۃ کتاب الوصایا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۳۴۱

[3] النقایۃ مختصر الوقایۃ کتاب الوصایا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۹۳

بالمنافع ہو مثل غلہ و کرایہ خواہ بالاجزاء مثل ثلث وربع خواہ بدراہم وسکہ مثل ہزار و پانصد وصدروپیہ

كما تواترت به المسائل وسيأتيك ان الجهالة لا تمنع الوصية حتى لو اوصى بجزء مجهول منماله ولم يبين مقدار نفسه فضلا عن تعيين مايقع فيه صح و يكون البيان الى الورثة يقال لهم اعطوه ما شئتم و هذا كله واضح عند من له ادنى المام بالعلم۔	جیساکہ اس کے ساتھ مسائل تواتر سے وارد ہیں عنقریب تیرے سامنے آرہاہے کہ جہالت وصیت سے مانع نہیں یہاں تک کہ اگر کسی نے اپنے مالی میں سے مجہول جزئ کی وصیت کی خود اس کی مقدار ہی بیان نہیں کی چہ جائیکہ اس کی تعین کرتا جس میں وصیت واقع ہے تو یہ وصیت صحیح ہے اوراس کا بیان وارثوں کے ذمہ ہوگا۔انہیں کہاجائے گا کہ جوتم چاہو اس کو دے دو۔یہ تمام واضح ہے ہراس شخص کے لئے جس کو علم کے ساتھ معمولی سا تعلق ہے۔(ت)

یوں ہی پانسوروپیہ غربائے وطن پر خیرات کی وصیت بھی بدیہی الصحۃ محاورۂ ہندہ میں غرباء فقراء کو کہتے ہیں اور فقراء شہر فلاں کے لئے وصیت جائز اگرچہ مذہب مفتی بہ میں انہیں فقراء کی تخصیص لازم نہیں ہر جگہ کے فقیروں کو دے سکتے ہیں ہاں افضل انہیں کو دینا ہے،

فى الدر المختار،فى المجتبى،اوصى بثلث ماله للكعبة جاز ويتصرف لفقراء الكعبة لاغير وكذا للمسجد و للقدس وفى الوصية لفقراء الكوفة جازلغيرهم۔[1]	درمختار میں بحوالہ مجتبٰی ہے کسی نے کعبہ شریف کے لئے اپنے تہائی مال کی وصیت کی تو یہ وصیت جائز ہے اورمال صرف کعبہ شریف کے فقیروں پرخرچ کیاجائے گا کسی اورپر نہیں۔یہی حکم مسجد اور بیت المقدس کے لئے وصیت کا ہے، اورفقراء کوفہ کے لئے وصیت کی صورت میں ان کے غیرپر خرچ کرنا بھی جائز ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فى الخلاصة،الافضل ان يصرف اليهم وان اعطى غيرهم جازوهذاقول ابى يوسف وبه يفتى وقال محمد	خلاصہ میں کہاہے کہ افضل فقراء کوفہ پرہی خرچ کرناہے، اگران کے غیر کو دے دیاتب بھی جائز ہے،یہ امام ابویوسف کا قول ہے۔اوراسی پرفتوٰی دیاجاتاہے۔امام محمد رحمہ اللہ

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۱-۳۲۲

لایجوز [1]۔	نے فرمایا کہ یہ جائز نہیں ہے۔(ت)

اور اگر وہاں غریب اپنے معنی اصلی یعنی مسافر ہی کے لئے بولا جاتا ہے تو مسافروں کے لئے بھی وصیت صحیح ہے کہ یہ لفظ بھی حاجتمندی سے خبر دیتا ہے۔

قال اللہ تعالٰی " اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ الٰی قولہ تعالٰی وَابْنِ السَّبِیْلِ ؕ"۔ [2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: صدقات فقیروں کے لئے اور مسکینوں کے لئے ہیں، اللہ تعالٰی کے قول ابن السبیل یعنی مسافر تک۔(ت)

اور وصیت جب غیر محصور لوگوں کے لئے ہے تو اس کا مناط صحت یہی دلالت حاجت ہے۔

فی الدرالمختار الاصل ان الوصیۃ متی وقعت باسم ینبیئ عن الحاجۃ کایتام بنی فلان تصح وان لم یحصوا علی مامر لوقوعھا للہ تعالٰی وھو معلوم و ان کان لاینبئ عن الحاجۃ فان احصوا صحت ویجعل تملیکا والابطلت۔ [3]	درمختار میں ہے وصیت میں اصل یہ ہے کہ جب وہ ایسے اسم کے ساتھ واقع ہو جو حاجت کی خبر دیتا ہے جیسے فلاں قبیلے کے یتیموں کے لئے تو وصیت صحیح ہوگی، اگرچہ اس قبیلے کے یتیم قابل شمار نہ ہوں، جیسا کہ گزر چکا، کیونکہ یہ وصیت اللہ تعالٰی کے لئے واقع ہوئی اور وہ معلوم ہے، اور اگر وصیت ایسے اسم کے ساتھ واقع نہ ہو تو پھر جن کے لئے وصیت کی گئی اگر وہ قابل شمار ہیں تو وصیت صحیح ہے اور اس کو تملیک قرار دیا جائے گا اور اگر وہ قابل شمار نہیں تو وصیت باطل ہے۔(ت)

ہاں مستحق یہاں بھی فقرائے مسافرین ہوں گے نہ اغنیاء۔

فی وجیز الامام الکردری نوع من الفصل الثانی من کتاب الوصایا اوصی لاھل السجون اوالیتامٰی او الارامل اوابناء السبیل اوالغارمین اوالزمنٰی یعطی فقراء ھم لاغنیائھم [4] اھ۔	قیدیوں یا یتیموں یا بیواؤں یا مسافروں یا مفروضوں یا اپاہجوں کے لئے وصیت کی تو ان کے فقراء کو دیا جائے گا نہ کہ ان کے مالداروں کو الخ، اور اسی کی مثل کافی

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۶

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۰

[3] الدرالمختار کتاب الوصایا مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۰

[4] الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۳۸

ومثلہ فی سادس وصایا الھندیۃ عن الکافی۔	امام کردری کی وجیز میں کتاب الوصایا، فصل ثانی کی ایک نوع میں ہے کسی شخص نے کے حوالے سے ہندیہ کے وصایا کی فصل سادس میں ہے۔(ت)

رہی تجہیز و تکفین کے لئے وصیت وہ صرف حد مسنون وکفن متوسط تک مقبول ہے اس سے زیادہ میں باطل ونامعمول، مثلاً سوروپیہ میں تجہیز بقدر سنت وکفن میانہ ہوسکتی تھی اوراس کے لئے ہزار روپے کی وصیت کی تو ۹۰۰ روپیہ میں وصیت باطل ہے۔ فتاوی انقریہ میں ہے:

لواوصی الرجل بان یکفن ھو بعشرۃ اٰلاف فانہ یکفن بکفن الوسط من غیر سرف ولاتقتیر، قاضی خان فیما تجوز وصیتہ من کتاب الوصایا، وفی المنیۃ، الوصیۃ بالاسراف فی الکفن باطلۃ۔[1]	اگر کسی شخص نے وصیت کی کہ اسے دس ہزار درھم کا کفن پہنایاجائے گا جس میں نہ توفضول خرچی ہوگی اورنہ کمی کی جائے گی۔ یہ بات قاضی خاں کی کتاب الوصایا فیما تجوز وصیتہ، میں مذکورہے،اورمنیہ میں ہے کہ کفن میں اسراف کی وصیت باطل ہے۔(ت)

جواب سووال سوم: زیدکایہ قول ان کاموں کے شمار میں ہے جو اس نے اپنے اوصیاء کو سپرد کئے جس طرح ایک کام یہ بتایاکہ جملگی میری یافتنی ومطالبات موجودہ وآئندہ وصول کریں۔ یونہی ایک کام یہ تفویض کیاکہ کارخانہ جاری رکھیں اورمنافع سے خزانہ وغیرہ اداکیاکریں اسے استثناء قرار دینے سے مستثنٰی ومستثنٰی منہ میں ایک جملہ اجنبیہ مستقلہ بے گانہ فاصل ہونالازم آئے گاکہ اس کے متصل یہ لفظ ہیں "ہزار روپے برائے تجہیزو تکفین جمع رکھیں" اس سے ہرگز وہ روپیہ مراد نہیں ہوسکتا جوبعد موت موصی، کارخانہ جاری رہ کراس کے منافع سے آئندہ وصول ہونا متوقع سمجھاجائے کہ حاجت تجہیز و تکفین بعد موت فوری ہے نہ کہ بعد بقاء کارخانہ منافع مشکوکہ آئندہ پر محمول وھذا ظاھر جدًا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ت) معہذا اس عبارت میں کہ "ہزار روپے تجہیزکورکھیں اور پانسو غرباء کوخیرات کے لئے اورفلاں کو دوہزار دینااور فلاں کو دوسواورفلانہ وفلانہ کو سَو سَو روپے دیں" اس تخصیص پر کوئی دلیل نہیں کہ یہ روپے منافع آئندہ سے دیئے جائیں، ومالا دلیل علیہ لامصیر الیہ (اور جس پر دلیل نہ ہو اس کی طرف رجوع نہیں ہوتا۔ت) لاجرم جملہ اولٰی وہی ایک کام کی سپردگی ہے اور جمل مابعد میں وصیت تکفین سے یہاں تک کوئی جملہ وصیت بالمنافع نہیں بلکہ وصیت بدراہم مرسلہ ہیں جس کا اصلی حکم یہ ہوتا ہے کہ اگر

[1] الفتاوی الانقرویۃ کتاب الوصایا دارالاشاعۃ العربیۃ کوئٹہ پاکستان ۲/ ۴۰۹

اتنے روپے بوجہ عدم تجاوز حد شرعی وصیت کے مجموع وصایا کے لئے ثلث باقی بعد اداء الدین ہے تمام وکمال قابل نفاذ تو اگر فی الحال ترکہ میں موجود ہیں سب ابھی دے دیئے جائیں ورنہ ان کے لائق حصہ جائداد بیچ کر ادا ہوں،

فی ردالمحتار عن المنح عن السراج اذا اوصی بدراھم مرسلۃ ثم مات تعطی للموصی لہ لوحاضرۃ و الاتباع الترکۃ ویعطی منہا تلک الدراھم۔[1]	ردالمحتار میں منح سے بحوالہ سراج منقول ہے کہ جب کسی نے مطلق درھموں کی وصیت کی پھر مرگیا تو وہ درھم اس شخص کو دیئے جائیں گے جس کے لئے وصیت کی گئی ہے، اگر درھم حاضر ہیں ورنہ ترکہ بیچ کر اس میں سے وہ درہم دیئے جائیں گے۔(ت)

مگر یہاں وصیت ثلث درکنار جمیع مال کے دوچند سے بھی متجاوز ہے کہ تنہا مسجد کے لئے ماہوار کی وصیت کل مال کی وصیت تو وہی ہو گئی، باقی تین ہزار روپے کی وصایائے مذکورہ معینہ علاوہ رہیں،

فی الھندیۃ اوصی بان ینفق علٰی فلان خمسۃ کل شھر ماعاش وعلٰی فلان وفلان عشرۃ کل شھر ماعاشا و اجازت الورثۃ یقسم المال بین الموصی لہ بخمسۃ و الموصی لھما بعشرۃ نصفین فیوقف نصف المال علی صاحب الخمسۃ والنصف علی صاحبی العشرۃ لان الموصی لہ بالخمسۃ موصی لہ بجمیع المال وصیۃ واحدۃ و الموصی لھما بجمیع المال وصیۃ واحدۃ فکانہ اوصی لھذا بجمیع المال ولھما بجمیع المال فیقسم المال بینھم نصفین عندالکل وان لم تجز الورثۃ یقسم الثلث نصفین عندالکل کذا فی المحیط اھ مختصرًا۔[2]	ہندیہ میں ہے کسی شخص نے وصیت کی کہ فلاں شخص پر جب تک وہ زندہ رہے پانچ درہم ماہانہ خرچ کئے جائیں اور فلاں اور فلاں شخص پر جب تک وہ دونوں زندہ رہیں دس درہم ماہانہ خرچ کئے جائیں اور وارثوں نے اس کی اجازت دے دی تو مال اس شخص کے درمیان جس کے لئے پانچ درہم کی وصیت کی گئی اور ان دونوں کے درمیان جن کے لئے دس درہموں کی وصیت کی گئی نصف نصف تقسیم کیا جائے گا، چنانچہ نصف مال پانچ درہم والے کے لئے اور نصف دس درہم والوں کے موقوف رکھا جائے گا، اس لئے کہ جس کے لئے پانچ درہم ماہانہ کی وصیت کی گئی اس کے لئے تمام مال کے ساتھ ایک وصیت کی گئی اور جن دو کے لئے دس درہم ماہانہ کی وصیت کی گئی ان کے لئے بھی تمام مال کے ساتھ ایک وصیت کی گئی گویا کہ موصی نے اس کے لئے تمام

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۳۱

[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۱۲۹

	مال کی وصیت کی اور ان دونوں کے لئے بھی تمام مال کی وصیت کی۔ لہٰذا تمام ائمہ کے نزدیک ان کے درمیان مال نصف نصف تقسیم ہوگا۔ اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو تمام ائمہ کے نزدیک تہائی مال ان کے درمیان نصف نصف تقسیم کیا جائے گا۔ محیط میں یونہی ہے اھ (اختصار) (ت)

صرف تین ہزار اس لئے کہ تجہیز و تکفین تو حاجات اصلیہ سے ہے اور دین مہر بھی مقدم تو ان کے وصایا کے مرتبے میں یہی تین ہزار رہے۔

فی العقود الدریۃ، سئلت عن رجل اوصی بألف یخرج منھا تجھیزہ وکتفینہ والباقی منھا لعمل میراث و اوصی بخمسمائۃ لزید وبمثلھا لعمارۃ مسجد کذا و بمثلہ لعمارۃ مسجد کذا ایضا ولہ مملوك قیمتہ خمسمائۃ ایضا اعتقہ منجزا فی مرض موتہ واوصی لہ بألف و خمسمائۃ وخمسین وبلغ ثلث ترکتہ ثلثۃ اٰلاف وثمان مائۃ وبلغت نفقۃ تجھیزہ ثلثمائۃ فکیف تقسم فأجبت کلفۃ التجھیز الشرعی من اصل المال فکانہ استثناھا من الالف فیکون الباقی من الالف لعمل المیراث سبعمائۃ وتصیر جملۃ الوصیۃ اربعۃ اٰلاف ومائتین وخمسین وقد ضاق الثلث	العقود الدریہ میں ہے مجھ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ہزار درھم کی وصیت کی کہ اس میں سے اس کی تجہیز و تکفین کا خرچ نکالا جائے اور باقی نیک کاموں پر خرچ کیا جائے اور اسی نے زید کے لئے پانچسو درہم اور فلاں مسجد کی تعمیر کے لئے پانچ سو درہم اور مزید فلاں مسجد کی تعمیر کے لئے بھی پانچ سو درہم کی وصیت کی۔ اور اس کا ایک غلام تھا اس کی قیمت بھی پانچسو درہم تھی جس کو اس نے اپنی مرض موت میں بطور تنجیز آزاد کردیا اور اس کے لئے ایک ہزار پانچ سو پچاس درہم کی وصیت کی، اور اس کے ترکہ کا تہائی حصہ تین ہزار آٹھ سو تک پہنچا اور اس کی تجہیز و تکفین کا خرچ تین سو تک پہنچا تو اب اس کی وصیت کیسے تقسیم کی جائے گی؟ میں نے اس کا جواب دیا شرعی تجہیز و تکفین کا خرچ اصل مال سے ہوگا گویا اس نے ہزار میں سے اس کو مستثنٰی کیا ہے تو اس طرح نیک کاموں پر خرچ کرنے کے لئے ہزار میں سے سات سو درہم باقی بچے، اور اس کی وصیت کا مجموعہ چار ہزار دو سو پچاس ہوا جو ترکہ کے تہائی حصہ میں سے نہیں نکل سکتا۔ چنانچہ وصیت صرف مال

عنہافینفذالثلث فقط[1] الخ۔	کے تہائی حصہ میں نافذ کی جائے گی فقط (ت)

پھر سب میں پچھلی وصیت ہے کہ وصیان مذکور ہر ماہ محتاجوں کو اس قدر خیرات دیا کریں جو نظر میں مناسب آئے دوبارہ کل مال کی وصیت ہے کہ اس کی تعیین مقدار میں اگرچہ اوصیاء کو اختیار دیا ہے اور یہ اختیار صحیح اور ایسی وصیت جائز ہے۔

کما اذا اوصی بجزء اوسهم من ماله فالبیان الی الورثة یقال لهم اعطوه ماشئتم کما فی الدر[2] المختار وعامة الاسفار وفی ردالمحتار عن التبیین لانه مجهول یتناول القلیل والکثیر والوصیة لاتمتنع بالجهالة و الورثة قائمون مقام الموصی فکان الیهم بیانه[3] اھ **قلت** فالوصی المفوض الیه بنص الموصی اولٰی بذٰلك کمالایخفی۔	جیسے کسی شخص نے اپنے مال میں سے ایک جز یا ایک سہم کی وصیت کی تو اس کا بیان وارثوں کے ذمے ہوگا انہیں کہا جائے گا کہ جو کچھ رقم تم چاہو اس کو دے دو جیسا کہ درمختار اور عام کتابوں میں ہے۔ ردالمحتار میں تبیین کے حوالے سے منقول ہے کیونکہ وہ مجہول ہے قلیل و کثیر دونوں کو شامل ہے اور وصیت بسبب جہالت کے ممنوع نہیں ہوتی اور وارث موصی کے قائم مقام ہوتے ہیں لہٰذا اس کا بیان انہیں کو سونپا جائے گا الخ **میں کہتاہوں** کہ وہ وصی اس کا زیادہ حقدار ہے جس کے سپرد معاملہ موصی کی نص سے ہوا ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں (ت)

مگر یہ کوئی مقدار تجویز کریں آخر کچھ نہ کچھ ماہوار کی وصیت ہوگی اور وہ بلا تفرقہ کثیر و قلیل مطلقاً جمیع مال کی وصیت ہے،

کما علمت اٰنفا عن العٰلمگیریة وفیها ایضا عن المبسوط لواوصی بان ینفق علیه خمسة دراهم کل شهر من ماله فانه یحبس جمیع الثلث لینفق علیه منه کل	جیسا کہ عالمگیریہ کے حوالہ سے ابھی ابھی تو جان چکا ہے، اسی میں بحوالہ مبسوط ہے کہ اگر کسی نے وصیت کی کہ اس کے مال میں سے فلاں پر پانچ درہم ماہانہ خرچ کئے جائیں تو اس کے ترکہ کا ایک تہائی حصہ پورا روک لیا جائے گا تاکہ اس میں سے موصی

---

[1] العقود الدریة تنقیح الفتاوٰی الحامدیه کتاب الوصایا ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۱۱

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیة بثلث المال مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۴

[3] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیة بثلث المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۹

شهر خمسة کما اوجبه الموصی و یستوی ان امر بان ینفق علیه فی کل شهر منه درهما اوعشرة دراهم [1] اھ والسر فیه ان الوصیة بشیئ للفقراء کل شهر مؤبدة لانهایة الٰی اٰخر الدهر والغلال بمعرض الزوال و معتور التبدل بالتکثر والتقلل فلا یدری متٰی تفنی و متٰی تحصل ومتی تقل والی ماتصل فوجب ابقاء جمیع الثلث مصونا لها قال فی الهندیة متصلا بما مر قبله اوصی بعشرین درهما من غلته کل سنة لرجل فاغل سنة قلیلا وسنة کثیر فله ثلث الغلة کل سنة یحبس وینفق علیه کل سنة من ذٰلك عشرون درهما ما عاش هٰکذا اوجبه الموصی وربما لاتحصل الغلة فی بعض السنین فلهذا یحبس ثلث الغلة علٰی حقه [2] اھ **قلت** واطلقوه فشمل

کی وصیت کے مطابق ہر مہینے پانچ درہم خرچ کئے جائیں، اوراس میں حکم برابر ہوگا اگر وہ ایک درھم یا دس درھم ماہانہ خرچ کرنے کا حکم دے الخ اس میں رازیہ ہے کہ فقیروں کے لئے ماہانہ کچھ خرچ کرنے کی وصیت دائمی ہوتی ہے اور آخر تک اس کی انتہا نہیں ہوتی جبکہ محاصل معرض زوال میں ہوتے ہیں اور ان میں زیادتی اور کمی کے ساتھ تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے معلوم نہیں کب تک ختم ہوجائیں اور کب حاصل ہوں اور کب ختم ہوجائیں اور وہ کب کہاں تک پہنچے۔ لہٰذا پورے تہائی کو وصیت کے لئے محفوظ رکھنا واجب ہے۔ ہندیہ میں مذکورہ بالا عبارت سے ماقبل قریب ہی کہا ہے کہ کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کے لئے اپنی جائداد کی پیداوار میں سے بیس درہم سالانہ کی وصیت کی اور چونکہ پیداوار کسی سال تھوڑی اور کسی سال زیادہ ہوتی ہے لہٰذا اس کے لئے ہر سال پیداوار کا تہائی حصہ روک رکھا جائے گا اور سالانہ اس پر جس کے لئے وصیت کی گئی ہے بیس درہم خرچ کئے جاتے رہیں گے جب تک وہ زندہ ہے۔ اسی طرح موصی نے ایجاب کیا ہے۔ اور بسا اوقات بعض سالوں میں پیداوار حاصل نہیں ہوتی اسی لئے اس شخص کے حق میں جس کے لئے وصیت کی گئی پیداوار کا تہائی حصہ روک رکھا جاتا ہے الخ **میں کہتا ہوں** انہوں نے

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب السابع فی الوصیة نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۲۸

[2] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب السابع فی الوصیة نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۲۸

ما اغل مما کثر اوقل مع ان الوصیة محدودة بسنین معدودة قدر ماعسی ان یعیش الموصی له فکیف بجهة لا انقطاع لها۔	اس کو مطلق رکھا کہ یہ شامل ہے جب تک پیداوار حاصل ہوتی ہے گی چاہے وہ پیداوار کثیر ہو یا قلیل باوجودیکہ وصیت چند معدود سالوں کی حد تک محدود ہے یعنی جب تک وہ شخص زندہ رہے گا جس کے لئے وصیت کی گئی ہے تو پھر یہ وصیت ایسی جہت سے کیسے ہوئی جس کے لئے انقطاع نہیں۔(ت)

تو حاصل یہ ٹھہرا کہ زید نے اپنے کل مال کی وصیت اس مسجد کے لئے کی اور نیز کل کی وصیت فقرا کو ماہوار کے لئے اور ان کے علاوہ پانسو روپے مطلقاً فقراء یا خاص فقراء مسافرین کو اور دینے کہے اور ڈھائی ہزار ان اشخاص معلومین کو وصیۃً دیئے جملہ اموال وصایا دو بار جمیع مال اور تین ہزار روپے ہوئے پُر ظاہر کہ کل مال بھی ان وصایا کے نصف کی بھی گنجائش نہیں رکھتا تو اب اس کے دریافت کی حاجت ہوگی کہ ان میں کون کون وصیت کس کس حد پر نفاذ پائے گی کتنا کتنا ہر وصیت میں دیا جائے گا کون سی وصیت بوجہ ازجحیت تقدیم پائے گی کونسی مرجوح ٹھہر کر تاخیر کردی جائے گی اس کا حساب صحیح بتانے کے لئے یہ جاننا ضرور کہ کل مال بعد تجہیز و تکفین مسنون وادائے دیون کی مقدار کس قدر ہے میت نے ترکہ میں زر نقد کتنا چھوڑا جائداد منقولہ وغیر منقولہ متروکہ خالصہ یعنی بعد تجہیز و تکفین وقضائے دیون کی قیمت بازار کے بھاؤ سے کیا ہے وارثوں میں بالغ کتنے ہیں ان میں کون کون کس کس وصیت کو کس حد تک جائز رکھتا کون کون اجازت نہیں دیتا ہے ان امور سے سوال میں کچھ مذکور نہیں نہ سائل نے اس بحث سے استفسار کیا للذا ہم بھی مطوی وملتوی رکھیں اگر دریافت منظور ہو امور مسطورہ بتفصیل تام بتا کر سوال کیا جاسکتا ہے۔

جواب سوال چہارم: تقسیم عبادات ومعاملات میں عبادات سے مطلقاً حقوق اللہ مراد ہوتے ہیں خواہ عبادات محضہ ہوں جیسے ارکان اربعہ یا قربات محضہ جیسے عتق ووقف حتی کہ نکاح بھی خواہ عبادت یا قربت مع معنی عقوبت جیسے کفارات اور معاملات حقوق العباد ہیں مثل بیع واجارہ وہبہ واعارہ وغیرہ اور یہاں نظر مقصود اصل کی طرف ہے اصل مقصود تقرب الی اللہ ہے تو عبادت ہے یا مصالح عباد تو معاملہ

فاجتماعهما کما فی النکاح لایقدح فی التقسیم وقد تکفل ببیان کل ذٰلك فی ردالمحتار صدر	ان دونوں کا اجتماع جیسا کہ نکاح میں ہے تقسیم میں مانع نہیں، تحقیق اس تمام کے بیان کی ردالمحتار میں کتاب البیوع کے آغاز پر کفالت

کتاب البیوع۔	کی گئی ہے (ت)

پھر وصیت دو قسم ہے، ایک تملیک مثلاً زید یا عمرو یا ابنائے فلاں وغیر ہم معین و محصور اشخاص کے لئے یہ صورت اغنیاء و فقراء سب کے لئے ہو سکتی ہے، صورت اولٰی معاملات سے ہے مثل ہبہ اور ثانیہ عبادات سے مثل صدقہ، دوسری قربت بلاتملیک مثل وصیت بوقف وعتق ودیگر اعمال پھر وصیت برائے ارباب حاجت غیر محصورین بوجہ عدم انحصار تملیک نہیں ہو سکتی یہ صرف قربت واز قبیل عبادات ہے۔

یرشدك الی ھذا ماقدمنا عن الدر من الاصل فی الوصیة الخ وفی الھندیة عن المحیط عن فتاوی الامام ابی اللیث فیما لواوصی بثلث مالہ لاعمال البر ان کل مالیس فیه تملیك فھو من اعمال البرحتی یجوز صرفه الی عمارۃ المسجد وسراجه دون تزیینه[1] الخ ومسائل الباب اکثر من ان تحصٰی۔ **اقول:** وبه ظھران ماذکر فی عامة الکتب فی حد الوصیة انھا تملیك مضاف الی مابعد الموت علی وجه التبرع فھو تحدید له باعتبار احدنوعیه والحد الجامع ما قدمنا عن النتائج عن النھایة عن	اس کی طرف تیری رہنمائی کرتی ہے وہ بات جو در کے حوالے سے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی وصیت میں اصل یہ ہے الخ اور ہندیہ میں بحوالہ فتاوٰی امام ابواللیث محیط سے منقول ہے اس صورت کے بارے میں کہ اگر کسی نے نیک کاموں کے لئے اپنے مال کے تہائی کی وصیت کی یہ کہ جس میں تملیک نہ ہو وہ نیک کاموں میں سے ہے یہاں تک کہ اسے مسجد کی تعمیر اور چراغ کے لئے خرچ کرنا جائز ہے نہ کہ اس کی زیب وزینت کے لئے الخ اس باب کے مسائل شمار سے زائد ہیں۔ **میں کہتا ہوں** اور اس سے ظاہر ہو گیا وہ جو عام کتابوں میں وصیت کی حد یعنی تعریف کے بارے میں مذکور ہے کہ بے شک وصیت ایسی تملیک ہے جو موت کے مابعد کی طرف بطور تبرع منسوب ہوتی ہے، یہ وصیت کی تعریف اس کی دو نوعوں میں سے ایک کے اعتبار سے ہوئی اور جامع تعریف وہ ہے جسے ہم نتائج سے

[1] الفتاوی الھندیة کتاب الوصایا الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۹۷

الایضاح،والاولیٰ مااسلفنا عن الوقایۃ والنقایۃ لعدم تقییدہ بالمال فیعم ما اذا اوصی بان یدفن فی مقبرۃ کذا بثوب فلان الزاھد فقد قال فی الخلاصۃ و البزازیۃ والشرنبلالیۃ وردالمحتار وغیرھا یراعی شرائطہ ان لم یلزم مؤنۃ الحمل فی الترکۃ[1] اھ **قلت** و المراد بالموت مایعم الحکمی وھو مرض الموت و الاولی التصریح بہ لکن ھذا لابد من تخصیصہ بالمال فان الایجابات الغیر المالیۃ کامرہ اجیرہ او ابنہ ان اسقنی اواخذ منی لاتعد وصیّۃ وان کانت فی مرض الموت بخلاف المضاف الی مابعدہ کما لایخفی فاذن احق مایقال فی حدھا ایجاب مضاف الی مابعد الموت او الی منجز فی مرض الموت فاحفظہ۔واللہ التوفیق۔	بحوالہ نہایہ بحوالہ ایضاح پہلے نقل کرچکے ہیں،اور اولیٰ تعریف وہ ہے جسے ہم بحوالہ وقایہ ونقایہ پہلے ذکر کرچکے کیونکہ اس میں مال کی قید نہیں لگائی گئی۔لہٰذا وہ شامل ہوگئی اس صورت کو کہ جب کسی نے وصیت کی کہ اس کو فلاں قبرستان میں فلاں زاہد کے کپڑوں میں دفن کیا جائے۔ خلاصہ، بزازیہ، شرنبلالیہ اور ردالمحتار وغیرہ میں کہا ہے وصیت کی شرائط کا لحاظ کیا جائے گا اگر ترکہ میں باربرداری کا خرچہ لازم نہ آئے الخ۔ **میں کہتاہوں** موت سے مراد وہ ہے جو موت حکمی کو شامل ہے اور وہ مرض الموت ہے،اوراس کی تصریح کرنا اولیٰ ہے، لیکن اس میں مال کی تخصیص ضروری ہے اس لئے کہ ایجابات غیر مالیہ جیسے کسی شخص کا اپنے اجیر یا بیٹے کو حکم دینا کہ مجھے پانی لاکر پلاؤ یا میری خدمت کرو۔ان کا شمار وصیت میں نہیں ہوتا اگرچہ یہ مرض الموت میں ہوں بخلاف اس کے کہ وہ موت کے مابعد کی طرف منسوب ہو، جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔تو اس صورت میں وصیت کی تعریف یوں کرنا اولیٰ وانسب ہے کہ وہ ایسا ایجاب ہے جو موت کے مابعد کی منسوب ہو یا اس کی طرف منسوب ہو جس کی تنجیز مرض الموت میں کی گئی ہے۔اس کو محفوظ کرلے۔اوراللہ ہی کی طرف سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔(ت)

بالجملہ مطلق وصیت نہ عبادات سے ہے نہ معاملات سے بلکہ دونوں میں داخل دونوں کو شامل۔

[1] الفتاوی البزازیۃ علی ھامش الفتاوی الھندیۃ کتاب الوصایا نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۴۰

جواب سوال پنجم: وجہ مذکور سے وصیت پر کوئی اثر عدم جواز کا نہیں پڑ سکتا اس وجہ کی نہ بنا صحیح ہے نہ مبنی درست، نہ وصیت کا بیع پر قیاس مقبول۔

اوّلاً جواب سوال سوم میں معلوم ہولیا کہ یہاں سرے سے استثناء ہی نہیں۔ **ثانیاً** ہو بھی تو قول صحیح و معتمد ظاہر الروایۃ یہی ہے کہ ارطال معلومہ کا استثناء بیع میں بھی روا۔ ہدایہ میں بعد عبارت مذکورہ سوال ہے:

لان الباقی بعدالاستناء مجھول قال رضی اللہ تعالٰی عنہ قالوا ھذا روایۃ الحسن وھو قول الطحاوی اما علی ظاھرالروایۃ ینبغی ان یجوز لان الاصل ان ما یجوزا یرادالعقد علیہ بانفرادہ یجوز استثناہ من العقد وبیع فقیرمن صبرۃ جائزفکذا استثنائہ بخلاف استثناء الحمل واطراف الحیوان لانہ لا یجوز بیعہ فکذا استثناءہ [1] اھ باختصار۔	کیونکہ استثناء کے بعد باقی مجہول ہے۔ مصنف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا علماء نے کہا ہے کہ یہ روایت امام حسن کی ہے اور وہی طحاوی کا قول ہے۔ لیکن ظاہر الروایۃ پر اس کو جائز ہونا چاہئے اس لئے کہ ضابطہ یہ ہے جس شیئ پر بطور انفراد عقد کا وارد ہونا جائز ہو عقد سے اس کا استثناء بھی جائز ہوتا ہے۔ ڈھیر میں سے ایک بوری کی بیع جائز ہے تو اسی طرح اس کا استثناء بھی جائز ہوگا۔ بخلاف حمل اور جانور کے اجزاء کے، کیونکہ ان کی بیع جائز نہیں، اسی طرح ان کا استثناء بھی جائز نہیں اھ (اختصار) (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

ماجاز ایراد العقد علیہ بانفرادہ صح استثناؤہ منہ فصح استثناء ارطال معلومۃ من بیع ثمر نخلۃ۔ [2]	جس پر بطور انفراد عقد کاوارد کرنا جائز ہے اسکا استثناء بھی عقد سے جائز ہے۔ چنانچہ درخت کے پھل کی بیع سے معیّن رطلوں کا استثناء صحیح ہے۔ (ت)

در مختار میں ہے:

[1] الھدایۃ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۳۲ و ۳۳

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۹

لصحۃ ایراد العقد علیھا ولوالثمر علی رؤس النخل علی الظاھر [1]۔	کیونکہ اس پر عقد کو وارد کرنا صحیح ہے اگرچہ ظاہر روایت کے مطابق جو پھل درختوں کے اوپر ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ(علی ظاھر)متعلق بقولہ فصح ومقابل ظاھر الروایۃ الحسن عن الامام انہ لایجوز واختارہ والطحاوی والقدوری لان الباقی بعدالاستثناء مجھول۔[2]	ماتن کا قول "علی ظاھر" اس کے قول "فصح" سے متعلق ہے اور ظاہر الروایت کے مقابلے میں حسن کا قول ہے جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ استثناء جائز نہیں ہے۔ اسی کو اختیار کیا ہے امام طحاوی اور قدوری نے، کیونکہ استثناء کے بعد جو بچتا ہے وہ مجہول ہے۔ (ت)

ثالثاً بیع میں عدم جواز ہی معتمد سہی تو اس کا دائرہ بہت تنگ ہے اور وصیت کا باب نہایت وسیع۔ ابھی سن چکے کہ بیع حمل ناجائز ہے اور وصیت بالحمل قطعاً روا۔

فی الدر،صحت للحمل وبہ کقولہ اوصیت بحمل جاریتی اودابتی ھذہ لفلان۔[3]	دُر میں ہے کہ حمل کے لئے وصیت اور حمل کے ساتھ وصیت صحیح ہے جیسے موصی کا یوں کہنا کہ میں نے اپنی اس لونڈی یا اس جانور کے حمل کی فلاں شخص کے لئے وصیت کی۔ (ت)

بیع شروط فاسدہ سے فاسد ہوتی ہے اور وصیت پر ان کا کچھ اثر نہیں، ولہٰذا بیع کنیز سے استثناء حمل روا نہیں اور وصیت سے صحیح۔

فی الھدایۃ اشتری جاریۃ الاحملھا فالبیع فاسد لانہ بمنزلۃ اطرف الحیوان لاتصالہ بہ خلقۃ وبیع الاصل یتناولھا فالاستثناء	ہدایہ میں ہے کسی شخص نے لونڈی خریدی مگر اس کا حمل نہ خریدا تو بیع فاسد ہے کیونکہ حمل حیوان کے اعضاء کی مثل ہے اس لئے کہ حمل خلقی طور پر حیوان کے ساتھ متصل ہے اور اصل کی بیع اس کو

[1] الدر المختار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۱

[3] الدر المختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۸

یکون علٰی خلاف الموجب فیصیر شرطاً فاسداً والبیع یبطل بہ والھبۃ والصدقۃ والنکاح لاتبطل بل یبطل الاستثناء وکذا الوصیۃ لاتبطل لکن یصح الاستثناء لان الوصیۃ اخت المیراث والمیراث یجری فیما فی البطن [1] اھ ملخصاً۔	شامل ہے، تو یہ استثناء موجب کے خلاف ہونے کی وجہ سے شرط فاسد ہوا اور بیع شرط فاسد کے ساتھ باطل ہو جاتی ہے۔ ہبہ، صدقہ اور نکاح باطل نہیں ہوتے بلکہ استثناء باطل ہو جاتا ہے۔ یونہی وصیت باطل نہیں ہوتی لیکن اس میں استثناء صحیح ہوتا ہے اس لئے کہ وصیت میراث کی بہن ہے اور میراث اس میں جاری ہو جاتی ہے جو پیٹ میں ہے اھ تلخیص) (ت)

جہالت بیع میں مفسد ہے اور وصیت کو مضر نہیں **کماقدمنا عن الشامی عن الزیلعی** (جیسا کہ ہم شامی سے بحوالہ زیلعی پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ت) اور بیع میں استثنائے ارطال معلومہ سے روایت فساد کی علت یہی جہالت تھی **کما سمعت عن الھدایۃ وردالمحتار ومثلہ فی الفتح وغیرہ** (جیسا کہ تو ہدایہ اور ردالمحتار سے سن چکا ہے اور اسی کی مثل فتح وغیرہ میں ہے۔ت) تو وصیت کا اس پر قیاس کھلا مع الفارق ہے۔

رابعًا علت منع یہی سہی کہ شاید اتنے ہی رطل پیدا ہوں تو یہ بھی وصیت میں اصلاً خلل انداز نہیں،

کما اسلفنا عن الھندیۃ عن المحیط من قولہ وربما لاتحصل الغلۃ فی بعض السنین۔ [2]	جیسا کہ ہم ہندیہ سے بحوالہ محیط اس کا یہ قول ذکر کر چکے ہیں کہ بسا اوقات بعض سالوں میں پیداوار حاصل نہیں ہوتی۔(ت)

خامسًا: وقت محاصل وغلہ قُری وبساتین وغیرہا کی صحت وصیت میں شبہ نہیں کتب فقہ میں اس کے لئے باب جداگانہ موضوع اور شک نہیں کہ ان اشیاء پر جو محصول جانب سلطنت سے معین ہوتا ہے وہ عرفاً معلوم الادا ومعہود الاستثناء ہے **والمعہود عرفاً کالمشروط لفظاً** (جو عرف کے اعتبار سے معہود ہو وہ اس کی مثل ہوتا ہے جو لفظ کے اعتبار سے مشروط ہو۔ت) توجو استثناء بے ذکر کئے خود ہی مذکور ہے اس کی تصریح کیا مفسد ہو سکتی ہے **وھذا ظاھر جدًا** (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ت)

---

[1] الھدایۃ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۶۳

[2] الفتاوی الھندیۃ کتاب الوصایا الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۱۲۸

جواب سوال ششم: بطلان وصیت کے لئے تقریر مذکور اصلاً صحیح نہیں، اوپر گزرا کہ وصیت دو قسم ہے: تملیک وقربت۔ **وانا اقول وباللہ التوفیق** (اور میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی کی ہے۔ت) کراہت منافی تملیک ہر گز نہیں ہوسکتی،

الاترى ان البيوع الفاسدة محرمة وتفيد الملك فاذا جامع الملك الحرمة فما بالك بالكراهة۔	کیاتو نہیں دیکھتا کہ بیوع فاسدہ حرام ہیں اور مِلک کافائدہ دیتی ہیں۔جب ملک حرمت کے ساتھ جمع ہوگیاتو کراہت کے ساتھ جمع ہونے میں تیرا کیاخیال ہے۔(ت)

اور منافی قربت بھی صرف اس صورت میں ہے کہ شیئ فی نفسہ مکروہ ہو اور یہ جبھی ہوگا کہ وہ اصلاً نوع قربت سے نہ ہو،

فان الندب والكراهة متنافيان لايسوغ اجتماعهما من جهة واحدة۔	کیونکہ ندب اور کراہت آپس میں متنافی ہیں لہذا ایک ہی جہت سے ان کا اجتماع جائز نہیں (ت)

بخلاف کراہت عارضی کہ زنہار منافی قربت نہیں ہزار جگہ ہوتا ہے کہ شیئ فی نفسہ قربت ہو اور اسے خارج سے کراہت عارض جیسے آستین چڑھائے ہوئے نماز پڑھنا، علماء نے کراہت ومعصیت سے بطلان وصیت پر صرف دو صورت خاصہ میں استثناء کیا ہے جہاں تملیک نہیں اور فعل فی نفسہ مکروہ ہے، حاصل استدلال یہ کہ یہاں تملیک نہ ہونا تو ظاہر اور اس ظہور ہی کے باعث یہ مقدمہ مطوی فرما جاتے ہیں، رہی قربت وہ یوں نہیں ہوسکتی کہ فعل خود مکروہ ہے اور ایسا مکروہ قربت نہیں ہوسکتا تو دونوں نوع وصیت منتفی ہوئیں اور بطلان لازم آیا،

فان انتفاء الاقسام باسرها قاض بانتفاء المقسم راسا۔	تمام اقسام کامنتفی ہونا مقسم کے منتفی ہونے کاتقاضا کرتا ہے۔(ت)

بخلاف دو صورت باقی اعنی صورت تملیک وصورت قربت ذاتی وکراہت عارضی کہ ان میں ہر گز کراہت سے بطلان پر حجت نہیں پاتے بلکہ صراحۃً صحت وصیت ارشاد فرماتے ہیں تینوں صورتوں کے شواہد لیجئے:

صورت اولٰی: کی دو۲ مثالیں یہی ضرب قبہ وتطیین قبر ہیں یعنی جب بہ نیت تزیین ہو کہ اپنی قبر کو مزین کرانا فی نفسہ نوع قربت سے نہیں۔ بخلاف اس صورت کے کہ بقائے نشان مقصود ہو کہ یہ فعل شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معہود۔

کما فعل بقبر عثمٰن بن مظعون رضی اللہ تعالٰی عنہ و وضع حجرا لیتعرف بھا قبرہ ویدفن الیہ من مات من اھلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما اخرجہ ابوداؤد[1] فی سننہ بسند جید۔	جیساکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قبر پر پتھر نصب فرمایا تاکہ اس پتھر کے سبب قبر کی پہچان رہے اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے خاندان مبارک سے وصال فرمانے والے افراد کو اس قبر کے قریب دفن کیا جائے، جیساکہ امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں جید سند کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے۔(ت)

اس سے نفع وانتفاع میت زائرین حاصل یہ مقصد محمود ہے اور ہر مقصد محمود قربات میں معدود۔ درمختار میں زیر عبارت مذکورہ سوال ہے:

قدمنا فی الکراھیۃ انہ لایکرہ تطیین القبور فی المختار[2] الخ زادفیھا وفی الجنائز عن السراجیۃ لاباس بالکتابۃ ان احتج الیھا حتی لایذھب الاثر و لایمتھن[3]۔	ہم باب الکراہیۃ میں ذکر کرچکے ہیں کہ قول مختار میں قبروں کی لپائی مکروہ نہیں الخ اسی کے باب الجنائز میں بحوالہ سراجیہ یہ اضافہ کیاکہ قبر پر لکھنے کی اگر ضرورت ہوتو اس میں کوئی حرج نہیں تاکہ س کانشان نہ مٹے اوراس کی توہین نہ کی جائے۔(ت)

خانیہ میں ہے:

اوصی بعمارۃ قبرہ للتزیین فھی باطلۃ۔[4]	زینت کے لئے قبر پر عمارت کی وصیت کی تو یہ وصیت باطل ہے۔(ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الجنائز باب فی جمع الموتی فی قبر والقبر یعلم آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۱۰۱

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب وغیرھم مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۳۰

[3] الدرالمختار باب صلٰوۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۱۲۵-۱۲۶، الفتاوی السراجیۃ کتاب الجنائز باب الدفن مطبع نولکشور لکھنؤ ص ۲۴

[4] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوصایا فصل فی مایکون وصیۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ۴ /۸۳۶

اذا اوصی بان یطین قبرہ اویوضع علی قبرہ قبۃ فالوصیۃ باطلۃ الا ان یکون فی موضع یحتاج الی التطیین بخوف سبع اونحوہ سئل ابوالقاسم عن من دفع الی ابنتہ خمسین درھما فی مرضہ وقال ان مت فاعمری قبری وخمسۃ دراھم لك واشتری بالباقی حنطۃ وتصدق بھا قال الخمسۃ لھا لاتجوز وینظر الی القبر الذی امر بعمارتہ فان کان یحتاج الی العمارۃ للتحصین لاللزینۃ عمرت بقدر ذٰلك والباقی تتصدق بہ علی الفقراء وان کان امر بعمارۃ فضلت علی الحاجۃ الذی لابدمنھا فوصیۃ باطلۃ[1]۔	کسی نے وصیت کی کہ اس کی قبر کی لپائی کی جائے اوراس پر گنبد بنایاجائے تووصیت باطل ہوگی۔مگر یہ کہ وہ ایسی جگہ ہو جہاں اس کی ضرورت ہے تومکروہ نہیں۔مثلاً وہاں کسی درندے وغیرہ کاخوف ہو۔ابوالقاسم سے اس شخص کے بارے میں سوال کیاگیا جس نے اپنی بیٹی کو بیماری کی حالت میں پچاس درہم دے کر کہا اگر میں مرجاؤں تو میری قبر تعمیر کرانا اور پانچ درھم تیرے ہیں باقی سے گندم خرید کر اسے صدقہ کردینا۔ابوالقاسم نے کہاکہ بیٹی کے لئے پانچ درہموں کی وصیت جائز نہیں۔اور قبر کودیکھاجائے گااگروہاں قبرکی حفاظت کے لئے عمارت کی محتاجی ہے توبقدرحاجت وہ تعمیر کرائے لیکن زینت کے لئے جائز نہیں اورجو باقی بچے وہ فقراء پر صدقہ کردے۔اگر موصی نے قدرحاجت سے زائد عمارت کاحکم دیاتواس کی وصیت باطل ہوگی۔(ت)

بزازیہ میں ہے:

عمارۃ القبران لتحصین یجوز وان لتزیین فالوصیۃ ایضاباطلۃ ویصرف الکل الی الفقراء۔[2]	قبر کی عمارت اگر حفاظت کے لئے ہے تو وصیت جائز ہے اور اگرزیبائش کے لئے ہے تو ناجائز وباطل ہے۔لہٰذا وہ سب مال فقراء پر خرچ کیاجائے گا۔(ت)

مثال سوم: وصیت کی کہ اُسے ٹاٹ کاکفن دیں اور گلے میں طوق پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر دفن کریں یہ امر نامشروع کی وصیت ہے مقبول نہ ہوگی اور بطور مشروع دفن کریں گے۔

---

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الوصایا الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۹۶

[2] فتاوی البزازیۃ علی ھامش الفتاوی الھندیۃ کتاب الوصایا نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۳۹

فی الهندیة عن المحیط اذا اوصی ان یدفن فی مسح کان اشتراہ ویغل و یقید رجله فهذه وصیة بما لیس بمشروع فبطلت ویکفن بکفن مثله ویدفن کما یدفن سائر الناس۔[1]	ہندیہ میں بحوالہ محیط منقول ہے جب کسی نے وصیت کی کہ اسے ٹاٹ میں کفن دیا جائے جو اس نے خریدا ہے اور اس کو طوق پہنایا جائے وراس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی جائیں، تو چونکہ یہ شرعی طور پر ناجائز کام کی وصیت ہے لہٰذا باطل ہوگی، اس کو کفن مثلی دیا جائے گا اور دیگر لوگوں کی طرح دفن کیا جائے گا۔(ت)

مثال چہارم: وصیت کی کہ مجھے میرے گھر میں دفن کریں باطل ہے کہ یہ حضرات انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کے ساتھ مخصوص اور امت کے حق میں نامشروع ہے، خلاصہ وبزازیہ وتاتارخانیہ وہندیہ وغیرہ میں ہے:

واللفظ للثالثة اوصی بان یدفن فی دارہ فوصیته باطلة الا ان یوصی ان یجعل دارہ مقبرة للمسلمین۔[2]	لفظ تیسری کتاب یعنی تاتارخانیہ کے ہیں۔اگر کسی نے وصیت کی اس کو اپنے گھر میں دفن کیا جائے تو وہ وصیت باطل ہوگی سوائے اس کے وہ یوں کرے کہ اس کے گھر کو مسلمانوں کے لئے قبرستان بنادیا جائے۔(ت)

صورت ثانیہ: یعنی وصیت تملیک باوصف کراہت صحیح ہے اس کی ایک سند وہی ہے جو سوال میں بحوالۂ شامی مسطور کہ فسّاق کے لئے وصیت مکروہ ہے اور باوجود کراہت صحیح سند دوم۔وجیز امام کردری میں ہے:

الثانی معصیة مطلقًا کالوصیة للنائحة والمغنی ان لم یکن یحصون لایصح وان لقوم باعیانهم صح۔[3]	دوسری مطلقًا گناہ ہے جیسے نوحہ کرنے والی عورت اور گوّیے کے لئے وصیت۔اگر وہ قابل شمار نہ ہوئے تو صحیح نہیں اور معین قوم کے لئے تو صحیح ہے۔(ت)

تبیین الحقائق پھر ردالمحتار میں ہے:

---

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۹۶۔۹۵

[2] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۹۵

[3] الفتاوی البزازیة علی ہامش الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۳۶

الوصیۃ انما صحت باعتبار التملیك لھم [1]۔	یہ وصیت تو محض ان کے لئے تملیک کے اعتبار سے صحیح ہے۔(ت)

یہ کیسے نصوص صریحہ ہیں کہ وصایائے تملیک اگرچہ معصیت ہوں صحیحہ ہیں۔ سند سوم کافر حربی کے لئے وصیت باوصف ممانعت صحیح و نافذ ہے۔

مطلقًا علی ما اختارہ الائمۃ الجلۃ طاھر بن عبد الرشید البخاری و الامام السغناقی اول شراح الھدایۃ والامام النسفی صاحب الکنز والوافی و الامام حافظ الدین البزازی اوبشرط الاستیمان علی مامشی علیہ فی الغرر الدرر والتنویر والدر و اجعلہ فی الخانیۃ اجماعا وفی المقام تحقیق انیق اتینابہ فیما علقنا علی ردالمحتار لولاغرابۃ المقام لاسعفنابہ۔	بغیر کسی طرح کے جیسا کہ بزرگ ائمہ کرام یعنی طاہر بن عبد الرشید بخاری، ہدایہ کے شارح اول امام سغناقی، کنزو وافی کے مصنف امام نسفی اورامام حافظ الدین بزازی نے اختیار کیا، یا مستامن ہونے کی شرط کے ساتھ جیسا کہ غرردرر، تنویر اور در میں اس کو اپنایا ہے۔اس مقام پر نہایت عمدہ تحقیق ہے جس کو ہم نے رد المحتار پر اپنی تعلیق میں ذکر کیا ہے۔ اگر مقام کی اجنبیت نہ ہوتی تو ہم اس کو یہاں ذکر کرتے۔(ت)

خلاصہ ونہایہ وکافی ووجیز میں ہے:

واللفظ للاول، الوصیۃ لاھل الحرب باطلۃ، وفی السیر الکبیر مایدل علی الجواز والتوفیق بینھما انہ لاینبغی ان یفعل ولو فعل یثبت الملک۔ [2]	اور لفظ پہلی کتاب کے ہیں کہ اہل حرب کے لئے وصیت باطل ہے اور سیر کبیر کی عبارت جواز پر دلالت کرتی ہے۔ان دونوں کے درمیان تطبیق یوں ہوگی کہ اہل حرب کے لئے وصیت نہ کرنی چاہئے لیکن اگر کردے تو ملک ثابت ہو جائے گا۔(ت)

صورت ثالثہ: یعنی وصیت قربت صحیح ہے اگرچہ نظر بخارج کراہت ہو اس کے دلائل وہ تمام مسائل ہیں جن میں قربت کے لئے ثلث سے زائد وصیت کو صحیح مانا اور ورثہ اجازت دیں تو پوری مقدار

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الوصایا باب وصیۃ الذمی المطبعۃ الکبری بولاق مصر ۶/ ۲۰۵

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوصایا جنس آخر فی الفاظ الوصیۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۲۳۰

میں نافذ جانا، پر ظاہر کہ ہنگام قیام ورثہ مثلاً کل مال کی وصیت ممنوع ہے وہی بعض شراح مشکوٰۃ اعنی علامہ ابن فرشتہ اسی حدیث کے نیچے اسی قول میں فرماتے ہیں:

فیضاران الوصیۃ ای یوصلان الضرر الی الوار بسبب الوصیۃ للاجنبی باکثر من الثلث[1] الخ۔	وہ دونوں وصیت میں ضرر پہنچائیں یعنی اجنبی کے حق میں تہائی سے زائد کی وصیت کرکے وارث کو نقصان پہنچائیں الخ (ت)

جلالین میں زیر آیت ہے:

(او اثما)بان تعمّد ذٰلك بالزیادۃ علی الثلث او تخصیص غنی مثلا۔[2]	(یا گناہ کیا) بایں صورت کہ تہائی سے زائد کا قصد کیا یا غنی کو وصیت کے ساتھ مختص کیا (ت)

مگر ازانجا کہ فعل فی نفسہ قربت اور منع بوجہ عارضی یعنی تعلق حق ورثہ ہے باطل نہ ہوئی ورنہ اجازت ورثہ سے بھی نافذ نہ ہوسکتی۔

فان الباطل لاوجود له والمعدوم لاینفذ بالتنفیذ۔	کیونکہ باطل کا کوئی وجود نہیں ہوتا اور معدوم کسی کے نافذ کرنے سے نافذ نہیں ہوتا (ت)

میں ایں وآن سے استدلال کرتا ہوں قرآن عظیم دلیل اکبر ہے کہ وصیت باوصف ظلم ومعصیت صحیح ومعتبر ہے۔

قال اللہ عزوجل "فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَهُمْ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۸۲﴾"۔[3]	(اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا) جو کسی کی وصیت میں ظلم یا گناہ پر اطلاع پائے پس ورثہ اور موصی لہم میں صلح کرادے تو اس پر گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (ت)

وصیت بحال کراہت اگر باطل ہوتی تو باطل پر صلح کے کیا معنی تھے اور وہ موصی لہم کیوں قرار پاتے۔ معالم میں ہے:

قال الاٰخرون انه ارادبه انه	دوسروں نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جب

---

[1] مرقاۃ المفاتیح بحوالہ ابن الملك باب الوصایا الفصل الثانی تحت حدیث ۳۰۷۵ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۶ /۲۵۷

[2] تفسیر جلالین تحت آیت ۲ /۱۸۲ اصح المطابع الدھلی النصف الاول ص ۲۶

[3] القرآن الکریم ۲ /۱۸۲

اذا اخطأ المیّت فی وصیته اوجار معتمدا فلاحرج علی ولیه او وصیه او والی امور المسلمین ان یصلح بعد موته بین ورثته وبین الموصی لهم ویرد الوصیة الی العدل والحق۔[1]	میت نے وصیت میں خطا کی یاجان بوجھ کر ظلم کیا تو ولی یاوصی یامسلمانوں کے امورکے والی کے لئے کوئی حرج نہیں کہ وہ موصی کی موت کے بعد اس کے وارثوں اوروصیت والوں کے درمیان صلح کرادیں اوروصیت کوعدل وحق کی طرف لوٹادیں۔(ت)

ثم اقول وباللہ التوفیق(پھر میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتاہوں۔ت) سراس میں یہ ہے کہ شرع مطہر کسی حرکت لغو وبے معنی کومشروع ومقرر نہیں فرماتی تمام عقود وافعال ومعاملات کی صحت فائدے پراعتماد رکھتی ہے فائدہ خواہ دوسرے کاہو اگرچہ محض دنیوی خواہ اپنا اگرچہ صرف اخروی اور جو عبث محض ہے ہرگز صحیح نہیں ولہذا ایک روپیہ اسی کے مثل وہمسر دوسرے روپے کے بدلے بیچنا یامکان کے مساوی شرکائے مشاع کا اپناحصہ دوسرے کے حصے سے بدلنا یاکسی کی سکونت کوسکونت کے عوض اجارہ میں دینا صحیح نہ ہوا۔ درمختار میں ہے:

خرج بمفید مالایفید فلایصح بیع درهم بدرهم استویا وزنا وصفة ولامقایضة احدالشریکین حصة داره بحصة الاخر(صیرفیه)ولااجارة السکنی بالسکنٰی اشباه[2]۔	مفید کی قید سے غیر مفید نکل گئی چنانچہ وزن وصفت میں برابر ایک درہم کی دوسرے درہم کے بدلے بیع صحیح نہیں، اورنہ ہی ایک مکان کے دوبرابر شریکوں میں سے ایک کا دوسرے سے اپنے حصے کاتبادلہ صحیح ہے(صیرفیہ)، اورسکونت کے بدلے سکونت کواجارہ پردینا صحیح نہیں(اشباہ)۔(ت)

خصوصًا وہ عقود جوبرخلاف قیاس بنظر حاجات ناس مشروع ہوئے وہ توحاجت پرہی اعتماد کیاچاہیں، ولہذا نا قابل سواری بچھڑے کاسواری کے لئے اجارہ جائز نہ ہواکہ قیاس جوازاصل اجارہ کانافی اورداعی جواز یعنی حاجت، بوجہ عدم قابلیت یہاں منتفی۔

فی الفتح من باب العنین لم یجز استئجار الحجش للحمل	فتح کے باب العنین میں ہے سواری کی صلاحیت نہ رکھنے والے بچھیرے کوسواری اور باربرداری

[1] معالم التنزیل علی هامش تفسیر الخازن تحت آیة ۲ /۱۸۲ مصطفی البابی مصر ۱ /۱۵۰

[2] الدرالمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲

والرکوب۔[1]	کے لئے کرائے پر لینا جائز نہیں (ت)

وصیت بھی انہیں عقود مجوزہ للحاجہ سے ہے۔

فی الھدایۃ القیاس یابی جوازھا لانہ تملیك مضاف الی حال زوال مالکیتہ ولو اضیف الی حال قیامھا بان قیل ملکتك غدا کان باطلا فھذا اولی الا انا استحسناہ لحاجۃ الناس الیھا[2] الخ۔	ہدایہ میں ہے قیاس تو اس کے جواز سے مانع ہے کیونکہ وصیت ایسی تملیک ہے جو موصی کی مالکیت کے حال زوال کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اگر اس کی نسبت اس حالت کی طرف کی جائے جب مالکیت قائم ہوتی ہے یعنی یوں کہا جائے میں نے تجھے آئندہ کل اسی کا مالک کردیا تو یہ باطل ہوگی۔ چنانچہ بطلان مالکیت والی حالت میں اس کا بطلان بدرجہ اولٰی ہوگا مگر ہم نے بطور استحسان اس کو جائز قرار دیا کیونکہ لوگوں کو اس کی حاجت ہے الخ (ت)

تو بے فائدہ محض اس کی تشریع معقول نہیں حالت تملیک وافعال قربت میں حصول فائدہ ظاہر اور معصیت عارضہ غایت یہ کہ مثل بیع وقت اذان جمعہ یا نماز عصر وقت زردی فرض کردے منافی صحت نہیں ہوسکتی بخلاف اس صورت کے کہ نہ تملیک نہ سرے سے قربت، ایسی ہی جگہ کہا جائے گا کہ وصیت امر مکروہ ونامشروع کی ہے، للہذا صحیح نہیں کہ موجب صحت یعنی حاجت معدوم ہے معھذا اہم اوپر واضح کر آئے کہ وصیّت ایجاب ہے اور ایجاب لحق وغیرہ ہو جیسے تملیک میں یا لحق نفسہ جیسے قربات میں جہاں کوئی نفع نہیں ایجاب کیوں ہونے لگا۔

فی الھندیۃ عن المحیط لو اوصی بان یباع عبدہ ولم یسم المشتری لایجوز الا ان یقول وتصدقوا بثمنہ اویقول بیعوہ نسیۃ ویحط الی الثلث عن المشتری[3] الخ وفیھا عن المبسوط اوصی بعبدہ ان یباع ولم یزد علی	ہندیہ میں محیط سے منقول ہے اگر کسی نے وصیت کی کہ اس کا غلام بیچ دیا جائے اور خریدار کو متعین نہیں کیا تو جائز نہیں مگر یہ کہ یوں کہے کہ اس کی قیمت کو صدقہ کردو یا کہے کہ اس کو ادھار پر بیچ دو اور مشتری سے تہائی تک قیمت کم کردے الخ اور اسی میں بحوالہ مبسوط ہے کسی نے اپنے غلام کے

[1] فتح القدیر باب العنین مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۳۵

[2] الھدایۃ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۰

[3] الفتاوی الھندیۃ کتاب الوصایا الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۹۲

ذٰلك واوصی بان یباع بقیمته فهو باطل لانه لیس فی هذه الوصیة معنی القربة لیجب تنفیذها لحق الموصی[1]۔	بارے میں وصیت کی کہ اسے بیچ دیا جائے ور اس سے زائد کچھ نہ کہا یا وصیت کی کہ غلام کو اس کی قیمت کے ساتھ بیچ دیا جائے تو یہ باطل ہے اس لئے کہ اس وصیت میں قربت کا معنی موجود نہیں تاکہ موصی کے حق کے لئے اس کو نافذ کرنا واجب ہوتا۔(ت)

بحمداللہ اس تحقیق انیق نے کوئی دقیقہ تدقیق فروگزاشت نہ کیا۔علامہ شامی کا کلام مذکور بھی بطرف خفی اسی تقریر منیر کی طرف مشیر۔

حیث قال اللھم الا ان یفرق بان الوصیة اما صلة اوقربة ولیست ھذه واحدة منھما فبطلت بخلاف الوصیة لفاسق فانھا صلة لھا مطالب من العباد فصحت وان لم تکن قربة کالوصیة لغنی لانھا مباحة ولیست قربة[2] الخ۔	جہاں شامی نے کہا اے اللہ! مگر یہ کہ یوں فرق کیا جائے کہ بیشک وصیت یا توصلہ ہوتی ہے یا قربت حالانکہ یہ ان دونوں میں سے نہیں ہے چنانچہ باطل ہوجائے گی۔بخلاف اس وصیت کے جو فاسق کے لئے ہو اس لیے کہ وہ صلہ ہے اور بندوں میں سے کوئی اس کا مطالبہ کرنے والا موجود ہے چنانچہ وہ صحیح ہوگی اگرچہ وہ قربت نہیں جیسے غنی کے لئے وصیت، کیونکہ وہ مباح ہے اور قربت نہیں ہے الخ(ت)۔

اب مانحن فیه کو دیکھئے تو اس میں وصایائے تملیک ہیں یا وصایائے قربت کوئی وصیت ایسی نہیں جو فی نفسہ ان دونوں سے خالی ہو تو وجہ مذکور سے اس کے بطلان پر استدلال باطل وعاطل ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق(ایسے ہی تحقیق چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ت)

جواب سوال ہفتم:اوصیاء کا بعض وصایا بجانہ لانا وصیت میں کیا خلل ڈال سکتا ہے تنفیذ وصیت حق موصی لہ یا صرف حق موصی ہے اور وہ ان کے گناہ سے بری۔

قال اللہ تعالٰی " فَمَنۡۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: توجو وصیت کو سن سنا کر بدل دے اس کا گناہ انہیں بدلنے

[1] الفتاوی الھندیة کتاب الوصایا الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۱۱۳

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیة للاقارب وغیرھم داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۴۱

یُبَدِّلُوۡنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱۸۱﴾ "[1]۔	والوں پر ہے بے شک اللہ سنتا جانتا ہے (ت)

جواب سوال ہشتم: ہاں بعد تجہیز و تکفین وادائے دیون وانفاذ وصایا جو سہام ورثہ نا بالغین کو پہنچیں گے وصی بلاوجہ شرعی ان کی بیع وتبدیل اور کسی فعل مخالف حفظ کا مجاز نہیں کہ وصی محافظ ہے نہ متلف ولہٰذا ان کی جائداد منقولہ کو بیچ سکتا ہے کہ اس کی بیع از قبیل حفظ ہے جبکہ یتیم کا اس میں ضرر نہ ہو اور غیر منقولہ کو ہرگز نہیں بیچ سکتا مگر چند صور استثناء میں۔

فی الھندیۃ، للوصی ان یبیع کل شیئ الترکۃ من المتاع و العروض والعقار اذا کانت الورثۃ صغارا اما بیع ما سوی العقار فلان ماسوی العقار یحتاج الی الحفظ و علی ان یکون حفظ الثمن اَیۡسَرَ و بیع العقار ایضا فی جواب الکتاب، قال شمس الائمۃ الحلوانی رحمہ اللہ ماقال فی الکتاب قول السلف کذا فی فتاوی قاضی خان، وجواب المتاخرین انه انما یجوز بیع عقار الصغیر اذا کان علی المیت دین ولا وفاء له الامن ثمن العقار اویکون للصغیر حاجۃ الی ثمن العقار او یرغب المشتری فی شراءہ بضعف القیمۃ وعلیه الفتوی کذا فی الکافی[2] اھ، وفی الدر	ہندیہ میں ہے وصی کو اختیار ہے کہ وہ ترکہ کی ہر شیئ کو فروخت کرے چاہے وہ اسباب وسامان کے قبیلہ سے ہو یا غیر منقول جائداد جبکہ ورثاء نابالغ ہوں۔ غیر منقولہ جائداد کے ما سوا کی بیع تو اس لئے جائز ہے کہ اس کی حفاظت کی خاطر اس کی ضرورت ہے ممکن ہے کہ ثمنوں کی حفاظت زیادہ آسان ہو اور کتاب کے حکم کے مطابق غیر منقول جائداد کی بیع بھی جائز ہے۔ شمس الائمہ حلوانی علیہ الرحمہ نے کہا کہ کتاب میں جو کہا ہے وہ اسلاف کا قول ہے، یونہی فتاوٰی قاضی خان میں ہے۔ اور متاخرین نے اس کا حکم یہ بیان کیا ہے کہ نابالغ کی غیر منقول جائداد کو فروخت کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے جب میت پر اس قدر قرض ہو کہ وہ اس جائداد کی قیمت کے بغیر پورا نہیں ہوتا یا نابالغ کو اس جائداد کی قیمت کی محتاجی ہو یا خریدار اس جائداد کو دگنی قیمت پر خریدنے کی رغبت رکھتا ہے، فتوٰی اسی پر ہے جیسا کہ کافی میں ہے الخ، در میں ہے:

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۱

[2] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۴۴

جاز بیعه عقار صغیر من اجنبی لامن نفسه بضعف قیمته اولنفقة الصغیر اودین المیت اووصیة مرسلة لانفاذ لها الامنه اولکونه غلاته لاتزید علی مؤنته او خوف خرابه اونقصانه اوکونه فی ید متغلب درر واشباه ملخصا قلت وھذا لو البائع وصیا لامن قبل ام اواخ فانهما لایملکان بیع العقار مطلقًا [1] الخ و فی الشامیة عن الرملی عن الخانیة فی مسئلة بیع المنقول لنسیئة ان کان یتضرربه الیتیم بأن کان الاجل فاحشا لایجوز [2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	نابالغ کی غیر منقول جائداد کو اجنبی کے ہاتھ دُگنی قیمت پر بیچنا جائز ہے وصی خود نہیں خرید سکتا۔ یونہی نابالغ کے نفقہ یا میت کے قرض کی ادائیگی یا ایسی وصیت مطلقہ کے نفاذ کے لئے بیچنا جائز ہے جس وصیت کا نفاذ اس جائیداد کو بیچے بغیر نہیں ہو سکتا یا اس جائداد کی پیداوار اس کے اخراجات سے زیادہ نہیں یا اس جائداد کے خراب ہونے یا ناقص ہونے یا کسی جابر کے قبضہ میں چلے جانے کا خوف ہو تو بھی بیع جائز ہے، درر واشباہ (تلخیص) اور یہ تب ہے کہ بائع ماں کی طرف سے یا بھائی کی طرف سے وصی نہ ہو، کیونکہ یہ دونوں غیر منقول جائداد کو بیچنے کا مطلقًا اختیار نہیں رکھتے الخ اور شامیہ میں بحوالہ خانیہ رملی سے منقول ہے کہ منقول جائداد کی ادھار پر بیع اگر یتیم کے لئے نقصان دہ ہو بایں صورت کہ ادھار کی مدت بہت زیادہ ہو تو جائز نہیں الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

رسالہ

الشرعة البھیّة فی تحدید الوصیّة (۱۳۱۷ھ)

ختم ہوا

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۷

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۳

مسئلہ ۱۳۶: ۱۲ربیع الاول شریف ۱۳۱۹ھ مرسلہ حافظ محمود حسین صاحب تلمیذ ومرید گنگوہی صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مہاجرہ ہندی مدنی نے کہ اس کی جائداد ہندوستان میں واقع ہے اس طرح وصیت کی تھی کہ میری جائداد کامنافع ایک ثلث یہاں مدینہ منورہ علٰی صاحبہا افضل التسلیم والتحیۃ بھیج دیاجایاکرے، اور صورت یہ ہے کہ ہندوستان میں اس کے بعض اقارب قریبہ بلکہ ذی رحم محرم حاجتمند ومفلس موجود ہیں کہ اس درجہ قریب رشتہ دارمدینہ منورہ میں موصیہ کے نہیں ہیں، پس اس صورت میں اگراس کی وصیت کاروپیہ یہاں ہندوستان میں اس کے اقربائے قریبہ حاجتمند ومفلس کودیاجائے تو وصیت اداہوگی یانہیں؟ اورکیاافضل ہے مدینہ منورہ بھیجنایا یہاں قریب ذی رحم حاجتمند ومفلس کودینا۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جہاں کے فقراء کودیں گے وصیت اداہوجائے گی کچھ خاص مدینہ منورہ ہی بھیجنا ضروری نہیں ہر جگہ کے فقراء کودیناجائز ہے۔ خلاصہ پھر شرنبلالیہ پھر درمختار میں ہے:

لواوصی لفقراء بلخ فاعطی غیرھم جاز عند ابی یوسف وعلیه الفتوی۔[1]	اگر کسی نے وصیت کی بلخ کے فقیروں کے لئے۔ اور وصی نے ان کے غیر کودے دیاتوامام ابویوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز ہے، اوراسی پرفتوی ہے۔ (ت)

شرح القدوری للزاہدی میں ہے:

فی الوصیة لفقراء الکوفة جازلغیرھم[2]۔	کوفہ کے فقیروں کے لئے وصیت کی صورت میں ان کے غیر کودیناجائزہے (ت)

قاضی خان پھرہندیہ میں ہے:

رجل اوصی بان یتصدق بشیئ من ماله علی فقراء الحاج هل یجوز ان یتصدق علی غیرھم من الفقراء قال الشیخ الامام ابونصر رحمه الله	کسی شخص نے وصیت کی کہ اس کے مال میں سے کچھ حاجی فقراء پرصدقہ کیاجائے توکیا ان کے غیرپرصدقہ کرناجائز ہے؟ شیخ امام ابونصر علیہ الرحمہ نے کہاکہ جائز ہے کیونکہ امام ابویوسف

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیة بثلث المال مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۵

[2] الدرالمختار بحوالہ المجتبٰی کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۲

تعالٰی یجوز ذٰلك لما روی عن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی فی رجل اوصی بان یتصدق علی فقراء مکة قال یجوز ان یتصدق علی غیرهم من الفقراء۔[1]	علیہ الرحمہ سے اس شخص کے بارے میں منقول ہے جس نے فقراءِ مکہ پر صدقہ کرنے کی وصیت کی، امام ابویوسف نے فرمایا کہ ان کے علاوہ دوسرے فقراء پر صدقہ کرنا جائز ہے۔(ت)

ہاں افضل یہی ہے کہ مدینہ منورہ بھیجیں اتباعا للوصیۃ وخروجا عن الخلاف (وصیت کی اتباع کے لئے اور اختلاف سے نکلنے کے لئے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

قال فی الخلاصة. الافضل ان یصرف الیهم وان اعطی غیرهم جاز وهذا قول ابی یوسف وبه یفتی وقال محمد لایجوز اھ قلت والاول موافق لقولهم فی النذر بالغاء تعیین الزمان والمکان والدرهم والفقیر۔[2] والله تعالٰی اعلم [عــــہ]۔	خلاصہ میں کہا افضل یہی ہے کہ انہی پر خرچ کیا جائے اور اگر ان کے غیر کو دے دیا تو جائز ہے، یہی امام ابویوسف علیہ الرحمہ کا قول ہے اور اسی کے ساتھ فتوٰی دیا جاتا ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جائز نہیں الخ۔ میں کہتا ہوں پہلا قول مشائخ کے اس قول کے موافق ہے جو نذر میں زمان، مکان، درھم اور فقیر کی تعیین کو لغو قرار دینے سے متعلق ہے۔ والله تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۷: ۱۱/جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ ازانجمن اسلامیہ بریلی

چند سوال متعلقہ انتظام یتیم خانہ مسلمانان پیش کئے جاتے ہیں بموجب شرع شریف جواب مرحمت ہوں خدا اس کا اجر عطا فرمائے،

پہلا سوال: بعض لوگ میت وغیرہ کے استعمال کپڑے ایسے بھیج دیتے ہیں جو ایتام کے جسم پر درست نہیں آتے یا ان کے استعمال کے لائق نہیں ہوتے، پس نادرست کو بعد قطع برید درست کراکے ایتام کے استعمال میں لانا اور ناقابل استعمال کو فروخت کرکے یتیموں کی پرورش میں صرف کرنا کیسا ہے؟

دوسرا سوال: بعض لوگ کلام مجید جدید وغیر مستعمل متعدد اور بعض میت کے تلاوت کا یتیم خانے

عــــہ: الجواب اس عورت کی وصیت پر عمل واجب ہے، اور وہ ثلث مدینہ منورہ ہی بھیجنا ضروری ہے گو ہندوستان کے فقراء اس جگہ کے فقراء سے زیادہ ضرورت مند ہوں۔ بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوصایا فصل فی مسائل مختلفه مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۴۳

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۶

میں عطا کرتے ہیں اوران کی تعداد یتیموں کی تعداد سے زیادہ ہوجاتی ہے دینے والے بعض یہ کہہ دیتے ہیں کہ اگر ضرورت سے زیادہ ہوں ہدیہ کرکے قیمت پرورش ایتام میں صرف کی جائے مگر بعض بدون کسی بیان کے بھیج دیتے ہیں پس قسم آخر کو درحالیکہ ضرورت سے زیادہ ہوں ہدیہ کرکے قیمت کوایتام کے مصارف میں لاسکتے ہیں اور نیزیہ ہی قسم کسی غیرایتام کوتلاوت کے واسطہ دے سکتے ہیں یانہیں؟

تیسراسوال: یتیم خانہ میں بعض لوگ میت کے استعمال کاپلنگ نواڑوغیرہ کاجو یتیموں کی معمولی چارپائیوں سے بہت زیادہ قیمتی اور عمدہ ہوتاہے بدون کسی بیان کے بھیج دیتے ہیں اگروہ بعض ایتام کے کام میں لایاجائے تودوسروں کی دلشکنی ہوتی ہے لہٰذااس کو فروخت کرکے قیمت دیگر مصارف ایتام میں دی جائے یاقیمت سے معمولی چارپائیاں یتیموں کے واسطے بنوادی جائیں توکیساہے؟

چوتھاسوال: جوچندہ کہ یتیموں کے مصارف کے لئے آتاہے اسی سے یتیم لڑکوں کی رسم ختنہ اوریتیمات کی رسم نکاح کی جاتی ہے پس نکاح میں جوبراتی دولہاکی طرف سے آتے ہیں ان کو کھاناکھلانازرمذکورہ سے کیساہے؟

الجواب:

مصحف شریف، کپڑے، پلنگ وغیرہ جوکچھ لوگ یتیموں کو بھیجتے ہیں ظاہر ہے کہ اس سے مقصود تصدق ہوتاہے اور تصدق تملیک ہے۔

وھبۃ المشاع فیمالایقسم صحیحۃ وقبض من یعولھم یکفی عن قبضھم کمانصواعلیہ وجماعۃ المسلمین حیث لاولایۃ ولاقضاۃ من الاسلام کالقضاۃ فی النظر للایتام وامثال ذٰلك من المھام کما صرحوابہ فی غیرمامقام۔	ناقابل تقسیم شیئ کاغیر منقسم طورپر ہبہ صحیح ہے،اور یتیموں کے کفیلوں کاقبضہ ان کی طرف سے کافی ہے جیساکہ اس پر مشائخ نے نص فرمائی، جہاں یتیموں کے ولی اور قاضی اسلام موجودنہ ہوں تووہاں یتیموں کی دیکھ بھال اوراس قسم کے دیگر اہم امورکے لئے مسلمانوں کی جماعت قاضیوں کے قائم مقام ہوتی ہے جیساکہ مشائخ نے متعدد مقامات پر اس کی تصریح فرمائی۔(ت)

توجماعت مسلمین کوکہ اس کام پر معین ہیں رواہے کہ کپڑے قطع برید کرکے مصارف یتامٰی میں لائیں یاناقبل استعمال ملبوس اور پلنگ اورحاجت سے زائد مصاحف شریفہ ہدیہ وبیع کرکے زرثمن کاریتامٰی میں خرچ کریں مگرمال یتیماں دوسرے کو عاریۃً نہیں دے سکتے اگرچہ تلاوت کے لئے قرآن مجید فانہ تبرع ولاولایۃ فی التبرع (کیونکہ یہ تبرع ہے اور تبرع میں ولایت نہیں ہوتی۔ت)

زر چندہ سے یتیموں کا ختنہ کر سکتے ہیں اور براتیوں کو معمولی کھانا دینا بھی جائز بشرطیکہ سراف نہ ہو صرف بقدر کفایت ہو۔

فی ردالمحتار عن القنیۃ لایضمن ما انفق فی المصاھرات بین الیتیم والیتیمۃ وغیرھما فی خلع الخاطب اوالخطیبۃ وفی الضیافات المعتادۃ والھدایا المعھودۃ وفی اتخاذ ضیافۃ لختنۃ للاقارب والجیران مالم یسرف فیہ [1] اھ مختصرا۔ واللہ اعلم۔	ردالمحتار میں بحوالہ قنیہ منقول ہے یتیم لڑکے اور یتیم لڑکی وغیرہ کی شادی کے موقع پر دولہا اور دلہن کے جوڑوں، عادت کے مطابق دعوتوں، عرف کے مطابق تحائف اور ختنہ کے موقع پر عزیز واقارب اور پڑوسیوں کی دعوت میں جو کچھ خرچ کیا جائے اس پر تاوان لازم نہیں آتا جب تک اس میں فضول خرچی نہ کی جائے اھ مختصراً۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۸: ۲۷/جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان ودکان اپنی زوجہ کے نام بیع کر دیا تھا زوجہ نے انتقال کیا۔ زید کے تین بچے نابالغ اپنی ماں کے وارث ہیں۔ اب زید کے پاس کچھ نہیں کہ اس سے اپنا اور ان نابالغوں کا کھانا پینا چلے۔ زید نیک چلن ہے مال برباد کرنے والا نہیں وہ نیک نیتی سے چاہتا ہے کہ اپنا اور اپنے نابالغ بچوں کا حصہ بیچ کر تجارت کرے جس سے ان سب کا رزق پیدا ہو۔ اس صورت میں زید ان حصوں کے بیچنے کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

فی الواقع صورت مستفسرہ میں اگر زید نیک چلن ہے اولاد کا مال برباد کرنے کا اس پر اندیشہ نہیں اور بیع مناسب اور معقول قیمت کو ہو تو اسے ان حصوں کے بیچنے کا اختیار ہے، عقود الدریہ میں فصول عمادی سے ہے:

الحاصل ان بیع الاب عقار الصغیر بمثل القیمۃ یجوز اذاکان محمودا اومستورا اواذاکان مفسدا	خلاصہ یہ کہ باپ کا نابالغ کی غیر منقولہ جائداد کو مثلی قیمت کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے جبکہ وہ نیک چلن یا پوشیدہ حال والا ہو، اور اگر

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا فصل فی شہادۃ الاوصیاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۶۳

لایجوز الابضعف القیمۃ۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	وہ بدچلن اور فسادی ہے تو پھر سوائے دگنی قیمت کے اسے فروخت کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۳۹(ا): ۳۰ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حاجی محمد کفایت اللہ کی دوزوجہ، زوجہ اولٰی نجم النساء کے بطن سے حافظ عبدالحق، احسان الحق دو پسر اور عجائب النسائ، لطیف النساء، حبیب النساء، جمیل النساء چار دختر سب بالغ، اور زجہ ثانیہ حمید النساء عرف ننھی کے بطن سے فضل حق، ضیاء الحق، ریاض الحق تین پسر اور احمدی بیگم ایک دختر سب نابالغ، اور ننھی کی ایک دختر بالغہ کریم النساء ہے جسے دیر ورثہ نطفہ حاجی کفایت اللہ سے نہیں بناتے بلکہ ربیبہ کہتے ہیں حمید النساء حیات شوہر میں انتقال کر گئی حاجی کفایت اللہ نے اپنے مرض الموت میں بشمول نجم النساء ایک وصیت نامہ سات امر پر مشتمل لکھا۔ اول ظاہر کیاہے کہ جائداد مندرجہ وصیت نامہ ہر دوکاتبان کی ہے ابتداء کام نقدی وجائداد وکاتبہ نمبر ۲ سے شروع ہوااور اضافہ وترقی ہوتی رہی اور وہ جز حصہ ہشتمی زوجیت و دین مہرکاتبہ کاجائداد مصرحہ تحت میں شامل ہے جائداد ونقدی ایسی مخلوطہ ہے جس کو علیحدہ دکھانا بلاضرورت ہے خاص کرجب ہر دوکاتبان کا منشا دلی یہ ہے کہ جائداد مصرحہ تحت تمام اولاد مصرحہ ذیل پر حسب شرع شریف بلااستثناء کسی جز کے تقسیم ہوجائے اور کسی اولاد کے ساتھ کوئی خاص رعایت نہ دکھائی جائے تو ایسی حالت میں جائداد تمام اولاد پر حسب شرع شریف تقسیم مطابق وصیت نامہ ہذا ہوگی۔ کاتب نمبر ا نے تیاری تحریری وصیت نامہ ہذا کی تھی کاتبہ نمبر ۲ نے بھی کاتب نمبرا سے خواہش کی کہ کاتب نمبرا کی جائداد عین کاتبہ نمبر ۲ کی جائداد کی ہے تمام اولاد پر بذریعہ وصیت نامہ ہذا منتقل ہو ہر دوکاتبان نے اپنی خوشی سے وصیت نامہ ہذا تمام اولاد مندرجہ تحت کے نام تحریر کیاکہ جائداد بحیثیت موجودہ بعد ہمارے ہم لوگوں کے قبضہ میں رہے اور ہماری اولاد کو پوری واقفیت ہوجائے کہ کون جز جائداد کا ان کی ملکیت میں رہے گا۔ دوم: حاجی کفایت اللہ نے کچھ دیہات ودکان ومکان اپنی تندرستی میں احسان الحق وفضل الحق وکریمن کے نام کردیئے تھے اس وصیت میں وہ بھی شامل کئے اور لکھا وصیت نامہ کی یہ بھی ضرورت ہوئی کہ اکثر جائداد فرضی بعض اولاد کے نام تھی اس کی بابت احتمال تھاکہ کوئی تحریر نہ ہو تو وہ اولاد تنہا اپنی

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳۲۳

ملکیت سمجھے۔

سوم: تحریر کیا جاتا ہے کہ کاتب نمبر اکی زوجہ ثانی حمید النساء کا مہر ایک سو پندرہ روپے کا تھا وہ ان کی حیات میں ادا کردیا گیا۔

چہارم: نابالغان مذکورین پر ولایت کا یہ انتظام لکھا، ولی جائداد حافظ عبدالحق واحسان الحق نابالغان کے رہیں گے ولی ذات نابالغان اللہ جلائی والدہ کاتب وصاحب النساء ہمشیرہ کاتب رہیں گی ان کی سرپرستی ونگرانی وحفاظت میں ان کے ساتھ نابالغ رہیں گے ولی جائداد آمدنی نابالغان سے (۸۰لہ) روپیہ ماہوار سپرد ہر دوولی ذات بنام پرورش نابالغان کرے گا عقد وتعلیم حسب رائے ہر دو ولی ذات ہوگی۔

پنجم: کچھ جائداد حاجی کفایت اللہ نے مصارف خیر کے لئے بحال تندرستی پہلے وقف کی تھی اس کی تفصیل بھی اسی وصیت نامہ میں بغرض یادگار درج کی اور ایک بنگلہ نمبری ۱۶۷ قیمتی دس ہزار روپے جدید وقف اس وصیت نامہ میں کیا ہے ہے مقدار ثلث متروکہ سے بدرجہا کم ہے اور یہ سب اوقاف تمام ورثہ کو تسلیم ہیں۔

ششم: تمام اولاد مذکورین گیارہ اشخاص کے نام جداجدا بتفصیل جائداد غیر منقولہ لکھی ان میں کریم النساء کا نام بھی ہر جگہ بزمرئہ اولاد لکھا اور اس کے لئے بھی دیگر دختروں کے برابر حصہ جداگانہ مشخص کیا اگرچہ مکان اور ایک دکان کہ اول سے اس کے نام تھی وہ بھی شامل حصہ کی جس طرح ایک موضع کہ احسان الحق اور ایک موضع ایک مکان کہ فضل حق کے نام اول سے تھے ان کے حصص میں داخل کئے اور لکھا کہ ہم لوگوں نے اپنی تمام اولاد کو یکجا کرکے وصیت نامہ ہذا لکھا اور جو جائداد اولاد کے نام درج ہے ان کی رضا سے تحریر ہوئی کوئی کمی بیشی جائداد میں نہیں نیز لکھا جس جائداد کے محاذ میں جس وارث اولاد کا نام ہے وہ اس جائداد کا مالک ہوگا۔ عنوان فہرست تقسیم میں لکھا جو جائداد غیر منقولہ اولاد کے قبضے میں آئے گی وہ ہر اولاد کے نام کے مقابل درج کی جاتی ہے جس کو تمام اولاد بالغ وولی نابالغان نے بقدر حصہ شرعی حساب لگا کر قبول ومنظور کیا ہے۔

ہفتم: حاجی کفایت اللہ نے اپنی والدہ اللہ جلائی کو جائداد سے کچھ نہ دیا مگر آخر میں اتنا لکھا ہے کہ کاتب نمبر ا عرصہ سے (لعہ عہ/) ماہواری اپنی والدہ اور ان کی دختر صاحب النساء کے اخراجات کے واسطے دیتا رہا ہے میری خواہش تمام اولاد ذکور واناث سے ہے کہ مثل میرے مبلغان مذکورہ اپنی جائداد کی آمدنی سے ذکور دو ہر حصہ اناث اکہرا جملہ (ہہ/) کے رقم والدہ وصاحب النساء کو تاان کی حیات

دیتے رہیں۔ ۹/دسمبر ۲ء کو یہ وصیت نامہ تحریر ہوا اور ۱۳/دسمبر ۲ء کو حاجی کفایت اللہ موصی نے وفات پائی رجسٹری اس کی بعد موت موصی ۱۸/دسمبر کو معرفت حافظ عبدالحق پسر کلاں کے ہوئی بعد فوت موصی والدہ موصی اللہ جلائی اپنے حصہ شرعی سدس کی طالب ہوئی نجم النساء اور اس کی اولاد بطنی نے باستناد وصیت نامہ حصہ دینے سے انکار کیا ۲/مئی ۳ء کو اللہ جلائی نے نجم النساء وجملہ اولاد یازدہ گانہ کو مدعاعلیہ بناکر نالش دائر کی اور عرضی دعوت میں نسبت وصیت نامہ لکھا دستاویز مظہرہ مدعاعلیہم کا مدعیہ کو کوئی علم نہیں تاریخ مظہرہ مدعٰی علیہم کے قبل اور بعد حاجی کفایت اللہ میں قابلیت اظہار ارادہ اور تحریر اور سمجھنے مضمون کی نہ تھی نجم النساء نے اپنے بیان تحریری میں لکھا کہ حاجی کفایت اللہ بہت کم مایہ شخص تھے مدعاعلیہا کے سرمایہ سے حاجی کفایت اللہ نے تجارتیں کرکے نفع کثیر حاصل کیا اور جائداد خریدکیں واقعی مالک جائداد کی مدعاعلیہا ہے، مدعاعلیہا نے حسب خواہش شوہر وبنظر رفع نزاع باہم ورثاء بلالحاظ ملکیت جائداد خود اور دین مہر یافتنی اپنا برضامندی جملہ ورثاء مدعاعلیہا اور شوہر مدعاعلیہا نے وصیت نامہ تحریر کیا جملہ ورثاء اور نیز کریم النساء نے وصیت نامہ تسلیم کرکے موافق حصص مندرجہ وصیت نامہ اپنا اپنا قبضہ جائداد پر کیا اور کاغذات مال میں اپنا نام درج کرالیا بیان مدعیہ کا بابت نادرستی حواس حاجی کفایت اللہ کے محض غلط ہے جبکہ مشورہ بابت تحریر وصیت نامہ کے ہوا تھا اس وقت بھی مدعیہ نے کہا میرے واسطے کچھ جائداد نہ چاہئے (عہ/) ماہوار مجھ کو کافی ہے اب مدعیہ کو استحقاق دعوی جائداد کا نہیں درحالیکہ تمام جائداد سرمایہ مدعاعلیہا سے کفایت اللہ نے پیدا کی تو واقعی جملہ مالک جائداد مدعاعلیہا ہے کفایت اللہ کا اس میں کچھ حق نہیں اگر جائداد میں کوئی جزء متروکہ حاجی کفایت اللہ قرار پائے اور وصیت نامہ ناجائز ٹھہرے تو بلاادائے مبلغ (صہ) ہزار دین مہر یافتنی ذمگی حاجی کفایت اللہ شرعًا وراثت جاری نہیں ہوسکتی ہنوز تنقیح نہ ہوئی تھی کہ جملہ تیرہ اشخاص فریقین بالغوں کی طرف سے اصالۃً اور نابالغوں کی جانب سے ولایۃً اقرار نامہ ثالثی ۱۳/اگست ۳ء کو تحریر ہوا جس میں لکھا گیا کہ ہم مقران کے تنازع بابت تقسیم ترکہ حاجی کفایت اللہ کے ہے ہم سب کی خواہش ہے کہ ثالثان جائداد منقولہ وغیر منقولہ مفصلہ ذیل ترکہ حاجی کفایت اللہ کی تقسیم حسب احکام شرع شریف باہم مقران کردیں۔ زردادنی مفصلہ ذیل جو ذمہ حاجی کفایت اللہ مرحوم واجب الادا ہے اس کو منجملہ مقران کے صرف حافظ عبدالحق ادا کریں گے۔

سید عبدالستار	صراف کانپور	جیون لال
(سا/)	(ماصہ عہ/)	(مہ معہ)

علاوہ اس کے اور کوئی دادنی نہیں۔ ثالثان جو فیصلہ جوازی یا ناجوازی وصیت نامہ مناسب سمجھیں کریں ثالثی میں نجم النساء کی درخواست بایں مضمون گزری کہ در واقع مالک جائداد کی مدعاعلیہا ہے اگر کوئی جز جائداد متروکہ حاجی کفایت اللہ قرار پائے اور وصیت نامہ ناجائز ہو تو بلاادا (مہ صہ) دین مہریافتنی مدعاعلیہا وراثت جاری نہیں ہوسکتی بہ نسبت عذرات مذکورہ تنقیح قائم کی جائے۔ ثالثوں میں اس پر اختلاف ہوا ہر دو کی رائے میں یہ درخواست ناقابل سماعت ہوئی کہ مہر نجم النساء کی بحث امور مفوضہ سے نہیں ایک کی رائے اس کے خلاف ہے کہ اقرار نامہ میں تقسیم حسب احکام شرع شریف کی درخواست نہیں اور تقدیم مہر حکم شرع شریف ہے، اب حضرات علماء کرام سے امور ذیل کا استفسار ہے:

(۱) کیا وصیت نامہ مذکورہ کلا یا جزء قابل نفاذ ہے؟

(۲) اگر وصیت نامہ باطل قرار پائے تو جائداد حسب بیان نجم النساء مملوکہ نجم النساء ٹھہرے گی حالانکہ اس کے نام کوئی جزی جائداد نہ تھی یا تمام وکمال ترکہ حاجی کفایت اللہ ہو کر تقسیم ہوگی۔

(۳) کیا نسبت نادرستی حواس حاجی کفایت اللہ اللہ جلائی کا دعوی قابل سماعت ہے؟

(۴) جائداد میں کہ حالت تندرستی حاجی کفایت اللہ سے احسان الحق وفضل حق وکریمین کے نام تھیں وہ انہیں کی ٹھہرے گی یا حسب بیان وصیت نامہ ان کے نام فرضی قرار پاکر شامل تقسیم ہوں گی؟

(۵) کیا حمید النساء کا مہر (معہ) ہونا اور یہ کہ وہ حیات حمید النساء میں ادا کر دیا گیا حسب تصریح وصیت نامہ مانا جائے گا۔

(۶) کیا کریم النساء دختر کفایت اللہ قرار پائے گی یا حسب بیان نجم النساء وغیرہ ربیبہ۔

(۷) کیا نجم النساء کی درخواست مذکورہ قابل سماعت ہے ثالثی میں اس کی نسبت کوئی تنقیح قائم کی جائے؟

(۸) کیا نابالغوں پر ولایت ذات ومال حسب بیان وصیت نامہ رہے گی یا کس طرح؟

(۹) کیا اللہ جلائی کا دعویٰ نسبت ششم حصہ شرعی صحیح ہے یا ماہوار کے سوا اس کا استحقاق نہیں؟

(۱۰) زیور طلائی ونقرئی مندرجہ نمبر ۳۱ فہرست اقرار نامہ جسے لکھا ہے کہ بنگال بینک کانپور میں مورث نے امانت رکھا ہے، مگر بموجب مشہور حالت کے وہ زیور متروکہ حمید النساء ہے کس کا قرار پائے گا اور تقسیم مال میں شامل ہوگا یا بحق نابالغان اولاد حمید النساء محفوظ رہے گا۔

(۱۱) زر مجتمع شملہ بینک مذکور نمبر ۴۴ فہرست اقرار نامہ کی نسبت بینک مذکور کے بھیجے حساب سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۱ دسمبر ۱۹۰۲ء کو فوت حاجی کفایت اللہ سے دو روز پہلے اس میں سے بارہ ہزار پانسو بارہ روپے حافظ عبدالحق کی معرفت آئے۔ حافظ عبدالحق نے روبروئے ثالثان لانا اس روپے کا مانا اور کہا میں نے اپنے باپ کو لا کر دے دیا مگر اس روپے کا ذکر نہ وصیت نامہ میں ہے نہ کوئی وارث اسے قبول کرتا ہے نہ موصی کا کسی کو دینا ظاہر ہوتا ہے اور نہ اس وقت کی حالت موصی کی اس قدر زر کثیر و تصرف کرنے کے معلوم ہوتی ہے یہ رقم کس حساب میں درج ہوگی۔ **بیّنوا توجروا۔**

کاغذات نقول وصیت نامہ و عرضی دعوٰی و بیان تحریری نجم النساء و اقرار نامہ و درخواست نجم النساء بغرض ملاحظہ حاضر ہیں۔

مسئلہ ۱۳۹ (ب): ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مقدمہ مذکورہ ترکہ حاجی کفایت اللہ میں چند جلسے ثالثان کے قائم ہوئے لیکن بجائے اس کے کوئی امر متنازعہ کا تصفیہ عمل میں آئے تنازعوں کی بحثوں نے روز بروز ترقی پکڑلی جس کے دیکھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مقدمہ پنچایت سے طے نہ ہوگا اور عدالت کے جھگڑوں میں یہ سب جائداد برباد اور تلف ہو جائے گی اور فریقین تباہ ہو خاص کر نابالغین بے زبان اور بے قصور باوجود بروئے ترکہ صاحب جائداد ہونے کے خرچہ معینہ ان کا نہیں ملتا خرچہ کی وجہ سے سخت تکلیفیں اٹھا رہے ہیں نہ کوئی تعلیم کا ان کی انتظام ہے اگر اب بھی کوئی انتظام ان کی جائداد کے تحفظ کا نہ ہوا اور یہ جھگڑے طے نہ ہوئے تو یہ مظلوم خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ ان وجوہات پر غور کرکے بعض فریق مقدمہ نے سبقت کی اس امر میں کہ فیمابین کہ مصالحت سے بعض سے چھٹا کر یا بعض کو دلا کر امور متنازعہ کا قلع قمع کرکے آئندہ جھگڑوں کا باب مسدود کرنے کا قصد کیا، چونکہ بالغین مختار ہیں اپنے اپنے حقوق چھوڑنے کے اور کمی وبیشی یعنی دینے کی چونکہ ایسی صورت میں کمی بیشی آنے سے جس کی بعض حصص میں کمی واقع ہوتی رہی اس کا اثر نابالغوں پر ہی پڑتا رہا جس اثر ہر شریک مقدمہ کے حق میں موجب وبال ہے، اور عنداللہ ماخوذی ہے، لیکن انجام کار کی مصلحتوں پر غور کرنے سے ظاہر حال دلالت کرتا ہے کہ اگر مجوّزین بلالحاظ اپنے منافع ذاتی و اغراض نفسانی کے محض بغرض دفع فساد و رفع نزاع باہمی مسلمانوں کے اور نیز بے جا ضائع ہونے مسلمانوں کے مال کے بالخصوص تحفظ جائداد نابالغان کے تصفیہ باہمی میں کوشش کریں اور آئندہ جھگڑے پیدا ہونے والوں کو بچانے کی غرض سے جو جو نقصان بظاہر حال نابالغوں کے حصہ جائداد میں واقع ہوتے ہیں حسب ذیل ہیں:

(۱) یہ کہ جائداد پیلی بھیت کے دکانات ومکانات جواز روئے قیمت کے باعتبار زیادہ اورآمدنی کم ہے لیکن مدعیہ کواپنی سکونت پیلی بھیت کی وجہ سے نافع ہےاوراس کی خواہش کے موافق دی گئی۔

(۲) مہر مسماۃ نجم النساء زوجہ مورث کا باوجود اقرار نامہ اور وصیت نامہ درج نہ ہونے کے دلایا گیا۔

(۳) خرچہ نالشات ہر دوفریق کاازروئے بیان حلفی ہر فریق کہ جس قدر بیان کریں جملہ جائداد سے اول منہا ہومابقے جائداد ازروئے حصص شرعی تقسیم کی جائیگی اور تقرر قیمت اور حصص اس قاعدہ سے قرار پایاہے جیساکہ اس سے کچھ زمانہ قبل سب شرکاء کے آپس کی رضامندی سے ایک فہرست تیار کی تھی اوراس وقت بسبب نہ طے پانے بعض نزاع کے ملتوی ہوگیا تھانفاذ اس کا۔

(۴) جو جائداد از قسم دھات ودکان ومکان بنام محض ورثاء مسمیان احسان الحق وکریم النساء بالغان وفضل حق نابالغ مورث نے اپنی حالت صحت میں نامزد کردیا تھااوران کی تحریرات بھی باضابطہ ان کے ناموں سے ہو چکی تھی مگر وصیت نامہ اور نیز اقرار نامہ ثالثی میں ان کے مالکوں نے اور فضل حق نابالغ کی طرف سے بولایت شیخ عبدالعزیز کے جن کی ولایت بعض ورثاء کی جانب سے قرار دی گئی ہے بشمول جملہ جائداد کی جملہ ورثاء پر تقسیم کردینا قبول ومنظور کیا ہے۔

(۵) زر مجتمع شملہ بینک جو نمبری ۴۴ اقرار نامہ کے تحت میں بلاتعداد لکھے بھی اور حساب بینک مذکور کے آنے سے تعدادی بارہ ہزار پانسوبارہ روپیہ حافظ عبدالحق کالانا دو روز قبل وفات مورث کے معلوم ہوا لیکن حافظ عبدالحق اس مجرادینے سے انکار کرتے ہیں اس بناء پر کہ بوقت دستخط کرنے اقرار نامہ ثالثی کے اس میں سے بعض وارث احسان الحق وغیرہ کو کوئی جُز دلانے کے بعد مابقے کامطالبہ نہ کرنا بعض ورثاء نے بوعدہ زبانی یاکسی خاص تحریری رقعہ کے ذریعہ سے قبول ومنظور کرلیا ہے آیا اس رقعہ کا بار بحق نابالغان بھی پڑے بخیال مصلحت مرقومہ بالاکے توکیاحکم رکھتا ہے۔

(۶) بمد ۳۱ اقرار نامہ کے زیر طلائی ونقرئی بنگال بینک میں امانت رکھانا لکھا ہےاور بموجب بیانات مشہورہ کے نابالغان کی والدہ متوفی حمیدن کازیور واسطے نابالغوں کے بینک میں رکھایا تھااس کی

تقسیم بھی بشمول جملہ ترکہ ہوگی یا بحق نابالغان امانت رہے گا۔

(۷) علاوہ مدات مرقومہ صدر کے اور کسی قسم کا بھی نزاع کا تصفیہ بغرض دفع نزاع کیا جائے جس میں نابالغان کا کسی قسم کا نقصان متصور ہو اور نیز ہر شش دفعات مذکورہ بالا کے بموجب کرنا بغرض دفع نزاع اور تحفظ اموال کے قاعدہ شرعیہ کے خلاف ہوگا یا موافق اور نیز اس میں سعی کرنے والے ماجور ہوں گے یا گنہگار؟ بیان فرمایئے ثواب پایئے۔

الجواب:

نابالغوں خصوصًا تیمیوں کا مال آگ ہے انہیں نقصان دینے والا سخت کبیرہ شدیدی کا مرتکب ہے ان کا مال یا ان کے مال میں سے ایک ذرہ دیدہ ودانستہ خود غصب کرنے والا اگرچہ کسی فیصلہ کے زور سے ہو یا دوسرے کو دے دینے یا دلادینے والا یا ان کی ادنٰی حق تلفی پر راضی ہونے والا سب شدید عذاب جہنم کے مستحق ہیں۔ حق سبحانہ، وتعالٰی قرآن عظیم میں فرماتا ہے:

" اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًاؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۠ "[1]	بے شک جو لوگ تیمیوں کا مال ناحق کھائیں وہ اپنے پیٹ میں نری آگ بھرتے ہیں اور عنقریب بھڑکتے دوزخ میں غرق ہوں گے۔

کاغذات مقدمہ ملاحظہ ہوئے امور ذیل معلوم رہیں:

اوّلًا: جو جائدادیں احسان الحق وکریم النساء کے نام صحت مورث میں ہوچکی تھیں وہ اب ضرور ان کی نہ رہیں بلکہ ترکہ حاجی کفایت اللہ ہیں کہ وصیت نامہ میں ان کا نام فرضی ہونا لکھا اور انہوں نے تسلیم کیا اور اقرار نامہ میں صراحۃً ان کا ترکہ حاجی کفایت اللہ ہونا مان لیا۔ فضل حق اگر بالغ ہوتا اور اسی طرح قبول کرنا اس کا بھی یہی حال ہوتا مگر وہ نابالغ ہے اور کوئی ولی کوی وصی کوئی حاکم نابالغ کے مال میں اس کا نام فرضی ہونا مان لینے کا اختیار نہیں رکھتا وصیت نامہ میں حاجی کفایت اللہ کا لکھوانا اصلًا قابل التفات نہیں، کیا کوئی شخص کوئی جائداد ہبہ یا بیع کرکے مدعی ہو کہ یہ انتقال فرضی تھا تو صرف اس کے کہنے سے مان لیا جائے گا ہر گز نہیں۔ اور یہ شبہہ کہ روپیہ حاجی کفایت اللہ کا تھا اس نے خرید کر اپنے پسر نابالغ کے نام جائداد کی جب تک چاہا دی اب نہیں دیتا محض مہمل وبے معنی ہے اگر اس کا ثبوت مان بھی لیا کہ روپیہ درحقیقت حاجی متوفی کا تھا نابالغ کو اس کی ماں یا اور کسی سے

---
[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۰

پہنچا تھاتو اس سے جائداد مذکور بھی متوفی کا ہونا کیونکر لازم آیا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب۔[1]	باپ کے مال سے خریداری سے لازم نہیں آتا کہ مبیع باپ کے لئے ہو۔ (ت)

باپ جو چیز اپنے نابالغ بچے کے نام خریدے وہ اس کے لئے ہبہ ہوتی ہے اور باپ ہی کے قبضہ سے نابالغ کی ملک ہوجاتی ہے۔ ردالمحتار جلد ۴ ص ۴۷۷:

الاب اشتری لها فی صغرها اوبعد ماکبرت وسلم الیها وذٰلك فی صحة فلاسبیل للورثة علیه ویکون للبنت خاصة[2] اھ منح۔	باپ نے اپنی بچی کے لئے اس کی صغر سنی میں یا اس کے بالغ ہونے کے بعد کچھ خریدار اور اس کے سپرد کردیا اور یہ کام اس نے اپنی صحت کے زمانے میں کیا تو دیگر وارثوں کا اس پر کوئی حق نہیں وہ بیٹی کے لئے خاص ہوگا اھ منح (ت)

عقود الدریہ ج ۲ ص ۲۸۰ و ۲۸۱:

ذکر فی الذخیرة والتجنیس، امرأة اشترت ضیعة لولدها الصغیر من مالها وقع الشراء للام لانها لا تملك الشراء للولد وتکون الضیعة للولد لان الام تصیر واهبة والام تملك ذٰلك ویقع قبضا عنه، احکام الصغار من البیوع۔[3]	ذخیرہ اور تجنیس میں مذکور ہے کسی عورت نے نابالغ بیٹے کے لئے اپنے مال سے جائداد خریدی تو وہ خریداری ماں کے لئے واقع ہوگی کیونکہ وہ اولاد کے لئے خریداری کی مالک نہیں اور جائداد بیٹے کے لئے ہوگی کیونکہ ماں ہبہ کرنے والی ہوگئی اور وہ اس کی مالک ہے اور جائداد پر قبضہ بیٹے کی طرف سے واقع ہوگا، احکام الصغار من البیوع۔ (ت)

تو موضع و مکان جو متوفی نے فضل حق نابالغ کے نام خریدا اگرچہ روپیہ متوفی ہی کا تھا فضل حق کی

---

[1] الفتاوٰی الخیریة کتاب البیوع دارالمعرفة بیروت ۱/ ۲۱۹

[2] ردالمحتار کتاب العاریة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

[3] العقود الدریة کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۷

مِلک ہوگیا اب اس کانام فرضی بتانا اس ہبہ سے رجوع کرنا ہے اوراولاد کو ہبہ کرکے رجوع باطل محض ونامسموع۔ در مختار جلد ۴ ص ۷۹۱:

لووهب لذی رحم محرم منه نسبا ولوذمیا او مستامنالایرجع۔[1]	اگر کسی نے اپنے نسبی ذی رحم کو ہبہ کیا اگرچہ وہ ذمّی یامستامن ہوتواب رجوع نہیں کرسکتا۔(ت)

درمختار جلد ۴ ص ۷۹۲:

لوکانا ای العبدومولاہ ذارحم محرم من الواھب فلا رجوع اتفاقا[2]۔	اگروہ دونوں یعنی غلام اور اس کامالک واہب کے ذی رحم محرم ہوں تو بالاتفاق رجوع نہیں ہوسکتا۔

پس فرض ہے کہ جو موضع ومکان فضل حق کے نام تھے وہ خاص اس کے سمجھے جائیں اوراس تقسیم سے جدا رہیں اور وہ باقی تمام متروکہ کہ کفایت اللہ میں برابر کاحصہ دیا جائے۔

ثانیًا: نجم النساء اقرار نامہ میں صراحۃً مان چکی ہے کہ ان تین رقوم مصرحہ اقرار نامہ کے سوااور کوئی دادنی ذمہ حاجی کفایت اللہ نہیں تواس کادعوی مہرساقط ہوگیا بالغین اختیار رکھتے ہیں کہ باوصف سقوط دعوی بھی اس کا بار اپنے سرلیں مگر کسی نابالغ پر اس کابارڈالنا اپنے سر عذاب الٰہی کاوبال لینا ہے۔

ثالثًا: اس سوال میں سائل نے مہرحمیدالنساء والدہ نابالغان کاذکر نہ کیا۔ سوال اول میں اس کاتذکرہ تھااور ملاحظہ وصیت نامہ سے ظاہر ہوا کہ حاجی کفایت اللہ نے اس کا مہر (ماصہ عہ) کاظاہر کیااور یہ کہ وہ ان کی حیات میں اداکردیاگیا، مگر کبھی مدیون کاقول خفت مقداردین یااس کے اداکردینے کے بارے میں مقبول نہیں ہوسکتا اگر گواہان عادل شرعی سے حمیدالنساء کامہرادا ہوجانا ثابت ہے فبہا ورنہ لازم کہ مہر مثل تک حمیدالنساء کامہر قائم اوراس میں سے چہارم حصہ شوہر اورایک حصہ کریم النساء بالغہ (جبکہ وصیت نامہ کو تسلیم کرچکی ہو) ساقط کرکے باقی اولاد نابالغان حمیدالنساء کے حصے ان نابالغوں کو دیئے جائیں۔

[1] الدرالمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۳
[2] الدرالمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۳

رابعًا: زر شملہ بنک کی نسبت اگر گواہان عادل شرعی سے ثابت ہو کہ یہ روپیہ بنک سے لانے کے لئے حاجی کفایت اللہ نے حافظ عبدالحق کو مامور کیا تھا جب تو حافظ عبدالحق کا بیان کہ میں نے اپنے والد کو لاکر دے دیا حلف کے ساتھ قبول کرلیا جائے گا کہ اب وہ وکیل ہوا اور وکیل امین ہے اور امین کا قول قسم کے ساتھ مقبول ہے ورنہ اس میں سے بھی حصہ نابالغان ہرگز نہیں چھوٹ سکتا، بعد اس تحریر کے دوسرے جلسے میں حافظ عبدالحق نے اقرار کیا کہ وہ روپیہ شملہ بنک سے لایا اپنے نام سے بنک میں جمع کردیا تو وہ اس روپے کا متغلب ہوا بقیہ ورثہ کا حصہ اس کے ذمے عائد ہے بالغوں کو چھوڑ دینے کا اختیار ہے، یتیموں کا حق کوئی نہیں چھوڑ سکتا، اس کا بیان کہ ساڑھے تین ہزار والد نے اس کا قرضہ ادا کرنے کو اسے دیئے ہرگز مقبول نہیں، بلکہ بالفرض اگر گواہان شرعی سے ثابت بھی ہوجائے کہ حاجی کفایت اللہ نے اپنے مرض مذکور میں اتنے ہزار حافظ عبدالحق کو دے دیئے کہ اپنا قرضہ ادا کرلو جب بھی نابالغوں کا حصہ اور نیز ان بالغوں کا جو اس دینے کو جائز نہ رکھیں دینا آئے گا کہ ہبہ مرض میں وصیت ہے اور وارث کے لئے وصیب بے اجازت ورثہ نافذ نہیں ہوسکتی وارث موصی لہ جو کچھ قبل موت موصی تصرف میں لاچکتا ہے بعد موت موصی جو ورثہ اجازت نہ دیں ان کا حصہ واپس دینا پڑتا ہے، درمختار جلد پنجم ۶۶۷:

اعتاقه ومحاباته وهبته ووقفه وضمانه کل ذٰلك حکمه کحکم وصية۔[1]	مرض الموت کے مریض کاآزاد کرنا، کم قیمت پر بیچنا، ہبہ کرنا، وقف اور ضمان سب کا حکم وصیت کے حکم کی مثل ہے۔(ت)

ایضًا ص ۶۴۴:

لالوارثه الاباجازة ورثته لقوله علیه الصلٰوة والسلام لاوصية لوارث الا ان یجیزها الورثة۔[2]	وارث کے لئے وصیت نہیں سوائے دیگر وارثوں کی اجازت کے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ وارث کے لئے وصیت نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں۔(ت)

عالمگیری جلد چہارم ص ۱۴۱:

مریض وھب غلامالامرأته فقبضته	مریض نے اپنی بیوی کو غلام ہبہ کردیا بیوی نے اس پر

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۲۷

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱۹

واعتقته ثم مات المریض فالعتق نافذ وتتضمن القیمۃ کذافی خزانۃ المفتین [1]۔	قبضہ کیا اور آزاد کردیا۔ پھر مریض مرگیا تو عتق نافذ ہوگا اور بیوی اس کی قیمت کی ضامن ہوگی۔ یوں ہی خزانۃ المفتین میں ہے۔(ت)

درمختار جلد ۴ ص ۱۲۷:

اقرفی مرض موتہ لوارثہ یؤمر فی الحال بتسلیمہ الی الوارث فاذا مات یردہ، بزازیۃ، وفی القنیۃ، تصرفات المریض نافذۃ وانما تنتقض بعدالموت۔ [2]	مریض نے اپنی مرض الموت میں کسی وارث کے لئے کچھ اقرار کیا تو اسی وقت وہ شیئ وارث کے سپرد کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ پھر جب مریض ہوگیا تو وارث وہ شیئ واپس لوٹائے گا (بزازیہ) اور قنیہ میں ہے کہ مریض کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں البتہ اس کے مرنے کے بعد ٹوٹ جاتے ہیں۔(ت)

کفن دفن بقدر مسنون میں جو روپیہ صرف کیا وہ ضرور مجرا ہوگا باقی فاتحہ درود خیرات سوم وغیرہ کے مصارف صرف اس صرف کرنے والے پر پڑیں گے اجازت نہ دینے والے ورثہ پر نہ آئیں گے خصوصًا یتیم بچے کہ ان کے حصے مطلقًا محفوظ ہیں نہ ان کی طرف سے کوئی اجازت دے سکتا ہے۔ طحطاوی حاشیہ درمختار جلد چہارم:

التجھیز لایدخل فیہ السبح والصمدیۃ والجمع و الموائد لان ذٰلك لیس من الامور اللازمۃ فالفاعل لذٰلك ان کان من الورثۃ یحسب علیہ من نصیبہ و یکون متبرعا وکذالوکان اجنبیا۔ [3]	تجہیز میں فاتحہ، درود وخیرات، لوگوں کو جمع کرنا اور کھانے کا اہتمام وغیرہ داخل نہیں ہیں کیونکہ یہ ضروری امور میں سے نہیں ہیں لہذا یہ امور بجالانے والا اگر وارثوں میں سے ہے تو اس کے حصہ سے مجرا ہوگا اور اس میں احسان کرنے والا ہوگا۔ ایسا ہی حکم اجنبی کا بھی ہے۔(ت)

تو صرف بقیہ چھ ہزار سے حصہ نابالغان دینا کافی نہیں بلکہ کفن دفن بقدر سنت میں جو دس بیس روپے صرف ہوں مجرا کرکے باقی پورے بارہ ہزار پانسو بارہ ہیں کامل حصص نابالغان دیا جانا لازم ہے

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الھبۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۲
[2] الدرالمختار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۷
[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۶۷

شیخ حبیب اللہ کامطالبہ جانے اور حافظ عبدالحق، وعدہ کرنے اور خط لکھنے والے جانیں اور حافظ عبدالحق، یتیموں پر ان باتوں کا کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔ احسان الحق کو اگر ہزار پہنچے ہیں وہ اس کے حصے میں مجرا ہوں گے، شیخ حبیب اللہ کا مطالبہ ترکہ پر نہیں۔

خامسًا: زیور امانت بنگال بنک کا معاملہ شہادت عادلہ پر ہے اگر ثابت ہو کہ وہ ملک حمید النساء تھا تو اس میں نابالغوں کے حصے بحق نابالغان محفوظ رکھے جائیں گے اور اگر ملک حاجی کفایت اللہ ثابت ہو تو سب ورثہ پر تقسیم ہوگا۔

سادسًا: خرچہ نالشات بقدر ضروری و معمولہ جو کچھ نابالغوں کی طرف سے ان کے کسی ولی یا وصی شرعی نے بلااسراف اٹھایا وہ ضرور نابالغوں پر پڑے گا اس سے زائد ایک پیسہ ان پر ڈالنا حرام ہے نابالغین مختار ہیں کہ آپس میں اپنے حقوق کا جس طرح چاہیں فیصلہ کرلیں۔

سابعًا: تشخیص قیمت جائداد و تعیین حصص وغیرہ کسی امر میں کوئی نقصان نابالغوں کی طرف رکھنا محض حرام قطعی ہے اور اللہ واحد قہار ان کی طرف سے حساب لینے والا ہے اصل احکام شرعیہ یہ ہیں بایںہمہ اگر ولی نابالغان اور ان کے حقیقی خیر خواہ اہل ایمان یقینی قطعی طور پر بلاشک وشبہہ وبلامکر وحیلہ جانیں کہ یہ تصفیہ ہی نابالغوں کے حق میں خیر ہے اور اس میں جو نقصان ان بیکس مظلوموں کو پہنچتا ہے وہ اس نقصان عظیم سے ہلکا ہے جو بحال عدم تصفیہ یقینا انہیں پہنچنے والا ہے تو شریعت مطہرہ کا قاعدہ ہے کہ:

من ابتلی بلیتین اختار اھونھما۔[1]	جو شخص دو بلاؤں میں مبتلا ہو ان میں سے ہلکی کو اختیار کرے۔

ایسی صورت محض مجبوری و ضرورت میں جو نابالغوں کی اصلاح چاہے گا اور وہ ایسا ہوگا جیسا آکلہ پیدا ہونے پر ہاتھ یا پاؤں کاٹ دینا کہ یہ معاملہ بالغ ونابالغ سب کے ساتھ روا ہے کہ فساد عظیم کا فساد قلیل سے دفع ہے۔

"وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ"[2]	اللہ خوب جانتا ہے کہ کون مفسد ہے اور کون اصلاح چاہتا ہے۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

ادب الاوصیاء جلد ۲ ص ۲۰۸:

ذکر فی الخانیة والخلاصة والعمادیة والحافظیة انه لایجوز ان یصالح الوصی باقل من الحق ان کان الخصم مقرا به ومقضیا علیه او للموصی بینة عادلة علیه والاجاز لانه فی الاول متلف لبعض الحق فلا یجوز وفی الثانی محصل للبعض بقدر الامکان وفیه من النظر مالایخفی فیجوز۔[1]	خانیہ، خلاصہ، عمادیہ اور حافظیہ میں مذکور ہے وصی کے لئے جائز نہیں کہ وہ حق سے کمتر پر صلح کرے جبکہ خصم اقراری ہو اوراس پر فیصلہ ہوچکاہو یا موصی کے پاس عادل گواہ موجود ہوں ورنہ جائز ہے کیونکہ پہلی صورت میں وصی بعض حق کو برباد کرنے والا ہے لہٰذا جائز نہیں، اور دوسری صورت میں وہ مقدور بھر بعض کو حاصل کرنے والا ہے اوراس میں نگرانی موجود ہے، جیساکہ پوشیدہ نہیں، لہٰذا جائز ہے۔(ت)

اسی میں ہے ص ۲۰۹:

فیه تحصیل بعض الحق للیتیم فی حال توی کله فلا شك فی خیریته۔[2]	اس یتیم کے بعض حق کو حاصل کرنا ہے جبکہ تمام ہلاک ہو رہاہے تواس کے خیر ہونے میں کوئی شک نہیں(ت)

اُسی میں ہے ص ۲۸۷:

ذکر فی النوازل والخانیة سلطان نزل دارالوصی فقیل له ان لم تعط السلطان شیئا استولی علی الدار و العقار فاعطی له شیئا من العقار قال ابو القاسم یجوز مصانعته[3]۔	نوازل اور خانیہ میں مذکور ہے کوئی بادشاہ وصی کے گھر میں وارد ہوا اور وصی کو کہا گیاکہ اگر تونے بادشاہ کو کچھ نہ دیا تووہ مکان اور جائداد پر قبضہ کرلے گا چنانچہ وصی نے اس کو کچھ جائداد دی۔ ابوالقاسم نے فرمایا وصی کایوں نرمی کرنا جائز ہے۔(ت)

احکام الصغار جلد دوم ص ۷۳ و ۷۴:

---

[1] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی الصلح اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۰۸

[2] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی الصلح اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۹

[3] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی الضمان اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۸۷

هو قول ابن سلمة وهو استحسان وعن الفقيه ابی الليث عن ابی يوسف رحمه الله انه كان يجيز للاوصياء المصانعة فی اموال اليتامٰی واختيار ابن سلمة موافق لقول ابی يوسف وبه يفتی واليه اشار فی كتاب الله تعالٰی (اما السفينة فكانت لمسٰكين يعملون فی البحر فاردت ان اعيبها) اجاز العيب فی مال اليتيم مخافة اخذ المتغلب ذكره قاضی خان فی وصايا فتاويه، وفيها ايضا وصی انفق علی باب القاضی من مال اليتيم فاعطی علی وجه الاجارة لايضمن، قال محمد بن الفضل رحمه الله لايضمن مقدار اجر المثل والغبن اليسير وما اعطی علی الرشوة كان ضامنا وفيها رجل مات واوصی الی امرأته وترك ورثة صغارا فنزل سلطان جائر دارهم فقيل لها ان لم تعطه شيئا استولی علی الدار والعقار فاعطته شيئا من العقار قالوا

وہ ہی قول ابن سلمہ کا ہے اور وہ استحسان ہے۔ فقیہ ابواللیث سے بحوالہ امام ابویوسف علیہ الرحمہ منقول ہے کہ وہ یتیموں کے مال میں نرمی اختیار کرنے کی وصیوں کو اجازت دیتے تھے۔ ابن سلمہ کا مختار امام ابویوسف علیہ الرحمہ کے قول سے موافقت رکھتا ہے اور اسی کے ساتھ فتوٰی دیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالٰی کی کتاب میں اسی کی طرف اشارہ ہے "وہ جو کشتی تھی وہ کچھ محتاجوں کی تھی کہ دریا میں کام کرتے تھے تو میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کردوں" اس میں کسی جابر کے قبضہ کے ڈر سے یتیم کے مال کو عیب دار کرنے کی اجازت ہے۔ اس کو قاضی خان نے اپنے فتاوٰی کی کتاب الوصایا میں ذکر کیا ہے۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ وصی نے قاضی کی کچہری میں یتیم کا مال خرچ کیا۔ اگر بطور اجارہ دیا ہے تو ضامن نہیں ہوگا۔ محمد بن فضل علیہ الرحمہ نے کہا کہ مثلی اجرت اور غبن یسیر کی حد تک ضامن نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اس نے یتیم کا مال بطور رشوت دیا ہے تو ضامن ہوگا۔ اسی میں ہے کہ ایک مرد فوت ہوا اور اس نے اپنی بیوی کو وصی مقرر کیا اور چھوٹے ورثاء بھی چھوڑے، پھر کوئی جابر بادشاہ ان کے گھر میں اترا اور اس عورت کو کہا گیا کہ اگر تو نے بادشاہ کو کچھ نہ دیا تو وہ پورے گھر اور جائداد پر جبراً قبضہ کرلے گا۔ چنانچہ عورت نے جائداد میں سے کچھ بادشاہ کو دے دیا تو مشائخ نے

یجوز مصانعتها[1]۔	کہا کہ اس کی یہ نرمی جائز ہے۔(ت)

یہ اسی حالت میں ہے جبکہ نہ ماننے میں اس سے عظیم تر نقصان پہنچنے کا یقین ہو، فقط موہوم ضرر کے لئے موجود مان لینا حلال نہیں۔ پھر بھی فرض قطعی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عرق ریزی کی جائے کہ یہ ظلم ان بیکسوں پر سے دفع ہو یا جتنا کم ہوسکے کم ہو۔ پھر بھی یہ جواز صرف ادھر سے رہے گا وہ ظالمین جو اس طرح دبا کر یتیموں کا حق لیں گے ان کے لئے وہ خالص آتش جہنم ہے وہ سخت عذاب الٰہی کے لئے مستعد رہیں۔ **والعیاذ باللّٰه تعالٰی، واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم**

جواب سوال ششم: کریم النساء کا جبکہ کسی اور شخص کی دختر ہونا معروف و مشہور وثابت نہیں اور وہ اپنے آپ کو دختر حاجی کفایت اللہ کہتی ہے اور اس کی عمر اس کی قابلیت رکھتی ہے تو ایسی حالت میں قطع نظر تمام تحریرات وخطوط کفایت اللہ کے صرف یہ وصیت نامہ جسے یہ لوگ جو کریم النساء کے نسب پر معترض ہیں تسلیم کررہے ہیں دلیل کافی وحجت وافی تھا جس کے بعد معترضین کا اعتراض ہرگز مسموع نہ ہوتا اور وہ ضرور دختر حاجی کفایت اللہ قرار پائی کہ وصیت نامہ میں جابجا اولاد، اپنی اولاد، ہماری اولاد لکھ کر انہیں کے نام کی فہرست میں کریم النساء کو بھی مثل دیگر دختران داخل کیا اور سب کو حصہ شرعی بلاکم وبیش پہنچنا لکھنا۔ درمختار میں ہے:

وان اقر لغلام مجهول النسب فی مولده فی بلدهو فيها وهما فی السن بحيث يولد مثله لمثله انه ابنه و صدقه الغلام لو مميزا والا لم يحتج لتصديقه كما مر حينئذ ثبت نسبه ولو المقر مريضا واذا ثبت شارك الغلام الورثة۔[2]	اگر کسی نابالغ لڑکے کے بارے میں جس کا نسب معلوم نہیں اس کے وطن میں یا اس شہر میں جس میں وہ وارد ہے یہ اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے درانحالیکہ دونوں کی عمر ایسی ہے کہ اس جیسا اس کا بیٹا ہوسکتا ہے اور لڑکے نے اس کی تصدیق کردی جبکہ لڑکا باتمیز ہو ورنہ اس کی تصدیق کی ضرورت نہیں، جیسا کہ گزرچکا ہے، چنانچہ صورت مذکورہ میں اس کا نسب ثابت ہوجائے گا اگر اقرار کرنے والا مریض ہو جب نسب ثابت ہو گیا تو وہ لڑکا باقی وارثوں کا شریک ہوگا۔(ت)

---

[1] جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین فی مسائل الوصایا اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳-۷۲ و ۷۴

[2] الدرالمختار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۷

نہ کہ خود سب معترضین و غیر معترضین اقرار نامہ میں بالاتفاق اسے بنت حاجی کفایت لکھ چکے تو اب اس کے دختر کفایت اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں وہ مثل دیگر دختران نہ بذریعہ وصیت بلکہ بوجہ وراثت حصہ پائے گی۔

جواب سوال ہشتم: وصیت نامہ جہاں تک نابالغوں یا ان وارثوں کے حقوق پر جو اسے جائز نہیں رکھتے اثر رساں ہے مردود و باطل ہے جو بالغ وارث اسے مان رہے ہیں صرف ان کے باہمی حقوق پر اس کا اثر مقبول ہوسکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

لم تجزاجازۃ صغیرومجنون ولو اجاز البعض ورد البعض جازعلی المجیز بقدر حصّتہ۔[1]	نابالغ اور مجنون کی اجازت جائز نہیں۔ اگر بعض وارثوں نے اجازت دی اور بعض نے انکار کیا تو اجازت دینے والے پر اس کے حصہ کی مقدار میں جائز ہے۔ (ت)

وصیت نامہ میں ماں کو حصہ مادری اصلاً نہ دیا اور وہ اس پر راضی نہیں نابالغ کا موضع و مکان اسم فرضی ٹھہرا کر تقسیم میں شامل کرلیا اور یوں اسی کے مال سے اس کا حصہ پورا کیا اور یہ محض ظلم ہے نابالغوں کے مال کا مہر ایک خفیف مقدار بتا کر وہ بھی ادا ہو جانا لکھا یہ ہرگز بے بیّنہ عادلہ مقبول نہیں، لہٰذا تقسیم وصیت نامہ واجب الرد ہے بلکہ فضل حق کا موضع و مکان خالصًا اسی کو دے۔ حمید النساء کا مہر ادا ہو جانا گواہان عادل شرعی سے ثابت نہ ہو تو مہر مثل تک ادا کرے پھر جو کچھ متروکہ حاجی کفایت اللہ منقول و غیر منقول ہے سب سے اس کی ماں کو چھٹا اور نجم النساء کو آٹھواں دیکر باقی سب بیٹوں اور مع کریم النساء سب دختروں پر "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ"[2] (مذکر کا حصہ دو مؤنثوں کے حصے کے برابر ہے۔ ت) از سر نو تقسیم کریں نابالغوں کے حصے بلا تقسیم یک جا رہیں بالغوں کے حصے کا انہیں اختیار ہے جس طرح چاہیں باہم تصفیہ کرلیں۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۰: از پٹنہ محلّہ لودی کڑہ مرسلہ جناب قاضی عبدالوحید صاحب　۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مرض الموت میں جو چیز ہبہ کی جائے اس پر احکام ہبہ کے ہوں گے یا وصیت کے؟

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱۹

[2] القرآن الکریم ۴ /۱۱

الجواب:

ہبہ اگرچہ مرض الموت میں ہو حقیقۃً ہبہ ہے تمام شرائط ہبہ درکار ہوں گی بلاقبضہ تمام نہ ہوگا مشاع ناجائز ہوگا واہب اگر قبل قبضہ کاملہ موہوب لہ انتقال کرجائے ہبہ باطل ہوجائے گا غرض وہ بہمہ وجوہ ہبہ ہے اور اسی کے احکام رکھتا ہے مرض الموت میں ہونے کا صرف اتنا اثر ہے کہ وارث کے لئے مطلقاً اور اجنبی کے واسطے ثلث باقی بعد ادائے دیون سے زیادہ میں بے اجازت دیگر ورثہ نافذ نہ ہوگا اجازت وارث عاقل بالغ نافذ التصرف کی بعد وفات مورث درکار ہے اس کی حیات میں اجازت دینی نہ دینی بیکار ہے۔ پس اگر مورث مثلاً اپنے پسر کو اپنے مرض الموت میں کوئی شیئ ہبہ کرے اور قبضہ بھی پورا کرادے اور اس کے انتقال کے بعد دیگر ورثہ اسے نہ مانیں وہ یکسر باطل ہوجائے گا اور بعض مانیں اور بعض نہ مانیں تو اس نہ ماننے والے کے حصے کے لائق باطل قرار پائے گا۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

ہبتہ ووقفہ وضمانہ کوصیۃ فیعتبر من الثلث۔[1]	مریض کا ہبہ، وقف اور ضمان اس کی وصیت کی مثل ہے، لہٰذا ایک تہائی میں سے معتبر ہوں گے۔ (ت)

ردالمحتار علی الدرالمختار میں ہے:

قولہ وہبتہ ای اذا اتصل بہا القبض قبل موتہ، اما اذا مات ولم یقبض فتبطل الوصیۃ لان ہبۃ المریض ہبۃ حقیقۃ وان کانت وصیۃ حکما کما صرح بہ قاضیخاں وغیرہ اھ طحطاوی عن المکی، قولہ حکمہ کحکم وصیۃ ای من حیث الاعتبار من الثلث لا حقیقۃ الوصیۃ لان الوصیۃ ایجاب بعد الموت وھٰذہ	ماتن کا قول "وراس کا ہبہ "اس سے مراد یہ ہے کہ واہب کی موت سے پہلے قبضہ اس کے ساتھ مقترن ہوجائے لیکن اگر وہ مرگیا اور اس پر قبضہ نہ ہوا تو وصیت باطل ہوجائے گی اس لئے کہ مریض کا ہبہ درحقیقت ہبہ ہی ہے اگرچہ باعتبار حکم کے وصیت ہے، جیسا کہ قاضیخاں وغیرہ نے اس کی تصریح فرمائی اھ طحطاوی میں بحوالہ مکی منقول ہے کہ ماتن کا قول "اس کا حکم وصیت کے حکم کی مثل ہے" یعنی

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۷

التصرفات منجزة فی الحال زیلعی[1]۔	ایک تہائی سے اعتبار کرنے کی حیثیت سے نہ کہ حقیقت وصیت کے اعتبار سے اس لئے کہ وصیت ایسے ایجاب کو کہتے ہیں جو موصی کی موت کے بعد ثابت ہوتا ہے جبکہ یہ تصرفات فی الحال نافذ ہیں، زیلعی۔ (ت)

در مختار میں ہے:

لا لوارثة الا باجازة ورثته وھم کبار عقلاء فلم تجز اجازة صغیر ومجنون ولو اجاز البعض ورد البعض جاز علی المجیز بقدر حصته۔[2]	وارث کے لئے وصیت نہیں سوائے اس کے کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دیں دراں حالیکہ وہ ورثاء عاقل وبالغ ہوں چنانچہ نابالغ اور مجنون کی اجازت جائز نہیں، اگر بعض نے اجازت دی اور بعض نے رد کر دیا تو اجازت دینے والے پر بقدر اس کے حصہ کے جائز ہوگی۔ (ت)

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

انما یصح قبولھا بعد موته لان اوان ثبوت حکمھا بعد الموت فبطل قبولھا وردھا قبله[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	وصیت کو قبول کرنا موصی کی موت کے بعد ہی صحیح ہوتا ہے کیونکہ وصیت کے حکم کے ثبوت کا وقت موصی کی موت کے بعد ہے لہٰذا اس کی موت سے پہلے وصیت کو قبول کرنا اور رد کرنا باطل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر واہب مرض الموت میں اپنی جُز یا کُل املاک کو کسی ایک وارث کی بلا رضامندی دیگر ورثاء کے ہبہ کر دے تو یہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

یہ ہبہ حقیقۃً ہبہ اور حکماً وصیت ہے، اگر واہب نے اپنی وصیت میں موہوب لہ کو قابض نہ کر دیا یا شیئ قابل تقسیم مشاع و مشترک تھی اور بلا تقسیم قبضہ کرا دیا اور مر گیا جب تو ہبہ محض باطل ہو گیا کہ اجازت ورثہ سے بھی نافذ نہیں ہو سکتا۔ در مختار موانع الرجوع میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۳۵

[2] الدر المختار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱۹

[3] الدر المختار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱۹

المیم موت احد العاقدین بعدالتسلیم فلوقبله بطل[1]۔	میم سے مراد یہ ہے کہ سپردگی کے بعد واہب اور موہوب لہ میں سے کسی ایک کامر جانا، اگر سپردگی سے پہلے مرگیا توعقد ہبہ باطل ہوگیا۔ (ت)

اوراگرحیات واہب میں باذن واہب قبضہ کاملہ یاشیئ غیر قابل تقسیم پر مشاعًا قبضہ ہولیاتواب اس ہبہ کانفاذ موت واہب کے بعد اجازت صحیحہ باقی ورثہ پر موقوف ہے صحت اجازت کے لئے اجازت دہندہ کاعاقل بالغ ہونا ضرور ہے اگر باقی وارث سب عاقل بالغ ہیں اورسب نے بعد موت مورث اس ہبہ کوجائز رکھاتمام وکمال نافذ ہوجائے گا اوراگر بعض نے اجازت دی اور بعض نے نہ مانایا بعض اجازت دہندہ نابالغ یا مجنون تھے توصرف اسی عاقل بالغ مجیز کے حصے کے قدر نفاذ پائے گا باقی نافذنہ ہوگااور ہبہ شیوع کہ بعض ورثہ کی عدم اجازت سے پیداہوا باقی میں نفاذ ہبہ کومنع نہ کرے گاکہ شیوع وہ مبطل ہبہ ہے جوابتدا سے ہونہ شیوع طاری کہ بعد کولاحق ہو۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

قال(ای محمدرضی اللہ تعالٰی عنه)فی الاصل ولاتجوز هبة المریض ولاصدقته الامقبوضة فاذا قبضت جازت من الثلث واذامات الواهب قبل التسلیم بطلت یجب ان یعلم بأن هبة المریض هبة عقد او لیست بوصیة واعتبارها من الثلث ماکانت لانها وصیة معنی لان حق الورثة یتعلق بمال المریض و قدتبرع بالهبة فیلزم تبرعه بقدر ماجعل الشرع له وهوالثلث واذاکان هذا التصرف هبة عقدا شرط له سائر شرائط الهبة ومن جملة شرائطها	امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اصل میں کہاکہ مریض کاہبہ اورصدقہ جائز نہیں مگراس وقت جبکہ اس پر قبضہ کرلیاگیاہو پس اگر اس پرقبضہ ہوگیاتوایک تہائی میں جائز ہوگا،اوراگر واہب سپردگی سے پہلے مرجائے تو ہبہ باطل ہوجائے گا۔یہ جانناضروری ہے کہ مریض کاہبہ عقدکے اعتبار سے ہبہ ہے وصیت نہیں ہے۔اوراس کاایک تہائی سے اعتبار کرنا اس وجہ سے نہیں کہ وہ باعتبار معنی کے وصیت ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وارثوں کا حق مریض کے مال کے ساتھ وابستہ ہوگیا ہےاور مریض نے ہبہ کے ساتھ تبرع کیا ہے تو اس کاتبرع صرف اسی حدتک لازم ہوگاجوشرع نے اس کے لئے مقرر کی ہے

[1] الدرالمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۱

قبض الموھوب له قبل موت الواھب کذا فی المحیط[1]۔	اور وہ تہائی مال ہے، جب یہ تصرف عقد کے اعتبار سے ہبہ قرار پایا تواس کے لئے ہبہ کی تمام شرطوں کا پایا جانا شرط ہوگا اور ہبہ کی شرطوں میں سے ایک یہ ہے کہ واہب کی موت سے پہلے وہ شخص اس پر قبضہ کرلے جس کے لئے ہبہ کیا گیا ہے، محیط میں یونہی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لاتجوز الوصیة للوارث عندنا الا ان یجیزھا الورثة ولاتعتبر اجازتھم فی حیاة الموصی حتی کان لھم الرجوع بعد ذٰلك کذا فی فتاوی قاضی خان و لایمنع الشیوع صحة الاجازة، ولو اجاز البعض وردالبعض یجوز علی المجیز بقدر حصّته وبطل فی حق غیرہ کذا فی الکافی، والاجازة انما یجوز اذا اجازہ وھو عاقل بالغ صحیح کذا فی خزانة المفتین۔[2] اھ مختصرًا۔	ہمارے نزدیک وارث کے لئے وصیت جائز نہیں سوائے اس کے کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں اور ان کی اجازت موصی کی زندگی میں معتبر نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ اجازت کے بعد رجوع کرسکتے ہیں۔یونہی فتاوٰی قاضیخان میں ہے۔اور غیر منقسم ہونا اجازت کے صحیح ہونے سے مانع نہیں ہوتا، اگر بعض وارثوں نے اجازت دے دی اور بعض نے رَد کردیا تو اجازت دینے والے پر اس کے حصہ کے مطابق جائز ہوگی اور اس کے غیر کے حق میں باطل ہوگی،کافی میں یونہی ہے۔اجازت اسی وقت ہوگی جب اجازت دینے والا عاقل بالغ صحت مند ہو، خزانۃ المفتین میں یونہی ہے اھ (اختصار)۔(ت)

درمختار میں ہے:

المانع عن تمام القبض شیوع مقارن للعقد لا طارئ[3]۔	قبضہ کی تمامیت سے مانع وہ شیوع ہے جو عقد کے ساتھ مقترن ہو نہ کہ وہ جو اس پر طاری ہو۔(ت)

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الھبۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۰

[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۹۰و۹۱

[3] الدرالمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

ردالمحتار میں ہے:

قوله لاطارئ اقول منه مالو وهب دارا فی مرضه ولیس له سواها ثم مات و لم یجز الورثة الهبة بقیت الهبة فی ثلثها وتبطل فی الثلثین کما صرح به فی الخانیة[1]، والله تعالٰی اعلم۔	ماتن کا قول "کہ اس پر طاری نہ ہو" میں کہتا ہوں اگر کسی نے مرض الموت میں اپنا مکان ہبہ کردیا اور سوائے اس مکان کے اس کی ملکیت میں کچھ نہیں، پھر وہ مرگیا اور وارثوں نے ہبہ کی اجازت نہ دی تو ہبہ اس کے ایک تہائی میں باقی رہے گا جبکہ دوتہائی میں باطل ہوجائے گا، جیساکہ خانیہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ والله تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مرض الموت کی کیا تعریف ہے اور کس کس مرض پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور کب تک اس کی مدت مقرر ہے کہ قبل اس کے مرض الموت نہ کہا جاسکے۔

الجواب:

شرعًا کسی مرض کے مرض الموت ہونے کے لئے دو۲ باتیں درکار ہیں کہ وہ دونوں جمع ہوں تو مرض الموت ہے اور ان میں ایک بھی کم ہو تو نہیں۔

(۱) اس مرض میں خوف ہلاک واندیشہ موت قوت وغلبہ کے ساتھ ہو، اگر اصلًا خوف موت نہیں یا ہے تو ضعیف ومغلوب ہے تو مرض موت نہیں اگرچہ اتفاقًا موت واقع ہوجائے۔

(۲) اس غلبہ خوف کی حالت میں اس کے ساتھ موت متصل ہو اگرچہ اس مرض سے نہ مرے موت کا سبب کوئی اور ہوجائے مثلًا زید کو ہیضہ یا طاعون ہو اور ابھی اسے انحطاط کافی نہ ہوا تھا خوف ہلاک غالب تھا کہ سانپ نے کاٹا مرگیا یا کسی نے قتل کردیا تو زاس مرض میں جو تصرفات کئے وہ مرض الموت میں تھے اگرچہ موت اس مرض سے نہ ہوئی اور اگر انحطاط کافی ہوگیا تھا کہ غلبہ خوف ہلاک جاتا رہا اور اب اتفاقًا اسی مرض خواہ دوسرے سبب سے مرگیا تو وہ تصرفات مرض کے نہ تھے اگرچہ حال اشتداد ہی میں کئے ہوں کہ انحطاط مرض وزوال خوف نے اسے مرض الموت نہ رکھا یوں ہی اگر بحال انحطاط وعدم خوف تصرفات کئے اور ان کے بعد پھر اشتداد ہو کر خوف غالب اور ہلاک واقع ہوا تو یہ تصرفات

[1] ردالمحتار کتاب الهبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۱

حالت مرض کے نہ ہوں گے کہ بحال غلبہ خوف نہ تھے اگرچہ ان سے قبل وبعد غلبہ تھا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی نور العین، قال ابو اللیث کونہ صاحب فراش لیس بشرط لکونہ مریضا مرض الموت بل العبرۃ للغلبۃ والغالب من ھذا المرض فھو مرض الموت وان کان یخرج من البیت وبہ کان یفتی الصدر الشھید ثم نقل عن صاحب المحیط انہ ذکر محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ فی الاصل مسائل تدل ان الشرط خوف الھلاك غالبا لاکونہ صاحب فراش [1] اھ۔	نور العین میں ہے: ابو اللیث نے کہا کہ مریض کا صاحب فراش ہونا اس کے مرض الموت کے مریض ہونے کے لئے شرط نہیں بلکہ اعتبار غلبہ کا ہے، اور اس کا بیماری سے غالب گمان موت کا ہو تو وہ مرض الموت ہو گی اگرچہ وہ گھر سے نکلتا ہو، اور اسی کے ساتھ صدر الشہید فتوٰی دیتے تھے۔ پھر صاحب محیط سے منقول ہے کہ بیشک امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اصل میں کچھ ایسے مسائل ذکر فرمائے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں اس بیماری میں ہلاکت کے خوف کا غالب ہونا شرط ہے نہ کہ مریض کا صاحب فراش ہونا اھ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

ان صار صاحب فرش بعد التطاول فھو کمرض حادث حتی تعتبر تصرفاتہ من الثلث [2] اھ۔	اگر وہ بیماری کے لمبا ہونے کے بعد صاحب فراش ہوا تو وہ نو پید بیماری کی مثل ہے یہاں تک کہ تہائی مال میں اس کے تصرفات معتبر ہوں گے اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حاصلہ انہ ان صار قدیما بان تطاول سنۃ ولم یحصل فیہ ازدیاد فھو صحیح اما لومات حالۃ الازدیاد الواقع قبل التطاول اوبعدہ فھو مریض [3]۔	اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بیماری پرانی ہو گئی بایں صورت کہ سال کو محیط ہو گئی اور اس میں بیماری کی شدت حاصل نہیں ہوئی تو وہ صحت مند ہوگا۔ لیکن اگر وہ بیماری کی شدت کی حالت میں مر گیا چاہے وہ شدت بیماری کی طوالت سے پہلے واقع ہوئی یا اس کے بعد تو وہ مریض قرار پائے گا۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب طلاق المریض دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۲۰

[2] ردالمحتار بحوالہ الزیلعی کتاب الوصایا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۲۳

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق باب طلاق المریض دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۲۱

در مختار میں ہے:

مات فیہ بذٰلك السبب اوبغیرہ کان یقتل المریض اویموت لجهة اخری[1]۔	وہ اس بیماری میں مرا اسی بیماری کے سبب سے یا کسی اور سبب سے مثلًا اس مریض کو قتل کردیا وہ کسی اور وجہ سے مرجائے (ت)

مسئلہ ۱۴۳: از شہر کہنہ محلّہ سہسوانی ٹولہ ۱۰/صفر ۱۳۲۳ھ از مکان سید فرزند علی مرحوم

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ مسمّی زید نے بعد فوت ہونے کے ایک منکوحہ اور دولڑکے اور دو دختر چھوڑے، مسمّی بکر پسر زید نے بعد فوت ہونے زید کے کل اخراجات خانگی اور پرورش نابالغان کا اپنے ذمہ لیا حتی کہ بکر نے بذریعہ معاش نوکری کی پرورش حتی الوسعت کی، بعدہ، اس کی ایک لڑکی جو حد سن بلوغ تک پہنچی اس کا نکاح بقانون شرع متین کے کردیا اور مسمّٰی بکر بوجہ نکاح کرنے دختر زید کے مقروض ہوگیا تاہنوز قرضہ ادا نہیں ہوا اب ایک لڑکا زید کا جو نابالغ تھا سن بلوغ پہنچ کر آمادہ اس بات پر ہے کہ جو چیز زید کی ہے اس کا مالک میں ہوں اور بکر سے کہا کہ تو نے اپنا حصہ فروخت کرکے اس پر صرف نہیں کیا اب تیرا کچھ نہ رہا زید نے فوت ہون کے بعد اپنی ملکیت میں ایک منزل حویلی پختہ اور تین درخت املی اور ایک درخت جامن کا اور ایک نیب کا اور املی برد عـــہ۱ نے علاوہ حویلی پختہ کے اور ایک قطعہ باغ تخمینًا دو بیگھ کا چھوڑا، مسمّٰی بکر پسر زید چند مدت بیکار رہا اور دو درخت املی اور ایک درخت جامن برائے خورد ونوش نابالغان کے فروخت کرکے خوب سرے عـــہ۲ کی اور قطعہ باغ کو فروخت کرکے نکاح دختر زید فوت شدہ کے صرف کیا اب ایک درخت املی ایک درخت نیب کا اور املی برد عـــہ۳ نے اور ایک منزل حویلی پختہ کل املی بردنے اور حویلی کے تخمینا عـــہ۴ دو بیگھ ہوا اب شیئ موجودہ میں زید کا بموجب حصص رشد شرعی کے کس طرح حصہ ہونا چاہئے۔ تعداد اولاد زید چار اولاد، دو لڑکے دو دختر، بیوہ منکوحہ ایک، ایک دختر نکاح شدہ شامل ہے فقط۔

الجواب:

بیان مسائل سے واضح ہوا کہ دو درخت املی کا اور ایک جامن کا بیچ کردونوں بھائیوں اور

عـــہ۱ وعـــہ۲ وعـــہ۳ وعـــہ۴: کذا فی الاصل ۱۲ ازہری غفرلہ]

---

[1] الدرالمختار کتاب الطلاق باب طلاق المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۶

نابالغہ اور ماں کے خورد ونوش میں صرف ہوئے خواہر کتخدا اس صرف سے علیحدہ تھی اور باغ بیچ کر صرف اس خواہر کتخدا کی شادی میں صرف ہوا اور اس سے بھی کام نہ چل سکا کہ وہ صرف اسی روپیہ کو بکا اس میں سے اس کا جہاز عــــہ اور معمولی ضروری مصارف نہ ہوسکتے تھے اس کے لئے بکر نے قرض لیا اور قرض میں اس سے مجرا لینے کی نیت نہیں اور نکاح میں ضرورت خرچ سے زیادہ نہ اٹھایا اور زید نے اپنے انتقال سے تھوڑی دیر پہلے اپنی زوجہ ان بچوں کی ماں سے کہا تم فکر نہ کرو بلکہ بکر ایسا نہیں کہ تمہیں تکلیف پہنچنے دے اسے میں چھوڑے جاتا ہوں یہ تم کو کسی وقت دغا نہ دے گا اگر یہ یہاں ثابت ہو جب تو ظاہر ہے کہ زید نے اپنے بڑے بیٹے بکر کو اپنی اولاد و جائداد پر وصی کردیا اور ان سے ان تمام تصرفات کا جو وصی کے لئے ثابت ہوتے ہیں اختیار ملا اور اگر یہ ثابت نہ بھی ہو جب بھی ہمارے بلاد میں ایسی صورت میں بڑا بیٹا لائق ہونہار حکماً وصی ہوتا ہے۔

هذا هو الثابت دلالةً والثابت دلالة کالثابت لفظاً وقد حققناه بتوفیق الله تعالٰی فی فتاوٰنا بما لا مزید علیه۔	یہ وہ ہے جو بطور دلالت ثابت ہے اور جو بطور دلالت ثابت ہو اس کی مثل ہے جو صراحةً لفظ کے ساتھ ثابت ہو۔اس کی تحقیق اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہم نے اپنے فتاوٰی میں کردی ہے جس پر اضافہ کی گنجائش نہیں۔(ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لوان رجلا من اهل السکة تصرف فی مال المیت فی البیع والشراء ولم یکن له وارث ولا وصی الا ان هذا الرجل یعلم انه لورفع الامر الی القاضی ینصبه وصیا فاخذ هذا الرجل المال ولم یرفع الامر الی القاضی وافسده حکی عن ابی نصر الدبوسی رحمه الله تعالٰی انه کان یجوز تصرف هذا الرجل۔[1]	اگر اہل محلّہ میں سے کسی شخص نے میت کے مال میں بیع و شراء وغیرہ کا تصرف کیا جبکہ اس میت کا نہ تو کوئی وارث ہے اور نہ ہی وصی، لیکن وہ شخص جانتا ہے کہ اگر معاملہ قاضی کے پاس لے جائے تو قاضی اس کو وصی مقرر کردے گا،اس شخص نے میت کا مال لے لیا اور قاضی کے پاس معاملہ نہ لے گیا اور اس مال کو برباد کردیا۔امام ابونصر دبوسی علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ وہ اس شخص کے تصرف کو جائز قرار دیتے تھے(ت)

عــــہ: یعنی جہیز ۱۲ ازہری غفرلہ

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوصایا فصل فی تصرفات الوصی فی مال الیتیم نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۵۴

فتاوٰی کبرٰی وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

افتی القاضی الدبوسی بان تصرفہ جائز للضرورۃ قال قاضی خان وھذا استحسان وبہ یفتی۔[1]	قاضی الدبوسی نے فتوٰی دیا کہ اس کا تصرف ضرورت کے لئے جائز ہے۔امام قاضی خان نے کہا یہ استحسان ہے اور اسی کے ساتھ فتوٰی دیا جائے گا۔(ت)

پس بیعیں کہ بکر نے کیں جائز ہوئیں، درختوں کا روپیہ جن جن کے صرف میں آیا انہیں پر پڑے گا، کتخدا لڑکی اس سے جدا رہے گی اور باغ کا روپیہ تنہا اسی لڑکی پر پڑے گا، اگر یہ اس کے تمام حصے کے برابر تھا تو اس نے اپنا تمام پورا [عہ] حصہ پایا اور اگر کم تھا تو جتنا باقی اتنا پائے گی اور اگر زیادہ تھا تو جس قدر زائد گیا وہ بکر کے اپنے حصے پر پڑے گا یا ماں کی اجازت تھی تو وہ بھی اس کے تاوان میں شریک ہو کر باقی ورثہ بری رہیں گے کل جائداد زید جس قدر اس نے وقت انتقال چھوڑی تھی بعد ادائے مہر ودیگر دیون وانفاذ وصایا اڑتالیس حصے ہو کر چھ سہم بیوہ زید کے ہوں اور چودہ چودہ ہر ہر پسر اور سات سات ہر دختر کے اور ان میں سے وہ اشیاء جو بکر کے کتخدا کے صرف میں الگ اس کے حصے مجرا ہوں اور جو اوروں کے صرف میں آئیں ان کے حصے سے مجرا ہوں جو باقی رہیں ان میں جس جس کا جس قدر باقی رہا اس حساب سے تقسیم ہو جائے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۴:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) یہ کہ مسماۃ ہندہ لاولد فوت ہوئی اور شوہر و والد و والدہ و ہمشیرہ اور چار بھائی حسب ذیل وارث چھوڑے:

شوہر	والد	والدہ	ہمشیرہ	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی
خالد	زید	کبرٰی	صغرٰی	بکر	حامد	محمود	مسعود

(۲) یہ کہ ہندہ مرحومہ نے دو ۲ روز قبل از فوت اپنی حالت مرض الموت میں اپنے والد زید سے وصیت کی کہ میں نے کچھ روپیہ بہ نیت حج چھوڑا تھا مگر مجھ کو موقع بسبب نہ دستیاب ہونے محرم ہمراہ سفر کے میسر نہیں ہوا اور دوسروں کے ذریعہ سے حج کرانے میں بسبب کمیابی امانت دار کے

عـــہ: کذا فی الاصل وھو مکرر کما تری ۱۲ ازہری غفرلہ

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۱۵۵

مجھ کو اطمینان حاصل نہیں لہذا وہ روپیہ حامد اور محمود کے پاس جمع ہے اور جو کچھ زیور میرا میرے گھر میں ہے اس جملہ مالیت میں ہے حق وراثت میرے شوہر کا ادا کیا جائے اس وجہ سے کہ ان کو حاجت رہتی ہے بعد اس کے جو کچھ زر مالیت باقی رہے اس کو میرے والد زید اپنی رائے کے موافق تعمیر چاہ وغیرہ خیرات وصدقات میں صرف کردے اس واسطے کہ مرحومہ کے گمان میں باقی ورثاء کا حق لینا خیال میں نہ تھا اور یہ بھی وصیت کی کہ نو روزہ رمضان کے فوت شدہ کی میرے ذمہ قضا ہے اس کا فدیہ بھی دیا جائے اس کے بعد اس کے والد زید نے سوال کیا کہ کچھ نمازوں کی بھی قضا ہمارے ذمہ ہے جواب دیا کہ میں نے ہمیشہ نماز ادا کی ہے لیکن مجھ کو یاد نہیں شاید ابتدائے عمر میں کوئی نمازیں قضا ہوئی ہوں، پس اس وصیت کے بعد مرحومہ نے قضا کی۔

(۳) یہ کہ بروز قضا قبل از دفن اس کے والد زید نے چند دیگر اشخاص معززین کی موجودگی میں شوہر خالد وبعض ورثاء ذکور کو بلا کر اس وصیت کا اظہار کرکے یہ ظاہر کیا کہ میری رائے میں قبل صدقات نافلہ کے تحقیق کرکے اس کے ذمہ نمازوں کی فوت اگر کچھ ثابت ہو تو ہمراہ فدیہ صوم کے فدیہ نمازوں کا بھی ادا کیا جائے، چنانچہ اسی بناء پر اس کی سسرال کی بوڑھی مستورات سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں غیر بلوغت کی حالت میں بیاہ کر آئی تھی اور نمازیں ادا کرتی تھی مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ حسب رواج جیسا کہ نئی عروسوں کو حیادامنگیر ہوتی ہے ایسی حالت میں شاید کوئی نمازیں قضا ہوئی ہوں اس بناء پر بعض حاضرین جلسہ نے تین ماہ اور بعض نے چھ ماہ کی قضا نمازوں کے فدیہ ادا کرنے کا تخمینہ کیا ازاں بعد وارثان موجودہ مرقومہ بالا سے دریافت کیا گیا کہ تم اپنا حق وراثت لیتے ہو اس کے جواب میں شوہر خالد نے بے ساختہ کہا کہ مجھ کو نہیں چاہئے ہے اس کے ذمہ کے حقوق اور فدیہ وغیرہ ادا کرو اور اس کے صدقات میں صرف کرو اگر اس میں کسی قدر کمی دس پانچ روپیہ کی باقی رہے تو اور مجھ سے لے لو چونکہ وقت میں گنجائش نہ تھی اس کی تکفین کی عجلت تھی بایں وجہ دوسرے وقت پر اس تعمیل کو ملتوی رکھا گیا قبل از دفن صرف نو روزے کا فدیہ ادا کردیا گیا۔

(۴) یہ کہ ایسی حالت میں کیا احتیاطی نمازوں کا فدیہ ادا کیا جائے گا اور اگر فدیہ احتیاطی نمازوں کا ادا کیا جائے گا تو کس قدر زمانہ کی نمازوں کا ادا کیا جائے گا یا مالیت مرقوم الصدر نقدات میں زیورات شامل کرنے سے جو مقدار سفر حج کو کافی ہوسکتا ہے ادائے حج اس کے ذمہ فرض متصور ہوگا تو کیا قضائے حج دوسرے شخص کو بھیج کر واجب ہوگی اور کیا دیگر صدقات نافلہ

پر مقدم متصور ہوگا یا بموجب وصیت متوفیہ کے صرف متروکہ کا دیگر صدقات نافلہ میں کرنا لازم ہوگا۔
(۵) یہ کہ زید مرحومہ کا والد ان صورتوں مرقومہ بالامیں کس طرح اپنے ذمہ کے حقوق وصیت کوادا کرکے گلوخلاصی حاصل کرے، بیان فرمایئے ثواب پایئے۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ہندہ کے صرف تین وارث شرعی ہیں: شوہر، ماں، باپ، باپ کے ہوتے بہن بھائیوں کا کوئی استحقاق نہیں، ترکہ میں حق شوہر نصف ہے، اس کے اخراج کے بعد جمیع نصف باقی کی نسبت اس کی وصیت ہے کہ حسب رائے پدر تعمیر چاہ وغیرہ خیرات میں صرف کیاجائے باپ اس وصیت کو نافذ کرچکا اور زبانی اظہار سائل سے معلوم ہوا کہ ماں ہنوز ساکت ہے نہ اس نے انکار کیانہ اجازت دی، پس اگرماں بھی اجازت دے دے تونصف متروکہ شوہر کودیں اور نصف حسب رائے پدر امورمذکورہ میں صرف ہو تعمیر چاہ جس کا اس نے خاص نام لیاکی جائے اور باقی صدقات وخیرات میں صرف کیاجائے ان صدقات میں پدر کو رواہے کہ ہندہ کی نمازوں کے فدیہ کی نیت کرلے کہ یہ نیت نہ مانع صدقہ ہے نہ مخالف وصیت۔ یہ اندازہ کہ اس کے ذمہ کتنی نمازوں کا فدیہ ہوگا یہاں نہیں ہوسکتا اس کے اعزہ ہی اس کا حال جانتے ہوں گے۔ جب اس پر کسی نماز کی قضا لازم رہتی معلوم نہیں اور وہ ہمیشہ سے پابند نماز تھی توفدیہ نماز لازم نہیں اور شبہہ کے لئے احتیاط کرے توبعد تعمیر چاہ جوکچھ دے سب میں فدیہ نماز کی نیت سے کوئی مانع نہیں اگرواقع میں کوئی نماز قضا تھی امید ہے کہ اس کا فدیہ ہوجائے ورنہ صدقہ بہرحال ہے، مگرحج میں اسے صرف نہ کرے کہ وہ صراحۃً حج کرانے سے انکار کرچکی کہ مجھے کسی پر اطمینان نہیں۔ اور لفظ خیرات ہمارے عرف میں حج بدل پر صادق نہیں، اور اگرماں بھی اجازت نہ دے توکل ترکہ کہ اٹھارہ حصے کرکے نوحصے شوہر کو دیئے جائیں اور ایک حصہ ماں کو، باقی آٹھ حصے وصیت مذکورہ میں صرف کردیں۔

وذٰلك لان الوصية وان كانت تقدم على الارث لكنها انما لاحقت ھٰھنا النصف الباقی بعد اخراج نصيب الزوج ففی ھذا تنفذ بقدر ثلث كل المال لعدم الدين من دون حاجة الى اجازة الوالدين فاذا خرج النصف والثلث بقی السدس فثلثه	اور یہ اس لئے ہے کہ وصیت اگرچہ میراث سے مقدم ہوتی ہے مگر یہاں وہ شوہر کا حصہ نکالنے کے بعد باقی بچنے والے نصف کولاحق ہوئی چنانچہ اسی نصف باقی میں کل مال کے ثلث کے برابر وصیت نافذ کی جائے گی کیونکہ قرض میت پر نہیں ہے اور والدین سے اجازت کی ضرورت نہیں، جب کل مال میں سے نصف اور ایک تہائی نکل گیا باقی کل مال کا چھٹا حصّہ

للام وھو الجزء الواحد من ثمانیة عشر جزء وثلثاہ فی الوصیة بحکم التنفیذ من الاب۔	بچا چنانچہ اس چھٹے حصے کا تہائی ماں کو دیا جائے جو کہ کل مال کے اٹھارہ حصوں میں سے ایک ہے اور اس چھٹے حصے کے باقی دو ثلث وصیت میں دے دیئے جائیں گے اس لئے کہ باپ کی طرف سے وصیت کا نافذ کرنے کا حکم ہو چکا ہے (ت)

یہ نصف کہ شوہر کو پہنچا اس کی نسبت اگرچہ وہ کہہ چکا ہے کہ مجھ کو نہیں چاہئے اس کے ذمہ کے حقوق وفدیہ وصدقات میں صرف کرو مگر ارث ساقط کئے ساقط نہیں ہوتی لانہ جبری کما فی الاشباہ وغیرہ (اس لئے کہ میراث جبری ہے (اختیاری نہیں) جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔ت) اور اس نصف کی نسبت وصیت نہ تھی کہ اس کا یہ قول وصیت کی اجازت قرار پائے اور اس کو اختیار نہ رہے، لاجرم وہ مختار ہے اگر حصہ لینا چاہے تو لے سکتا ہے اور اگر ہندہ کے لئے صرف کردینا چاہئے تو یہ بھی کرسکتا ہے اور اس پر وہ پابندی نہیں جو وصیت ہندہ میں تھی، اور اس قدر میں شک نہیں کہ اجازت دے کر اپنے قول سے پھر جانے میں اگرچہ حکماً اس پر جبر نہیں لانہ متبرع ولاجبر علی متبرع (کیونکہ وہ متبرع ہے اور متبرع پر جبر نہیں ہوتا۔ت) مگر قول سے پھر جانا شرعاً بھی مذموم ہے تو وہ اگر ثابت قدمی چاہے تو مناسب یہ ہے کہ اس نصف سے ہندہ کی جانب سے حج بدل کرادے کہ یہ فرض اس پر رہ گیا ہے حق صحبت اسی کو چاہتا ہے کہ اس دین شدید سے اس کی گلوخلاصی کرادے اور اگر اس کا نصف حج کے لئے کافی نہ ہوتا ہو اور ماں نے ہنوز اجازت وصیت نہ دی اور دینا چاہتی ہے تو مناسب یہ ہے کہ وہ بھی وصیت کی اجازت نہ دے بلکہ اپنا حصہ کہ کل مال کا اٹھارہواں ہے اُسی نصف شوہر میں شامل کردے پھر بھی کچھ کمی رہے تو حسب وعدہ شوہر اپنے پاس سے دس پانچ اور ملادے باقی باپ پورا کردے غرض جس طرح ممکن ہو اس کی طرف سے حج بدل میں سعی جمیل بجالائیں کہ یہ اس پر سے سختی کا ٹالنا ہوگا، اور جو کسی مسلمان پر سے سختی دور کرے گا اللہ تعالٰی روز قیامت اس پر سے سختیاں دُور فرمائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فرّج عن مسلم کربة فرج اللہ عنه کربات یوم القیٰمة۔[1] واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	جس نے کسی مسلمان سے ایک سختی کو دُور کیا قیامت کے دن اللہ تعالٰی اس سے کئی سختیوں کو دور فرمائے گا۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم (ت)

[1] صحیح البخاری ابواب المظالم والقصاص باب لایظلم المسلم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۰

مسئلہ ۱۴۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر وارثان مذکور حاضرین جلسہ مرقومہ استفسار نمبراول مندرجہ سوال سوم جواپنا حق وراثت لینے سے انکار کرچکے ہیں اور اس کو ادائے فدیات وصدقات کرنے کی اجازت دے چکے ہیں اگروہ اپنے قول سے رجوع کرکے اپنا حق وراثت لینے کی خواہش کریں توایسی شکل میں کیا وہ اپنا حق وراثت پانے کے مستحق ہوسکتے ہیں یانہیں؟

الجواب:

جواب سوال اول میں معلوم ہولیاکہ بہن بھائیوں کا اس میں کوئی حق نہیں اور باپ اپنی اجازت سے نہیں پھر سکتا کہ وہ وصیت کی اجازت تھی اور وارث جب بعد موت مورث وصیت کو جائز کردے اس سے پھر رجوع کرنے اوراپنا حق وراثت مانگنے کا اختیار نہیں رکھتا شوہر رجوع کرسکتاہے کہ اس کے حق کے متعلق وصیت نہ تھی وہ اجازت اس کی اپنی خوشی سے تھی جس پر قائم رہے تومحبوب ومندوب ہے ورنہ جبر نہیں۔**واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان ہے دنیائے ناپائیدار سے رحلت کی اور پندرہ اشرفی قیمتی دوسوپچیس روپے کی صندوقچی میں سے بعد مردن کے برآمد ہوئیں اوراس کے برادر حقیقی نے اپنے پاس رکھیں کہ متوفی کے سالے کی بی بی نے ظاہر کیاکہ متوفی نے اس روپیہ کے بارہ میں مجھ سے وصیت کی ہے کہ دفع مذکورہ میرے فوت کے بعد حسب تفصیل ذیل خرچ کردینا کہ مبلغ دس روپیہ ہرنوچندی جمعرات کو دس جمعرات تک بقدر سوروپیہ کے فاتحہ میں میری صرف کردینا بالقصہ مبلغ ایک سوپچیس کہ کسی مرد مسلمانوں کودے کرواسطے حج بدل کے بھیج دینا یہ رقم برآمد شدہ مجھ کو دے دوچنانچہ حوالے بی بی موصوفہ کے وہ روپیہ کردیئے گئے اب سوائے بی بی موصوفہ کے وصیت کا کوئی گواہ مرد یاعورت نہیں ہے دوسری ایک بات قابل ظاہر کرنے کی اور ہے ایک وصیت نامہ جوکہ متوفی نے اپنی حیات میں مع ساڑھے روپیہ کے بنام اراکین برادری کے تحریر کیاہے اس میں بھی کچھ ذکر بی بی صاحبہ کی وصیت کا نہیں ہے اب وہ رقم مذکورہ بی بی صاحبہ موصوفہ کو حوالہ ورثہ کردینا جائز ہے یانہیں اور ورثاء اس رقم کولے سکتے ہیں یانہیں؟ کیاحکم شرع شریف کاہے،خلاصہ دعوی ورثہ متوفی بی بی صاحبہ موصوفہ غیر کفو ناخواندہ ہیں جدی نہیں ہیں، تنہا عورت کابیان قابل یقین ہے یانہیں، بی بی صاحبہ بیوہ ہیں ورثاء سے کوئی تعلق نہیں، وصیت نامہ میں کوئی ذکر وصیت بی بی صاحبہ کا نہیں ہے۔

الجواب:

تنہا عورت کا بیان حجت نہیں ورثاء بالغین کو اختیار ہے اگر چاہیں اس کی بات پر اعتبار کرکے خواہ اس احتیاط سے کہ شاید میت نے یہ وصیت بھی کہ اسے جائز وجاری کردیں اور چاہیں نہ مانیں اور مان سکتے ہوں تو ماننا بہتر ہے اس لئے کہ وہ عورت کوئی اپنے نفع کی بات نہیں کہتی۔ عورت کو اگر خوب تحقیق صحیح یاد ہے کہ اس نے وصیت مذکورہ کی ہے اور وہ مورث کے ثلث ترکہ بعد ادائے دین سے کم ہو تو اسے ضرور ہے کہ وہ وصیت میں حسب وصیت اسے لگادے وارثوں کو باختیار خود ہر گز واپس نہ دے مگر وارثوں کو اختیار ہے کہ اگر اس وصیت کا سوا بیان عورت کے کوئی ثبوت نہیں تو تسلیم نہ کریں اور جبراً وہ روپیہ کہ اب خود ان کی ملک ہوگیا عورت سے لے لیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۷: غلام علی ساکن بریلی علاقہ ترائی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ ایک شخص فوت ہوگیا اور اس کے وارثوں میں ایک حقیقی بھانجی ہے جس کو مرتے وقت اس نے ۱۸ گاؤ مادہ اور تین جاموس مادہ دینے کی وصیت کی ان کے سوا اس کے باقی مال متروکہ کا جو دعوی کرتے ہیں اور اپنے آپ کو وارث قرار دیتے ہیں وہ یہ لوگ ہیں: ماموں زاد بھائی، چچازاد بھائی، چچازاد بہن۔ ان لوگوں میں کون کون وارث جائز اور مستحق ترکہ پانے کا اور کس کس کا کتنا کتنا حصہ ہے اور کس طرح تقسیم ہونا چاہئے از روئے علم فرائض کے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اس صورت میں صرف اس کے چار چچازاد بھائی وارث ہیں باقی کوئی وارث نہیں ہے یہ اٹھائیس گائیں، پانچ بھینسیں اگر بعد ادائے دین اس کے تہائی ترکہ کی مقدار تک یا اس سے کم ہوں تو یہ دونوں وصیتیں تمام وکمال پوری کردی جائیں مثلاً ان ۳۳ جانوروں کی قیمت اگر تین سو روپیہ کی ہو اور متوفی پر کچھ دین آتا ہو تو اسے ادا کرکے جو باقی بچا وہ نو سو روپیہ یا زیادہ کا ہے مع ان چاروں کے جب تو یہ سب جانور جس طرح اس نے وصیت کی ہے اس کے بھانجی اور پھوپھی زاد دونوں کی وصیت سے حصہ رسد کم کرلیں باقی وصیت بے اجازت چچازاد بھائیوں کے نافذ نہ ہوگی یہ عام حکم ہے اور خاص طور پر اس کا حساب چاہیں تو اتنی باتیں بتانے پر ہوسکتا ہے:

(۱) زید کا کل مال، جانور، زمین، مکان، زرنقد، گھر کا اسباب وغیرہ کتنی مالیت کا ہے۔

(۲) زید پر کوئی قرض یا کسی کا دین یا عورت کا مہر آتا تھا یا نہیں، اگر آتا تھا تو کس قدر۔

(۳) ان سب جانوروں میں ہر ایک کی قیمت کتنی ہے۔

(۴) چاروں چچازاد بھائی اس وصیت کو پورا کرنے پر راضی ہیں یا سب ناراض ہیں یا کون کون راضی ہے کون کون ناراض۔

(۵) جو راضی ہیں وہ دونوں شخصوں کے لئے وصیت کامل پر راضی ہیں یا فقط ایک کے لئے، اگر فقط ایک کے لئے راضی ہیں تو بھانجی کے واسطے یا پھوپھی زاد بھائی کے لئے، ان باتوں کا ٹھیک ٹھیک معلوم ہونے پر صحیح حساب بتایا جاسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۸: ازپرانا شہر محلّہ فراشی ٹولہ مسئولہ جناب کفایت اللہ صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں زید سے بکر نے ایک دفعہ چھ سوچھیانوے روپیہ دستگردان قرض لئے زید نے بارہا تقاضا کیا بکر نے اقرار دینے کا کیا زید نے اپنے انتقال سے پیشتر ایک وصیت نامہ لکھا وصیت نامہ میں وہ روپیہ اپنی زوجہ کے دین مہر میں لکھا کہ بکر سے روپیہ وصول ہو کر میری زوجہ کو دے دو، جب بکر بھی فوت ہوگیا وصیت نامہ مصدقہ حکام مدینہ طیبہ موجود ہے یہ مہر کا روپیہ شرعًا بکر کے وارثوں کے ذمہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بکر نے اگر کچھ ترکہ چھوڑا تو یہ روپیہ اور اگر ذمہ بکر کچھ اور قرض ودین ہو تو وہ بھی اس ترکہ پر لازم ہے اور اس میں سے کل (بحال تنگی متروکئ وزیادت دیون) حصہ رسد ادا کیا جانا واجب ہے، اگر بکر نے کچھ ترکہ نہ چھوڑا تو وارثان بکر پر کچھ مطالبہ نہیں۔ یوں ہی اگر ترکہ چھوڑا تو جتنا وصول ہوسکے وصول ہو باقی کا مطالبہ بکر پر آخرت کے لئے رہا وارثوں پر مواخذہ نہیں۔ پھر یہ جو وصیت زید نے اپنی زوجہ کے لئے کہ اگر گواہوں سے ثابت ہو کہ اس کا مہر اتنا یا اس سے زائد ہے یا زید نے اپنی تندرستی میں اس مقدار یا زائد کا اقرار مہر کیا ہو یا یہ مقدار خواہ اس سے زائد ہے یا زید نے اپنی تندرستی میں اس مقدار یا زائد کا اقرار مہر کیا ہو یا یہ مقدار خواہ اس سے زائد ورت کا مہر مثل ہو یا یہ بھی نہیں تو بقیہ ورثہ زید عاقل بالغ اس زیادت پر راضی ہوں تو یہ رقم پوری زوجہ زید کو اس کے مہر میں دی جائے گی اور اگر نہ گواہوں سے ثابت کہ مہر اس قدر یا اس سے زائد بندھا ہے اور یہ رقم عورت کے مہر مثل سے زائد ہے اور بقیہ ورثہ زید اس پر راضی نہیں تو عورت کو صرف مہر مثل تک دیا جائے گا زیادہ حسب فرائض زوجہ زید ودیگر وارثان زید پر تقسیم ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۹: از جواہر پور ڈاک خانہ شیر گڈھ ضلع بریلی مرسلہ خان صاحب دلاور حسین قاسمی قادری برکاتی ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ
قبلہ ایمانیاں وکعبہ روحانیاں وجان ایماں بخش ایں بیجان مقبول بارگاہ صمدیت مولانا ومرشدنا اعلحضرت ادام اللہ تعالٰی برکاتہم وافضالہم، بعد بجاآوری مراسم سرافگندگی وآداب دست بستہ کے گزارش خدمت کفش برادران حضور میں یہ ہے کہ جوترکہ متوفیہ کنیزک حضور میں اس کے دو نابالغ لڑکے حضور کے غلام زادہ اور ایک پدر اور ایک شوہر ہیں اور متاع ترک مختلف طور پر ہے زیور و پارچہائے پوشیدنی و برتن واثاث البیت اس کی تقسیم میں نہایت تفکر ہے اس میں سے قریب چار سو روپے کے زیور فروخت ہوگیا جس کا روپیہ موجود ہے اور پانسو روپے کے قدر اور اسباب وزیور باقی ہے جس کا فروخت ہونا نہیں معلوم اور ہو تو عرصہ میں ہیں اور کم قیمت پر اب چونکہ نابالغ شریک ہیں اس کی فروخت میں بھی خوف ہے پھر اس کی حفاظت اپنی طبیعت قطعی اس بار کو نہیں اٹھاتی دنیا کے مال ومتاع اور فرزندان حتی کہ مادر وپدر سے بھی دلچسپی نہیں اگر اطاعت والدین اور تعلیم فرزندان فرض نہ ہوتی تو کسی طرح یہ بار پسند نہ ہوتا حضور ہی کے قدموں پر یہ زندگانی مستعار بسر کی جاتی اور اس امر کی حضور سے التجا ہے کہ ایسا نصیب ہو، یہ امر یقینی ہے کہ حضور کسی وقت اپنے سگ دور افتادہ کو توجہ باطنی سے فراموش نہ فرماتے ہوں گے اگر حضور کا تصرف باطنی معاذاللہ ایک دم کو جدا ہو جائے تو یہ اندوہگیں طالب طلب حضور از حضور مسلمان نہ رہے اور جان سے بیکار ہو جائے اس مال میں سے اپنا حصہ لینے کا قصد بیت اللہ شریف کے قصد سے ہے اور کوئی سبیل بظاہر نہیں معلوم ہوتی ورنہ لڑکوں اور پدر کے نام با آسانی تقسیم ہو جاتا اگر ایسے ممکن ہو کہ بقیہ اسباب تخمینے سے تقسیم کرلیا جائے اور روپیہ حساب سے پدر کا حصہ پدر کو دے دیا جائے اور لڑکوں کا حصہ مع زر نقد کے خرید لیا جائے اور یہ ان کے حصے کے روپے بطور قرض میرے پاس رہیں جب وہ بالغ ہوں تو ادا کردیئے جائیں اس وقت مجھ کو ان کے تصرف کا اختیار حاصل ہو جائے تو اس میں بہت آسانی ہو جائے کیونکہ بہت چیزیں ایسی ہیں کہ فروخت بھی نہیں ہو سکتیں مثل پارچہائے پوشیدنی زنانہ اور ان کا بیچنا بھی معیوب معلوم ہوتا ہے جبکہ یہ احقر غلامان اس پر شریعت کی رو سے قابض ہو جائے گا تو اختیار خدا کی راہ میں دے دینے کا ہو جائے گا ورنہ وہ رکھے رکھے بیکار ہو جائیں گے یا اپنے میں مشغول کریں گے جس سے طبیعت عاری ہے جیسا ارشاد ہو تعمیل کی جائے، اور کیا یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے باپ اس میں سے کچھ لے لیں اور بقیہ کو معاف کردیں یا بلا تقسیم کچھ نقد لے کر میرے ہاتھ فروخت کردیں جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا کہ اپنی خوشی سے اس کے

عوض ایک رومال لے لیں تو بھی عہدہ برآئی ہو سکتی ہے اور ایسی حالت میں یہ رومال دے کر راضی ہونے میں لفظ معافی کی ضرورت ہوگی یا یہ رومال صرف اس کی قیمت ہو جائے گا۔ تکلیف دہی کی معافی فرمائیں اور اپنی محبت عطا۔ عریضہ ادب سگ بارگاہ دلاور حسین

الجواب:

۷۸۶

۹۲

بملاحظہ محب خدا غلام بارگاہ مصطفیٰ جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جوان صالح سعید مفلح خاں صاحب محمد دلاور حسین خاں صاحب قادری برکاتی حفظہ اللہ تعالیٰ ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،۔

حق سبحانہ، وتعالیٰ آپ کو اپنی اور اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کاملہ میں ابد الآباد تک سرشار رکھے اور اپنی مرضیات کی توفیق دے۔ والدین کی خدمت بچوں کی تربیت یہ بھی عین کاردین ورضائے رب العالمین ہے۔ ریاضت ومجاہدہ نام کاہے کا ہے اسی کا کہ رضائے الٰہی میں اپنی خواہش کے خلاف کرنا۔ خدمت والدین وتربیت اولاد رضائے رب العزت ہے اور اب کہ آپ کی طبیعت ان تعلقات سے بھاگتی ہے رضائے الٰہی کے لئے اس کا خلاف کیجئے یہی ریاضت ہوگی، تعلقات سے نفرت وہ محمود ہوتی ہے جس میں حقوق شرعیہ تلف نہ ہوں ورنہ وہ بے تعلّقی نفس کا دھوکہ ہوتا ہے کہ اپنی تن آسانی کے لئے شرعی تکالیف سے بچنا چاہتا ہے اور اسے دنیا سے جدائی کے پیرایہ میں آدمی پر ظاہر کرتا ہے۔ فقیر دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا کرلے اور ہمیشہ اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق بخشے اور آپ کے طفیل میں اس نالائق ننگ خلائق کی بھی اصلاح قلب واعمال و تحسین احوال وافعال وتحصیل مرادات وآمال فرمائے اعدائے دین پر مظفر ومنصور رکھے خاتمہ ایمان وسنت پر کرے، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحابہ وابنہ واحزابہ اجمعین آمین والحمد للہ رب العٰلمین۔

مشترک مال تقسیم کرکے نابالغوں کا حصہ جدا کرنے کا ان کے باپ کو مطلقًا اختیار ہوتا ہے اور ایسی تقسیم تو وصی کو بھی روا ہے کہ وارثان بالغین حاضرین کا حصہ جدا کرکے ان کو دے دے اور نابالغوں کے حصے بلا تقسیم الگ کرلے تو آپ کو بدرجہ اولیٰ جائز ہے کہ بچوں کے نانا کے ساتھ تقسیم کرکے بچوں کا حصہ جدا کرلیجئے نیز باپ کو جبکہ فاسق وفاسد نہ ہو جائز ہے کہ ان کے ایسے اموال بازار کے بھاؤ پر خود خرید لے بازار کے بھاؤ میں چیز کی اصل لاگت نہیں دیکھی جاتی بلکہ یہ اس حالت میں موجودہ پر

بازار میں بیچیں تو کیادام اٹھیں گے۔ پہننے کے کپڑوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ نیاتازہ جوڑا اسی وقت بازار میں بیچئے تو ہر گز آدھے دام بھی نہیں لگتے نہ کہ استعمال پہنے ہوئے نہ کہ ایسامال جس کا بِکنا دشوار اور رکھے رکھے بیکار ہو جائے گا اندیشہ اسے خرید لینے میں تو بچوں کا سراسر نفع ہے نیز اس کو رواہے کہ بچوں کا مال قرضوں خرید لے یعنی قیمت فی الحال نہ دی جائے گی بلکہ اتنے دنوں کے وعدہ پر مگر روپیہ بیع نہیں ہو سکتا ہاں باپ اپنی حاجتمندی کی حالت میں اس میں سے بقدر ضرورت خرچ کر سکتا ہے اوران کا روپیہ خود بطور قرض لے لینے کا بھی باپ کو اختیار ہے یا نہیں اس میں علماء مختلف ہیں بہت کتابیں جواز کی طرف ہیں باپ اگر دین دار متدین خدا ترس ہو تو اس کے لئے جواز پر فتوی دینے میں کچھ باک نہیں آپ بفضلہٖ تعالٰی ان صفات کے جامع ہیں پھر جو کچھ ان کے مال سے قرض لیجئے یا قرضوں ایک میعاد معین پر خریدیئے اس کا کاغذ لکھ دینا چاہئے کہ کسی وقت بچوں کو ضرر نہ پہنچے اوراس سب سے بہتر اور خالص بے دغدغہ یہ صورت ہے اگر ممکن ہو کہ اس ترکہ میں نابالغوں کا جتنا حصہ ہے مثلاً اگر سب ترکہ نو سو روپے کی مالیت کا ہے تو بچوں کا حصہ سوا پانسو روپے ہوا اس کے عوض اتنے یا اس سے کچھ خفیف زیادہ مالیت کی اپنی جائداد زمین یا مکان یا دکان یا گاؤں میں سے بچوں کے نام بیع کر دیجئے اور کاغذ لکھ دیجئے کہ باپ برابر قیمت کو بھی اپنامال بچوں کے ہاتھ بیچ سکتا ہے یوں ترکہ میں جس قدر ان کا حصہ اور زیور واسباب میں ہے سب آپ کا ہو جائے گا جو چاہئے کیجئے پھر وہ جائداد کہ جو بچوں کے نام آپ بیچیں گے اس کے حفظ و نگہداشت و غور پر داخت و تحصیل و تصرف کا اختیار بھی بچوں کے بالغ ہونے تک آپ ہی کو ہوگا، اور اگر آپ کے پاس مال نہ ہو تو اس کی آمدنی س آپ بقدر کفایت اپنے کھانے پہننے کا بھی صرف کر سکیں گے جس میں بچوں کا ضرر نہ ہوگا اور اگر آپ خود اس کے کام اہتمام سے بچنا چاہیں تو یہ بھی روا ہوگا کہ کسی ہوشیار کار گزار دیندار دیانتدار کو کارکن بنائیں یوں ہی ہر طرح سبکدوشی ہو سکتی ہے۔ رہا نانا کا حصہ، وہ اگر یونہی آپکو معاف کر دیں تو معاف نہ ہوگا یا قبل تقسیم آپ کو ہبہ کر دیں تو جائز نہ ہوگا بلکہ تقسیم کرکے ان کو سپرد کر دیجئے پھر وہ چاہیں تو آپ کو ہبہ کر دیں یا بلا تقسیم اپنا حصہ آپ کے ہاتھ بیچ کر زر ثمن معاف کر دیں اوراس صورت میں ضرور ہوگا کہ زر ثمن اتنا ٹھہرے جس کا وزن اس قدر چاندی کے چھٹے حصے سے زائد ہو جو ترکہ کے نقد وزیور وغیرہ میں ہے کہ یہی چھٹا حصہ مرحوہ کے باپ کا ہے یا یوں کریں کہ اپنا حصہ مثلاً ایک کتاب کے عوض آپ کے ہاتھ بیع کر دیں وہ کتاب ہی اس کا معاوضہ ہو جائے گی اور پھر معافی کی کوئی حاجت نہ رہے گی اگرچہ کتاب چار ہی ورق کی ہو، یونہی ان کے تمام حصے کے عوض

یک رومال دے کر بھی بیع ہوسکتی ہے فقط باہمی رضادرکار ہے۔ ہندیہ میں محیط سے ہے:

وکان الوصی قسم بین الورثۃ وعزل نصیب کل انسان فھذا علی خمسۃ اوجہ **الاول** ان تکون الورثۃ صغارا کلھم لیس فیھم کبیر وفی ھذا لوجہ لاتجوز قسمتہ اصلا وھذا بخلاف الاب اذا قسم مال اولادہ الصغار ولیس فیھم کبار فانہ یجوز(ثم قال)**الرابع** اذاکانوا صغار اوکبارافعزل نصیب الکبار وھم حضورفدفعہ الیھم وعزل نصیب الصغار جملۃ ولم یفرز نصیب کل واحد من الصغار جاز[1]۔	اگروصی نے وارثوں میں میراث تقسیم کی اور ہر وارث کا حصہ الگ کردیا تو اس میں پانچ صورتیں ہیں **پہلی صورت** یہ ہے کہ تمام وارث نابالغ ہوں ان میں سے کوئی بھی بالغ نہ ہو۔ ایسی صورت میں اس کی تقسیم بالکل جائز نہیں بخلاف باپ کے کہ اگر وہ اپنی نابالغ اولاد کا مال تقسیم کردے جن میں کوئی بالغ نہ ہوتو جائز ہے(پھر فرمایا) **چوتھی صورت** یہ ہے کہ وارثوں میں بالغ بھی ہوں اور نابالغ بھی ہوں، پھر اس نے بالغوں کا حصہ الگ کرکے ان کو دے دیا جبکہ تمام بالغ ورثا حاضر ہیں اور نابالغوں میں سے ہر ایک کا حصہ الگ الگ نہ کیا تو جائز ہے۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

بیع الاب مال صغیر من نفسہ جائز بمثل القیمۃ وبمایتغابن فیہ[2]۔	باپ اگر نابالغ کے مال کی بیع اپنی ذات سے کرے تو مثلی قیمت کے ساتھ اور معمولی غبن کے ساتھ جائز ہے۔(ت)

والوالجیہ وجامع الفصولین وادب الاوصیاء میں ہے:

للاب شراء مال طفلہ بیسیر الغبن لابفاحشۃ[3]۔	باپ کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے نابالغ بیٹے کا مال تھوڑے سے غبن کے ساتھ خریدلے نہ کہ زیادہ غبن کے ساتھ۔(ت)

[1] الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۱۴۳

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۳۷

[3] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی الاباق اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۳۲

نیز ادب الاوصیاء فصل الضمان میں ہے:

فی ہبة فتاوی القاضی ظہیر الدین لوکان الاب فی فلاة ولہ مال فاحتاج الی طعام ولدہ باکلہ بقیمتہ لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاب احق بمال ولدہ اذا احتاج الیہ بالمعروف و المعروف ان یتناولہ مجانا فقیرا و بالقیمة غنیا۔[1]	فتاوٰی قاضی ظہیر الدین کے باب الھبۃ میں ہے اگر باپ بیانان میں ہو اور اس کا کائی مال بھی ہے، پھر وہ اپنی اولاد کے طعام کی طرف محتاج ہوا تو وہ قیمت کے ساتھ اس کو کھا سکتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ باپ اگر اولاد کے مال کا محتاج ہو تو وہ معروف طریقے سے اس کو لینے کا زیادہ حقدار ہے اور معروف طریقہ یہ ہے کہ اگر باپ فقیر ہے تو وہ اس کو مفت میں لے لے اور اگر غنی ہے تو قیمت کے ساتھ لے لے۔(ت)

اُسی میں ہے:

وفی العدة، اجمعوا علی انہ لیس للوصی قضاء دینہ من مال الصبی وفی الصغری وللاب ذٰلک لانہ بمنزلة بیع مال الصبی من نفسہ ویملکہ الاب بمثل القیمة بخلاف الوصی حیث یلزم فی بیعہ الخیریة۔[2]	عدہ میں ہے مائخ کا اس بات پر اجماع ہے کہ وصی نابالغ بچے کے مال سے اپنا قرض ادا کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔اور صغرٰی میں ہے کہ باپ کو ایسا کرنے کا اختیار ہے اس لئے کہ یہ نابالغ کے مال کو اپنی ذات پر بیچنے کے قائم مقام ہے اور باپ مثلی قیمت کے ساتھ ایسا کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔بخلاف وصی کے کیونکہ باپ کے اس کو بیچنے سے خیر ہونا لازم ہے۔(ت)

اسی طرح فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے نیز ادب الاوصیاء فصل القرض میں ہے:

لواستقرض الوصی من مال الصبی یضمن وعند محمد لایضمن کالاب[3]۔	اگر وصی نے نابالغ کے مال سے قرض لیا تو وہ ضامن ہوگا، اور امام محمد کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا جیسا کہ باپ ضامن نہیں ہوتا(ت)

---

[1] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی الضمان اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۸۳

[2] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی الضمان اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۹۰

[3] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی القرض اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۷۴

خلاصہ میں ہے:

لیس للوصی اقراض مال الصبی ولا استقراضه وعن محمد له الاستقراض کالاب[1] اھ اقول:وظاهر قوله کالاب الاتفاق علی ان للاب الاستقراض غیر ان محمدا ربما استشهد بخلافیة علی اخری تنبیها علی منازع الاقوال۔	وصی کے لئے مال صغیر کو قرض پر دینا اور اس کو قرض پر لینا جائز نہیں۔اور امام محمد کے نزدیک اس کو قرض پر لینا جائز ہے جیسا کہ باپ کے لئے جائز ہے اھ **میں کہتا ہوں** کہ اس کا قول "کالاب" (مثل باپ کے) ظاہرًا اس پر دلالت کرتا ہے کہ باپ کے لئے مال صغیر کو قرض پر لینے کے جواز پر اتفاق ہے سوائے اس کے کہ امام محمد علیہ الرحمہ دوسری صورت کے اختلاف ہونے پر استشہاد کرتے ہیں اقوال کے مختلف ہونے پر تنبیہ کرنے کے لئے۔(ت)

ادب الاوصیاء میں عبارت مذکورہ کے بعد ہے:

وفی قضاء الجامع،اخذ الاب مال صغیر قرضا جاز وفی الخلاصة،انه ذکر فی رهن الاصل ان الاب یضمن کالوصی[2]۔	جامع کے باب القضاء میں ہے باپ کا مال صغیر کو بطور قرض لینا جائز ہے۔خلاصہ میں ہے کہ اصل کے باب الرہن میں امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: بیشک باپ وصی کی طرح ضامن ہوگا(ت)

اسی کی فصل الاباق میں شرح مختصر الطحاوی للامام الاسبیجابی سے ہے:

للاب ان یدفعه(ای مال الصغیر)الی غیرہ مضاربة اوبضاعة وان یضارب ویبضع بنفسه،وان یودع ماله عند انسان وان یعیر لاحد استحسانا لاقیاسا وان یرهن ماله بدین نفسه فلو هلك الرهن یضمن	باپ کو اختیار ہے کہ وہ مال صغیر کسی غیر کو بطور مضاربت و بضاعت دے دے،اور خود بھی اس کو بطور مضاربت و بضاعت لے سکتا ہے اور یہ بھی اسے اختیار ہے کہ وہ مال صغیر کسی کے پاس ودیعت رکھے یا کسی کو بطور عاریت دے دے یہ بطور استحسان ہے نہ کہ بطور قیاس۔اور یہ کہ وہ مال صغیر کو اپنے قرض کے بدلے میں رہن

[1] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین بحوالہ خلاصہ فصل فی الاسباق اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۱۔۱۲۰

[2] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین بحوالہ خلاصہ فصل فی القرض اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۷۴

قدر مایصیر مؤدیا منه دینه ومثله فی هذا کله الوصی[1] (ملخصًا)	رکھے پھر اگر وہ رہن ہلاک ہوگیاتو یہ اس کا ضامن بنے گا،اور ان سب صورتوں میں وصی باپ کی مثل ہے(ملخصًا) (ت)

اسی میں ہے:

فی الخلاصة ورهن القوانسی ومختارات النوازل لو باع الوصی مال الصبی اوالاب من غریم نفسه تقع المقاصة بینهما ویضمن الصبی الثمن عند الطرفین ولایقع عند ابی یوسف وکذا الحکم فی بیع الاب[2]۔	خلاصہ، رہن القوانس ااور مختارات النوزل میں ہے اگر وصی یا باپ نے مال صغیر کو اپنے قرض خواہ کے ہاتھ بیچ دیا تو ثمن اس قرض کا بدل واقع ہوگا،اور وہ وصی یا باپ صغیر کے لئے ثمن کے ضامن ہوں گے۔یہ طرفین کے نزدیک ہے۔امام ابویوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ بدل واقع نہیں ہوگا،یہی حکم باپ کی بیع کی صورت میں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فی فتاوٰی الدیناری الوصی اذا باع مال الیتیم باجل جاز ومثله الاب وفی الخلاصة والمنیة،للوصی البیع بالنسیئة ان لم یخف تلفه بالحجود والانکار ولا المنع عند حصول الاجل وانقجائه ولم یکن الاجل بعیدا فاحشا ذکره فی کل من الولوالجیة والخانیة[3] اھ۔ **اقول:** وبما مر	فتاوی دیناری میں ہے کہ وصی اگر مال یتیم کوایک مدت تک ادھار پر بیچ دے تو جائز ہے اور باپ بھی اسی کی مثل ہے۔ خلاصہ اور منیہ میں ہے وصی کوادھار پر بیع کرنا جائز ہے اگر یہ خوف نہ ہو کہ مال بسبب انکار کے ضائع ہوجائے گااور نہ یہ ڈر ہو کہ مدت گزر جانے کے باوجود مشتری ثمن نہیں دے گااور نہ ہی وہ مدت بہت زیادہ لمبی ہوگی۔یہ تمام ولوالجیہ اور خانیہ سے منقول ہے اھ۔میں کہتا ہوں

---

[1] آداب الاوصیاء علی هامش جامع الفصولین فصل فی الاباق اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۳۰

[2] آداب الاوصیاء علی هامش جامع الفصولین فصل فی الاباق اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۴۳

[3] آداب الاوصیاء علی هامش جامع الفصولین فصل فی الاباق اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۴۴

من فرع المقاصة ومن نص الاسبیجابی ان الوصی فیه کالاب یعکر علی دعوی الاجماع المار عن العدة و یقدح فیها ایضا ما فی غمز العیون اٰخر الفرائض عن فوائد صاحب المحیط، اذا استقرض (ای الوصی) مال الیتیم هل یصح فی قول الامام لایملك وقد اختلف المشائخ فقال بعضهم ان کان الوصی ملیا یملك والافلا والاصح انه لایملک[1] اھ ۔ وفی قرض ادب الاوصیاء وفی نوادرهشام، سمعت محمدا یقول لیس للوصی ان یستقرض مال الیتیم عند ابی حنیفة واما انا فلا اری به باسا ان فعل ذٰلك وله وفاء بما استقرض ومثله فی المنتقی والعتابیة والخانیة[2] الخ وتمامه فیه نعم الاظهر احوط هو المنع کیف وهو مذهب الامام۔ اقول:

ما قبل میں مذکور بدل واقع ہونے والی فرع سے اور اسیجابی کی اس نص سے کہ "وصی مثل باپ کے ہے" وہ دعویٔ اجماع گدلا ہو جاتا ہے جو بحوالہ عدہ گزرا ہے اور اس کو وہ بات بھی مجروح کرتی ہے جو غمز العیون کے باب الفرائض کے آخر میں صاحب محیط کے فوائد سے منقول ہے کہ وصی اگر مال یتیم کو قرض پر لے تو کیا وہ امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق صحیح ہوگا اس میں مشائخ کا اختلاف ہوا ان میں سے بعض نے کہا اگر وصی مالدار ہے تو اس کو ایسا کرنے کا اختیار ہے ورنہ نہیں، اور اصح یہ ہے کہ اس کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں اھ ۔ آداب الاوصیاء کے باب القرض اور نوادر ہشام میں ہے میں نے امام محمد علیہ الرحمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک وصی کو مال یتیم قرض پر لینے کا اختیار نہیں لیکن میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، اگر اس نے ایسا کیا اور اس کے پاس اس قرض کو ادا کرنے کے لئے مال موجود ہو تو حرج نہیں اور اسی کی مثل منتقٰی، عتابیہ اور خانیہ میں ہے الخ اور اس کی مکمل بحث آداب الاوصیاء میں ہے، ہاں زیادہ ظاہر اور زیادہ محتاط منع ہی ہے، کیسے نہ ہو جبکہ وہ امام ابو حنیفہ

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الفرائض ادارۃ القرآن کراچی ۲ / ۱۳۱

[2] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی الفرائض اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ / ۷۳۔ ۱۷۲

ولك ان تجيب عن فرع الرهن بانه ليس تملكا ولا اهلاكاً فلا يقاس عليه الاسقراض ولاداء دين نفسه من مال الصبى، اما لزوم الضمان فى الرهن فحكم الهلاك العارض وفى صورة المقاصة ايضا انما صدر منه البيع وهو سائغ له والمقاصة وقعت لان الحقوق ترجع اليه وكم من شیئ يثبت ضمناً ولا يثبت قصدا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	علیہ الرحمہ کامذہب ہے۔ میں کہتاہوں تو رہن والی فرع کا جواب یوں دے سکتاہے کہ وہ نہ توتملک ہے اور نہ ہلاک کرنا، لہٰذا اس پر قرض لینے اور مال صغیر سے اپناقرض ادا کرنے کو قیاس نہیں کیاجاسکتا۔ رہارہن میں ضمان کالازم ہونا تو وہ ہلاک عارض کاحکم ہے اور بدل واقع ہونے والی صورت میں بھی بیع تو اس سے اس حال میں صادر ہوئی کہ وہ اس کے لئے جائز تھی اور ثمن کاقرض کے لئے بدل واقع ہونا اس لئے ہے کہ حقوق بائع کی طرف لوٹتے ہیں اور بہت سی اشیاء ضمناً ثابت ہوتی ہیں اور قصداً ثابت نہیں ہوتیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

نیز ادب الاوصیاء فصل اباق میں ہے:

فى المنتقى يجوز للوصى شراء مال اليتيم لنفسه وبيعه مال نفسه من اليتيم فاذا رفع ذٰلك الى القاضى ان رأى خيرا ابرمه والزمه والافسخه ونقضه قال ومثله بيع الاب وشرائه حيث يكون للقاضى فسخه ان لم يكن خيرالليتيم يعنى الابن لكن عدم الخيرية فى الاب كونه ناقصا عن ثمن المثل نقصانا لايتغابن فيه الناس[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	منتقی میں ہے وصی کے لئے جائز ہے کہ وہ مال یتیم کو اپنے لئے خریدے یا اپنامال یتیم پر بیچے پھر جب یہ معاملہ قاضی کے پاس پہنچے تو اگر وہ اس میں بھلائی دیکھے تو اس کو پکااور لازم کر دے ورنہ اس کو فسخ کردے، اور اسی کی مثل باپ کی خرید و فروخت ہے، اگر وہ یتیم بیٹے کے حق میں خیر نہ ہو تو قاضی اس کو فسخ کرنے کا اختیار رکھتاہے لیکن باپ کی صورت میں خیر کانہ ہوتاتب ہوگاکہ جب وہ خرید وفروخت ثمن مثلی سے اس قدر کم ہو جس قدر کمی کاغبن لوگوں میں رائج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] آداب الاوصیاء علی هامش جامع الفصولین فصل فی الاباق اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۳۵

مسئلہ ۱۵۰: ۳۰/ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ زید نے ایک مکان بحالت مرض الموت بی بی کے کہنے سے بی بی کے نام بعوض دوسو روپے مہر کے منتقل کردیا تھا حالانکہ قبل اس کے بی بی نے مہر معاف کردیا تھااور بی بی نے اس غرض سے مکان منتقل کرایا تھا کہ قرضہ سے بچ جائے__________ زید اس تحریر کے تیسرے روز مرگیااور ایک لڑکاایک لڑکی اور بی بی چھوڑے، اول بی بی نے سواسوروپے میں رہن رکھااور اب فروخت کرتی ہے اور لڑکالڑکی بدستور قابض ودخیل ہیں، ایسی صورت میں کہ کس قدر حصہ پاسکتے ہیں اور یہ انتقال زید کاکیاحکم رکھتاہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

انتقال کی یہ غرض اگرثابت ہوتواس سے یہ لازم نہیں آتاکہ انتقال فرضی ہواور جب زیداقرار کررہا ہے کہ اس پرزوجہ کامہر باقی ہے اور اس کے عوض میں یہ جائداد دیتا ہے تواس کے وارثوں کادعوی کہ عورت پہلے اپنا مہر معاف کرچکی ہے تھی مسموع نہیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

رجل اقر لامرأته بمهر الف درهم فی مرض موته و مات ثم اقامت الورثة البينة ان المرأة وهبت مهرها من زوجها فی حياة الزوج لاتقبل والمهر لازم باقرارہ وکذا فی الخلاصة۔[1]	کسی شخص نے مرض الموت میں اپنی بیوی کے لئے ایک ہزار درہم مہر کا اقرار کیااور وہ مرگیا پھر اس بات پر گواہ قائم ہوگئے کہ عورت نے شوہر کی زندگی میں اپنامہر شوہر کو ہبہ کردیا تھا تو یہ گواہ قبول نہیں کئے جائیں گے اور شوہر کے اقرار کی وجہ سے مہرلازم ہوگا۔ خلاصہ میں یونہی ہے۔(ت)

مگر جبکہ مہرروپے تھے ان کے عوض مکان دینا بیع ہے اور زید کو مرض الموت تھااور عورت اس کی وارث ہے اور وارث کے ہاتھ مریض کاکوئی چیز بیچنا اگرچہ برابر قیمت کو ہو بے اجازت دیگرورثہ کے باطل ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذاباع المريض فی مرض الموت من وارثه	مریض نے مرض الموت میں اپنے وارث کاہاتھ

[1] الفتاوٰی الهندية کتاب الاقرار الباب السادس نورانی کتب خانہ کراچی ۴/ ۱۷۶

عینا من اعیان مالہ ان صح جاز بیعہ وان مات من ذٰلك المرض ولم تجز الورثۃ بطل البیع [1]۔	اپنے مال سے کوئی خاص شیئ فروخت کی، پھر اگر وہ مریض صحت مند ہوگیا تو اس کی بیع جائز ہوگی اور اگر وہ کسی بیماری سے مر گیا اور وارثوں نے بیع کی اجازت نہ دی تو بیع باطل ہوجائے گی (ت)

پس اگر دیگر ورثہ اس انتقال کو جائز نہیں رکھتے تو یہ بیع باطل ہوگئ مکان بدستور متروکہ زید ہوا البتہ دو سو روپے مہر کے دینے رہے بعد ادائے مہر و دیگر دیون مکان و دیگر متروکہ زید حسب شرائط فرائض چوبیس سہام ہو کر تین سہم زوجہ چودہ پسر سات دختر کو ملیں، تنہا عورت کو اس کی بیع کا اختیار نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۱: مرسلہ حافظ محمد ایاز از قصبہ نجیب آباد ۲۸ جمادی الآخرہ ۱۳۲۹ھ

بکر نے اپنے ترکہ میں دو لڑکے زید، عمرو اور ایک مکان مسکونی چھوڑا۔ چند مدت کے بعد بڑے بھائی زید کا انتقال ہوگیا اس کی بیوی اور ایک لڑکا رہ گیا، اس متوفی کی جانب سے ایک شخص شریک اور مختار کل کاروبار تھا۔ بکر کے دوسرے لڑکے عمرو نے نصف حصہ مکان اپنے بھائی متوفی زید کا منجانب پسر نابالغ متوفی معرفت مختار متوفی پچاس روپے کو بیع خرید کو بیعنامہ مختار سے لکھا لیا کہ جس پر مختار نے پسر متوفی کے دستخط اپنے ہاتھ سے کردیئے اور ایک دستخط اپنے خود کردیئے لیکن رجسٹری نہیں ہوئی اور گواہان حاشیہ بھی سب فوت ہو چکے بعد تحریر وغیرہ کے ایک مکان یا زمین جو زیر دیوار مکان مبیع مذکور کے تھی اسی پچاس روپے سے جو اوپر دے چکے تھے پسر متوفی و بیوہ متوفی مذکور کو بکر کے چھوٹے لڑکے عمرو نے خرید دی اور اس کا بیعنامہ پسر متوفی یعنی اپنے برادر زادہ کے نام تحریر کرادیا جس کی عمر ۴، ۳ برس کی تھی پس اس وقت بیوہ متوفی زید اپنے پسر نابالغ کو لے کر اس مکان میں چلی گئ جو ان کو خرید دیا تھا، اب وہ مکان متروک بکر بالکل سارا اس کے چھوٹے لڑکے عمرو کے پاس رہا مکان متروک بکر کچھ پختہ و کچھ خام تھا عمرو نے اپنی لاگت سے اس خام کو بھی پختہ کرلیا قریب ماصہ روپے کے اس میں صرف ہوئے اور عرصہ ۳۲ برس سے برابر اس عمرو کی اس میں سکونت و دخل ہے اب عرصہ دو تین برس کے عمرو کے برادر زادہ نے اس مکان ترکہ بکر میں اپنے باپ متوفی زید کا نصف حصہ طلب کیا ہے اور اس برادر زادہ کی عمر اس وقت قریب ۳۸ برس کی ہے جب سے بالغ ہوا تھا جب سے کوئی جھگڑا نہیں کیا تھا اب

[1] الفتاوٰی الہندیۃ کتاب البیوع الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۵۴

کرتا ہے اور برادرزادہ یہ بیان کرتا ہے کہ وہ پچاس روپے جس سے مجھ کو مکان چچا عمرو نے خرید کر دیا تھا وہ میں نے ۱۷ برس ہوئے کہ واپس چچا صاحب کو دے دئے ہیں اور چچا یہ کہتے ہیں کہ ہم نے واپس نہ لئے تھے اور اس امر کا طرفین سے کوئی گواہ دیدہ موجود نہیں ہے شنیدہ معتبر نہیں۔ اب یہ معاملہ پنچایت میں پیش ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہیں:

(۱) جو بیعنامہ مختار نے نابالغ کی طرف سے کر دیا وہ بیع درست ہوئی یا نہیں؟

(۲) اگر بیع درست نہ ہوئی تو نصف حصہ چچا و نصف حصہ برادرزادہ کا ہوگا یا نہیں؟

(۳) جو چچا نے بعد خرید لینے مکان متروکہ کے (ماصہ) کی تعمیر اپنی لاگت سے کی وہ اس کو ملنا چاہئے یا نہیں؟

(۴) ۳۲ برس سے جو چچا صاحب نے اس مکان متروک میں خالصًا سکونت کی ان کا کرایہ نصف کا حقدار برادرزادہ ہے انہیں؟

(۵) جو برادزادہ بیان کرتا ہے کہ میں نے چچا کو پچاس روپیہ واپس دے دیئے ہیں اگر چچا حلف اٹھالیں تو میں مکان سے دست بردار ہوتا ہوں ورنہ میں حلف اٹھاتا ہوں اس صورت میں کس کا حلف معتبر ہے اور کس کو حلف دلایا جائے؟

(۶) اگر بیعنامہ مذکورہ 'جائز تسلیم ہو اور برادرزادہ نے پچاس روپے کا حلف کیا ہو تو اس کو پچاس روپے ہی دلائے جائیں گے یا کیا ہوگا کیونکہ جب مکان کی بیع جائز ہوچکی ہو؟

(۷) اگر مکان کی بیع ناجائز ہے تو بعد حلف برادرزادہ کے نصف حصہ مکان برادر زادہ کا قرار پائے گا یا نہیں اور بابت لاگت اور کرایہ مکان کیا عمل درآمد ہوگا؟

مسائل متذکرہ بالا میں نہایت جھگڑے اور فساد واقع ہیں لہٰذا موافق شرع شریف ارشاد فرمادیجئے اجر عظیم وثواب دارین ہوگا۔

الجواب:

اللھم ھدایة الحق والصواب (اے اللہ! حق اور درستگی کی ہدایت عطافرما۔ت) مکان ۳۴ برس سے عمرو کے قبض وتصرف میں ہے اور پسر زید کو بالغ ہوئے بھی بیس برس سے زیادہ زمانہ گزرا اور وہ اتنی مدت مدید تک ساکت رہا یہ اگرچہ اسے مستلزم ہوتا کہ اب پسر زید کا دعوی نہ سنا جاتا مگر جبکہ عمرو تسلیم کرتا ہے کہ واقعی یہ نصف مکان پسر زید کی ملک کا اقرار اور اس سے اپنی طرف انتقال ملک کا دعوی ہوا اور کوئی دعوی بے دلیل مقبول نہیں اور ہر مقر اپنے اقرار پر

ماخوذ ہے اور بعد اقرار کوئی تمادی مخل نہیں ہوتی، اگر سو برس کے بعد کوئی اقرار کرے کہ یہ شیئ فلاں کی ملک ہے تو وہ اقرار اس مقر پر حجت ہوگا اور سو برس گزر جانا کچھ خلل نہ ڈالے گا۔ علامہ خیر الدین رملی استاد صاحب در مختار رحمہما اللہ تعالٰی کے فتاوٰی خیریہ میں ہے:

دعوی تلقی الملك من المورث اقرار بالملك له ودعوی الانتقال منه اليه فيحتاج المدعی عليه الی بينة وصار المدعی عليه مدعيا وكل مدع محتاج الی بينة ينوربها دعواه ولاينفعه وضع اليد المدة المذكورة مع الاقرار المذكور وليس من باب ترك الدعوٰی بل من باب المواخذة بالاقرار ومن اقر بشيئ لغيره اخذ باقراره، ولوكان فی يده احقابا كثيرة لاتعد وهذا مالايتوقف فيه [1]۔	مورث سے ملک حاصل کرنے کا دعوی مورث کی ملکیت کا اقرار اور اس سے ملکیت کے مقر کی طرف منتقل ہونے کا دعوی ہے، چنانچہ مدعا علیہ گواہ لانے کا محتاج ہوگا اور مدعا علیہ مدعی بن جائے گا اور ہر مدعی ایسی گواہی کا محتاج ہوتا ہے جس کے ساتھ اس کا دعوی روشن ہو۔ اقرار مذکور کے ہوتے ہوئے مدت مذکورہ تک اس کا قبضہ اسے کچھ نفع نہیں دے گا۔ یہ ترک دعوی کے باب سے نہیں بلکہ اقرار کے سبب مؤاخذہ کے باب سے ہے۔ جس شخص نے غیر کے لئے کسی شیئ کا اقرار کیا اس کے اقرار کے سبب سے وہ شیئ اس سے لے لی جائے گی اگرچہ وہ بے شمار اس کے قبضے میں رہی ہو اور یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر توقف نہیں کیا جاتا۔ (ت)

ذریعہ انتقال جو عمرو نے بتایا کہ مختار پدر سے بیعنامہ کرالیا محض باطل وبے اثر ہے اول تو زید کی زندگی میں اس کا مختار ہونا زید کے بعد اس کی اولاد پر وصی ہونا نہیں زید کے مرتے ہی وکالت ختم ہو گئی۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

ينعزل الوكيل بموت احدهما۔ [2]	دونوں میں سے کسی ایک کی موت کے سبب سے وکیل معزول ہو جاتا ہے (ت)

اور اگر ثابت بھی ہو کہ یہ مختار وصی بھی تھا تو اگر یہ پچاس روپے اس نصف مکان کی واقعی قیمت کے

[1] الفتاوی الخيرية كتاب الدعوٰی دار المعرفة بيروت ۲ /۸۰ و۸۱

[2] الدر المختار شرح تنوير الابصار باب عزل الوكيل مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱۳

پورے دونے یادونے سے بھی زائد نے تھے جیساکہ یہی ظاہر ہے تو صورت مذکورہ میں اسے بیع مکان کا اختیار اصلًا نہ تھا، وصی نابالغ کی جائداد غیر منقولہ دوچند قیمت سے کم کو تو صرف معدود صورت ضرورت میں بیچ سکتا ہے میت پر کوئی دین ایسا ہو کہ بغیر اس کے بیچے ادانہ ہوسکے گا یا اس نے کچھ روپوں کی ایسی وصیت کی کہ اسے بیچ ہی کر پوری ہوسکے گی یا مکان گراجاتا خراب ہواجاتا ہے اور مرمت کے لئے کچھ پاس نہیں یا کسی ظالم نے دبالیا ہے کہ نہ بیچے تو مفت ہاتھ سے جائے یا نابالغ کے کھانے پینے کو اس کے سوا کچھ نہیں وہ جائداد یا کرایہ ومحصول کی چیز ہے اور اس کی آمدنی اسی کو لگ جاتی ہے۔ درمختار میں ہے:

وجاز بیعه عقار صغیر بضعف قیمته اولنفقة الصغیر اودین المیت اووصیة مرسلة لانفاذ لها الامنه او لکونه نملاته لاتزید علی مؤنته اوخوف خرابه او نقصانه اوکونه فی ید متغلب، دررواشباه[1]۔ ملخصًا	وصی کے لئے جائز ہے کہ وہ نابالغ کی غیر منقولہ جائداد کو دگنی قیمت پر یا صغیر کے نفقہ کے لئے یامیت کے قرض کی ادائیگی کے لئے یا اس کی ایسی وصیت مطلقہ کے نفاذ کے لئے بیچ دے جس وصیت کا نفاذ اس جائداد کو بیچے بغیر نہیں ہوسکتا نیز اس جائداد کی پیداوار اس پر خرچ سے زائد ہو یا اس جائداد کے ویران ہونے یاناقص ہونے یا کسی جابر کے ہاتھ لگ جانے کا ڈر ہو تو بھی اس کو بیچ سکتا ہے، دررواشباہ (ملخصًا) (ت)

ظاہر ہے کہ یہاں ان صورتوں میں سے کچھ نہ تھا ان بلاد میں نہ ہرگز یہ امید ہے کہ نصف مکان جس میں پختہ عمارت بھی ہے صرف پچیس روپے یا اس سے بھی کم ہو تو نظر بظاہر ہوا کہ عمرو نے اپنا نفع خیال کیا اپنے لئے مکان خالص کرلینا چاہا اور جو قیمت اپنی خواہش کے موافق چاہی اس پر ایک اجنبی سے جسے یتیم کا کیا درد ہوتا فیصلہ کرالیا اور اس کے عوض دوسرا مکان یتیم کو خرید دیا غرض صور مذکورہ میں مختار کو اس بیع کا کچھ اختیار نہ تھا تو یہ بیع فضولی ہوئی اور وقت عقد اس کا کوئی اجازت دینے والا نہ تھا کہ ان چند عُذروں کے سوا جب خود وصی کو اختیار بیع نہیں تو غیر وصی بدرجہ اولٰی کہ فضولی جو ایسا عقد کرے جس کا نافذ کرنا اس وقت کسی کا منصب نہ ہو وہ عقد محض باطل ہوتا ہے۔ درمختار باب الفضولی میں ہے:

کل تصرف صدر منه وله مجیز	ہر تصرف جو فضولی سے صادر ہو دراں حالیکہ

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۷

حال وقوعه انعقد موقوفا ومالامجیزله حالة العقد لاینعقد اصلا[1]۔	بوقت عقد اس کی اجازت دینے والا کوئی موجود ہو تووہ عقد اس کی اجازت پر موقوف ہوجائے گا اور جس کی اجازت دینے والا بوقت عقد کوئی نہ ہو وہ بالکل منعقد نہیں ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں جامع الفصولین سے ہے:

لوطلق او وهب ماله اوتصدق به اوباع ماله محاباة فاحشة اوشری شیئا باکثر من قیمته فاحشا اوعقد عقدا مما لوفعله ولیه فی صباه لم یجز علیه فهذه کلها باطلة وان اجازها الصبی بعد بلوغه لم تجز لانه لامجیز لها وقت العقد[2]۔	نابالغ نے اگر طلاق دی یا اپنامال ہبہ کیا یا اسے صدقہ کیا یا اپنامال بہت زیادہ کم قیمت پر فروخت کیا یا کوئی شیئ اس کی اصل قیمت سے بہت زیادہ قیمت کے بدلے خریدی یا کوئی ایسا عقد کیا کہ اگر اس کا ولی اس کی صغر سنی میں وہ عقد کرتا تو جائز نہ ہوتا۔یہ تمام عقود باطل ہیں۔اور اگر نابالغ ہونے کے بعد ان کی اجازت دے دی تو وہ جائز نہیں ہوں گے اس لئے کہ وہ وقت عقد ان کی اجازت دینے والا کوئی نہیں تھا۔(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

یتیم باع جده عقاره بغیر مسوغ صرح فی التتارخانیة عن المنتقی انه باطل۔[3]	یتیم کے دادا نے یتیم کی غیر منقولہ جائداد بلاجواز بیچ دی، تاتارخانیہ میں منتقی سے اس بات پر تصریح منقول ہے کہ یہ بیع باطل ہے(ت)

اور جب وہ بیع باطل ہوئی تو پچاس روپے جو قیمت کے قرار دیئے تھے وہ بھی ملک عمرو سے نہ نکلے کیلا یجتمع البدلان فی ملك واحد(تاکہ ملک واحد میں دونوں بدل جمع نہ ہوں۔ت) اگر عمرو نے یہ روپے پسر زید کو نہ دیئے تھے جب توظاہر کہ اس کی ملک اس کے پاس تھی اور اگر دے دیئے تھے اور پھر دوسرا مکان خریدنے کے لئے اس سے لے کر بائع مکان دوم کو دئے تھے تو جس وقت پسر زید سے واپس لئے عمرو کے روپے عمرو کو پہنچ گئے اور پسر زید پر ان کا مطالبہ نہ رہا۔درمختار میں ہے:

[1] الدر المختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۳۶

[3] الفتاوی الخیریه کتاب الوصایا دارالمعرفة بیروت ۲ /۲۱۷

والاصل ان المستحق بجهة اذ اوصل الی المستحق بجهة اخری اعتبروا اصلا بجهة مستحقه ان وصل الیه من المستحق علیه والافلا وتمامه فی جامع الفصولین۔[1]	ضابطہ یہ ہے کہ کسی شیئ میں ایک جہت سے استحقاق ثابت ہوا اور وہ کسی دوسری جہت سے مستحق تک پہنچ گئی تو اس میں اسی جہت مستحقہ سے موصول ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ شیئ مستحق تک اس شخص کی طرف سے پہنچتی ہو جس پر استحقاق ثابت ہوا ورنہ یہ حکم نہ ہوگا۔ اس کی مکمل بحث جامع الفصولین میں ہے (ت)

پھر جبکہ عمرو نے بھتیجے کو دوسرا مکان خرید دیا اور اس کی قیمت اس روپے سے ادا کی جو عمرو ہی کی ملک تھا تو یہ مکان عمرو کی طرف سے اس کو ہبہ ہوا قیمت کا مطالبہ پسر زید سے نہ ہوگا۔ احکام الصغار پھر عقود دریہ میں ذخیرہ و تجنیس سے ہے:

امرأة اشترت ضیعة لولدها الصغیر من مالها وقع الشراء للام لانها لاتملك الشراء للولد وتکون الضیعة للولد لان الام تصیر واهبة۔[2]	ایک عورت نے اپنے مال سے اپنی نابالغ اولاد کے لئے جائداد خریدی تو وہ خریداری ماں کے لئے واقع ہوگی کیونکہ وہ اولاد کے لئے خریداری کی مالک نہیں اور وہ جائداد اولاد کے لئے ہوگی کیونکہ ماں ہبہ کرنے والی ہوئی۔ (ت)

پسر زید جو پچاس روپے عمرو کو واپس کرنے کا دعوی کرتا ہے جب تک شہادت شرعیہ سے ثبوت نہ ہو مقبول نہیں، ہاں اگر گواہان عادل سے ثابت ہو جائے یا پسر زید حاکم کے یہاں گواہ نہ دے اور عمرو سے حلف مانگے اس پر عمرو حلف سے انکار کردے تو یہ پچاس روپے عمرو پر ثابت ہو جائیں گے اور ازانجا کہ پسر زید نے اس گمان سے دیئے کہ یہ حق عمر ہیں ان کی واپسی شرعاً مجھ پر لازم ہے حالانکہ واقع میں ایسا نہ تھا تو یہ روپے بھی عمرو پسر زید کو واپس دے گا۔ خیریہ پھر حامدیہ میں ہے:

فی شرح النظم الوهبانی لشیخ الاسلام عبدالبر. ان من دفع شیئا لیس بواجب فله استرداده الا اذا دفعه علی وجه الهبة واستهلکه	شیخ الاسلام عبدالبر کی تصنیف شرح النظم الوہبانی میں ہے اگر کوئی کسی کو ایسی شیئ دے جس کا دینا اس پر واجب نہیں تو وہ اس شیئ کو واپس لے سکتا ہے مگر اس وقت نہیں لے سکتا جب

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

[2] العقود الدریۃ کتاب الوصایا ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۷

القابض اھ وقد صرحوا بان من ظن ان علیه فبان خلافه یرجع بما ادی ولو کان قد استهلکه رجع ببدله۔[1]	اس نے وہ شیئ بطور ہبہ دی اور اس پر قبضہ کرنے والے نے اسے ہلاک کردیا الخ تحقیق مشائخ نے تصریح فرمائی کہ کسی کو گمان ہوا کہ اس پر کسی کا قرض ہے پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا تو جو کچھ اس نے ادا کیا اس میں رجوع کرسکتا ہے، اور اگر اس کو وصول کرنے والے نے ہلاک کردیا ہو تو اس کے بدل کے ساتھ رجوع کرے گا۔ (ت)

ان روپوں کے دعوی میں حلف چچا پر ہے پسر زید کا حلف معتبر نہیں، اور اگر چچا حلف کرے تو یہ روپے اس پر لازم نہ آئیں گے مکان پر اس کا اثر نہ ہوگا پسر زید کا کہنا کہ چچا حلف کرلیں تو میں مکان سے دستبردار ہوتا ہوں مہمل و باطل ہے کہ دستبرداری ان اشیاء سے نہیں جن کو کسی شرط پر معلق کرسکیں۔ ردالمحتار میں ہے:

علل فی الخلاصة لعدم صحة تعلیق الرجعة بالشرط بانه انما یحتمل التعلیق بالشرط مایجوز ان یحلف به ولایحلف بالرجعة اھ بمعنی انه لایقال ان فعلت کذا فعلیّ ان اراجع زوجتی کما یقال فعله حج او عمرة اوغیرهما مما یحلف به[2]۔	رجوع کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنے کی عدم صحت کے بارے میں خلاصہ میں یہ تعلیل بیان کی کہ شرط کے ساتھ معلق کرنے کا احتمال وہ چیز رکھتی ہے جس پر حلف جائز ہو جبکہ رجوع کا حلف جائز نہیں اھ معنی یہ ہے کہ یوں نہیں کہا جائے گا اگر میں نے ایسا کیا تو مجھ پر لازم ہے کہ میں اپنی بیوی سے رجوع کروں جیسا کہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ اگر میں ایسا کروں تو مجھ پر حج یا عمرہ وغیرہ لازم ہوگا یعنی ایسی چیز کا ذکر کیا جس کے ساتھ حلف جائز ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

وعزل الوکیل (ای لایصح تعلیقه) بان قال عزلتك علی ان تهدی الیّ شیئا اوان قدم فلان لانه لیس مما یحلف به فلایجوز	اور وکیل کو معزول کرنے کی تعلیق صحیح نہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ یوں کہے کہ اگر تو مجھے کوئی شیئ ہدیہ دے یا اگر فلاں شخص آئے تو میں نے تجھے معزول کیا اس لئے کہ یہ چیزیں ایسی نہیں

[1] العقود الدریة کتاب الوقف الباب الثالث ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۲۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد ویصح تعلیقه به دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

تعلیقه بالشرط عینی [1]۔	جن کے ساتھ حلف جائز ہو لہٰذا ان کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (ت)

پھر جب نصف مکان پسر زید کا ٹھہرا اور اس میں عمرو نے اپنے روپے سے عمارت جدید بنائی مکان تقسیم کیا جائے جتنی عمارت عمرو حصہ پسر زید میں ہے عمرو پر لازم ہے کہ اپنی عمارت اس کے حصے سے اکھیڑ کر خالی کردے اور اگر اس میں زمین پسر زید کو نقصان کثیر پہنچے تو پسر زید کو اختیار ہوگا کہ وہ عمارت خود لے لے اور اس کی اتنی قیمت عمرو کو دے دے جو اکھیڑے ہوئے عملہ کی ہوتی ہے اور اس میں سے اس کے اکھیڑنے کی اجرت مجرا کرلے مثلاً یہ عمارت حالت موجودہ پر نرخ رائج سے ساٹھ روپے کی ہوتی ہے اور اکھیڑلی جائے تو ٹوٹا ہوا عملہ تیس روپے کا رہ جائے اور دو روپے اس کے اکھڑوانے کی مزدوری میں صرف ہوئے تو پسر زید اٹھائیس روپے عمرو کو دے اور عمارت اپنی ملک کرلے۔ تنویر الابصار میں ہے:

من بنی اوغرس فی ارض غیره بغیر اذنه امر بالقلع والرد وللمالك ان یضمن له قیمة بناء اوشجر امر بقلعه ان نقصت الارض به۔[2]	کسی شخص نے دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر بناء یا درخت لگادئے تو اس کو درخت اکھیڑنے اور زمین واپس کرنے کا حکم دیا جائے گا، اور زمین کے مالک کو اختیار ہے کہ وہ اس عمارت یا درخت جس کو اکھاڑنے کا حکم دیا گیا ہے کی قیمت کا ضمان دے دے اگر اکھاڑنے سے زمین کو نقصان ہوتا ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وھی اقل من قیتمه مقلوعا مقدار اجرة القلع فان کانت قیمة الارض مائة و قیمة الشجر المقلوع عشرة واجرة القلع درهم بقیت تسعة دراهم فالارض مع هذا الشجر	اور اس قیمت میں اکھاڑی ہوئی عمارت یا درخت کی قیمت سے اکھاڑنے کی اُجرت کے برابر کمی کی جائے گی چنانچہ اگر زمین کی قیمت سو درھم ہو اور اکھڑے ہوئے درخت کی قیمت دس درہم ہو جبکہ اکھاڑنے کی اجرت ایک درہم ہو تو اس

[1] ردالمحتار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۶

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۷

تقوم بمائة وتسعة دراهم فیضمن المالك التسع، منح[1]۔	ایک درہم کو نکال کے درخت کی قیمت نودرہم بچی لہٰذا اس درخت کی قیمت سمیت ایک سو نودرہم میں پڑی تو مالک نودرھم ضمان دے گا، منح۔ (ت)

اور جبکہ نصف مکان بدستور پسر زید کی ملک ٹھہرا اور وہ اس وقت یتیم تھا تو جس دن کہ کل مکان پر عمرو نے قبضہ کیا اس وقت سے پسر زید کے بالغ ہونے تک جتنی مدت گزری زیادہ سے زیادہ گیارہ برس اور کم سے کم آٹھ برس ہوگی اس مدت میں ملک زید کا کرایہ مثل عمرو کے ذمہ واجب الادا ہے جب تک عمرو نے عمارت جدید نہ بنائی تھی اس حیثیت موجودہ پر نرخ عام سے جو اس مکان کا کرایہ ہوتا ہے کا نصف دینا آئے گا اور جس نے عمارت قدیم منہدم کردی تھی تو جو کچھ اس میں قابل تاوان تھا اس کا تاوان عمرو پر آئے گا اور اس کے بعد سے جو خالی زمین کا کرایہ مثل ہو زمان بلوغ تک وہ واجب آئے گا کہ یہ مال یتیم تھا اور مال یتیم پر قبضہ کرنے سے بلا عقد اجارہ اجرت مطلق لازم آتی ہے اگرچہ تصرف کرنے والا یتیم کا شریک ہو خواہ بدعوی خریداری وغیرہ تصرف کرے۔ درمختار میں ہے:

منافع الغصب استوفاها اوعطلها لاتضمن الا فی ثلث فیجب اجرالمثل ان یکون المغصوب وقفا اومال الیتیم فعلی المعتمد تجب الاجرة علی الشریك وبه افتی ابن نجیم اومعدا للاستغلال الا فی المعد اذا سکن بتاویل ملك کبیت سکنه احد الشرکاء اوعقد کبیت الرهن سکنه المرتهن	غصب کے منافع پر ضمان نہیں چاہے غاصب نے ان منافع کو حاصل کیا ہو یا انہیں معطل رکھا ہو سوائے تین صورتوں کے کہ ان میں غصب کے منافع پر مثلی اُجرت واجب ہوتی ہے وہ یہ ہیں کہ مغصوب وقف ہو یا مغصوب یتیم کا مال ہو تو معتمد مذہب کی بنیاد پر شریک پر اجرت واجب ہوگی اور اسی کے ساتھ فتوٰی دیا ابن نجیم نے، یا وہ مغصوب کرایہ حاصل کرنے کے لئے تیار کیا گیا ہو مگر غاصب اس میں مِلک کی تاویل کے ساتھ

[1] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۲۴

سکنه المرتهن ثم بان للغير معد اللاجارة فلا شيئ عليه[1] اھ ملتقطا۔	سکونت پذیر ہوا ہو جیسے وہ گھر جس میں اس کے شرکاء میں سے کوئی ایک سکونت اختیار کرے یا عقد کی تاویل کے ساتھ اس میں رہائش پذیر ہو جیسے رہن کا مکان جس میں مرتہن نے سکونت اختیار کی پھر ظاہر ہوا کہ وہ مکان کسی غیر شخص کا ہے جو اجارہ کے لئے بنایا گیا ہے تو اس پر کچھ بھی ضمان نہیں ہوگا اھ (التقاط۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله الا فی المعد، افاد ان الاستثناء من قوله او معدا فقط وان الوقف ومال اليتيم يجب فيه الاجر على كل حال ولذا قدم الشارح انه لو شرى دارا وسكنها فظهرت وقفا اولصغير لزمه الاجر صيانة لهما و قدمنا انه المختار مع انه سكنها بتاويل ملك او عقد فاحفظه فقد يخفى على كثير۔[2]	ماتن کے قول "الا فی المعد" (مگر یہ اس کو بنایا گیا ہو) نے اس بات کا فائدہ دیا ہے کہ استثناء فقط ماتن کے قول "معدا" سے ہے، اور یہ کہ بے شک وقف اور مال یتیم کسی صورت میں ہو بہر حال اجرت واجب ہوگی، اسی واسطے شارح پہلے بیان کرچکے ہیں کہ کسی نے کوئی گھر خریدا اس میں سکونت اختیار کی پھر ظاہر ہوا کہ وہ وقف ہے یا کسی نابالغ کا ہے تو اس پر اجرت لازم ہوگی ان دونوں کی حفاظت کے لئے۔ اور ہم نے پہلے بیان کیا کہ بیشک یہی مختار ہے حالانکہ وہ مالک یا عقد کی تاویل کے ساتھ اس گھر میں سکونت پذیر ہوا۔ اس کو یاد کر لے۔ تحقیق یہ بہت سے افراد پر مخفی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لزمه اجر المثل قال الحموی هو مبنی على تصحيح المحيط وهو الذی ينبغی اعتماده وقال الشيخ شرف الدين	اسے مثلی اجرت لازم ہے۔ حموی نے کہا کہ وہ محیط کی تصحیح پر ہے اور وہ وہی ہے جس پر اعتماد چاہئے۔ شیخ شرف الدین نے کہا وہی

[1] الدرالمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۸-۲۰۹

[2] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۲

ھوالمختار کما فی التجنیس والمزید قلت وھو ما اعتمدہ فی وقف البحر ومشی علیه الشارح وافتی به فی الخیریۃ وغیرھا فلیحفظ۔[1]	مختار ہے، جیسا کہ تجنیس اور مزید میں ہے۔ میں کہتا ہوں اسی پر بحر کے باب الوقف میں اعتماد کیا ہے اور اسی پر شارح علیہ الرحمہ چلے ہیں اور اسی کے ساتھ خیریہ وغیرہ میں فتوی دیا گیا ہے اسے یاد رکھنا چاہئے۔(ت)

اسی کے آخر کتاب الشرکہ میں ہے:

ولوکان وقفا ومال یتیم یلزمه اجرۃ شریکه علی ما اختارہ المختارون وھو المعتمد۔[2]	اگر وہ وقف یامال یتیم ہے تو اس کے شریک کی اجرت لازم ہے جیسا کہ اس کو اختیار کیا ہے اختیار کرنے والوں نے۔اور وہی معتمد ہے(ت)

یہ سب اس کا نتیجہ ہے کہ یتیم کے مال میں بے احتیاطی برتی۔ہاں اگر گواہا عادل سے ثابت ہوجائے کہ مختار زید نے عمرو کے ہاتھ پسر زید کا حصہ بیع کیااور وہ مختار زید کا وصی تھااور اس وقت یہ نصف مکان مع اس وقت کی عمارت کے پچیس روپے یا اس سے بھی کم قیمت کا تھا تو البتہ عمرو اس دعوی سے بری ہوجائے گا پھر اس صورت بعیداز قیاس میں کہ بیع مذکور جائز ٹھہرے پچاس روپے واپس دینے پر جس کا دعوی پسر زید کرتا ہے اس سے حلف نہ لیاجائے گا بلکہ وہی حکم ہے کہ پسر زید اس واپسی کے گواہ دے اور نہ دے سکے تو عمرو کا حلف چاہے تو عمرو سے حلف لیں اگر حلف کرلے پسر زید کا دعوی واپسی باطل ہو اور عمرو حلف سے انکار کردے تو پچاس روپے پسر زید کو دے۔**واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۳،۱۵۲: مسئولہ بنگالی ۲۶/رجب ۱۳۲۹ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک یتیم نے کنویں میں سے پانی اپنے واسطے یادوسرے شخص کے واسطے بھرا اور اس پانی کو یتیم نے بجبر یا اپنی خوشی سے پھر کنویں میں ڈال دیا ان دونوں صورتوں میں اس کنویں کا پانی قابل استعمال رہا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

(۲) کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نابالغ نے کنویں سے پانی اپنے یا کسی

---

[1] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۱۸

[2] ردالمحتار کتاب الشرکۃ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۵۷

دوسرے شخص کے واسطے بھرا اس پانی سے بالغ شخص کو وضو کرنا، پینا وغیرہ جائز ہوگا یا نہیں؟ اور ہر شیئ نابالغ کی خریدی ہوئی یا لائی ہوئی کا شخص بالغ کو استعمال جائز ہوگا یا نہیں؟ اور وہ نابالغ خود اپنی اولاد ہو یا غیر، سب کا ایک حکم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

(۱) نابالغ جس پانی کا مالک ہو خواہ یوں کہ اس نے اپنے یا کسی کے لئے کنویں سے بھرا اور کنویں کی حد سے باہر نکال لیا اس کے پاس برتن میں اپنی ملک پانی اس کنویں سے جدا تھا اور وہ خود اس نے بخوشی یا بجبر کنویں میں ڈال دیا یا کسی اور نے اس کی اجازت سے خواہ بے اجازت کنویں میں اُلٹ دیا غرض کسی طرح نابالغ کی مِلک پانی کنویں میں مل گیا تو اب جب تک اس میں وہ پانی رہے گا اس بچہ کے سوا کوئی کسی طرح اس کا پانی استعمال نہیں کر سکتا، اس میں بچہ کی ملک ملی ہوئی ہے اس کے ہبہ یا مباح کر دینے کا کسی کو اختیار نہیں، نہ اس کی بیع ممکن کہ بیع میں تسلیم پر قدرت شرط ہے اور اس پر قبضہ دلانا ممکن نہیں۔ اشباہ میں ہے:

ملأ الصبی کوزا من حوض ثم صبه فیه لم یحل لاحد ان یشرب منه۔[1]	نابالغ بچے نے حوض سے کوزہ بھرا پھر اسی میں انڈیل دیا تو کسی کے لئے حلال نہیں کہ اس سے پانی پیئے۔ (ت)

اس کا چارۂ کار یہ ہے کہ جتنا پانی اس نے کنویں میں ڈالا اُتنا یا اس سے زائد بھر کر اس نابالغ کو دے دیا جائے یا وہ خود بھر لے اس کے بعد باقی پانی مباح ہوجائے گا کما حققناہ علٰی ھامش الغنیة (جیسا کہ غنیہ کے حاشیے میں ہم نے اس کی تحقیق کردی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) کنویں کی مَن سے جب پانی باہر نکلتا ہے بھرنے والے کی ملک ہوجاتا ہے، نابالغ کی مِلک میں کسی کو تصرف کا اختیار نہیں، ہاں ماں باپ کہ فقیر ہوں بقدر حاجت تصرف کرسکتے ہیں، یہ کلیہ جو چیز نابالغ کی ملک ہو خواہ خرید کی ہوئی یا کسی طرح کی لائی ہوئی اس میں فقیر والدین کے سوا کوئی تصرف نہیں کرسکتا اور اس کی ملک نہ ہو تو مالک کی اجازت سے تصرف ہوسکتا ہے۔

فی غمز العیون عن شرح المجمع	غمز العیون میں بحوالہ ذخیرہ شرح المجمع سے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۵۰

عن الذخیرۃ،اذاجاء صبی بالکوز من ماء مباح لا یحل لابویہ ان یشربا منہ اذا کانا غنیین لان الماء صار مملوکا لہ ولایحل لھما الاکل من مالہ بغیر حاجۃ۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	منقول ہے اگر بچہ مباح پانی سے کوزہ بھر لائے تو اس بچے کے مالدار ماں باپ کے لئے حلال نہیں کہ وہ اس کوزے سے پانی پئیں کیونکہ وہ پانی اس بچے کی ملکیت ہوگا اور ماں باپ کو حاجت کے بغیر بچے کا مال کھانا حلال نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۴: از شہر کہنہ قاضی ٹولہ مرسلہ قاضی محمد عیوض صاحب ۲۸ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ لاولد نے بحالت مرض سو روپے زید کے پاس امانۃً جمع کئے اور وصیت کی کہ تندرست ہو گئی تو یہ روپیہ لے کر حج کو جاؤں گی اور اگر مر گئی تو تم کو اختیار ہے کہ کسی کار خیر میں صرف کر دینا اس میں سے میرے کسی رشتہ دار کو ایک حبّہ نہ دیا جائے،دوبارہ اس ماہ کے بعد سو روپے اور زید کے پاس جمع کئے اور وصیت کی کہ یہ رقم دوبارہ جمع شدہ بعد میرے مرنے کے تجہیز و تکفین اور ایک سال تک میری فاتحہ درود میں خرچ ہوں اور رقم سابق جس کی وصیت کر چکی ہوں اس کار خیر میں اٹھائی جائے اب وصیت سے ایک ماہ بعد مسماۃ کا انتقال ہو گیا (للعہ) اس کی تجہیز و تکفین فاتحہ میں صرف ہوئے جس کو ابھی سال نہ ہوا (ماعہ) باقی ہیں اور پہلی رقم بجنسہٖ موجود ہے کل (مال) باقی ہیں ہندہ کی ایک ہمشیرہ حقیقی دوسری بھتیجی جس کا باپ بیس سال سے مفقود الخبر ہے اور ایک ہندہ کے شوہر ثانی کی لڑکی ہے وہ ہندہ کی دختر نہیں اب کس طرح تقسیم ہو؟بینوا توجروا۔

الجواب:

ہندہ کی بہن کے بیان سے واضح ہوا کہ ہندہ نے ان روپوں کے سوا اتنی چیزیں اور چھوڑیں چوڑیاں (صہ/) توڑا (ص/) بالی پتے (صہ/) کڑے (ل)، پانچ برتن وزنی تخمیناً سوسیر،ان میں چوڑیاں اپنی موت سے آٹھ دن پہلے سے اپنے جیٹھ کی نواسی کو دے دیں اور توڑے اور بالی پتوں کی بھی اسی کے لئے وصیت کی،کڑوں اور برتنوں میں کوئی وصیت نہ کی،اس کی تجہیز و تکفین میں بیس روپے اُٹھے اور چوالیس روپے کے کھانے پکوا کر صرف مساکین کو دیئے،ہندہ کا بھائی جس وقت مفقود ہوا اس کی عمر چالیس سال تھی اور ہندہ پر کوئی اعتراض نہیں۔برتقدیر صدق جملہ بیانات مذکور بیس روپے کہ

---
[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ النظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۵۰

تجہیز و تکفین میں صرف ہوئے وہ توحاجت اصلیہ میں اُٹھے شامل وصایا نہیں، وصیت گویا ان روپوں میں ایک سواسی کی ہے اور پندرہ کی اس نواسی کے لئے کل وصیت ایک سوپچانوے کی ہے اور جملہ متروکہ دوسوآٹھ روپے، اس کی تہائی انہتر روپے پانچ آنے چار پائی، یہاں تک بے اجازت ورثہ نافذ ہوگی اور ثلث جب وصایا پر تنگی کرے تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جو وصیت ثلث کو مجموع وصایا سے ہے اسی نسبت سے ہر وصیت نفاذ پائے گی مثلاً ثلث اگر مجموع وصایا کا نصف ہے تو ہر وصیت اپنے نصف میں نافذ ہوگی اور تہائی تو تہائی، وعلیٰ ہذا القیاس۔ غایۃ البیان میں شرح الطحاوی للامام الاسبیجابی سے ہے:

الوجه فی ذٰلك ان تجمع الوصایا کلها وینظر الیها والی الثلث والیٰ نقصانه من الوصایا فان کان النقصان مثل نصف الوصایا ینقص من کل وصیة نصفها وان کان النقصان مثل ثلثها ینقص من کل وصیة ثلثها نحو ما اذا بلغت الوصایا الف درهم لاحدهم مائة و للاٰخر مائتان وللاٰخر ثلثمائة وللاٰخر مائتان و للاٰخر ثلثمائة وللاٰخر اربعمائة وثلث ماله خمسمائة فالنقصان من خمسمائة الی مبلغ الوصایا مثل نصفها خمسمائة فینقص من کل وصیة نصفها لصاحب المائة خمسون ولصاحب المئتین مائة وعلیٰ	وصیتوں کے مجموعے سے کتنا کم ہے اگروہ کمی وصیتوں کے نصف کے برابر ہے تو ہر وصیت سے اس کا نصف کم کردیا جائے گااور اگر کمی وصیتوں کے مجموعے کی تہائی کے برابر ہے تو ہر وصیت میں سے اس وصیت کا تیسرا حصہ کم کردیا جائے گا جیسے کسی شخص نے مجموعی طور پر ہزار درہموں کی وصیت کی یعنی ایک شخص کے لئے سودرہم، دوسرے کے لئے دوسو درہم، ایک اور شخص کے لیے تین سودرہم اور مزید ایک شخص کے لئے چارسودرھم کی وصیت کی جبکہ اس کے مال کا تہائی حصہ پانچ سودرہم ہے، تو اس طرح وصیتوں کے مجموعے سے کمی نصف کے برابر ہوئی یعنی پانچ سودرہم کم ہیں چنانچہ ہر وصیت میں سے نصف کم کردیا جائے گا یعنی سو کی وصیت والے کو پچاس اور دوسو والے کو دودرھم دیں گے اور اسی پر دیگر کو قیاس

ھذالقیاس[1]۔	اس میں توجیہ یہ ہے تمام وصیتوں کو جمع کرکے ان وصیتوں اور میت کے مال کی ایک تہائی کو دیکھاجائے گاکہ وہ تہائی مال کرلو۔ (ت)

اقول: (میں کہتاہوں۔ت) یایوں کریں کہ ہر وصیت کوجونسبت مجموعہ وصایا سے ہے ہر ایک کے لئے اتناہی حصہ ثلث سے دیں جووصیت مجموع وصایا کی نصف ہو اس کے لئے ثلث کا نصف دیں،اورجو ربع ہو اس کے لئے ربع، وقس علیہ، دونوں طریقوں کاحاصل ایک ہے اگر ثلث کاحصہ دریافت کرنا ہوکہ اس میں سے فلاں وصیت کوکیاملے گا تویہ طریقہ کہ فقیر نے ذکرکیا عمل میں لائیں،اوراگر وصیت کسی عین مثلاً گہنے یابرتن یامکان وغیرہ کی ہے معلوم کرناچاہیں کہ اس عین کاکتناحصہ دیاجائے گا تووہ پہلا طریقہ برتیں مثلاً پہلے طریقہ پرجونسبت (لعہ صہ ۵/) کو(ماصہ لعہ) یادوسوآٹھ کوپانچ سوپچاسی بلکہ سولہ کوپینتالیس سے ہے اسی نسبت پر ہر وصیت دی جائے گی یعنی ہر وصیت سے ۴۵ /۱۶ نافذ کریں گے،چوڑیاں اور توڑا اور بالی پتے ہر ایک سے اتناہی حصہ جیٹھ کی نواسی کاہے اور ہر ایک سے ۴۵ /۲۹ وارثوں کا،اگران تینوں چیزوں کی قیمت (صہ ۶۵) ہے تو ان میں سے وصیت کاحصہ پانچ روپیہ پانچ آنے چار پائی ہوگی اور دوسرے طریقہ پر جبکہ ان کی قیمت (صہ عہ) ہے اور مجموع وصایا ۱۹۵ تویہ وصیت اس مجموع کاتیرہواں حصہ ہوئی تو ثلث یعنی (لعہ ۵ /۴) پائی کاتیرہواں حصہ اس کانصیب ہوگا جس کے وہی (صہ ۵ /۴) پائی ہوئے۔____________ یوں ہی دونوں حسابوں پرکارخیر کے لئے سوروپوں کی وصیت تھی اس کاحصہ پینتیس روپے پونے نوآنے ایک صحیح دوتہائی پائی (صہ ۰۸/۔ا۔ ۳ /۲) پائی آئے گااور فاتحہ کی وصیت اسی ۸۰ روپے میں رہی تھی اس کاحصہ اٹھائیس روپے سات آنے ایک صحیح ایک تہائی پائی (مہ عہ/ا۔ ۳/ ۱) پائی۔فاتحہ میں اس کے حصہ سے زائد اٹھادیئے مگرفاتحہ بھی جبکہ صرف مساکین پرصرف کی گئی کارخیر ہے اور مجموعہ ان دونوں وصیتوں کے حصول کاجوکارخیر و فاتحہ کے لئے تھیں چونسٹھ روپے ہوئے ان میں سے چوالیس اُٹھ گئے اور اس نے سال بھر میں اٹھانے کو کہا تھاوہ سال سے پہلے ہی اٹھادیئے اس میں بھی کچھ حرج نہ ہوابلکہ جلدی ہی بہتر تھی،

---

[1] غایۃ البیان

فی الهندیة عن الخانیة عن الجامع. اذا اوصی بثلث ماله للمساکین یتصدق منه کل سنة ثمانیة دراهم اوقال اوصیت بان یتصدق من ثلثی کل سنة مائة درهم فالوصی یتصدق بجمیع الثلث فی السنة لاولٰی ولایوزع علی السنة۔[1]	ہندیہ میں بحوالہ جامع وخانیہ سے منقول ہے اگر کسی نے اپنا تہائی مال مسکینوں کو دینے کی وصیت کی اس طور پر کہ ہر سال اس کے تہائی مال سے ان پر اٹھارہ درہم صدقہ کئے جائیں یا یوں کہا میں نے اس بات کی وصیت کی ہے کہ میرے مال کے تہائی حصے سے ہر سال سو درہم صدقہ کئے جائیں یایوں کہا میں نے اس بات کی وصیت کی ہے کہ میرے مال کے تہائی حصہ سے ہر سال سودرہم صدقہ کئے جائیں، تواس صورت میں وصی پورے تہائی مال کو پہلے ہی سال صدقہ کردے اور اس کو سالوں پر تقسیم نہ کرے۔ (ت)

تواب فقط بیس روپے کار خیر میں اور خرچ کردیں اور اتنا حصہ چوڑیوں، توڑے، بالی پتوں کا یعنی ہر ایک میں سے ۴۵/ ۱۶ اس وصیت کا حصہ ہوا باقی ان تین گہنوں میں ہر ایک کا ۴۵/ ۲۹ اور کڑے اور برتن پورے اور ایک سو سولہ روپے۔ یہ سب حق ورثہ رہے، بھتیجی یا شوہر ثانی کی لڑکی تواصلاً وارث نہیں صرف بہن وارث ہے اور وہ مفقود الخبر بھائی، لہذا وہ جسے ہندہ نے امین ووصی کیا تھا بیس روپے کار خیر میں خرچ کردے، بہن اور جیٹھ کی نواسی تقسیم چاہیں توان تینوں گہنوں کے ۴۵/ ۱۶ جیٹھ کی نواسی کو دے دے اور ہر ایک کی دو تہائی بھائی کے لئے اٹھار کھے یہاں تک کہ اس مفقود کی عمر سے ستر برس گزر جائیں، اگر یہ صحیح ہے کہ چالیس برس کی عمر میں مفقود ہوا تھا اور مفقود ہوئے بیس برس گزرے تودس برس اور انتظار کریں اگر اس دس برس میں وہ زندہ ظاہر ہو تو یہ دو تہائی اسے دے دیں، اور اگر معلوم ہو کہ وہ ہندہ کے بعد مر گیا تو یہ دو تہائی اس کی بیٹی وغیرہ اس کے ورثہ کو دے دیں جو مفقود کی موت کے وقت اس کے وارث تھے، اگر یہی بہن بیٹی اس کے وارث تھے توان دو تہائی کا نصف مفقود کی بیٹی کو دیں اور نصف بہن کو، اور اگر معلوم ہو کہ وہ ہندہ سے پہلے مر گیا یا اسکی عمر سے ستر برس گزر جائیں اور اس کی موت حیات کا کچھ حال نہ معلوم ہو تو یہ دو تہائی بھی ہندہ کی بہن ہی کو دے دیں۔ ادب الاوصیاء میں ہے:

ذکر فی الذخیرة والخانیة والخلاصة والحافظیة. ان قسمة الاب ووصیه ولو بمراتب جائزة علی	ذخیرہ، خانیہ، خلاصہ اور حافظیہ میں مذکور ہے کہ باپ اور وصی کی تقسیم نابالغ پر ہر شیئ میں جائزہے اگرچہ کئی مرحلوں میں ہوجب تک کہ

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب الثامن نورانی کتب خانہ کراچی ۶/ ۱۳۵

الصبی فی کل شیئ مالم یکن بفاحش الغبن وکذا قسمۃ الجد الصحیح ووصیہ عند عدم الاب ووصیہ و کذا تجوز قسمۃ ھٰؤلاء علی الکبیر الغائب فی غیر العقار وکذا قسمۃ وصی نحوالام من العم وابنہ و الاخ وابنہ ان کانت(ای القسمۃ)فی عروض ترکۃ الموصی ولم یکن ھناك من ھو اقوی منہ من الاوصیاء[1] اھباختصار۔	غبن فاحش کے ساتھ نہ ہویونہی جد صحیح اوراس کے وصی کی تقسیم جبکہ باپ اوراس کاوصی نہ ہوں،اسی طرح مذکورہ بالاحضرات کی تقسیم بالغ غائب پراس کی منقولہ جائداد میں جائز ہے یونہی ماں کے وصی کی تقسیم اس حصہ میں جونابالغ کو ماں کی طرف سے ملا۔یہی حکم چچا،اس کے بیٹے، بھائی اور اس کے بیٹے کے وصی کی تقسیم کا ہوگا جب کہ وہ تقسیم ترکہ موصی کے سامان میں جاری ہوا اور وہاں ان سے اقوی کوئی وصی موجود نہ ہو اھ (اختصار) (ت)

اسی میں خانیہ سے ہے:

ان کانوا(ای الورثۃ)کبارا کلھم وبعضھم غائب فقاسم الوصی مع الحاضرین برضاھم وامسك انصباء الغائبین جازت قسمتہ۔[2]	اگروہ وارث بالغ ہوں تمام یابعض غائب ہوں اوروصی حاضرین کی رضامندی سے ان میں میراث تقسیم کردے اور جو غائب ہیں ان کے حصے روک لے تو یہ تقسیم جائز ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

فی جامع الصغیر،اذا قاسم(ای الوصی)للموصی لہ بالثلثفان کانت الورثۃ صغارا کلھم او غائبین فقاسمہ واعطاہ الثلث وامسك الثلثین للورثۃ جاز مقاسمتہ و ان کان	جامع الصغیر میں ہے کہ جب وصی اس شخص کے لئے ثلث مال کامقاسمہ کرلے جس کے لئے وصیت کی گئی پھراگر تمام ورثاء نابالغ ہیں یاتمام غائب ہیں تو اس نے مقاسمہ کرکے تہائی مالوصیت والے کو دے دیا اوردوتہائی وارثوں کے لئے روک لیاتواس کامقاسمہ جائز ہے

[1] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی القسمۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۵۲۔۲۵۱

[2] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی القسمۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۵۳

بعضھم صغارا اوغائبا تجوز مقاسمۃ الوصی فیما سوی عقار الغائبین أما لوقاسم للورثۃ علی الموصی لہ بان کان الموصی لہ ھو الغائب وامسك لہ الثلث لم تجز مقاسمتہ ومثلہ فی الولوالجیۃ واستدل بان الوصی قائم مقام الموصی والورثۃ خلف عن الموصی فکان الوصی قائما مقام الورثۃ فتصح مقاسمتہ للموصی لہ عن الورثۃ والموصی لہ لیس بخلف عن الموصی فلایقوم الوصی مقامہ فلاتجوز مقاسمتہ للورثۃ عن الموصی لہ وھذا معنی ما فی الجامع الصغیر والھدایۃ والسراجیۃ والخلاصۃ والمنیۃ والغنیۃ والبنیۃ وغیرھا [1] اھ مختصرا۔	اور اگر ان میں سے بعض نابالغ یا غائب ہیں تو وصی کا مقاسمہ غائب وارثوں کی غیر منقول جائداد کے ماسوا میں جائز ہوگا، اور اگر اس نے وارثوں کے لئے وصیت والے شخص پر مقاسمہ کیا بایں صورت کہ وہ وصیت والا شخص غائب تھا اور وصی نے اس کے لئے تہائی مال روک لیا تو اس کا مقاسمہ جائز نہیں، اور اسی کی مثل ولوالجیہ میں ہے، اور استدلال یوں کیا گیا ہے کہ وصی موصی کے قائم مقام ہے اور ورثاء موصی کے پسماندگان ہیں تو گویا وصی وارثوں کے قائم مقام ہوگیا لہٰذا وصیت والے شخص کے لئے اس کا وارثوں سے مقاسمہ کرنا صحیح ہے، اور وصیت والا شخص موصی کا جانشین نہیں لہٰذا وصی اس کے قائم مقام نہیں ہوگا تو وصیت والے شخص سے وارثوں کے لئے اس کا مقاسمہ جائز نہیں ہوگا، اور یہی معنی ہے اس کا جو کچھ جامع صغیر، ہدایہ، سراجیہ، خلاصہ، منیہ، غنیہ اور بنیہ وغیرہ میں ہے الخ (اختصارًا)۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۵: از جائس ضلع رائے بریلی محلّہ غوریانہ خورد مرسلہ عبدالحمید صاحب معرفت حافظ علی بخش صاحب ساکن بریلی محلّہ بہاری پور ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مرحومہ نے اپنے دم واپسیں اپنے زیورات کے بارہ میں یہ وصیت کی کہ اس کو فروخت کرکے میرے نام کا ایک چاہ بنوادیا جائے کہ جس میں مجھ کو ثواب ملے لیکن یہاں جامع مسجد میں جب کثرت نمازیوں کی ہوتی ہے تو صحن مسجد میں بھی دوایک صفیں نمازیوں کی ہوجایا کرتی ہیں ایام گرما میں بوجہ تمازت آفتاب زمین بھی نہایت گرم رہتی ہے اور اوپر کی دھوپ اور بھی ان نمازیوں کے لئے جو صحن میں ہوتے ہیں

[1] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی القسمۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۵۷۔۲۵۶

باعث تکلیف ہوتی ہے پس ایسی صورت میں اگر مرحومہ کی وصیت کو نہ خیال کیا جائے اور بجائے تعمیر چاہ کے صحن مسجد میں ایک سائبان ٹین کا تعمیر کرایا جائے کہ جس سے نمازیوں کو آرام ملے تو وصیت مرحومہ کی وجہ سے کسی قسم کا نقص شریعت کی روسے تو نہیں ہے کیونکہ مرحومہ کی وصیت چاہ کے بارے میں ہوئی ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب: وصیت میں ایسی تبدیلی جائز نہیں،

لان حفرۃ البئر قربۃ مقصودۃ فلا تغیر کما حققناہ فی ما علی ردالمحتار علقناہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ کنواں کھودنا قربت مقصودہ ہے لہٰذا اسے غیر سے بدلا نہ جائے گا کہ ہم نے اس کی تحقیق ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں کردی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۱۵۶: از پیلی بھیت مرسلہ مولوی عبدالرب صاحب ساکن درئیس برہ ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی کل جائداد اپنے بیٹے عمرو کے نام ہبہ کردی اور قبضہ تام کرادیا بعد کو عمرو کا انتقال ہوگیا اور عمرو نے دو لڑکے کے نابالغ اور ایک لڑکی نابالغہ اور ایک زوجہ اور والدین چھوڑے، ان میں سے ہر ایک کو موافق فرائض کے حصص پہنچے اور کاغذات مال میں عملدرآمد ہوگیا، اس کے بعد لڑکی کا بھی انتقال ہوگیا اس نے ایک دادا اور دادی اور ایک دختر اور شوہر چھوڑے ان کو اس کی جائداد سے حصص شرعی پہنچے اور کاغذات مال میں تکمیل ہوگئی لیکن چونکہ اس گھر میں ذکور میں سے عاقل و بالغ کوئی سوائے زید کے نہ رہا لہٰذا زید ہی سب کی طرف سے کل حصص کا کارکن و منتظم رہا بالغان کی طرف سے باجازت اور نابالغان کی طرف سے بولایات اور کسی کا حساب و روپیہ اپنی حیات بھر علیحدہ نہ کیا اور نہ کسی کی آمدنی اس کے قبضہ میں دی بلکہ اپنی اور سب کی آمدنی مخلوط اپنے ہی پاس رکھی اور جہاں چاہا محض اپنی رائے سے اس مشترک کی آمدنی سے صرف کرتا رہا یعنی سب شرکاء کے ضروری اخراجات علاوہ خیرات و میراث مثل بناء مسجد و چاہ و پل اور جائداد خرید کر وقف کرنا اور روپیہ غرباء عرف و عجم کو تقسیم کرنا اور حج کے واسطے ضرورت سے زائد ہمراہ لے جانا اور اپنے دوست واحباب و رعایا کو قرض اتنا دینا جس کی امید وصول نہیں اور ان امور میں سے کچھ نہ کسی شریک بالغ یا نابالغ کی اجازت سے تھا اور نہ ان میں کوئی راضی تھا بلکہ نابالغوں

نے بعد بلوغ اور بالغان نے جب یہ حالت دیکھی توان کو شاق گزرامگر چونکہ زید سب کابزرگ اور ذی رعب شخص تھااس واسطے کوئی اس سے تاحین حیات نہ اپناحساب اور نہ اپنی آمدنی طلب کرسکااور نہ اپناحصہ اس کے قبضہ سے نکال کرخود قابض ہوسکا البتہ زید نے اول حصہ جائداد کاجوترکہ پسر سے اس کو پہنچاتھاہر دونبیرگان کے نام بیع کرکے امین بازرزر ثمن یہ الفاظ تحریر کرائے کہ کل زرثمن ہم نے بوجہ محبت قلبی مشترکان کو بخش دیااور دوسری حصہ جائداد کاجوترکہ دختر پسر سے پہنچاتھادونوں نبیروں کے نام بیعنامہ لکھااوراس میں یہ لکھاکہ زرثمن تمام وکمال وصول پایازید نے اس کے بعد اس مشترکہ آمدنی سے اپنے نام سے خرید کی اور زید کاایک مکان بھی ذاتی تھااس نے جائداد اور مکان کابیعنامہ بھی نبیرگان مذکورکے نام کردیااوراس میں بھی کل زر ثمن کی وصولیابی تحریر کردی مگر یہ دونوں وصولیابیاں فرضی تھیں اور اس سے بھی زرثمن کامعاف کرنا مقصود تھا پہلے اور دوسرے بیعنامہ کے وقت ایک نبیر وبالغ اور دوسرا نابالغ تھا،اور تیسرے بیعنامے کے وقت دونوں بالغ تھے،ان بیعناموں میں کسی سے قبل زبانی کوئی بیع نہ ہوئی تھی نہ کسی طرف سے کوئی ایجاب یاقبول ہواسوائے اس کے کہ زید نے تحریر بیعنامہ سے پہلے اپنے مکان پر نبیروں سے کہاہم چراغ سحری ہیں ہم چاہتے ہیں کہ اپنی جائداد تم دونوں کے نام نصف نصف کردیں کہ ہمارے بعد جھگڑانہ ہو۔ نبیروں نے کہابہت اچھا۔اس کے بعد شہر جاکر انہوں نے یہ بیعنامے تحریر کرادئے اوراس کی تکمیل کو نبیروں نے قبول رکھااور جس قدر زرثمن بیعناموں میں لکھاگیاکسی وقت وہ اس مال کی قدر نہ تھاجوزیداول مصارف بالائی میں بلارضاواجازت نبیرگان صرف کرتا رہاوہ مال زرثمن سے ہمیشہ زائد تھا،اب زید کاانتقال ہوگیااس نے آمدنی مشترکہ سے کچھ زرنقداوراثاث البیت چھوڑااور کچھ اپناذاتی روپیہ چھوڑااوراشخاص مذکورین مشارکین الحصص میں سے یہ یہ ورثاء چھوڑے، دونبیرگان،ایک زوجہ،علاوہ ازیں ایک زوجہ مع دختر اپنی چھوڑی کہ مذکورین سابق سے نہ تھی،اب امر دریافت طلب یہ ہے کہ اس جائداد کازید منتظم وکارکن تھااورزید نے بلارضامندی مالکان تصرفات مذکورہ بالا کئے وہ زید پرقرضہ ہوگایانہیں؟ در صورت قرضہ قرار پانے جو زرنقد ملک زید تھاوہ قرضہ میں دیاجائے گایاترکہ تقسیم ہوگااور جوجائداد زید نے اپنے نبیرگان کے نام بیعنامہ بصور مختلفہ مذکورہ بالابیع کی وہ یا زرثمن معاف شدہ قرضہ میں مجراہوگا یانہیں؟اور مشترکہ روپیہ اوراثاث البیت کس طرح تقسیم ہوگا؟**بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مال مشترک سے جس قدر روپیہ زید نے خیرات ومبرات مذکورہ میں

صرف کیا اس میں سے حصہ نابالغان کا تاوان اس پر لازم ہونا تو ظاہر ہے لانہ لایملك التبرع بمالھم (اس لئے کہ وہ نا بالغوں کے مال میں تصرف کا مالک نہیں۔ت) یونہی قرض مذکورہ کہ وہ بھی تبرع ہے۔ ادب الاوصیاء میں عمدہ وولوالجیہ وقنیہ و خلاصہ سے ہے:

لایقرض الاب ولاوصیہ مال الیتیم۔[1]	باپ اور وصی یتیم کے مال کو قرض پر نہیں دے سکتے۔(ت)

یوں ہی جبکہ بالغوں کی بھی رضا و اجازت نہ تھی تو ان کا بھی تاوان زید پر عائد اگرچہ انہوں نے زید کو صرف کرتے دیکھا اور اس کے رعب سے کچھ نہ کہہ سکے۔ اشباہ میں ہے:

لورأی غیرہ یتلف مالہ فسکت لایکون اذنا باتلافہ۔[2]	اگر کوئی شخص کسی کو اپنا مال برباد کرتے دیکھ کر چپ رہا تو یہ اس کی طرف سے برباد کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔(ت)

ظاہر ہے کہ زر نقد یا جو ترکہ زید نے چھوڑا اس سے ادائے دیون تقسیم ترکہ پر مقدم ہے اور یہ تاوان بھی زید پر دَین ہیں تو جب تک ادا نہ ہولیں ورثائے زید کو ترکہ نہ پہنچے گا جائداد کہ زید نے اپنے نام خریدی اسی کی ملک ہوئی اگرچہ اس کی قیمت زر مشترک سے ادا کی اس سے شرکاء کا جائداد خرید کردہ میں حصہ نہیں ہوجاتا ہاں زر ثمن کہ مال مشترک سے دیا ہے ہر شریک کا اس میں جتنا حصہ تھا اُتنے کا تاوان زید پر آیا کہ یہ بھی اگلے تاوانوں میں شامل ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے:

مااشتراہ احدھم لنفسہ یکون لہ ویضمن حصۃ شرکائہ من ثمنہ اذا دفعہ من المال المشترک۔[3]	شرکاء میں سے اگر کسی نے کوئی چیز اپنی ذات کے لئے خریدی تو وہ اسی کی ہوگی اور وہ ثمن میں سے دیگر شرکاء کے حصوں کا ضامن ہوگا جبکہ اس نے ادائیگی مال مشترک سے کی ہو۔(ت)

توظاہر ہوا کہ تینوں بیعنامے صحیح ہوئے ہر ایک میں زید نے اپنی ہی ملک نبیران کے نام بیع کی اور نبیرے اُن سب مبیعوں کے مالک ہوگئے۔

---

[1] آداب الاوصیاء علٰی ہامش جامع الفصولین فصل فی القرض اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۷۴

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیہ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱ /۱۸۵

[3] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۳۸

والبیعان الاولان وان لزم فیهما تفریق الصفقة لان احد المبیع منهما کان صغیرا ثم البیع فی حقه بمجرد الایجاب والاخر بالغا تاخر فی حقه الی قبوله لکنه لیس تفریقا علی البائع بل منه فلا یضر لانه انما کان یمنع لحقه فاذا رضی به فلاحرج کمن باع صبرة طعام کل قفیز بدرهم جاز البیع فی قفیز واحد و للمشتری الخیار لتفرق الصفقة علیه کما فی الهدایة[1] لاللبائع وان تفرقت علیه ایضا لان التفرق جاء منه فیکون راضیا به کما فی البنایة۔[2]	پہلی دونوں بیعوں میں اگرچہ تفریق صفقہ لازم ہے کیونکہ جن دولڑکوں کے نام بیع کی گئی ان میں سے ایک نابالغ ہے، پھر اس نابالغ کے حق میں بیع فقط ایجاب سے ہوئی اور دوسرا چونکہ بالغ ہے لہٰذا اس کے حق میں بیع اس کے قبول کرنے پر موقوف ہو گئی لیکن صفقہ میں یہ تفریق بائع پر لازم نہیں آئی بلکہ اسکی طرف سے لازم آئی چنانچہ یہ نقصان دہ نہیں۔ اس لئے کہ ممانعت تو اس کے حق کی وجہ سے تھی جب وہ اس پر راضی ہے تو کوئی حرج نہیں، جیسے کسی نے گندم کا ڈھیر بیچا کہ ہر بوری ایک درہم کی ہے تو یہ بیع ایک بوری میں جائز ہو گئی اور چونکہ مشتری پر صفقہ کا متفرق ہونا لازم آیا ہے لہٰذا اس کو اختیار ہے جیساکہ ہدایہ میں ہے بائع کو اختیار نہیں ملے گا اگرچہ اس پر بھی صفقہ کا متفرق ہونا لازم آیا ہے کیونکہ یہ متفرق ہونا اس کی طرف سے لازم آیا ہے تو اس طرح وہ اس پر راضی ہوا، جیساکہ بنایہ میں ہے۔(ت)

تو یہ جائدادیں اس تاوان کی زیر پا نہیں ہو سکتیں، رہے ان کے زر ثمن پچھلے دونوں بیعنامے جن میں زر ثمن کا فرضی وصول لکھ دیا ان کا مطالبہ نبیروں پر سے ساقط نہ ہوا اگرچہ اس سے مقصود یہی ہو کہ زر ثمن مشتریوں کو معاف ہو جائے کہ شرع میں دربارہ عقود ومعاملات معانی الفاظ پر نظر ہے، نہ مقاصد واغراض پر، ورنہ حیل شرعیہ یکسر باطل ہو جائیں وقد حققناہ فی کاسر السفیه الواهم (اور اس کی تحقیق ہم نے رسالہ کاسر السفیہ الواھم میں کر دی ہے۔ت) یہاں لفظ اقرار وصول ہے اور وہ نہ ہبہ ہے نہ ابرا بلکہ ایک غلط خبر تو مجرد

[1] الهدایة کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۲۷

[2] البنایة فی شرح الهدایة کتاب البیوع المکتبة الامدادیة مکة المکرمة ۳ /۲۱

نیت سے دَین ساقط نہ ہوجائے گا اقرار کاذب و دیانۃً تو باطل و محض بے اثر ہے اور قضاءً بھی جبکہ اس کا راضی ہونا ثابت ہو جیسا کہ یہاں ہے کہ خود نبیروں کو اس کے فرض ہونے کا اقرار ہے بلکہ یہاں جبکہ زید پر نبیروں کا مطالبہ تاوان حقیقۃً موجود تھا تو اقرار وصول کو فرضی ٹھہرانے کی بھی کوئی وجہ نہیں کہ اپنا مطالبہ ثمن ان کے مطالبہ تاوان کی مجرائی سے وصول پانا مراد ہوسکتا ہے اور معنی صحیح و صادق بنتے ہوئے اقرار غلط و کاذب پر محمول نہ کریں گے ہاں پہلا بیعنامہ جس میں ہبہ ثمن لکھا ہے یہ ہبہ نبیرہ نابالغ کے لئے صحیح ہوگیا اور بالغ کے حق میں صحیح نہیں کہ باپ یا دادا جب اپنے نابالغ بچہ کے نام بیع کریں تو بیچا کہتے ہی بیع تمام ہوجاتی ہے اور یہی ایک لفظ ایجاب قبول دونوں قرار پاتا ہے۔ درمختار میں ہے:

وینعقد ایضاً بلفظ واحد کما فی بیع القاضی والوصی والاب من طفله و شرائه منه فانه لوفور شفقته جعلت عبارته کعبارتین۔[1]	اس کا انعقاد ایک ہی لفظ کے ساتھ بھی ہوجاتا ہے جیسا کہ قاضی اور وصی کی بیع۔ اور باپ کی بیع و شراء اپنے نابالغ بیٹے کے لئے، اس لئے کہ کمال شفقت کی وجہ سے اس کی عبارت دو عبارتوں کی طرح بنادی گئی ہے۔ (ت)

ادب الاوصیاء میں ہے:

فی شرح الطحاوی الجد الصحیح کالاب فی ذٰلك یعنی عند عدمه۔[2]	شرح طحاوی میں ہے کہ اس مسئلہ میں جد صحیح بھی باپ کی طرح ہے یعنی باپ کی عدم موجودگی میں۔ (ت)

اور شک نہیں کہ بیعناموں میں پہلے شیئ کی بیع کرنا لکھا جاتا ہے اس کے بعد ثمن ہبہ کرنا تو یہ ہبہ حق نابالغ میں بعد تمامی بیع واقع ہوا اور صحیح ہوگیا تو اس بیعنامہ کے نصف ثمن کو جو نبیرہ نابالغ کے لئے ہبہ ہوا اس نابالغ کے آتے ہوئے تاوانوں میں مجرا نہ کریں گے کہ ہبہ تملیک بلاعوض ہے اور مجرا ہونا معاوضہ تو خلاف تصریح زید اسے معاوضہ نہیں کہہ سکتے۔ عالمگیری میں ہے:

من علیه الدین وهب مالا	جس شخص پر قرض ہوا گر وہ کچھ مال قرض کے

[1] الدرالمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵

[2] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی الاباق اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۲

من رب الدین یملکه رب الدین بالهبة لابالدین کذافی المحیط [1]۔	مالک کو بطور ہبہ دے دے تو وہ بطور ہبہ اس کا مالک بن جائے گا نہ کہ بطور قرض کی وصولی کے۔ محیط میں یونہی ہے۔(ت)

مگر نصف ثمن کہ دوسرے نبیرۂ نابالغ کو ہبہ کیا یہ ہبہ باطل ہوا کہ حسب تصریح مسائل یہاں کوئی بیع پہلے نہ ہوئی تھی یہی بیعنامہ ایجاب بیع تھا اور اس میں ہبہ ثمن لکھا گیا اور حق بالغ میں نفس ایجاب سے بیع تمام نہ ہوئی اور ثمن واجب نہیں ہوتا جب تک بیع کے دونوں رکن ایجاب وقبول متحقق نہ ہولیں تو یہ ہبہ اس وقت ہوا کہ ابھی ثمن اس نبیرہ بالغ پر واجب ہی نہ ہوا تھا اور ہبہ قبل وجوب باطل ہے۔ فتاوی امام قاضی خاں میں ہے:

لوقال بعتك هذا الشیئ بعشرة دراهم ووهبت لك العشرة ثم قبل المشتری البیع جاز البیع ولایبرء المشتری عن الثمن لان الثمن لایجب الابعد قبول البیع فاذا ابرأ عن الثمن قبل القبول کان برأ قبل السبب فلایصح۔[2]	اگر کسی شخص نے کہا یہ شیئ میں نے تیرے ہاتھ دس درہم کے عوض فروخت کردی اور دس درہم تجھے ہبہ کردیئے پھر مشتری نے قبول کرلیا تو بیع جائز ہوگئی اور مشتری ثمنوں سے بری نہ ہوگا کیونکہ ثمن قبول بیع کے بعد واجب ہوتے ہیں تو جب اس نے قبول سے پہلے ثمنوں سے مشتری کو بری قرار دے دیا تو یہ بری کرنا سبب سے پہلے ہوا لہذا صحیح نہیں ہوگا۔ (ت)

مشترک روپے اور اثاث البیت سے اس زوجہ اور نبیران کے ذاتی حصے الگ کرلئے جائیں گے جو اس میں شریک تھے اور جب کوئی ذریعہ تمیز نہ ہو تو زید اور یہ تینوں اس زر واثاث میں بحصہ مساوی شریک مانے جائیں گے،

کما هو حکم شرکة الملك المنصوص علیه فی الخیریة وردالمحتار وغیرهما۔	جیسا کہ شرکت ملک کا حکم ہے جس پر فتاوٰی خیریہ اور ردالمحتار وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔(ت)

(تو حاصل یہ ٹھہرا کہ) زوجہ اور دونوں نبیرے کہ اس جائداد میں شریک تھے جن کا کارکن زید تھا

---

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الهبة الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۸۵

[2] فتاوی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی احکام البیع نولکشور لکھنؤ ۲ /۳۴۹

اُن تینوں کی آمدنیاں حساب کی جائیں پھر ہر ایک کاخرچ اس سے مجرا کیاجائے باقی کہ زید نے مصارف مذکورہ خیرات ومبرات وقرض مُردہ خریداری جائداد بنام خود میں صرف کر دیااس حصہ میں حصہ رسد زوجہ اور ہر نبیرہ کا تاوان زید پر آیا،اب زوجہ کا یہ تاوان تو پورا واجب الادا ہے اور دونوں نبیروں کے تاوانوں سے ہر دو بیعنامہ اول کا نصف زر ثمن بھی ساقط کیاجائے جوجو باقی رہے وہ ان دونوں کا تاوان ہے،اب زید پر دونوں زوجہ سے جس جس کا جتنا مہر واجب الاد ہو اور ان کے سوا اگر کوئی اور دین زید پر آتا ہو وہ سب ان تینوں تاوانوں کے ساتھ ملا کر یہ مجموع دیون ترکہ زید سے حصہ رسد ادا کئے جایں خواہ وہ اس کا ذاتی روپیہ ہو یا اس زر واثاث البیت مشترک کا حصہ ،اگر ان کے ادا سے کچھ نہ بچے کوئی وارث وراثۃً کچھ نہ پائے ورنہ باقی حسب شرائط فرائض سولہ سہام ہو کر ایک ایک سہم ہر زوجہ اور آٹھ سہم دختر اور تین تین ہر نبیرہ کو ملیں گے۔**واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۷: از نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ مجید گنج مرسلہ محمد حسین ولد مولٰی بخش ۲۰ شوال ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے بھائی اور بہنوں کی جائداد بطریقہ جائزہ خرید کر اپنی زوجہ کے نام لکھا دی اب اس شخص کے دو بیٹے ہیں (ایک بیٹی بھی تھی جس کا انتقال ہوگیااور اب اس کی جانب سے کوئی دعویدار نہیں مگر اس کا شوہر ہے آیا وہ شرعًا حقدار ہے یانہیں) شخص مذکور نے اپنے انتقال سے پیشتر اپنے حصہ کی جائداد اور نیز نئی خرید کردہ جائداد جو بی بی کے نام لکھ دی تھی اپنے دونوں بیٹوں میں کسی طرح تقسیم نہ کی اب اس شخص کی بی بی نے ایک کاغذ بنوا کر باقی جائداد بھی بعوض مہر اپنے نام کرالی اور مشہور کر دیا کہ یہ کاغذ میرے خاوند کے سامنے کالکھاہوا ہے مگر یہ بات محلّہ میں مشہور ہے کہ یہ کاغذ جعلسازی سے تیار کیا گیا ہے اور بات بھی یہی ہے اس شخص کے بڑے بیٹے نے اپنے والد کے حین حیات اس وجہ سے تنگ آکر کہ ساس بہو میں اکثر لڑائی رہتی ہے اپنا مکان تبدیل کرلیاتھا اب والد کے انتقال پر جب وہ بالکل مختار ہوگئیں تو محلّہ کی مستورات اور چھوٹے بیٹے کی لگائی بجھائی سے ان کی رنجش اور بڑھ گئی اور مرنے سے ۱۔۲/ اماہ پیشتر تمام جائداد اسی چھوٹے بیٹے کے نام ہبہ کرادی،ہبہ سے چندروز پیشتر بڑے بیٹے نے تمام اہل برادری کو اپنی والدہ کے سامنے جمع کیااور اپنی خطا ہوئی ہو اور جب نہ ہوئی ہو جب معاف کرائی اورانہوں نے معاف کی،پھر بھی پندرہ بیس روز بعد انہوں نے تمام جائداد کاہبہ نامہ چھوٹے بیٹے کے نام کر دیا میں نے دیوانی میں اپنے بھائی پر اپنے حصے کی نالش کی ہے آیا میں اس جائداد میں حقدار ہوں یانہیں؟

الجواب:

مجرد تحریر اگرچہ رجسٹری شدہ ہو کوئی چیز نہیں جب تک گواہان شرعی سے ثابت نہ ہو پس اگر دو گواہ عادل موجود ہوں کہ شخص مذکور نے پنی صحت میں وہ جائداد بعوض مہر بنام زوجہ کردی تو دیگر ورثہ کا اس میں کچھ حق نہ رہا عورت نے کہ اپنے چھوٹے بیٹے کو ہبہ کردی اگر قبضہ تامہ اپنی حیات میں دلادیا تو چھوٹا بیٹا اس کا مالک مستقل ہوگیا ہاں اگر قبضہ کاملہ نہ دلایا اور عورت کا انتقال ہوگیا تو ہبہ باطل ہوگیا اور اب وہ جائداد متروکہ زن قرار پاکر اس کے وارثوں میں تقسیم ہوگی جس میں سے بڑا بیٹا بھی اپنا حصہ شرعی پائے گا اور اگر گواہان شرعی سے مہر میں دینے کا ثبوت نہیں تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ مہر کچھ باقی تھا یا سب معاف یا ادا ہوگیا تھا اگر کچھ باقی نہ تھا یا جتنا باقی تھا وہ اس جائداد کی قیمت سے جو شوہر کے نام تھی کم تھا تو عورت کو کوئی استحقاق نہ تھا کہ وہ سب جائداد بعوض مہر اپنے نام کرلیتی اور اب جو اس نے اس جائداد کو چھوٹے بیٹے کا نام ہبہ کیا محض باطل ہوا اگرچہ قبضہ دلادیا ہو،

لانها هبة مشاع وهی باطلة حتی لاتملك بالقبض فی الصحیح۔	اس لئے کہ وہ غیر مقسوم کا ہبہ ہے اور وہ باطل ہے یہاں تک اس میں قبضہ سے بھی ملک ثابت نہیں ہوتا، یہ صحیح قول کے مطابق ہے (ت)

اس تقدیر پر بعد ادائے مہر وغیرہ دیون ونفاذ وصایا جو وارثان شخص مذکور ہوں ان پر حسب فرائض تقسیم ہوگی، دختر اگر باپ کے بعد زندہ رہی ہو تو وہ بھی حصہ پائے گی اور اگر پہلے مرگئی تو اس کا کچھ حق نہیں اس کے شوہر کا دعوی باطل ہے ہاں اگر مہر کل یا جتنا باقی تھا اس جائداد کی قیمت کے برابر یا زائد تھا تو ایک فتوی اقطع کی بناء پر عورت اسے اپنے مہر میں لے سکتی تھی اور اب کہ وہ ما بلکہ ہوگئی اس کا حکم وہ پہلی صورت کا ہوگیا کہ چھوٹے بیٹے کے نام س کا ہبہ صحیح ہوگیا اگر قبضہ دلادیا اور باقی وارثوں کا کچھ حق نہ رہا اور قبضہ کاملہ نہ ہوا تو جائداد متروکہ زن ٹھہر کر وارثان زن پر تقسیم ہوگی جن میں بڑا بیٹا بھی ہے اور اس صورت میں پسر کلاں خواہ کسی وارث کو اس پر دعوی بیکار ہے مگر یہ کہ مہر اپنے پاس سے ادا کردے تو حسب اصل مذہب جائداد سے اپنا حصہ لے سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۸: از کچہری چیف کورٹ ریاست بہاولپور مرسلہ محمد دین صاحب جج ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ

(۱) آج یہ مسل پیش ہوئے فتاوئے مصدرہ میں جو سوال زیر بحث اکثر طے ہوچکے ہیں

ان کے اس حکم در میانی میں تفصیل کے ساتھ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ذیل میں ان سوالات کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں :

(الف) ابھی تک اطمینان کی ضرورت ہے موصی اگر دو شخصوں کے حق میں وصیت کرے جن میں سے کچھ مال وارث کے نام اور دوسرا کچھ مال ایک شخص اجنبی کے نام جیسا کہ اس مقدمہ کی صورت ہے تو کیا ایسی وصیتیں جائز اور قابل نفاذ ہیں، اگر سوال اول کا جواب جواز وصایا متعددہ ہو تو پھر یہ دیکھنا ہے کہ پہلے کون سی وصیت کو نافذ کرنا چاہئے، آیا اس وصیت کو جو ایک وارث کے حق میں کی گئی یا اس وصیت کو جو ایک اجنبی شخص کے حق میں کی گئی ہے، اجنبی شخص کے حق میں چونکہ وصیت زائد علی ثلث المال ہے اس لئے وارث کے اعتراض پر اس وصیت کا نفاذ ثلث المال تک محدود کرنا پڑے گا یا کس طرح، ایسی صورت میں اگر بحق الوارث ناقابل نفاذ قرار دی جائے یا اس کا نفاذ نفاذ وصیت بحق وارث سے مقدم قرار دیا جائے تو ثلث المال میں جمیع مال موصی کا ثلث، نفاذ وصیت کے لئے شمار کیا جائے گا یا زیورات کو جن کی نسبت متوفی نے شاہ محمد کے نام کوئی وصیت نہیں کی علیحدہ رکھ کر باقی ماندہ کے ثلث پر وصیت نافذ ہوگی، دونوں صورتوں میں جو جائز قرار دی جائے اس کی سند ہونی چاہئے بعد نفاذ وصایا اور ادائے فرض ورثاء کے جو مال باقی ترکہ متوفی کا بچ رہے اس کی تقسیم میں علماء میں بحث اور اختلاف ہے اس کا اقتباس یہ ہے :

(۱) باقیماندہ مال اس اصول پر کہ نفاذ وصیت لزائد علٰی ثلث المال (ایک تہائی سے زائد مال کی۔ت) کا اب کوئی مزاحم نہیں رہا اب موصی لہ بزائد علٰی ثلث المال کو ملنا چاہئے۔

(۲) باقیماندہ مال کا اب چونکہ کوئی حقدار نہیں رہا اور زوجہ موجود ہے اس لئے رد علی الزوجین کے فتوٰی کے مطابق زوجہ کو دیا جائے۔

(۳) باقیماندہ کی تقسیم بعد ادائے فرائض و دیون و فرائض وصایا کی جو ترتیب ہو سکتی ہے وہ حسب ذیل مستحق بالترتیب ہوں گے :

۱ذوی الفرائض، ۲عصبات، ۳رد ذوی الارحام، ۴مقرلہ، ۵موصی لہ بمازاد علی الثلث، ۶رد علی الزوجین، ۷بیت المال۔

اسی ترتیب کی رو سے بمازاد علی الثلث کو دیا جائے۔

فقرہ بالا کی صورت نمبر ۳، ۲ میں علماء کا

اختلاف تقدم وتاخر رد علی الزوجین اور موصی لہ بکل المال کے ہے اور اس حقوق کے متعلق بحث بھی فتاوی میں بہ تفصیل درج ہے، ایک جزئی سند اس قسم کی زیر بحث ہے جس میں علماء متاخرین نے بیت المال کو بوجہ فساد وعدم وجود بیت المال کے رد علی الزوجین سے متاخر کردیا ہے، اور موصی لہ بکل المال کو رد علی الزوجین پر مقدم رکھنے کے متعلق کوئی سند صریح اور جزئی ظاہر نہیں کی گئی صرف مندرجہ ذیل استشہاد میں کی گئی جن کو دوسرے علماء اسی متاخرین اور متقدمین کی بحث میں لاکر رد علی الزوجین سے مؤخر خیال کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں فتاوٰی۔

یہ سوالات ہیں جو ابھی تک تصفیہ طلب ہیں، نقول فتاوٰی علماء نے منسلکہ مسل معہ نقل استفتاء و نقل وصیت نامہ خدمت میں مولوی صاحب مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی مرسل ہوں اور التماس کی جائے کہ ان تمام فتاوٰی کو ملاحظہ فرمائیں، اور ان سوالات حل طلب کے متعلق اپنی رائے کامعہ استناد جواب تحریر فرماکر بہت جلد مرحمت فرمائیں، مبلغ (صہ /) بذریعہ منی آرڈر مولوی صاحب کی خدمت میں بھجوادیئے جائیں، اور یہ بھی التماس ہو کہ علاوہ امور مستفسرہ کے اگر کوئی اور امر بھی قابل اصدار فتوی معلوم ہو تو اطلاع بخشیں، ملاحظہ فتاوٰی سے اختلاف علماء کے تمام جزئیات اور صورتیں واضح ہوں گی، ہر ایک فتوی پر علیحدہ علیحدہ نمبر دیئے گئے ہیں مقدمہ چونکہ عرصہ سے دائر ہے اس لئے نتیجہ کے بھجوانے کے لئے استدعا کی جاتی ہے کہ بہت جلدی عدالت ہذا میں بھجوایا جائے، تحریر ۱۷ /اگست ۱۳۱۳ھ

(مسماۃ عالمون بنام شاہ محمد دعوی جائداد بروئے وراثت)

نقل وصیت نامہ ادا

میکہ واحد بخش ولد دین محمد ذات شیخ نو مسلم پیشہ نان بائی عمر تخمیناً (صہ للعہ) سال حال مقیم خانپور ریاست بہاولپور کا ہوں بجمعی حواس خمسہ و ہوش عقل بلااجبار واکراہ احدیکہ اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں اس بات پر کہ مظہر بعارضہ بیماری تپ دق کے بیمار ہے اور یہ بیماری ایک ایسی بیماری ہے کہ اس سے نجات قسمت اور خداداد زندگی پر شفایابی حاصل ہوتی ہے اور اب مجھ کو ایسے نازک وقت پر اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ کا انتظام بھی کرنا ضرور ہے تاکہ پسماندگان میرے میں کوئی تکرار مدار برپانہ ہو، پس اب میں اس طرح پر اپنا انتظام کرتا ہوں کہ چونکہ میرا کوئی فرزند نرینہ یامدینہ نہیں ہے صرف ایک عورت نوجوان ہے جس پر یہ بھروسا کم ہے کہ بعد موتیدگی میرے کے وہ میرے حق میں رہے اور یہ ضرور ہے کہ میری جائداد بعد میرے تباہ و خراب ہوجائے اس کا یہ انتظام ہے کہ زیورات ذیل کنٹھمالہ طلائی ۸ یا پانچ لڑی قیمتی (یاعہ ۲۰) کڑیاں نقرہ ایک جوڑا قیمتی یک صد روپیہ، چندن ہار ایک قیمتی مبلغ (صہ) تولہ طلائی، اور ایک عدد قیمتی (عہ/)

عطردان، ایک قیمتی مبلغ سے بازوبند نقرہ، ایک جوڑہ قیمتی سے کنگن نقرہ، دانوال ایک جوڑہ قیمتی مبلغ (عہ) کل جملہ مبلغ (ماعہ عہ) کے زیورات، مندرجہ بالا اپنی زوجہ مسماۃ عالم خاتون کو ملے گا ان زیورات سے کسی کا تعلق اور واسطہ نہ ہوگا، میری زوجہ مسماۃ عالم خاتون مذکورہ بالا کے ہیں، ماسوائے اس کے میری جائداد غیر منقولہ از قسم مکانات رہائش بمقام نوشہرہ ہیں اور وہ پیدا کردہ مظہر کے ہیں ان کا انتظام اس طور پر رہے گا کہ وہ مکانات زیر حفاظت شاہ محمد خاں ولد مسکر خاں ذات نانبوچی سکنہ خان پور کے اور مالک بھی یہی رہے گا اگر مظہر کی عورت مظہر کے حق میں رہ کر گزارہ کرے تو اس کو فقط حق آسائش کا حاصل رہے گا وہ یعنی تا حق مظہر آباد رہے گی، رہن اور بیع مسماۃ عالم خاتون زوجہ ام کو اختیار ہرگز نہ ہوگا اور اگر وہ کسی دوسری جگہ اپنا عقد نکاح کرادے یا جدید خاوند کرے تو اس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق اور واسطہ نہ ہوگا مالک اور قابض شاہ محمد خاں مذکور ہے اور اس کو اختیار ہے کہ اس کو فروخت کرے یا رہن کرے بعد فروخت یا رہن زر رہن یا زر بیع میری تجہیز و تکفین اور میری ارواح پر بخش دے گا یعنی غرضکہ مالک شاہ محمد خاں مکانات وغیرہ کا ہے اور علاوہ اس کے اسباب خانہ داری از قسم برتن گلی و مسی و کٹ وغیرہ دیگچہ ہا مسی و تھالی کلاں مسی و کٹورہ کٹ و چارپائی ہائے وغیرہ جملہ سامان خانہ دارری کا مالک بھی شاہ محمد خاں رہے گا، بموقع محفل امامین شہیدین شریفین شاہ محمد خاں جملہ برتن ہائے میں سے گلیم دری کلاں وغیرہ لے جائے اور استعمال کرے سب کچھ شاہ محمد خاں کے اختیار میں ہوگا زوجہ ام مسماۃ عالم خاتون کو ضرورت استعمال کے لئے دیئے جائیں گے بشرطیکہ وہ فروخت یا بیع روپوش نہ کرے ورنہ کلہم اشیاء مندرجہ بالا کا مالک شاہ محمد خاں ہے جس نے میری خدمت گزاری اور وفاداری از حد کی ہے بعد انتقال میری بھی تجہیز و تکفین کا انتظام کرے گا اور میری منزلت آخر کو پورا انجام دے گا۔ یہ جملہ شرائط بعد میرے قابل تعمیل ہوں گی جب تک میں حیات موجود ہوں کسی کا تعلق نہیں بعد میں بموجب بالا تقسیم ہوں گے اور قابل عمل ہوں گی لہذا ایں چند حروف بطور وصیت نامہ لکھ دیتا ہوں کہ سند رہے اور وقت حاجت کے کام آئے۔

المرقوم ۲۲ صفر ۱۳۳۱ھ مطابق ۲۳ فروری ۱۹۱۱ء

استفتاء

مسمّٰی واحد بخش مرگیا ہے صرف ایک بیوہ مسماۃ عالمون چھوڑ گیا ہے دیگر کوئی اس کا وارث نہیں مرنے سے قریب ایک یا دو ماہ یا پندرہ یوم وہ چہارپائی بند ہوگیا اس کو تپ دق کی بیماری تھی اسی بیماری میں وہ فوت ہوا، ہوش اس کو آخر تک رہی، مرنے سے ایک ہفتہ پہلے اس کے معالج نے یہ کہہ دیا تھا کہ وہ اب نہ بچے گا اور اس

لئے اس کا علاج کرنا بھی چھوڑ دیا تھا، مرنے سے قریب تین چار یوم پہلے ۲۳ فروری ۱۳۱۱ھ کو واحد بخش مذکور نے ایک وصیت تحریری تکمیل کی، اس وصیت کی ایک نقل شامل ہذا کی جاتی ہے یہ شاہ محمد موصی کا نہ رشتہ دار نہ ہم قوم ہے، متوفی ایک نومسلم تھا جو اپنے آپ کو وصیت میں شیخ نومسلم پیشہ نان بائی لکھتا ہے، اسی شاہ محمد کے گھر میں وہ مرا جس نے اس کی تجہیز و تکفین وغیرہ کی، اب دعوی جائداد متوفی کا باہم اس شاہ محمد کے اور عالم خاتون بیوہ موصی کے ہے، موخر الذکر مدعیہ ہے وہ مانتی ہے کہ شاہ محمد مدعاعلیہ نے پاس اس کو زیورات قیمتی (سماعہ عہ) (جس کا ذکر وصیت میں ہے) بعد وفات موصی دے دیئے ہیں لیکن وہ کہتی ہے کہ شاہ محمد مدعاعلیہ کے پاس دیگر زیورات واثاث البیت ظروف وغیرہ مالیت (ماعہ ۱۴/) اور دو منزل مکانات قیمت آٹھ سو روپے از ترکہ شوہرش مذکور موجود ہیں، وہ بھی شرعاً تنہا مدعیہ کو ملنا چاہئے مدعاعلیہ کا کوئی حق نہیں، وصیت کی تکمیل اور جوازی دونوں کو وہ تسلیم نہیں کرتی جو زیورات قیمتی سماعہ ورثہ مدعیہ کو ملے ہیں ان کی نسبت وہ یہ کہتی ہے کہ مجھ کو حق مہر میں شوہر دے گیا ہے، شاہ محمد مدعاعلیہ کو وصیت کی تعمیل پر اقرار ہے وہ کہتا ہے کہ وصیت جائز ہے اور یہ کہ مدعیہ حرام کاری کرتی ہے اس لئے بروئے وصیت مکانات میں نشست کی بھی حقدار نہیں رہی اور یہ کہ وصیت کو مدعیہ نے وصیت اور نیز بعد وفات شوہر خود قبول کیا تھا سوال یہ ہیں:

(۱) کیا بروئے شرع شریف یہ وصیت مرض الموت میں ہوئی اور اگر ہوئی تو اس سے جوازی وصیت پر کیا اثر پڑتا ہے؟

(۲) چونکہ شاہ محمد مدعاعلیہ بالکل اجنبی ہے اور وصیت اس کے حق میں ہے ایسی وصیت مدعیہ کے اعتراض پر کس حد تک جائز رہ سکتی ہے یعنی جائداد متوفی میں مدعیہ کو کیا حصہ ملنا چاہئے؟

(۳) جو خاص زیورات قیمتی سماعہ عہ بروئے وصیت مدعیہ کو دلائے گئے ہیں کیا ان میں سے مدعاعلیہ کو کوئی حصہ بروئے وصیت مل سکتا ہے یا یہ کہ ان زیورات کو چھوڑ کر باقی جائداد میں ہر دو فریق کو وہ حصص ملیں گے جو بروئے سوال ۲ ان کے پائے جائیں۔

(۴) جو اخراجات تجہیز و تکفین مدعاعلیہ نے کئے ہوں مدعاعلیہ کو علاوہ ملیں گے یا کہ اس کے اپنے حصے پر چارج ہوں گے یعنی یا یہ کہ مدعاعلیہ کے حصہ پر ان کا بار ہوگا؟

(۵) مکان میں جو بصورت حق متوفی میں رہنے کے مدعیہ کو حق رہائش دیا گیا ہے کیا وہ شرعاً جائز ہے اور اثر پذیر ہے جبکہ مدعیہ کے اعتراض پر اس کو بروئے سوال ۲ ایک حصہ مکان تملیک قطعی دے دیا جائے۔

(۶) حق متوفی میں رہنے کی شرط پر مدعیہ کے ظروف وغیرہ کا بھی دیا جانا درج وصیت ہے کیا یہ چیز ہے اور بلحاظ سوال ۲ اثر پذیر ہوسکتا ہے؟

(۷) جو حصہ جائداد متوفی میں ہر دو فریق کا سوال ۲ قرار پائے وہ مکانات میں اور جائداد منقولہ میں جدا جدا دیا جاسکتا ہے یا کہ بالکل جائداد منقولہ غیر منقولہ کی قیمت مقرر کرکے صرف نقدی رقم بموجب حصہ کے مدعیہ کو دلائی جاسکتی ہے۔ ۱۷ جنوری

سوال ۲: زید اس طرح وصیت کرکے مرگیا ہے کہ بعد مرنے میرے کے میری جائداد منقولہ وغیر منقولہ کا مالک عمرو ہے میری تجہیز و تکفین بھی کرے گا اور للہ میری ارواح کو بھی دے گا بعد وفات زید کے عمرو نے وصیت مذکورہ کو قبول کرکے ایفاء امورات میں لگ گیا متوفی کا وارث بجز ایک زوجہ اور کوئی نہیں ہے اب زوجہ متوفی کہتی ہے کہ یہ تمام مال متروکہ شوہر خود صرف میرا ہی حق ہے میں دوسرے شخص کو دینا نہیں چاہتی، پس شرع شریف میں یہ وصیت جائز ہے یا کسی طرح اور، زوجہ کا حق مال متروکہ میں کیا ہے اور وصیت کا حصہ کیا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

نقل جواب ۱

مندرجہ سوال حالات میں مسمّٰی واحد بخش کی متروکہ جائداد میں سے پہلے اس کی تجہیز و تکفین شرعی کا جس میں رواجی صدقات و خیرات شامل نہیں ہیں خرچ ادا کرنے کے بعد اس کی بیوہ مسماۃ عالم خاتون کا حق مہر جس قدر عدالت کی رائے میں ثابت ہو ادا کریں گے اس حق مہر ادا کرنے کے بعد جس قدر جائداد منقولہ یا غیر منقولہ باقی بچے اس کے تین حصے کرکے دو حصہ مسمات عالم خاتون بیوہ واحد بخش کو اور ایک حصہ شاہ محمد خاں کو دیں گے۔ اس مختصر جواب کے بعد عدالت کے سولات کا نمبروار جواب دیا جاتا ہے:

(۱) یہ وصیت مرض الموت میں ہوئی اور شرعًا جائز ہے۔

(۲) عالم خاتون مدعیہ کے اعتراض کرنے پر جائداد متروکہ کے جبکہ اس میں سے واحد بخش کی شرعی تجہیز و تکفین کا خرچ اور عالم خاتون کے حق مہر کی رقم نکالی جاچکی باقی کے تیسرے حصہ میں جائز ہوگی اس سے زائد میں جائز نہیں ہوگی اس لئے اس باقیماندہ جائداد میں سے دو حصے عالم خاتون کو اور ایک حصہ شاہ محمد خاں کو دیں گے۔

(۳) زیورات قیمتی (سماعہ عہ) کی بابت اگر یہ ثابت ہوجائے کہ یہ زیورات عالم خاتون کے حق مہر کے عوض میں دیئے گئے ہیں تو پھر ان میں شاہ محمد خاں کا کچھ بھی حق نہیں ہے لیکن اگر ان تمام زیورت کے

تیسرے حصہ میں اور دوسری صورت میں باقی ماندہ زیورات کے تیسرے حصے میں شاہ محمد خاں کا حق ہوگا اور دونوں صورتوں میں باقی دو حصے عالم خاتون کے حق ہوں گے۔

(۴) تجہیز و تکفین کا خرچ پہلے ہی سے نکال لیا جائے گا اس کا بار کسی فریق کے حصے پر نہیں پڑے گا۔

(۵) مسماۃ عالم خاتون کو رہائش کا حق شرعاً حاصل نہیں ہے اس بات میں واحد بخش کی وصیت لغو اور بے اثر رہے گی۔

(۶) ظروف وغیرہ کی تقسیم کی بھی یہی صورت ہوگی کہ ان کے تیسرے حصے میں شاہ محمد خاں کا حق ہے اور دو حصے مسمات عالم خاتون کا حق ہے لیکن یہ مناسب ہوگا کہ تمام ظروف شاہ محمد خاں کو دے دیئے جائیں اور عالم خاتون کا حق جو ان ظروف میں ہے وہ واحد بخش کی جائداد غیر منقولہ سے پورا کر دیا جائے۔

(۷) فریقین یعنی عالم خاتون اور شاہ محمد خاں کا اصل حق تو موجودہ جائداد متروکہ واحد بخش ہی میں ہے لیکن اگر کوئی فریق اپنے حصے کے بدلے اس کی قیمت لینے پر رضامند ہو جائے تو عدالت کو لازم ہوگا کہ اس فریق کو قیمت دے دے لیکن کسی فریق کو خواہ وہ عالم خاتون ہو یا شاہ محمد خاں اس کے حصے کی قیمت لینے پر مجبور کرنا شرعاً عدالت کے اختیار سے باہر ہے۔

نوٹ: متوفی کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں بعد ادا کرنے خرچ تجہیز و تکفین اور ادا کرنے حق مہر یا ایسی ہی اور قرضوں کے جس قدر باقی بچے اس باقیماندہ ترکہ کے تیسرے حصہ میں سے وصیت ادا کرنے کے بعد جو باقی بچے اس میں سے چہارم حصہ بیوہ کا حق ہوتا ہے۔ لیکن اگر متوفی کا کوئی بھی قریبی یا بعیدی رشتہ دار موجود نہ ہو جیسا کہ موجودہ سوال کی صورت میں ہے تو بعد ادائے خرچہ تجہیز و تکفین اور ادائے حق مہر و دیگر قرضوں اور ادائے حصہ وصیت کے جس قدر باقی بچے وہ سب بیوہ کا حق ہوتا ہے جیسا کہ کتاب در مختار و ردالمحتار وغیرہ میں صاف لکھا ہوا ہے **ھذا واللہ اعلم بالصواب**۔

نقل جواب ۲

(نقل فتوی مولوی صاحب برانڈا مولویان)

ھو الملھم بالحق والصواب (یہ حق اور درستگی کے ساتھ الہام کیا گیا۔ ت)

شرعاً یہ وصیت صحیح اور نافذ ہے کیونکہ وصیت کنندہ عاقل بالغ ہے اور زوجہ کا حق مال متروکہ متوفی سے سدس ہے اور باقی عمرو موصی لہ کا ہے اور للہ اسباب خیر میں بھی صرف کرے مثلاً تعمیر مسجد کی کرادے یا پل تیار کرادے یا طلبائے علم دین اسلام کو دے، روایات کتب معتبرہ اس پر دال صریح الدلالۃ

اور واضح البیان ہے۔

شواھد:	دلائل:
فی فتاوی النوازل اوصی لرجل بکل ماله ومات ولم یترك وارثا الاامرأته فان لم تجز فلها السدس و الباقی للموصی له لان له الثلث بلااجازة فیبقی الثلثان فلهاربعهما وهو سدس الکل درمختار[1] قوله فلها ربعهما لان الارث بعد الوصیة ففرضها ربع الثلثین الباقین شامی[2]۔ کذلك لومات الرجل عن امرأته و اوصی بماله کله لاجنبی واوصی بماله کله لاجنبی ولم تجز المرأة فللمرأة السدس وخمسة اسداسه للموصی له لان الثلث صار مستحقا بالوصیة بقیت الشرکة فی ثلثی المال	فتاوٰی نوازل میں ہے ایک شخص نے اپنے تمام مال کی کسی مرد کے لئے وصیت کی اور مرگیا درانحالیکہ سوائے ایک بیوی کے اس نے کوئی وارث نہیں چھوڑا، پھر اگر بیوی نے اجازت نہ دی تو اس بیوی کو کل مال کا چھٹا حصہ اور باقی اس شخص کو ملے گا جس کے لئے وصیت کی گئی اس لئے کہ وصیت والے مرد کو ایک تہائی تو بلا اجازت ملے گا باقی دو تہائی بچا تو بس بیوی کو دو تہائی میں سے چوتھا حصہ ملے گا اور وہ کل مال کا چھٹا حصہ بنتا ہے (درمختار)۔ ماتن کا قول کہ "بیوی کو دو تہائی کا چوتھا حصہ ملے گا" وہ اس لئے ہے کہ میراث وصیت کے بعد ہوتی ہے چنانچہ بیوی کا فرضی حصہ باقی بچنے والے دو تہائی میں سے چوتھا ہوگا (شامی)۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایک بیوی چھوڑ کر مرا اور تمام مال کی وصیت کسی اجنبی کے لئے کرگیا اور عورت نے وصیت کی اجازت نہیں دی تو اس صورت میں عورت کو کل مال کا چھٹا (۱/ ٦) ملے گا، اور باقی پانچ حصے (۵/ ٦) وصیت والے شخص کو ملیں گے۔ اس لئے کہ وہ شخص وصیت کے سبب سے ایک تہائی کا مستحق ہوگیا اور دو تہائی

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۰

فللمرأة ربع ذٰلك والباقی للموصی له لان الوصیة مقدمة علی بیت المال فتاوٰی عالمگیری[1] ـ وکذلك فی الفتاوی الخلاصة. اوصی بثلث ماله ﷲ تعالٰی فھی باطلة وقال محمد رحمه الله تصرف لوجوه البر در مختار[2] ـ قوله وقال محمد رحمه الله تصرف لوجوه البر قدمنا عن الظهیریة انه المفتی به ای لانه وان کان کل شیئ ﷲ تعالٰی لکن المراد التصدق لوجهه تعالٰی تصحیحا لکلامه بقرینة الحال شامی[3]، ولو اوصی بالثلث فی وجوه الخیر یصرف الی القنطرة او بناء المسجد اوطلبة العلم کذا فی تاتارخانیة فتاوٰی عالمگیری[4]، وھکذا فی فتاوٰی خلاصة، ولامن صبی غیر ممیز اصلا ولوفی وجوه الخیر خلافا للشافعی	مال میں شرکت باقی رہی، چنانچہ عورت کو اسی کا چوتھا حصہ ملے گا اور باقی وصیت والے شخص کو ملے گا کیونکہ وصیت بیت المال پر مقدم ہے (فتاوائے عالمگیری)۔ اسی طرح فتاوٰی خلاصہ میں ہے اگر کسی نے اپنے تہائی مال کی اللہ تعالٰی کے لئے وصیت کی تو وہ باطل ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ "اس کو نیکی کے کاموں میں خرچ کیا جائے گا" ہم بحوالہ ظہیریہ پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ بیشک فتوٰی اسی پر ہے اس لئے کہ اگرچہ ہر شیئ اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہے لیکن اس سے مراد اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہے لیکن اس سے مراد اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے صدقہ کرنا ہے تاکہ قرینہ حالیہ کی وجہ سے موصی کا کلام صحیح قرار دیا جاسکے (شامی)۔ اور اگر نیکی کے کاموں میں تہائی کی وصیت کی تو وہ مال پل، مسجد کی تعمیر اور طالبعلموں پر خرچ کیا جائے گا، یونہی تاتارخانیہ میں ہے (فتاوٰی عالمگیری)۔ ایسا ہی فتاوٰی خلاصہ میں ہے، اور نابالغ تمیز نہ رکھنے والے بچے کی وصیت بالکل نافذ نہیں ہوتی اگرچہ نیکی کے کاموں کے لئے ہو بخلاف امام شافعی

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۱۰۵

[2] الدر المختار کتاب الوصایا الباب الثالث مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۲۲

[3] ردالمحتار کتاب الوصایا الباب الثالث دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۲۶

[4] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۹۷

وکذا لاتصح من ممیز الافی تجھیزہ وامر دفنہ وعلیہ تحمل اجازۃ عمر رضی اللہ عنہ لوصیۃ یافع رضی اللہ عنہ یعنی المراھق درمختار[1]۔علی حسب اظہار السائل۔واللہ تعالٰی اعلم۔	علیہ الرحمہ کے۔اسی طرح تمیز رکھنے والے نابالغ کی وصیت بھی صحیح نہیں مگر تجہیز و تکفین میں اس کی وصیت صحیح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کاقریب البلوغ لڑکے کی وصیت کو جائز قرار دینا اسی تجہیز و تکفین پر محمول ہے(درمختار)۔یہ حکم سائل کے اظہار کے مطابق ہے۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

بحقیقۃ الحال وصدق المقال(ہمہ) مستفتی نے بعد تکمیل استفتاء ہذا کے بیان کیا کہ متوفی نے چند زیورات معدودہ شخصہ معہودہ کی بابت اپنی زوجہ کے واسطے بھی وصیت کرگیا تھا یعنی کہہ گیا تھا کہ بعد وفات میری کے ان زیورات مذکورات کی مالک میری زوجہ ہے، پس اس کاجواب شرعًا یہ ہے کہ جس چیز کی نسبت متوفی نے اپنی زوجہ کے واسطے وصیت کی ہے وہ چیز سالم متوفی کی زوجہ کی حقیت ہے جو بذریعہ وصیت کے اپنے خاوند سے لے سکتی ہے،

والشاھد فیہ لو اوصی لزوجتہ اوھی لہ ولم یکن ثمۃ وارث اٰخر تصح الوصیۃ ابن کمال درمختار[2]۔ھذا ما عندی ولعل عند غیری ابلغ من ھذا۔	اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر مرد نے اپنی بیوی کے لئے یابیوی نے اپنے شوہر کے لئے وصیت کی درانحالیکہ وہاں کوئی اور وارث نہیں تو وصیت صحیح ہے،ابن کمال(درمختار)،یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے ہوسکتاہے میرے غیر کے پاس اس سے بڑھ کر موجود ہو۔(ت)

استفتاء:ماقولکم رحمکم اللہ(تمہارا کیاارشاد ہے؟اللہ تعالٰی تم پررحم فرمائے۔ت)اندریں صورت ایک شخص مسمّٰی واحد بخش جو عرصہ سے مریض تھا اپنے مرض الموت میں مرنے سے دودن پہلے بدیں مضمون وصیت کی کہ چونکہ میں بیمار ہوں اورحیات ناپائیدار پراعتبار نہیں ازاں بعد میں وصیت کرتاہوں کہ فلاں فلاں زیورات قیمتی(سماعہ عہ)میرے مرنے کے بعد میری زوجہ مسماۃ عالم خاتون کو بعوض حق المہر دیئے جائیں اور ماسوائے اس کے کل جائداد میری کامالک مسمّٰی شاہ محمد خاں ہوگا،

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

بعد کرنے اس وصیت کے فوت ہوگیااور واضح رہے کہ واحد بخش متوفی وصیت کنندہ کابغیر عالم خاتون کے جو اس کی زوجہ ہے اور کوئی وارث نہیں شاہ محمد موصی لہ ایک اجنبی آدمی ہے،اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعًا ایسی وصیت کو کیا حکم ملتاہے، بوقت موجودگی وارث دیگرا جنبی کے واسطے وصیت جائز ہے یانہ؟اگر جائز ہے تو جمیع مال سے یا ثلث میں عورت کو شرعًا اس کے متروکہ سے کچھ حصہ ملے گا یانہیں؟اوراگر ملے گا تو کیا؟ **بیّنوا توجروا۔**

نقل جواب ۳ وباللہ التوفیق

شرعًا بوقت موجودگی ورثہ میت بجمیع مال نافذ نہیں ہوسکتی، ثلث سے جاری ہوگی ثلث یعنی مال متروکہ سے تیسرے حصہ سے زیادہ وصیت کرنا ناجائز ہے جن جن زیورات کے بارہ میں مسمّٰی واحد بخش متوفی بعوض حق المہر مسماۃ عالم خاتون زوجہ خود کے دینے کی وصیت کرگیا ہے وہ اس کافرض تھااور اس کاادا کرنا اس کو فرض تھا،

ویبدأ من ترکۃ المیت بتجھیزہ ثم دینہ۔کنز الدقائق۔[1]	ترکہ میت میں سے ابتداء اس کی تجہیز و تکفین سے کی جائے گی پھر اس کاقرض ادا کیاجائے گا(کنزالدقائق)۔(ت)

اس کے ماسوا باقیماندہ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ متروکہ واحد بخش متوفی موصی میں سے ثلث یعنی تیسرا حصہ شاہ محمد موصی لہ کو شرعًا دیا جائے گا،

ولاتصح بمازاد علی الثلث ۱۲کنزالدقائق۔[2] ولاتجوز بمازاد علی الثلث لانہ حق الورثۃ ۱۲ھدایہ[3] وتجوز بالثلث للاجنبی عند عدم المانع وان لم یجز الوارث ذٰلك لاالزیادۃ	تہائی مال سے زائد پر وصیت صحیح نہیں،(کنزالدقائق)(ت) تہائی مال سے زائد پر وصیت جائز نہیں کیونکہ وہ وارثوں کا حق ہے ۱۲(ہدایہ)(ت) اجنبی کے لئے تہائی مال کی وصیت جائز ہے جبکہ کوئی مانع موجود نہ ہو اگرچہ وارث اس کی اجازت نہ دے۔تہائی سے زائد کی وصیت

[1] کنزالدقائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۳

[2] کنزالدقائق کتاب الوصایا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۱۴

[3] الھدایۃ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

علیہ۱۲الدر المختار[1]۔	جائز نہیں ۱۲الدر المختار (ت)

اور باقی اس کی زوجہ مسماۃ عالم خاتون کو دیا جائے گا کیونکہ ربع اس کو بالفریضہ ملتا ہے،

فللزوجات حالتان الربع بلاولد والثمن مع الولد۱۲ الدر المختار۔[2] والربع للزوجات اذا لم یکن ولد و ولد ابن ۱۲جوھرہ نیرہ۔[3]	بیویوں کی دو حالتیں ہیں، اگر مرنے والے شوہر کی اولاد نہ ہو تو بیویوں کو کل مال کا چوتھا حصہ اور اولاد ہو تو آٹھواں حصہ ملتا ہے ۱۲درمختار (ت) اور بیویوں کو چوتھا حصہ ملے گا اگر مرنے والے شوہر کی اولاد نہ ہو تو ۱۲جوہرہ نیرہ (ت)

اور باقی بھی مساۃ عالم خاتون کو بالرد ملتا ہے یعنی بوقت نہ ہونے دیگر ورثہ کے اس پر یعنی زوجہ پر رَد کیا جائے گا،

قلت وفی الاشباہ انہ یرد علیھما فی زماننا لفساد بیت المال وقدمناہ فی الولاء، الدر المختار[4]۔ قولہ وفی الاشباہ قال فی القنیۃ و یفتی بالرد علی الزّوجین فی زماننا لفساد بیت المال و فی الزیلعی عن النھایۃ مافضل عن فرض احد الزوجین یرد علی و کذا البنت والابن من الرضاع یصرف الیھما	**میں کہتا ہوں** کہ اشباہ میں ہے کہ ہمارے زمانے میں بیت المال کے فاسد ہوجانے کی وجہ سے زوجین پر میراث کو رَد کیا جائے گا۔ اس کا ذکر ہم کتاب الولاء میں کر آئے، درمختار۔ (ت) اور اس کا قول کہ "اشباہ میں ہے "قنیہ میں فرمایا ہمارے زمانے میں بیت المال کے فاسد ہوجانے کی وجہ سے زوجین پر رَد کا فتوی دیا جائے گا، اور زیلعی میں نہایہ سے منقول ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک فرضی حصہ کی وصولی کے بعد جو کچھ بچ جائے وہ اسی پر لوٹا دیا جائے گا۔ اسی طرح رضاعی بیٹے اور بیٹی کی طرف میراث کو

[1] الدر المختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱۷

[2] الدر المختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۵۵

[3] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الفرائض مکتبہ امدادیہ ملتان ۲ /۴۰۹

[4] الدر المختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۶۱

وقال فی المستصفٰی والفتوی الیوم بالرد علی الزوجین وھو قول المتأخرین من علمائنا وقال الحدادی الفتوی الیوم بالرد علی الزوجین وقال المحقق احمد بن یحیی ابن سعد التفتازانی افتی کثیر من المشائخ بالرد علیھما اذا لم یکن من الاقارب سواھما لفساد الامام۔ ردالمحتار شرح الدر المختار۔ [1]	لوٹا جائے گا۔اور مستصفی میں کہاآج کے دور میں فتوی زوجین پر رَد کرنے کے ساتھ ہے۔یہی قول ہمارے متأخر علماء کا ہے۔ حدادی نے کہاکہ آج کل فتوی زوجین پر رَد کرنے کے ساتھ ہے۔احمد بن یحیٰی بن سعد تفتازانی نے کہا بہت سارے مشائخ نے زوجین پر رَد کا فتوی دیا جبکہ ان کے علاوہ عزیزواقارب میں سے کوئی موجود نہ ہو کیونکہ حکمران بگڑ چکے ہیں،ردالمحتار شرح الدرالمختار (ت)

عبارت کتب معتبرہ مرقومۃالفوق سے ظاہر ہے کہ جمیع مال سے ایک ثلث مسمّٰی شاہ محمد خاں موصی لہ لے گااور دو ثلث مسماۃ عالم خاتون زوجہ متوفی کو ملیں گے۔واللہ اعلم بالصواب عندہ ام الکتاب۔۲۰/رجب المرجب ۱۳۲۹ھ۔(مفتی مولوی محمد مجید صاحب لاہوری نے تحریرفرمایا)مگرائمہ متاخرین یہ فرماتے ہیں کہ بچاہواترکہ جس طرح پہلی قسم کے حصے داران پر بحصہ رسدی رَد ہوسکتاہے اسی طرح دوسری قسم کے حصہ داران پر بھی رَد ہوسکتاہے اگر متوفی کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہوتو جوکچھ بچا ہواترکہ ہو وہ احدالزوجین کو دے دیں گے یعنی موصی لہ بکل المال کو نہ دیں گے انتہٰی خلاصہ دو ورق کا یہ دوسطریں ہیں۔

نقل جواب ۴

(تردید منجانب علمائے ریاست بہاولپور)

ہمارے ہاں بھی مسلم اورماعلیہ العمل یہی قول متاخرون کا ہے جوالیوم رد علی الزجین (آج کل زوجین پر رد۔ت) پرفتوی ہے اور سیدنا امیر المومنین عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث اور ان سے بیان وجہ رد علی الزوجین کااگرچہ درمختار میں اس کاماعلیہ اورشامی میں اس سے جواب نقلا عن روح الشروح کمال الوضوح (روح الشروح سے کامل وضاحت کے ساتھ نقل کرتے ہوئے۔ت)کے مُبیَّن ہے تاہم مع قطع النظران دونوں امروں کے ہم کو بالراس والعین منظور ہے مگرتاسف اس کم توجہی مفتی صاحب پر ہے کہ رد علی الزوجین کا محل الوقوع اور موقعہ ملحوظ نہ کرنااور بلاتامل اس کے موصی بجمیع المال سے مقدم رکھنا خلاف عقل اور نقل ہے اور سراسر تحکم وتعسف اوردعوی بلادلیل ہے فقہاء نے رد علی الزوجین کی علت مرادایہ بیان فرمائی ہے

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۰۲

کہ لفساد بیت المال (بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے۔ت) چنانچہ مفتی صاحب نے بھی خود تحریر کیا ہے اور یہ تو ایک دفعہ بھی نہیں لکھا کہ لفساد الوصیۃ لجمیع المال (کل مال کی وصیت کے فاسد ہونے کی وجہ سے۔ت) اس سے صاف ظاہر ہے کہ رد علی الزوجین جو بناء علی مذہب المتاخرین قول مفتٰی بہ ہے اس کا درجہ صاف ظاہر ہے کہ رد علی الزجین جو بناء علی مذہب المتاخرین قول مفتٰی بہ ہے اس کا درجہ صرف بیت المال سے مقدم ہے چنانچہ بنات المعتق وذوی ارحامہ والبنت والابن من الرضاع (معتق کی بیٹیوں، اس کے ذوی الارحام، اس کی رضاعی بیٹی اور اس کے رضاعی بیٹے۔ت) کو بیت المال سے تقدیم ہے،

کما حققناہ الشامی [1] رحمہ اللہ تحت قولہ فی الاشباہ نقل عن معراج الدرایۃ۔	جیسا کہ اس کی تحقیق علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے مصنف کے قول فی الاشباہ کے تحت معراج الدرایہ سے نقل فرمائی ہے۔(ت)

نہ یہ کہ رد علی الزوجین کو مستحقین پر تقدیم ہے بلکہ رد علی ذوی الفروض النسبیہ وذوی الارحام موصی لہ بکل المال (نسبی ذوالفرض پر رد، ذوی الارحام اور وہ جس کے حق میں تمام مال کی وصیت کی گئی۔ت) جو اہل استحقاق ہے یہ سارے فریق رد علی الزوجین سے مقدم ہیں اب جزئی صریح اس امر کی کہ:

الموصی لہ بجمیع المال مقدم علی الرد علی الزوجین۔	جس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی وہ زوجین پر رَد سے مقدم ہے۔(ت)

ہدیہ ناظرین ہے،

وفی السراجی ثم الموصی لہ بجمیع المال ثم بیت المال [2] ان لم یکن احد المذکورین فالمال کلہ للموصٰی لہ لان منعہ عن زیادۃ الثلث کان للمضرۃ بالورثۃ وقد انتفی بہا	سراجی میں ہے پھر وہ جس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی پھر بیت المال، اگر ان میں سے کوئی موجود نہ ہو جن کا ذکر کیا گیا ہے تو سارا مال اس شخص کو دیں گے جس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی، اس لئے کہ اس کے لئے تہائی مال سے زائد کی ممانعت وارثوں کے

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

[2] السراجی فی المیراث خطبۃ الکتاب مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص۵و۶

وان کان احدالزوجین فالباقی لہ وان کان وارث غیرھما فللموصی لہ الثلث[1] ۱۲شیخ الاسلام ضیاء السراج السراجی۔ وفی المستصفٰی والفتوی الیوم علی الرد علی الزوجین عند عدمہ المستحق لعدم بیت المال[2] ۱۲شامی تحت قولہ وفی الاشباہ والفتوی الیوم بالرد علیھما اذا لم یکن للباقی مستحق لان الظلمۃ لایصرفون مال بیت المال الی مصرفہ مستصفٰی۔[3]	ضرر کی وجہ سے تھی اور وہ یہاں منتفی ہے۔اور اگر زوجین میں سے کوئی ہے تو باقی اس کو دیں گے۔اور اگر ان دونوں کے علاوہ کوئی وارث ہے تو پھر جس کے حق میں کل مال کی وصیت ہے اس کو ایک تہائی دیں گے ۱۲شیخ الاسلام ضیاء السراج السراجی۔ مستصفٰی میں ہے آج کل فتوی زوجین پر لوٹانے کے ساتھ ہے جبکہ کوئی اور مستحق موجود نہ ہو بیت المال کے نہ ہونے کی وجہ سے ۱۲شامی تحت قولہ وفی الاشباہ۔اور فتوی آج کل زوجین پر لٹانے کا ہے جبکہ باقی کا کوئی اور مستحق موجود نہ ہو اس لئے کہ ظالم حکمران بیت المال کے مال کو اس کے مصرف میں خرچ نہیں کرتے (مستصفٰی) (ت)

جو نقل مستصفٰی کا مفتی صاحب نے شامی سے تحت قولہ وفی الاشباہ لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تمام قول کو اول سے آخر تک نہیں دیکھا اگر دیکھتے اور غور کرتے تو عند عدم المستحق کی قید ضرور ساتھ لگاتے جو اس قول میں درج ہے اور ہر جگہ رَد ہے صرف ناتمام جزئ نقل کرکے خوش ہورہے ہیں نقل میں ماقبل اور مابعد کے لحاظ چاہئے تاکہ نقل صحیح اور تمام ہو نہ کہ ناقص اور غلط، ہاں اگر دیدہ ودانستہ دیکھ کر نہیں لکھا تو سفسطہ اور مکابرہ ہے۔

ولیستوضح لك معنی المستحق ویأتیك تحقیقہ عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی۔	اور تیرے لئے مستحق کے معنی کی وضاحت کرتے اور اس کی تحقیق آرہی ہے عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی۔(ت)

اب توجہ فرمایئے کہ یہ فریق ایک دوسرے کے عدیل اور ردیف ہیں سوائے بیت المال کے

[1] ضیاء السراج حاشیۃ السراجی خطبۃ الکتاب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۰۲

[3] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۰۲

سارے فریق رد علی الزوج سے مقدم ہیں۔

ثم رد علی ذوی الفروض النسبیۃ بقدر حقوقھم ثم ذوی الارحام ثم بعدھم مولی الموالاۃ کما مر فی کتاب الولاء ولہ الباقی بعد فرض احدالزوجین ثم المقرلہ بنسب علی غیرہ لم یثبت فلوثبت حقیقۃ و زاحم الورثۃ ثم بعدھم الموصی لہ بمازاد علی الثلث و لوبالکل ثم یوضع فی بیت المال ۱۲درمختار۔[1]	پھر نسبی ذوی الفروض پر ان کے حقوق کے مطابق رد کرنا پھر ذوی الارحام پھران کے بعد مولی الموالاۃ۔ جیساکہ کتاب الولاء میں گزرا۔اوراس کو زوجین میں سے ایک کا فرضی حصہ نکالنے کے بعد جو باقی بچے گا وہ ملے گا۔ پھر وہ شخص جس کے لئے کسی غیر پر نسب کااقرار کیاگیاہو اورنسب ثابت نہ ہوااور اگرحقیقۃً اس کانسب ثابت ہوگیا تو وہ وارثوں میں شریک ہوجائے گا۔ پھران کے بعد وہ شخص جس کے لئے تہائی سے زائد کی وصیت کی گئی ہو اگرچہ کل مال کی ہو پھربیت المال میں رکھاجائے گا۔ (درمختار)۔(ت)
قولہ ثم ذوی الارحام ای یبدأ بھم عند عدم ذوی الفروض النسبیۃ والعصبات فیاخذون کل المال اوما بقی عن احدالزوجین لعدم الرد علیھما ۱۲شامی[2]۔	ماتن کا قول "پھرذوی الارحام" اس کامطلب یہ ہے کہ ذوی الارحام سے ابتداء ہوگی جبکہ نسبی ذوی الفروض اور عصبات نہ ہوں تو وہ ذوی الارحام کل مال لیں گے یا وہ مال لیں گے جو زوجین میں سے ایک کے فرضی حصہ وصول کرنے کے بعد باقی رہ جائے کیونکہ زوجین پر رد نہیں ہوتا ۱۲ شامی (ت)
قولہ ولہ الباقی ای ان لم یوجد احد ممن تقدم فلہ کل المال الا ان وجد احد الزوجین	ماتن کاقول کہ "اس کے لئے باقی ہے" یعنی اگر ماقبل میں مذکور افراد میں سے کوئی موجود نہ ہوتو کل مال اسی کاہے مگرجب زوجین میں سے

[1] درمختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۴۔۳۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۷

فله الباقی عن فرضه ۱۲شامی[1]۔	کوئی موجود ہو تواس کے فرضی حصہ کے بعد باقی بچے گا وہ اس کو ملے گا ۱۲شامی (ت)
قوله ثم المقرله بنسب علی غیره فیعطی کل المال الا اذاکان احد الزوجین فیعطی مافضل بعد فرضه۱۲ شامی۔[2]	ماتن کا قول کہ "پھروہ جس کے لئے غیر پر نسب کااقرار کیا گیاہے" یعنی اس کو کل مال دیاجائے گا مگرجب زوجین میں سے کوئی ایک موجود ہوتو اس کے فرض حصہ کے بعد جو باقی بچاہواس کو ملے گا ۱۲شامی (ت)
قوله لم یثبت ای یکون ھذا الاقرار وصیة معنیً ولذا صح رجوعه عنه ولاینتقل الی فرع المقرله ولا اصله ۱۲شامی[3]۔	ماتن کا قول کہ "نسب ثابت نہیں ہوا" یعنی یہ اقرار باعتبار معنی کے وصیت ہے اسی لئے اس سے رجوع کرنا صحیح ہے اوریہ اقرار نہ تومقرلہ کی فرع کی طرف منتقل ہوگا اورنہ ہی اس کی اصل کی طرف ۱۲شامی (ت)
(قوله ثم بعدھم)ای اذا عدم من تقدم ذکرہ یبدأ بمن اوصی له بجمیع المال فیکمل له وصیته لان منعه عما زاد علی الثلث کان لاجل الورثة فان لم یوجد احدمنھم فله عندنا ماعین له کملا سید ولا یخفی ان المراد انه	ماتن کا قول "پھران کے بعد" یعنی مقدم الذکر تمام مفقود ہوں تو ابتداء اس شخص سے کی جائے گی جس کے لئے تمام مال کی وصیت کی گئی ہے اور اس کے لئے وصیت کی تکمیل ہوگی کیونکہ تہائی مال سے زائد کی وصیت وارثوں کی وجہ سے ممنوع تھی، جب ورثاء میں سے کوئی ایک بھی موجد نہیں تو ہمارے نزدیک وہ تمام وصیت والے کو دیں گے جس کاتعین موصی نے اس کے لئے کیاہے (سید) اور

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۸۷

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۸۷

[3] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۸۸

یاخذ الزائد بطریق الاستحقاق بلاتوقف علی اجازۃ فلایرد ان اخذ الزائد لایشترط فیہ عدم الورثۃ اذ لواجازوا جاز ۱۲شامی[1]۔	پوشیدہ نہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تہائی مال سے زائد بطوراستحقاق لے گا، کسی کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا، چنانچہ یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ زائد کے لینے کے لئے وارثوں کامعدوم ہونا شرط نہیں کیونکہ اگروہ اجازت دیں توزائد کالینا جائز ہوتا ہے ۱۲شامی (ت)

اس عبارت لایخفی (پوشیدہ نہیں۔ت) سے مخفی نہیں ہے بلکہ صاف ظاہر ہے کہ موصی لہ بکل المال مستحق ہے اور وہ رد علی الزوجین پر مقدم ہے ھذا ماوعدناہ من قبل والحمدللہ علی الوفاء (یہ وہ ہے جس کاوعدہ ہم نے ماقبل میں کیا تھااس کے پورا کرنے پر تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں۔ت) اور قولہ لم یثبت (اس کا قول کہ ثابت نہیں۔ت) کی تحقیق علامہ شامی رحمہ اللہ سے کھل گیاکہ جب اقرار مذکور کو معنًی وصیت قرار دیا گیا اور مقرلہ مذکور جمیع مال کا مستحق بنابعد اخراج اصل فرض احدالزوجین سے تو یہ شان وصیت کا ہے پس اس میں کوئی شک نہ رہا کہ وصیت بجمیع المال کو تقدیم ہے رد علی الزوجین پر۔ الاٰن حصص الحق (اب حق واضح ہوگیا۔ت)

قولہ ثم یوضع فی بیت المال ای ان لم یوجد موصی لہ بالزائد یوضع کل الترکۃ فی بیت المال اوالباقی ان وجد موصی لہ بمادون الکل ۱۲شامی[2]	ماتن کا قول "پھربیت المال میں رکھاجائے گا" یعنی جب ایسا شخص نہ پایاجائے جس کے لئے تہائی سے زائد کی وصیت کی گئی ہے تواس صورت میں کل مال اور تہائی سے زائد اور کل سے کم وصیت والے شخص کے ہوتے ہوئے باقی مال بیت المال میں رکھاجائے گا ۱۲شامی (ت)

باقی رہایہ امر کہ آیارد علی الزوجین اورادخال الترکۃ فی بیت المال میں سے کون مقدم ہے سو متقدمین کے نزدیک بیت المال مقدم ہے کیونکہ اس نیک عصر میں بیت المال صلاحیت میں تھے اور مصرفون مستحقوں میں خرچ ہوتے تھے اور متاخرون کے نزدیک بسبب فساد بیت المال کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۸۸

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۸

رد علی الزوجین مقدم ہے بیت المال پر اور الیوم فی زماننا ھذا مفتی بہ (اور آج کے ہمارے زمانے میں اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔ ت) یہ قول ہے اور ہمارا مسلک بھی یہی ہے اور عمل ہمارا بھی اسی پر ہے۔

وفی القنیة ویفتی بالرد علی الزوجین فی زماننا لفساد بیت المال ۱۲شامی۔ [1]	قنیہ میں ہے ہمارے زمانے میں بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے زوجین پر رد کا فتوٰی دیا جائے گا ۱۲شامی (ت)

صاف ظاہر ہے کہ رد علی الزوجین مقابل اور مربوط بیت المال سے ہے نہ کہ وصیت بکل المال سے وھدایة الانصاف من اللہ الھادی (اور انصاف کی ہدایت ہدایت دینے والے اللہ تعالٰی کی طرف ہے۔ت) بڑے تعجب کی بات ہے کہ اتنے دراز عرصہ تک علمائے لاہور نے اپنے دعوی الرد علی الزوجین مقدم علی الوصیۃ لجمیع المال (زوجن پر رَد اس شخص پر مقدم ہے جس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی۔ت) کی ضعیف جزئی بھی ثابت نہ کی، صرف نکمّی تطویل سے اوراق لکھ لکھ کر تضییع اوقات عزیزہ کی فرمائی، صرف رد علیہا کے مسئلہ معروفہ کو لکھ بھیجا جن کا انکار بھی کسی کو نہ تھا سو وہ مسئلہ ایسا بے موقعہ فرمایا جس کی تردید سے کتاب مملوو مشحون ہیں علمایان ریاست نے اپنے دعوی الوصیة بکل المال مقدم علی الزوجین (تمام مال کی وصیت مقدم ہے زوجین پر رد کرنے سے۔ت) پر، پہلے ابتدائے مسئلہ میں اور اب اس تردید کے ضمن میں کیا صاف صاف واضح جزئیات اظہر من الشّمس ہدیہ ناظرین کئے ہیں، انصاف فرمایا جائے۔

تذییل: ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ جن مفتی صاحبان لاہور نے پہلے استفتاء بھیجا تھا اب ہماری تردید پہلے کو ملاحظہ فرما کر وہ صاحبان موصوفہ تو بنظر الانصاف خیر الاوصاف لب بسکوت ہو رہے ہیں اب اس دوسری مرتبہ مولوی مفتی محمد مجید صاحب کو اشتعال آیا تو انھوں نے قلم اٹھایا اب یقین ہے کہ اس جواب کو ملاحظہ فرما کر وہ بھی تسلیم فرمائیں گے اور تحسین کا تحفہ ہم داعیان بالخیر کی طرف ارزانی فرمائیں گے خداوند کریم کرے کہ ان کا شعلہ اس پانی سے مطفی ہوا اور بجھ جائے،

ورجاء القبول والثواب من اللہ تعالٰی وھو اعلم واحکم بالصواب۔	قبول وثواب کی امید تعالٰی سے ہے درستگی کو خوب جاننے والا اور مضبوط وبہتر حکم ولا ہے (ت)

محررہ بتاریخ ۱۶/اگست ۱۲ء

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

نقل جواب ۵: متوفی کے اقرار نامہ میں یہ الفاظ ہیں مالک اور قابض شاہ محمد خاں مذکور ہے یعنی غرضیکہ مالک شاہ محمد خاں مکانات وغیرہ کا ہے یہ جملہ شرائط میرے قابل قبول ہوں گے جب تک میں حیات میں موجود ہوں کسی کا تعلق نہیں بعد میں بموجب بالا تقسیم ہوں گی، ان لفظوں سے تملیک بعدالموت جس کو وصیت کہتے ہیں ثابت نہیں ہوئی تو شرعاً اس کا کیانام ہے بیان کیجئے:

سوالات عدالت

(۱) کیابروئے شرع شریف یہ وصیت مرض الموت میں ہوئی، اور اگر ہوئی تواس سے جوازی پر کیااثر پڑتا ہے؟

(۲) چونکہ شاہ محمد مدعاعلیہ بالکل اجنبی ہے اور وصیت مدعیہ اس کے حق میں ہے ایسی وصیت مدعیہ کے اعتراض پر کس حد تک جائز رہ سکتی ہے یعنی جائداد مدعیہ کو کیاحصہ ملنا چاہئے اور مدعاعلیہ کو کیاحصہ ملنا چاہئے؟

(۳) جو خاص زیورات قیمتی سماعہ عہ بروئے وصیت مدعیہ کو دلائے گئے ہیں اس میں سے مدعاعلیہ کو کوئی حصہ بروئے وصیت مل سکتاہے یاکہ ان زیورات کو حصہ بنا کر باقی جائداد میں ہردوفریق کو وہ حصص ملیں گے جو بروئے سول ۲اس کے پائے جائیں۔

(۴) اخراجات تجہیز وتکفین مدعاعلیہ نے کئے ہوں وہ مدعاعلیہ کو علاوہ ملیں گے یاکہ اس کے اپنے حصہ میں چارج ہوں گے یاکہ مدعا علیہ کے حصہ پر ان کا بار ہوگا؟

(۵) مکان میں جو خوبصورت حق متوفی میں رہنے کے مدعیہ کو حق رہائش دیا گیا وہ شرعاً جائز ہے اور اثر پذیر ہے جبکہ مدعیہ کے اعتراض پر اس کی بروئے سوال ۲ ایک حصہ مکان بتملیک قطعی دیدیا جائے؟

(۶) حق متوفی میں رہنے کی شرط پر مدعیہ کو کسی ظروف وغیرہ کا بھی دیا جانا درج وصیت ہے کیایہ جائز ہے اور بلحاظ سوال ۳ اثر پذیر ہوسکتاہے؟

(۷) جو حصہ جائداد متوفی میں ہردوفریق کا بروئے سوال ۲ قرار پائے وہ مکانات میں اور جائداد منقولہ ۲ وغیر منقولہ کی قیمت مقرر کرکے صرف نقدی رقم بموجب حصہ کے مدعیہ کو دلائی جاسکتی ہیں۔

جواب شرع شریف

شرعاً یہ وصیت مرض الموت میں ہوئی اور اس سے جوازی وصیت پر یہ اثر پیدا ہوا کہ حق الارث

شرعی مدعیہ کے ماسوائے مدعاعلیہ کو ملے جو موصی لہ ہے جیساکہ جواب سوال ۲ میں ہر ایک کا حق ظاہر کیاجائے گا مدعیہ نے اس وصیت پر اعتراض کیا اس شرعًا جائداد متوفی میں سے مدعیہ وارث شرعیہ کو ۶/ ۱ حصہ ملنا چاہئے مدعیہ وارث شرعی ہے اس کے حق میں وصیت نہ سمجھی جائے اس لئے کہ وارث شرعی کے واسطے وصیت ناجائز ہے بلکہ یہ زیورات حق مہر کے عوض سمجھے جائیں جیساکہ خود مدعیہ کا قول ہے اور خود عبارت وصیت نامہ کی متحمل قوی یہ ہے اور حق مہر دین ہوتا ہے اس ئے وصیت اور ارث دونوں سے مقدم ہے مدعاعلیہ موصی لہ کا تعلق ان زیورات کے ساتھ نہ سمجھا جائے ماسوائے زیورات کے کل جائداد میں ہر فریق کو اپنا اپنا حصہ ملے گا جیساکہ بالا تشریح ہوچکی ہے اخراجات تجہیز و تکفین کا بار حصہ مدعاعلیہ پر جو اس نے اپنے اختیار سے اپنے مال سے خرچ کیا ہے، صرف خرچ کرنے دفن میت کا چھ سات روپیہ تک آخر دس روپیہ تک اس کا بار فریقین پر ہے اس قدر سے زیادہ خرچ کا بار خرچ کرنے والے پر ہے، بعد وفات متوفی کے مدعیہ کا حق سوائے چہارم مابقی من الدین والوصیۃ کے کوئی حق رہائش مکان ونان نفقہ وغیرہ کا نہیں ہے صورت متنازعہ میں مال متوفی منقولہ وغیر منقولہ سے اگر مدعیہ کو (۶/ ۱) حصہ تقسیم کرکے بطور تملیک قطعی دے دیاجائے تو حق سے اس کے پورے ہوچکے اس میں کوئی اثر نہیں ہے۔ شرعًا ظروف وغیرہ کا بھی بلحاظ سوال نمبر ۲۔ ۶/ ۱ حصہ مدعیہ کو تقسیم کرکے دے دیا جائے فوت ہونے متوفی کے بعد مال متروکہ متوفی کا علی حسب حصص شرعی جبرًا تملیک ورثاء باقیماندہ کے ہوجاتا ہے بعد فوتیدگی صرف تقسیم کرنے متروکہ کے حاجت ہوتی ہے اس صورت میں مدعیہ کو اختیار ہے اگر چاہے ہر حصہ سے ۶/ ۱ حصہ بجنسہٖ لے سکتی ہے اگر باختیار خود اپنے حصہ ۶/ ۱ فریق ثانی سے لے لے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

الاٰن نکتب الروایات الفقھیۃ عن المعتبرات الحنفیۃ وفی فتاوی النوازل اوصی لرجل بکل مالہ و مات ولم یترك وارثا الاامرأتہ فان لم تجزفلھا السدس والباقی للموصی لہ لان لہ الثلث بلااجازۃ فبقی الثلثان فلھا ربعھما وھو سدس الکل درمختار [1]	اب ہم احناف کی معتبر کتابوں سے فقہی روایات تحریر کرتے ہیں۔ فتاوٰی نوازل میں ہے کوئی شخص کل مال کی وصیت کسی مرد کے لئے کرکے مرگیا اور سوائے بیوی کے کوئی وارث نہیں چھوڑا، اگر بیوی نے اس وصیت کی اجازت نہ دی تو اس کو کل مال کا چھٹا حصہ ملے گا اور باقی موصی لہ کو ملے گا کیونکہ وہ ثلث کا بغیر اجازت حقدار ہے باقی دو ثلث بچے جن میں سے بیوی چوتھائی کی حقدار ہے جبکہ یہ چوتھائی کل کا چھٹا حصہ ہے، درمختار۔

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

وعلی هذا اذا ترك زوجة لاوارث له غيرها واوصى لرجل بجميع ماله كان لها سدس وللموصى له خمسة اسداس لانها لاتستحق من الميراث شيئا حتى يخرج الثلث للوصية فاذا اخرج الثلث استحقت ربع الباقي ومابقي بعد ذٰلك يكون للموصى له بالجميع واصله من اثنى عشر للموصى له اربعة وهو الثلث يبقى الثلثان، ثمانية للزوجة ربعها اثنان يبقى ستة تعود للموصى له، فيكون له عشرة من اثنى عشر وذٰلك خمسة اسداسها جوهرة النيرة[1] شرح قدوری، وهٰكذا فی فتاوی الهندية وردالمحتار والدر المختار وهذه الكتب من معتبرات الحنفية، وان لم تجز واوصى لها ايضا اولا فقد اوضحه فی الجوهرة فراجعها وردالمحتار فی قوله لاالزيادة عليه[2] الخ۔	اسی بنیاد پر اگر کسی نے بیوی کے علاوہ کوئی وارث نہ چھوڑا اور کسی مرد کے لئے کل مال کی وصیت کرگیا تو بیوی کو کل مال کاچھٹا (۱/۶) حصہ اور وصیت والے مرد کو باقی پانچ چھٹے ملیں گے اس لئے کہ جب تک کل مال سے تہائی حصہ بطور وصیت نہ نکال لیاجائے اس وقت تک بیوی میراث میں سے کسی شیئ کی مستحق نہیں اور جب تہائی حصہ نکال لیاگیا تو باقی کے چوتھائی کی مستحق ہوگی، پھر جو باقی بچ گیا وہ کل مال کی وصیت والے شخص کو ملے گا، اس کی اصل بارہ سے ہے یعنی کل مال کے بارہ حصے بنائے جائیں گے جن سے ایک تہائی یعنی چار حصے بطور وصیت وصیت والے شخص کو ملیں گے باقی دو تہائی یعنی دو حصے بیوی کو ملیں گے پھر جو چھ باقی بچ گئے وہ وصیت والے شخص کی طرف لوٹ جائیں گے تو اس طرح وصیت والے شخص کو بارہ میں سے دس حصے مل گئے جو کہ چھ میں سے پانچ ۶/ ۵ ہوئے (جوہرہ نیرہ شرح قدوری) ایسا ہی فتاوٰی ہندیہ، ردالمحتار اور درمختار میں ہے جو کہ فقہ حنفی کی معتبر کتابیں ہیں، اور اگر بیوی نے اجازت نہ دی جبکہ اس نے پہلے اس کے لئے بھی وصیت کی تھی اس کی وضاحت جوہرہ میں ہے اسی کی طرف رجوع کرنا چاہئے، یہ بات شامی میں ماتن کے قول "لاالزیادۃ علیہ" کے تحت مذکور ہے الخ (ت)

اور صاحبان انجمن مستشار العلماء لاہور نے اس صورت موجودہ میں ۳ /۱ حصہ یعنی سوم حصہ مدعاعلیہ کا بتایا جو موصی لہ تھا اور ۳ /۲ حصہ یعنی دو ثلث حصہ مدعیہ کا بتایا یہ اثر بے غوری اور کمال بے توجہی

[1] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الوصایا مکتبہ امدادیہ ملتان ۲ /۳۹۰

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۱۷

صاحبان کا ہے، اور محض رائے اپنی لکھ دی اور اس بارہ میں روایت ندارد، دراصل مسئلہ شرعی اس طور پر نہیں ہے بلکہ مسئلہ شرعی اس طور پر ہے جو مولوی صاحبان خانپور نے لکھا ہے یعنی ۶ /۱ حصہ مدعیہ وراثہ کا ہے اور ۶ /۵ حصہ مدعا علیہ موصی لہ کا ہے اور اسی مطلب پر روایات کتب معتبرہ مذہب حنفیّہ ناطقہ ہیں اور میرا بھی اتفاق ان صاحبان سے ہے اور وجہ غلطی صاحبان انجمن کی یہ ہے کہ انہوں نے یہ قول دیکھا ہے کہ فی زماننا، مذہب متاخرین کی ایک صورت خاص ہے اور صورت متنازعہ مغائر اس کے ہے یعنی صورت خاص یہ ہے کہ متوفی کے حقداروں میں سے صرف ایک زوجہ اس کی موجود ہے اور ماسوائے اس کے کوئی حقدار نہ ہوئے اور صورت متنازعہ میں زوجہ کے سوائے دوسرا حقدار بھی موجود ہے جو موصی لہ بجمیع المال ہے تو اس صورت خاص میں ۴ /۱ یعنی چہارم حصہ ارثی یعنی سہ ربع باقی ماندہ زوجہ کو بالرد ملنا چاہئے کیونکہ اگر سہ ربع باقیماندہ اس کو نہ دیئے جائیں تو مذہب متقدمین کے مطابق بیت المال کے سوائے دوسری جگہ نہیں ہے سو بسبب فاسد ہونے بیت المال کے فتوی متاخرین کا یہ ہے کہ یہ سہ ربع باقیماندہ بھی زوجہ متوفی پر رَد کئے جائیں کہ وہ وارث شرعی ہے اور بیت المال سے فائق ہے اور یہ فتوی متاخرین کا عندالکل مسلم ہے اگرچہ آج تک اس کار د عمل نہیں ہوا، الاما نحن فیہ میں جاری نہیں ہوسکتا،

كما مر وقال المحقق احمدبن يحيى بن سعد التفتازانی افتی كثير من المشائخ بالرد عليهما اذالم يكن من الاقارب سواهما لفساد الامام وظلم الحكام فی هذه الايام اه وفی المستصفی والفتوى اليوم علی الرد علی الزوجين عندعدم المستحق لعدم بيت المال اذالظلمة لايصرفونه الی مصرفه اه اقول ولم نسمع ايضا فی زماننا من افتی بشيئ من ذٰلك ولعله لمخالفته للمتون فليتأمل، ردالمحتار [1] فی قوله وفی الاشباه الخ	جیسا کہ گزر چکا ہے محقق احمد بن یحیٰی بن سعد تفتازانی نے کہا کہ اکثر مشائخ نے زوجین پر رَد کا فتوی دیا ہے جبکہ ان کے علاوہ دیگر اقارب معدوم ہوں، کیونکہ ہمارے زمانے میں پیشوا خراب اور حکام ظالم ہو چکے وہ بیت المال کو صحیح مصرف میں خرچ نہیں کرتے اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہم نے یہ بھی نہیں سنا کہ ہمارے زمانے میں کسی نے ایسا فتوی دیا ہے شاید اس کے مخالف متون ہونے کی وجہ سے۔ تو اس میں تأمل چاہئے۔ یہ بات ردالمحتار کے کتاب الفرائض، بیان الرد باب العول میں ماتن کے قول "وفی الاشباہ الخ" کے تحت

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۰۲

فی کتاب الفرائض فی بیان الرد فی باب العول۔قال علمائنا رحمھم اللہ تعالٰی تتعلق بترکۃ المیت حقوق اربعۃ مرتبۃ الاوّل یبدأ بتکفینہ وتجھیزہ بلا تبذیر ولاتقتیر ثم تقضی دیونہ من جمیع مابقی من مالہ ثم تنفذ وصایا من ثلث مابقی بعدالدین ثم یقسم الباقی بین ورثتہ بالکتاب والسنۃ واجماع الامۃ سراجی [1]۔ولالوارثۃ وقاتلہ مباشرۃ لاتسببا کما مر الابإجازۃ ورثتہ لقولہ علیہ السلام ولاوصیۃ الوارث الاان یجیزھا الورثۃ یعنی عندوجود وارث اٰخر کمایفیدہ اٰخر الحدیث وسنحققہ ۱۲درمختار [2]۔	مذکورہے۔ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم نے فرمایا کہ میت کے ترکہ کے ساتھ بالترتیب چار حقوق وابستہ ہوتے ہیں سب سے پہلے میت کے مال سے زیادتی یا کمی کئے بغیر تجہیز و تکفین کااہتمام کیاجائے گاپھر باقی بچے ہوئے تمام مال سے میت کے قرضے اداکئے جائیں گے۔پھر قرض کی ادائیگی سے بچ جانے والے مال کے تہائی سے اس کی وصیت نافذکی جائے گی۔پھرجوباقی بچ گیا اسے کتاب اللہ،سنت اوراجماع کے مطابق وارثوں میں تقسیم کیاجائے گا(سراجی)۔وارث اور قاتل المباشرۃ نہ کہ بالسبب کے لئے وصیت جائز نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں جیساکہ گزرچکا،نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ وارث کے لئے وصیت نہیں مگریہ کہ دوسرے ورثاء اس کی اجازت دے دیں یعنی جب کوئی دوسرا وارث موجود ہو جیساکہ حدیث کا آخر اس کافائدہ دیتا ہے۔ہم عنقریب اس کی تحقیق کریں گے(درمختار)۔(ت)

نقل جواب ۶

یہ فقہ کامسلم الثبوت ہے کہ مصارف تجہیز و تکفین شرعی اورادائے قرض کے بعد جس قدر جائداد منقولہ غیر منقولہ باقی بچے اس کے تیسرے حصہ میں وصیت جاری اور نافذ ہوسکتی ہے اوراگر متوفی نے تیسرے حصے سے زیادہ کی وصیت کی تھی تواس زائد علی الثلث پر نافذ ہونا وارثوں کی اجازت پر موقوف رہتا ہے یعنی اگروہ نفاذ کی اجازت دیں تونافذ ہوگی ورنہ نافذنہ ہوگی،کتاب ہدایہ میں ہے:

ولاتجوز بمازاد علی الثلث الا	تہائی مال سے زائد کی وصیت جائز نہیں مگر

[1] السراجی مقدمۃ الکتاب مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۳و۴

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا ۲ /۳۱۹

ان یجیزھا الورثۃ بعد موتہ وھم کبار لان الامتناع لحقھم وھم اسقطوہ۔[1]	یہ کہ دیگر ورثاء موصی کی موت کے بعد اس کی اجازت دے دیں اور وہ ورثاء بالغ ہوں، کیونکہ ممانعت ان کے حق کی وجہ سے ہے اور انہوں نے اپنا حق ساقط کر دیا ہے۔(ت)

چونکہ مسئلہ زیر کتب زیر بحث میں متوفی واحد بخش کی بیوہ موجود ہے جو اس کی وارث ہے اس لئے جس قدر وصیت ترکہ کے ۳ /۱ حصہ سے زیادہ ہے بغیر اجازت عالم خاتون بیوہ متوفی کے نافذ نہیں ہو سکتی، ادائے وصیت کے بعد جس قدر جائداد بچے اس میں سے ۴ /۱ حصہ یعنی چہارم حصہ کی جو اصلی ترکہ کا ۶ /۱ یعنی چھٹا حصہ ہوتا ہے، عالم خاتون بیوہ واحد بخش کا حق ہے۔ کتاب سراجی میں ہے:

یبدأ بتکفیہ وتجھیزہ بلاتبذیر ولاتقتیر ثم تقضی دیونہ من جمیع مابقی من مالہ ثم تنفذ وصایا من ثلث مابقی بعد الدین ثم یقسم الباقی بین ورثتہ بالکتاب والسنۃ واجماع الامۃ۔[2]	ابتداء میت کی تجہیز وتکفین سے کی جائے گی نہ تو اس میں فضول خرچی اور نہ ہی ضرورت سے کمی کی جائے گی، پھر جو باقی بچا اس تمام سے میت کے قرضے ادا کئے جائیں گے، پھر قرض کی ادائیگی کے بعد بچ جانے والے مال کی تہائی سے میت کی وصیتیں نافذ کی جائیں گی، پھر جو باقی بچا اسے کتاب وسنت اور اجماع کے مطابق وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔(ت)

نیز کتاب مذکور میں ہے:

للزوجات حالتان الربع للواحدۃ فاعدۃ عند عدم الولد اوولد الابن وان سفل۔[3]	بیویوں کی دو حالتیں ہیں، اگر مرحوم خاوند کی اولاد یا اس بیٹے کی اولاد نیچے تک کوئی نہ ہو تو ان کو کل مال کا چوتھائی حصہ ملتا ہے چاہے ایک بیوی ہو یا متعدد۔(ت)

جب ترکہ میں سے ۳ /۱ حصہ یعنی تیسرے حصہ من حیث الوصیۃ اور ۶ /۱ یعنی چھٹا حصہ عالم خاتون

[1] الھدایہ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۶۵۱

[2] السراجی مقدمۃ الکتاب مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص۳ و ۴

[3] السراجی فصل فی النساء مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص۱۱

کے من حیث الارث دے دیا گیا تو اب واحد بخش کے ترکہ میں سے ۱ /۳ یعنی آدھا ترکہ باقی رہ جاتا ہے اب سوال یہ ہے کہ باقی ترکہ کس کو دیا جائے، شاہ محمد کو یا عالم خاتون کو؟

یہ مسلم الثبوت مسئلہ ہے کہ اگر حصہ داروں کو جس میں کوئی عصبہ نہ ہو ان کے مقرری حصہ دینے کے بعد ترکہ میں سے کچھ بچ جائے تو وہ بھی حصہ داران پر بحصہ رسدی رد کر دیا جائے لیکن حصہ دار دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ حصہ دار جو متوفی کے برادری کے ہیں مثلاً متوفی کی دختر، اس کی ماں، اس کی ہمشیرہ وغیرہ۔ دوسرے وہ حصہ دار ہیں کہ جن سے صرف نکاح کا تعلق ہے یعنی وہ متوفی کا شوہر ہے اگر متوفی عورت ہو یا وہ متوفی کی بیوہ ہو اگر متوفی مرد ہو ائمہ متقدمین کا یہ مذہب ہے کہ وہ بچا ہوا ترکہ پہلے ہی قسم کے حصہ داران پر رَد کیا جائے گا اور دوسرے قسم کے حصہ داران پر یعنی شوہر یا بیوہ پر اس کا رد نہیں ہوگا اور درصورتیکہ صرف دوسرے ہی قسم کے حصہ دار ہوں ہوگے اور بچا ہوا ترکہ بہ ترتیب ان کو دے دیا جائے گا جو رد کے درجہ کے بعد والے ہیں مثلاً ذوی الارحام کو اور ذوی الارحام بھی نہ ہوں تو مولی الموالات اور مولی المولات بھی نہ ہوں تو مقرلہ النسب پر غیر کو مقرلہ النسب پر، غیر بھی نہ ہوں تو موصی لہ بالزائد علی الثلث کو، موصی لہ بالزائد علی الثلث بھی نہ ہو یا اسے دے کر بھی کچھ بچ رہے تو بیت المال کو دیں گے، علمائے علاقہ بہاولپور نے بزار میں جو نقل فرمائے ہیں وہ اس مذہب متقدمین کے موافق ہیں مگر ائمہ متاخرین فرماتے ہیں کہ بچا ہوا ترکہ جس طرح پہلے قسم کے حصہ داران پر بحصہ رسدی رد ہو سکتا ہے اسی طرح دوسرے قسم کے حصہ داران پر بھی رد ہو سکتا ہے اور اگر متوفی کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو تو جو کچھ بچا ہوا ترکہ ہو وہ احد الزوجین یعنی شوہر کو درصورتیکہ متوفی عورت ہو یا عورت کو درصورتیکہ متوفی مرد ہو دے دیں گے۔ یہی قول حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے، اور اسی قول متاخرین پر فتوٰی دیا گیا ہے، پس اس مفتی بہ قول کے موافق واحد بخش متوفی کے ترکہ میں ہے جو ۴ /۳ یعنی آدھی جائداد عالم خاتون کو بحیثیت رَد کے ملے گی اور ۶ /۱ اس کو بحیثیت میراث کے پہلے ہی مل چکی ہے تو ظاہر ہے کہ عالم خاتون کو اس کے شوہر کے ترکہ میں سے ۶ /۴ یا ۳ /۲ مل جائے گی اور شاہ محمد موصی لہ صرف وصیت کی حیثیت سے ۳ /۱ حقدار رہے گا، اب ہم وہ روایتیں نقل کئے دیتے ہیں جن سے متاخرین کے رد علی الزوجین کا قائل ہونا ہوا اور پھر اس کا مفتی بہ ہونا ثابت ہو۔ کتاب درمختار میں ہے:

فان فضل عنها ای عن الفروض والحال انہ لا عصبة ثمة یرد	اگر میت کا ترکہ فروض سے بچ جائے درانحالیکہ کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو وہ بچا ہوا مال پھر

ذٰلك الفاضل عليهم بقدر سهامهم اجماعًا لفساد بيت المال الاعلى الزوجين فلايرد عليهما، وقال عثمان رضي الله عنه يرد عليهما ايضا قاله المصنف وغيره قلت وجز في الاختيار بان هذا وهم من الراوي فراجعه قلت وفي الاشباه انه يرد عليهما في زماننا لفساد بيت المال۔[1]	ذوی الفروض پر ان کے حصوں کے مطابق لوٹادیا جائے گا کیونکہ بیت المال میں فساد آچکا ہے، مگر زوجین پر رَد نہیں کیا جائے گا، عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ زوجین پر بھی رد کیا جائے گا۔ مصنف وغیرہ نے یونہی کہا ہے، میں کہتا ہوں اختیار میں یقین کیا ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے تو اس کی طرف رجوع کر۔ میں کہتا ہوں اشباہ میں ہے کہ ہمارے زمانے میں بیت المال کے فاسد ہوجانے کی وجہ سے زوجین پر رد کیا جائے گا۔ (ت)

کتاب ردالمحتار میں ہے:

قوله وفي الاشباه الخ قال في القنية ويفتى بالرد على الزوجين في زماننا لفساد بيت المال وفي الزيلعي عن النهاية مافضل عن فرض احد الزوجين يرد عليه و كذا البنت والابن من الرضاع يصرف اليهما وقال في المستصفى والفتوى اليوم بالرد على الزوجين وهو قول المتاخرين من علمائنا وقال الحدادي الفتوى اليوم بالرد على الزوجين وقال المحقق احمد بن يحيى بن سعد التفتازاني افتى	مصنف کا قول "الاشباہ میں ہے" قنیہ میں کہا کہ ہمارے زمانے میں بیت المال کے فساد کی وجہ سے زوجین پر رَد کا فتوٰی دیا جاتا ہے۔ زیلعی میں نہایہ سے منقول ہے کہ زوجین میں ایک کے فرضی حصہ قبول کرنے کے بعد جو بچ جائے وہ اسی پر رَد کردیا جائے گا۔ یونہی رضاعی بیٹی اور رضاعی بیٹے کی طرف رَد کردیا جائے گا۔ مستصفٰی میں کہا کہ آج کے دور میں زوجین پر رد کا فتوٰی ہے اور یہ ہی ہمارے متاخرین علماء کا قول ہے، حدادی نے کہا آج کے دور میں زوجین پر رَد کا فتوٰی ہے۔ محقق احمد بن یحیٰی بن سعد تفتازانی نے کہا کہ بہت سے مشائخ نے

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۶۱

کثیرمن المشائخ بالرد علیھما اذا لم یکن من الاقارب سواھما [1]۔	زوجین پر رَد کافتوی دیا ہے جبکہ ان کے علاوہ دیگر اقارب معدوم ہوں۔(ت)

مندرجہ بالا روایتوں سے رد علٰی الزوجین کامذہب متاخرین نیزاسی کامفتی بہ ہونا بوضاحت ثابت ہوگیااوراب معلوم ہوگیاکہ علماء علاقہ بہاولپور کی منقولہ روایتیں متقدمین کے مذہب کے موافق ہیں مگر مفتی بہ متاخرین کاقول ہے اراکین مستشار العلماء کو معلوم تھاکہ عام اور مشہور قول عدم الرد علی الزوجین کے موافق عالم خاتون کو صرف ۶ /۱حصہ مل سکتاہے لیکن کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ایک عام اور مشہور قول کے واسطے قول بالرد علی الزوجین کوجس پرفتوی بھی دیاگیا ہے چھوڑدیں اور خاص کرجبکہ وہ بالکل معقول بھی ہوکیونکہ بعض صورتوں میں جبکہ تمام حصے داروں کے مقرری حصے دینے سے متوفی کاترکہ قاصر ہو جس کو علم الفرائض کی اصطلاح میں عول کہتے ہیں توسب حصے داروں کے حصوں میں سے رسدی طورپر کم کرلیتے ہیں اوراس میں زوجین کو مستثنٰی کرتے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ جب متوفی کے ترکہ میں سے کچھ بچ جائے تواس بچے ہوئے کے دینے سے زوجین کومستثنٰی کردیں اوران کوکچھ بھی نہ دیں خاص کرجبکہ متوفی کاکوئی رشتہ دار بھی موجودنہ ہو غرض قول بالرد علی الزوجین کوجو معقول بھی ہےاور مفتی بہ بھی ہے جیساکہ مندرجہ بالاروایتوں سے ثابت ہوتاہے چھوڑدینااور قول بعدم الرد علی الزوجین پر عمل کرنا خصوصًا جبکہ متوفی کاکوئی رشتہ دار موجودنہ ہو روایت اور درایت دونوں کے برخلاف ہے۔

نوٹ: وصیت نامہ پرغورکرنے سے یہ بھی معلوم ہوتاہے کہ واحد بخش متوفی نے شاہ محمد خاں کے حق میں کچھ بھی وصیت نہیں کی ہے بلکہ اس کو صرف اپناکارپرداز اوروصی مقررکیاہے چنانچہ وہ اسی وصیت نامہ میں لکھتاہے کہ بعد فروخت یاکہ رہن زر رہن یازربیع میرے تجہیزو تکفین اور میری ارواح پربخش دے گا اب اگروصیت بحق شاہ محمد ہوگی تو واحد بخش کایہ کہناکہ بعد فروخت یارہن زرر ہن یازربیع میری تجہیزو تکفین اور میری ارواح پربخش دے گا بے معنی ہوجاتاہے کیونکہ اگرشاہ محمد خاں موصی ہوتاتووہ وصیت کاخود مالک ہوتااورجوچاہتاوہ کرتااس لئے شاہ محمد خاں کوبحیثیت وصیت کے تیسراحصہ جائداد کاملے گاوہ اس لئے ملے گاوہ بحق واحد بخش کردے یانہ،اس لئے کہ وہ خوداس کامالک بن جائے ھذا واللہ اعلم بالصواب۔

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۰۲

نقل جواب ۷

حامدًا و مصلیًا نے کاغذ مندرجہ مسل مقدمہ استفتاء عدالت وصیت نامہ فتوی علمائے لاہور، فتوی علمائے ریاست دیکھے جواب استفتاء چند مقدمات کی تمہید پر موقوف ہے جو مسلم فقہ میں مبین و مبرہن ہے۔

تمہید، میت کے ترکہ میں سے سب سے مقدم جمیع مال سے خرچ تجہیز و تکفین ہے اس کے بعد مابقے میں سے ادائے دیون اس کے بعد مابقے میں سے تنفیذ وصیت بالثلث اس کے بعد مابقے کی تقسیم علی فرائض اللہ، وصیت زائد علی الثلث اس وقت ناجائز ہے جبکہ متضمن ابطال حق ورثہ ہو، اور اگر ورثہ مال متروکہ کے متعلق نہ ہو مثلًا کوئی وارث موجود نہ ہو، یا وارث موجود ہو اور ابطال حق نہ ہو، یا ورثہ اپنے اضرار اور ابطال حق کو قبول کرلیں تو وہ وصیت زائد علی الثلث جائز و نافذ ہوگی۔

قال فی الجوھرۃ لان الامتناع لحقھم فیجوز باجازتھم [1]،وقال العلامۃ ابوالسعود فلولم یکن وارث ولوحکما صحت الوصیۃ بالکل لان المانع من الصحۃ تعلق حق الوارث [2]،وقال فی فتح القدیر فالوصیۃ بالزیادۃ علی الثلث تتضمن ابطال حقھم وذٰلك لایجوز من غیر اجازتھم۔ [3]	جوہرہ میں کہا اس لئے کہ ممانعت وارثوں کے حق کی وجہ سے ہے لہٰذا ان کی اجازت سے جائز ہوجائے گی۔علامہ ابوالسعود نے کہا اگر کوئی وارث موجود نہ ہو۔اگرچہ حکمی طور پر تو کل مال کے ساتھ وصیت صحیح ہوگی کیونکہ صحیح ہونے سے رکاوٹ تو حق وارث کا اس سے متعلق ہونا ہے۔فتح القدیر میں کہا تہائی سے زائد کی وصیت وارثوں کے حقوق کے ابطال کو متضمن ہے اور وہ ان کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔(ت)

اگر زائد علی الثلث اجنبی کو وصیت کی اور صرف احد الزوجین وارث موجود ہے اور اس نے اس وصیت کو قبول نہ کیا تو اس کا اثر صرف اسی قدر ہوگا کہ اول ثلث بطور وصیت نکال کر باقیماندہ

[1] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الوصایا مکتبہ امدادیہ ملتان ۲ /۳۸۹

[2] فتح المعین کتاب الوصایا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳ /۵۲۸

[3] نتائج الافکار (تکملہ فتح القدیر) کتاب الوصایا المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۹ /۳۴۶

تمام مال میں سے ربع یا نصف حصہ احدالزوجین نکالا جائے گا اور ما بقے بعد احدالزوجین کل یا جز موصی لہ کو بقدر وصیت دیا جائے گا اور بعد ازاں اگر کچھ باقی رہے گا تو بیت المال میں داخل کیا جائے گا تو وصیت بثلث المال اس مال کی وصیت سے مقدم ہے جو مال ثلث کے بعد باقی رہا ہے اور اس کی بھی یہی وصیت کی گئی ہے زوجین کے لئے عدم جواز وصیت کا بھی مشروط بایں شرط ہے کہ کوئی دوسرا وارث موجود ہو۔ اور اگر دوسرا کوئی وارث موجود نہ ہو تو احدالزوجین کی وصیئت للآخر صحیح و نافذ ہے، حاصل یہ کہ زوجین کی وصیت سے مانع مزاحمت حق ورثہ ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر کوئی مانع نہیں خواہ وہ وصیت بالرقبہ ہو یا بالمنفعت۔

قال فی ردالمحتار والاتصح کمالو اوصی احدالزوجین للاٰخر ولاوارث غیرہ۔[1]	ردالمحتار میں کہا ورنہ صحیح ہے جیسا کہ خاوند بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کے لئے وصیت کرے اور اس کے علاوہ وارث موجود نہ ہو۔ (ت)

رد علی الزوجین کا حق بیت المال سے اضعف ہے لفساد بیت المال۔ اشباہ میں ہے:

انہ یرد علیھما فی زماننا لفساد بیت المال[2]۔	ہمارے زمانے میں بیت المال کے فاسد ہوجانے کی وجہ سے زوجین پر رَد کیا جائے گا۔ (ت)

ردالمحتا میں ہے:

قال فی القنیۃ ویفتی بالرد علی الزوجین فی زماننا لفساد بیت المال[3]۔	قنیہ میں کہا کہ ہمارے زمانے میں بیت المال کے فساد کی وجہ سے زوجین پر رد کا فتوی دیا جائے گا۔ (ت)

پس اگر بیت منتظم ہے تو مستحقین سے باقیماندہ مال بیت المال میں داخل کیا جائے گا اور اگر بیت المال نہیں ہے یا ہے اور منتظم نہیں ہے اور اندیشہ ہے کہ وکیل بیت المال سے اس مال کو بیت المال میں داخل نہ کرے اور اپنے اور اپنے خدام کے صرف میں لائے تو اس صورت میں ضرورۃً زوجین پر حسب فتوی متاخرین رد کیا جائے گا اور بعد تمہید مقدمہ مذکورہ اس استفتاء کا صحیح جواب

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۱۶

[2] الدرالمختار بحوالہ الاشباہ کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۶۱

[3] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۰۲

یہ ہے کہ واحد بخش متوفی کے جمیع مال متروکہ میں سے سب سے اول اس کی تجہیز و تکفین کا خرچ نکالا جائے گا جس میں رواجی صدقات وخیرات داخل نہیں بشرطیکہ مدعاعلیہ نے یہ خرچ اپنے ذاتی مال میں سے بلااجازت مدعیہ کو نہ کیا ہو، اور اگر ایسا کیا ہو تو تبرع ہو کر اس کا بار اس کی ذات پر رہے گا، نہ مدعیہ پر، بعدازاں اگر متوفی نے مدعیہ کو دین مہر میں زیورات کی وصیت کی ہے چنانچہ اس کا اعتراف ہے اور مدعاعلیہ نے بھی زیورات اس کو تسلیم کرکے قبول کرلیا ہے تو زیورات اس کو دین مہر میں دیئے جائیں گے اور اگر بالفرض دین مہر میں نہیں دیئے بلکہ محض وصیت کی تو اس صورت میں باقیماندہ تمام مال میں سے دین مہر زوجہ ادا کیا جائے گا بعدازاں وصیت جاری کی جائے گی صورت موجودہ میں واحد بخش نے تین وصیتیں کی ہیں جو اس تمام مال کو مستغرق ہیں ایک وصیت زوجہ کو کی ہے جو صرف زیورات کے متعلق ہے خواہ یہ وصیت محضہ ہو یا وصیت اداء دین مہر کے لئے ہو جیساکہ زوجہ کا اقرار اور دوسری وصیت زوجہ کو ہے جو مکان کے سکنی اور ظروف کے استعمال کے متعلق ہے اور تیسری وصیت باقی ماندہ تمام مال کی شاہ محمد خاں کو کی ہے جس کو مدعیہ نے قبول نہیں کیا ہے اور وہ وصیت ثلث مال سے زائد کی ہے پس صورت موجودہ میں بعد خرچ تجہیز و تکفین وادائے دین مہر کے لئے ہو جیساکہ زوجہ کا اقرار ہے اور دوسری وصیت زوجہ کو ہے جو مکان کے سکنی اور ظروف کے استعمال کے متعلق ہے اور تیسری وصیت باقیماندہ تمام مال کی شاہ محمد خاں کو کی ہے جس کو مدعیہ نے قبول نہیں کیا ہے اور وہ وصیت ثلث مال سے زائد کی ہے پس صورت موجودہ میں بعد خرچ تجہیز و تکفین وادائے دین مہر اس طرح نفاذ وصیت کیا جائے گا کہ اگر دین مہر تمام زیور سے حسب اقرار زوجہ ادا ہوا ہے تو زیور چھوڑ کر باقیماندہ خواہ مکانات ہیں یا ظرف وغیرہ ایک ثلث یعنی ۱۲/۴ اول شاہ محمد کو دیا جائے گا اور باقیماندہ میں سے چوتھائی حصہ ۸/۲ جو زوجہ کا ہے یعنی سدس کل ۱۲/۲ اس کو دیا جائے گا پھر باقیماندہ ۱۲/۶ بھی بعدم المزاحم شاہ محمد کو دیا جائے گا اور تصحیح سہامات کی بارہ سے ہوگی تمام جائداد منقولہ اور غیر منقولہ علاوہ زیورات بارہ سہام ہو کر، اول چار سہام بحکم وصیت بالثلث شاہ محمد کو دئے جائیں گے بعدازاں باقی ماندہ آٹھ سہام میں سے دو سہام جو ربع ما بقے ہے اور سدس کل ہے عالم خاتون زوجہ کو دیئے جائیں گے، بعدازاں چھ سہام باقیماندہ بحکم وصیت زائد علی الثلث لعدم المزاحم شاہ محمد کو دیئے جائیں گے، پس شاہ محمد کو اس مال میں سے ۱۲/۱۰ سہام ملین گے اور عالم خاتون زوجہ کو اس مال میں سے جس کی وصیت شاہ محمد کو کی ہے ۱۲/۲ سہام دیئے جائیں گے۔ روایات ذیل ملاحظہ ہوں:

قال العلامۃ السعود فی فتح المعین ولو اوصت بکل مالھا لزوجھا کان الکل لہ. نصفہ بطریق الارث ونصفہ بطریق الوصیۃ قھستانی عن قاضیخان وکذا یستحق الزوج الکل اذا	علامہ ابوالسعود نے فتح المعین میں فرمایا اگر عورت نے اپنے شوہر کے لئے کل مال کی وصیت کی تو تمام مال شوہر کا ہوگا نصف بطور میراث اور نصف بطور وصیت۔ قہستانی میں بحوالہ قاضیخان منقول ہے یونہی خاوند کل مال کا مستحق ہوگا جبکہ

اوصت له بالنصف، ثم قال، وانما قیدوا بالزوجین لان غیرھما لایحتاج للوصیة لانه یرث الکل برد او رحم [1]، قال العلامة ابن عابدین فی ردالمحتار فاذا اوصی بما زاد عل الثلث ولم یکن الاوارث یردعلیه و اجازھا فالبقیة له وان اجاز من لایرد علیه ففرضه فی البقیة وباقیھا لبیت المال، فلواوصی بثلثی ماله و اجازت الزوجة فلھا ربع الثلث واحد من اثنی عشر مخرج الثلثین وربع الباقی، ولبیت المال ثلثة ولزید ثمانیه و ان لم تجزواوصی لھا ایضا اولافقد اوضحه فی الجوھرة فراجعھا [2]۔ قال فی الجوھرة فی شرحه ولا یجوز مازاد	عورت نے اس کے لئے نصف مال کی وصیت کی ہو، پھر کہا کہ مشائخ نے زوجین کے ساتھ قید لگائی ہے کیونہ ان دونوں کے علاوہ جو ورثاء ہیں انہیں وصیت کی محتاجی نہیں اس لئے وہ رد یا رشتہ داری کی وجہ سے کل کے وارث بن جاتے ہیں۔ علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں کہا اگر تہائی سے زائد کی وصیت کی اور اس کا صرف ایک ایساوارث موجود ہے جس پر رد کیا جاتا ہے اور اس نے وصیت کی اجازت دے دی تو باقی مال اس کا ہے۔ اور اگر ایسے وارث نے اجازت دی جس پر رَد نہیں کیا جاتا تو اس کافرضی حصہ باقی سے نکال کر جو بچ گیا وہ بیت المال میں رکھاجائے گا۔ اگر کسی نے دوتہائی مال کی وصیت کی اور اس کی بیوی نے اجازت دے دی تو بیوی کو ایک تہائی کاچوتھا حصہ ملے گا جو کہ بارہ میں سے ایک بنتا ہے اور بارہ مخرج ہے دوتہائی اور باقی کی چوتھائی کا۔ چنانچہ بارہ میں سے بیت المال کے لئے تین اور زید جس کے لئے وصیت کی گئی تھی کے لئے آٹھ حصے ہوں گے۔ اور اگر بیوی نے اجازت نہ دی حالانکہ یہ پہلے اس کے لئے بھی وصیت کرچکا ہے تو اس کو جوہرہ میں خوب واضح کیا ہے اسی کی طرف رجوع کرو،

[1] فتح المعین کتاب الوصایا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳ /۲۹-۵۲۸

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۱۷

علی الثلث یعنی اذاکان هناك وارث یجوز ان یستحق جمیع المیراث اما اذاکان لایستحق المیراث اما اذا کان لایستحق جمیع المال کالزوج والزوجة فانه یجوز ان یوصی بمازاد علی ذٰلك ولایمنع من ذٰلك استحقاقهما مایرثانه لانهما یستحقان سهما من المیراث لایزاد علیه بحال فمازاد علی ذٰلك فهو مال المریض لاحق فیه لاحد فجاز ان یوصی به وعلی هذا قال محمد رحمه الله اذا ترکت المرأة زوجا ولم تترك وارثا غیره واوصت لاجنبی بنصف مالها فالوصیة جائزة ویکون للزوج ثلث المال وللموصی له النصف وبقی السدس	جوہرہ میں اس کی شرح میں کہا تہائی مال سے زائد کی وصیت جائز نہیں اگر وہاں کوئی ایساوارث موجود ہوجو کل مال کا وارث بن سکتا ہے لیکن جو کل مال کا مستحق نہیں بن سکتا جیسے خاوند اور بیوی تو وہ تہائی مال سے زائد کی وصیت کرسکتا ہے۔ اور زوجین جس حصہ میراث کے مستحق ہیں وہ اس سے مانع نہیں کیونکہ وہ میراث کے ایک خاص حصہ کے وارث ہوتے ہیں اس پر کسی حال میں اضافہ نہیں ہوتا، جو اس سے زائد ہے وہ مریض کامال ہے اس میں کسی کا حق نہیں لہٰذا جائز ہے کہ وہ اس کی وصیت کرجائے۔ امام محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا اگر کوئی عورت خاوند کے علاوہ کوئی وارث نہ چھوڑے اور کسی اجنبی شخص کے لئے نصف مال کی وصیت کرجائے تو وصیت جائز ہوگی۔ اس صورت میں شوہر کو ایک تہائی اور وصیت والے شخص کو نصف مال ملے گا۔ باقی رہا چھٹا حصہ وہ بیت المال کا ہے۔ اور شوہر کے لئے کل کا تہائی حصہ اس لئے ملے گا کہ شوہر وصیت کامال نکالنے کے بعد ہی میراث کا مستحق ہوگا۔ چنانچہ پہلے وصیت والے شخص کے لئے کل مال سے تہائی حصہ بطور وصیت نکالنے کی ضرورت ہے کیونکہ وہ شخص ہر حال میں اس کا مستحق ہے باقی دو تہائی مال بچا تو شوہر اس دو تہائی میں سے نصف یعنی ایک تہائی کا بطور میراث مستحق ہوگا۔ باقی ایک ثلث بچ گیا اس میں سے

لبیت المال وانما کان للزوج الثلث لانہ لایستحق المیراث الابعد اخراج الوصیۃ فیحتاج الی ان یخرج الثلث اولاللموصی لہ لانہ یستحقہ بکل حال فیبقی الثلثان یستحق الزوج نصفہ میراثا یبقی الثلث، السدس للموصی لہ تکملۃ للنصف ویبقی السدس لایستحق لہ فیکون لبیت المال وکذا اذااوصت بذٰلك لزوجھا کان المال کلہ لہ نصفہ میراثا ونصفہ وصیۃ لانہ لایستحق الوصیۃ قبل المیراث بخلاف الاجنبی لان الزوج وارث وانما جازت لہ الوصیۃ لانہ لاوارث لھا تقف صحۃ الوصیۃ علی اجازتہ، وعلی ذٰلك اذا ترك زوجۃ لاوارث لہ غیرھا واوصی لرجل بجمیع مالہ کان لھا السدس وللموصی لہ خمسۃ اسداس لانھا لاتستحق من المیراث شیئا حتی یخرج الثلث للوصیۃ فاذا خرج الثلث استحقت ربع الباقی ومابقی بعد ذٰلك یکون للموصی لہ بالجمیع واصلہ من اثنی عشر للموصی لہ اربعۃ وھو الثلث یبقی الثلثان ثمانیۃ للزوجۃ ربعھا اثنان، یبقی ستۃ تعود للموصی لہ فیکون لہ عشرۃ

وصیت والے شخص کو چھٹا حصہ دیں گے تاکہ کل کا نصف مکمل ہوجائے اور ایک چھٹا حصہ باقی بچا جس کا کوئی مستحق نہیں لٰہذا وہ بیت المال کا ہے، یونہی اگر اس عورت نے شوہر کے لئے نصف مال کی وصیت کی تو تمام مال شوہر کا ہوجائے گا نصف بطور میراث اور نصف بطور وصیت، کیونکہ شوہر میراث سے پہلے وصیت کا مستحق نہیں ہوتا بخلاف اجنبی کے اس لئے کہ شوہر وارث ہے۔ بیشک شوہر کے لئے یہ وصیت جائز ہے کیونکہ کوئی ایسا وارث موجود نہیں جس کی اجازت پر وصیت کا صحیح ہونا موقوف ہو۔ اور اسی کی بنیاد پر اگر کسی کا بیوی کے سوا کوئی وارث نہ ہو اور وہ اجنبی شخص کے لئے اپنے کل مال کی وصیت کرجائے تو بیوی کو چھٹا حصہ (۱/۶) ملے اور جس کے لئے وصیت کی گئی اس کو پانچ حصے (۵/۶) ملیں گے کیونکہ بیوی میراث میں سے کسی شیئ کی اس وقت تک مستحق نہیں ہوگی جب تک وصیت کے لئے کیونکہ بیوی میراث میں سے کسی شیئ کی اس وقت تک مستحق نہیں ہوگی جب تک وصیت کے لئے ایک تہائی مال ترکہ سے نکال نہ لیا جائے جب ایک تہائی مال ترکہ سے نکال نہ لیا جائے جب ایک تہائی مال نکل گیا تو بیوی باقی (جو کہ دو تہائی ہے) کے چوتھے حصے کی مستحق ہوگی، پھر بیوی کے حصہ کے بعد جو بچ گیا وہ اس شخص کو دے دیا جائے گا جس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی ہے، اس میں کل مال کی وصیت کی گئی ہے، اس میں کل مال کے بارہ حصے بنائے جائیں گے جن میں سے وصیت والے کو ایک تہائی یعنی چار حصے دیں گے باقی دو تہائی یعنی آٹھ حصے بچے جن کا

من اثنی عشر و ذٰلك خمسة اسداسها[1]۔	چوتھائی یعنی دو حصے بیوی کے ہیں باقی چھ حصے وصیت والے شخص کی طرف لوٹ جائیں تو اس طرح اس کے کل حصے بارہ میں سے دس ہو جائیں گے جو کہ چھ میں پانچ (۶/۵) بنتے ہیں۔ (ت)

بعد ازاں سوالات عدالت کا نمبر وار جواب بتفصیل ہے یہ وصیت مرض الموت میں ہوئی ہے اور موافق اس تفصیل کے جو مجمل جواب میں گزر چکی ہے شرعًا صحیح و نافذ ہے وصیت بحق شاہ محمد زائد علی الثلث ہے عالم خاتون زوجہ نے اگر اس کو قبول نہیں کیا تو اس کا نفاذ حسب ذیل تقسیم ہو کر ہوگا۔ زیورات اگر متوفی نے مہر میں دیئے ہوں تو زیورات پر وصیت کا بار ہوگا بلکہ تمام زیورات اس کو ملیں گے۔ ورنہ زیورات میں سے مدعیہ کو ۳/ ۲سہام، مدعاعلیہ کو ۳/ ۱سہام اور دیگر جائداد و مکانات و ظروف وغیرہ میں سے مدعیہ ۱۲/ ۲ اور مدعاعلیہ کو ۱۲/ ۱۰ سہام ملیں گے کیونکہ اول ثلث اس کا بطور وصیت مدعاعلیہ کو ملے گا پھر ربع باقی ماندہ ۸/ ۲ یعنی سدس کل ۱۲/ ۲ مدعیہ کو ملے گا بعد ازاں باقیماندہ یعنی نصف ۱۲/ ۶ مدعاعلیہ کو ملے گا جو زیورات قیمتی (سماعہ عہ) بروئے وصیت مدعیہ کو دیئے گئے ہیں اگر وہ مہر میں دیئے گئے ہیں تو ان میں مدعاعلیہ کا بروئے وصیت کچھ حق نہیں ہے اور اگر محض بطور وصیت دیئے گئے ہیں تو ان میں مدعاعلیہ کا بروئے وصی بالثلث حق ثلث ہوگا اور اس صورت میں تمام زیورات میں ۳/ ۱ سہام مدعاعلیہ کو اور ۳/ ۲ مدعیہ کو ملیں گے۔ لیکن اس شق ثانی پر نفاذ وصیت سے بیشتر مدعیہ کا مہر کل مال سے ادا کیا جائے گا اگر مدعاعلیہ نے تجہیز و تکفین متوفی کی اپنے مال سے بلا اطلاق و بلا اجازت مدعیہ کی ہے چونکہ یہ صرف تبرع ہے لہذا اس خرچ کا بار صرف مدعاعلیہ کے مال پر ہے اور مدعیہ پر اس کا مطلق بار نہ ہوگا اور اگر باجازت مدعیہ اپنے مال سے تجہیز و تکفین کی ہے یا متوفی کے ترکہ میں سے تو اس کا بار متوفی کے تمام ترکہ پر ہوگا جو ہر دو مدعاعلیہ اور مدعیہ کے متعلق ہوگا۔ حق سکنی مکانات اور حق استعمال ظروف وغیرہ کے جو موصی نے عالم خاتون زوجہ کو وصیت کی ہے اس وصیت کے بار سے ثلث مال جو بطور وصیت شاہ محمد کو اول ملے گا بری رہے گا البتہ علاوہ ثلث مال کے جو شاہ محمد کو بعد اخراج ثلث ملے گا اس میں مدعیہ کو تا نکاح ثانی حسب وصیت حاصل رہے گا کیونکہ زوجہ کی وصیت اجنبی کی وصیت بالثلث کے مزاحم نہیں ہو سکتی ہاں زائد علی الثلث کے مساوی ہے لہذا زائد علی الثلث یعنی ۶/۱۲ میں اس کا نفاذ اس طرح ہوگا کہ رقبہ کی وصیت شاہ محمد کے لئے اور منفعت کی وصیت مدعیہ کے لئے قرار دی جائے گی جو حصہ مدعیہ کا اور مدعاعلیہ کا جائداد منقولہ یا غیر منقولہ میں ہے اس کے متعلق ہر ایک فریق کو اختیار ہے کہ وہ فریق ثانی سے بشرطیکہ

---

[1] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الوصایا مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۹۰۔۳۸۹

وہ رضامند بھی ہو قیمت لے ورنہ حسب سہامات مذکور تقسیم کرالے شرعًا قیمت لینے کے متعلق کسی فریق پر جبر نہیں ہوسکتا۔

الحاصل: تعین حصص مدعیہ ومدعی کے متعلق جواب علمائے ریاست صحیح ہے اور مستشار العلماء لاہور صحیح نہیں ہے زیورات کے متعلق شرعی بایں تفصیل ہے کہ متوفی نے زیورات مذکورہ اگرمدعیہ کو مرض الموت سے پہلے تملیگًا دے دیئے ہیں اور وصیت نامہ کی تحریر اس کا بیان ہے تو وہ زیورات متوفی کے ترکہ سے خارج ہیں ان پر کوئی بار حتی کہ تجہیز و تکفین اور وصیت کا بھی نہیں ہوگا اور اگر مرض موت میں وصیت کی ہے تو اگر بعوض دین مہر ہو تو البتہ اس صورت میں تجہیز و تکفین کے بار سے حسب حصہ زیورات مستثنٰی نہ ہوں گے بشرطیکہ مدعاعلیہ نے بلااجازت مدعیہ اپنے مال سے خرچ نہ کیا ہو لیکن وصیت بالثلث کے بار سے مستثنٰی ہوں گے یعنی بعد خرچ تجہیز و تکفین باقیماندہ مال سے تمام زیورات مدعیہ کو ملیں گے، اور اگر بعوض دین مہر نہ ہو تو بعد تجہیز و تکفین اول دین مہر ادا کیا جائے گا، بعد ازاں بحکم وصیت بالثلث زیورات میں سے بھی ۳/۱ یعنی ۳/۲ ثلث مدعا علیہ کو ملے گا باقیماندہ ۳/۲ حصہ زیورات مدعیہ کو ملیں گے، پس حکم عدم جواز وصیت صحیح نہیں اور نیز حکم بعدم جواز وصیت بالمنفعت بھی صحیح نہیں بلکہ اس کا نفاذ علاوہ ثلث کے ہوگا، صورت موجودہ میں علماء انجمن مستشار العلماء کا دعوی بطلان وصیت اور جواز رد علی الزوجین کے متعلق صحیح نہیں ہے کیونکہ رَد علی الزوجین کا تعلق اس صورت کے ساتھ جس جگہ حقوق متقدمہ سے باقیماندہ کو بیت المال کے لیے قرار دیا ہے اور جس صورت میں حقوق تمام ترکہ کو مستغرق ہوں اور بیت المال تک نوبت نہ پہنچے جیسا کہ وہاں بیت المال کے لئے کچھ نہیں باقی رہا تو رد علی الزوجین کا حکم ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ بحکم مقدمہ خامسہ رد علی الزوجین کے جواز کا حکم ہرگز نہیں ہوسکتا بیت المال کے فساد کے ساتھ مشروط ہے اگر بیت المال منتظم موجود ہو تو رد علی الزوجین نہیں ہوسکتا لہٰذا حکم رد علی الزوجین حکم تفویض بیت المال سے بھی مؤخر ہوا صورت موجودہ میں، اور فرض زوجہ تمام باقیماندہ ترکہ کو مستغرق ہیں باقی ماندہ ترکہ کا کوئی فرد ان حقوق متقدمہ کے بعد باقی نہیں رہتا، پس نہ تفویض بیت المال کا حکم ہوسکتا ہے نہ رد علی الزوجین کا۔ پس یہ بحث اس جگہ نہایت تعجب انگیز ہے، چنانچہ اس کی تشریح اور تردید اپنی تحریر مندرجہ مسل کافی طور پر کردی ہے اپنی دوسری تحریر میں ایک نوٹ لکھتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ واحد بخش نے شاہ محمد کو حفاظت جائداد کی وصیت کی ہے، نہ تملیک کی، لہٰذا وہ وصی ہے نہ موصی لہ چونکہ اس کی تردید علمائے ریاست نے کافی طور پر فرمائی ہے لہٰذا ہم کو اس کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے فقط واللہ اعلم وعلمہ

اتم واحکم۔

نقل جواب ۸

میں نے حضرات علمائے کرام کے فتاوٰی معہ کاغذات متعلقہ مسل مقدمہ کو غور سے پڑھااور بار بار بغرض تنقیح امر متنازعیہ فیہ حوالہ جات کتب فقہ میں تدبر کیاچنانچہ حسب ذیل فیصلہ پر آگاہ ہوا، بتوفیقہ تعالٰی اس میں توکلام نہیں کہ رد علی الزوجین میں فقہائے متاخرین کااختلاف ہے یعنی فقہائے متقدمین قطعًا رد علی الزوجین کے قائل نہیں ہیں اور فقہائے متاخرین ردمذکورکے قائل ہیں نیزاس میں کلام نہیں کہ فتوی متاخرین کے قول پر ہے چنانچہ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں:

قال فی القنیة ویفتی بالرد علی الزوجین فی زماننا الفساد بیت المال وفی الزیلعی عن النہایة مافضل عن فرض احد الزوجین یردعلیه وکذا البنت و الابن من الرضاع یصرف الیھما وقال فی المستصفی والفتوی الیوم بالرد علی الزوجین وقال المحقق احمد بن یحیی بن سعد التفتازانی افتی کثیر من المشائخ بالرد علیھما اذالم یکن من الاقارب سواھما لفساد الامام وظلم الحکام فی ھذہ الایام [1] الی اٰخرہ۔	قنیہ میں کہاکہ ہمارے زمانے میں بیت المال کے فساد کی وجہ سے زوجین پررد کافتوی دیاجائے گا، زیلعی میں نہایہ سے منقول ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک کے فرضی حصہ کو وصول کرنے کے بعد جوکچھ بچ جائے وہ اسی پررد کردیاجائے گا یونہی رضاعی بیٹی اور رضاعی بیٹے کی طرف لوٹایاجائے گا۔ مستصفٰی میں کہاآج کے زمانے میں فتوی زوجین پررد کرنے کے ساتھ ہے، محقق احمد بن یحیٰی بن سعد تفتازانی نے کہا بہت سے مشائخ نے فتوی دیا ہے کہ زوجین پرَرد کیاجائے گا جبکہ ان کے علاوہ اقارب میں سے کوئی موجودنہ ہو، کیونکہ ان دونوں میں پیشوا خراب اور حکام ظالم ہوچکے ہیں الخ۔(ت)

اب بحث طلب بات رہ جاتی ہے کہ فقہائے متاخرین جن کے قول پر فتوی ہے ذوی الارحام مول الموالات، مقرلہ بالنسب علی الغیر، موصی لہ بجمیع المال ان چاروں کے نہ ہونے کی صورت میں ردمذکورکے قائل ہیں، صاحب درمختار کی عبارت مندرجہ ذیل سے صاف معلوم ہوتاہے کہ متاخرین رد علی ذوی الفروض النسبیہ ہی کے درجہ میں اورانہیں کے ساتھ رد علی احدالزوجین کے

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۰۲

قائل ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

والرد ضدہ(ای ضد العول) کما مر وحینئذ فان فضل عنھا ای عن الفروض والحال انہ لاعصبۃ ثمۃ یرد الفاضل علیھم بقدر سھامھم اجماعا لفساد بیت المال الاعلی الزوجین فلایرد علیھما وقال عثمان رضی اللہ عنہ یردعلیھما ایضا قالہ المصنف وغیرہ قلت جزم فی الاختیار بان ھذا وھم من الراوی فراجعہ قلت وفی الاشباہ انہ یرد علیھما فی زماننا لفساد بیت المال وقدمناہ فی الولاء۔[1]	رد ضد ہے عول کی، جیسا کہ گزرا، تواب جب فروض سے کچھ بچ جائے درانحالیکہ کوئی عصبہ وہاں موجود نہ ہوتو وہ بچاہوا مال بالاتفاق ذوی الفروض پر ان کے حصوں کے مطابق رد کیاجائے گا سوائے زوجین کے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ زوجین پر بھی رَد کیاجائے گا، ایساہی مصنف وغیرہ نے کہاہے۔ میں کہتاہوں اختیار میں جزم کیا ہے کہ یہ راوی کاوہم ہے توتم اسی کی طرف رجوع کرو۔ میں کہتاہوں اشباہ میں ہے ہمارے زمانے میں بیت المال کے فساد کی وجہ سے زوجین پر رد کیاجائے گا۔ اس کاذکر پہلے ہم کتاب الاولیاء میں کرآئے ہیں۔ (ت)

اگرفقہائے متاخرین کے نزدیک رد علی الزوجین کادرجہ موصی لہ بجمیع المال کے بعد ہوتاتو حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ اور مصنف صاحب اشباہ کے اختلاف کو یہاں یعنی رد علی ذوی الفروض النسبیہ کے ساتھ ملا کر بیان کی کیاضرورت تھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر جو دلیل کتاب روح الشروح سے منقول ہے اس سے یہی صاف ظاہر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ رد علی الزوجین اور رد علی ذوی الفروض النسبیہ ایک ہی درجہ پر رکھتے ہیں کیونکہ اس میں رد کو عول پر قیاس کیاگیاہے اورظاہر ہے کہ عول میں ذوی الفروض النسبیہ اوراحدالزوجین برابر ہیں توپھر رد میں بھی ان کوبرابر ہوناچاہئے متاخرین کی طرف سے رد علی الزوجین کی دلیل میں فسادبیت المال بیان کیاجاتاہے اس سے یہ شبہہ ہوتاہے کہ جب ترکہ کے بیت المال میں جانے کاموقعہ ہوتواس کے فاسد ہوجانے کے باعث رد علی الزوجین ہوناچاہئے اورجب بیت المال میں جانے کاموقعہ موصی لہ بجمیع المال کے بعد ہے تو رد علی الزوجین بھی موصی لہ بجمیع المال کے بعد ہوناچاہئے لیکن درمختار کی عبارت مسطورہ بالاسے معلوم ہوتاہے کہ اس میں رد علی ذوی الفروض النسبیہ کی دلیل سے ہی فسادبیت المال ہی کو پیش کیاہے توچاہئے کہ رد علی ذوی الفروض النسبیہ بھی موصی لہ بجمیع المال کے بعد

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۱

ہی ہو اور اس کا تو کوئی قائل بھی نہیں ہے۔ حاشیہ ضیاء السراج وغیرہ سے جو جزئیات علماء نے نقل کئے ہیں وہ سب متقدمین کے مذہب پر مبنی ہیں جو زیادہ تر مروج اور مشہور ہے، اسی لئے ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

اقول: ولم نسمع ایضا فی زماننا من افتی بشیئ من ذٰلك ولعله لمخالفته للمتون فلیتأمل لکن لایخفی ان المتون موضوعة لنقل ماهو المذهب وهٰذه المسئلة مما افتی بها المتاخرون علی خلاف اصل المذهب۔[1]	**میں کہتا ہوں** ہم نے اپنے زمانے میں سنا بھی نہیں کہ کسی نے ایسا فتوی دیا ہو شاید متون سے اس کے مخالف ہونے کی وجہ سے۔ پس تأمل چاہئے، لیکن پوشیدہ نہیں کہ متون نقل مذہب کے لئے وضع کئے گئے ہیں، اور یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جن میں متاخرین نے اصل مذہب کے خلاف فتوی دیا ہے۔ (ت)

بہرکیف اگر کسی صاحب کو کوئی ایسی صریح روایت مل جائے کہ فقہائے متاخرین موصی لہ بجمیع المال کے نہ ہونے کی صورت میں رد علی الزوجین کے قائل ہیں تو خاکسار اور دیگر اراکین مستشار العلماء کو اپنی رائے بدل دینے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا لیکن حضرات مفتیان نے ابھی تک اس امر کو پایہ ثبوت تک نہیں پہنچایا وہ روایات وجزئیات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ موصی لہ بجمیع المال کے ہوتے ہوئے رد علی الزوجین نہیں ہوگا وہ بتمامہا فقہائے متقدمین کے قول پر مبنی نہیں ہے اور اس قول کے موافق اگر موصی لہ بجمیع المال موجود نہ ہو تو بھی رد علی الزوجین نہیں ہو سکتا مجھے کسی ایسی روایت کا علم نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ موصی لہ بجمیع المال موجود نہ ہو تو رد علی الزوجین ہوگا ورنہ نہیں، اور میرے خیال میں یہ کسی کا بھی مذہب نہیں، بہرصورت جزئیات مندرجہ فتاوٰی متعلقہ مسئلہ ہذا جن سے موصی لہ بجمیع المال کو رد علی الزوجین پر مقدم رکھا گیا ہے وہ مذہب متقدمین پر مبنی ہیں نہ متاخرین پر جو متاخرین پر جو مفتی بہ مذہب ہے اور اگر یہ امر قطعًا ثابت ہو جائے کہ وہ مذہب متاخرین پر مبنی نہیں تو حضرات علماء ریاست کا فتوی صحیح ہے مگر بنظر امعان صاف معلوم ہوتا ہے

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۰۲

کہ اس امر کو کسی مفتی نے صاف نہیں کیالہذا خاکسار کا فیصلہ اس مسئلہ میں وہی ہے جس کو انجمن مستشار العلماء لاہور نے اپنے فتوی میں لکھ دیا ہے اور جس کے ساتھ یہی متفق ہیں اس مسئلہ میں اس سے زیادہ بحث فضول ہے اور فیصلہ عدالت کے لئے کافی ہے فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ فقط

الجواب:

(جواب امام احمد رضاخاں علیہ الرحمۃ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمدللہ رب العٰلمین وبہ ثم برسولہ نستعین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبارك علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ اجمعین۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہے جو کل جہانوں کا پروردگار ہے اور اسی سے پھر اس کے رسول سے ہم مدد چاہتے ہیں اللہ تعالٰی اپنے رسول پر درود، سلام اور برکتیں فرمائے اور آپ کی تمام آل واصحاب پر۔ (ت)

الحمدللہ یہاں فتوی پر فیس نہیں لی جاتی "اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾"[1] (میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔ ت) منی آرڈر واپس کردیا، سوالات اور ان کے متعلق آٹھ فتوے ملاحظہ ہوئے، مفتیوں کے نام نہ لکھنا عجیب نہ تھا ایک فتوی میں دوسرے کا جو ذکر تھا وہ لکھ کر محو کردیا گیا یا بیاض چھوڑی ہے یہاں اس سے کوئی بحث نہیں بعونہٖ عزوجل تحقیق سے کام ہے مگر اتنی گزارش مناسب ہے بحمدہٖ تعالٰی یہاں مسائل میں نہ کسی دوست کی رعایت ہے، ہمارے رب عزوعلانے نہ فرمایا:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ"[2]	اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لئے گواہی دیتے ہوئے چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۰۹

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۵

نہ کسی مخالف سے ضد اور نفسانیت۔ کیا ہمارے مولٰی تبارک وتعالٰی نے نہ فرمایا:

"لَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ اِعۡدِلُوۡا ۟ ہُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ۫"[1]	اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔ (ت)

مولٰی سبحانہ وتعالٰی کی عنایت پھر مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اعانت سے امید واثق ہے کہ لایخافون لومۃ لائم سے بہرہ وافی عطافرمایا ہے، **وللہ الحمد**، اسی بنا پر بہت افسوس کے ساتھ گزارش کہ آٹھوں فتووں میں اصلاً ایک بھی صحیح نہیں اکثر سراپا غلط ہیں اور بعض مشتمل بر اغلاط۔ اب ہم بتوفیق اللہ تعالٰی **اوّلاً:** کچھ مسائل کاافادہ کریں اور ہر افادہ پر جو فوائد متفرع ہوئے اس کے ساتھ لکھیں جن سے وضوح احکام کے ضمن میں یہ بھی واضح ہو کہ ان فتووں نے کہاں کہاں کیا غلطیاں کیں اور ان کے علاوہ کیا کیا ضروری باتیں ان کی نظر سے رہ گئیں۔ مفتی صاحبوں نے انصاف فرمایا تو یہ امر باعث ناراضی نہ ہوگا بلکہ وجہ شکر کہ مقصود بیان حق واظہار احکام ہے کہ کسی کے طعن والزام، اور یہ امر قدیم سے معمول علمائے اسلام۔

ثانیاً: پانچوں سوالات حال کے جواب دیں۔

ثالثاً: ساتوں سوالات سابق کے جواب لکھیں جو ان مفتیوں سے کئے گئے اور جواب غلط وناقص ہے، یہ اس لئے کہ محکمہ قضاء نے جن امور کی نسبت تحریر فرمادیا ہے کہ فتاوٰی مصدرہ میں جو سوال زیر بحث آکر طے ہو چکے ہیں ان کے ذکر کی ضرورت نہیں ان میں بھی اظہار حق ہو کہ قابل اطمینان بات صاف نہ ہوئی تھی اس کا حق ہمیں خود ہی تھا اور اس تحریر دار القضا کے بعد بدرجہ اولٰی کہ علاوہ امور مستفسرہ کے اگر کوئی اور امر بھی قابل اصدار فتوٰی معلوم ہو تو اطلاع بخشیں۔

رابعاً: حکم اخیر لکھیں کہ اس مقدمہ میں دار القضاء کو کیا کرنا چاہئے۔ **وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب** (اور میری توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے۔ میں نے اسی پر بھروسا کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۸

افادات والتفریعات
(افادے اور تعریفیں)
افادہ اولٰی

شاہ محمد خاں مکانات واثاث البیت کا ضرور موصٰی لہ ہے آغاز وصیت نامہ میں ہے وہ مکانات زیر حفاظت شاہ محمد خاں کے رہیں گے اور مالک بھی یہی رہے گا اگر صرف "زیر حفاظت" کہتا شاہ محمد خاں وصی ہوتا مگر اس فقرہ نے کہ مالک بھی رہے گا ظاہر کر دیا کہ مقصود وصیت ہے نہ کہ وصایت۔ پھر کہا مالک و قابض شاہ محمد خاں مذکور ہے، پھر کہا غرضکہ مالک شاہ محمد خاں مکانات وغیرہ کا ہے اس "وغیرہ" کی یوں تشریح کی ہے علاوہ اس کے اسباب خانہ داری از قسم برتن وغیرہ جملہ سامان خانہ داری کا مالک بھی شاہ محمد خاں رہے گا۔ پھر کہا کل اشیاء مندرجہ بالا کا مالک شاہ محمد خاں ہے۔ غرض جابجا تملیک کی تصریح کی اور پر ظاہر کہ یہ تملیک بلامعاوضہ بروجہ تبرع واحسان ہے اور آخر میں کہا یہ جملہ شرائط بعد میرے قابل تعمیل ہوں گے جب تک میں حیات ہوں کسی کا تعلق نہیں، بعد میں بموجب بالا تقسیم ہوں گے، صاف واضح کر دیا کہ یہ تملیک مضاف الیہ مابعد الموت ہے تو قطعًا وصیت ہوئی۔ امام اکمل الدین بابرتی عنایہ میں فرماتے ہیں:

الوصیة فی الشریعة تملیك مضاف الی مابعد الموت بطریق التبرع[1]۔	وصیت شریعت میں ایسی تملیک کو کہتے ہیں جو بطور تبرع موت کے مابعد کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ (ت)

ہاں وصیت نامہ میں مالک و قابض شاہ محمد خاں مذکور ہے کے بعد یہ لکھا ہے کہ اس کو اختیار ہے کہ اس کو فروخت کرے یا رہن کرے بعد فروخت یا رہن یا زر بیع میری تجہیز و تکفین اور میری ارواح پر بخش دے گا اسے منافی تملیک سمجھنا صریح غلط ہے وہ خود اس کے متصل ہی کہتا ہے یعنی غرضکہ مالک شاہ محمد خاں مکانات وغیرہ کا ہے خود اسی کلام کی تفسیر تملیک سے کر رہا ہے تو اسے تملیک سے جدا کرنا **توجیه القول بمالایرضی به قائله** (قول کی ایسی توجیہ کرنا جس پر قائل

---

[1] العنایة علی ھامش فتح القدیر کتاب الوصایا باب صفة الوصایا الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۳۴۲

راضی نہ ہو۔ت) ہے اور جب مالک شاہ محمد خاں ہوا تو جملہ مذکورہ کسی طرح وصیت یعنی اسے وصی بنانے کا مفید نہیں ہوسکتا کہ وصی وہ ہے جسے موصی مال میں تصرف کا اختیار دے نہ وہ جسے ایک مال کا مالک کرکے پھر اس سے درخواست کرے کہ وہ اپنا مال بیچ کر اس کے کام میں خرچ کردے یہ سوال ہوا نہ کہ ایضا ظاہر ہے کہ وصایت مثل وکالت دوسرے کو اپنی جگہ قائم کرنا ہے بلکہ وصایت عین وکالت ہے فرق اس قدر کہ وکالت حیات میں ہوتی ہے اور وصایت بعد موت۔ خانیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

انت وکیلی بعد موتی یکون وصیا انت وصیی فی حیاتی یکون وکیلا لان کلامنھما اقامۃ للغیر مقام نفسہ فینعقد کل منھما بعبارۃ الآخر۔[1]	تو میرے مرنے کے بعد میرا وکیل ہے تو وہ وصی بن جائے گا۔ اور تو میری زندگی میں میرا وصی ہے تو اس سے وہ وکیل بن جائے گا کیونکہ ان دونوں میں ہر ایک کسی غیر کو اپنا قائمقام بنانا ہے لہٰذا ان میں سے ہر ایک دوسرے کی عبارت کے ساتھ منعقد ہوجائے گا۔(ت)

مال اگر اپنی ملک پر رکھ کر اس سے کسی تصرف کے لئے کہتا تو ضرور اسے اپنی جگہ قائم کرنا ہوتا اور جب مال اس کی ملک کرچکا تو اب موصی کا اس میں کیا مقام رہا جس پر اسے قائم کرتا ہے ولوجہ اجلی وصایت باب ولایت واطلاقات سے ہے یعنی دوسرے کو اختیار دینا اسے نافذ التصرف بنانا، ولوالوجیہ پھر ادب الاوصیاء میں ہے:

ایصاء المیت نقل الولایۃ الی الوصی۔[2]	میت کا وصیت کرنا اپنی ولایت کو وصی کی طرف منتقل کرنا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ان فی الوکالۃ والاذن للعبد اطلاقا عما کانا ممنوعین عنہ من التصرف فی مال المؤکل والمولی۔[3]	اس لئے کہ وکالت اور اپنے غلام کو اذن دینے میں اس چیز کی اجازت دینا ہے جس سے پہلے اس کے لئے ممانعت تھی یعنی مؤکل اور مولا کے مال میں تصرف کرنا۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاوصیاء باب الوصی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴۷

[2] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی الایصاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۶

[3] ردالمحتار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۳۔۲۲۲

توضرور ہے کہ اس کے اختیار دینے سے اسے اختیار ملے اور جس مال کاآدمی خود مالک ہوگیا اس کااختیار خود اس کی مالکیت اسے دے گی اگرچہ شیئ کی مالکیت دوسرے کے دیئے سے ہو جیسے ہبہ کہ موہوب لہ بعد ملک جو اس میں تصرفات کرے گا اپنے اختیار ذاتی سے کرے گا نہ کہ واہب کی نیابت سے اگرچہ موہوب لہ پر ملک واہب کے دیئے سے ملی تو جس طرح تملیک عین بلا عوض فی الحیاۃ یعنی ہبہ سے حصول اختیارات کے باعث موہوب لہ واہب کاوکیل نہ ہوجائے گایوں ہی تملیک عین بلاعوض بعد الممات یعنی وصیت مال سے حصول اختیارات کے سبب موصی لہ موصی کاوصی نہیں ہوسکتا۔وھذا ظاھر جدا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ت)

وبوجہ اخصر یہ تملیک ہے اور کوئی اطلاق تملیک نہیں تو یہ اطلاق نہیں اور ہر وصایت اطلاق ہے تو یہ وصایت نہیں وھوالمطلوب قیاس ثانی کاصغری پہلے کانتیجہ ہے اور کبری کاثبوت ردالمحتار سے گزرا اور قیاس اول کاصغری بدیہی ہے اور کبری کاثبوت اس عبارت درمختار سے ہے۔

کل ماکان من التملیکات اوالتقییدات یبطل تعلیقه بالشروط والاصح لکن فی اسقاطات والتزامات یحلف بھا یصح مطلقًا وفی اطلاقات وولایات وتحریضات بالملائم بزازیة۔[1]	جوکچھ تملیکات وتقییدات میں سے ہے وہ اس کی تعلیق شرط کے ساتھ باطل ہے ورنہ صحیح ہے، لیکن اسقاطات والتزامات جن پر قسم کھائی جاتی ہے ان میں شرط کے ساتھ تعلیق مطلقًا صحیح ہے جبکہ اطلاقات، ولایات اور ترغیبات میں بشرط مناسب جائز ہے، بزازیہ۔(ت)

تنبیہ: قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ اگر مملک بالکسر کہ تملیک بلاعوض کے ساتھ مملَک بالفتح کی کسی مصلحت میں خرچ یااستعمال کرنا ذکر کرے تواسے مشورہ ٹھہراتے ہیں مُملَک پر اس کی پابندی ضرور نہیں ہوتی کہ جب وہ مالک ہوگیا اسے اختیار ہے جہاں چاہے اُٹھائے مثلًا یہ کپڑامیں نے تجھے دیا کہ تواسے پہنے یا یہ مکان تجھے ہبہ کیاکہ تواس میں سکونت کرے۔تنویرالابصار میں ہے:

تصح بایجاب کوھبت ونحلت واطعمتك ھذا الطعام وداری لك ھبة تسکنھا۔[2]	یہ ایجاب سے صحیح ہوجاتا ہے جیسے کہا کہ میں نے ہبہ کیا، میں نے بخوشی بخشا، میں نے یہ طعام تجھے دے دیا اور میرا گھر تیرے لئے ہبہ ہے کہ تواس میں رہائش رکھے۔(ت)

[1] الدرالمختار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسدالخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۳

[2] الدرالمختار شرح تنویرالابصار کتاب الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۹۔۱۵۸

در مختار میں ہے:

لان قولہ تسکنھا مشورۃ فقد اشار علیہ فی ملکہ بان یسکنہ فان شاء قبل مشورۃ وان شاء لم یقبل۔[1]	کیونکہ اس کا قول کہ "تو اس میں رہائش رکھے" ایک مشورہ ہے جو واہب نے موہوب لہ کی ملکیت میں دیا اگر چاہے تو مشورہ قبول کرلے ورنہ نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

کقولہ ھذا الطعام لك تاکلہ اوھذا الثوب لك تلبسہ بحر۔[2]	جیسے واہب کا قول کہ یہ کھانا تیرے لئے ہے کہ تو اس کو کھائے یا یہ کپڑے تیرے لئے ہے کہ تو اس کو پہنے، بحر۔(ت)

اور اگر خود اپنی یا اس چیز یا صالح استحقاق شخص ثالث کی کوئی مصلحت ذکر کرے تو اسے شرط فاسد قرار دے کر تملیک کو صحیح اور شرط کو باطل کرتے ہیں۔ مثلاً یہ غلام میں نے تجھے ہبہ کیا اس شرط پر کہ مہینہ بھر میری یا زید کی خدمت کرے، یا اس شرط پر کہ تو اسے آزاد کردے۔ درمختار میں ہے:

حکمھا انھا لاتبطل بالشروط الفاسدۃ فھبۃ عبد علی ان یعتق تصح وتبطل الشرط۔[3]	ہبہ کا حکم یہ ہے کہ وہ شرط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا، چنانچہ غلام کا ہبہ اس شرط پر کہ موہوب لہ اس کو آزاد کردے صحیح ہے اور شرط باطل ہوجائے گی۔(ت)

نہ یہ کہ زید اپنی مصلحت ذکر کرے تو سرے سے تملیک ہی اڑادیں اور اسی ذکر مصلحت کو اس کے بطلان کا قرینہ ٹھہرادیں۔ یوں ہوتا تو یہ کہنا کہ میں نے زید کو اس غلام کا مالک کیا اس شرط پر کہ مہینہ بھر بعد مجھے واپس کردے ہبہ نہ ہوتا عاریت قرار پاتا حالانکہ یہ باجماع ائمہ حنفیہّ باطل ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

---

[1] الدرالمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[2] ردالمحتار کتاب الھبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۹

[3] الدرالمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۸

قال اصحابنا جمیعا رحمهم الله تعالٰی اذاوهب هبة وشرط فیها شرطا فاسدا فالهبة جائزة والشرط باطل کمن وهب لرجل أمة فاشترط علیه ان یردها علیه بعد شهر کذا فی السراج الوهاج۔[1]	ہمارے تمام اصحاب رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ جب کسی نے ہبہ کیااوراس میں کوئی فاسد شرط لگادی تو ہبہ جائزاور شرط باطل ہے۔جیسے کسی نے لونڈی اس شرط پر ہبہ کی کہ ایک ماہ بعد موہوب لہ،وہ لونڈی واہب کولوٹادے گا،سراج وہاج میں یوں ہی ہے۔(ت)

افادہ ثانیہ

جس طرح الفاظ مذکورہ سے شاہ محمد خاں کو وصی سمجھنا باطل ہے یوں ہی ان مکانوں کی وصیت تجہیز و تکفین وایصال ثواب کے لئے ٹھہرانا حلیہ صواب سے عاری وعاطل ہے وہ تومکانات کوشاہ محمد خاں کی ملک کرچکااور اختیار بیع رہن کاملک پر متفرع ہونا بدیہی۔وہ یہ نہیں کہتاکہ شاہ محمد پر لازم ہے کہ ان کو بیع یا رہن کرکے روپیہ میری تجہیز و تکفین وفاتحہ میں اٹھادے بلکہ یہ کہتا ہے کہ شاہ محمد ان کامالک ہے اسے بیع ورہن کااختیار ہے ہاں اگر بیع یارہن کرے تو اس صورت میں کہتاہے کہ روپیہ میری ارواح پر بخش دے گا۔اس جملہ کو اگراس کے ظاہر پر رکھیں توخبر ہے جس کاحاصل شاہ محمد خاں اور موصی کی دوستی کابیان ہے کہ مجھے اس سے یہ امید ہے ولہذا میں اسی کو اپنے مال کامالک کرناچاہتاہوں جس طرح آخر میں کہاکہ کل اشیائے مندرجہ بالا کا مالک شاہ محمد خاں ہے جس نے میری خدمت ازحد کی ہے بعدانتقال میری تجہیز و تکفین کاانتظام کرے گااور میری منزلت اخیر کوپوراانجام دے گااور اگر خبر بمعنی امر لیں توحاصل یہ ہوگاکہ شاہ محمد خاں اگر بیع یارہن کرے توروپیہ میری ارواح پر بخشدے،یہ ایصال ثواب کی وصیت نہیں ہوسکتا بعد اس کے کہ مکانات ملک موصی لہ کرچکا،پرائی ملک میں اسے وصیت کاکیااختیار رہا، وصیت ایجاب ہے اورملک غیر میں اس کے کہے سے کوئی بات واجب نہیں ہوسکتی مالک کو اختیار ہے کہ مانے یانہ مانے، ایضاح پھر نہایہ شرح ہدایہ پھر نتائج الافکار میں ہے:

الوصیة مااوجبها الموصی فی ماله بعد موته اومرضه	وصیت وہ ہے کہ موصی اپنے مال میں اس کا ایجاب کرے اس کی موت کے بعد یاایسی

---

[1] الفتاوی الهندیہ کتاب الهبہ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۶

الذی مات فیہ[1]۔	بیماری میں جس کے اندر وہ مرا۔ (ت)

تفریعات

(۱) فتوٰی ٦ کا ادعا کہ وصیت نامہ پر غور سے معلوم ہوتا ہے کہ متوفی نے شاہ محمد کے حق میں کچھ بھی وصیت نہ کی بلکہ صرف اپنا وصی مقرر کیا ہے، محض باطل ہے۔

(۲) فتوٰی ٦ کا اس ادعا پر جملہ مذکورہ میری ارواح بخش دے گا سے استدلال کہ وصیت بحق شاہ محمد متوفی ہوتی تو یہ کہنا بے معنی ہو جاتا خود بے معنی اور صحیح و باطل کا قلب کر دینا ہے جیسا کہ تنبیہ میں واضح ہوا۔ اس نے مطلقًا کہا ہے کہ مالک محمد شاہ خاں مذکور ہے اور اس کے بعد وہ الفاظ کہ بعد فروخت یا رہن الخ جملہ مستقلہ ہیں کہ اس جملہ کی قید و شرط نہیں ہو سکتے۔ بحر الرائق متفرقات البیوع جلد ٦ میں ہے:

فی بیوع الذخیرۃ اشتری حطبا فی قریۃ شراء صحیحا وقال موصولا بالشراء من غیرشرط فی الشراء، احملہ الی منزلی، لایفسد العقد لان ھذا لیس بشرط فی البیع بل ھو کلام مبتدأ بعد تمام البیع فلایوجب فسادہ اھ فعلی ھذا لو استاجر قریۃ اوارضا للزراعۃ ثم قال بعد تمامھا ان الحرث علی المستأجر لاتفسد لانہ لم یکن شرطا فیھا وانما یکون شرطا لو قال علی ان الحرث علیہ فلیحفظ ھذا فانہ یخرج علی کثیر من المسائل۔[2]	بیوع ذخیرہ میں ہے کسی نے ایک قریہ میں ایندھن خریدا صحیح خریداری کے ساتھ پھر اس سے متصل بلاشرط کہا اس کو میرے گھر تک لے چلو تو عقد فاسد نہ ہوگا کیونکہ یہ بیع میں شرط نہیں بلکہ بیع مکمل ہو جانے کے بعد نیا کلام ہے جو موجب فساد نہیں اھ اسی پر مبنی ہے یہ مسئلہ کہ کسی نے زراعت کے لئے دیہات یا زمین کرایہ پر لی پھر بیع کے مکمل ہونے کے بعد کہا کہ کاشت کرنا کرایہ دار کے ذمہ ہوگا تو اجارہ فاسد نہ ہوگا، کیونکہ یہ اجارہ میں شرط نہیں وہ تو تب ہوتی کہ یوں کہتا اس شرط پر کہ کاشتکاری کرایہ دار کے ذمہ ہوگی، اس کو محفوظ کر لینا چاہیئے کیونکہ اس سے بہت سے مسائل کی تخریج ہو سکتی ہے۔ (ت)

اور اگر بفرض غلط اس کے معنی یہ قرار دے لیجئے کہ شاہ محمد کی تملیک کو اس شرط سے مشروط

[1] نتائج الافکار (تکملہ فتح القدیر) کتاب الوصایا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۳۴۱

[2] بحر الرائق کتاب البیوع باب المتفرقات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ٦/ ۱۸۸

کرتا ہے یعنی میں نے شاہ محمد خاں کو وصیۃً ان مکانات کامالک کیااس شرط پر کہ اگر وہ بیع یا رہن کرے تو روپیہ میری فاتحہ میں اٹھائے، تو **اوّلاً**: ہم ثابت کرچکے کہ تملیک بلاعوض میں ایسی شرط باجماع ائمہ حنفیہ باطل ہوگی۔

ثانیاً: ہم پوچھتے ہیں اس صورت میں بعد موت موصی کے مکانات ملک موصی سے خارج ہوگئے ملک موصی لہ میں داخل ہوئے یا نہیں، اگر کہتے ہو ہاں تو مقصود حاصل کہ مالک پر اس کی ملک میں جبر کیا معنی، اور اگر کہتے ہو نہیں تو کیوں، حالانکہ موصی نے وصیت کی اور موصی لہ قبول کرچکااور وصیت بعد قبول ناقل ملک ہے۔ اشباہ میں ہے:

الموصی لہ یملك الموصی بہ بالقبول[1]۔	جس کے لئے وصیت کی گئی وہ وصیت والی چیز کو قبول کرنے سے اس کامالک ہوجاتا ہے۔ (ت)

اور یہ کہنا محض نادانی ہوگا کہ وصیت تومشروط تھی جب تک شرط نہ پائے جائے گی، یہ شرط فی الوصیۃ بالشرط اور تعلیق الوصیۃ بالشرط میں فرق نہ کرنے سے ناشیئ ہوگا یہاں اگر ہے تو اول ہے نہ ثانی کہ سرے سے مبطل وصیت ہے کہ وصیت تملیک ہے اور تملیکات تعلیق بالخطر قبول نہیں کرتیں، درمختار میں ہے:

کل ماکان من التملیکات اوالتقییدات یبطل تعلیقه بالشرط۔[2]	جو کچھ تملیکات یا تقییدات میں سے ہے اس کو شرط کے ساتھ معلق کرنا باطل ہے (ت)

معہذا وہ کیا شرط تھی کہ نہ پائی گئی آیا روپیہ صرف فاتحہ کرنا نہ ہوا، تو یہ تو بحال بیع ورہن شرط تھا بیع ورہن خود ہی نہ پائے گئے، رہا بیع ورہن کرنا تو یہ شرط ہی نہ کئے گئے تھے شرط لازم کی جاتی ہے اور بیع ورہن کا اس نے اختیار بتایا ہے نہ کہ ایجاب۔

(۳) فتوی ٦ کا قول کہ اسلئے شاہ محمد خاں کو بحیثیت وصیت تیسرا حصہ جائداد کاملے گا اس لئے کہ بحق واحد بخش خیرات کردے نہ اس لئے کہ وہ خود اس کامالک بن جائے، بنائے فاسد علی الفاسد ہے، بلکہ بلاشبہہ وہ وصیت بحق شاہ محمد ہے اس لئے کہ وہ خود اس کامالک کرچکا

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۳

[2] الدرالمختار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۳

موصی نے جابجا جس کی صریح تصریح کی مگر فتوی کہتا ہے کہ موصی خود اپنی مراد نہ سمجھا، مراد یہ ہے جو ہم کہتے ہیں۔

(۴) بفرض باطل ایسا ہوتا بھی تو یہ الفاظ کہ میری ارواح کو بخش دے گا موصی نے صرف مکانات کی نسبت لکھے ہیں باقی وصیت کی نسبت نہیں فتوی ۶ کا تو مطلقاً سب جائداد پر یہی حکم لگادینا اور پورا ثلث خیرات کے ٹھہرادینا صریح ظلم یا عدم فہم ہے **نسأل اللّٰہ العفو والعافیة** (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں۔ت)

(۵) یہی خطا فتوی ۲ کو آڑے آئی لکھا زوجہ کا حق متروکہ متوفی سے سدس ہے باقی موصی لہ کا ہے اور اللہ اسباب خیر میں صرف کرے جب باقی موصی لہ کا ہوچکا پھر وجوہ خیر میں صرف کرنے کا اس پر ایجاب کیا معنی، اگر وہ کرے گا تبرع ہوگا اور تبرع پر جبر نہیں "**مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ**"[1] (احسان کرنے والوں پر کوئی راہ نہیں۔ت)

(۶) بلکہ فتوی ۲ کی غلطی فتوی ۶ سے بڑھ کر ہے اس نے تو شاہ محمد کے لئے وصیت مانی ہی نہ تھی تو اسے گنجائش ملی کہ خیرات کے لئے وصیت ٹھہرادے اگرچہ یہ سرتاپا غلط تھا اس نے اس سے عجیب تر راہ اختیار کی کہ تمام باقی بعد فرض الزوجہ کی وصیت شاہ محمد کے لئے مانی پھر اسی پر خیرات کا حکم لگادیا یعنی شیئ واحد کی وصیت عمرو کے لئے بھی ہے اور بعینہٖ اس شیئ کی وصیت اللہ عزوجل کے لئے بھی ہے حالانکہ یہ بداہۃً محال ہے۔

(۷) فتوی ۲ نے اس مطلب پر عبارات یہ نقل کیں:

(۱) اوصی بثلث مالہ للّٰہ تعالٰی[2]۔	اللہ تعالٰی کے لئے اس نے اپنے تہائی مال کی وصیت کی (ت)
(۲) لو اوصی بالثلث وجوہ الخیر[3]۔	اگر اس نے نیکی کے کاموں کے لئے تہائی کی وصیت کی (ت)
(۳) لاتصح من ممیز الافی تجھیزہ[4]۔	باتمیز صغیر کی وصیت صحیح نہیں مگر صرف اس کی تجہیز میں۔ (ت)

اور نہ دیکھا کہ جب میں باقی کی وصیت عمرو کے لئے مان چکا تو ان عبارات کا کیا محل رہا۔ **نسأل اللّٰہ العفو والعافیة**۔

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۹۱

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا ۲/ ۳۲۲

[3] الفتاوی الھندیۃ الباب الثانی ۶/ ۹۷

[4] الدرالمختار کتاب الوصایا ۲/ ۳۱۹

افادہ ثالثہ

عالم خاتون بھی ضرور موصی لہا ہے مکانات واثاث البیت کے باب میں اس کے لئے وصیت المنفعۃ ہو نا تو بدیہی اور نظر بر سیاق و سباق وصیت نامہ، اس زیور کی بھی اس کے لئے وصیت ہے ابتداء وصیت نامہ میں ہے مجھ کو اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ کا انتظام ضروری ہے کہ پس ماندگان میں تکرار نہ ہو اس کا انتظام یہ ہے کہ زیورات ذیل زوجہ کو ملے گا الخ پھر مکانات واثاث البیت کے وصیت بنام شاہ محمد خاں کی جس کا حاصل یہ تقسیم ہوئی کہ وہ زیور عالم خاتون کے اور مکانات واثاث البیت شاہ محمد خاں کے۔آخر میں لکھا یہ جملہ شرائط بعد میرے قابل تعمیل ہوں گے جب تک میں حیات ہوں کسی کا تعلق نہیں بعد میں بموجب بالا تقسیم ہوں گے صاف واضح ہو گیا کہ دونوں کے لئے تملیک بعد الموت کر رہا ہے تو اس کا زیور مذکور کی نسبت کہنا میری زوجہ کے ہیں ایسا ہی ہے جیسا مکانات کو کہا مالک شاہ محمد خاں ہے اور وارث کے لئے وصیت بلاشبہہ جائز ہے جبکہ اور کوئی وارث نہ ہو، ردالمحتار بیان شرائط وصیت میں ہے:

وکونہ غیر وارث ای ان کان ثمۃ وارث اٰخر والا تصح کما لو اوصی احد الزوجین للاٰخر ولا وارث غیرہ۔[1]	اور اس کا غیر وارث ہونا، یعنی جب وہاں کوئی اور وارث ہو ورنہ صحیح ہے، جیسا کہ زوجین میں ایک دوسرے کے لئے وصیت کرے اور اس کے علاوہ کوئی اور وارث نہ ہو (ت)

درمختار میں ہے:

لا لوارثہ الا باجازۃ ورثتہ او لم یکن لہ وارث سواہ کما فی الخانیۃ حتی لو اوصی لزوجتہ او ھی لہ ولم یکن ثمۃ وارث اٰخر تصح الوصیۃ، ابن کمال[2]۔	وارث کے لئے وصیت جائز نہیں مگر اس وقت دیگر ورثاء اجازت دے دیں یا کوئی اور وارث موجود ہی نہ ہو جیسا کہ خانیہ میں ہے، یہاں تک اگر خاوند نے بیوی کے لئے بیوی نے خاوند کے لئے وصیت کی اور وہاں کوئی دوسرا وارث موجود نہیں تو وصیت صحیح ہوگی، ابن کمال۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۶

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

تفریعات

(۸) فتوٰی ۵ کا قول مدعیہ وارث شرعی ہے اس کے حق میں وصیت نہ سمجھی جائے اس لئے کہ وارث کے واسطے وصیت جائز ہے۔ مسئلہ وارث واحد کے حکم سے غفلت ہے۔

(۹) طرفہ یہ کہ خود فتوٰی ۵ نے سند میں عبارت در مختار **لالوارثه الخ** (وارث کے لئے جائز نہیں۔ت) نقل کی جس کے آخر میں موجود **یعنی عند وجود وارث اٰخر**[1] (دوسرے وارث کی موجودگی میں۔ت)

(۱۰) زیور بعد موت عوض مہر میں دیئے جانے کو لکھنا بھی وصیت ہوا **لکونه ایجابا بعد الموت** (موت کے بعد ایجاب ہونے کی بناپر) تو فتوٰی ۵ کا کہنا کہ بلکہ یہ زیورات حق مہر کے عوض سمجھے جائیں اور اسے منافی وصیت جاننا عجیب ہے۔

(۱۱) استفتاء مرتبہ ڈسٹرکٹ ججی خانپور کے سوال میں آتا ہے کہ جو زیورات مدعیہ کو ملے ہیں ان کی نسبت وہ کہتی ہے کہ مجھ کو حق مہر میں شوہر دے گیا ان سے بھی ہرگز مفہوم نہ ہوا کہ یہ دیا جانا صحت میں تملیک فی الحال تھا جب وہ لکھ گیا کہ میرے بعد یہ زیور میری زوجہ کے ہیں تو ضرور وصیت ہی ہوئی اگرچہ بعوض مہر دینا مراد ہو اور اس صورت میں عورت کا کہنا کہ مجھ کو حق مہر میں شوہر دے گیا بلاشبہہ صادق ہے تو فتوٰی ۵ کا قول کہ بلکہ زیورات مہر کے عوض سمجھے جائیں جیسا کہ خود مدعیہ کا قول ہے محض نامفید مقصود ہے۔

(۱۲) ہم واضح کرچکے ہیں کہ وصیت نامہ کا صریح مفاد تملیک بعد الموت ہے وہ نص کرچکا کہ جب تک میں حیات ہوں کسی کا تعلق نہیں بعد میں تقسیم ہوں گے تو فتوٰی ۵ کا قول کہ خود عبارت وصیت نامہ کا محمل قوی یہ ہے، عجیب ہے۔

افادہ رابعہ

وصیت جس طرح رقبہ شیئ کی صحیح ہے یوں ہی تنہا منفعت کی، یونہی یہ بھی کہ ایک کے لئے رقبہ کی وصیت کرے دوسرے کے لئے منفعت کی پہلی صورت میں متروکہ ملک وارثہ ہوگا اور اس کی

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

منفعت ملک موصی لہ اور دوسری صورت میں پہلا موصی لہ رقبہ شیئ کامالک ہوگا اور دوسرا اس کی منفعت کا۔ بہرحال وہ شیئ بغرض انتفاع موصی لہ بالمنفعت کے قبضہ میں رہے گی ورثہ یا موصی لہ بالرقبہ کو اس کی بیع کا اختیار نہ ہوگا جب تک موصی لہ بالمنفعۃ کو اس سے انتفاع کا حق باقی رہے، مثلاً سال بھر کے لئے وصیت منافع کی تو سال بھر تک اور موصی لہ کی زندگی تک تو اس کی حیات تک۔ ہدایہ میں ہے:

تجوزالوصیۃ بخدمۃ عبدہ وسکنی دارہ سنین معلومۃ وتجوزبذٰلک ابدافان خرجت رقبۃ العبد من الثلث یسلم الیہ لیخدمہ وان کان لامال لہ غیرہ خدم الورثۃ یومین والموصی لہ یوما بخلاف الوصیۃ بسکنی الداراذاکانت لاتخرج من الثلث حیث تقسم عین الدار اثلاثا للانتفاع لانہ یمکن القسمۃ بالاجزاء وھواعدل للتسویۃ بینھما زمانا وذاتا ولو اقتسموا الدارمھایاۃ تجوز ایضا لان الحق لھم، ولیس للورثۃ ان یبیعوا مافی ایدیھم من ثلثی الدار لان حق الموصی لہ ثابت فی سکنی جمیع الدار ولہ حق المزاحمۃ فیمافی ایدیھم اذا خرب مافی	اپنے غلام کی خدمت اور گھر کی سکونت کی وصیت معین سالوں کے لئے جائز ہے اور دائمی وصیت بھی جائز ہے، پھر اگر غلام کی گردن یعنی اس کی قیمت موصی کے تہائی مال سے نکل سکتی ہے تو غلام موصی لہ کو سونپ دیا جائے گا تاکہ اس کی خدمت کرے، اور اگر موصی کا سوائے اس غلام کے کوئی اور مال نہیں تو وہ غلام دو دن وارثوں کی او ایک دن موصٰی لہ کی خدمت کرے گا بخلاف گھر کی سکونت سے متعلق وصیت کے کہ اگر گھر تہائی مال سے نہیں نکل سکتا تو اس سے نفع اٹھانے کے لئے تہائیوں کے اعتبار سے خود گھر کو تقسیم کرلیا جائے گا کیونکہ گھر کے اجزاء کی تقسیم ممکن ہے اور یہ تقسیم زمان وذات کے اعتبار سے زیادہ عدل پر مبنی ہے، اور اگر انہوں نے باریوں کے اعتبار سے تقسیم کرلیا تب بھی جائز ہے کیونکہ یہ انکا اپنا حق ہے، وارثوں کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے زیر قبضہ دو تہائی گھر کو فروخت کریں کیونکہ موصٰی لہ کے لئے تمام گھر میں سکونت کا حق ثابت ہے، جب موصی لہ کے زیر قبضہ تہائی حصہ خراب ہو جائے تو اس کے وارثوں

یدہ والبیع یتضمن ابطال ذٰلك فمنعوا عنه[1]۔ (ملخّصًا)	کے زیر قبضہ دو تہائی مکان میں مزاحمت کا حق ہے جبکہ بیع اس حق کے ابطال کو متضمن ہے لہٰذا وارثوں کو اس سے روکا جائے گا۔ ملخصا (ت)

اسی میں ہے:

ولو اوصی له بخدمة عبدہ ولاٰخر برقبته وھو یخرج من الثلث فالرقبة لصاحب الرقبة والخدمة علیھا لصاحب الخدمة لانه اوجب لکل منھا شیئا معلوما، ثم لما صحت الوصیة لصاحب الخدمة فلو لم یوص فی الرقبة بشیئ لصارت الرقبة میراثا للورثة مع کون الخدمة للموصی له فکذا اذا اوصی بالرقبة لانسان اخراذ الوصیة اخت المیراث من حیث ان الملك یثبت فیھما بعد الموت[2]۔ (ملخصًا)	اگر ایک شخص کے لئے غلام کی خدمت اور دوسرے کے لئے اس کے رقبہ کی وصیت کی درآنحالیکہ وہ تہائی مال سے نکل سکتا ہے تو رقبہ صاحب رقبہ کے لئے جبکہ اس پر خدمت صاحب خدمت کے لئے ہوگی کیونکہ موصی نے ہر ایک کے لئے وصیت میں کچھ معین شیئ ثابت کردی، پھر جب صاحب خدمت کے لئے وصیت صحیح ہوجائے اور رقبہ میں وہ کسی کے لئے وصیت نہ کرے تو رقبہ وارثوں کی میراث ہوگا باوجودیکہ خدمت موصی لہ کے لئے ہوگی۔ اور یہی حکم ہوگا اگر اس نے رقبہ کی وصیت کسی دوسرے انسان کے لئے کردی کیونکہ وصیت میراث کی بہن ہے اس حیثیت سے کہ ان دونوں میں ملک موت کے بعد ثابت ہوتی ہے۔ ملخصًا (ت)

اسی طرح اور کتب جلیلہ میں ہے اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ اگر دو یا دس مکانوں کے سکنٰی کی زید کے لئے وصیت کی تو اگرچہ وہ ان میں سے ایک ہی میں سکونت کرے گا جس کا اسے اختیار ہوگا کہ ان میں سے جس مکان میں چاہے رہے مگر وہ سب مکان اس کے حق کے لئے مدت حق تک محبوس رہیں گے ورثہ یا موصی لہ بالرقبہ کو ان کی بیع کا اختیار نہ ہوگا کہ اس کا حق ہر مکان میں

[1] الھدایة کتاب الوصایا باب الوصیة بالسکنی الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۸۰۔۶۷۹

[2] الھدایة کتاب الوصایا باب الوصیة بالسکنی الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۸۲

ثابت ہے اور ہر مکان کی نسبت محتمل ہے وہی باقی رہے اور سب کسی آفت سے منہدم ہوجائیں تو اگر ان میں بعض کو مالکان رقبہ بیچ سکیں تو موصی لہ بالمنفعۃ کا حق ضائع ہونے کا احتمال ہے۔

وانظر الٰی قول الھدایۃ حق المزاحمۃ فیما فی ایدیھم [1] وثم لم تثبت لہ الوصیۃ الا فی الثلث فکیف وقد اوصی لہ بکل۔	ہدایہ کے قول پر نظر کرو کہ موصی لہ کو وارثوں کے زیر قبضہ گھر میں مزاحمت کا حق ہے اور پھر نہیں ثابت ہوئی اس کے لئے وصیت مگر تہائی مال میں تو کیسا حال ہوگا جبکہ اس نے کل مال کی وصیت کردی ہے۔(ت)

اور اس کے لئے ہرگز شرط نہیں کہ وہ اپنی ملک میں کوئی شے ایسی نہ رکھتا ہو جس سے یہ منفعت حاصل کرسکے جو اپنا ذاتی مکان رکھتا ہو اس کے لئے وصیت یا سکنٰی کی ممانعت نہیں نہ یہ امر مانع نفاذ وصیت ہو، وھذا ظاھر جدّا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ت)

تفریعات

(۱۳) یہیں سے ظاہر کہ فتوی ۷ کہ اس احتمال کی کہ متوفی نے زیورات مذکورہ اگر مدعیہ کو مرض الموت سے پہلے تملیکا دے دیئے ہیں اور وصیت نامہ کی تحریر اس کا بیان ہے تو وہ زیورات متوفی کے ترکہ سے خارج ہیں یہاں کوئی گنجائش نہیں۔

(۱۴) تملیک مضاف الی مابعد الموت اگرچہ حالت صحت میں ہو وصیت ہے کہ فتوی ۷ کا یہاں مطلق تملیک کہنا اور شق مقابل کو اگر مرض الموت میں وصیت کی ہے مرض سے مقید کرنا ضیق بیان ہے، ہدایہ میں فرمایا:

کل ما اوجبہ بعد الموت فھو من الثلث وان اوجبہ فی حال صحتہ اعتبارا بحال الاضافۃ دون حال العقد۔ [2]	ہر وہ تملیک جس کا ایجاب موت کے بعد کیا ہو تو وہ تہائی مال میں نافذ ہوگی اگرچہ اس کا ایجاب حالت صحت میں کیا ہو حالت اضافت کا اعتبار کرتے ہوئے نہ کہ حال عقد کا۔(ت)

(۱۵) فتوی ۵ کا قول بعد وفات متوفی کے مدعیہ کا کوئی حق رہائش مکان و نان نفقہ وغیرہ کا

---

[1] الھدایۃ کتاب الوصایا باب الوصیۃ بالسکنٰی والخدمۃ الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۸۰

[2] الھدایۃ کتاب الوصایا باب العتق فی مرض الموت مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۶۹

نہیں۔نہ فقط وصیت نامہ بلکہ سوال سائل کو بھی نہ سمجھنے پر مبنی ہے،سائل نے یہ نہ پوچھا تھاکہ جس طرح حیات میں زوجہ کا نفقہ وسکنٰی شوہر پر ہے آیا بعد وفات شوہر بھی یہ حق باقی رہتے ہیں جس کاجواب نفی میں دیاجائے وہ تو اس حق سکنٰی کو پوچھتا ہے جس کی اس کے لئے موصی نے وصیت کی ہے اس کاانکار کرنااور اپنی طرف سے اس میں نان نفقہ دلادیناکیامعنی رکھتا ہے۔

(۱۶) یوں ہی مستفتی نے وصیت مذکورہ دربارہ ظروف کو دریافت کیاتھاکہ زوجہ کے لئے جائز اور اپناحصہ پانے کے بعد بھی نافذ ہے یانہیں فتوی ۵ نے وصیت نامہ وسوال سائل ومسئلہ وصیت بالمنفعۃ سب سے ذہول فرماکر لکھ دیاکہ اس میں کوئی اثر نہیں۔

(۱۷) اس سے عجیب تر فتوی اکاقول ہے کہ عالم خاتون کو رہائش کاحق حاصل نہیں اس باب میں واحد بخش کی وصیت لغو وبے اثر رہے گی،فتوی ۵ نے تو وصیت سے ذہول کیاحیات کے نفقہ وسکنٰی کے مثل کسی حق بعدالوفاۃ سے استفسار سمجھامگر فتوی اولٰی نے صراحۃً وصیت مان کر محض بلاوجہ شرعی اسے لغو وبے اثر کردیا،یہ عجیب منطق ہے،کیاشرعًا وصیت بالسکنی باطل ہے یاخاص زوجہ تنہاوارثہ کے لئے باطل ہے اور جب کچھ نہیں تو اسے لغو کہناہی لغو نہیں صریح باطل ہے۔

(۱۸) سوال ۶ کو فتوی ا بھی مثل فتوی ۵ نہ سمجھاکہ استفسار اس وصیت کے جواز سے ہے جس کاجواب اثبات میں دیناواجب تھایا یہاں بھی اپنی اسی منطق کی بناپر وصیت کو لغو ٹھہرالیاہے۔نسأل اللہ **العفووالعافیۃ** (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ت)

افادہ خامسہ جلیلہ مشتمل بر فوائد جزیلہ

فائدہ،اصل یہ ہے کہ ترکہ میں تجہیز وتکفین کے بعد سب سے مقدم دین ہے پھر اجنبی کے لئے ثلث تک وصیت پھر وارث کی میراث پھر وارث منفرد کے لئے وصیت اور اجنبی کے لئے ثلث سے زائد کی وصیت ہے یہ دونوں مرتبہ واحدہ میں ہیں ثلثہ پیشیں کی تقدیم اور باہم ترتیب معروف ومشہور ہے اور میراث کاوصیۃ للوارث اور مافوق الثلث وصیۃ للاجنبی پر تقدم ہے اگروہ وارث کل مال بذریعہ ارث پاسکتاہے تو ثلث وصیت کے بعد کل میراث ہی ٹھہرے گااس کی وصیت اپنے نفاذ کا محل ہی پائے گی یونہی اجنبی کی وصیت قدرزائد علی الثلث میں معطل رہ جائے گی یعنی جبکہ وارث اجازت نہ دے ورنہ وصیت ثلث کے مثل ارث مجیز پر تقدم پائے گی اور اگر بذریعہ میراث صرف بعض کا مستحق ہے اور وہ نہیں مگر زوجین کہ ربع یانصف سے زائد کے مستحق نہیں تو ثلث وصایا کے بعد

باقی کا ربع یا نصف انہیں ارثاً پہنچے گا پھر جو بچا اس میں ان کی وصیت اور اجنبی کی زیادہ از ثلث وصیت حصہ رسد نفاذ پائے گی اگرچہ ان کے خواہ اجنبی خواہ ہر ایک کے لئے کل مال کی وصیت ہو بالجملہ وصیت زائد للا جنبی حصہ میراث میں نافذ نہ ہوگی اور وصیت للوارث نہ اس میں نافذ ہو نہ ثلث اجنبی میں اس مراعات ترجیح پر ہر ایک کی وصیت ملحوظ رہے گی یہ ہے ان دونوں کی باہم تساوی اور میراث کا ان پر تقدم۔ مثلاً میت نے صرف ایک زوجہ وارث چھوڑی اور کل مال کی وصیت اس کے لئے جداگانہ اور زید کے لئے جداکہ ہر ایک موصی لہ بجمیع المال ہوا اس صورت میں ترکہ بارہ سہم ہو کر پانچ سہم زوجہ کو ملیں گے اور سات زید کو۔ اس لئے کہ اولاً زید کو ثلث دیا کہ میراث پر مقدم ہے ۴ ہو کر، باقی ۸ کا ربع یعنی ۲ زوجہ نے ارثا لئے، ۶ بچے، زید کی وصیت کل مال یعنی پورے ۱۲ اسہام کی تھی وہ حصہ میراث ۱۲/۲ میں نافذ نہیں ۱۲/۱۰ بچے جن میں سے ۱۲/۴ پاچکا ہے باقی ۱۲/۶ رہے اور زوجہ کی وصیت بھی پورے ۱۲ اسہام کی تھی وہ نہ اس ۱۲/۴ میں جاری ہوسکتی ہے جو زید نے ابتداءً پائے نہ ان ۱۲/۲ میں جو خود زوجہ نے ارثا لئے تو اس کی وصیت بھی ۱۲/۶ رہی دونوں برابر ہوئے تو ۶ باقی ان میں نصف نصف ہو کر زوجہ کے ۵ زید کے ۷ ہوئے، قس علیہ۔

اقول: ولعل السر فی تقدیم ارث الوارث علی الوصیۃ لہ ان الارث جبری فبمجرد مامات المورث اوفی اٰخر جزء من اجزاء حیاتہ علی القولین فیہ لمشائخ بلخ والعراق انتقل الملك فی قدر المیراث الی الوارث غیر متوقف علی شیئ بخلاف الوصیۃ فانھا تتوقف علی قبولہ فنفاذھا یعقب القبول وقبولہ یعقب الموت والارث یقارن الموت اویتقدمہ فتاخرت ضرورۃ اما الوصیۃ للاجنبی فالمال باق فیھا الی الثلث علی ملك الموصی نظرا لہ من الشارع کما نصوا	**میں کہتا ہوں** شاید وارث کی میراث کو اس کے حق میں وصیت سے مقدم کرنے میں راز یہ ہے کہ میراث جبری ہے، محض مورث کی موت یا اس کی زندگی کے آخری جزء میں جیسا کہ مشائخ بلخ وعراق کے قول ہیں بقدر میراث ملک وارث کی طرف منتقل ہوجاتی ہے بخلاف وصیت کے کہ وہ قبول پر موقوف رہتی ہے چنانچہ وصیت کا نفاذ قبول اور قبول موت کے بعد ہوتا ہے جبکہ میراث موت کے ساتھ مقترن یا اس سے مقدم ہوتی ہے تو وصیت میراث سے بداہۃً مؤخر ہوئی، رہی اجنبی کے لئے وصیت تو اس میں مال ایک تہائی تک شارع کی طرف موصی کی ملک پر باقی رہتا ہے جیسا کہ اس پر مشائخ نے

علیه واشار الیه فی الهدایة فلایجری فیه الارث مالم یرد الموصی له فاذا قبل فقد تقدم وملکه من دون ان یلحقه ملك الوارث۔	نص کی ہے اور اسی کی طرف ہدایہ نے اشارہ فرمایا ہے تو اس میں اس وقت تک میراث جاری نہیں ہوگی جب تک موصی لہ اس کو رد نہ کردے اگر وہ اس وصیت کو قبول کرلے تو اس کی ملکیت مقدم ہوگی بغیر اس کے اس کے ساتھ کسی وارث کا حق ملحق ہو۔(ت)

درمختار کتاب الاقرار میں ہے:

لولم یکن وارث اٰخر واوصی لزوجته اوهی له صحت الوصیة واما غیرهما فیرث الکل فرضا اوردا فلایحتاج لوصیة شرنبلالیة۔[1]	اگر کوئی اور وارث موجود نہ ہو خاوند بیوی کے لئے یا بیوی خاوند کے لئے وصیت کرے تو یہ وصیت صحیح ہوگی، لیکن جوان دونوں کا غیر ہے وہ بطور فرض یا بطور رد کل مال کا وارث ہو جائے گا لہٰذا وہ وصیت کا محتاج نہیں، شرنبلالیہ(ت)

اسی کے وصایا میں ہے:

وانما قیدوا بالزوجین لان غیرهما لایحتاج الی الوصیة لانه یرث الکل بردا ورحم۔[2]	زوجین کی قید مشائخ نے اس لئے لگائی کہ ان کا غیر وصیت کا محتاج نہیں ہوتا کیونکہ وہ بطور رَد یا بطور رشتہ داری کل مال کا وارث بن جاتا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ترك امرأة واوصی لها بالنصف ولاجنبی بالنصف یعطی للاجنبی اولا الثلث وللمرأة ربع الباقی ارثا	کسی شخص نے بیوی چھوڑدی اور اس کے لئے اپنے نصف مال کی وصیت کی جبکہ نصف مال کی وصیت کسی اجنبی کے لئے کی تو پہلے اجنبی کو

---
[1] الدرالمختار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۶

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

والباقی یقسم بینهما علی قدر حقوقهما تاتارخانیة۔[1]	تہائی مال دیں گے پھر باقی سے چوتھا حصہ بیوی کو میراث دیا جائے اور جو باقی بچا وہ ان دونوں میں ان کے حقوق کے مطابق تقسیم کیا جائے گا، تاتارخانیہ (ت)

فتاوٰی خانیہ وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

اذامات الرجل وترك امرأة ولیس له وارث غیرها و اوصی للاجنبی بجمیع ماله ولامرأته بجمیع ماله یاخذ الاجنبی ثلث المال بلامنازعة وللمرأة ربع ما بقی وهو السدس بحکم المیراث ویبقی نصف المال یکون بینهما وبین الاجنبی نصفین۔[2]	اگر کوئی مرد مرا اور ایک بیوی چھوڑی جس کے علاوہ کوئی اور وارث موجود نہیں، اور اس نے ایک اجنبی شخص کے لئے کل مال کی وصیت کی اور بیوی کے لئے بھی کل مال کی وصیت کی تو اجنبی شخص تہائی مال بغیر کسی منازعت کے لے گا پھر باقی میں سے چوتھا حصہ بیوی کو بطور میراث جو کل کا چھٹا حصہ بنتا ہے، باقی کل نصف بچ گیا جو بیوی اور اجنبی پر برابر برابر تقسیم ہوگا۔ (ت)

امام اجل نسفی کافی شرح وافی کتاب الوصایا باب المتفرقات میں زوجہ موصی لہا کی نسبت فرماتے ہیں:

ماکان مستحقالها بحکم الارث لاتستحقه بحکم الوصیة۔[3]	جس حصہ کی مستحق وہ بطور میراث ہے اس کی مستحق بطور وصیت نہیں ہوگی۔ (ت)

اس کے ایک ورق بعد زوج موصی لہ کی نسبت فرمایا:

حق الزوج کان فی النصف ایضاً بالوصیة ولکن بطل فی السدس لانه اخذ الثلث بحکم الارث شائعاً فخرج السدس عن محل	خاوند کا حق نصف میں بھی بطور وصیت تھا لیکن وہ چھٹے حصے میں باطل ہوگیا کیونکہ وہ ایک تہائی بطور میراث مشترکہ مال میں سے لے چکا ہے لہٰذا وہ چھٹا حصہ وصیت کے محل سے نکل گیا تو

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۰-۴۲۱

[2] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب السادس نورانی کتب خانہ کراچی ۶/ ۱۱۷

[3] الکافی شرح الوافی کتاب الوصایا باب المتفرقات

الوصیة فبطلت وصیته فی ذلك ضربا و استحقاقا عند الکل فبقی حقه فی الثلث [1]۔	اس میں سب کے نزدیک ضرب واستحقاق کے اعتبار سے وصیت باطل ہوگئی لہٰذا اس کا حق تہائی میں باقی رہا۔(ت)

نیز اسی میں عبارت اولٰی کے بعد فرمایا:

ان اوصی لکل واحد من الزوجة ولاجنبی بکل ماله له سبعة و لها خمسة لان الوصیة للاجنبی یقدم علی الارث فیعطی له الثلث من ستة ولها ربع مابقی بحکم الارث بقی ثلاثة بینهما نصفان عند ابی حنیفة رحمه الله فحق الاجنبی کان فی کل المال وقد استوفی سهمین فلایضرب بذٰلك ولایضرب ایضا بما اخذت بحکم الارث وذٰلك سهم فانما یضرب بثلاثة والمرأة لاتضرب بالثلث الذی اخذ الاجنبی اولالان الوصیة للاجنبی بقدر الثلث وصیة قویة فتبطل وصیتها بذلك القدر فلاتضرب المرأة بذٰلك ولابالسهم الذی اخذت ارثا وانما یضرب بثلاثة فاستویا	اگر بیوی اور اجنبی میں سے ہر ایک کے لئے اپنے کل مال کی وصیت کی تو اجنبی کے لئے سات اور بیوی کے لئے پانچ حصے ہوں گے کیونکہ اجنبی کے لئے وصیت میراث سے مقدم ہوتی ہے، چنانچہ اس کو چھ میں سے ایک تہائی دیا جائے گا پھر بیوی کو باقی کا چوتھائی بطور میراث ملے گا باقی تین بچے جوان دونوں کے درمیان امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک نصف نصف ہوں گے کیونکہ اجنبی کا حق کل مال میں تھا جبکہ وہ دو حصے وصول کرچکا ہے تو اب ان کو وہ شامل نہیں کرے گا اور اس کو بھی شامل نہیں کیا جائے گا جو بیوی بطور میراث لے چکی جو کہ ایک حصہ ہے چنانچہ وہ فقط تین حصوں میں شریک ہوگا اور عورت اس تہائی میں شریک نہ ہوگی جو اجنبی پہلے لے چکا ہے کیونکہ وصیت تہائی مال تک اجنبی شخص کے لئے مضبوط وصیت ہے لہٰذا عورت کی وصیت اتنی مقدار میں باطل ہو جائے گی چنانچہ عورت نہ تو اس حصہ میں شراکت کرے گی اور نہ اس حصہ میں جس کو بطور میراث حاصل کر چکی۔ شراکت

[1] الکافی شرح الوافی کتاب الوصایا باب المتفرقات

فی الضرب فی الثلاثۃ الباقیۃ فتخرج المسئلۃ من اثنی عشر۔[1]	صرف تین حصوں میں رہ گئی لہٰذا ان تین باقی حصوں میں وہ دونوں برابر کے شریک ہیں اس لئے مسئلہ بارہ سے بنے گا۔(ت)

فائدہ ۲: جب ایک شخص کے لئے وصیت رقبہ اور اس کے بعد متصلاً خواہ برسوں کے فصل سے وصیت منفعت کی جائے تو موصی لہ اول صرف مالک رقبہ ہوتا ہے اور اسی قدر میں اس کے لئے وصیت مستفاد ہوتی ہے منفعت میں اس کا کوئی حق نہیں ہوتا مثلاً مکان کی وصیت زید کے لئے اور اس کے دس برس بعد سکونت مکان مذکور کی وصیت عمرو کے لئے کردی تو زید صرف رقبہ مکان پائے گا سکونت تاحیات عمرو یا جب تک کے لئے موصی نے کہا صرف حق عمرو رہے گی اور یہ ٹھہرے گا کہ زید کے لئے خالی رقبہ مکان کی وصیت تھی۔ ہدایہ میں فرمایا:

اسم الرقبۃ لایتناول الخدمۃ وانما یستخدمہ الموصی لہ بحکم ان المنفعۃ حصلت علی ملکہ فاذا اوجب الخدمۃ لغیرہ لایبقی للموصی لہ فیہ حق۔[2]	رقبہ کا اسم خدمت کو شامل نہیں۔ موصی لہ تو اس سے خدمت اس وجہ سے لیتا ہے کہ منفعت اس کی ملکیت پر حاصل ہے، پس جب خدمت اس نے کسی اور کے لئے ثابت کردی تو اب موصی لہ کے لئے اس میں کوئی حق نہ رہا۔(ت)

اسی طرح کافی میں فرمایا اور اتنا اور بڑھایا:

وکذا اسم الدار لایتناول السکنی واسم النخیل الا یتناول الثمرۃ۔[3]	اسی دار کا اسم سکونت کو اور درختوں کا اسم پھل کو شامل نہیں ہوتا۔(ت)

عنایہ میں فرمایا:

وصیۃ الرقیۃ والخدمۃ فان الموصول والمفصول فیھما فی الحکم سواء۔[4]	خدمت و رقبہ کی وصیت چاہے اکٹھے ہو یا الگ الگ ہو وہ حکم میں برابر ہے(ت)

[1] الکافی شرح الوافی کتاب الوصایا باب المتفرقات

[2] الہدایۃ کتاب الوصایا باب الوصیۃ بالسکنی الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۸۳

[3] الکافی شرح الوافی

[4] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الوصایا باب السکنی الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۴۱۳

فائدہ ۳: وصیت شیئ اگرچہ وضعًا تملیک منفعت شے نہیں مگر التزامًا ضرور مفید تملیک منفعت شے ہے ولہٰذا اگر پہلے عمرو کے لئے وصیت منفعت کی اس کے بعد شیئ کی وصیت زید کے لئے کی اگر دونوں وصیتیں متصلا کیں جب تو منفعت والے منفعت اور رقبہ والے کو رقبہ کہ ایسا کلام متصل دلیل توزیع و تقسیم ہوتا ہے ولہٰذا اگر کہا کہ یہ انگشتری زید کو دینا اور اس کا نگ عمرو کو یا یہ مکان زید کو دیں اور اس کا عملہ عمرو کو تو بالاتفاق صاحبین زید کے لئے خالی انگشتری بے نگ اور زمین بلاعمارت ہوگی اور عملہ اور نگ تنہا عمرو کا حالانکہ انگشتری نگ کو بھی شامل تھا اور مکان میں عملہ بھی داخل تھا، کافی میں ہے:

ان اوصی بھذہ الامۃ لفلان وبحملھا لاخر اوبھذہ الدار لفلان وببنائھا لاخر اوبھذا الخاتم لفلان و بفصہ لاٰخر فان وصل فلکل واحد مااوصی (الی قولہ) لان ذٰلك بمنزلۃ دلیل التخصیص والاستثناء فیتبین بہ انہ اوجب لصاحب الخاتم الحلقۃ خاصۃ دون الفص الاتری انہ لواوصی بالجاریۃ واستثنی حملا صح الاستثناء۔[1]	اگر یوں وصیت کی لونڈی فلاں کے لئے اور اس کا حمل فلان کے لئے یہ مکان فلاں کے لئے اور اس کی عمارت فلاں کے لئے یا یہ انگوٹھی فلاں کے لئے اور اس کا نگینہ فلاں کے لئے ہے اگر یہ وصیتیں متصلًا کیں تو ہر ایک کو وہی ملے گا جس کی وصیت اس کے لئے کی ہے (اپنے اس قول تک) اس لئے کہ تخصیص و استثناء کی دلیل ہے۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ موصی نے انگوٹھی والے کے لئے حلقہ خاص کیا ہے بغیر نگینے کے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر لونڈی کی وصیت کی اور حمل کو مستثنٰی کردیا تو استثناء صحیح ہے۔ (ت)

اور اگر وصیت رقبہ وصیت منفعت کے بعد کلام مفصول میں کی اور اس میں منفعت کا نام نہ بھی لیا جب بھی مالک رقبہ زید ہوگا اور منفعت عمرو زید میں نصف نصف ہو جائے گی۔ بدائع امام ملک العلماء مسعود پھر عالمگیریہ میں ہے:

لوابتدأبالتبع فی ھذہ المسائل ثم بالاصل بان اوصی بخدمۃ	اگر ان مسائل میں ابتداء تابع سے کی پھر اصل کی وصیت کی مثلًا پہلے خدمت کی وصیت کسی

---

[1] الکافی شرح الوافی

العبد لانسان ثم بالعبد لاٰخر اواوصی بسکنی ھذہ الدار لانسان ثم بالدار لاٰخرا وبالثمرۃ لانسان ثم بالشجرۃ لاٰخر فان ذکر موصولا فلکل واحد منھما ماسمی لہ بہ وان ذکر مفصولا فالاصل للموصی لہ بالاصل والتبع بینھما نصفان۔[1]	شخص کے لئے کی پھر خود غلام کی وصیت کسی دوسرے کے لئے کردی یا سکونت کی وصیت کسی کے لئے کرکے پھر اسی گھر کی وصیت کسی دوسرے کے لئے کردی یا پھل کی وصیت کسی کے لئے کرکے پھر درخت کی وصیت کسی دوسرے کے لئے کردی، اگر وصیتوں کا ذکر متصلاً کیا ہے تب تو ہر ایک کو وہی ملے گا جس کا اس نے نام لیا اور اگر دونوں وصیتوں کے ذکر میں فاصلہ کیا تو پھر جس کے لئے اصل کی وصیت ہے اس کو اصل ملے گا اور تابع ان دونوں میں نصف نصف تقسیم ہوگا۔(ت)

تو اگر وصیت رقبہ اصلاً مفید تملیک منفعت نہ ہوتی تو بحال فصل تنصیف منفعت کی وجہ نہ تھی ہاں وصیت رقبہ کے بعد دوسرے کے لئے وصیت منفعت، اول کے لئے استحقاق منفعت کے لئے مانع ہو کر اس کے لئے تملیک مجرد رقبہ رہ جاتی ہے، اور جب مانع نہ ہوگا دونوں ثابت ہوں گی، یہ وضعًا اور وہ التزامًا، کافی میں عبارت مذکورہ آنفا کے بعد فرمایا:

وانما تستحق ھذہ الاشیاء بملك الاصل اذالم یوجد المانع وھنا وجد المانع وھو الوصیۃ للثانی۔[2]	ان تمام اشیاء میں ملک اصل کا استحقاق تب ہوگا جب کوئی مانع نہ ہو اور یہاں مانع موجود ہے اور وہ ہے دوسرے کے لئے وصیت۔(ت)

فائدہ ۴: وصیت منفعت بمنزلہ وصیت رقبہ ہے جس شیئ کی منفعت کسی کے لئے وصیۃً قرار دی گویا اسے خود وہ شیئ اس کی حیات یا ایک زمانہ معین تک وصیۃً دی اور اگر ایک شیئ کا رقبہ زید اور منفعت عمرو کے لئے رکھی تو گویا اس شیئ کی دونوں کے لئے وصیت کی زید کے لئے مطلق اور عمرو کے لئے وقت محدود انتفاع تک ولہذا صاحب منفعت حساب ثلث وضرب حصص میں صاحب رقبہ کا ہمسر ہوتا ہے اور تنگی ثلث کے وقت اس کا مزاحم ہو کر اس کی وصیت کو

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۲۵

[2] الکافی شرح الوافی

گھٹاتا ہے جب اس کی مدت ختم ہو جاتی ہے صاحب رقبہ اس وقت اپنی وصیت کی تکمیل پاتا ہے، کافی میں فرمایا:

الوصیۃ بالخدمۃ مالم یستوف الموصی لہ کمال حقہ بمنزلۃ الوصیۃ بالرقبۃ۔[1]	جب تک خدمت کا موصی لہ اپنا حق پورا وصول نہیں کرلیتا اس وقت تک وہ بمنزلہ رقبہ کی وصیت کی ہے۔(ت)

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لوکان لہ ثلثۃ اعبد فاوصی برقبۃ احدھم لرجل و قیمتہ ثلثمائۃ و بخدمۃ الثانی لاٰخر وقیمتہ خمسمائۃ و قیمۃ الثالث الف جازلکل واحد ثلثۃ ارباع وصیتہ یعطی لصاحب الرقبۃ ثلثۃ ارباعھا ویخدم لصاحب الخدمۃ ثلثۃ ایام وللورثۃ یوما لان الوصایا جاوزت الثلث لان ثلث المال ستمائۃ والوصایا کانت ثمانمائۃ وکان ثلث المال ثلثۃ ارباع الوصایا کذا فی محیط السرخسی، واذا مات صاحب الخدمۃ استکمل صاحب الرقبۃ عبدہ کلہ	اگر کسی شخص کے تین غلام ہیں، اس نے ایک غلام کے رقبہ کی ایک شخص کے لئے وصیت کی جس کی قیمت تین سودرھم ہے، اور دوسرے غلام کی خدمت کی وصیت کسی اور شخص کے لئے کی جس کی قیمت پانچ سودرہم ہے جبکہ تیسرے غلام کی قیمت ایک ہزار درھم ہے تودونوں میں سے ہر ایک کے لئے تین چوتھائی (۳/۴) وصیت جائز ہوگی چنانچہ پہلے موطی لہ کو اس کی وصیت کے غلام کا تین چوتھائی ملے گا اور صاحب خدمت کی وصیت کا غلام تین روز اس کی اور ایک روز وارثوں کی خدمت کرے گا کیونکہ وصیتیں تہائی مال سے بڑھ گئیں، تہائی مال توفقط چھ سودرھم ہے جبکہ وصیتیں آٹھ سودرہم ہوچکی ہیں تو اس طرح کل مال کا تہائی حصہ وصیتوں کا تین چوتھائی (۳/۴) ہوگیا۔ محیط میں یوں ہی ہے۔ اگر صاحب خدمت مر گیاتو صاحب رقبہ اپنا وصیت کا غلام پورا لے لے گا۔ اسی طرح اگر وہ غلام مر جائے جو

[1] الکافی شرح الوافی

وکذٰلك ان مات العبد الذی کان یخدم ولوکانت قیمة العبید سواء کان لصاحب الخدمة نصف خدمة العبد و لصاحب الرقبة نصف رقبة الاٰخر کذا فی المبسوط۔[1]	خدمت کرتا ہے تب بھی یہی حکم ہوگا۔اگرغلاموں کی قیمت برابر ہو تو صاحب خدمت کے لئے نصف خدمت اور صاحب رقبہ کے لئے نصف رقبہ ہوگا۔مبسوط میں یوں ہی ہے۔(ت)

فائدہ ۵: یہیں سے ظاہر ہوا کہ جس کے لئے وصیت رقبہ ہوا سے وصیت منفعت کی حاجت نہیں کہ وہ بحکم ملک مختار انتفاع ہوگا اس کے ساتھ مطلقًا یا کسی وقت خاص میں اختیار انتفاع کا ذکر اسی لازم کا اظہار ہوگا نہ کہ اس کے لئے وصیت بالمنفعۃ جو بوجہ عدم حاجت لغو بے اثر ہے جس طرح تنہا وارث غیر زوجین کے لئے وصیت کما تقدم عند الدر المختار وعن غنیة ذوی الاحکام (جیسا کہ در مختار اور غنیہ ذوی الاحکام کے حوالے سے گزر چکا ہے۔ت)

فائدہ۶: وصیت میں مقصد موصی پر نظر لازم ہے۔ہدایہ وکافی میں در بارہ موصی لہ بخدمۃ العبد ہے:

لیس للموصی له ان یخرج العبد من الکوفة الا ان یکون الموصی له واهله فی غیر الکوفة فیخرجه الی اهله للخدمة هنالك اذاکان یخرج من الثلث لان الوصیة انما تنفذ علی مایعرف من مقصود الموصی فاذاکانوا فی مصره فمقصوده ان یمکنه من خدمته فیه بدون ان یلزمه مشقة السفر واذا کانوا فی غیره فمقصوده ان یحمل العبد الی اهله لیخدمهم۔[2]	موصٰی لہ کو یہ اختیار نہیں کہ وہ غلام کو کوفہ سے نکالے ہاں اگر موصی لہ اور اس کے اہل خانہ غیر کوفہ میں رہتے ہیں تو غلام کو نکال کرلے جاسکتا ہے کیونکہ وصیت اس مقصود پر نافذ ہوتی ہے جو موصی سے معلوم ہو۔اگر موصی لہ اور اس کے اہل خانہ موصی کے شہر میں رہتے ہیں تو اب موصی لہ کا مقصود یہ ہے کہ وہ سفر کی مشقت کے لزوم کے بغیر اس کی خدمت کرسکے اور اگر وہ اس شہر کے غیر میں رہتے ہیں تو اب مقصود یہ ہوگا کہ موصی لہ اس غلام کو وہاں اپنے اہل خانہ کے پاس لے جائے تاکہ یہ ان کی خدمت کرسکے۔(ت)

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب السابع نورانی کتب خانہ کراچی ۶/ ۱۲۶

[2] الهدایة کتاب الوصایا باب الوصیة بالسکنی والخدمة الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۸۲۔۶۸۱

فائدہ۷: دربارہ مہر مہر مثل تک عورت کا قول مع الیمین بلابینہ معتبر ہے جبکہ زوجیت معروف ومعلوم ہو فتاوٰی خانیہ میں قبیل فصل رجوع عن الوصیۃ ہے۔

ان ادعت المرأۃ مقدار مھر مثلھا یدفع الیھا اذا کان النکاح ظاھرا معروفا ویکون النکاح شاھدالھا۔[1]	اگر عورت نے مہر مثل کا دعوی کیاتو اس کو دیاجائے گا جبکہ نکاح ظاہر ومعروف ہواور نکاح ہی اس کاشاہد ہوگا۔(ت)

اسی کے باب الوصی پھر ہندیہ میں ہے:

ان کان النکاح معروفا کان القول قول المرأۃ الی مھر مثلھا یدفع ذٰلك الیھا۔[2]	اگر نکاح معروف ہوتو عورت کا قول مہر مثل کی حدتک مقبول ہوگااور وہ اس کو دیا جائے گا۔(ت)

فائدہ۸: مہر بھی مثل سائر دیون ہے اور دین کا تعلق مالیت سے ہے نہ عین سے ولہذا ورثہ کو اختیار ہوتا ہے کہ دائن کا دین اپنے پاس سے دے کر ترکہ اپنے لئے بچالیں اگرچہ دین مستغرق ہو جس کے سبب ورثہ کے لئے ترکہ میں اصلاً ملک ثابت نہیں ہوتی۔ جامع الفصولین واشباہ میں ہے:

واستغرقھا دین لایملکھا بالارث الا اذا ابرأ المیت غریمہ اواداہ وارثہ[3] الخ	اگر قرض پورے ترکہ کو محیط ہو تو میراث کے طورپر کوئی اس کامالک نہیں بنے گا سوائے اس قرض خواہ میت کو بری کردے یا کوئی وارث اس کواداکردے الخ(ت)

اشباہ میں اس کے بعد فرمایا:

وللوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین لو مستغرقا۔[4]	وارث کواختیار ہے کہ قرض اداکرکے ترکہ کو واگزار کرالے جبکہ قرض پورے ترکہ پر حاوی ہو۔(ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا فصل مسائل مختلفہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۴۶

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا باب الوصی فصل فی تصرفات الوصی الخ ۴/ ۸۵۹

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

[4] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

فائدہ۹: وصیت جہت موصی سے تملیک ہے تواس کے بتائے سے تجاوز نہیں کرسکتی وصیت اگر حصہ شائعہ مثل نصف مال یا ثلث متروکہ کی ہوتو توضرور ترکہ باقیہ بعد اداء الدین کے ہرجز میں شائع ہوگی مگر اعیان معینہ کی وصیت صرف انہیں اعیان پر مقتصر رہے گی ان کے غیر سے ایک حبہ نہ پاسکے گا یہاں تک کہ اگروہ اعیان ثلث مال یااس سے بھی کم ہوں اور تمام وکمال بحکم وصیت اسے ملتے ہوں اوران میں سے کسی منازعت کے سبب کچھ کم ہوجائے تواس کی وصیت اسی کم میں نفاذ پائے گی باقی ترکہ سے اس کی تکمیل نہ کی جائے گی کہ یہ ایجاب بلاموجب ہے اور وہ محض باطل وللہذا اگر ترکہ پندرہ سوروپے نقداور تین سوروپے کا اسباب یازمین وغیرہ ہو اوراس تمام اسباب وزمین کی وصیت زید کے لئے کی اور اپنے مال کے ۱/۶ کی وصیت عمرو کے لئے تو مجموع ترکہ اٹھارہ سو ہوااور مجموع وصایاچھ سو کہ اس کا ثلث ہے اور ثلث تک وصیت بلااجازت نافذ ہے توچاہئے تھاکہ دونوں موصی لہ کی وصیت پوری نافذ کرتے اسباب وزمین زید کو دے دیتے اور تین سوروپے کہ سدس مال ہے عمرو کو مگر ایسانہ کریں گے بلکہ عمرو کو دو سو پچاس روپے نقد دیں گے اور پچیس کی قدر زمین واسباب اور باقی صرف پونے تین سوروپے کااسباب زید پائے گا زرنقد سے اس کی وصیت پوری نہ کریں گے کہ زرنقد میں اس کا کوئی حق نہ تھااس تقسیم کی وجہ وہی ہے کہ عمرو کے لئے سدس مال کی وصیت ترکہ کے ہرجز نقدوجنس وجائداد ہرشیئ کے ۱/۶ کی وصیت ہے تو اسے پندرہ سونقد کا بھی سدس چاہئے اور اسباب وزمین کا بھی سدس۔ سدس نقد میں اس کا کوئی منازع نہیں وہ (ماصہ) اسے دے دیئے ہیں سدس جائداد میں زیداس کا منازع ہے وہ کہے گا کہ تمام وکمال بحکم وصیت میرا ہے عمرو کہے گا اس میں سے بھی ۱/۶ میرا ہے تواس مال کا ۵/۶ زید کے لئے بلا نزاع ہے اور ۱/۶ میں زید وعمرو متنازع ہیں توبحکم انصاف وہ ان میں نصفانصف ہو کر اسباب وزمین کا ۱/۱۲ عمرو پائے گااور ۱۱/۱۲ زید اوراس کے سوا زید کو نقد سے کچھ نہ ملے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

لواوصی لرجل بسیف قیمته مثل سدس ماله ولاٰخر بسدس ماله وماله سوی السیف خمسمائة فللثانی سدسها وللاول خمسه	اگر کوئی کسی کے لئے اپنی تلوار کی وصیت کرے جس کی قیمت اس کے کل مال کے چھٹے حصے کے برابر ہے اور دوسرے شخص کے لئے اپنے کل مال کے چھٹے حصے کی وصیت کی جبکہ تلوار کے علاوہ موصی کامال پانچسو درہم ہے۔اس

اسداس السیف وسدس السیف بینھما لان منازعتھما فی سدس السیف فقط فینصف بینھما[1]۔	صورت میں دوسرا شخص پانچ سو درہم میں سے چھٹا حصہ پائے گا اور پہلا شخص تلوار کی قیمت کے چھ حصوں میں سے پانچ (۵/۶) حصے لے گا، جبکہ تلوار کا چھٹا حصہ ان کے درمیان تقسیم ہوگا کیونکہ دونوں کی منازعت فقط اسی چھٹے حصے میں ہے لہٰذا ان کے درمیان نصف نصف ہوگا۔ (ت)

فائدہ۱۰: وصیت اجنبی کہ ثلث تک نافذ ہے اس کے حساب ثلث کے لئے کل متروکہ بعد الدین ملحوظ ہوگا وہ چیزیں بھی جن کی اس کے لئے وصیت ہے اور وہ بھی جن کی اس کے لئے وصیت نہیں مگر اس کا حق ان اشیاء سے ہر گز متجاوز نہ ہوگا جن کی وصیت اس کے لئے ہے جیسا ابھی مسئلہ مذکورہ میں گزرا بالجملہ وصیت کا ثلث تک نفاذ وصیت معینہ کو وصیت شائعہ نہ کردے گا اس کا اثر صرف اس قدر ہوگا کہ باقی بعد دین جس قدر مال ہے جس کی وصیت کی ہے اور جس کی نہیں سب کا ثلث لے کر دیکھیں گے کہ جن اعیان مخصوصہ کی وصیت اس کے لئے کی ہے ان کی مالیت اس ثلث کی مقدار سے کم ہے یا برابر یا زائد، دو صورت اولیٰ میں وہ تمام اعیان موصی لہ کو دے دیئے جائیں گے اور صورت ثالثہ میں ان میں سے صرف اتنا حصہ پائے گا جو ثلث کل باقی بعد اداء الدین کی مقدار تک ہے نہ یہ کہ جس چیز کی اس کے لئے وصیت نہ کی اس کا بھی ثلث محض بلااستحقاق اس کو دے دیا جائے یہ سخت جہالت فاحشہ ہے کتب مذہب کے صدہا نصوص اس کے اوپر ناطق، اور یہی مسئلہ کہ ابھی ردالمحتار سے گزرا، کافی اور ادنٰی خادم فقہ پر یہ امر خود بدیہیات واضحہ سے ہے **کمالایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

فائدہ۱۱: اقرار کے بعد کسی تفتیش کی حاجت نہیں، نہ حقوق العباد میں بلادعوی قاضی کو اختیار حکم، نہ اسے ایسی بات کی تکذیب پہنچتی ہے جس میں کوئی معارض ہو کہ وہ قطع خصومت کے لئے مقرر ہوا ہے نہ کہ انشاء خصومت کے واسطے۔ ہدایہ میں فرمایا: **الاقرار موجب بنفسہ**[2] (اقرار خود موجب ومثبت ہے۔ت) تنویر میں ہے:

القضاء فصل الخصومات وقطع	قضاء تو جھگڑوں کا فیصلہ کرنا اور تنازعات کو

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۸

[2] الھدایۃ کتاب الدعوی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۰۱

المنازعات۔[1]	ختم کرنا ہے(ت)

درمختار میں ہے:

بعد دعوی صحیحة من خصم علی خصم حاضر والا کان افتاء۔[2]	ایک خصم کے دوسرے حاضر خصم پر صحیح دعوی کے بعد ورنہ یہ افتاء ہوگا(ت)

ردالمحتار میں فواکہ بدایہ سے ہے:

اتفق ائمة الحنفیة والشافعیة علی انہ تشترط لصحة الحکم واعتبارہ فی حقوق العباد الدعوی الصحیحة۔[3]	اس پر ائمہ حنفیّہ شافعیہ کااتفاق ہے قضاء کے صحیح ہونے اور حقوق العباد میں اس کے معتبر ہونے کے لئے صحیح دعوی ہونا شرط ہے(ت)

فائدہ ۱۲: زوجہ کے لئے یہاں دو وصیتیں ہیں۔

وصیت منفعت کہ مکانوں میں رہے ظروف استعمال کرے یہ وصیت انہیں اعیان میں ہے جن کی وصیت شاہ محمد اجنبی کے لئے ہے تو ثلث کل مال بعد اداء الدین کے جتنا حصہ مکانات واسباب کاآئے اس میں نافذ نہ ہوگی کہ وصیت اجنبی وصیت وارث سے مقدم ہے کما فی الفائدة الاولی (جیساکہ پہلے فائدہ میں ہے۔ت) اور یہاں اگر یہ وہم گزرتا کہ وصیت رقبہ کرکے اس کے لئے وصیت منفعت کردینے سے اول کے لئے صرف رقبہ کی وصیت رہ جاتی ہے منفعت میں اس کا کچھ حق نہیں رہتا کما فی الفائدة الثانیة (جیساکہ دوسرے فائدہ میں ہے۔ت) وصیت اجنبی کہ مقدم ہے اپنے محل نفاذ میں مقدم ہوگی نہ کہ اس شَے میں جس کی اس کے لئے وصیت ہی نہیں یعنی منفعت کہ اس میں اجنبی کے لئے وصیت معدوم ہے معدوم کی تقدیم کیا معنی، تو اس کاجواب ہماری تقریر سابق سے واضح، وصیت منفعت بھی بمنزلہ وصیت رقبہ ہے ثابت ہو تو اس کی مزاحم ہوتی ہے کما فی الفائدة الرابعة (جیساکہ چوتھے فائدہ میں ہے۔ت) اور منفعت میں اس کا حق نہ رہنا اسی بناپر ہوتا ہے کہ یہ مانع آتی ہے کما فی الفائدة الثالثة (جیساکہ تیسرے فائدہ میں ہے۔ت) اور وصیت وارث جب وصیت اجنبی سے مؤخر ہے تو اس کے مقابل مضمحل ہوگی اور اس کے رقبہ میں کالعدم، نہ کہ اس کی مانع ومزاحم، پھر بقدر ثلث نفاذ وصیت اجنبی کے بعد مرتبہ ارث کا

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

[2] الدرالمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۸

[3] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۸

ہے کما فی الفائدۃ الاولٰی (جیسا کہ پہلے فائدہ میں ہے۔ت) اور جو کچھ ارثاً ملک زوجہ ہوگا اس میں اسے وصیت منفعت کی حاجت بھی نہیں ان دونوں کے بعد جو حصہ مکانات واسباب کا بچا اس میں زوجہ کی وصیت نفاذ پائے گی اور اس میں سے موقع محفل حضرات طیبات امامین شہیدین رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ جس قدر ظروف کی شاہ محمد کو حاجت ہوگی اس وقت خاص پر اُتنے ظروف زوجہ کو استعمال کے لئے نہ دیئے جائیں گے موصی نے اس وقت شاہ محمد کے لئے ان کا استعمال لکھا ہے یہ اگرچہ شاہ محمد کے لئے وصیت بالمنفعۃ نہیں کما فی الفائدۃ الخامسۃ (جیسا کہ پانچویں فائدہ میں ہے۔ت) مگر وصیت زوجہ سے اتنے وقت اخراج کے لئے کافی ہے،

لما تقدم عن الهداية والكافی انه انما لم يكن للموصی له بالعين حق فی المنفعة مع ملكه للرقبة للايصاء بها لغيره وتجريد الرقبة فی الوصية له فلم يثبت له فوق ما اثبت الموصی اماهنا فقد اثبت له الانتفاع فی الوقت الخاص فكان معزولا عما اوصی به لغيره وكان كأن يقول اوصيت لها بالمنفعة الاوقت كذا ولو اقتصر على هذا لم يكن للزوجة الانتفاع فی الوقت المستثنٰی وكان ذٰلك للاجنبی الموصی له بحكم الملك فاذا صرح بكونه له فيه فبالاولی۔	اس دلیل کے ساتھ جو ہدایہ وکافی کے حوالہ سے گزر چکا کہ عین کے موصی لہ کے لئے رقبہ میں ملکیت کے باوجود منفعت میں کوئی حق نہیں، اس لئے وصیت میں اس کے لئے رقبہ کی تخصیص اور منفعت کی وصیت کسی اور کے لئے کی گئی ہے لہذا موصی کے مقصود سے زائد اس کے لئے کچھ ثابت نہ ہوگا لیکن یہاں تو اس کے لئے خاص وقت میں انتفاع کا اثبات ہے، تو جس چیز کی وصیت اس کے غیر کے لئے ہے اس میں وہ معزول ہوگا۔ گویا موصی یوں کہے میں نے عورت کے لئے نفع اٹھانے کی جو وصیت کی سوائے فلاں وقت کے، اگر اسی پر اقتصار کرتا تو بھی بیوی کو مستثنٰی وقت میں انتفاع کا حق نہ ہوتا اور یہ اجنبی شخص کے لئے بطور ملک ثابت ہوتا جب اس نے اس کی تصریح کردی تو بدرجہ اولٰی یہ حکم ہوگا۔ (ت)

اور پُرظاہر کہ اس کے بعد زوجہ کے لئے وصیت استعمال سے یہ مقصود موصی نہیں کہ محفل امامین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے وقت استعمال شاہ محمد کو منع کردے یا اس وقت کی ضروری اشیاء سے

صرف نصف حاجت روائی شاہ محمد کے لئے رکھے نصف درجہ کو دے بلکہ مقصود یہی ہے کہ اس وقت خاص جن اشیاء کی حاجت ہو شاہ محمد استعمال کرے باقی اوقات میں زوجہ اپنے صرف میں رکھے اور مقاصد موصی پر نظر لازم ہے کما فی الفائدۃ السادسۃ (جیسا کہ چھٹے فائدہ میں ہے۔ت)

وصیت زیور، جس کی نسبت اگرچہ وصیت نامہ میں کوئی تصریح معاوضہ نہیں مگر زوجہ کہتی ہے کہ میرے مہر میں دیئے ہیں اور اس کا یہ کہنا دعوی نہیں بلکہ اقرار ہے مہر مثل تک اس کا قول بلا بینہ معتبر تھا کما فی الفائدۃ السابعۃ (جیساکہ ساتویں فائدہ میں ہے۔ت) اور وصیت نامہ میں زیور کی خالص وصیت اس کے نام لکھی ہے یہاں نہ کوئی دوسرا وارث ہے کہ زوجہ کا معارض ہو اس سے کہے کہ تیرا حق دین میں ہے نہ عین میں کما فی الفائدۃ الثامنۃ (جیسا کہ آٹھویں فائدہ میں ہے۔ت) یا کہے تیرے لئے وصیت بے میری اجازت کے باطل ہے۔نہ زیور کے کسی جز کو شاہ محمد کے لئے وصیت ہے نہ اس کی وصیت کہ ثلث کل مال کی مقدار تک حق تقدم رکھتی ہے اسے اس زیور کے کسی ذرہ کی مستحق بنا سکتی ہے کما فی الفائدۃ التاسعۃ (جیسا کہ نویں فائدہ میں ہے۔ت) اگرچہ وصیت محضہ للزوجہ ہو جب بھی اجنبی کے لئے صرف حساب ثلث میں ملحوظ ہوگا نہ کہ اس کا کوئی حبہ اسے ملے کما فی الفائدۃ العاشرۃ (جیساکہ دسویں فائدہ میں ہے۔ت) نہ کل زیور زوجہ کے لئے بعوض مہر ماننا شاہ محمد کے حساب ثلث پر کوئی اثر ڈال سکتا ہے۔اگر زیور مہر مثل سے کم یا برابر ہے جب تو ظاہر کہ مہر مثل کی مقدار تک زوجہ کا قول مسلم اور وہ شاہ محمد کی وصیت پر مقدم اور اگر بالفرض مہر مثل سے زائد ہو جب بھی یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ سب زیور بعوض مہر حق زوجہ ماننے میں شاہ محمد کا حصہ ثلث مکانات واسباب میں کم ہو جائے گا فرض کیجئے کہ زیور ۳۲۲ روپے کا ہے اور مہر مثل ۲۰۲ کا اور مکانات واسباب جن کی وصیت شاہ محمد کے لئے ہے ۱۲۰۰ کے تو اگر کل زیور بحق مہر زوجہ کے لئے مانا جائے تو وہ ثلث جس میں وصیت اجنبی ہوگی صرف مکانات واسباب کا ثلث رہا جبکہ اس کے سوا اور کوئی متروکہ نہ ہو شاہ محمد ان میں سے صرف ۴۰۰ کے قدر بحکم وصیت مقدمہ پائے گا اور اگر فقط مہر مثل تک زوجہ کو مہر میں دیں تو بعد ادائے مہر متروکہ ۱۳۲۰ بچے گا ۱۲۰۰ کے مکانات اسباب اور ۱۲۰ کا باقی زیور جس کا ثلث ۴۴۰ تو مکانات واسباب سے ۴۰ روپے کے قدر شاہ محمد کے حق مقدم میں بڑھ جائیں گے یہ وہم اس وقت ہو سکتا ہے کہ بحال کمی مہر مثل کل زیور زوجہ کو مرتبہ مہر مثل تک تقدم ہے اور زیادہ ان مہر مثل بعوض مہر مثل ہونا محاباۃ ہے اور وہ زوجہ کے لئے وصیت ہے اور زوجہ کے لئے وصیت خود اس کی میراث سے بھی مؤخر ہے

کمافی الفائدۃ الاولٰی (جیساپہلے فائدہ میں میں ہے۔ت) تووصیت اجنبی سے دودرجہ مؤخر ہے جب تک وصیت مقدمہ اجنبی ادا نہ ہولے زیور زائداز مہر مثل ضرور متروکہ ہی ٹھہر کر حساب ثلث میں محفوظ رہے گااور شاہ محمد کومکانات واسباب کے حصہ مقدمہ میں کچھ نقصان نہ پہنچے گا بہر حال اس کے اس قول سے کسی کاکچھ ضرر نہیں تواس میں اس کا کوئی مخاصم نہیں پھر قاضی کس وجہ سے اس کی تکذیب کرسکتاہے کما فی الفائدۃ الحادیۃ عشرۃ (جیساکہ گیارہویں فائدہ میں ہے۔ت) زوجہ اگر اس بیان میں سچی ہے فبہااور اگر اس نے غلط کہاتو یہ اسی کے حق میں مضر ہوااسے صاف اختیار تھاکہ مہرکادعوی جدا کرتی جس میں مہرمثل تک اس کاقول معتبر رہتا اور یہ زیور بحکم وصیت جدا لیتی کہ اس میں اس کامعارض نہ تھا مگر اس نے ایسانہ کیا بلکہ اسی زیور ہی کواپنے مہر میں دیاجانابتایاتو یہ اس کااپنے ہی حق میں اضرار ہوا، ولہذا نہ دعوی بلکہ اقرار ہوا اور بعد اقرار حاجت تفتیش کیامعنی کما فی الفائدۃ المذکورۃ (جیساکہ مذکورہ بالافائدہ میں ہے۔ت) اور سب پر علاوہ یہ کہ ادھر زوجہ نے یہی زیور اپنے مہر کے عوض بتائے ان سے جدا کوئی دعوی مہر نہ رکھا ادھر شاہ محمد نے وہ تمام وکمال زیور اس کے تسلیم کرکے اسے سپرد کردیئے اب خواہ ان سب کو اس کاوہ حق مہر ماناجو وصیت شاہ محمد پر مقدم رہتایا بعض کو حق مہر بعض کو اور اس کے لئے وصیت یا کل کو وصیت جو وصیت شاہ محمد سے مؤخر رہتی مگر جب یہ اسے نافذ کرچکا اپنے حق کو ساقط کردیا جیسے وارث کہ زائد از ثلث میں وصیت اس کے حق ارث سے مؤخر ہے مگر وہ اجازت دے دے تو وہ مؤخر ہی مقدم ہو جاتی اور اس قدر میں اجازت دہندہ کا حق ارث ساقط ہو جاتاہے یہاں تک کہ اگر وصیت کل مال کی تھی اور سب ورثہ عاقلین بالغین نے اجازت دے دی کل مال موصی لہ کا ہو جائے گااور کوئی وارث کچھ نہ پائے گاتو عالم خاتون کا مہراور کل زیور اس کی ملک ہونااور شاہ محمد کاضرۤبا یا استحقاقًا اس سے کچھ معلق ہونا یہ سب مسائل طے شدہ اور فریقین کے متفق علیہ ہیں جن میں انہیں کوئی نزاع نہیں اور وہ ان کے خالص حقوق تھے جن کے ابقاء اسقاط کا انہیں اختیار مطلق تھاتواب قاضی مفتی کسی کواصلاً حق نہیں کہ ان طے شدہ امور کوزیر بحث لائے ان کے لئے کوئی تفتیش اپنی طرف سے قائم کرے فریقین میں ایک کو دوسرے پر اس بارے میں کوئی دعوی نہیں یہ خود مدعی بنے اور اس متفق علیہ کونزاعی قرار دے کمافی الفائدۃ المذکورۃ ایضاً (جیساکہ یہ بھی فائدہ مذکورہ میں ہے۔ت)

تفریعات

(۱۹) فتوی اکا قول بعد اس کے عالم خاتون کا مہر جس قدر عدالت کی رائے میں ثابت ہو ادا کریں گے نافہمی ہے۔

(۲۰) فتوی اکا کہنا ہے اگر ثابت ہو جائے کہ یہ زیور مہر کے عوض دیئے گئے اقرار میں تفتیش ہے۔

(۲۱) فتوی ا کی اس پر تفریع کہ تو ان میں شاہ محمد خاں کا کچھ حق نہیں مفہوم غلط ہے شاہ محمد خاں کا زیور میں کسی طرح کچھ حق نہیں اگرچہ مہر کے عوض دیا جانا ثابت نہ بھی ہو۔

(۲۲) فتوی ا نے اس مفہوم باطل ہی پر قناعت نہ کی بلکہ آگے اس ظلم صریح کی تصریح کردی کہ لیکن اگر ان زیورات کا مہر میں دیا جانا ثابت نہ ہو تو زیورات کے تیسرے حصہ میں شاہ محمد خاں کا حق ہوگا اور دو حصے عالم خاتون کے، انا للہ وانّا الیہ راجعون (بیشک ہم اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ت) شاہ محمد خاں وارث نہیں زیور کی اس کے لئے وصیت نہیں، وصیت نہ ہونا درکنار موصی نے صراحۃً زیور کو اس کی وصیت سے جدا کردیا کہ بعد ذکر زیور کہا ماسوا اس کے میری جائداد الخ مگر یہ فتوی کہتا ہے کہ موصی کو دینے نہ دینے سے کیا ہوتا ہے ہم جو دیتے ہیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (بلندی وعظمت والے اللہ تعالٰی کی توفیق کے بغیر نہ لڑائی سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی۔ت)

(۲۳) فتوی ے نے اور کمال کیا زوجہ کا وہ قول اقرار مان کر پھر اگر مگر کو دخل دیا کہ اگر دین مہر تمام زیور سے حسب اقرار زوجہ ادا ہوا ہے تو زیور چھوڑ کر ایک ثلث شاہ محمد کو دیا جائے گا۔

(۲۴) فتوی ے نے اور بھی قدم عشق پیشتر بہتر کی ٹھہرائی یعنی زوجہ کا قول اقرار بھی ٹھہرایا اور شاہ محمد کی تسلیم بھی مانی پھر بھی فریقین کی متفق علیہ بات بات طے شدہ نہ جانی کہ سب سے اول تجہیز وتکفین کا خرچ ادا کیا جائے بعد ازاں اگر متوفی نے مدعیہ کو دین مہر میں زیورات کی وصیت کی ہے (چنانچہ اس کا اعتراف ہے اور مدعا علیہ نے بھی زیورات اس کو تسلیم کرکے قبول کرلیا ہے) تو زیورات اس کو دین مہر میں دیئے جائیں گے۔

(۲۵) فتوی ے ان دونوں کی تصریحوں خود اپنے اقراروں اعترافوں کے ساتھ ایک فرض غلط کی راہ نکالی ہے اگر بالفرض دین مہر میں نہیں دیئے بلکہ محض وصیت کی تو باقی تمام مال میں سے مہر زوجہ

ادا کیا جائے گا یہ فرض بے معنی کس لئے اور فتوی متعلقہ دار القضاء میں اس کا کیا محل۔

(۲۶) فتوی ۷ نے اس تفریع میں ڈگری بلا دعوی بھی فتوی اول کی طرح دی اور آگے چل کر کہا مدعیہ کا مہر کل مال سے ادا کیا جائے گا زوجہ تو کہہ رہی ہے کہ مجھے یہ زیور مہر میں دیا فتوی کہتا ہے نہیں نہیں تمام مال میں سے تجھے مہر ملے گا اگرچہ کل مال کو مستغرق ہو اور موصی لہ کے لئے کچھ نہ بچے۔

(۲۷) فتوی ۷ کو منظور نہیں کہ یہاں کسی غلطی میں فتول اول سے پیچھے رہے بلا وصیت استحقاق اجنبی میں بھی اس کا ساتھ دیا کہ زیورات اگر مہر میں دیئے تو زیورات پر وصیت کا بار نہ ہوگا ورنہ زیورات میں سے مدعیہ کو ۳/ ۲ مدعاعلیہ کو ۳/ ۱۔

(۲۸) بلکہ فتوی ۷ کا یہاں بھی قدم پیشتر ہے اس نے صاف مانا کہ زیوروں کی وصیت شاہ محمد خاں کے لئے نہیں پھر بھی اسے تہائی کا حصہ دار کر دیا۔ زیور کا یہ حکم لکھ کر آگے کہا اور دیگر جائداد مکانات ظروف وغیرہ سے مدعیہ ۱۲/ ۲ مدعاعلیہ ۱۲/ ۱۰ کیونکہ اول ثلث اس کا بطور وصیت مدعاعلیہ کو ملے گا پھر ربع باقیماندہ یعنی سدس کل، مدعیہ کو ملے گا بعد ازاں باقیماندہ مدعاعلیہ کو، اگر یہ فتوی زیور کی بھی اس کے لئے وصیت مانتا تو یہی حکم اس پر بھی کرتا کہ نہ کہ شاہ محمد کو زیور کا ۳/ ۱ اور باقی اموال کے ۶/ ۵۔

(۲۹) فتوی ۷ نے اس باطل صریح پر استدلال کی بھی جرأت کی یوں بھی اسے فتوی ا پر فوقیت رہی کہ اس کے آگے زیوروں کو کہا اگر محض بطور وصیت دیئے گئے ہیں تو ان میں مدعاعلیہ کا بروئے وصیت بالثلث حق ثلث ہوگا، پھر کہا اگر بعوض دین مہر نہ ہو تو بحکم وصیت بالثلث زیورات میں بھی ۳/ ۱ مدعاعلیہ کو ملے گا ۳/ ۲ زیورات مدعیہ کو۔ اس کا منشاوہی غلط شدید و بعید ہے کہ ثلث کل مال کے لحاظ سے وصیت کی تنفیذ وصیت معینہ کو وصیت شائعہ کر دی ہے جس کا رَدِّ بلیغ فائدہ نہم و دہم میں گزرا۔ سبحٰن اللہ۔ حساب کے لئے ثلث ہر شیئ کا لحاظ کیا ہوا کہ ثلث ہر شیئ میں اس کی ملک ہی پیدا ہو گئ اگرچہ اس شیئ کا اسے اصلا استحقاق نہیں، نہ اس کے لئے وصیت، بلکہ اس کی وصیت سے جدا ہونے کی صاف تصریح، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (بلندی و عظمت والے اللہ تعالٰی کی توفیق کے بغیر نہ برائی سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی۔ ت)

(۳۰) فتوی ا نے یہاں ایک اور غلطی کی اگر زیور بعوض مہر دیا جانا ثابت نہ ہونے کی حالت میں اس کے نزدیک ان کا ثلث شاہ محمد کو ملنا تھا تو مطلقًا یہ کہتا کہ اگر زیور مہر کے عوض دیئے گئے تو ان میں شاہ محمد خاں کا کچھ حق نہیں غلط بر غلط ہے اگر زیور مقدار مہر سے زائد ہوئے تو قدر زیادت میں زوجہ کے لئے وصیت بالمحاباۃ ہوئی اور وہ اجنبی کے حق ثلث کو باطل نہیں کرتی بلکہ خود اس کے حضور مضمحل ہو جاتی ہے۔

(۳۱) فتوی ۷ نے بھی یہاں غلطی میں اس کا ساتھ دینے کی منت مانی ہے اس نے بھی جابجا وہی تصریحات کیں بلکہ صاف تر کہا کہ زیورات اگر متوفی نے مہر میں دیئے ہوں تو زیورات پر وصیت کا بار نہ ہوگا تمام زیورات اس کو ملیں گے ورنہ مدعا علیہ کو ۱/۳ پھر کہا اگر وہ مہر میں دیئے گئے ہیں تو ان میں مدعا علیہ کا بروئے وصیت کچھ حق نہیں اور محض بطور وصیت دیئے گئے تو مدعا علیہ کا ثلث۔ پھر کہا وصیت اگر بعوض مہر ہو تو زیورات وصیت بالثلث کے بار سے مستثنٰی ہوں گے گویا ان صاحبوں کے نزدیک کوئی مال بعوض دین دینے کی وصیت کرنا خود اس مال کو دین کردیتا ہے کہ اس کا ادا کرنا مطلقًا وصیت سے مقدم ہو جاتا ہے اگرچہ ایک روپیہ دین کے عوض ہزار روپیہ کا مال دینے کی وصیت کی ہو۔

(۳۲) فتوی ۷ نے یہاں بھی قدم پیشتر کی آن نہ چھوڑی یہ ٹھہری کہ بعوض مہر کے وصیت ہونا تمام و کمال زیوروں کو دَین کے مرتبہ میں کردے گا کہ ان کا ادا کرنا وصیت للاجنبی سے مقدم ہوگا اور بعوض مہر دیئے جانے کا ثبوت نہیں مگر بیان زوجہ تو اب اس ادعا سے اپنا نفع اور موصی لہ کا ضرر چاہتی ہے کہ وہ وصیت جو وصیت نامہ میں بلامعاوضہ لکھی ہے جو وصیت اجنبی سے مؤخر رہتی بمعاوضہ بتا کر وصیت اجنبی سے مقدم کئے لیتی ہے تو اب اس کا قول تو صرف اقرار بلکہ صاف دعوی ہوا اور اگر مدعی محض اپنے زبانی دعوی پر ڈگری نہیں پاسکتا تو یہ کہنا کہ اگر دین مہر تمام زیور سے حسب اقرار زوجہ ادا ہوا ہے تو زیور چھوڑ کر باقیماندہ ایک ثلث شاہ محمد کو دیا جائے گا عجب در عجیب ہے۔

(۳۳) اگر فتوی ۷ وہ بھاری غلطی کہ ایک صورت میں کہ بلاوصیت و بلااستحقاق شاہ محمد کو زیوروں میں تہائی کا حصہ دار کردیا نہ بھی کرتا جب بھی اس کا مطلقًا یہ کہنا کہ اگر وصیت بعوض مہر ہو تو زیورات وصیت بالثلث کے بار سے مستثنٰی ہوں گے یعنی بعد خرچ تجہیز و تکفین باقیماندہ مال سے تمام زیورات مدعیہ کو ملیں گے صحیح نہ تھا کہ اگر زیور مہر سے زائد ہیں تو قدر زیادت میں وصیت بالثلث کے بار سے مستثنٰی نہیں ہوسکتے ثلث میں وہ بھی محسوب ہوتے اگرچہ ان میں سے شاہ محمد خاں کو کچھ نہ دیا جاتا انہیں مطلق مستثنٰی شاہ محمد کی تسلیم نے کردیا نہ کہ وصیت بعوض مہر ہونے نے۔

(۳۴) یونہی فتوی ۵ کا قول کہ یہ زیورات حق مہر کے عوض سمجھے جائیں جیسا کہ خود مدعیہ کا قول ہے اور خود عبارت وصیت نامہ کی محمل قوی ہے اور مہر دین ہے اس لئے وصیت اور ارث دونوں سے مقدم ہے وہی طرفہ منطق ہے محمل وصیت نامہ کا حال تو اوپر گزرا اور بالفرض اس کی عبارت محتمل ہو تو محض قوت احتمال غایت درجہ ظاہر ہے اور ظاہر حجت استحقاق نہیں ہوسکتا، ہدایہ وغیرہ تمام کتب مع ﷲ میں تصریح ہے کہ:

الظاھر یصلح حجۃ للدفع لاللاستحقاق۔[1]	ظاہر حجت دفاع ہے حجت استحقاق نہیں (ت)

اب نہ رہا مگر خود مدعیہ کا قول اُسے اپنے حق میں حجت مان لینا نرالا قانون ہے زیورا گر مہر سے زائد ہیں تو وہ سب کیونکر دین سمجھ کر وصیت وارث دونوں سے مقدم کر دیئے جائیں۔

(۳۵) فتوی ۳ نے اور بھی دون کی لی کہ جن زیورات کے بارے میں متوفی بعوض مہر زوجہ کے دینے کی وصیت کر گیا ہے وہ اس کا قرض تھا اس کا ادا کرنا اس کو فرض تھا قرض وفرض کا قافیہ ملالیا اگرچہ مہر شرعاً قرض نہیں ہو تا قرض ودین میں عموم وخصوص ہے، خیر یہ بات کہ بعوض مہر دینے کی وصیت کر گیا ہے وصیت نامہ میں تو کہیں نہیں، عورت کا بیان ہے اور ہو بھی تو بحال کمی مہر محاباۃ ہے نہ قرض ہے نہ فرض۔

(۳۶) فتوی ۷ نے یہاں ایک اور غلطی کی کہ زوجین کی وصیت سے مانع مزاحمت حق ورثہ ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر کوئی مانع نہیں خواہ وہ وصیت بالرقبہ ہو یا بالمنفعۃ، وہ حصہ اور یہ سب کلی دونوں غلط ہیں اجنبی کی وصیت بالثلث بھی اس کی مانع اور اس سے مقدم ہے۔

(۳۷) فتوی ۷ کو خود اپنا کہا یاد نہ رہا، آگے چل کر کہا حق سکنٰی مکانات وحق استعمال ظروف وغیرہ کی جو زوجہ کو وصیت کی ہے اس کے بارسے ثلث مال جو شاہ محمد کو اول ملے گا بری رہے گا کیونکہ زوجہ کے لئے وصیت اجنبی کی وصیت بالثلث کے مزاحم نہیں ہوسکتی۔ اب یہ وصیت للزوجہ کا بے مزاحمت حق ورثہ اور مزاحم قوی ومرجح کدھر سے نکل آیا یہ صاف تناقض ہے۔

(۳۸) یونہی فتوی ۲ کا قول کہ جس چیز کی زوجہ کے واسطے وصیت کی ہے وہ سالم زوجہ کی حقیت ہے جو بذریعہ وصیت لے سکتی ہے اس سے ذہول ہے کہ وارث کے لئے وصیت میراث سے مؤخر ہے تو بعد اجرائے میراث جو باقی بچے اتنی چیز بذریعہ وصیت لے سکے گی نہ کہ سالم۔ نسأل اللہ السلامۃ۔

افادۂ سادسہ

وصیت ضرور مقید بشرط ہوسکتی ہے اور وہ زبان موصی پر ہے ایک شخص کے لئے متعدد وصایا میں اگر ایک وصیت کو کسی شرط سے مقید کردے دوسری کو نہ کرے یا ایک کو ایک شرط سے مقید کرے

[1] الھدایۃ کتاب ادب القاضی باب التحکیم مسائل شتّٰی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۴۷

دوسری کو دوسری سے تو جس طرح اس نے کہا ہے اسی پر عمل واجب ہوگا، جو جس شرط سے مقید اسی سے مقید رہے گی نہ کہ دوسری کی قید سے، اور جو مطلق ہے مطلق رہے گی نہ کہ از پیش خود اسے بھی مقید کرلیا جائے **المطلق یجری علی اطلاقہ** (مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے۔ت) قاعدہ اجماعیہ ہے اور **القران فی الذکر لایستلزم القران فی الحکم** (ذکر میں اقتران حکم میں اقتران کو مستلزم نہیں۔ت) ضابطہ وفاقیہ جمع محققین ہے اور **المطلق لایحمل علی المقید فی حادثتین** (دو حادثوں میں مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ت) قاعدہ مطردہ حنفیّہ ہے موصی نے زوجہ کے لئے صرف وصیت سکونت کو اس شرط سے مقید کیا کہ مظہر کی عورت مظہر کے عقد میں رہ کر گزارہ کرے تو اس کو فقط حق آسائش کا حاصل رہے گا یعنی تا حق مظہر آباد رہے گی، وصیت ظروف میں یہ شرط نہ لگائی تو صرف وصیت سکونت مکانات اس قید سے مقید ہوگی یعنی جب تک نکاح ثانی نہ کرے اسے حق سکونت رہے گا اور اگر نکاح کرلے گی یہ حق جاتا رہے گا مگر وصیت ظروف مطلق رہے گی استعمال ظروف کا اسے اختیار رہے گا اگرچہ نکاح ثانی کرلے۔

وھٰھنا فی تقیید الوصیۃ بعدم التزوج دقیقۃ انیقۃ نبھنا علیھا فیما علقنا ردالمحتار من متفرقات البیوع۔	اور یہاں وصیت کو شادی نہ کرنے کی قید سے مقید کرنے میں انتہائی نفیس باریک نکتہ ہے جس پر ہم نے ردالمحتار باب متفرقات البیوع پر اپنی تعلیق میں خبردار کیا ہے۔(ت)

رہا شاہ محمد خاں کا ادعا کہ مدعیہ (**معاذاللہ**) حرام کاری کرتی ہے اس لئے بروئے وصیت مکانات میں نشست کی بھی حقدار نہ رہی اوّل تو ایسی ناپاک بات ہے جس کی نسبت رب عزوجل کا ارشاد ہے:

"**یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اَنۡ تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِہٖۤ اَبَدًا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۷﴾**" [1]	اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ پھر ایسا نہ کہنا اگر ایمان رکھتے ہو۔

اور جس کی نسبت ہم کو ہدایت فرماتا ہے کہ اسے سنتے ہی فورًا کہیں: "**سُبۡحٰنَکَ ھٰذَا بُہۡتَانٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۶﴾**" [2] پاکی ہے تجھے یہ بڑا بہتان ہے۔ اور جس کی نسبت حکم فرماتا ہے کہ اگر وہ چار گواہ نہ لائیں

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۷

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۶

(چاروں مرد ثقہ عادل جنہوں نے نہ کوئی گناہ کبیرہ کیاہو نہ کسی گناہ صغیرہ کے عادی ہوں نہ کوئی حرکت خلاف مروت ان سے صادر ہوئی ہو اور چاروں یک زبان گواہی دیں کہ ہم نے اس عورت کو اپنی آنکھوں سے زنا کرتے دیکھا اوراس طرح دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی) ایسے چار گواہ نہ لاسکیں، "فَاُولٰٓئِکَ عِنۡدَ اللّٰهِ هُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ ﴿۱۳﴾ "[1] تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ پھر ان کی سزا بیان فرماتا ہے:

"فَاجۡلِدُوۡهُمۡ ثَمٰنِیۡنَ جَلۡدَةً وَّ لَا تَقۡبَلُوۡا لَهُمۡ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ"[2]	ان کو اسی کوڑے مارو اور کبھی ان کی گواہی نہ مانو۔

کیاشاہ محمد خاں اپنے اس اتہام پر ایسے چار گواہ پیش کرسکتا ہے اور جب نہیں لاسکتا تو وہی عنداللہ جھوٹا ہے اور اسی کوڑوں کا مستحق ہے، اور اگربفرض باطل وہ سچا بھی ہوتا جب بھی اس کا کہنا کہ اب وہ نشست کی بھی حقدار نہ رہی غلط تھا موصی نے حق سکونت کو عورت کی پارسائی سے مشروط نہ کیا بلکہ اس شرط سے کہ وہ نکاح ثانی نہ خود کرے نہ دوسرے کی وکالت ووساطت سے، وہ خود اپنی شرط کا مفہوم بتاتا ہے کہ اگر وہ کسی دوسری جگہ اپنا عقد نکاح کرائے یا جدید خاوند کرے تو اس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق اور واسطہ نہ ہوگا عورت کہ نکاح ثانی نہ کرے روز قیامت اپنے شوہر کو ملے گی جبکہ دونوں نے ایمان پر وفات پائی ہو۔

اللھم ارزقنا الوفاۃ علی الایمان بجاہ حبیبك الکریم یارحمٰن علیه وعلٰی اٰله افضل واکمل التسلیمات ما بقیت الجنان۔	اے اللہ اے مہربان! ہمیں اپنے حبیب کریم کے صدقے ایمان پر وفات نصیب فرما، اپنے حبیب کریم اور ان کی آل پر افضل واکمل درود سلام نازل فرماتا رہ جب تک جنتیں باقی ہیں۔(ت)

اور اگر دوسرا شوہر کرے تو اس کے نکاح میں مرجائے اس دوسرے کو بشرط ایمان ملے گا، کمافی حدیث۔ اور اگر اس سے بھی بیوہ ہوگئی غرض کسی شوہر کے نکاح میں نہ مری تو اسے روز قیامت اختیار دیا جائے گا کہ ان شوہروں میں جسے چاہے پسند کرلے وہ اسے پسند کرے گی جو اس کے ساتھ زیادہ نیک سلوک سے معاشرت کرتا تھا،

کمافی حدیث اٰخر والتطبیق بینھما	جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے ان دونوں حدیثوں

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۳

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۴

ماذکرنا کما بیناہ فی فتاوٰنا۔	میں تطبیق وہ ہے جیسا ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا۔(ت)

بہر حال نکاح ثانی سے عورت یا تو شوہر اول کے لئے رہتی ہی نہیں یا اس کے لئے اس کا رہنا مشکوک ہو جاتا ہے بخلاف بدکاری کہ وہ اسے حق شوہر سے باہر نہیں کرتی حق کا ابطال حق اقوی سے ہوتا ہے نہ کہ ناحق و باطل طغوی سے جیسے بحال حیات اس کے باعث نہ نکاح میں فرق آئے نہ شوہر کو اس سے جدائی لازم ہو۔ درمختار میں ہے:

لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ۔[1]	بدکار عورت کو طلاق دینا خاوند پر واجب نہیں۔(ت)

(۳۹) فتوٰی کا وصیت سکنٰی و وصیت ظروف وغیرہا دونوں کو قید عدم نکاح ثانی سے مقید کرنا کہ حق سکنٰی و حق استعمال ظروف وغیرہ مدعیہ کو تا نکاح ثانی حاصل رہے گا صحیح نہیں۔

افادہ سابعہ

وصیت نامہ کے کسی لفظ کا مفاد نہیں کہ شاہ محمد خاں موصی لہ بجمیع المال ہو، زیوروں کو جدا کرکے بھی، اس کے لفظ یہ ہیں ماسوا اس کے میری جائداد غیر منقولہ از قسم مکانات ہیں وہ پیدا کردہ مظہر کے ہیں وہ زیر حفاظت شاہ محمد خاں رہیں گے اور مالک بھی یہی رہے گا۔ یہاں سے صرف مکانات کی وصیت ہوئی آگے کہا علاوہ اس کے اسباب خانہ داری از قسم برتن و چارپائی وغیرہ جملہ سامان خانہ داری کا مالک بھی شاہ محمد خاں رہے گا۔ اس سے اثاث البیت کی وصیت ہوئی خاتمہ پر اس نے انہیں اشیائے معینہ میں وصیت کا انحصار کردیا کہ کل اشیائے مندرجہ بالا کا مالک شاہ محمد خاں ہے تو مندرجہ بالا مکانات و اثاث البیت کے سوا اگر کچھ ترکہ ہو وہ زیر وصیت نہ آیا اور استفتائے مرتبہ ججی خانپور سے واضح کہ زوجہ دعوی کرتی ہے کہ مدعاعلیہ کے پاس دیگر زیورات از ترکہ شوہرش موجود ہیں توجب تک اس دعوی کا بطلان ثابت نہ ہو شاہ محمد خاں موصی لہ بجمیع المال کیونکر ٹھہر سکتا ہے۔ ہاں موصی نے ذکر مکانات و اختیار فروخت و رہن مکانات کے بعد یہ لفظ بھی لکھا کہ غرضکہ مالک شاہ محمد خاں مکانات وغیرہ کا ہے۔ یہ وغیرہ اسی اختیار بیع و رہن پر محمول ہے کہ اس نے اس کے متصل ہی بلافصل یہ لفظ لکھے اور علاوہ اس کے اسباب خانہ داری الخ

---

[1] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۴

اگر وغیرہ سے کل متروکہ جمیع مملوکہ مراد ہوتا تو اس کے علاوہ کہنا باطل ہو جائے گا اور کلام عاقل بالغ کا مہما امکن محمل صحیح پر حمل کرنا واجب۔ معہذا اگرچہ یہ محمل متعین نہ ہو تو احد الاحتمالین بلکہ انصافاً اقوی الاحتمالین ہے تو مکانات واثاث البیت کے غیر میں وصیت ثابت نہ ہوئی اور یہاں عدم ثبوت ثبوت عدم ہے۔

اذ الوصیة ایجاب یحدثه الموصی فلاوجوب بلا ایجاب فلاثبوت لوجوب بلاثبوت ایجاب و الوجوب فی القضاء مرهون بالثبوت فاذلاثبوت لاوجوب وهو المطلوب۔	کیونکہ وصیت ایک ایسا ایجاب ہے جس کو موصی صادر کرتا ہے، تو ایجاب کے بغیر وجوب نہیں ہوتا، چانچہ ایجاب کے ثبوت کے بغیر وجوب کا ثبوت نہیں ہوتا اور قضاء میں وجوب محتاج ہے ثبوت کا۔ جب ثبوت نہیں تو وجوب نہیں، وہی مطلوب ہے۔ (ت)

تفریعات

(۴۰) فتوی ا کا قول، مہر کے بعد جس قدر جائداد بچے تین حصے کرکے ایک حصہ شاہ محمد خاں کو دیں۔

(۴۱) فتوی ۵ کا قول شرعاً جائداد متوفی میں سے مدعیہ کو ۱/۶ ملنا چاہئے اور مدعا علیہ کو ۵/۶ پھر اس کا قول ماسوی زیورات کے کل جائداد میں ہر فریق کو اپنا اپنا حصہ ملے گا جیسا کہ بالا تشریح ہو چکی ہے پھر اس کی تصریح کہ صورت متنازعہ میں زوجہ کے ساتھ دوسرا حقدار بھی موجود ہے جو موصی لہ بجمیع المال ہے۔

(۴۲) فتوی ۶ کا قول، جب ترکہ میں سے ۱/۶ من حیث الوصیۃ اور ۱/۶ عالم خاتون کو من حیث الارث دے دیا گیا تو آدھا ترکہ باقی رہتا ہے۔

(۴۳) یونہی فتوی ۷ کا قول کہ اگر دین مہر تمام زیور سے حسب اقرار زوجہ ادا ہوا ہے تو زیور چھوڑ کر باقیماندہ خواہ مکانات ہیں یا ظروف وغیرہ ۲/۱۲ اس کو دیا جائے گا ۶/۱۲ شاہ محمد کو نیز اس کی تصریح کہ تین وصیتیں کی ہیں جو اس کے تمام مال کو مستغرق ہیں نیز اس کی صاف تر تصریح کہ تیسری وصیت باقیماندہ تمام مال کی شاہ محمد خاں کو کی ہے، یہ سب بے ثبوت محض وبلاافادہ وصیت نامہ صرف اپنی طرف سے شاہ محمد کو موصی لہ بجمیع المال یا بجمیع ماسوی علی المہر ٹھہرالینا ہے اور اگر دعوی زوجہ ثابت ہو جائے کہ ان کے سوا اور زیور بھی متروکہ موصی شاہ محمد کے پاس موجود ہیں تو صریح حق تلفی

اور دوبارہ ظلم ہوگا کہ مستحق کو نہ دینا اور نا مستحق کو دینا شاہ محمد کیونکر بلاوصیت کل جائداد باقیماندہ کو ۵/۶ لے لے گا۔

(۴۴) فتوی ۵ نے اس طلب پر عبارت درمختار وجوہرہ پیش کیں اول میں صراحۃً تھا۔

اوصی لرجل بکل مالہ فلھا السدس والباقی للموصی لہ[1]۔	خاوند نے کسی مرد کے لئے پورے مال کی وصیت کی تو بیوی کو کل مال چھٹا حصہ (۱/۶) اور باقی موصی لہ کو ملے گا۔ (ت)

دوم (جوہرہ) میں تھا:

اوصی لرجل بجمیع مالہ کان لھا السدس وللموصی لہ خمسۃ اسداس۔[2]	اگر خاوند نے اجنبی مرد کے لئے اپنے تمام مال کی وصیت کی تو اس کی بیوی کو کل مال کا چھٹا حصہ (۱/۶) ملے گا اور موصی لہ کو چھ میں سے پانچ (۵/۶) حصے ملیں گے۔ (ت)

حکم وہ نقل کرنا جو اجنبی کے لئے وصیت بجمیع المال کی حالت میں ہو اور اسے وہاں منطبق کردینا جہاں اس کا ہرگز ثبوت نہیں۔

(۴۵) یونہی فتوی ۷ نے بھی اس پر یہی عبارت جوہرہ نقل کی یعنی حداوسط کا اشتراک ثابت نہیں اور تعدیہ ہوگیا۔

(۴۶) فتوی ۲ نے بھی یہی حکم لکھا کہ زوجہ کا حق سدس ہے باقی موصی لہ کا مگر اس پر اس حکم میں اعتراض نہیں کہ سوال جو اس کے یہاں پیش ہوا اس میں سائل ہی نے ایک غلط عبارت موصی کی طرف سے لکھ دی تھی کہ بعد میرے میری جائداد منقولہ غیر منقولہ کا مالک عمرو ہے اس کا مفاد ضرور وصیت بجمیع المال ہے اگرچہ وصیت نامہ میں اس کا کہیں نشان نہیں تو مجیب سے جیسا سوال ہوا ویسا جواب دیا مگر اب فتوی ۲ کا یہ اطلاقی حکم کہ جس چیز کی زوجہ کے واسطے وصیت کی وہ سالم زوجہ کی ہے بذریعہ وصیت لے سکتی ہے صریح غلط ہے اس کے سامنے سائل کا یہ بیان ہوا ہے کہ چند زیورات کی بابت اپنی زوجہ کے واسطے بھی وصیت کرگیا یعنی کہہ گیا کہ بعد میرے ان زیورات کی مالک میری زوجہ ہے اس بیان پر وہ جواب باطل ہے زوجہ کے لئے وصیت وارث کے لئے ہے

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

[2] الجوہرۃ النیرہ کتاب الوصایا مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۳۹۰

اور وارث کی وصیت اجنبی کی وصیت سے دو[2] درجہ مؤخر ہے باقی کلام مباحث سابقہ سے واضح۔

افادہ ثامنہ

یونہی استفتائے مرتبہ بجی خانپور سے واضح کہ شاہ محمد خاں دعوی کرتا ہے کہ وصیت کو مدعیہ نے بوقت وصیت اور نیز بعد وفات شوہر خود قبول کیا تھا، یہ دعوی بہت واجب اللحاظ ہے اگر اس کا ثبوت ہو جائے تو پھر زوجہ مکانات واثاث البیت سے بحق میراث کچھ نہ پائے گی اور بعد قبول اس کا اعتراض ہر گزنہ مسموع ہوگا اور اس کا دعوی بوجہ تناقض مدفوع ہوگا، ہدایہ میں فرمایا:

لاتجوز بمازاد علی الثلث الا ان یجیزھا الورثۃ بعد موتہ ولامعتبر باجازتھم حال حیاتہ لانھا قبل ثبوت الحق اذالحق یثبت عند الموت فکان لھم ان یردوہ بعد وفاتہ بخلاف مابعد الموت لانہ بعد ثبوت الحق فلیس لھم ان یرجعوا عنہ لان الساقط متلاش۔[1]	تہائی سے زائد کی وصیت جائز نہیں سوائے اس کے دیگر ورثاء موصی کی موت کے بعد اس کی اجازت دے دیں، اسکی زندگی میں اجازت معتبر نہیں کہ وہ ثبوت حق سے قبول ہوئی کیونکہ حق تو موصی کی موت کے وقت ثابت ہوگا لہذا انہیں موصی کی موت کے بعد رد کرنے کا اختیار ہے، بخلاف موت کے بعد کی اجازت کیونکہ وہ ثبوت حق کے بعد ہوئی لہذا اس سے رجوع نہیں کر سکتے اس لئے کہ جو ساقط ہو جائے وہ لاشیئ ہو جاتا ہے۔ (ت)

البتہ منفعت کی وصیت کہ ثلث کے بعد میں نافذ ہوگی نافذ رہے گی اور یہ خود اسی دعوی موصی لہ سے ظاہر کہ وصیت کو مدعیہ نے بعد وفات شوہر قبول کیا وصیت میں وصیت منفعت کی تصریح ہے تو اس کا قبول اس کا قبول ہے نہ کہ اس سے عدول، قبول کا حاصل یہ کہ موصی جو کر گیا منظور رہے اور وہ یہ کر گیا کہ مکانات واثاث البیت کا مالک شاہ محمد کو اور منفعت کا اختیار زوجہ کو۔

وھذا ظاھر جدا نعم ماابطلہ الشرع وھو وصیتھا الی حق الثلث	اور یہ خوب ظاہر ہے، ہاں جس کو شرع نے باطل کیا ہے تو تہائی کے حق تک اس کی وصیت

[1] الھدایۃ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

فلیسا الیھا قبولہ کما لایخفی۔	ہے جسے قبول کرنے کا اختیار اس کے پاس نہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

تفریعات

اس امر مہم کے لحاظ سے سب فتووں نے ذہول کیا جن جن کے سامنے استفتائے ججی خانپور پیش ہوا۔

(۴۷) فتوی ا کا قول مہر کے بعد جس قدر بچے دو حصے عالم خاتون کو دیں۔

(۴۸) فتوی ۵ کا قول مدعیہ نے وصیت پر اعتراض کیا اس پر مدعیہ کو ۱/۶ ملنا چاہئے۔

(۴۹) فتوی ۶ باقی سے ۱/۴ عالم خاتون کا حق ہے سب محل تفصیل میں یکطرفی حکم ہے۔

(۵۰) فتوی ۵ نے اعتراض مدعیہ کے ساتھ استناد کیا اور لحاظ نہ کیا کہ اگر بعد موت شوہر قبول کر چکی تو اب اعتراض کا اسے کیا حق رہا۔

(۵۱) یونہی فتوی ا نے کہا کہ مدعیہ کے اعتراض پر تیسرے حصہ کے زائد میں جائز نہ ہوگی، کیا اگر اعتراض بعد القبول ہو، یہ دونوں فتوے تو وصیت بالمنفعت کے بھی قائل نہیں انہیں تو یہ کہنا لازم تھا کہ اگر زوجہ قبول کر چکی تو دامن جھاڑ کر اُٹھ کھڑی ہو اس کے لئے میراث و وصیت کچھ نہیں کہ مطلقاً اسے پورے دو ثلث دے دیں۔

(۵۲) فتوی ۵ نے خود ہی درمختار سے عبارت نقل کی:

ان لم تجز فلھا السدس۔[1]	اگر بیوی نے اجازت نہ دی تو اس کو کل مال کا چھٹا حصہ ملے گا۔ (ت)

اور حکم میں یہ قید بھلادی۔

(۵۳) فتوی ۶ نے آپ ہی کہا تھا کہ اگر وہ اجازت دے دیں نافذ ہوگی، پھر کس طرح مطلقاً حکم مذکور لگادیا۔

(۵۴) فتوی ۷ نے خود ہی کہا کہ اگر ورثہ اپنے اضرار کو قبول کرلیں تو وہ وصیت زائد علی الثلث جائز و نافذ ہوگی پھر مطلقاً یہ حکم کس لئے کہ دو سہام جو ربع ما بقے ہے عالم خاتون کو۔

(۵۵) ہاں فتوی ۷ نے یہ علاج کیا کہ وصیت باقی تمام مال کی شاہ محمد کو کی ہے جس کو مدعیہ نے

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

قبول نہ کیا۔ یہ جزی حکم کس بناپر حالانکہ سوال میں دونوں پہلو تھے۔

افادہ تاسعہ

اگر زوجہ کا قبول ثابت نہ ہو تو وصیت کا بے اجازت وارث ثلث سے زائد میں نافذ نہ ہونا ان ورثہ کے ساتھ ہے جن کے حقوق میراث کے بعد کچھ نہ بچے زوجین کہ کسی حال میں ان کا حق ارث ربع یا نصف سے زائد نہیں، وصیت میں ثلث پر زیادت جہاں تک ان کے حق کے معارض نہیں یعنی زوجہ کے ساتھ ثلث کے علاوہ نصف مال اور زوج کے ساتھ ثلث کے علاوہ دوسرے ثلث میں اس کا نفاذ ان کی اجازت ورضا پر موقوف نہیں، ہاں ارث پر حق تقدم صرف ثلث تک ہے جس کا بیان اوپر گزرا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ثلث سے زیادہ موصی لہ بالزائد کو بے ان کی اجازت کے ملتے ہی نہیں یہ محض باطل ہے، نوازل امام فقیہ ابواللیث پھر فتاوٰی حامدیہ، جوہرہ نیرہ پھر عقود الدریہ وغیرہا میں ہے:

الوصیة بمازاد علی الثلث غیر جائزة اذاکان ھناك وارث یجوز ان یستحق جمیع المال اما اذاکان لا یستحق جمیع المیراث کالزوج والزوجة فانه یجوز ان یوصی بمازاد علی الثلث[1]۔	تہائی مال سے زائد کی وصیت ناجائز ہے جبکہ کوئی ایسا وارث موجود ہو جو تمام مال کا مستحق بن سکتا ہے لیکن اگر وہ وارث تمام مال کا مستحق نہ بن سکتا ہو جیسے خاوند اور بیوی، دو تہائی سے زائد کی وصیت کرنا جائز ہوگا۔ (ت)

تفریعات

(۵۶) فتوٰی ا کا وصیت شاہ محمد کے لئے کہنا کہ مدعیہ کے اعتراض کرنے پر تیسرے حصہ میں جائز ہوگی زائد میں جائز نہ ہوگی اس لئے دو حصے عالم خاتون کو دیں گے۔

(۵۷) یونہی فتوٰی ۳ کا قول کہ بوقت موجودگی ورثہ وصیت ثلث سے جاری ہوگی ثلث سے زیادہ ناجائز ہے۔

(۵۸) اسی طرح فتوٰی ۶ کا ادعا ہے کہ مسئلہ زیر بحث میں متوفی کی بیوہ موجود ہے جو اس کی وارث ہے اس لئے جس قدر وصیت ترکہ کے ۱/۳ سے زیادہ ہے بدون اجازت عالم خاتون کے نافذ نہیں

[1] العقود الدریة کتاب الوصایا ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۰۹

ہو سکتی، سب باطل اور مسئلہ **لاتجوز بمازاد علی الثلث الا ان یجیزھا الورثۃ**[1] (تہائی مال سے زائد کی وصیت ورثاء کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوتی۔ت) میں ورثہ سے مراد علماء کی نافہمی پر مبنی ہے۔

(۵۹) فتوٰی ۳ نے اور ترقی کی کہ صریح مخالفت عبارت اپنی سند ٹھہرائی عبارت ہدایہ:

لاتجوز بمازاد علی الثلث لانہ حق الورثۃ۔[2]	تہائی مال سے زائد کی وصیت اس لئے جائز نہیں کہ وہ وارثوں کا حق ہے۔(ت)

صاف ارشاد فرمارہی تھی کہ یہ عدم جواز معارضہ حق وراثت کے سبب ہے زوجہ کا حق وراثت ربع سے زیادہ کہاں ہے کہ باقی نصف مال میں معاوضہ کرے۔

(۶۰) یہی خوش فہمی فتوٰی ۶ نے دکھائی عبارت ہدایہ یہ سنائی:

لاتجوز بمازاد علی الثلث الا ان یجیزھا الورثۃ لان الامتناع لحقھم۔[3]	تہائی مال سے زائد کی وصیت جائز نہیں سوائے اس کے ورثاء اجازت دے دیں کیونکہ ممانعت ان کے حق کی وجہ سے ہے۔(ت)

اور جملہ تعلیل کو نہ دیکھا کہ صراحۃً اس کے خلاف ہے، مگر یہ اغلاط ان فتاوائے سہ گانہ کی اس شدید غلط فہمی پر مبنی ہیں جس کا کشف افادہ آخر میں آتا ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔

افادہ عاشرہ

کسی تقسیم میں نہ حاکم کو یہ جبر پہنچتا ہے نہ ایک حصہ دار کو روا ہے کہ بے رضائے دیگر بجائے عین، قیمت لے مگر بمجبوری محض جہاں بے اس کے مساوات ناممکن ہو نہ زنہار حاکم کو یہ اختیار کہ بے رضائے فریقین مختلف الجنس اشیاء میں ایک کا حصہ کہ اس جنس میں ہو دوسرے کو دے دے اور اس کے بدلے دوسری جنس دوسرے کے حصے سے اسے دلائے۔ درمختار میں ہے:

اعلم ان الدراھم لاتدخل فی	یہ جان لے کہ درھم، زمین اور گھر کی تقسیم میں داخل

[1] الھدایۃ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

[2] الھدایۃ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

[3] الھدایۃ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

القسمة لعقار اومنقول الا برضاھم فلو کان ارض و بناء اومنقول قسم بالقیمة عند الثانی وعند الثالث یرد من العرصة بمقابلة البناء فان بقی فضل ولا یمکن التسویة ردالفضل دراھم للضرورة و استحسنه فی الاختیار۔[1]	نہیں ہوتے مگراس وقت جب شرکاء اس پر راضی ہوں۔ چنانچہ اگرزمین، عمارت یا مال منقول ہوتواس کی تقسیم امام ابو یوسف کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے ہوگی، اورامام محمد کے نزدیک زمین کو عمارت کے مقابل پھیر دیا جائے گا، پھر اگر کچھ عمارت زائد بچ جائے زمین دے کر دونوں میں برابری ممکن نہ ہوتو مجبورًا اس زیادتی کے برابر درھم پھیرے جائیں گے۔ اختیار میں ہے اس کو مستحسن قرار دیا ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لاتدخل فی القسمة الدراھم والدنانیر الا بتراضیھم لانه لاشرکة فی الدراھم والقسمة من حقوق الاشتراك لانه یفوت به التعدیل فی القسمة، واذا کان ارض و بناء فعن ابی یوسف انه یقسم علی اعتبار القیمة لانه لایمکن اعتبار المعادلة الا بالتقویم۔[2]	شرکاء کی باہمی رضامندی کے بغیر دراھم ودنانیر تقسیم میں داخل نہیں ہوتے کیونکہ دراہم میں کوئی شراکت نہیں اور تقسیم حقوق اشتراک میں سے ہے، اس لئے بھی کہ اس سے تقسیم برابری فوت ہوجاتی ہے۔ اورجب زمین مع عمارت ہو توامام ابویوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے تقسیم ہوگی کیونکہ اس کے بغیر برابری کااعتبار ممکن نہیں۔ (ت)

اور روایت مذکورہ امام محمد کے بیان میں فرمایا:

اذا بقی فضل ولایمکن تحقیق التسویة بان لاتفی الوصیة بقیمة البناء حینئذ یرد للفضل دراھم لان الضرورة فی ھذا القدر	جب عمارت میں کچھ زیادتی باقی رہی اور زمین کی قیمت لگا کر بھی وصیت میں مساوات ممکن نہیں تواب وہ زیادتی بامر مجبوری دراھم سے لوٹائی جائے گی کیونکہ مجبوری فقط اتنی ہی مقدار

[1] الدر المختار کتاب القسمة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۰

[2] الھدایة کتاب القسمة فصل فی کیفیة القسمة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۴

فلایترك الاصل الابھا وھذا یوافق روایة الاصل۔[1]	میں ہے لہٰذا سوائے اس کے اصل کو نہیں چھوڑا جائے گا۔اور یہ مبسوط کی روایت کے موافق ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لایقسم الجنسین بعضھما فی بعض لانه لااختلاط بین الجنسین فلایقع القسمة تمییزا بل تقع معاوضة وسبیلھا التراضی دون جبر القاضی۔[2]	دو جنسوں کی تقسیم میں بعض کو دوسری بعض میں داخل نہیں کیا جائے گا کیونکہ دو جنسوں میں اختلاط نہیں ہوتا تو اس طرح تقسیم تمیز کے لئے نہیں بلکہ معاوضہ کے لئے واقع ہو گی اور اس کی صورت صرف باہمی رضامندی ہے نہ کہ جبر قاضی۔(ت)

تفریعات

(۶۱) فتوی ا کا قول کہ اگر کوئی فریق اپنے حصے کے بدلے اس کی قیمت پر رضامند ہو جائے تو عدالت کو لازم ہوگا کہ اس فریق کو قیمت دے دے لیکن کسی فریق کو اس کے حصے کی قیمت لینے پر مجبور کرنا عدالت کے اختیار سے باہر ہے ناقص و قاصر ہے ایک فریق کے رضامند ہونے سے عدالت کو لازم درکنار جائز بھی نہیں کہ اسے قیمت دلادے جب تک دوسرا فریق بھی قیمت دینے پر راضی نہ ہو، اسے قیمت لینے پر مجبور کرنا اختیار سے باہر ہے تو اسے قیمت دینے پر مجبور کرنا کب اختیار میں داخل ہے۔

(۶۲) فتوی ۵ نے اس سے بھی زیادہ بے تکان کہا کہ مدعیہ کو اختیار ہے اگر چاہے تو ہر چیز ۱/۶ حصہ بجنسہٖ لے سکتی ہے اگر باختیار خود قیمت اپنے حصے کی فریق ثانی سے لے لے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

(۶۳) طرفہ تر فتوی ا کا یہ قول ہے کہ ظروف وغیرہ کی تقسیم کی بھی یہی صورت ہو گی کہ تیسرے حصہ میں شاہ محمد کا حق اور دو حصے مسماۃ کا حق ہیں لیکن یہ مناسب ہوگا کہ تمام ظروف شاہ محمد خاں کو دے دیئے جائیں اور عالم خاتون کا حق جو ان ظروف میں ہے وہ جائداد غیر منقولہ سے پورا

---

[1] الھدایۃ کتاب القسمۃ فصل فی کیفیۃ القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۱۵۔۴۱۴

[2] الھدایۃ کتاب القسمۃ فصل فی کیفیۃ القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۲

کر دیا جائے۔ اب یہاں ایک فریق کی رضا بھی شرط نہ رہی خود ہی حاکم کو مشورہ دیا جارہا ہے کہ یوں کر دو۔ لطف یہ کہ یہاں اس سے سوال بھی نہ تھا سوال یہ تھا کہ ظروف وغیرہ کا دیا جانا بھی درج وصیت ہے کیا یہ جائز ہے، اس کا جواب یہ ہوتا ہے جو پیش نظر ہے، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

افادۂ حادیہ عشر

اجنبی کہ نہ وارث ہو نہ وصی اگر میت کی تجہیز و تکفین بطور خود کرے تو اسے ترکہ میں رجوع کا اختیار نہیں وہ اس کا تبرع ٹھہرے گا جب تک وارث کے اذن واجازت سے نہ ہوا اور وارث کی اجازت بھی کافی نہیں جب تک اس کا امر نہ ہوا اور تحقیقًا اس کا امر بھی کافی نہیں جب تک واپسی کی شرط نہ کرلی ہو مثلاً زید نے وارث سے کہا میں اس کی تجہیز و تکفین کئے دیتا ہوں جو خرچ ہوگا ترکہ سے لے لوں گا وارث نے سکوت کیا زید نے اس کہنے پر لوگوں کو گواہ کرلیا اور اپنے مال سے تجہیز و تکفین کی ایک حبّہ واپس نہ پائے گا کہ یہ بلااذن وارث تھی یا زید نے وارث سے کہا میت میرا دوست یا میرا معظم تھا میں چاہتا ہوں کہ اس کی تجہیز و تکفین میں خود کروں اس نے کہا اچھا، یا وارث ہی نے اس سے کہا کہ اگر تم اس کی تجہیز و تکفین کا ثواب لینا چاہو تو تمہیں اجازت ہے اس نے کہا منظور، دونوں صورتوں میں وارث کی اجازت ہوئی اور اختیار رجوع نہیں کہ بے امر وارث ہے، یا وارث نے کہا میت تمہارا دوست تھا یا تمہارا پیر یا استاد تھا تم پر بھی اس کا حق ہے اس کی تجہیز و تکفین تمہیں اپنے مال سے کرو، اس نے کہا بسر و چشم، اس میں وارث کا بھی امر ہوا اور رجوع نہیں کہ اس کی شرط نہ کی گئی، ہاں وارث نے کہا تم اس کی تجہیز و تکفین کر دو جو خرچ ہوگا ترکہ سے تمہیں دے دیا جائے گا تو اب بلاشبہہ اختیار رجوع ہے۔ عیون پھر تاتارخانیہ پھر نہج النجاۃ پھر تنقیح الحامدیہ میں ہے:

اذا کفن الوارث المیّت من مال نفسه یرجع و الاجنبی لایرجع[1]۔	اگر وارث نے میت کو اپنے مال سے کفن پہنایا تو رجوع کر سکتا ہے اور اجنبی ایسا کرے تو رجوع نہیں کر سکتا۔ (ت)

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۲۷

ردالمحتار متفرقات البیوع مسئلہ تکفین میں ہے:

لوکفن المیت غیرالوارث من مال نفسه لیرجع فی ترکته بغیر امرالوارث فلیس له الرجوع اشهد علی الوارث اولم یشهد ولوکفن الوصی من مال نفسه لیرجع کان له الرجوع۔[1]	اگر غیر وارث نے میت کو وارث کے حکم کے بغیر اپنے مال سے کفن پہنایا تاکہ وہ ترکہ میں رجوع کرے تو اس کو رجوع کا اختیار نہیں ہوگا چاہے وارث کو گواہ بنایا ہو یا نہیں اور اگر وصی نے اپنے مال سے کفن پہنایا تاکہ وہ ترکہ میں رجوع کرے تو اس کو رجوع کا اختیار ہوگا۔(ت)

مجمع الفتاوٰی پھر نورالعین پھر تنقیح مغنی المستفتی میں ہے:

امراحد الورثة انسانا بان یکفن المیت فکفن ان امرہ لیرجع علیه یرجع کمافی انفق فی بناء داری وهو اختیار شمس الاسلام وذکرالسرخسی ان له ان یرجع بمنزلة امرالقاضی[2] اھ **قلت** والتعلیل دلیل التعویل ثم التقدیم دلیل التقدیم ثم الاختیار من الفاظ الفتوی۔	اگر وارثوں میں سے ایک نے کسی شخص کو کہا کہ وہ میت کو کفن پہنادے اور اس نے پہنادیا اب اگر وارث نے اس کو رجوع کا کہا تو رجوع کرسکے گا، جیسا کہ کوئی کسی کو کہے تو میرے گھر کی عمارت میں خرچ کر، وہی شمس الاسلام کا اختیار ہے، اور امام سرخسی نے ذکر فرمایا کہ اس کو بمنزلہ امر قاضی رجوع کا اختیار ہے اھ **میں کہتا ہوں** کہ تعلیل دلیل تعویل ہے، پھر تقدیم دلیل تقدیم ہے پھر اختیار فتوی کے الفاظ میں سے۔(ت)

یہاں شرط رجوع درکنار امر زوجہ. برکنار اجازت زوجہ کا بھی ثبوت نہیں بلکہ ظاہر یہی ہے کہ شاہ محمد نے بطور خود یہ تجہیز و تکفین کی موصی نے اسی کے گھر میں وفات پائی اس کا اس کا یارانہ تھا اور اس نے اس پر احسان کیا کہ اپنے دونوں مکان اور جملہ اسباب خانہ داری اپنی زوجہ سے چھڑا کر اس کو وصیت کرگیا اور اس نے وصیت نامہ میں دوجگہ اس سے اپنی تجہیز و تکفین درخواست تھی اور سوال فتوائے دوم جس کی طرز ادا بتارہی ہے کہ وہ شاہ محمد کا مرتب کرایا ہوا ہے

[1] العقود الدریة کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۲۷

[2] العقود الدریة بحوالہ مجمع الفتاوٰی کتاب الکفالہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۰۳۔۳۰۲

اس میں یہ لفظ ہیں زید وصیت کرگیاکہ بعد میرے میری جائداد منقولہ غیر منقولہ کامالک عمرو ہے میری تجہیز وتکفین بھی کرے گااورللہ میری ارواح بھی دے گا بعد وفات زید عمرو نے وصیت مذکورہ کو قبول کرکے ایفائے امورات ایصاء میں لگ گیا جس سے صاف واضح کہ یہ تجہیز وتکفین بربنائے درخواست ووصیت نامہ تھی نہ بربنائے امر عالم خاتون، توکوئی امر ایسا ثابت نہیں جس سے یہ خرچ اسے واپس دلایا جائے بلکہ اس کے خلاف کا ثبوت ظاہر ہے توحکم واپسی نہیں ہوسکتا ثم اقول: یہاں ایک دقیقہ اور ہے تجہیز وتکفین ضرور جمیع حقوق متعلقہ بہ ترکہ پر مقدم ہے،

اما المتعلق بعین کالمرھون والمبیع المحبوس بالثمن ودارمستأجرۃ قدم اجرتھا وعین جعلھا مھرا والمقبوض بالبیع الفاسد فانہ اذامات الراھن اوالمشتری اوالأجر اوالزوج اوالبائع فی ھذہ الصور علی الولاء قدم حق المرتھن اوالبائع اوالمستاجر او المرأۃ اوالمشتری علی تجھیزالمیت فانما ذلك لتعلقھا بالمال قبل صیرورتہ ترکۃ کما فی الدر المختاروردالمحتار[1]۔	لیکن وہ حق جو عین سے متعلق ہے جیسے رہن رکھی ہوئی چیز، وہ مبیع جو ثمن کے بدلے روکاگیاہے، وہ اجارہ کامکان جس کا کرایہ پیشگی اداکیاگیاہے، وہ عین شیئ جس کو مہر بنایاگیاہے اور وہ شیئ جس شیئ پر بیع فاسد کے ذریعے قبضہ کیاگیا۔ان صورتوں میں اگرراہن، مشتری، آجر، خاوند یا بائع اسی حال پر مرگیاتومذکورہ حقوق یعنی مرتہن، بائع، مستاجر، بیوی یا مشتری کاحق تجہیز میت پر مقدم ہوگا یہ اس لئے ہے کہ یہ حقوق مال کے ترکہ ہونے سے پہلے ہی اس سے متعلق ہوگئے ہیں، جیسا کہ درمختاراور ردالمحتار میں ہے۔(ت)

مگر یہ تقدیم تجہیز وتکفین کو ہے نہ اس دَین کو کہ بسبب تجہیز وتکفین عائد ہو وہ اگر ہے تو مثل سائر دیون ایک دین ہے نہ کہ اور جملہ دیون پر مقدم **اوّلاً**: تمام علماء نے یبدأ بتجھیزہ (اس کی تجہیز سے ابتداء کی جائے گی۔ت) فرمایا ہے کہیں یبدأ بدین تجھیزہ (اس کی تجہیز کے قرض سے ابتداء کی جائے گی۔ت) بھی آیا ہے۔

ثانیاً: علماء نے اسے لباس حیات پر قیاس فرمایاہے کہ زندگی میں تن کے کپڑے دائن کو

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۲، ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۴-۴۸۳

نہ دیئے جائیں گے یا کپڑوں کی حاجت ہے تو اس قدر دین میں نہ دیں گے، شریفیہ میں فرمایا:

انما کان قضاء الدین مؤخرا عن الکفن لانہ لباسہ بعد وفاتہ فیعتبر بلباسہ فی حیاتہ الاتری انہ یقدم علی دینہ اذلایباع ماعلی المدیون من ثیابہ مع قدرتہ علی الکسب [1]۔(ملخصًا)	بیشک قرض کی ادائیگی کفن سے مؤخر اس لئے ہے کہ کفن مرنے کے بعد میت کا لباس ہے، لہٰذا اس کو اس کی زندگی کے لباس پر قیاس کیا جائے گا کیا نہیں دیکھتے ہو کہ زندگی میں لباس قرض پر مقدم ہوتا ہے، اس لئے کسب کی قدرت رکھنے والے مدیون کے کپڑے فروخت نہیں کئے جاتے۔(ملخصًا)(ت)

اور پر ظاہر کہ زید کے مدیون نے اگر عمرو سے قرض لے کر کپڑے بنائے تو عمرو کو زید پر کوئی ترجیح نہ ہوگی دونوں دَین یکساں ہوں گے دَین پر تقدم لباس کو تھی نہ کہ دَین لباس کو شرع میں اس کی کہیں اصل نہیں تو واجب کو دَین تکفین بھی دیگر دیون پر اصلاً مقدم نہ ہو بلکہ کفن دہندہ اسوہ غرباء ہو۔ درمنتقی پھر ردالمحتار میں ہے:

الاصل ان کل حق یقدم فی الحیاۃ یقدم فی الوفاۃ [2] اھ ویضم منہ علی العرف الفقھی ان مالایقدم فی الحیاۃ لایقدم فی الوفاۃ۔	اصل یہ ہے کہ جو حق زندگی میں مقدم ہوتا ہے وہ موت میں بھی مقدم ہوتا ہے اھ اور عرف فقہ میں اس کے ساتھ یہ ضابطہ ملایا جاتا ہے کہ جو زندگی میں مقدم نہ ہو وہ وفات میں بھی مقدم نہیں ہوتا۔(ت)

ثالثًا: علماء اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ میت کو برہنہ رکھنا جائز نہیں کہ تعظیم مسلمان مردہ و زندہ کی یکساں ہے۔ تبیین الحقائق میں فرمایا:

المرء یقدم نفسہ فی حیاتہ فیمایحتاج الیہ من النفقۃ والسکنی والکسوۃ علی اصحاب الدیون فکذا	انسان اپنی ذات کو زندگی میں اپنی ضروری حاجات یعنی نفقہ، سکونت اور لباس میں قرضخواہوں پر مقدم رکھتا ہے اسی طرح وفات

[1] الشریفۃ شرح السراجیہ خطبۃ الکتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۵

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۴

بعد وفاته يقدم تجهيزه وهو محترم حياوميتا فلا يجوز كشف عورته و فى الاثر لعظام الميت من الحرمة مالعظام الحى [1]۔(ملخصًا)	کے بعد اس کی تجہیز و تکفین کو مقدم رکھا جائے گا انسان زندہ و مردہ دونوں حالتوں میں محترم ہے لہٰذا اس کو برہنہ کرنا جائز نہیں، حدیث میں ہے میت کی ہڈیوں کا احترام وہی ہے جو زندہ کی ہڈیوں کا ہے۔ ملخصًا (ت)

اور پر ظاہر کہ یہ علت نفس تجہیز میں ہے نہ دَین تجہیز میں۔

رابعًا: علماء فرماتے ہیں یہاں دو چیزیں ہیں: حق للمیت اور وہ تجہیز ہے، اور حق علی المیت اور وہ دَین ہے، اور اول ثانی پر مقدم ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم میں فرماتے ہیں:

اعلم ان الحقوق المتعلقة بالتركة هنا خمسة بالاستقراء لان الحق اما للميت اوعليه اولاوالاول التجهيزوالثانی الدين الخ۔ [2]	تو جان لے کہ بیشک میت کے ترکہ سے متعلق حقوق بطور استقراء پانچ ہیں اس لئے کہ حق یا تو میت کے لئے ہوگا یا اس پر ہوگا یا ایسا نہیں ہوگا بصورت اول تجہیز ہے اور بصورت ثانی قرض الخ (ت)

ظاہر ہے کہ دَین تجہیز مثل سائر دیون حق علی المیت ہے نہ کہ حق للمیت، تو مرتبہ دیون ہی میں ہوگا نہ مرتبہ تجہیز میں۔

خامسًا: جس طرح یہ دَین حاجت ستر کے لئے تھا اور بہت دیون بھی آدمی اپنے کھانے پینے پہننے رہنے وغیرہا حاجات اصلیہ کے اپنی حیات میں لیتا ہے، تو شیئ اپنے مثل پر کیسے مقدم ہو سکتی ہے، یوں ہی مہر مثل بھی وہ دَین کہ حاجت اصلیہ کے سبب لازم آتا ہے۔ ھدایہ باب اقرار المریض میں ہے:

النكاح من الحوائج الاصلية وهو بمهر المثل [3]۔	نکاح حاجات اصلیہ میں سے ہے اور وہ مہر مثل کے ساتھ ہوتا ہے۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۲۲۹۔۲۳۰

[2] الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم (رسائل ابن عابدین) سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۱۹۳

[3] الھدایۃ کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۴۰

تودین تجہیز اس پر مقدم ہونے کے کوئی معنی نہیں فقیر نے جدالممتار میں اس مسئلہ کااستظہار کیا تھااور اب یہ اس کی تحقیق تام ہے وباللہ التوفیق عبارت اس کی یہ ہے:

ونصوا علٰی ان الوصی اوالوارث اذا کفن من مال نفسه کفن المثل یرجع فی الترکة ویظهر لی انه یکون المکفن حینئذاسوة للغرباء لاتقدیم لحقه علٰی حقوقهم وان کان دینه لاجل التکفین فان تقدیم التجهیز کان لحاجة المیت اعتبارا بحالة الحیاة وقد اندفعت حاجته ولم یبق الااداء الدین فیکون کمثل سائر الدیون الاتری ان المدیون ان کان محتاجا الی اللباس یقدم علی اداء الدیون وان البسه رجل من مال نفسه شارطا علیه الرجوع کان کاحد الدائنین،وایضا ربما یستدین الرجل فی حیاته لاکله وشربه و مالابدمنه،فالذی ادانه لهذا کیف یتأخر عن الذی ادانه لمثل الحاجة بعد الموت،والله تعالٰی اعلم۔[1] اھ۔	مشائخ نے اس پر نص فرمائی کہ وصی یاوارث جب اپنے مال میں سے میت کو مثلی کفن پہنادے تووہ ترکہ میں رجوع کرے گا۔ میرے لئے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ اس صورت میں وہ کفن دینے والا باقی غرباء کے مساوی ہوگا دوسروں کے حق پر اس کا حق مقدم نہ ہوگا اگرچہ اس کا یہ قرض تکفین کی وجہ سے ہے کیونکہ تجہیز کو مقدم کرنا میت کی حاجت کے لئے اس کی زندگی کی حالت پر قیاس کرتے ہوئے۔اور تحقیق وہ حاجت پوری ہوچکی اورنہ باقی رہا مگر قرض کاادا کرنا تو وہ مثل باقی قرضوں کے ہوگیا۔کیاتونہیں دیکھتا کہ مقروض جب لباس کا محتاج ہوتو وہ قرض کی ادائیگی پر لباس کو مقدم رکھتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنے مال سے اس کو لباس پہنادے اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس پر رجوع کرلے گا تو وہ دیگر قرضخواہوں میں سے ایک ہوجائے گا نیز بسااوقات کوئی شخص اپنی زندگی میں کھانے پینے اور دیگر ضروری اشیاء کے لئے قرض لیتاہے، تو جس شخص نے ان ضروریات کے لئے قرض دیاوہ اس شخص سے کیسے متأخر ہوگا جس نے موت کے بعد ایسی ہی حاجت کے لئے اس کو قرض دیا،اوراللہ تعالٰی خوب جانتاہے۔(ت)

[1] جدالممتار علی ردالمحتار

تو اگر شاہ محمد بامر زوجہ بشرط رجوع تجہیز وتکفین کرتا جب بھی غایت درجہ میں دَین مرتبہ دَین میں رہتا نہ کہ مرتبہ تجہیز وتکفین میں ہو کر مہر وغیرہ دیون پر مقدم ہوجاتا کہ یہ محض بلاوجہ بلکہ بے معنی ہے۔

ومن ادعی فعلیه البیان ولایستطیع الیٰ ان یؤب القارظان۔	جو دعوی کرے دلیل بیان کرنا اس کے ذمے ہے اور وہ دلیل نہیں لاسکے گا یہاں تک کہ سلم کے پتے چننے والے واپس آئیں (ت)

تفریعات

(۶۴، ۶۵) فتوی ا کا قول تجہیز وتکفین کا خرچ پہلے ہی سے نکال لیا جائے گا اس کا بار کسی فریق کے حصے پر نہ پڑے گا۔

(۶۶، ۶۷) فتوی ۵ کا قول خرچ دفن کرنے کا چھ سات روپے تک آخر دس روپے تک اس کا بار فریقین پر ہے۔

(۶۸، ۶۹) فتوی ۷ کا قول جمیع متروکہ میں سے سب سے اول تجہیز کا خرچ نکال لیا جائے گا نیز اس کا قول وصیت اگر بعوض دین مہر ہو تو تجہیز وتکفین کے بار سے حسب حصہ زیورات مستثنیٰ نہ ہوں گے الخ سب دو دو وجہ سے غلط ہیں اوّلاً بلا ثبوت موجب رجوع بلکہ بعد ظہور مانع رجوع، حکم رجوع دینا، ثانیاً اسے مرتبہ تجہیز وتکفین میں رکھنا۔

(۷۰) فتوی ۷ کا قول اگر مدعا علیہ نے تجہیز وتکفین اپنے مال سے بلا اطلاع و بلا اجازت مدعیہ کی ہے اس کا بار صرف مدعا علیہ کے مال پر ہوگا اور باجازت مدعیہ اپنے مال سے کی ہے یا متوفی کے ترکہ سے تو اس کا بار متوفی کے تمام ترکہ پر ہوگا بھی صحیح نہیں فقط اجازت مدعیہ رجوع کے لئے کافی نہیں طرفہ یہ کہ شق اول میں بلا اطلاع کا لفظ بڑھا دیا جو اس کا موہم کہ صرف باطلاع وارث ہونا ہی رجوع کو بس ہے۔

افادۂ ثانیہ عشر جامع فوائد غرر

فائدہ ۱۳: ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اصل مذہب یہ ہے کہ اصحاب فرائض میں کہ [1] زوجین پر رد نہیں ان کے فرض سے جو بچے اور کوئی [2] عصبہ نسبی و [3] سببی نہ ہو تو باقیماندہ [4] ذوی الارحام کو دیں گے، وہ [5] نہ ہوں تو مولی الموالاۃ کو، [6] وہ نہ ہو تو مقرلہ بالنسب علی الغیر کو، [7] وہ نہ ہو تو موصی لہ بالزائد

کو، ^وہ نہ ہو یا اسے دے کر بھی بچے تو وہ باقی فقراء مسلمین کا حق ہے مسلمانوں کے بیت المال میں رکھیں مثل تمام اموال ضائعہ کے جن کا کوئی مالک وارث نہ ہو ان تمام مراتب اور ان کی ترتیب میں ائمہ وعلمائے حنفیہّ کرام متقدمین ومتاخرین کسی کو اصلاً خلاف نہیں جمیع کتب سلف وخلف میں آج تک برابر اسی طرح لکھتے اور اسی پر عمل کرتے فتوے دیتے آئے اور جبکہ ترتیب مراتب کے یہ معنی ہیں کہ محل استحقاق رتبہ متقدمہ میں رتبہ متاخرہ کو نہ دیا جائے گا بلکہ وہ اس وقت پائے گا کہ رتبہ متقدمہ موجود نہ ہو جیسے جمیع صور میں یا اس کے حق کے بعد بھی کچھ باقی بچے جیسے اصحاب فرائض وعصبات یا احد الزوجین ومراتب نازلہ یا موصی لہ بالزائد دون الکل وبیت المال میں اور بیت المال کا کوئی حصہ معین نہیں کہ اس کے بعد کچھ بچے نہ زمان برکت نشان سلف میں اس کے عدم کی صورت تھی لہٰذا ائمہ متقدمہ نے اسے آخر المراتب رکھا زمانہ متاخرین میں جبکہ بیت المال فاسد ہو اور فاسد مثل معدوم ہے تو اب بیت المال آخر المراتب نہ رہا اور صورت یہ پیدا ہوئی کہ ^۴ذوی الارحام نہ ہوں تو ^۵مولی الموالاۃ کو، ^۶وہ نہ ہو تو مقرلہ کو، وہ نہ ہو تو ^۷موصی لہ بالزائد کو، وہ نہ ہو تو ^۸بیت المال کو، اور وہ بھی نہ ہو جیسے زمانہ متاخرہ میں تو اب کس کو۔ اس کے لئے ائمہ متاخرین نے ^۹نواں مرتبہ رد علی الزوجین نکالا اور زوجین بھی نہ ہوں تو ^{۱۰}بنات معتق کو، وہ بھی نہ ہوں تو معتق کے ^{۱۱}ذوی الارحام کو، وہ بھی نہ ہوں تو میت کے اولاد رضاعی کو، کوئی عاقل نہ کہے گا کہ ان مراتب اربعہ کے احداث سے علماء متاخرین اس ترتیب مجمع علیہ مراتب سابقہ کو توڑنا چاہتے ہیں حاشا اس پر تو ہمارے تمام علماء کا قطعی اجماع بلانزاع ہے بلکہ از انجا کہ مرتبہ اخیرہ اب مرتبہ اخیرہ نہ رہا اس کے بعد اور مراتب بڑھاتے ہیں تو یہ چاروں مراتب جدیدہ بالیقین بیت المال منتظم سے مؤخر ہیں، اور بیت المال منتظم موصی لہ بالزائد سے مؤخر ہے تو قطعاً یقینا یہ چاروں مراتب موصی لہ بالزائد سے بدرجہا مؤخر ہیں، علماء نے جس طرح رد علی الزوجین کا مرتبہ نکالا یہ تینوں مراتب بنات معتق وذوی الارحام معتق واولاد رضاعی بھی نکالے، نہایہ پھر تبیین الحقائق پھر اشباہ والنظائر پھر منح الغفار پھر درمختار کتاب الولاء میں ہے:

واللفظ له لومات المعتق ولم یترك الاابنة معتقه فلاشیئ لها ویوضع ماله فی بیت المال هذا ظاهر الروایة وذکر الزیلعی معزیاللنهایة ان	اور لفظ درمختار کے ہیں کہ اگر مُعتَق مر گیا اور سوائے مُعتِق کی بیٹی کے اس کے پسماندگان میں کوئی نہیں تو اس کو کچھ نہیں ملے گا، اور معتق کا مال بیت المال میں رکھ دیا جائے گا، یہ ظاہر الروایۃ ہے، اور زیلعی نے نہایہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے

بنت المعتق ترث فی زماننا لفساد بیت المال وکذا ما فضل عن فرض احد الزوجین یرد علیه وکذا المال یکون للابن اوالبنت رضاعا کذا فی فرائض الاشباہ واقرہ المصنف وغیرہ[1]۔	ذکر کیا کہ معتِق کی بیٹی ہمارے زمانے میں بیت المال کے فساد کی وجہ سے وارث ہوگی یونہی زوجین میں کسی ایک کے فرضی حصہ قبول کرنے کے بعد جو بچ جائے وہ اسی پر رَد کردیا جائے گا۔اوراسی طرح ترکہ کامال رضاعی بیٹے یا بیٹی کو ملے گا۔الاشباہ کی کتاب الفرائض میں یونہی ہے،اور مصنّف وغیرہ نے اس کو برقرار رکھاہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ومثله فی الذخیرۃ قال وھکذا کان یفتی الامام ابو بکر البرزنجری والقاضی الامام صدر الاسلام لانها اقرب الی المیت من بیت المال فکان الصرف الیها اولٰی اذلوکانت ذکرا تستحق المال،قوله ترث فی زماننا عبارۃ الزیلعی یدفع المال الیها لابطریق الارث بل لانها اقرب الناس الی المیت ح،قوله وکذا مافضل الخ عزاہ فی الذخیرۃ الٰی فرائض الامام عبد الواحد الشھید،قوله للابن اوالبنت رضاعا عزاہ فی الذخیرۃ الٰی محمد رحمه اللہ تعالٰی[2]۔	اسی کی مثل ذخیرہ میں فرمایا،اورایسے ہی فتوی دیتے تھے امام ابوبکر البرزنجری اور قاضی امام صدرالاسلام۔کیونکہ معتِق کی بیٹی بیت المال کی بنسبت میت کے زیادہ قریب ہے۔چنانچہ مال کواس کی طرف پھیرنااولٰی ہے،کیونکہ اگر وہ مذکر ہوتی تو مال کی مستحق ہوتی۔ماتن کاقول"وہ ہمارے زمانے میں وارث بنے گی"۔زیلعی کی عبارت ہےاس کو مال بطور میراث نہیں دیاجائے گا بلکہ اس لئے دیاجائے گا کہ وہ لوگوں میں سے میت کے قریب ترین ہے ح۔ماتن کاقول"اوریونہی جوبچ جائے الخ"اس کو ذخیرہ میں فرائض امام عبدالواحد شہید کی طرف منسوب کیاہے۔ماتن کاقول"رضاعی بیٹا یا بیٹی"اس کو ذخیرہ میں امام محمد علیہ الرحمہ کی طرف منسوب کیاہے۔(ت)

[1] الدرالمختار کتاب الولاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۴

[2] ردالمحتار کتاب الولاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۷۶

الرحیق المختوم میں ہے:

بنت المعتق فلاشیئ لہا فی ظاھرالروایۃ وافتی بعضھم بدفعہ لہا لکن لابطریق الارث بل لکونہا اقرب الناس الیہ بل ولذی ارحامہ بل وللولد رضاعا کمایرد علی الزوجین فی زماننا کما فی القنیۃ والزیلعی عن النہایۃ والاشباہ اقرہ فی المنح وسکب الانہر۔[1]	ظاہر الروایہ میں معتِق کی بیٹی کے لئے کچھ نہیں، اور بعض مشائخ نے اس کو دینے کافتوٰی دیا ہے لیکن بطور میراث نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ لوگوں میں سے میت کے زیادہ قریب ہے بلکہ معتِق کے ذوی الارحام بلکہ اس کی رضاعی اولاد کو دینے کا بھی فتوٰی دیا ہے جیسا کہ ہمارے زمانے میں زوجین پر رَد کیاجاتاہے۔ جیسا کہ قنیہ، زیلعی بحوالہ نہایہ، اور الاشباہ میں ہے اسی کو برقرار رکھاہے منح اور سکب الانہر نے۔ (ت)

کیاکوئی عاقل وہم کرسکتاہے کہ یہ مراتب موصی لہ بالزائد پر مقدم ہیں زید اگر اپنے کل مال کی وصیت عمرو کے لئے کرجائے اور کوئی وارث نہ رکھتا ہوایک لڑکی ہو جس نے اس کی زوجہ کادودھ کہ اس سے تھاپیاہے توزید کی وصیت نافذ نہ کریں گے اور ثلث سے زائد اس دودھ کی لڑکی کودے دیں گے یہ بلاشبہہ باطل ومردود وخلاف اجماع ہے یہ سب مراتب جدیدہ اس امر میں یکساں ہیں کہ سب مرتبہ اخیرہ کے بعد رکھے گئے ہیں۔

فائدہ ۱۴: اقول: زیادت علی الثلث میں موصی لہ کاحق صرف وارث سے مؤخر ہے اور غیر وارث پر مقدم، ولہٰذا بیت المال پر مقدم ہے کہ بیت المال ہمارے نزدیک وارث نہیں۔ علامہ سید شریف شرح سراجیہ پھر علامہ شیخی زادہ مجمع الانہر پھر علامہ شامی رد المحتار میں فرماتے ہیں:

اذا عدم من تقدم ذکرہ یبدأ بمن اوصی لہ بجمیع المال فتکمل لہ وصیتہ لان منعہ عمازاد علی الثلث کان لاجل	جب وہ معدوم ہو جائیں جن کاپہلے ذکر ہواتو پھر اس سے ابتداء کی جائے گی جس کے لئے میت نے کل مال کی وصیت کی۔ چنانچہ اس کی وصیت پوری کردی جائے گی اس لئے کہ

[1] الرحیق المختوم شرح قائد المنظوم (رسائل ابن عابدین) سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۲۱۸

الورثة فاذالم یوجد منھم احد فلہ عندنا ماعین لہ کملا ،وانما اخرذٰلك عن المقرلہ بناء علی ان لہ نوع قرابة بخلاف الموصی لہ۔[1]	تہائی مال سے زائد کی وصیت کاممنوع ہونا وارثوں کی وجہ سے تھاجب ان میں سے کوئی موجود نہیں توہمارے نزدیک موصی لہ کومکمل طورپر وہ دے دیں گے جس کی تعیین اس کے لئے موصی نے کی ہے۔ موصی لہ اس شخص سے مؤخراس لئے ہے کہ جس کے لئے میت نے نسب کااقرار کیاہے کہ اقراروالے کوایک قسم کی میت سے قرابت حاصل ہے۔بخلاف موصی لہ کے۔(ت)

اوران مراتب اربعہ جدیدہ کودیاجانابطورارث نہیں توواجب کہ موصی لہ بالزائد رد علی الزوجین وباقی مراتب ثلثہ پر مقدم ہو۔

امام فخرالدین زیلعی تبیین میں فرماتے ہیں:

لومات المعتق ولم یترك الا ابنة المعتق فلاشیئ لبنت المعتق فی ظاھر الروایة اصحابنا ویوضع مالہ فی بیت المال وبعض مشائخنا کانوا یفتون بدفع المال الیھا لابطریق الارث بل لانھا اقرب الناس الی المیت فکانت اولٰی من بیت المال الاتری انھا لوکانت ذکراکانت تستحقہ ولیس فی زماننا بیت المال ولو دفع الی السلطان اوالی القاضی لایصرفہ الی المستحق ظاھرا وعلی ھذا مافضل عن فرض احد الزوجین یرد علیہ لانہ اقرب	اگر مُعتَق مرگیااور معتِق کی بیٹی کے علاوہ کسی کو نہ چھوڑا تو ظاہرالروایہ میں ہمارے اصحاب کے نزدیک معتِق کی بیٹی کو کوئی شے نہیں ملے گی اورسارا مال بیت المال میں رکھ دیا جائے گا،ہمارے بعض مشائخ معتِق کی بیٹی کومال دینے کافتوی دیتے تھے مگربطور میراث نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ لوگوں میں سے میت کے قریب ترین ہے لہذا وہ بیت المال کی بنسبت اولٰی ہے۔کیاتم دیکھتے نہیں کہ اگر وہ مذکر ہوتی تومال کی مستحق ہوتی۔اورہمارے زمانے میں بیت المال نہیں ہے اوراگروہ مال بادشاہ یاقاضی کودیاجائے توبظاہر مستحق پرخرچ نہیں کرتے۔یہی وجہ ہے کہ میاں بیوی میں سے کسی کے فرضی حصہ وصول کرنے کے بعد جو بچ جائے وہ اسی

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۸،مجمع الانھر شرح ملتقی الابھر کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۷۴۸،الشریفیة شرح السراجیة مقدمة الکتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص۱۱

الناس الیه ولایوضع فی بیت المال وکذا الابن والبنت من الرضاع یصرف الیهما اذا لم یکن هناك اقرب منهما ذکر هذه المسائل فی النهایة۔[1]	پر رد کیاجاتاہے کیونکہ وہ لوگوں میں سے میت کے قریب ترین ہے اور وہ بچاہوامال بیت المال میں نہ رکھاجائے گا، اسی طرح رضاعی بیٹے اور بیٹی کی طرف مال کولوٹایاجائے گا اگر وہاں ان سے بڑھ کر کوئی قریبی موجود نہ ہو، یہ مسائل نہایہ میں مذکور ہیں۔(ت)

یہ کلام فہیم کے لئے نص صریح ہے کہ رَد علی الزوجین وراثۃً نہیں بلکہ اسی طرح ہے جیسے مفاسد بیت المال فاسد سے بچنے کو رضاعی اولاد کو دیا جاتاہے نیز اس پر دلیل انہیں امام جلیل کاارشاد ہے کہ اصحاب رد پر رد بجہت عصوبت ہے۔

حیث قال الاخذ بطریق الرد لیس بفرض وانما هو بطریق العصوبة۔[2]	جہاں فرمایا بطور رَد لینا یہ فرض کے طور پر نہیں بلکہ عصبہ کے طور پر ہے۔(ت)

اورظاہر ہے کہ زوجیت عصوبت نہیں، نیزانہیں کاارشاد ہے:

الرد علی ذوی السهام اولٰی من ذوی الارحام لانهم اقرب الاالزوجین فانهما لاقرابة لهما مع المیت۔[3]	ذوی الفرض پر رَد کرنا ذوی الارحام سے اولٰی ہے کیونکہ وہ میت سے زیادہ قرب رکھتے ہیں سوائے زوجین کے اس لئے کہ ان دونوں کی میت سے کوئی قرابت نہیں۔(ت)

نیزامام اجل نسفی کاشرح وافی میں ارشاد:

الردباعتبار الرحم حتی لایرد علی الزوجین لعدم الرحم۔[4]	ردقرابت کے اعتبار سے ہے یہاں تک کہ زوجین پر قرابت کے نہ ہونے کی وجہ سے رد نہیں کیاجاتا۔(ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الولاء المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۵/ ۱۷۸

[2] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۲۴۷

[3] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۲۴۲

[4] الکافی شرح الوافی

لاجرم رحیق المختوم میں تصریح فرمائی:

ان الرد انما یستحق بالرحم والزوجان لیسا بذوی رحم فلذا استثناهما، وقیل یرد علیهما لفساد بیت المال و قدمنا فی عصبة العتق ان ذٰلك لابطریق الارث۔[1] (ملخصًا)	بیشک رَد کا استحقاق قرابت کی وجہ سے ہے زوجین چونکہ قرابت نہیں رکھتے اس لئے وہ دونوں مستثنٰی ہیں۔اور کہا گیا ہے کہ بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے زوجین پر رَد کیا جائے گااور ہم معتق کے عصبہ میں بیان کر چکے ہیں کہ وہ بطور میراث نہیں۔ ملخصًا (ت)

توزوجین کہ باہم اجنبی ہوں اور کوئی رشتہ نہ رکھتے ہوں ان پر رد بجہت ارث نہیں ہوسکتا اور اسے ارث ٹھہرانا کتاب اللہ پر زیادت ہے، تو وہ نہیں مگر اسی وجہ مذکور اولاد رضاعی پر، اور موصی لہ کامانع نہ تھا مگر حق ارث تو رد علی الزوجین اس کامانع نہیں ہوسکتا بلکہ اس سے مؤخر رہنا واجب، وھو المقصود والحمدللہ الودود۔

فائدہ ۱۵: اقول: رد علی الزوجین اگر مرتبہ میں فرض کیا جائے تو رد کی چار صوتوں سے جن پر متقدمین متاخرین سب کی کتب اجماع کئے ہوئے ہیں دو منسوخ ہوجائیں کہ اب ذوی الفروض میں من لایرد علیہ کوئی نہ رہا مرد مرے اورایک زوجہ ایک دختر چھوڑے تو جمیع کتب متقدمین ومتاخرین حنفیّہ میں مسئلہ آٹھ سے کرتے ہیں ایک زوجہ کا کہ صرف اس کا فرض ہے اور سات دختر کے چار فرضًا اور تین ردًّا، ہم بہت شکر گزار ہوں گے اگر کسی متاخر سے متاخر حنفی معتمد مثلًا علامہ طحطاوی یا علامہ شامی وغیرہما کسی کے کلام میں دکھادیں کہ صورت مذکورہ میں زوجہ ودختر کو نصف نصف دلایا ہو، اگر کہئے زوجین پر رد ہے تومگر ذوی الفروض النسبیہ پر رَد سے مؤخر ہے یعنی وہ ہوں تو انہیں پر رَد ہوگا نہ ان پر، تو اسی کی سند کسی معتمد اگلے پچھلے کے کلام سے دکھائیے جب مذہب منسوب باامیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ لیا گیا اور عول پر قیاس کیا گیا اور اسی زعم پر عدم رد کے خلاف روایت ودرایت بتایا گیا تو وجہ تفرقہ کیا۔

فائدہ ۱۶: اقول: نہ سہی اگر رد علی الزوجین کو متاخرین نے مرتبہ رَد میں رکھا ہے تو آخر کسی متاخر نے ذوی الارحام پر مقدم کیا ہوگا کہ باجماع حنفیہ رَد ان پر مقدم ہے اسی کی تصریح

---

[1] الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم (رسائل ابن عابدین) باب الرد سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۲۳۰

کسی متاخر سے متاخر حنفی معتمد کے کلام میں دکھادیجئے کہ آدمی مرے اور زوجہ یا زوج اور حقیقی نواسا نواسی بھتیجی بھانجا بھانجی چھوڑے تو سارا مال زوج یا زوجہ کو ملے گا، نواسا کچھ نہ پائے گا اور کیونکر دکھا سکتے ہیں کہ وہ اجماع حنفیّہ کے خلاف ہے۔ امام نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

اجمعوا علی ان ذوی الارحام لایحجبون بالزوج والزوجة ای یرثون معهما فیعطی الزوج والزوجة نصیبه ثم یقسم الباقی بین ذوی الارحام کما لو انفرد وامثاله زوج وبنت بنت وخالة وبنت عم فللزوج النصف والباقی لبنت البنت۔[1]	مشائخ کا اس پر اجماع ہے کہ ذوی الارحام خاوند اور بیوی کی وجہ سے محروم نہیں ہوتے یعنی ان دونوں کی موجودگی میں وارث بنتے ہیں چنانچہ خاوند یا بیوی کو فرضی حصہ دے کر باقی ذوی الارحام میں تقسیم کردیا جائے گا جیسا کہ ان کے منفرد ہونے کی صورت میں کیا جاتا، اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی عورت فوت ہوئی اور اس نے یہ ورثاء چھوڑے خاوند، نواسی، خالہ اور چچا کی بیٹی تو اس صورت میں نصف خاوند کو ملے گا باقی نواسی کو ملے گا۔ (ت)

اس مسئلہ بدیہیہ میں تشکیک کرنے والے اگر اپنے ہی کارنامے یاد کریں تو غالبًا ایسا بے معنی فتوٰی کبھی نہ دیا ہوگا بلکہ ہمیشہ فرض احدالزوجین دلا کر باقی نواسے وغیرہ کو پہنچایا ہوگا۔

فائدہ۱۷: اقول: اگلی کارروائیاں یاد دلانے کی کیا حاجت، اور ممکن کہ بہتوں کو کبھی مسئلہ ذوی الارحام کا اتفاق ہی نہ ہوا ہو، اب حال کے یہی فتاوٰی نہ دیکھے جو کہ مقدمہ میں پیش نظر ہیں، فتوٰی اولیٰ میں ہے اگر متوفی کا کوئی بھی قریبی یا بعیدی رشتہ دار موجود نہ ہو تو بعد ادائے حصہ وصیت جس قدر بچے سب بیوہ کا حق ہوتا ہے جیسا کہ درمختار وردالمحتار وغیرہ میں صاف لکھا ہے۔ فتوٰی سوم میں ہے بوقت نہ ہونے دیگر ورثہ کے زوجہ پر رد کیا جائے گا۔ فتوٰی ششم میں ہے اگر متوفی کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو تو بچا ہوا ترکہ احدالزوجین کو دے دیں گے۔ فتوٰی سوم ششم وہشتم نے اس پر عبارت بھی نقل کی ہے:

الرد علیهما اذا لم یکن من الاقارب سواهما۔[2]	زوجین پر رد اس صورت میں ہوگا جب ان کے ماسوا اقارب میں سے کوئی موجود نہ ہو۔ (ت)

[1] الکافی شرح الوافی

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

مگر نسی ماقدمت یداہ کا کیا علاج۔

فائدہ۱۸: تمام کتب شاہد ہیں کہ اس فتوی متاخرین کی علت فساد بیت المال ہے کہ عبارات سابقہ سے واضح اور خود ان خلافی فتووں نے نادانستہ اسے بار بار نقل کیا۔ فتوی سوم و ششم و ہفتم سب میں بحوالہ ردالمحتار قنیہ سے ہے:

یفتی بالرد علی الزوجین فی زماننا لفساد بیت المال۔[1]	بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے ہمارے زمانے میں زوجین پر رَد کا فتوی دیا جائے گا۔(ت)

نیز ان میں بحوالہ شامی محقق علامہ تفتازانی سے ہے:

افتی کثیر من المشائخ بالرد علیھما اذا لم یکن من الاقارب سواھما لفساد الامام۔[2]	بہت سارے مشائخ نے زوجین پر رَد کا فتوی دیا ہے جبکہ ان کے علاوہ اقارب میں سے کوئی موجود نہ ہو کیونکہ پیشوا بگڑ چکے ہیں۔(ت)

نیز ان سب میں بحوالہ درمختار اشباہ سے ہے:

یرد علیھما فی زماننا لفساد بیت المال۔[3]	بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے ہمارے زمانے میں زوجین پر رَد کیا جائے گا۔(ت)

اللہ عزوجل عافیت بخشے ہر تھوڑی عقل والا بھی ان عبارات کو بنگاہ اولین دیکھتے ہی فورًا سمجھ لیتا کہ زوجین پر رَد اس عارض کے سبب ضرورۃً مانا ہے اگر یہ عارض نہ ہو یعنی بیت المال منتظم ہو تو باقیماندہ اسی میں رکھا جائے گا اور زوجین پر رَد نہ کیا جائے گا تو رَد علی الزوجین موصی لہ بالزائد سے دومرتبہ مؤخر ہوا نہ کہ زبردستی اس پر مقدم کردیا جائے ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم نسأل اللہ العفووالعافیۃ (بلندی اور عظمت والے معبود کی توفیق کے بغیر نہ کسی کو گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ نیکی کرنے کی قوت، ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ت)

فائدہ۱۹: اقول: شافعیہ رحمہم اللہ تعالٰی کے نزدیک بیت المال وارث ہے ولہذا وہ بحالت عدم عصبہ اصحاب فرائض نسبیہ پر بھی رَد نہیں کرتے بعد کے مراتب ذوی الارحام و مولی الموالاۃ

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

[3] الدرالمختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۱

ومقرلہ وموصی لہ بالزائد کا کیا ذکر ہے، توان کے نزدیک مستحقین صرف چار ہیں، اصحاب فرائض پھر عصبات نسبیہ پھر سببیہ پھر بیت المال۔ کافی میں ہے:

مافضل عن فرض ذوی الفروض ولامستحق لہ یرد علی ذوی الفروض بقدر حقوقھم الاعلی الزوجین عندنا وھوقول عامۃ الصحابۃ رضوان اللہ تعالٰی علیھم ،وقال زید الفاضل لبیت المال ولایردعلیھم و بہ قال مالك والشافعی رحمھم اللہ تعالٰی وقیل مسألۃ الرد مبنیۃ علٰی مسألۃ ذوی الارحام اذالرد باعتبار الرحم حتی لایردعلی الزوجین لعدم الرحم و عند مالك والشافعی رحمھما اللہ تعالٰی لم یستحق ذووالارحام شیئا ومصب المال بیت المال فکذا الفاضل عن فرض ذوی الفروض مصبہ بیت المال[1] اھ **اقول**:وعندی الاظھر عکسہ ای تبنی مسألۃ ذوی الارحام علی مسألۃ الرد فان قرابۃ ذوی السھام اقوی فلماتعارض عندھمابیت المال و	ذوی الفروض سے جو کچھ بچ جائے اوراس کا کوئی مستحق نہ ہو تو ہمارے نزدیک زوجین کے علاوہ ذوی الفروض پران کے حقوق کے برابر رد کیا جائے گا یہی قول عام صحابہ کرام کا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ جو بچ گیا وہ بیت المال کا ہے ذوی الفروض پر رد نہیں کیا جائے گا، اور یہی فرمایا امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہمانے۔ اور کہا گیا ہے کہ رد کا مسئلہ ذوی الارحام کے مسئلہ پر مبنی ہے کیونکہ رد قرابت ورشتہ داری کے اعتبار سے ہوتا ہے یہاں تک کہ رشتہ داری نہ ہونے کی وجہ سے زوجین پر رَد نہیں کیا جاتا امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک ذوی الارحام کسی شیئ کے مستحق نہیں اور مال رکھنے کی جگہ بیت المال ہے، یونہی جو ذوی الفروض کے فرضی حصوں سے بچ گیا اس کو رکھنے کی جگہ بھی بیت المال ہے اھ۔ **میں کہتا ہوں** میرے نزدیک زیادہ ظاہر اس کا عکس ہے یعنی ذوی الارحام کا مسئلہ رَد کے مسئلہ پر مبنی ہے کیونکہ ذوی الفروض کی قرابت زیادہ قوی ہے توجب وہ امام

[1] الکافی شرح الوافی

قدم على الرد عليهم لم تعارضه قرابة ذى الرحم الاولٰى وكانه رحمه الله تعالٰى لذا عبره بقيل۔	شافعی اور امام مالک کے نزدیک بیت المال کے معارض ہے تو بیت المال ذوی الفروض پر رَد سے مقدم ہوگیا، ذوی الارحام کی قرابت بدرجہ اولٰی مزاحم نہیں ہوگی گویا مصنّف علیہ الرحمہ نے اسی واسطے اسے قِیْلَ سے تعبیر فرمایا ہے۔(ت)

کتاب الانوار امام یوسف اردبیلی شافعی میں ہے:

اسباب التوريث القرابة والنكاح والولاء والاسلام [1] اھ فالقرابة لذى سهم والعصبة النسبيين والنكاح لذى السهم السببى والولاء للعصبة السببية و الاسلام لاهل بيت المال۔	وارث بننے کے اسباب قرابت، نکاح، ولاء اور اسلام ہیں پس قرابت تو نسبی ذوی الفروض اور نسبی عصبہ کے لئے ہے اور نکاح سببی ذوی الفروض کے لئے ہے اور ولاء سببی عصبہ کے لئے ہے اور اسلام بیت المال والوں کے لئے ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

قلنا لايرد على اصحاب الفروض ولايورث ذو والارحام۔[2]	ہم کہتے ہیں کہ ذوی الفروض پر رد نہیں کیا جائے گا اور نہ ذوی الارحام کو وارث بنایا جائے گا۔(ت)

مگر فساد بیت المال کے وقت وہ بھی رد علی اصحاب الفروض النسبیہ اور ان کے بعد توریث ذوی الارحام کے قائل ہوئے ہیں اور اس کی علت وہی فساد بیت المال بتاتے ہیں، سید علی السراجی میں ہے:

عندالشافعية ان بيت المال ان كان منتظما يقدم على ذوى الارحام والرد وان لم ينتظم ردا ولاعلى ذوى الفروض النسبية بنسبة فرائضهم ثم يصرف	شافعیہ کے نزدیک بیت المال اگر منتظم ہو تو وہ ذوی الارحام اور رَد پر مقدم ہوتا ہے اور اگر وہ منتظم نہ ہو تو پھر اوّلاً نسبی ذوی الفروض پر ان کے فرضی حصوں کے مطابق رَد کیا جائے گا پھر ذوی الارحام کی طرف پھیرا جائے گا ان کے

[1] انوار الاعمال الابرار کتاب الفرائض مطبعۃ الجمالیہ مصر ۲/ ۲

[2] انوار الاعمال الابرار کتاب الفرائض مطبعۃ الجمالیہ مصر ۲/ ۳

الی ذوی الارحام ولامیراث عندھم اصلا لمولی الموالاۃ ولاللمقرلہ بالنسب علی الغیر ولاللموصی یجمع المال۔[1]	نزدیک مولٰی موالاۃ اور نسب کے اقرار والے شخص اور کل مال کے موصٰی لہ کے لئے کوئی میراث نہیں۔(ت)

تبیین میں ہے:

ان کثیرامن اصحاب الشافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ منھم ابن سریج خالفوہ وذھبوا الٰی توریث ذوی الارحام وھو اختیار فقھائھم للفتوی فی زماننا لفساد بیت المال وصرفہ فی غیر المصارف۔[2]	امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بہت سارے اصحاب جن میں ابن سُریج بھی ہیں نے اس کی مخالفت کی اور وہ ذوی الارحام کو وارث بنانے کی طرف گئے ہیں اوریہی ہمارے زمانے میں فتوی کے لئے ان کے فقہاء کامختار ہے۔بیت المال کے فاسِد ہونے کی وجہ سے اور مصارف کے غیر میں اس کے خرچ ہونے کی وجہ سے۔(ت)

انوار شافعیہ میں ہے:

ان لم ینتظم ای بیت المال فالصحیح المرجح المفتی بہ ان یرد الفاضل منھم علیھم ویورث ذو والارحام ان فقدوا۔[3]	اگربیت المال منتظم نہ ہو تو صحیح راجح مفتٰی بہ قول یہ ہے کہ ذوی الفروض سے بچاہوا انہیں پر رَد کیاجائے گااور اگر وہ مفقود ہوں توذوی الارحام کووارث بنایاجائے گا۔(ت)

توفساد بیت المال کے وقت مسئلہ رَد میں ہماراان کااتفاق ہوگیاہم تورَد مانتے ہی تھے اوراب بوجہ فساد وہ بھی ماننے لگے یہ معنی ہیں عبارت در مختار:

ان فضل عن الفروض ولاعصبۃ یرد الفاضل علیھم اجماعاالفساد	اگرذوی الفروض سے کچھ بچ جائے اور کوئی عصبہ موجودنہ ہوتوبچاہوا بالاجماع ذوی الفروض

[1] الشریفۃ شرح السراجیۃ مقدمۃ الکتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص۱۱
[2] تبیین الحقائق کتاب الفرائض بولاق مصر ۶/ ۲۴۲
[3] الانوار لاعمال الابرار کتاب الفرائض مطبعۃ الجمالیۃ مصر ۲/ ۲

بیت المال الاعلی الزوجین۔[1]	پر لوٹادیا جائے گا بوجہ بیت المال کے فاسد ہونے کے سوائے زوجین کے۔(ت)

تو فساد بیت المال علت اتفاق ہے نہ کہ ہمارے نزدیک ذی سہم نسبی پر رَد کی علت جسے ادنٰی طالب علم بھی نہ کہے گا، پھر علت ہے تو صرف اتفاق شافعیہ کی ورنہ مالکیہ سے منقول کہ بحال فساد بھی رد نہیں کرتے۔لاجرم ردالمحتار میں ہے:

قولہ لفساد بیت المال علۃ لقولہ اجماعا ولایظھر لان المشھور من مذھب مالك انہ لبیت المال و ان لم یکن منتظما۔[2]	مصنّف کا قول "بوجہ فساد بیت المال "علت ہے اس کے قول اجماعًا کی اور یہ ظاہر نہیں کیونکہ امام مالک کے مذہب سے مشہور ہے کہ ذوی الفروض کے فرضی حصوں سے بچاہوا مال بیت المال کا ہے اگرچہ بیت المال منتظم نہ ہو۔(ت)

طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

قولہ اجماعا لفساد بیت المال ھذہ العلۃ غیرظاھرۃ بالنظر للقول بالرد عندنا فان الرد عندنا مقدم علی بیت المال وان کان منتظما وان کان علۃ لقولہ اجماعا لایظھر ایضا لان القول بالرد حینئذ قول بعض الشافعیۃ والمشھور من مذھب المالکیۃ انہ لبیت المال وان لم یکن منتظما۔[3]	ماتن کا قول"بالاجماع بوجہ فساد بیت المال" یہ علت ہمارے نزدیک رَد کے قول کی طرف نظر کرتے ہوئے ظاہر نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک ردبیت المال پر مقدم ہے اگرچہ بیت المال منتظم ہو اور اگر یہ ماتن کے قول اجماعًا کی علت ہو تو بھی ظاہر نہیں کیونکہ اس صورت میں رد کا قول بعض شافعیہ کا قول ہے،اور مالکیہ کے مذہب سے مشہور یہ ہے کہ وہ بیت المال کے لئے ہے اگرچہ بیت المال منتظم نہ ہو۔(ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۹۴

فائدہ۲۰: قول ذی سہم نسبی پر رَد کی علت ہمارے نزدیک فسادبیت المال ٹھہرانا افسد فاسدات ہے، **اولاً:** ہمارے ائمہ کے نزدیک وہ کوئی امر عارضی نہیں کہ بضرورت مانا گیا بلکہ عصوبت کے بعد حق راجح قول مستقل ہے کہ قرابت ذوی الارحام پر بھی مقدم ہے نہ کہ دیگر مراتب نازلہ۔ ہمارے علماء نے اسے آیت واحادیث وارشادات صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت فرمایا ہے نہ کہ فسادبیت المال کی ناچاری سے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لناقوله تبارك وتعالٰی واولوالارحام بعضهم اولٰی ببعض فی کتاب الله وهو المیراث فیکون اولٰی من بیت المال ومن الزوجین الافیما ثبت لهما بالنص وکان ینبغی ان یکون ذلك لجمیع ذوی الارحام لاستوائهم فی هذا الاسم الا ان اصحاب الفرائض قدموا علٰی غیرهم من ذوی الارحام لقوة قرابتهم الاتری انهم یقدمون فی الارث فکانوا احق به ومن حیث السنة ماروی ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم دخل علی سعد یعوده فقال یارسول الله صلی الله علیك وسلم ان لی مالا ولایرثنی الاابنتی الحدیث ولم ینکر علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم حصرالمیراث علی ابنته	ہماری دلیل اللہ تبارک وتعالٰی کا یہ ارشاد ہے "اور رشتہ والے اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں الآیۃ"۔ اور وہ میراث ہے چنانچہ ان پر رد، بیت المال سے اولٰی ہوگا اور زوجین سے بھی اولٰی ہوگا سوائے اس کے جو زوجین کے لئے نص سے ثابت ہے اور چاہئے کہ بچے ہوئے کا رَد تمام رشتہ داروں کے لئے برابر ہو کیونکہ اس نام میں سب برابر ہیں مگر اصحاب فرائض باقی رشتہ داروں پر اپنی قرابت کی قوت کی وجہ سے مقدم ہیں۔ کیاتو نہیں دیکھتا کہ وہ میراث میں مقدم ہیں تو وہ رَد کے بھی زیادہ حقدار ہوں گے اور یہ حکم سنت سے بھی ثابت ہے۔ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے توانہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم میرا کچھ مال ہے اور سوائے میری ایک بیٹی کے میرا کوئی وارث نہیں (الحدیث) انہوں نے اپنی بیٹی پر میراث کو منحصر کیا اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ اگر

ولولا ان الحکم کذٰلك لانکر علیه ولم یقرّہ علی الخطأ لاسیما فی موضع الحاجة الی البیان وکذا روی ان امرأۃ اتت الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقالت یارسول اللہ انی تصدقت علی امی بجاریة فماتت امی وبقیت الجاریة فقال وجب اجرك ورجعت الیك فی المیراث جعل الجاریة راجعة الیها بحکم المیراث وھذا ھوالرد۔[1]	حکم ایسانہ ہوتا توآپ ضرور انکار فرماتے اورانہیں خطاپر برقرار نہ رہنے دیتے خصوصًا جبکہ بیان کی ضرورت ہو۔یونہی مروی ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہایارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم میں نے اپنی ماں پرایک لونڈی صدقہ کی اب میری ماں فوت ہوگئی اور وہ لونڈی باقی رہ گئی توآپ نے فرمایا تیرا اجر ثابت ہوچکا اور وہ لونڈی میراث میں تیری طرف لوٹ آئی۔توآپ نے بطور میراث وہ لونڈی اس کی طرف لوٹائی، اور یہی رَد ہے۔(ت)

اقول: پہلی حدیث صحیح بخاری کی ہے اور دوسری حدیث عبدالرزاق نے مصنف اور سعید ابن منصور نے سنن اور ابن جریر نے تہذیب الآثار میں اور بریدہ بن الحضیب الاسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے اور اس کے لفظ یہ ہیں:

فقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لك اجرك وردھا علیك المیراث۔[2]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تیرے لئے تیرا اجرثابت ہے اور وہ لونڈی میراث نے تیری طرف لوٹا دی۔(ت)

یہ لفظ، لفظ مذکور تبیین سے ادل علی المقصود ہیں کمالایخفی (جیساکہ پوشیدہ نہیں۔ت) علامہ سید شریف نے آیت کریمہ سے استدلال کرکے حدیث اول سے اور زیادہ نفیس وجہ سے استدلال کیااور بعض اور احادیث جلیلہ زائد کیں، فرماتے ہیں:

وایضا لما دخل صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم علی سعد بن ابی وقاص یعودہ	جب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کی

[1] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعة الکبرٰی الامیریة بولاق مصر ۶/ ۲۴۷

[2] کنز العمال برمز عب، ص وابن جریر فی التہذیب حدیث ۳۰۷۰۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۸۳

قال سعد اما انه لایرثنی الا ابنة لی فاوصی بجمیع مالی قال لاقال فاوصی بنصفه قال لاالحدیث الی ان قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الثلث خیروالثلث کثیر فقد ظهران سعدا اعتقدان البنت ترث جمیع المال ولم ینکر صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ومنعه عن الوصیة بمازاد علی الثلث مع انه لاوارث له الاابنة واحدة فدل ذٰلك علی صحة القول بالرد اذلولم تستحق الزیادة علی النصف بالرد تجوزله الوصیة بالنصف وفی حدیث عمروبن شعیب عن ابیه عن جده انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ورّث الملاعنة ای جمیع المال عن ولدها ولایکون ذٰلك الابطریق الرد وفی حدیث واثلة بن الاسقع انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال تحرز المرأة میراث لقیطها وعتیقها	عیادت کرنے تشریف لائے تو حضرت سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہاسوائے ایک بیٹی کے میرا کوئی وارث نہیں، کیامیں اپنے تمام مال کی وصیت کردوں؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایاکہ نہیں۔انہوں نے عرض کی: نصف کی وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں (الحدیث) یہاں تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تہائی بہتر ہے اور تہائی بہت ہے۔اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ کااعتقاد تھاکہ بیٹی تمام مال کی وارث بن سکتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انکار نہیں فرمایااور آپ نے تہائی مال سے زائد کی وصیت سے انہیں منع فرمایاباجودیکہ سوائے ایک بیٹی کے ان کا کوئی وارث نہیں تھا، تویہ دلیل ہے اس بات پر کہ رد کاقول صحیح ہے کیونکہ اگروہ بیٹی بذریعہ رد نصف سے زائد کی مستحق نہ ہوتی تو ان کے لئے نصف کی وصیت جائز ہوتی۔عمروبن شعیب اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعان والی عورت کو اپنی ولد کے تمام مال کا وارث بنایا۔اوریہ بذریعہ رَد ہی ہوسکتاہے۔اورواثلہ بن اسقع کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایاکہ عورت اپنے لقیط یعنی جوبچہ اسے گمشدہ ملاہے اور اپنے آزاد شدہ

والابن الذی لوعنت بہ۔[1]	غلام یالونڈی اوراپنے اس بیٹے جس کے سبب اس عورت کے ساتھ لعان کیا گیا کی میراث کو سمیٹ لیتی ہے۔(ت)

ثانیًا: سراجیہ و تبیین وعامہ کتب حنفیّہ میں ہے:

ھو قول عامۃ الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم وبہ اخذ اصحابنا۔[2]	عام صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا وہی قول ہے اور ہمارے اصحاب نے اسی سے اخذ کیا ہے۔(ت)

اقول: امام سفٰین ثوری کتاب الفرائض اور عبدالرزاق مصنّف اور سعید بن منصور سنن میں عامر شعبی سے راوی:

قال کان علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ یرد علٰی کل ذی سھم سھمہ الا الزوج والمرأۃ۔[3]	حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا ہر ذی فرض پر اس کا حصہ رَد کیا جائے گا سوائے شوہر اور بیوی کے۔(ت)

سعید بن منصور و بیہقی انہیں سے راوی:

ان علیا رضی اللہ تعالٰی عنہ قال فی ابن الملاعنہ ترک اخاہ وامہ لامہ الثلث ولاخیہ السدس ومابقی فھو رد علیھما بحساب ماورثا۔[4]	بیشک حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے لعان والی عورت کے ایسے بیٹے کے بارے میں فرمایا جو ایک بھائی اور ماں چھوڑ کر مرگیا کہ اس کی ماں کا حصہ کل مال سے تہائی ہے جبکہ بھائی کا حصہ چھٹا ہے اور جو باقی بچا وہ ان دونوں پر ان کے میراث والے حصہ کے حساب کے مطابق رَد ہوگا۔(ت)

امام اجل طحاوی سوید بن غفلہ سے راوی:

ان رجلا مات وترک ابنۃ	ایک مرد فوت ہوا جس کے پسماندگان میں ایک بیٹی

---

[1] الشریفۃ شرح السراجیۃ باب الرد مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۷۵

[2] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۲۴۷

[3] المصنف لعبدالرزاق کتاب الفرائض حدیث ۱۹۱۲۸ المجلس العلمی بیروت ۱۰/ ۲۸۶

[4] السنن الکبری کتاب الفرائض باب میراث ولد الملاعنۃ دار صادر بیروت ۶/ ۲۵۸

وامرأۃ ومولاہ قال سوید انی جالس عند علی کرّم اللہ تعالٰی وجهه اذجاءته مثل هذه القصّة فاعطی ابنته النصف وامرأته الثمن ثم رد مابقی علی ابنته ولم یعط المولی شیئًا۔[1]	ایک بیوی اور ایک اس کا آزاد کیا ہوا غلام ہے، حضرت سوید نے کہا کہ میں حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کے پاس ایک خاتون ایسا ہی قصہ لے کر آئی تو آپ نے مرنے والے شخص کی بیٹی کو نصف اور اس کی بیوی کو آٹھواں حصہ دیا، پھر جو بچ گیا وہ اس کی بیٹی پر رَد فرمادیا اور اس کے آزاد شدہ غلام کو کچھ نہیں دیا۔(ت)

بیہقی نے اسے مختصراً روایت کیا:

کان علی رضی اللہ تعالٰی عنه یعطی الابنة النصف و المرأۃ الثمن ویرد مابقی علی الابنة۔[2]	حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ مرنے والے کی بیٹی کو کل مال کا نصف اور بیوی کو کل مال کا آٹھواں حصہ دیتے تھے اور باقی کو بیٹی پر رد فرمادیتے تھے۔(ت)

سعید بن منصور نے امام شعبی سے روایت کی:

انه قیل له ان اباعبیدۃ ورث اختا المال کله فقال الشعبی من هو خیر من ابی عبیدۃ قد فعل ذٰلك کان عبداللہ بن مسعود یفعل ذٰلک۔[3]	حضرت ابوعبیدہ کے بارے میں امام شعبی کو کہا گیا کہ انہوں نے بہن کو کل مال کا وارث بنایا ہے تو امام شعبی نے فرمایا کہ جو ابوعبیدہ سے بہتر ہے اس نے ایسا کیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ایسا کرتے تھے۔(ت)

سنن بیہقی میں ہے:

عن جریر عن المغیرۃ عن اصحابه فی قول زید بن ثابت وعلی بن ابی طالب	جریر نے مغیرہ سے انہوں نے آپ کے اصحاب سے حضرت زید بن ثابت، حضرت علی بن ابی طالب

[1] شرح معانی الآثار کتاب الفرائض باب مواریث ذوی الارحام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷۱

[2] السنن الکبرٰی کتاب الفرائض باب المیراث بالولاء دارصادر بیروت ۶/ ۲۴۲

[3] کنز العمال برمز ص حدیث ۳۰۵۶۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۶

وعبدالله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنهم اذا ترك المتوفی اباه ولم یترك احدا غیره فله المال۔[1]	اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس قول کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جب مرنے والا باپ کو چھوڑ جائے اور اس کے علاوہ کوئی وارث نہ چھوڑے تو تمام مال باپ کا ہوگا۔(ت)

عبدالرزاق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

انه قضی فی ام واخ من ام،لاخیه السدس ومابقی لامه۔[2]	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ماں اور اخیافی بھائی کے بارے میں فیصلہ فرمایا کہ بھائی کو چھٹا حصہ اور باقی سب ماں کو ملے گا۔(ت)

کیا امیر المومنین مولٰی علی وسیدنا عبداللہ بن مسعود وعامہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے عہد کرامت عہد میں بھی بیت المال فاسد تھا۔

ثالثًا: احادیث صحاح وحسان سے گزرا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اصحاب فرائض پر رَد فرمایا معاذاللہ کیا زمانہ اقدس میں بھی انتظام بیت المال نہ تھا ایسے مسئلہ جلیلہ کو کہ عہد رسالت وزمانہ صحابہ سے ثابت و مستمر ہے آخر زمانہ کے فساد پر مبنی کرنا کس درجہ نادانی،اور دانستہ ہو تو کیسی سخت بے ادبی ہے۔**ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔**

فائدہ۲۱: امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے رَد علی الزوجین ثابت نہیں وقائع عین مورد ہر گونہ احتمال ہوتے ہیں شوہر جبکہ چچا کا بیٹا اور تنہا وارث ہو کل مال پائے گا نصف فرضًا نصف عصوبۃً اسے رَد سے کیا علاقہ۔درمختار میں ہے:

قال عثمٰن رضی الله تعالٰی عنه یرد علیهما ایضا قاله المصنف وغیره **قلت** وجزم فی الاختیار بان هذا وهم من الراوی۔[3]	حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا زوجین پر بھی رَد کیا جائے گا۔مصنف وغیرہ نے ایسا ہی کہا ہے۔**میں کہتاہوں** اختیار میں اس پر جزم کیا ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے۔(ت)

---

[1] السنن الکبرٰی کتاب الفرائض باب ترتیب العصبة دار صادر بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] المصنف لعبدالرزاق کتاب الفرائض باب الخالة العمة الخ حدیث ۱۹۱۱۷ المجلس العلمی بیروت ۱۰/ ۲۸۴

[3] الدر المختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۱

رحیق المختوم میں ہے:

بل الذی صح عنه الرد علی الزوج فقط وتاویله ان کان ابن عم فاعطاه الباقی بالعصوبة۔[1]	بلکہ ان سے جو مرتبہ صحت کو پہنچا ہے وہ فقط خاوند پر رد ہے جس کی تاویل یہ ہے کہ وہ خاوند اپنی بیوی کا چچازاد تھا، چنانچہ آپ نے باقی اس کو بطور عصبہ عطافرمایا۔ (ت)

بلکہ امام ابراہیم نخعی سے منقول کہ صحابہ کرام میں کوئی بھی رد علی الزوجین کا قائل نہ تھا طحطاوی میں عجم زادہ علی الشریفیہ سے ہے:

نقل عن ابراهیم النخعی انه لم یکن احد من اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یقول انه یرد علی الزوجین[2] اھ اماقوله خبر المثبت اولٰی **فاقول:** الشان اوّلًا فی الثبوت روایة واین الثبوت وثانیًا درایة لما علمت من تاویله۔	ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں سے کوئی ایک بھی نہیں کہتا تھا کہ زوجین پر رَد کیا جائے گا اھ لیکن اس کا قول کہ خبر مثبت اولٰی ہے۔ **تو میں کہتا ہوں** کہ اوّلًا ثبوت میں روایت ہے، اور کہاں ہے ثبوت۔ ثانیًا درایت ہے جس کی تاویل تو جان چکا ہے۔ (ت)

اور بالفرض امیر المومنین سے منقول ہے تو یہ کہ زوجین پر بھی رد فرماتے ہیں یہ اصلًا کہیں نہیں کہ اور کوئی رشتہ دار متوفی نہ ہو تو اس وقت رد علی الزوجین کرتے ہیں امیر المومنین کی طرف اس کی نسبت باطل وفریہ محض ہے۔

فائدہ ۲۲: عول پر قیاس سے ہمارے علمائے کرام جواب شافی دے چکے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

ادخال النقص علی الزوجین بالعول مما یوافق الدلیل النافی لارثهما لان ارثهما ثبت بالنص علی خلاف القیاس واخذ الزیادة مما یخالف	زوجین پر عول کی وجہ سے کمی کا آنا اس دلیل کے موافق ہے جو زوجین کی میراث کے منافی ہے۔ کیونکہ ان کا وارث بنا خلاف قیاس نص سے ثابت ہے اور زوجین کا زائد کو لینا اس

[1] الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم (رسائل ابن عابدین) باب الرد سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۲۳۰

[2] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض باب العول المکتبة العربیه کوئٹہ ۴/ ۳۹۴

الناس فی لارثھما فلایمکن اثباته بالقیاس لان ماثبت علی خلاف القیاس یقتصر علیه۔[1]	دلیل کے مخالف ہے جوزوجین کی میراث کے منافی ہے۔چنانچہ اس کو قیاس سے ثابت کرنا ممکن نہیں کیونکہ جوخلاف قیاس ثابت ہو وہ اپنے موردپر منحصر رہتا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

الرد علی ذوی السھام اولی من ذوی الارحام لانھم اقرب الاالزوجین فانھما لاقرابة لھما مع المیت وارثھما نظیرالدین فان صاحب الدین لایرد علیه مافضل بعد قضاء الدین فکذا لایرد علیھما مافضل من فرضھما[2] اھ **اقول**:ای واذاضاق المال عن الدیون دخل النقص علی کل دائن بحساب دینه فکذا الزوجان ینقصان ولایزادان۔	ذوی الفروض پر رد ذوی الارحام سے اولٰی ہے کیونکہ وہ میت سے زیادہ قرابت رکھتے ہیں سوائے زوجین کے، کیونکہ ان کی میت کے ساتھ کوئی قرابت نہیں ہوتی۔اوران کاوارث بننا قرض کی طرح ہے، توجس طرح قرض کی ادائیگی سے بچا ہوا مال صاحب قرض پر رد نہیں کیاجاتا اسی طرح زوجین کے فرضی حصوں سے بچاہوامال ان پر رد نہیں کیاجائے گا اھ **میں کہتاہوں** جب ترکہ کامال قرضوں سے کم ہوجائے توہر صاحب قرض پر اس کے قرض کے حساب سے کمی واقع ہوتی ہے اسی طرح زوجین کے حصے کم تو ہوجاتے ہیں مگرزائد نہیں ہوتے۔(ت)

روح الشروح پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے:

میراث الزوجین علی خلاف القیاس لان وصلتھما بالنکاح وقد انقطعت بالموت وماثبت علی خلاف القیاس نصایقتصر علی موردالنص ولانص فی الزیادہ علی فرضھما	زوجین کی میراث خلاف قیاس ہے کیونکہ ان دونوں کااتصال نکاح کی وجہ سے ہے جو موت کے سبب سے ختم ہوچکا ہے۔اورجوکچھ خلاف قیاس نص سے ثابت ہو وہ موردنص میں منحصر رہتاہے اورزوجین کے فرضی حصوں سے زائد

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۲۴۷

[2] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۲۴۲

ولما کان ادخال النقص فی نصیبہما میلا للقیاس النافی لارثہما قیل بہ ولم یقل بالرد لعدم الدلیل فظہر الفرق وحصحص الحق۔[1]	کے بارے میں کوئی نص نہیں۔ جب زوجین کے حصوں میں کمی کا واقع ہونا اس قیاس کی طرف مائل ہے جو ان کی میراث کے منافی ہے تو اس کا قول کردیا گیا اور رَد کا قول نہیں کیا گیا کیونکہ اس پر دلیل معدوم ہے لہٰذا فرق ظاہر اور حق خوب واضح ہوگیا۔ (ت)

فائدہ ۲۳: اقول: رد علی الزوجین کا ماننا دو طرح ہے، ایک یہ کہ اسے حق اصلی مستقل رد علی اصحاب السہام النسبیہ مانا جائے، دوسرے یہ کہ اس کا کوئی حق خاص نہیں مال ضائع بلا مستحق ہے اور ایسے مال کا ٹھکانا بیت المال مگر وہ اب فاسد و نامنتظم ہے لہٰذا بیجا مصارف میں صرف ہونے سے یہی بہتر ہے کہ زوجین کو دے دیا جائے کہ میت سے بہ نسبت نرے بیگانوں کے اقرب ہیں، اول کی علت عول پر قیاس ہے کہ جب وقت تنگی انہیں ان کے حق سے کم ملتا ہے تو وقت بیشی انہیں بھی اور ذوی الفروض کی طرح زائد ملنا چاہئے کہ الغنم بالغرم نقصان اٹھائیں تو نفع بھی پائیں، اور دوم کی علت فساد بیت المال ہے، یہ دونوں علتیں باہم متضاد ہیں جن کا اجتماع محال ہے، پہلی کا مقتضٰی ان کا استحقاق ہے اور دوسری کا مقتضٰی عدم استحقاق کہ اصل موضع بیت المال مانا اور اس کے فساد کے سبب ایک طرف پھیرا اور بیت المال اسی مال کا محل ہے جس کا کوئی خاص مستحق نہ ہو تو ان دونوں کو جمع کرنا جمع بین الضدین ہے، ہمارے علماء نے کہ امیر المومنین ذی النورین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس روایت کو ثابت نہ مانا یا قول عام صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کو اس پر مرجح جانا اور قیاس علی العول کو بے محل بتایا، رد علی الزوجین نہ مانا انہیں ان کا مستحق نہ جانا بیت المال تک جمیع مراتب کو اس پر مرجح رکھا ہاں جب بیت المال میں فساد آیا بضرورت اخیر درجہ انہیں اور ایک درجہ بنت معتق وذوی الارحام معتق واولاد رضاعی کو دلایا اگر ہمارے علماء روایت مذکورہ کو امیر المومنین سے ثابت مان کر اس مسئلہ میں برخلاف عامہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ان کی تقلید فرماتے یہ قیاس علی العول کو صحیح وماخوذ ٹھہراتے تو فساد بیت المال سے ہرگز تعلیل نہ کرتے نہ ذوالارحام سے لے کر موصی لہ بالزائد تک تمام مراتب نازلہ الرد کو اس پر تقدیم دیتے کہ اب وہ بالاستقلال مثل فرض باقی کے بھی مستحق ٹھہراتے تو مثل فرض اس حق میں بھی تمام نازلات عن الرد

---
[1] حاشیۃ الطحطاوی کتاب الفرائض باب العول المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۹۴

پر مقدم رہتے،

وھذا کلہ واضح جدا عند من الم بالفقہ المامًا ونظر بالانصاف ماقدمنا اوالقی السمع وھو شھید۔	یہ سب کچھ اس شخص کے نزدیک خوب واضح ہے جس کو فقہ سے کچھ تعلق ہے اور وہ ما قبل میں مذکور ہمارے بیان کو انصاف کی نظر سے دیکھے یا کان لگائے اس حال میں کہ متوجہ ہو۔(ت)

فائدہ ۲۴: اقول: در مختار میں اول اپنے ائمہ کا مذہب بیان فرمایا کہ زوجین پر رد نہیں پھر یہ کہ امیر المومنین سے رَد منقول ہوا، پھر یہ کہ امیر المومنین سے اس کے ثبوت میں کلام ہے، پھر یہ کہ فساد بیت المال کے باعث ہمارے زمانہ میں ان پر رَد کردیں گے،اس سے صاف معلوم ہوا کہ ہمارے علماء رد علی ذوی الفروض النسبیہ کے درجہ میں اوران کے ساتھ رد علی الزوجین کے ہرگز قائل نہیں کہ وہ درجہ استحقاق کا ہے اور یہ درجہ اس مال کا ہے کہ ضائع و بلا مستحق ہو کما علمت ماقدمنا (جیسا کہ تو جان چکا ہے اس بیان سے جس کو ہم پہلے ذکر کر چکے۔ت) مستحق و نا مستحق کو ایک درجہ میں ٹھہرادینا کیسا باطل فاحش ہے نیز عبارت در مختار سے صاف معلوم ہوا کہ ہمارے علماء رد علی الزوجین کو سب میں اخیر مرتبے یعنی بیت المال منتظم سے بھی پیچھے رکھتے ہیں کہ بحال فساد انہیں دیتے ہیں، روشن ہوا کہ فساد نہ ہو تو انہیں نہ دیا جائے گا بلکہ بیت المال ہی میں رکھا جائے گا عبارت در مختار میں یہ دو قاہر دلیلیں نہ ہوتیں جب بھی ہمارے علماء کا اجماع ہے کہ القران فی الذکر لایستلزم القران فی الحکم (ذکر میں اقتران کو حکم میں اقتران لازم نہیں۔ت) تمام کتب میں اسے تعلیلات فاسدہ سے ٹھہرایا ہے نہ کہ ان روشن براہین کے ہوتے ہوئے یہاں ذکر کرنے سے یہ گمان فاسد لیجانا کہ علماء رد علی الزوجین کو رد علی ذوی الفروض النسبیہ ہی کے درجے میں اور اسی کے ساتھ مانتے ہیں ورنہ یہاں بیان نہ آتا یہ اوّلًا سخت جہل شدید ہے کہ ادنٰی طالبعلم سے بھی بعید ہے۔ ثانیًا اب معنی عبارت در مختار یہ ہوں گے کہ ازانجا کہ بیت المال فاسد ہوگیا لہٰذا علماء نے رد علی الزوجین اصلی مرتبہ رَد میں رکھ دیا اور ذوی الارحام و من تحتہم سب پر مقدم کردیا یعنی فاسد تو ہوگا بیت المال اور مارے جائیں گے ذوی الارحام و مولی الموالاۃ و مقرلہ و موصی لہ بالجمیع سب کے سب، گناہ ہوگا ایک سے اور پکڑے جائیں گے پانچ، یہ کون سی شریعت ہے، بفضلہٖ تعالٰی در مختار تو ایسے جنون سے منزّہ ہے زیادہ کیا گزارش ہو۔

فائدہ ۲۵: اقول: بفضلہٖ تعالٰی یہ مسئلہ ہم نے ایسے طور سے بیان کیا جس میں کسی

عاقل کو اصلاً جائے ریب نہ رہے ایسے دلائل قاہرہ کے بعد زیادہ تر تصریح کی حاجت نہیں ہوتی اور اگر اب بھی ہوس باقی ہو تو حاشیہ در مختار میں سید علامہ طحطاوی کا قول ادنٰی ذی فہم کو کافی ووافی۔ فرماتے ہیں:

الذخیرۃ ان الفاضل من سہام الزوجین لایوضع فی بیت المال بل یدفع الیہما لانہما اقرب الی المیت من جہۃ السبب من غیرہما وکذا الابن والبنت من الرضاع انتہی روح الشروح وفی حاشیۃ المولٰی عجم زادہ عن الخانیۃ ذکر الامام عبدالواحد الشہید فی فرائضہ ان الفاضل عن سہام الزوج والزوجۃ لا یوضع فی بیت المال بل یدفع الیہما لانہما اقرب الناس الی المیت من جہۃ السبب فکان الدفع الیہما اولٰی من غیرہما انتہی وقولہ لایوضع فی بیت المال کقول الذخیرۃ السابق یدل علی ان الدفع الیہما متعین لا ان الدافع مخیر بین الدفع الیہما والی بیت المال کما توھمہ اُخرا لعبارۃ بل ربما یکون المراد انہما اولی من نحو الجیران لما جری بینہما من الزوجیۃ[1]۔ (ملخصًا)	ذخیرہ میں ہے زوجین کے فرضی حصوں سے بچ جانے والا مال بیت المال میں نہیں رکھا جائے گا بلکہ زوجین کو دے دیا جائے گا کیونہ وہ بنسبت غیر کے، سبب کی جہت سے میت کے ساتھ زیادہ قرب رکھتے ہیں۔ یہی حکم رضاعی بیٹے اور رضاعی بیٹی کا ہے انتہی روح الشروح۔ مولٰی عجم زادہ کے حاشیہ میں خانیہ سے منقول ہے، امام عبدالواحد شہید نے اپنے فرائض میں ذکر کیا کہ خاوند اور بیوی کے فرضی حصوں سے بچا ہوا مال بیت المال میں نہیں رکھا جائے گا بلکہ ان ہی کو دے دیا جائے گا کیونکہ وہ سبب کی جہت سے میت کے ساتھ زیادہ قرب رکھتے ہیں بنسبت غیر کے، لہٰذا ان کو دینا غیر کو دینے سے اولٰی ہے انتہی۔ امام عبدالواحد کا قول مثل ذخیرہ کے قول کے کہ "بیت المال میں نہیں رکھا جائے گا" اس بات کی دلیل ہے کہ زوجین کو دینا متعین ہے۔ ایسا نہیں کہ انہیں دینے یا بیت المال میں رکھنے کا اختیار ہے جیساکہ عبارت کے آخر سے وہم ہوتا ہے بلکہ بسااوقات مراد یہ ہوتی ہے کہ زوجین پڑوسیوں کی بنسبت اولٰی ہیں کیونکہ ان میں زوجیت کا تعلق جاری ہوا ہے۔ (ت)

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۷۲

زوجین کو دینا اوروں کو دینے سے اولٰی بتانے سے جو یہ احتمال پیدا ہوا کہ اگر زوجین کو نہ دیں اور بیت المال فاسد میں دے دیں جب بھی جائز ہو اگرچہ خلاف اولٰی ہو کہ ان کو دینا صرف اولٰی ہی تھا اس کے رفع کو اسی عبارت امام عبدالواحد شہید کا سباق اور نص ذخیرہ پیش کیا کہ نہیں بلکہ انہیں کو دیا جائے بیت المال فاسد میں رکھنے کی اجازت نہیں اب اولویت کے لئے مفضل علیہ تلاش کرنے کی ضرورت ہوئی تو ہمسائے بتائے اوّلاً اگر زوجین پر رد، مرتبہ رد میں ہوتا تو خاص مراتب مستحقین میں چار موجود تھے خصوصًا ذوی الارحام، تو انہیں سے اولویت کیوں نہ بتائی جاتی خارج المراتب سے ہمسایوں کو لانے کے لئے کیا معنی تھے۔ ثانیًا زوجین کے ہوتے ہوئے ہمسایوں کو دینے کا اگر جواز نہ ہوتا تو تفضیل اولویت کو بیت المال سے پھیر کر ہمسایوں پر رکھنا ہوتا کہ یہاں بھی وہی ایہام رہا تو واجب کہ زوجین کے ہوتے جائز ہو کہ ان پر رد نہ کریں اور ہمسایوں کو دے دیں اگرچہ زوجین پر رَد اولٰی ہے اور بداہۃً معلوم کہ ہمسائے میراث میں مستحق نہیں تو اگر زوجین مستحق رد ہوتے جیران کو دینا حلال نہ ہوتا لیکن حلال ہے تو زوجین مستحق رَد نہیں اور موصی لہ قطعًا مستحق ہے اور مستحق کی نا مستحق پر تقدیم بدیہی۔

فائدہ۲۶: اس سے بھی سیری نہ ہو تو مستصفی پھر معراج الدرایہ پھر علامہ شامی کا ارشاد:

الفتوی الیوم علی الرد علی الزوجین عند عدم المستحق لعدم بیت المال اذ الظلمۃ لایصرفونہ الی مصرفہ۔[1]	آج کے زمانہ میں فتوٰی اس پر ہے کہ زوجین پر رد کیا جائے گا کیونکہ بیت المال کے نہ ہونے کی وجہ سے مستحق معدوم ہے اس لئے کہ ظالم حکمران بیت المال کو اس کے مصرف پر خرچ نہیں کرتے۔(ت)

صریح جزئیہ ہے زوجین پر رد اس وقت بتاتے ہیں جب کوئی مستحق نہ ہو اور شک نہیں کہ موصی لہ بالزائد مستحقین سے ہے اگر اس میں بھی شک ہو تو یہی علامہ شامی موصی لہ بالزائد کی نسبت فرماتے ہیں:

ان المراد انہ یأخذ الزائد بطریق	مراد یہ ہے کہ وہ بطور استحقاق زائد مال

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

الاستحقاق[1]۔	کو لے گا۔(ت)

توصاف روشن ہوا کہ موصی لہ بالزائد کے ہوتے رد علی الزوجین نہ ہوگا۔ فتوی ۴ نے کہ یہ عبارت در مختار:

ثم مولی الموالاۃ ولہ الباقی بعد فرض احد الزوجین۔[2]	پھر مولی الموالاۃ اور وہ زوجین کے فرضی حصے سے بچ جانے والا مال لے گا۔(ت)

اور یہ عبارات شامی پیش کیں کہ ذوی الارحام کو فرمایا:

یاخذون کل المال اومابقی عن احد الزوجین لعدم الرد علیھما۔[3]	وہ کل مال لیں گے یا زوجین کے فرضی حصوں سے بچ جانے والا مال لیں گے کیونکہ ان پر رد نہیں ہوتا۔(ت)

مولی الموالاۃ کو فرمایا:

ان وجد احد الزوجین فلہ الباقی عن فرضہ۔[4]	اگر زوجین میں سے کوئی ایک موجود ہو تو اس کے فرض حصہ سے جو باقی بچا وہ مولی الموالاۃ کو ملے گا۔(ت)

مقرلہ کو فرمایا:

اذا کان احد الزوجین فیعطی مافضل بعد فرضہ۔[5]	اگر زوجین میں سے کوئی ایک موجود ہے تو اس کو فرضی حصہ دے کر جو بچ گیا وہ مقرلہ کو دیا جائے گا۔(ت)

یہ البتہ کافی نہ تھیں اور مخالف کو ان پر صریح گنجائش تھی کہ یہ قول ائمہ متقدمین پر ہے جو زوجین پر رَد نہیں مانتے الاتری الی قولہ لعدم الرد علیھما (کیا تو اس کے قول کو نہیں دیکھتا کہ زوجین پر رَد نہیں۔ت) اسی طرح مقرلہ کی نسبت یہ ارشاد علامہ شامی پیش کیا:

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۸

[2] الدرالمختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۳

[3] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۷

[4] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۷

[5] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۷

یکون ھذا الاقرار وصیۃ معنی۔[1]	یہ اقرار معنی کے اعتبار سے وصیت ہوگا۔(ت)

اوراس سے استنباط کیاکہ وصیت بالزائد رد علی الزوجین پر مقدم ہے اس کا بھی اوّلاً وہی جواب تھا، واقول: ثانیاً یہ اقرار اگرچہ قضاءً معنی وصیت میں ہوا اس لئے کہ اس کا نسب ثابت نہ ہوا اور نہ درجہ نسب میں جاکر مزاحم ورثہ ہوتا کما فی الدر المختار (جیساکہ درمختار میں ہے۔ت) مگر وصیت اجنبی محض سے ضرور اقوی ہے کہ دیانۃً احتمال صدق مقرر رکھتا ہے وللہذا اسے ایک نوع قرابت گنتے ہیں۔ سید علی السراجیہ و مجمع الانہر و در مختار و فتح المعین وغیرہا میں ہے:

وانما اخر ذٰلك عن المقر له بناء علی ان له نوع قرابة بخلاف الموصی له۔[2]	تہائی سے زائد مال کے موصی لہ کو مقرلہ سے مؤخر اس لئے کیاکہ مقرلہ کوایک قسم کی قرابت حاصل ہے، بخلاف موصی لہ کے۔(ت)

لاجرم وباجماع حنفیّہ موصی لہ بالزائد سے اقوی اوراس پر مرجح وبالا ہے تورد علی الزوجین پر اس کی تقدم تقدیم وصیت بالزائد کو مستلزم نہیں لیکن کلام مذکور مستصفی کسی طرح اس تاویل کو قبول نہیں کرتا کہ یہ مذہب متقدمین کے موافق ہے یہاں توخاص مسلک متاخرین ہی بیان فرمارہے ہیں توقطعاً واضح ہواکہ متاخرین اگرچہ رد علی الزوجین کے قائل ہوئے مگر جبکہ موصی لہ بالزائد بھی نہ ہو ورنہ عدم رد علی الزوجین پر حنفیّہ کرام کا اجماع ہے اسانید پیش کردیئے فتوی ۴ میں صرف ایک یہی سند مستصفی مصفی و مستصفی ہے۔

فائدہ۲۷: اقول: اگراس سے بھی تسکین نہ ہوتو حاشیہ درمختار میں علامہ سید طحطاوی کا ارشاد لیجئے، عبارت مذکورہ درمختار یرد علیھم اجماعا لفساد بیت المال[3] (بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے بالاجماع ان پر رَد کیاجائے گا۔ت) پرفرماتے ہیں:

محل ھذا التعلیل القول بالرد علی الزوجین وبنات المعتق وارحامه فانه اذا لم یکن من مراتب المستحقین	اس تعلیل کا محل زوجین، معتق کی بیٹیوں اوراس کے ذوی الارحام پر رد کا قول ہے کیونکہ جب مستحقین کے مراتب میں سے کوئی نہ رہاسوائے بیت المال

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۸

[2] الشریفیۃ شرح السراجیۃ مقدمۃ الکتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۱

[3] الدرالمختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۱

الابیت المال فان ھٰؤلاء یقدمون علیہ لھذہ العلۃ۔[1]	کے تو یہ مذکورہ لوگ بیت المال پر مقدم ہوں گے۔(ت)

کیسی صریح تصریح ہے کہ اصحاب فرائض بلکہ تجہیز و تکفین سے بیت المال تک جتنے مراتب بیان کئے گئے ان میں سے بیت المال کے سوا کوئی مرتبہ موجود نہ ہو تو اس وقت متاخرین کے نزدیک زوجین پر رَد کرتے ہیں موصی لہ بالزائد کا بھی ان مراتب میں ہونا ایسی بات نہیں جس میں کوئی آنکھوں والا شبہہ کرسکے، تو صاف روشن ہوا کہ موصٰی لہ بالزائد بھی اگر نہ ہوگا تو سب سے اخیر درجے زوجین پر رد کریں گے، اب اتنا باقی رہ گیا کہ کتاب میں صاف نام لے کر لکھا ہوتا کہ شاہ محمد کی وصیت زائدہ عالم خاتون پر رَد سے مقدم ہے ایسا جزئیہ البتہ نہیں مل سکتا نسأل اللہ السلامۃ (ہم اللہ تعالٰی سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ت)

تفریعات

(۷۱تا۷۴) فتوٰی ۸، ۶، ۳، ۱ کا موصی لہ بالزائد کے ہوتے زوجہ پر رد کرنا اجماع جمیع ائمہ کا خرق اور محض ایجاد بندہ ہے "مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍؕ"[2] (اللہ تعالٰی نے اس پر کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ت) اتنے امر میں یہ چاروں فتوے مشترک ہیں۔

(۷۵تا۷۸) موصٰی لہ بالزائد کا مرتبہ ہر غیر وارث سے مقدم ہے اور زوجین ماورائے ربع و نصف میں وارث نہیں کما فی الفائدۃ الرابعۃ عشر (جیسا کہ چودھویں فائدہ میں ہے۔ت) ان چاروں نے عکس کیا۔

(۷۹تا۸۲) چاروں نے تصریحات کتب معتمدہ کا صریح خلاف کیا کما فی الفوائد الثلثۃ الاخیرۃ (جیسا کہ آخری تین فوائد میں ہے۔ت)

(۸۳تا۸۶) چاروں نے رد علی الزوجین کو سب وارثوں سے مؤخر اور موصی لہ بالزائد پر مقدم کیا کما فی الفائدۃ السابعۃ عشر (جیسا کہ سترہویں فائدہ میں ہے۔ت) یہ ترتیب نوساختہ متقدمین متاخرین تمام عالم میں کسی کے مسلک پر منطبق نہیں۔

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۴/ ۳۹۴

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

(۸۷تا۸۹) فتوٰی ۱ نے اسی ترتیب ایجادی کا حوالہ در مختار اور ردالمحتار وغیرہ پر رکھا، عبارت فائدہ ۱۷ میں گزری اور توضیح مراد عنقریب آتی ہے یہ ان تینوں پر افتراء ہے اس ترتیب کا نشان نہ در مختار میں ہے نہ ردالمحتار میں نہ وغیرہ میں۔

(۹۰تا۹۲) فتوٰی ا کا قول مذکور بعد ادائے حصہ وصیت جس قدر بچے سب بیوہ کا حق ہوتا ہے جیسا کہ در مختار و ردالمحتار وغیرہ میں صاف لکھا ہے۔ اقول: حصہ وصیت سے مراد وصیت بالغۃً مابلغت ہے یا صرف ثلث مال تک، اول عین مراد اور خود اپنے فتوٰی کا راد ہے واقعی ثلث یا نصف یا اس سے بھی زائد جتنی وصیت موصٰی لہ کی ہے وہ ثلث تک ترجیحاً نافذ ہو گی پھر زوجہ اپنا فرض پائے گی پھر باقی وصیت تمام و کمال نافذ کریں گے اس کے بعد بھی اگر کچھ بچے اور کوئی مستحق نہ ہو تو یہ باقیماندہ زوجہ پر رَد کریں گے یہاں کہ شاہ محمد کے لئے وصیت قدر ثلث سے بہت زائد تھی صرف مقدار ثلث پر محدود کرکے دو تہائی زوجہ کو دلا دینا باطل محض ہوا اور بر تقدیر ثانی اگر مراد وہ صورت ہے کہ وصیت ہی ثلث سے زائد نہ ہو جب بھی صحیح اور خود اپنے فتوٰی کا رد صحیح ہے واقعی تہائی سے زیادہ وصیت ہی نہ کی ہو تو جتنی وصیت ہے موصی لہ کو، پھر احد الزوجین کا حصہ مقررہ اس کو دے کر باقی کا جب کوئی مستحق نہیں احد الزوجین پر رد کردیں گے مگر یہاں تو وصیت ثلث سے زائد تھی وہ زوجہ پر کیونکر رد ہوئی، اور اگر مراد عام ہے کہ اگرچہ وصیت ثلث سے زائد یا جمیع مال کی ہو صرف ثلث وصیت دیں گے باقی سب زوجہ کو پہنچائیں گے ربع فرضاً و باقی ردّاً اور بے شک یہی مراد مفتی ہے تو یہ قطعاً باطل محض اور در مختار و ردالمحتار اور وغیرہ تینوں پر افترا ہے کسی کتاب معتمد میں ہرگز صاف نہیں لکھا کہ وصیت زائد علی الثلث اور زوجہ ہو تو وصیت صرف ثلث تک نافذ کرکے باقی سب زوجہ کو دیں گے۔

(۹۳تا۱۰۱) فتوٰی ۳ و فتوٰی ۶ و فتوٰی ۸ ہر ایک نے تین عبارتیں نقل کیں جو صریح اس کا رَد تھیں اور نادانستہ انہیں اپنی سند بنایا کما فی الفائدۃ الثانیۃ عشر (جیسا کہ بارہویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۰۲،۱۰۳) فتوٰی ۸، ۶ نے رد علی الزوجین کو مرتبہ رد مان کر رد کی چار صورت مجمع علیہا سے جن میں خلاف کی بو اصلاً کسی کتاب متقدم یا متاخر میں نہیں دو صورتیں صاف کردیں کما فی الفائدۃ الخامسۃ عشر (جیسا کہ پندرھویں فائدہ میں ہے۔ ت) فتوٰی ۸ میں تو اس کی تصریح ہے اور فتوٰی ۶ نے قیاس علی العول پر بڑا زور دیا، اور اس سے مرتبہ رَد میں رکھنا صاف لازم

کما فی الفائدۃ الثالثۃ والعشرین (جیسا کہ تیئیسویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۰۵،۱۰۴) فتوی ۸،۶ پر لازم کہ زوج وزوجہ کے ساتھ تمام ذوی الارحام کو ہمیشہ محروم کریں اور یہ اجماع حنفیّہ کے خلاف ہے کما فی الفائدۃ السادسۃ عشر (جیسا کہ سولہویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۰۷،۱۰۶) بااینہمہ فتوی ۶،۸ کا ماننا کہ متوفی کے اقارب سے کوئی بھی موجود ہو تو زوجین پر رد نہ کریں گے صریح تناقض ہے کما فی الفائدۃ السابعۃ عشر (جیسا کہ سترہویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۰۸) فتوی ۶ کا برخلاف مذہب وبرخلاف عامہ صحابہ کرام روایت منسوبہ امیر المومنین ذی النورین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے استناد مخدوش ہے کما فی الفائدۃ الحادیۃ والعشرین (جیسا کہ اکیسویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۱۰،۱۰۹) فتوی ۶ کا برخلاف مذہب قیاس علی العول پر اعتماد محض مردود، ائمہ مذہب کے روشن جوابوں سے آنکھیں بند کرکے خود حکم مذہب کو بے وجہ اور اس پر عمل کو روایت ودرایت دونوں کے برخلاف کہنا سخت وردیدہ دہنی وجسارت مطرود۔ کما فی الفائدۃ الثانیۃ والعشرین (جیسا کہ بائیسویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۱۱) فتوی ۶ کا قول کہ اگر متوفی کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو تو بچا ہوا ترکہ احد الزوجین کو دیں گے یہی قول حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ پر افتراء کی حد کو پہنچا ہے امیر المومنین سے اس قید کے ساتھ ہرگز یہ کہیں منقول نہیں۔ کما فی الفائدۃ الحادیۃ والعشرین (جیسا کہ اکیسویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۱۲) فتوی ۸ کا قول کہ درمختار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں رد علی الفروض النسبیہ کی دلیل میں بھی فساد بیت المال ہی کو پیش کیا ہے محض نافہمی ہے۔ کما فی الفائدۃ التاسعۃ عشر (جیسا کہ انیسویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۱۳) فتوی ۸ کا زعم مذکور کہ ذوالفروض النسبیہ پر رد کی علت ہمارے مذہب میں بھی فساد بیت المال ہے محض باطل وخیال محال ہے کما فی الفائدۃ العشرین والثالثۃ والعشرین (جیسا کہ بیسویں اور تیئیسویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۱۵،۱۱۴) فتوی ۸ کا قول کہ درمختار کی عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین رَد ہی کے

درجہ میں رَد علی الزوجین کے قائل ہیں جہل بعید بھی ہے اور ظلم شدید بھی۔ کما فی الفائدۃ الرابعۃ والعشرین (جیساکہ چوبیسویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۱۶) فتوی ۸ کا قول مجھے کسی ایسی روایت کا علم نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ موصی لہ بجمیع المال موجود نہ ہو تو رد علی الزوجین ہوگا ورنہ نہیں اور میرے خیال میں یہ کسی کا مذہب نہیں اپنی سخت ناواقفی کا اظہار اور کمال نادانی کا اقرار ہے جو اس کے خیال میں کسی کا مذہب نہیں قطعًا وہی مسلک متاخرین ہے اور جو اس کے خیال میں مختار متاخرین ہے قطعًا کسی حنفی کا مسلک نہیں **کما ظھر وزھر اظھر وازھر من الشمس والقمر** (جیساکہ ظاہر وروشن ہوا اور سورج وچاند سے بڑھ کر ظاہر اور روشن ہوا ہے۔ت)

(۱۱۷ تا ۱۲۱) فتوی ۴ نے جو پانچ عبارات درمختار وردالمحتار پیش کیں سب بے محل وناکافی تھیں **کما فی الفائدۃ السادسۃ والعشرین** (جیساکہ چھبیسویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۲۲) فتوی ۴ کی عبارت اخیرہ سے استنباط ہرگز نہیں **کما فیھا**۔

(۱۲۳) فتوی ۴ کا قول سیدنا امیر المومنین ذی النورین کی حدیث اوران سے بیان وجہ رد علی الزوجین کا اگرچہ درمختار میں اس کا ماعلیہ اور شامی میں جواب مبین ہے تاہم قطع النظر ان دونوں امروں کے ہم کو بالراس والعین منظور ہے مگر رد علی الزوجین کا موقع ملحوظ نہ کرنا اور موصی لہ بجمیع المال سے مقدم رکھنا خلاف عقل ونقل ہے جب اسے مذہب امیر المومنین مان لیا اور اسے اور عول پر قیاس کو بالراس والعین منظور کرلیا تو اب رد علی الزوجین آپ ہی مرتبہ رد میں آگیا اور اسے مان کر اسے موصی لہ بالزائد سے مؤخر ٹھہرانا ہی خلاف عقل ونقل ہے **کما فی الفائدۃ الثالثۃ والعشرین** (جیساکہ تیئیسویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۲۴) فتوی ۴ کا قول ہمارے فقہاء نے رد علی الزوجین کی علت مرارًا یہ بیان فرمائی ہے لفساد بیت المال وہ قول اور قیاس عول تسلیم کرکے اس کے جواب میں یہ تعلیل پیش کرنا خلط مبحث وجمع بین الضدین ہے **کما فیھا**۔

تنبیہ: اگرچہ فتوی ۴ نے بھی جابجا موصی لہ بجمیع المال سے بحث کی اور اسی کا نام لیا جس سے ظاہر کہ شاہ محمد کا موصی لہ بالجمیع ہونا اسے بھی مسلم حالانکہ اس کا ثبوت نہیں **کما تقدم** (جیسے کہ پیچھے گزرا۔ت) مگر از انجا کہ فتوی ۴ مقدمہ دائرہ کا بیان احکام نہیں

کرتا وہ صرف ایک بحث تقدیم وتاخیر رد علی الزوجین پر تقریر ہے جس پر شاہ محمد کے موصی لہ بجمیع یا بالزائد دون الکل ہونے سے کچھ اثر نہیں پڑتا اور ممکن کہ وہ اس نے مشائعۃً للخصوم لکھا ہو لہٰذا یہ اس کے اغلاط میں معدود نہ ہوا۔

الحمدللہ تحقیق اپنے ذروہ علیا کو پہنچی اور تمام مسائل متعلقہ کاانکشاف منتہٰی کو۔ اب بتوفیقہ تعالٰی جواب سوالات کی طرف توجہ کریں اور صرف بیان حکم پر قناعت اکثر حکم کی دلیل وسند افادات میں واضح ہوچکی، **وللہ الحمد۔**

جواب استفتائے چیف کورٹ بہاولپور

(ا) اجنبی کے نام وصیت ثلث متروکہ بعد اداء دین تک مطلقًا نافذ ہے اگرچہ ورثہ اجازت نہ دیں اور زائد علی الثلث میں بے اجازت ورثہ نافذ نہیں اگر وارث احدالزوجین کے سوا ہو اور اگر صرف احدالزوجین وارث ہو تو ثلث تک وصیت اجنبی تقدیمًا نافذ ہوگی پھر باقی کا ربع یا نصف زوجہ یا زوج کو دے کر مابقے میں بقیہ وصیت اجنبی نافذ کریں گے اگرچہ زوجہ یا زوج اجازت نہ دے، رہی وصیت وارث وہ بے اجازت ورثہ مطلقًا نافذ نہیں اور اگر تنہا وہی وارث ہو تو اس کے لئے وصیت صحیح ہے، پھر اگر اس کے ساتھ کسی اجنبی کے لئے وصیت بھی نہیں تو وارث اگر غیر زوج وزوجہ ہے تو کل مال بحکم میراث لے لے گا اسے وصیت کی حاجت نہیں، اور اگر زوج یا زوجہ ہے تو پہلے اپنا فرض لے کر باقی میں اس کی وصیت عمل کرے گی اب بھی کچھ بچا تو اسی کو بحکم رد ملے گا۔ اور اگر کسی اجنبی کے لئے بھی وصیت ہے تو اگر اس نے وصیت وارث کو قبول کرلیا حق تقدم کہ وصیت اجنبی کو ملتا ساقط ہوگیا ورنہ اجنبی کی وصیت ثلث مال تک اول نافذ کرکے باقی سے وارث کو میراث دیں گے اگر وہ وارث غیر احد الزوجین ہے کل باقی ارثًا لے لے گا اور خود اس کے لئے جو وصیت تھی نفاذ کا محل نہ پائے گی، اور اگر احدالزوجین ہے تو اس باقی سے اس کا فرض ربع یا نصف دے کر اس کے بعد جو بچے اس میں اس کی وصیت اور اگر اجنبی کی وصیت ہنوز ناتمام رہی تھی تو اس کے ساتھ بھی دونوں حسب حصص نافذ ہوں گے ان سے کچھ نہ بچا تو ظاہر ورنہ جو باقی رہا احدالزوجین کو بحکم رد دے دیں گے۔

(ب) اس کا جواب سوال اول میں آگیا۔

(ج) اس کے بھی فقرہ اول کا جواب ہوگیا، اور دوم کا جواب کہ بعد ادائے دین جس قدر

بھی باقی بچے خواہ اس کی وصیت اجنبی کے لئے کی یا نہ کی اس سب کا ثلث نفاذ وصیت اجنبی میں لحاظ کیا جائے گا وصیت نافذ انہیں اشیاء میں ہوگی جن کی وصیت اس کے لئے کی ہے ان کے ماوراء اور کسی شیئ سے کچھ نہ پائے گا ہاں وصیت حصہ شائعہ مثل ربع مال وغیرہ کی ہے تو جملہ متروکہ بعد ادائے دَین میں بقدر وصیت حصہ دار ہوگا۔

(د) وصیت اجنبی بما زاد علی الثلث رد علی الزوجین پر شرعًا باجماع ائمہ حنفیّہ مقدم ہے اقوال اقتباس شدہ میں جو خلل وزلل ہیں اوپر واضح ہو چکے۔

(ہ) اس کا مفصل جواب شافی ووافی افادہ ثانیہ عشرہ میں گزرا اور نصوص صریح سے ثابت کردیا کہ متاخرین کے نزدیک بھی رد علی الزوجین کا مرتبہ وصیت زائدہ سے دو درجے مؤخر ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

جواب استفتائے حجی خانپور

(۱) ہاں یہ وصیت مرض الموت میں ہوئی اور اس سے جواز وصیت پر کوئی اثر خلاف نہیں پڑتا۔

(۲) اگر ثابت ہو کہ مدعیہ بعد وفات شوہر وصیت شاہ محمد کو قبول کرچکی تھی جیسا کہ شاہ محمد کا دعوی ہے تو بے اعتراض مدعیہ محض نامسموع اور شاہ محمد کے لئے وصیت اپنی اخیر حد تک جائز ونافذ ورنہ اعتراض کا اتنا اثر ہوگا کہ ثلث کل مال بعد اداء الدین کی حد تک صرف مکانات واثاث البیت میں وصیت شاہ محمد نافذ کرکے باقی کل مال مکان واسباب وغیرہ سب کا ربع زوجہ کو دیں گے پھر صرف باقی مکانات واثاث البیت شاہ محمد کو بحکم وصیت ملیں گے باقی جو کچھ بچا سب زوجہ کا ہوگا وصیۃً خواہ ردًّا۔

(۳) ان زیوروں سے مدعا علیہ کو کسی حال کوئی ذرہ نہیں مل سکتا وہ تمام وکمال عالم خاتون کے ہیں انہیں چھوڑ کر باقی تمام مال کے لحاظ سے جواب نمبر ۲ کا حکم جاری کریں گے مگر مکانات واثاث البیت کے سوا کوئی اور زیور متروکہ بھی شاہ محمد کے پاس ہے جیسا کہ دعوی زوجہ ہے تو اس میں سے شاہ محمد کو حصہ نہ دیں گے اس کا حصہ صرف مکانات واثاث البیت میں ہوگا۔

(۴) اخراجات تجہیز وتکفین کا بار ترکہ خواہ عالم خاتون کے حصے پر ہونے کا یہاں کچھ ثبوت نہیں بلکہ صورت روداد سے ظاہر کہ وہ صرف ایک تبرع تھا کہ شاہ محمد نے اپنے محسن کے ساتھ اس کی درخواست پر کیا۔

(۵) ہاں وہ وصیت شرعًا جائز و مؤثر ہے اور اسے ایک حصہ مکان بحکم جواب نمبر دوم وراثۃً ملنا اس کے نفاذ کا کچھ مانع نہیں۔ پس اگر مدعیہ اعتراض سے پہلے وصیت مدعاعلیہ کو قبول کرچکی تھی تو جملہ مکانات واثاث البیت کا مالک شاہ محمد خاں ہے اور دو ثلث مکانات میں حق وآسائش عالم خاتون کو تا وقتیکہ وہ نکاح ثانی نہ کرے اور اگر مدعیہ نے اس کی وصیت کو نہ مانا تھا تو ثلث کل مال کے حد تک مکانات واثاث البیت کا حصہ شاہ محمد کو ایک ربع عالم خاتون کو ملے گا ان دونوں حصص کے بعد جو حصہ مکانات بچا اس میں وقت مذکور تک عالم خاتون کو حق سکونت بحکم وصیت ہوگا۔

(۶) ہاں ظروف میں بھی وصیت استعمال زوجہ کے لئے جائز ہوئی اگرچہ بروئے جواب نمبر ۲ کچھ حصہ ظروف کی وہ مالک مستقل ہوجائے اور حق متوفی میں رہنے کی شرط اس وصیت میں نہ تھی یہ وصیت تاحیات زوجہ نافذ رہے گی اگرچہ وہ نکاح ثانی کرلے اور اس کا نفاذ اسی طور پر ہوگا کہ بحال قبول وصیت دو ثلث کل ظروف ورنہ بعد اخراج وصیت تاحد ثلث مال واخراج حصہ ربع باقی میں نافذ ہوگی اور بہر حال خاص موقع محفل امامین شہیدین کہ جس قدر ظروف کہ شاہ محمد کو ضرورت ہو اتنے اس وقت خاص میں اس وصیت زوجہ سے مستثنٰی ہوں گے۔

(۷) جو حصہ مال میں جس کا ہے اس کے عین سے اس کو دیا جائے گا قیمت لینا دینا صرف رضامندی ہر دو فریق پر منحصر ہے اس میں حاکم کو کسی چیز کا اختیار نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

حکم اخیر

(۱) (سماعہ عہ) کہ وہ زیور تمام و کمال عالم خاتون کے ہیں شاہ محمد خاں کا اس میں کچھ حق نہیں اور ازانجا کہ وہ ان میں ملک عالم خاتون تسلیم کرکے عالم خاتون کو تسلیم کرچکا اب وہ نفاذ وصیت شاہ محمد خاں کے لئے ثلث مال میں محسوب بھی نہ ہوں گے۔

(۲) وہی زیور حسب اقرار زوجہ مہر زوجہ میں ہیں اس سے زائد کسی تفتیش کی حاکم کو حاجت نہ بلادعوی قضا کی اجازت۔

(۳) خرچ تجہیز و تکفین شاہ محمد خاں نے تبرعًا کیا لہٰذا ترکہ اس بار سے بھی بری ہوا اب نہ رہی مگر عالم خاتون کے میراث اور مکانات اثاث البیت میں مدعی ومدعاعلیہ دونوں کی وصیت مدعیہ کا دعوی کہ شاہ محمد کے پاس ترکہ کے اور زیور بھی ہیں شاہ محمد کا دعوی کہ مدعیہ بعد وفات شوہر اس کی وصیت کو قبول کرچکی ہے، اب چار ۴ صورتیں ہیں:

اوّل: دونوں دعوے ثابت ہوں مثلاً شاہ محمد نے اور زیوروں کااقرار کرلیا یاعالم خاتون نے اسے گواہوں سے ثابت کردیا یاشاہ محمد پر قسم رکھی اور وہ قسم کھانے سے انکار کرگیایونہی عالم خاتون نے قبول وصیت بعد وفات شوہر کااقرار کرلیایاشاہ محمد نے اسے گواہوں سے ثابت کردیایاعالم خاتون پر قسم رکھی اور وہ قسم کھانے سے انکار کر گئی۔

دوم: دونوں بے ثبوت رہیں۔

سوم: عالم خاتون کادعوی ثابت ہواور شاہ محمد خاں کاپایہ ثبوت کو نہ پہنچے۔

چہارم: اس کاعکس۔

صورت اولیٰ میں جملہ مکانات واثاث البیت کامالک شاہ محمد خاں ہے اوران کے دو ثلث سے انتفاع کاحق عالم خاتون کو ہے مکانات سے تانکاح ثانی اوراثاث البیت سے مطلقاً اگرچہ نکاح ثانی کرلے صرف ظروف بقدرضرورت محفل امامین رضی اللہ تعالٰی عنہما اس وقت خاص میں مستثنٰی ہیں بہرحال اثاث البیت سے کوئی چیز مطلقاً جب تک عالم خاتون زندہ ہے اوردو ثلث مکانات سے جب تک وہ نکاح نہیں کرتی شاہ محمد خاں بیچ نہیں سکتا،رہاوہ دوسرازیور کہ شاہ محمد کے پاس ہے اس کی تنہامالک عالم خاتون ہے ربع فرضًا باقی ردًا۔

صورت ثانیہ میں مکانات واثاث البیت کاایک سدس عالم خاتون کا پانچ سدس شاہ محمد خاں کے ہیں اور نصف مکانات واثاث البیت سے حسب تفصیل مذکور صورت اولیٰ عالم خاتون کو حق انتفاع ہے اوراسی تفصیل سے اس نصف کے بیع کا شاہ محمد خاں کو اختیار نہیں۔

صورت ثالثہ میں مکانات واثاث البیت اوروہ زیور دوم سب کی قیمت لگا کر اس کے ثلث کے حد تک شاہ محمد کو مکانات واثاث البیت سے دیاجائے باقی مکانات واثاث البیت اور کل زیور دوم ان سب کاربع عالم خاتون وراثۃً پائے اس کے بعد مکانات واثاث البیت میں حصہ رہااس کے رقبہ کامالک شاہ محمد خاں اور بتفصیل سابق اس کی منفعت کی مالک عالم خاتون اور تین ربع باقیماندہ زیور دوم عالم خاتون کو بحکم رد۔

صورت رابعہ کاحکم مثل صورت اولیٰ ہے سوائے حکم زیور دوم کہ وہ اس صورت میں موجود نہیں۔

تنبیہ: ظاہر مرادیہ کہ متوفی کے ذمہ اور کوئی دَین نہیں اس بناپر یہ تمام تفاصیل ہیں اوراگراور بھی دَین ہو تواب یہ تحقیق بھی لازم ہوگی کہ وہ پہلے زیور کہ (سماعہ عہ) کابتایاگیاعالم خاتون کے

مقدار حصہ سے زائد ہے یا نہیں اس تقدیر پر تقسیم میں بہت تبدیل راہ پائے گا اگر یہ صورت ظاہر ہو تو اس دَین کی تعداد اور مہر مثل کی مقدار اس کے متعلق تمام امور کی تحقیق کے بعد صورت موجودہ بتا کر سوال کرنا چاہئے۔

وباللّٰه التوفیق واللّٰه تعالٰی اعلم وصلی اللّٰه تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین وبارك وسلم اٰمین والحمدللّٰه ربّ العٰلمین۔	توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے۔اور اللہ تعالٰی ہمارے سردار ومالک محمد مصطفٰی اور آپ کے تمام آل واصحاب پر درود، سلام اور برکت نازل فرمائے، آمین۔اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۵۹: از شہر علی گڑھ محلّہ مدار دروازہ مرسلہ عمر احمد سوداگر پارچہ بنارسی ۴ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

ہندہ کے نہ ماں باپ بھائی بہن نہ اور کوئی رشتہ دار ہے جو سوائے زید کے وارث ہو، ہندہ کے پاس ذاتی اس کا اسباب پندرہ بیس روپیہ کا تھا اور دو تین سو روپیہ کا اسباب زید کا دیا ہوا ہے جو زید کے پاس ہے، زید سے ہندہ نے اپنے مال کی بابت کچھ نہ کہا، زید نے ہندہ سے کہا کہ تم منت مانو کہ اچھے ہونے پر میں کنواں بنواؤں گی اگر تم مر جاؤ گی تو میں کنواں اور مرمت مسجد کرادوں گا تمہارے مال میں سے ایک حبّہ نہ لُوں گا میں جو دے چکا وہ تمہارا ہے میں وہ ان شاء اللہ خیرات کردوں گا بلکہ اپنے پاس سے اور جو مجھ کو میسر ہوگا لگادوں گا، ہندہ نے اور شخصوں سے کہا کاش میں مر جاؤں تو میرا کل مال بیچ کر مسجد یا کنواں بنادینا کہ مجھ کو ہمیشہ ثواب ملتا رہے، زید سے اس وجہ سے نہ کہا کہ زید خود کہا کرتا تھا کہ میں تمہارا مال خیرات کردوں گا، پس اس صورت میں زید وہ مال بیچ کر کنواں اور یا مرمت مسجد کراسکتا ہے یا نہیں کیونکہ سوائے زید کے اس کا کوئی وارث نہیں ہے، کنواں بنوادینے کا زیادہ ثواب ہے یا مرمت مسجد کا؟ مردہ کو کس سے زیادہ ثواب ملے گا؟ اور کس سے اُسے زیادہ نفع ہوگا؟ کیا حکم شریعت ہے؟

الجواب:

جو مال ہندہ کا تھا وہ تو تھا ہی جو زید نے بنوا کر دیا اس کی بھی ہندہ مالک ہو گئی، بعد وفات ہندہ اس کے نصف کا زید وراثۃً مالک ہوا، اگر اس کی وصیت کو قائم رکھتا ہے اور یہی

اسے چاہئے کہ وہ وعدہ کرچکا ہے وعدہ خلافی نہ چاہئے جب تو وہ کل مال حسب وصیت صرف کردے ورنہ نصف صرف کرنا ضرور ہوگا مسجد کی اصل عمارت اگر اپنی بقا کے لئے محتاج مرمت ہے تو وہ ہی کنویں سے افضل ہے اور اگر مرمت گچکاری اور سفیدی سے مراد ہے تو کنواں اس سے افضل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۰: از کاٹھیاواڑ دھوراجی محلّہ سپاہی گران مرسلہ حاجی عیسٰی خان محمد صاحب ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

یہ وصیت نامہ قابل عمل ہے یا نہیں؟ اگر قابل عمل نہیں ہے تو یہ لوگ جن کو فیصلہ کرنے کے واسطے کرگیا ہے کیا کرنا چاہئے اگر اس وصیت نامہ پر عمل نہ کرادیں تو مقدمہ کورٹ کو جائے گا اگر حقدار کمی بیشی پر باہم راضی ہوجائیں تو عمل کرایا جائے موصی کو مرے ہوئے چھ سات برس کا عرصہ ہوگیا اس درمیان میں خورد ونوش اور ایک لڑکی کی شادی اسی مال سے ہوئی۔ اس کی کیا صورت ہے اور وہ لڑکی بالغہ ہے شریعت کے مطابق تقسیم پر حصہ زوجہ کو کم ملتا ہے اور وصیت کے مطابق ٹھیک ملتا ہے وہ وصیت پر راضی ہے اس صورت میں اس کو زیادہ دے کر باقی حصہ سب شریعت کے مطابق ہوں تو یہ جائز ہے جن کو موصی وصیت کرگیا اور حکم مقرر کرگیا ہے عدم جواز کی صورت میں ان کو کیا کرنا چاہئے، کنارہ کشی یا حکم کرنا؟ علاتی بھائی کے مال سے حصہ ترکہ مثل حقیقی کے ہے یا کم وبیش؟

الجواب:

ملاحظہ وصیت نامہ سے ظاہر کہ حاجی محمد نور محمد صاحب نے اپنی زوجہ آئی حور اور دو دختر آمنہ و حلیمہ اور برادر زادے چھوڑ کر انتقال کیا اور اپنے مال میں ایک طویل وصیت کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چار چار ہزار چار چار سو روپے دونوں دختروں کو دیئے جائیں فرزند عائشہ کے نام جو رقم کمپنی میں جمع ہے اس کی لڑکی حلیمہ کو دی جائے میری جائداد منقولہ وغیر منقولہ زوجہ کو دی جائے جب اس کا انتقال ہوجائے اس کے بعد ہزار ہزار روپے لڑکیوں کو اور دیئے جائیں اور بقیہ ملکیت بھتیجوں پر برابر تقسیم کردی جائے اور میری روح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے ہزار روپیہ مدرسہ کو دیا جائے بعد انتقال زوجہ یہ تین ہزار وضع کرکے باقی کل بھتیجوں کو دینے کے لئے مختاروں کو حکم کرتا ہوں چھ شخصوں بلکہ سات یعنی زوجہ کو بھی اپنا وصی کیا کہ لکھا کہ مختاروں یعنی اوصیائے مذکورین کو آئی حور کی زندگی میں اس کی صلاح کے موافق عمل کرنا چاہئے نیز لکھا میری زوجہ کے مشورہ سے

صرف کریں۔

اب یہاں تین قسم کی وصیتیں ہیں:

اوّل: حلیمہ بنت عائشہ کے نام اس کا حکم یہ ہے کہ عائشہ حاجی محمد کی بیٹی کہ اس کے سامنے انتقال کر گئی جیسا کہ عبارت وصیت نامہ سے مفہوم ہوتا ہے جو رقم کمپنی میں اس کے نام سے جمع ہے اگر وہ رقم عائشہ کی ذاتی تھی جب تو بعد وفات عائشہ حاجی محمد اس میں سے صرف اپنے حصہ پدری کا مالک ہوا اگر عائشہ نے وارث یہی دختر حلیمہ اور باپ چھوڑے تو بعد عائشہ نصف رقم حاجی محمد کی ہوئی اور اگر عائشہ کے اور وارث بھی رہے مثل شوہر وغیرہ تو حساب فرائض سے جو حصہ حاجی محمد کا نکلے بہر حال یہ وصیت کہ حاجی محمد نے حلیمہ بنت عائشہ کے لئے کی وہ صرف اس حصہ پر نافذ ہوگی جو اس روپے میں حاجی محمد کا ہوا اور اگر وہ رقم عائشہ کی ذاتی نہ تھی بلکہ حاجی محمد نے اپنے مال سے اس کے نام جمع کی تھی تو اس میں دو صورتیں ہیں اس وقت اگر عائشہ نابالغہ تھی تو کل رقم عائشہ کی ہوگئی،

فان الجمع باسمها تملیك هذا عرفا وهبة الاب للصغیر تتم بمجرد الایجاب۔	بیشک اس کے نام سے جمع کرنا عرف کے اعتبار سے تملیک ہے، اور نابالغ کے لئے اس کے باپ کا ہبہ فقط ایجاب سے تام ہوجاتا ہے۔(ت)

یونہی اگر بالغہ تھی اور جمع کرنے سے پہلے حاجی محمد نے عائشہ کو وہ رقم دے کر قبضہ کراکر اس کے بعد جمع کی جب بھی کل رقم عائشہ کی ہوئی ان صورتوں کا بھی وہی حکم ہوگا جو عائشہ کے ذاتی مال ہونے میں تھا اور اگر عائشہ اس وقت بالغہ تھی اور اسے بے قبضہ دلائے یہ رقم اس کے نام جمع کردی اور تا وفات عائشہ باذن پدر اس کے قبضہ میں نہ آئی تو ہبہ باطل ہوگیا،

لان موت احد العاقدین قبل التسلیم یبطلها کما فی الدر[1] وغیرہ۔	کیونکہ سپردگی سے پہلے عاقدین میں سے کسی ایک کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے، جیسا کہ در وغیرہ میں ہے(ت)

اس صورت میں وہ کل رقم ملک حاجی محمد ہے اور وہ سب حلیمہ بنت عائشہ کے لئے وصیت ہے۔

[1] الدر المختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

دوم: ہزار روپے مدرسہ کے لئے، یہ وصیت اگرچہ اس نے انتقال زوجہ کے بعد رکھی مگر وصیت قابل اضافت بزمانہ آئندہ ہے لانہا لاتکون الامضافۃ لما بعدالموت (کیونکہ وصیت نہیں ہوتی مگر اس حال میں کہ وہ موت کے بعد کی طرف منسوب ہو۔ت) درمختار میں ہے:

ماتصح اضافتہ الی الزمان المستقبل الایصاء و الوصیۃ۔[1]	جس کی نسبت آئندہ زمانے کی طرف صحیح ہوتی ہے وہ ایصاء و وصیت ہے۔(ت)

تو اس کا نفاذ بعد انتقال زوجہ ہی ہوگا۔ یہ دونوں وصیتیں یعنی جو رقم بنام عائشہ جمع ہے کل یا اس میں سے جو حصہ حاجی محمد ہو اور ہزار روپے مدرسہ کے یہ مجموع اگر حاجی محمد کے ثلث مال سے زائد نہیں تمام وکمال بے اجازت ورثہ نافذ ہوں گے ورنہ تا حد ثلث، اور اگر ان کا مجموعہ ثلث مال سے بھی بڑھتا ہو تو ثلث مال حاجی محمد، ان دونوں وصیتوں پر حصہ رسد تقسیم ہوگا۔

سوم: باقی وصیتیں دونوں دختروں اور زوجہ کے نام ابتداءً اور بعد موت زوجہ دونوں دختروں اور بھتیجوں کے لئے، یہ سب وصیتیں وارث کے لئے ہیں اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ اصلاً مقبول نہیں۔

کما فی الکتب قاطبۃ وفی الحدیث ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ[2] لاوصیۃ لوارث الا ان یجیزھا الورثۃ۔[3]	جیسا کہ تمام کتابوں میں ہے۔ حدیث میں ہے کہ بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمادیا، خبردار وارث کے حق میں وصیت نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں۔(ت)

پس اگر ورثہ اس وصیت پر راضی نہ ہوں تو ثلث متروکہ میں حلیمہ بنت عائشہ اور مدرسہ کی وصیتیں حسب تفصیل بالا نافذ کرکے جو مقدار حلیمہ بنت عائشہ کے لئے وصیت ٹھہرے اسے دے دیں اور جو حصہ مدرسہ کا ثابت ہو یعنی مجموع ہر دو وصیت مدرسہ و حلیمہ بنت عائشہ ثلث مال سے زائد نہ ہونے کی حالت میں پورے ہزار روپے ورنہ بحساب حصہ رسد جتنا روپیہ مدرسہ کا ٹھہرے اس کے لئے محفوظ رکھیں کہ اس کا نفاذ بعد انتقال زوجہ ہوگا بقیہ جائداد منقولہ وغیر منقولہ

---

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۴

[2] سنن ابی داؤ کتاب الوصایا ۲/ ۴۰ وجامع الترمذی ابواب الوصایا ۲/ ۳۳، سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا ص۱۹۹ وسنن النسائی کتاب الوصایا ۲/ ۱۲۹

[3] سنن الدارقطنی کتاب الفرائض حدیث ۴۰۸۱ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۳۷

سب حسب فرائض تقسیم کردیں، یوں کہ اس میں آٹھواں حصہ زوجہ کا اور دو ثلث آمنہ وحلیمہ بنت موصی کے باقی بھتیجوں کا۔ اگر اس پر ناراضی ہو تو مختاروں کو خلاف حکم شرع کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ مقدمہ کورٹ کو جائے خواہ کچھ ہو، بحال عدم اجازت دیگر ورثہ مختاروں کو یہ بھی جائز نہیں کہ زوجہ کو اس کے حق شرعی سے زیادہ دیا تو باقیوں پر مطابق شرعی تقسیم کریں بلکہ جب ایک وارث کو اس کے حق شرعی سے زائد دے کر باقی حصے مطابق شرعی تقسیم کب ہوئی کہ شریعت سے ان کا زائد تھا اور دیا کم۔ مختاران مذکورین وصی ہیں حکم نہیں نہ بے رضائے فریقین کوئی حکم بن سکتا ہے اگرچہ موصی اسے حکم بناتا کہ موصی کو نزاع ورثہ فیصل کرنے کے لئے کسی کو حکم بنانے کا اختیار نہیں۔

اذ لیس له علیهم ولایة الحکم لاسیما بعد الموت فکیف یولی علیهم غیره للحکم۔	کیونکہ موصی کو خود ان پر حکم کی ولایت حاصل نہیں خصوصًا موت کے بعد، تو وہ کسی دوسرے کو ان پر حکم کا ولی کیسے بنا سکتا ہے۔ (ت)

لہذا اگر ورثہ راضی نہ ہوں مختاروں کو کنارہ کشی لازم ہے اپنی طرف سے کچھ حکم نہیں کرسکتے ہاں ورثہ سب عاقل بالغ ہوں اور آپس میں جیسی کمی بیشی پر چاہیں راضی ہوجائیں تو وہ اس کا اختیار رکھتے ہیں اس کے مطابق عمل کرایا جائے لان الحق لهم ولاحجر علیهم من الشرع (کیونکہ حق ان کا ہے اور ان پر شرع کی طرف سے کوئی پابندی نہیں۔ ت)

مسئلہ ۱۶۱: از شہر بریلی مرسلہ اہلیہ کلاں حکیم اکرام الدین صاحب مرحوم معرفت عبداللہ ملازم محلّہ کٹرہ بروز شنبہ بتاریخ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

حضرت مولوی صاحب قبلہ مدظلہ العالی بعد سلام مسنون کے یہ عرض ہے کہ جناب والا سے مجھے ایک سوال کا جواب حاصل کرنا مقصود ہے یہ کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو کسی ضرورت کے پورا کرنے کو بطریق قرض کچھ زیور دیا اور یہ کہا کہ یہ زیور رہن کرکے اپنا کام انجام دے لو بعد کو واگزاشت کرا کے دے دینا کچھ عرصہ کے بعد یعنی واگزاشت زیور سے قبل دائن یعنی مالک زیور کا انتقال ہوگیا مدیون کو ایک ثالث شخص کی زبانی یہ دریافت ہوا ہے کہ دائن قبل انتقال کے یہ وصیت کی ہے کہ اگر میرا انتقال ہوجائے تو زیور واگزاشت کرنے کے بعد یہ زیور مجھ دائن کے بیٹے کو نہ دیا جائے بلکہ میرے پوتے کو دیا جائے۔ اطلاعًا یہ بھی عرض ہے کہ دائن کی وصیت بیان کرنے والے ایک معمولی شخص ہیں کچھ مقدس یا ابرار برگزیدہ شخص نہیں پھر بھی ممکن ہے کہ دائن نے بعالم بدحواسی وہ وصیت کردی ہو مریض کے مرض کی شدت میں یا مرنے سے کچھ وقت پہلے

حواس درست نہیں رہتے ہیں اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے، یہ بھی اطلاع کرنے کی ضرورت ہے کہ دائن کا پسر جو ہے وہ شراب خوار نہیں ہے قمار باز نہیں ہے کسی طرح کی بد چلنی یا آوارگی کی بھی بالکل شہرت نہیں ہے بجائے اس کے بہت غریب اور تنگدست آدمی ہے، مرحوم کا پوتا جو ہے وہ بعمر پانزادہ سالہ ہے اور سعادت مند نیک چلن نہیں ہے اس کی آوارگی سے یہ ضرور اندیشہ ہے کہ اگر یہ زیور دائن کے پوتے کو دیا جائے گا تو ضرور ضائع کردے گا، زیور قیمتی کم و بیش پانچسو روپے کا ہے، اس ہفتہ میں زیور واگزاشت ہوگیا ہے اب یہ زیور دائن کے پسر کو دینا چاہئے یا کہ پوتے کو؟ جواب مناسب مع دستخط و مہر مرحمت فرمایا جائے، فقط۔

الجواب:

جس نے زیور عاریت لیا تھا اسے چاہئے مالک زیور کے سب وارثوں کو جمع کرکے ان کے سپرد کردے، اور اگر صرف ایک بیٹا ہی اس کا وارث ہے تو اسی کو دے دے وہ وصیت اس شخص سے تعلق نہیں رکھتی، نہ یہ اسے بطور خود نافذ کرنے کا کچھ اختیار رکھتا ہے خصوصًا اس حالت میں کہ وہ ابھی پایہ ثبوت کو بھی نہیں پہنچی، ایک شخص اور وہ بھی ثقہ نہیں، وہ وصیت اگر مالک نے واقع میں کی ہے تو جسے کی ہے تو ایسا کرناوہ وصی ہوا اس کے ذمہ اس کی فکر ہے ورثہ اگر صرف اس بیان پر وصیت تسلیم کرلیں اور سب عاقل بالغ ہوں ثلث مال میں نافذ کریں اور اگر نہ مانیں تو اسے گواہان شرعی سے ثبوت دینا ہوگا بے ثبوت نافذ نہ کی جائے گی یہ وصیت اگر خود ہی عاریۃً لینے والے کو کی ہے تو اس کے لئے یہی حکم ہے۔ **وھو تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۲: از ضلع نینی تال موضع درؤاشفاق حسین خاں روز شنبہ بتاریخ ۲۶ رجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا میں کہ مورث عثمان خان مرحوم نے ایک رقم بخیال مصرف خیر ایک عزیز امین صاحب کے امانت رکھ دی تھی جس کو بارہ برس گزر گئے ہنوز آدھی رقم موجود ہے اسی زمانہ میں عثمان خاں مرحوم کے مرنے کے بعد ہی ایک لڑکے اور دو بیٹی مرنے سے کام خراب ہوگیا اب ایک نور چشم اندھی اور دو پوتی اور ایک بہو زندہ موجود ہیں پردہ نشین اندھی لا وارث بیٹی و بہو خواہش ظاہر کرتی ہیں کہ ہمارے باپ کی خیراتی رقم امانت شدہ سے ہمارے اور ہمارے دوسرے بچوں نابالغ کے خیرات میں ہے مزور مش[عـــہ] معلوم ہو جائے تو دوسروں کی خیرات

عـــہ: اصل میں ایسا ہی ہے۔ ازہری غفرلہ

اور در در کی امداد سے بچیں، اب امین صاحب چراغ سحری صد سالہ نے بوجہ پیری و پیرانہ سالی اپنے جملہ کار اپنے سعادت مند برخوردار کے تفویض فرماکر امید کرلی ہے کہ مثل امین صاحب کے نیک کاموں مصرف خیر کی رقم ضروریات تعمیر مسجدوں و بیاہ شادیوں میں محتاجوں کو حسب ضرورت آئندہ تقسیم کردی جائے گی لہٰذا اس رقم مصارف خیر سے مورث اعلیٰ کی بیٹی پردہ نشین اپنی اور اپنی بھتیجیوں کی تعلیم و خورد نوش کے واسطے بمد خیرات خیرات مانگتی ہیں امین صاحب اس معاملہ رقم مصرف خیر کو علماء کی رائے پر چھوڑتے ہیں پس بمقابلہ امانت دائمی ورفتہ رفتہ مستحسن طریقہ پر خرچ وصرف ہونے کے برخلاف ان بچوں کے ترتیب و تعلیم قرآن حقیقی اندھی لاوارث بیٹی نمازی پردہ نشین کی صرف طعام و بیوہ بہو باعصمت کی خورش وصرف بطریقہ خیرات میں رقم خرچ و واپس دے دینے سے امین صاحب مخدوم مواخذہ گیر خدا اور سول کے نہیں ہوسکتے ہیں، بیّنوا توجروا۔

الجواب:

عثمان خاں نے اگر وہ رقم امین صاحب کے پاس خیرات کرنے کے لئے امانت رکھی اور اس کے ساتھ کوئی لفظ وصیت کا نہ تھا کہ بعد میرے جو مال بچے وہ بھی یونہی خیرات ہویا ہوا کرے جب تو عثمان خاں کے مرتے ہی وہ مد باطل ہوگئی اور باقیماندہ جس قدر رقم تھی وارثان عثمان خاں کی مِلک ہوگئی اب امین کو جائز نہیں کہ کوئی پیسہ بے ان کی اجازت صحیحہ کے خیرات کرے اور لازم ہے کہ باقی تمام رقم وارثان عثمان کو واپس دے اور اگر الفاظ وصیت تھے تو ان لفظوں کی تفصیل اور یہ کہ باقیماندہ رقم املاک عثمان خاں بعد ادائے دَین کے قدر ثلث سے زائد ہے یا نہیں، زائد ہے تو کس قدر، اور بعد عثمان خاں امین نے اس میں سے کچھ خرچ کیا یا نہیں، کیا تو کس قدر، اور باجازت یا بلااجازت، ان سب باتوں کی تفصیل اور یہ بھی کہ عثمان خاں پر کوئی دَین تھا یا نہیں، اور تھا تو کس قدر۔ ان سب باتوں کی تفصیل معلوم ہونے پر جواب دیا جائے گا۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۳: ازنینی تال موضع وڈاکخانہ کچھا یک شنبہ ۲۶ رجب ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اٹھارہ سو روپیہ عمر کے پاس جمع کرکے اپنے حقیقی بھتیجے اور حقیقی داماد سے کہا کہ جس وقت دوہزار روپیہ ہوجائیں گے تو اس وقت رقم مذکورہ سے کوئی جائداد خرید کرکے وقف کردوں گا، اس پر برادرزادہ نے بخیال دور اندیشی سے کہا کہ اس رقم موجودہ سے آج ہی کسی مدرسہ اسلامیہ کی امداد فرمائیے تاکہ آپ کے روبرو یہ رقم خرچ ہو جائے، تب زید نے جواب دیا کہ رقم ہنوز پوری نہیں ہے، پھر زید نے بیٹے سے کہا کہ چھوٹا لڑکا میرا جو

اس وقت خواندگی میں ہے بشرط نیک چلنی وسعادتمندی کے رقم مذکور کواس کے سپرد کردوں گاتاکہ بعد موت میری کے فی سبیل اللہ آمدنی اس روپیہ کی خرچ کرتا رہے اوراصل روپیہ قائم رکھے درصورت بدچلنی کے جائداد خرید کرکے خانہ کعبہ کے نام کردوں گا۔ ہنوز مشرط مختلف خیالات اور تنہا کی ہوئی وصیت اور تعداد رقم دوہزار روپے پورے نہ کرسکے تھے کہ زید صاحب کا انتقال ہوگیا اور تعدادی انیس سوپچیس روپے کی رقم کارِ خیر کے سوادوسرے جائداملک توسوروپے کے خرید شدہ ذاتی اور متروکہ خوشدامن زیدوسالی لاولد وزوجہ منکوحہ خود قیمتی صد سوروپیہ کے مالک بن کراپنی حیات میں ثبات عقل کے ساتھ مبلغ پندرہ سوروپیہ کے کل جائداد ملک سہ برخورداران بالغ ونابالغ کے نام بسبب بخل وبیم حق رسی مردونورچشمان شادی شدہ کے تحریر رجسٹری کرادی تحریر شدہ جائداد اوررجسٹری کے ڈھائی تین انداًزیادہ سے زیادہ چارسال کے بعد سب سے بڑا لڑکا میرا اس کے شرعی حصہ سے جو متروکہ تھا پھر دوبارہ ہمشیریں کوجبریہ محروم رکھاگیا،اب زید کی حقیقی بیٹی نابینانمازی عمرپچپن سالہ اور سالی کا لڑکا عمرپینتالیس برس اورلڑکی سالی کی عمرپچاس برس بحلف نائب رسول اللہ کے سامنے شہادت دینے کو تیار ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ چشم دید گفتگو وزوجہ ہندہ زمانہ علالت ونیزعلالت سے قبل بصورت رضامندی وبصورت مناقشہ ماں باپ زندہ ومُردہ عورت یگانہ وغیرہ وعزیز سے روبرومیرے یامیرے باپ کے سامے یاہمارے یاہمارے خالوپھوپاکے بالمشافہ لینے زید کے روبرو ہمیشہ ہمیشہ یہ دریافت ہوتا رہے کہ رقم عدم معافی قرض دی مہر کے جو تعدادی پانچسزار روپیہ پچاس اشرفی محمدشاہی بتلاتے ہیں دوسرا قرضہ زرنقد کسی دوسرے شخص کازیدپرنہ تھا جن کے بالعوض زید نے اپنی زندگی میں بامید دائمی چراغ روشن خیالی سے انفیاط حقوق نورچشمان کرکے صرف مردفرزندوں کو کل اپنی جائداد ملک معافی پر مثل ذات خودمالک اصلی بنادیا تھا اور خود سرپرست اورولی بن کرآمدنی ملک فرزندان اپنے قبضہ میں اورآمدنی پیشہ ملازمت سے مبلغ دوہزار روپے کی رقم پوری نہ کرسکتے تھے کہ فوت ہوگئے حضور کے فتوی کے جواب میں پرسش دین کے جواب میں حلفاً دریافت حال کرکے واقعات اصلی لکھے گئے لیکن زید صاحب نے اپنی زندگی یابیماری میں کوئی خاص مجمع جمع کرکے یاکسی بالغ بیٹابیٹی کے مشورہ سے یادیگر شہادت معتبر ورثاء یاعزیز ورثاء کی موجودگی میں حالات مذکورہ وتذکرہ وصیت میں اپنی اصلی اصل رائے ظاہر مصرف خیر نہیں کی ہاں صرف عمر صاحب سے زید نے چندمزید روپے کے جمع کرنے کے ہنگامہ [عــہ] تذکرہ کردیا تھا کہ اس مال جمع کوکار خیر میں خرچ کردینا عمر صاحب نے

عــہ: اصل میں ایساہی ہے۔ازہری غفرلہ۔

اس زید کے قول کو بطور وصیت تصور کرکے دو ثلث روپیہ وارثان زید کو اور ایک ثلث روپیہ سے کچھ روپے حصہ بلااجازت وارثان مذکور دوایک کام میں مثل جدید مسجد بنانے میں اور سید صاحب کی لڑکی کے مصارف جہیز میں اور چاہ بنانے میں خرچ کر دیا، اب یہ فعل عمر صاحب کا جائز ہے یا نہیں، اور وصیت اس قسم کی درست ہے یا نہیں، بقیہ روپیہ ثلث کا بعد عرصہ بارہ برس کے بھی یعنی نیک کاموں میں خرچ کرنے سے بچا ہوا اب قریب قریب تین سوپچیس روپیہ کے عمر صاحب کے پاس موجود ہے اس روپے کو پانے کے واسطے مورث اعلٰی زید کی بیٹی اندھی اور دو پوتے بعمر ایک سال وہفت سالہ ہیں مصرف خیر سے اپنے رفع محتاجی کے واسطے خیرات مانگتی ہے محتاجی وپریشانی کے سبب موجودہ عدالت کے خرچ وصرف جدا بجائے جھگڑا عدالت سے وامیں۔ منجملہ اصلی رقم ثلث مبلغ چھ سوپچاس کے اب تین سوپچیس باقی ہیں۔ حقدار زید کی نور چشمی نابینا، زید کے فرزند خالد کی بیوہ، اولاد حقیقی تین بچے ہفت سالہ وایک سالہ دوسرا بچہ، دوسرا زید کا فرزند بکر لاوارث مرازوجہ سے دین شرعی وصول کیا۔ صرف اتنے ہی حقدار موجود ہیں، اس زمانہ میں جبکہ زید کا روپیہ تقسیم ورثاء پر ہونا چاہئے تھا تو صرف کے فرزند خالد و بکر و نور چشمی زندہ تھے۔ روپیہ ثلث بھی محض مصروفیت [عہ۱] زبانی پر تقسیم ہو کر باقی رہا اب وہ پارسال جملہ فوت ہوگئے۔

الجواب:

یہ سوال متعدد بار آیا اور ہر بار مختلف اور خود اس بار کہ سب سے مشورہ سے لکھا جانا بیان کیا اس ایک ہی پرچہ میں اختلاف ہے۔ اوپر لفظ یہ ہیں کہ خرچ کردوں گا اور آخر میں کہ خرچ کرنا سائل نے وقت استفسار بیان کیا کہ یہ صرف عمر و مدعی وصیت کا بیان ہے اور وہ بھی اتنا ہی بیان کرتا ہے کہ یہ کہا تھا کہ خرچ کردینا، اس سے زائد لفظ اضافت معتبرہ فی الایصال [عہ۲] نہ تھا صورت واقع اگر یہ ہے تو وہ وصیت نہ ہوئی وہ تمام و کمال روپیہ بعد مرگ زید وارثان زید کی ملک ہوا ان میں سے جس عاقل بالغ نے عمرو کے ان تصرفات کو اپنی طرف سے جائز رکھا ہو فبہا اور اگر عمرو کے بیان سے دھوکہ کھا کر وصیت سمجھ کر اجازت دی ہو تو وہ اجازت بھی معتبرہ نہیں کہ غلط گمان کی بناء پر ہے **ولاعبرۃ بالظن**

عہ۱: اصل میں ایسا ہی ہے۔ ازہری غفرلہ

عہ۲: کذا فی الاصل ولعل الصواب فی الایصاء۔ ازہری غفرلہ

البين خطأه[1] (جس کی خطاظاہر ہو اس میں ظن کااعتبار نہیں۔ت)

اور جو عاقل وبالغ نہ تھا اس کی اجازت تو کسی طرح معتبر نہیں، صرف اس پہلی صورت کے سوا یعنی جس عاقل بالغ نے نہ بربنائے وصیت بلکہ از طرف خود اجازت دی ہو اس کے حصہ کے سوا باقی تمام ورثاء کے حصص اس روپے سے کہ عمرو نے مساجد وغیرہ میں صَرف کیا ان کا تاوان دینا عمرو پر فرض ہے اور بقیہ جو تین سو پچیس رہ گیا ہے لازم ہے کہ وارثان کو دے ورنہ حق العباد میں گرفتار رہے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۴: مسئولہ شیخ محمد انعام الٰہی صاحب سوداگر لیمپ صدر بازار میرٹھ ۵صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ نے اپنی بیماری میں اپنا جملہ زرنقد وزیور واسباب وغیرہ جو ذاتی تھا اور بوقت شادی دیا گیا تھا وہ اور جو شوہر زید کے یہاں سے شادی میں چڑھایا گیا تھا جس کو زید نے دین مہر میں نہیں دیا اور نہ ہبہ کیا وہ کل کا کل اپنے برادر حقیقی وغیرہ کو وصیت کرکے فوت ہو گئی، اب عندالشرع شوہر اپنے مال کا جو بطریق رسم ورواج کے چڑھایا گیا تھا جس کو اس نے ہبہ نہیں کیا تھا مالک ہے یا نہیں؟ اور زوجہ کے مال میں سے شوہر کا حصہ ہے یا نہیں؟ اور مسماۃ متوفیہ لاولد کی وصیت کل مال میں اپنے شوہر کے جاری ہوسکتی ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

چڑھاوے کا حکم اس قوم کی رسم ورواج پر موقوف ہے اگر ان میں عرف یہ ہے کہ عاریۃً چڑھاتے ہیں اور زوجہ کی ملک نہیں کرتے تو وہ چڑھاوے کی مالک نہیں اور اس میں اس کی وصیت باطل ہے مگر یہ کہ شوہر نے صراحۃً تملیک کردی ہو کہ میں نے تجھے اس کا مالک کردیا یا تجھے ہبہ کردیا اور اگر وہاں عرف یہ ہو کہ بطور تملیک ہی چڑھاتے ہیں تو زوجہ بعد قبضہ مالک ہو گئی اور اس میں اسی کا اختیار ہے مگر یہ کہ شوہر نے صراحۃً نفی تملیک کرکے چڑھایا ہو کہ میں تجھے اس کا مالک نہیں کرتا مِلک میری ہی رہے گا، لاولد زوجہ کے ترکہ میں شوہر کا نصف ہے مگر دَین ووصیت کے بعد وصیت تہائی مال میں بے اجازت ورثہ نافذ ہو گی مگر عورت کا باپ یا دادا اس کے بعد رہا تو بھائی کے حق میں وصیت جائز ہے ورنہ بے اجازت ورثہ اصلاً جائز نہیں کہ وہ خود وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ نافذ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السابعۃ عشرہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۳

مسئلہ ۱۶۵: مرسلہ مستجاب خاں صاحب از ریواڑی ضلع گوڑگانوں ۹صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا میں کہ زید حج کو جاتے وقت حاجی علی جان والوں کے پاس سے سات سو روپیہ کی ہنڈوی لکھوالے گااوران کی بہی میں یہ الفاظ لکھواگیاکہ اگرمیں یہ روپیہ ہنڈوی کے ذریعہ سے مکہ شریف میں نہ لے سکاتومسماۃ ثمرالنساء بیگم کوجومیری حقیقی بھاوج ہے برمکان مولوی محمد سعید کوچہ پنڈت دہلی میں روپیہ مل جائے اورزبانی بھی مولوی محمد سعید صاحب سے اوردوتین شخصوں سے کہہ گیاکہ میں نے فلاں صاحب کے یہاں سے سات سو روپے کی ہنڈوی لکھوالی ہے اور بہی میں مذکورہ بالابیان لکھوادیاہےاس کے بعد وہ جب حج کوگیاتواثنائے راہ میں زید موت ہوگیاچونکہ متوفی کنوارالاولد تھا اور حقیقی بھتیجابھی نہیں چھوڑاتھا اس لئے زید کے متروکہ مال کے اس کے چچازاد، بھتیجے عصبہ ہونے کی وجہ سے سرکاری سرٹیفکیٹ حاصل کرکے قابض ومالک ہوگئے، جائداد متروکہ حسب ذیل ہے:

(۱) مکان مالیتی تقریباًدوہزارروپیہ

(۲) دوہزارروپے نقد جو بنک میں جمع تھے۔

(۳) پانچسوروپے جوڈاک خانہ میں جمع تھے۔

میزان کل چارہزار پانچ سوروپے۔

مبلغ سات سوروپے جوزید کی بھاوج نے حاجی علی جان والوں کے یہاں سے بہی کی تحریر کے مطابق وصول کئے تھے ان کا بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ ہماراہی حق ہے اب سوال صرف یہ ہے کہ آیاعندالشرع وہ عصبات مذکورہ ان سات سوروپے کے مستحق ہیں یابہی کی تحریراورزبانی دوتین شہادتوں کے سبب مسماۃ مذکور ثمرالنساء بیگم اس کی مالک حقدار ہے کیونکہ ہنڈوی کی رقم مذکورہ رقومات کی نسبت ایک تہائی سے کم ہے۔بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

زید کاوہ لکھوانا کہنا نہ مرض الموت میں تھانہ اس میں اپنے بعدکاذکر ہنڈوی کے ذریعہ سے مکہ شریف میں نہ لے سکامعنی موت میں متعین نہیں لہٰذا کسی طرح وصیت کی حد میں نہیں آسکتافلاں کومل جائے ہبہ وودیعت دونوں کو محتمل اورودیعت اقل تو وہی متعین، معہذااوراگرہبہ صریح ہوتاجب بھی قبضہ ثمرالنساء بعد موت واہب ہواتوموت قبل قبضہ سے ہبہ باطل ہوگیا،

فی الدرالمختارمن موانع الرجوع	درمختار موانع الرجوع میں ہے کہ میم سے مراد

والمیم موت احدالعاقدین بعد التسلیم فلوقبله بطل۔[1]	واہب اور موہوب لہ میں سے ایک کی موت ہے سپردگی کے بعد، اوراگر سپردگی سے قبل موت واقع ہوئی توہبہ باطل ہوجائے گا۔(ت)

بہرحال اس سات سو میں ثمرالنساء بیگم کا کوئی حق نہیں واجب ہے کہ ورثہ کو واپس دے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۶: مسئولہ مادی حسین صاحب بریلی محلّہ ذخیرہ ۱۴شعبان ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے بعزم حج بیت اللہ شریف اپنی حقیت ملک کوفروخت کیا اوراپناسکونتی مکان زید(اپنے ہمشیرزادہ) کی لڑکیوں کے نام نصف نصف باضابطہ لکھ دیااور قبل روانگی اپنی حقیت کی قیمت میں سے مبلغ پچاس روپیہ اس نیت سے کہ زیدمذکور کی کنواری دخترکے نکاح میں کام آئیں گے زوجہ عمروکے پاس بطورامانت چھوڑے اوریہ کہاکہ میں آئی یانہ آئی یہ روپیہ زید کی کنواری لڑکی کے عقدکے صرف کاہے اس کی خبر زید کونہ کرنااگرکسی نوع سے اس روپیہ کی خبراس کوہو بھی جائے تواس کوہرگزنہ دیاجائے وعلاوہ ازیں چھ عدد بالیاں طلائی زید مذکورکی بڑی دخترکے پاس ہندہ نے چھوڑیں جس کاعلم پورے طورپر نہیں کہ کس غرض سے چھوڑیں،آیااس کوہبہ کردیں یاکیاکریں، کوئی کہتاہے کہ زید کی دونوں لڑکیوں کی ہیں، کوئی کہتاہے کہ ہندہ اپنی موت حیات اورفاتحہ درودکے واسطے چھوڑ گئی ہے،زید کی بڑی لڑکی کہتی ہے کہ مجھے دے ڈالی ہیں میں مالک ہوں، غرض اس کے بعد ہندہ ہمراہ زیدمذکورمعہ اس کی کنواری دخترکے مکہ معظّمہ زادھا اللہ شرفاًوتعظیماً چلی گئی بعدحج مدینہ طیبہ جاکرہندہ نے قضاکی اورزید مع اپنی کنواری دخترکے واپس وطن آیاہندہ نے اپنی وفات کے بعد دو چچیرے بھائی چھوڑے جن میں سے ایک بھائی کاانتقال ہوگیااوراس نے دوپسر اورایک دختر منکوحہ اپنے وارث چھوڑے،زیدمذکورکی دخترکاعقداس کے نانادادی کے صرف سے ہوگیاکیونکہ عجلت کی وجہ سے زوجہ عمروسے ہندہ متوفی کے امانتی روپیہ کابروقت نکاح زید کی لڑکی کے بندوبست نہ ہوسکاجواس دم کام آتااب زوجہ عمروسے ہندہ متوفیہ کے روپیہ کی ہرطرف سے مانگ ہے زید کہتاہے کہ ہندہ کاروپیہ مجھے دینااس معنی کرکہ ہندہ نے اس کوطفولیت سے پالا

---
[1] الدرالمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

اور پرورش کیا ہے اور زید کی لڑکی مذکورہ کہتی ہے کہ مجھے ملنا چاہئے اس لئے کہ میری شادی کے واسطے ہندہ چھوڑ گئی تھی۔ اور ہندہ کے چچیرے بھائی متوفی کے وارث کہتے ہیں کہ ہم ہندہ متوفیہ کے متروکہ پانے کے بذریعہ اپنے پدر متوفی کے مستحق ہیں اگر ہندہ متوفیہ کا روپیہ دیا جائے تو ہم کو دیا جائے، صورت مسطورہ میں ہندہ متوفیہ کا روپیہ کس کو ملنا چاہئے اور بالیان مذکورہ بالا کا کیا کرنا چاہئے؟ فقط۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

فقط نیت سے کچھ نہیں اور یہ الفاظ کہ میں آئی یا نہ آئی یہ روپیہ زید کی کنواری لڑکی کے عقد کے صرف کا ہے یہ بھی حد وصیت میں نہیں آتے صرف اسی قصد ونیت کا اظہار کرتے ہیں بالیاں کہ وہ زید کی بڑی لڑکی کے پاس چھوڑ گئی صرف اس کے کہنے سے کہ مجھے دے ڈالی ہیں اس کی نہیں ہوسکتیں جب تک گواہان شرعی سے ثبوت نہ ہوگا لہٰذا وہ پچاس روپیہ اور بالیاں سب متروکہ ہندہ ہیں حسب شرائط فرائض اس کے چچازاد بھائی موجود اور دوسرے بھائی کی اولاد وزوجہ کو ہر ایک کو بقدر اس کے حصے کے دیئے جائیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۷: مسئولہ حاجی محمد نور اللہ از محلّہ قاضی ٹولہ بریلی ۲۴ شوال ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ مرض الموت میں ابراء دین یا ہبہ مال یازوجہ کو مرض الموت میں انتقال کے چند روز قبل معاف کردینا مہر کا درست ونافذ ہے یا نہیں؟ دیوبندی وتھانوی وغیر ہم کہتے ہیں کہ اس کا بھی نفاذ ثلث سے ہوگا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مرض الموت میں ابراء یا ہبہ مال کا ہو یا دین کا، وصیت ہے۔ اور وصیت وارث کے لئے بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے، اور شوہر وارث ہے۔ درمختار باب اقرار المریض میں ہے:

ابراؤہ (ای المریض) مدیونہ وھو مدیون غیر جائز ای لایجوز ان کان اجنبیا وان وارثا فلایجوز مطلقا سواء کان المریض مدیونا اولا۔[1]	مریض کا اپنے مقروض کو قرض سے بری کرنا جبکہ خود مریض مقروض ہو، ناجائز ہے یعنی اگر مقروض اجنبی ہو اور اگر وہ مقروض اس مریض کا وارث ہو تو مطلقًا ناجائز ہے چاہے مریض مقروض ہو یا نہ ہو۔ (ت)

[1] الدرالمختار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۶

ہاں اگر شوہر وقت موت زن وارث نہ رہے مثلاً عورت کو طلاق دے دی پھر وہ مر گئی تواب یہ ابراء وہبہ ثلث سے نافذ ہوگا وارث ہونے نہ ہونے میں وقت موت مورث کا اعتبار ہے۔ درمختار کتاب الوصایا میں ہے:

یعتبر کونہ وارثا اوغیروارث وقت الموت لاوقت الوصیۃ علی عکس اقرار المریض للوارث۔[1] واللہ تعالٰی اعلم	کسی کے وارث یا غیر وارث ہونے کا اعتبار مورث کی موت کے وقت ہوگا نہ کہ وصیت کے وقت۔ یہ حکم وارث کے لئے مریض کے اقرار کے برعکس ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۸: از اسلام نگر ضلع بدایون مرسلہ محمد نوشہ علی صاحب سب اسسٹنٹ سرجن شفاخانہ ۸ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

ہندہ نے اپنی جائداد فروخت کرکے زرثمن اپنی بھانجی کے پاس بطور امانت رکھا اور بارہا اس نے یہ وصیت اپنے دیگر رشتہ داروں سے کی کہ میری خورد ونوش اور مصارف تجہیز وتکفین کے بعد جس قدر روپیہ باقی رہے اس کو حسب منشا تجویز علمائے دین کسی خیراتی مصرف میں لگادیا جائے اگر میری وصیت پر عمل نہیں کیا گیا توحشر میں اس کے خلاف کرنے والوں کے دامنگیر ہوں گی ہندہ مذکورہ کا یہی روپیہ ذریعہ اوقات بسری تھا چنانچہ اسی وجہ سے وہ کسی خیراتی کام میں نہ لگا سکی ہندہ کی حالت حیات میں اس کے کچھ رشتہ دار اور ورثاء میں سے کسی سے اس کو کچھ امدانہ ملی اب ہندہ فوت ہوئی اس کے ورثاء میں سے دو بھائی اور ایک بیوہ بہن اور ایک بیوہ بھاوج موجود ہیں بھائی دونوں مرفع حال ہیں بہن بیوہ کی خبر گیری اس کا داماد کرتا ہے بیوہ بھاوج کا ایک سوتیلا لڑکا ہے جو بہت کم مدد کرتا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ بحالت مذکورہ بالا وصیت پر کہاں تک عمل ہوگا یا کل ترکہ میں یا جزو ترکہ خیرات کردیا جائے گا، اور اس کا صرف کرنے کا مجاز کون ہوگا، آیا امین یا ورثاء اور صحیح مصرف اس کا کیا ہے، اگر ورثاء میں سے کسی کو حق پہنچا تو ان کے حصص شرعی کیا ہوں گے؟

الجواب:

اس کے مال میں سے اگر اس پر کچھ قرض ہو ادا کرکے باقی کی تہائی میں یہ وصیت نافذ ہوگی باقی دو تہائی بہن بھائی کا حق ہے، دو حصے بھائیوں کے اور ایک بہن کا، اور ثلث وہاں کے علماء

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۸

اہلسنت کی صوابدید سے کسی مصرف خیر میں صَرف کیاجائے اور یہ صرف اس کے ہاتھ سے ہوگا جن کو یہ وصیت کی تھی کہ ایسا کرنا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۹: از درگاہ مخدوم صاحب قدس سرہ العزیز ڈاکخانہ سندیلہ ضلع ہردوئی مرسلہ سید فراست حسین صاحب یکم جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ فخر النساء نے وفات پائی اور ورثہ ذیل چھوڑے:

مسماۃ فخر النساء ناکتخدا مرد

خال	خالہ	جدہ یعنی نانی	عم الاب	ابن عم الاب	اخت حقیقیہ
سید واجد علی	صدیقۃ النساء	والدہ سید واجد علی	سید محمد ذکی	سید فراست حسین	قمر النساء

لہٰذا صورت مسئولہ میں کون شخص وارث حقدار ہے اور اس کا حصہ کتنا ہے اور کون محجوب الارث ہے نیز یہ امر واضح رہے کہ مسماۃ فخر النساء کے قبضے میں وہ جائداد ہے کہ اس کو اس کے والد ریاست حسین نے پہلے اپنی زوجہ رؤف النساء یعنی مادر فخر النساء کو دین مہر میں دے دی، پھر مسماۃ رؤف النساء نے اپنے مرض موت میں بذریعہ وصیت نامہ کے سید واجد علی کو ولی بناکر اپنے ہر دو دختر مسماہ فخر النساء و قمر النساء کو دے دی سید واجد علی ماموں مسماۃ قمر النساء نے کچہری بندوبست میں بدرخواست و برضامندی اپنی بنام دختران فخر النساء و قمر النساء کے داخل خارج کرادیا۔

الجواب:

اگر رؤف النساء کے یہی تین وارث تھے دو دختر اور ایک بھائی، اور رؤف النساء نے دختروں کے نام وصیت کی تو وہ کل جائداد اس بناء پر کہ برادر نے اس وصیت کو جائز و نافذ کیا دونوں دختروں کی مِلک ہوگئی سید واجد علی کا اس میں کچھ حق نہ رہا۔ حدیث میں ہے:

لاوصیۃ للوارث الا ان یجیزھا الورثۃ۔[1]	خبردار وارث کے لئے وصیت نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں۔ (ت)

اب کہ فخر النساء نے انتقال کیا نصف یہ جائداد کہ اس کا حصہ ہے اور اس کے علاوہ اور جو متروکہ فخر النساء ہو حسب شرائط فرائض چھ سہام منقسم ہو کر ایک سہم نانی اور تین سہم قمر النساء اور

[1] سنن الدارقطنی کتاب الفرائض حدیث ۴۰۸۱ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۳۷

سید محمد ذکی کو ملیں گے سید فراست حسین بوجہ بُعد درجہ اور سید واجد علی و صدیقۃ النساء بوجہ ذوی الارحام ہونے کے محروم ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۰: از رائے پور گول بازار سی پی مرسلہ محمد اسمٰعیل بیگ ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بیوی ہندہ سے زید کے ایک لڑکا بکر تھا، بکر کی دو بیبیاں شکورن وغفورن تھیں، شکورن سے دو لڑکے اور غفورن سے ایک لڑکا بکر کے تھا، بکر اپنے والد زید کی زندگی ہی میں انتقال کرگیا، لڑکے تینوں نا بالغ تھے، اسی عرصہ میں زید کا انتقال بھی ہوگیا، شکورن نے اپنے دونوں لڑکوں کا حصہ جو بکر کے والد زید کے ترکہ سے انہیں پہنچتا تھا چونکہ دونوں لڑکے نابالغ تھے اس لئے بہ حیثیت ولی جائز، غفورن نے اپنی مِلکوں کو فروخت کردیا، پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ بیع جائز ہے یا کیا؟ اور شکورن اپنے دونوں نابالغ لڑکوں کی طرف سے از روئے شرع شریف ولی قرار پاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

ماں کو اصلاً اختیار نہیں ہے کہ وہ نابالغوں کا حصہ بیع کرے، نہ مال کی ولایت ماں کو ہوتی ہے،

ولیہ فی المال ابوہ ثم وصیہ ثم جدہ ثم وصیہ ثم قاض[1] کما فی الدر المختار وغیرہ۔	نابالغ کے مال میں اس کا ولی اس کا باپ ہے، پھر باپ کا وصی، پھر نابالغ کا دادا، پھر دادا کا وصی، پھر قاضی۔ جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۷۱: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی عبدالغنی صاحب بنگال ۱۹ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر باپ اپنی نابالغ لڑکی کا مہر قبل شادی کے زوج یا والی زوج سے ادا کرے اور اس مہر کو لڑکی کی شادی میں صرف کرے خواہ اپنے پاس سے صرف کرسکتا ہے یا نہیں اس خیال سے کہ جب لڑکی بالغ ہوگی تو لڑکی سے معاف کرالوں گا یا ادا کردوں گا تو جائز ہوگا یا نہیں اور اگر لڑکی بالغ ہو اور لڑکی کے اذن سے صرف کرے تو کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

---

[1] الدر المختار کتاب الوکالۃ ۲/ ۱۰۹، کتاب الماذون ۲/ ۲۰۳ مطبع مجتبائی دہلی

الجواب:

بالغہ کی اجازت سے صرف کر سکتا ہے اور نابالغ کی شادی میں بقدر معروف خرچ کر سکتا ہے اور اپنے صرف میں بطور قرض اٹھالینے کے جواز میں اختلاف ہے احتیاط بچنا ہے اگر صرف کرلے گا عوض دے گا یا لڑکی بالغہ ہو کر معاف کردے تو یہ بھی صحیح ہے۔ ادب الاوصیاء میں ہے:

فی العمدۃ لواستقرض الوصی من مال الصبی یضمن، وعند محمد لایضمن کالاب، وفی قضاء الجامع اخذ الاب مال صغیرہ قرضًا جاز، وفی الخلاصۃ انہ ذکر فی رھن الاصل ان الاب یضمن کالوصی، وفی الخانیۃ لیس للوصی قضاء دینہ بمال الیتیم وللاب ان یقضی بہ وذکر شمس الائمۃ السرخسی عدم الجواز للاب ایضا[1]، واللہ تعالٰی اعلم۔	عمدہ میں ہے اگر وصی نے نابالغ بچے کے مال سے قرض لیا تو اس کا تاوان دے گا۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وصی باپ کی طرح تاوان نہیں دے گا۔ قضاء الجامع میں ہے باپ کا بطور قرض اپنے نابالغ بیٹے کا مال لینا جائز ہے۔ خلاصہ میں ہے کہ مبسوط کی کتاب الرہن میں مذکور ہے بے شک باپ وصی کی طرح تاوان دے گا۔ اور خانیہ میں ہے کہ وصی کو یہ اختیار نہیں کہ یتیم کے مال سے اپنا قرض ادا کرے اور باپ کو ایسا کرنے کا اختیار ہے۔ شمس الائمہ سرخسی نے باپ کے لئے بھی عدم جواز کو ذکر کیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۲: از سہونہ ڈاکخانہ شیش گڈھی ضلع بریلی مسئولہ عنایت اللہ صاحب ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ بیوہ لاولد نے کچھ روپیہ ایک شخص کے پاس جمع کیا اور کہا کہ اس روپیہ کو تجارت میں لگاؤ اور اس کا منافع نصف مجھ کو دینا اور نصف تم اپنے حق محنت میں لینا اور بعد میرے مرنے کے اس روپیہ میں سے میری تجہیز و تکفین کرنا باقی جو بچے وہ خیر خیرات فاتحہ وغیرہ میں صرف کردینا۔ اس کے دو برس بعد اب مسماۃ ہندہ کا انتقال ہوا چونکہ ورثہ میں اولاد تو ہے نہیں شوہر کا انتقال پہلے ہو چکا صرف ایک بھائی حقیقی متوفی کا اور

[1] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی القرض اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵۔ ۱۷۴

دو بہنوں کی اولاد بھانجی بھانجے ہیں۔اب گزارش یہ ہے کہ روپیہ جمع شدہ جو بعد گوروکفن باقی بچا ہے وہ بموجب کہنے مسماۃ متوفی کے صَرف کیا جائے یا وہ روپیہ اور گھر کامال اسباب ورثاء موجودہ بھائی بھانجوں پر تقسیم کردیا جائے،اور تقسیم کیا جائے تو ہرایک کا کیا حصہ ہوگا؟

الجواب:

کفن دفن بقدر سنت کے بعد جو بچا اس کا تہائی خیرات کیا جائے اور زیادہ کی اجازت بھائی سے لی جائے اگر نہ دے یا اجازت دینے کے قابل نہ ہو مثلاً نابالغ ہو تو دو تہائی بھائی کو دیا جائے بھانجی بھانجوں کا کچھ حق نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۳: از آگرہ محلّہ قرولپاڑہ مکان ۱۷۹۵ ۱۵ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حیات میں منجملہ اپنے زرنقد واثاث البیت کے کچھ زرنقد اپنے حقیقی بھائی خالد کے نام جمع کیا جس محکمہ میں وہ ملازم تھا اور جیسا کہ اس محکمہ کا قاعدہ تھا کہ تمہارے فوت ہوجانے کے بعد یہ روپیہ کس کو دیا جائے ہرسال اس محکمہ کے قواعد کے مطابق ہمیشہ تصدیق کرتا رہا جس کے نام یہ روپیہ میں نے جمع کردیا ہے اسی کو یہ روپیہ ملے تخمیناً دس سال بعد زید کا انتقال ہوگیا۔زید نے ایک زوجہ سعیدہ اور دو نابالغ لڑکے رشید وعزیز چھوڑے نیز چار بھائی حقیقی مع خالد چھوڑے رشید چند روز بعد مرگیا جو اثاث البیت اور زرنقد بقدر (سما ۶۰۰) کے وزیور وغیرہ پر زوجہ تنہا قابض ہوگئی وہ روپیہ جو زید نے خالد کے نام جمع کیا تھا اس کا مالک وہ حقیقی بھائی خالد ہے یا زوجہ یا لڑکا؟

الجواب:

زید کے کل متروکہ سے اول دین مہر اور دیگر دیون اگر اس کے ذمہ ہوں ادا کئے جائیں اگر کچھ باقی نہ رہے تو نہ خالد کچھ پائے گا نہ کوئی وارث،اور اگر بعد ادائے مہر ودیون کچھ باقی بچے تو اس کی تہائی میں یہ وصیت جو اس نے خالد کے نام کی ہے بلارضائے دیگر ورثہ نافذ ہوگی،اور اسی طرح اور وصیت اگر اس نے کسی کے نام کی وہ بھی اسی ثلث میں شریک ہوگا،بعد ادائے دیون جو باقی بچے اس کے ثلث سے یہ روپیہ جو بنام خالد اس نے جمع کیا ہے زائد نہیں تو تمام وکمال زرجمع شدہ خالد کو دیا جائے گا جبکہ اور وصیت اس کے معارض نہ ہو ورنہ حصہ رسد بانٹ دیں گے،اور اگر یہ روپیہ اس کو کافی نہیں تو ادائے مہر ودیون کے بعد جتنی تہائی ہو اتنی میں وصیتیں نافذ ہوں گی زیادہ پر ورثہ راضی نہ ہوں تو وہ نہ دلائی جائے گی۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۴: از بمبئی پوسٹ ۱۶ امام ہم مرسلہ عبدالمجید صاحب دہلوی ۱۶ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد کے کرایہ کی آمدنی میں یہ وصیت کی کہ کچھ رقم معین مکہ شریف و مدینہ شریف وبغداد شریف کے سادات کو دی جائے اور باقی رقم میں چند ایام مقررہ میں طعام پکا کر مساکین کو کھلایا جائے اور کچھ رقم معین دو مسجدوں میں دی جائے مگر بعد فوت زید کے اس جائداد کے متولیان یہ کرتے ہیں کہ بجائے سادات کے امیروں کی سفارش سے اس رقم کو واسطے شادی کردینے ان لڑکیوں کے جن کے والدین غریب ہیں دیتے ہیں وردیگر رقم معین کو دو مسجدوں میں دیتے ہیں اور باقی رقم معین میں چند ایام مقررہ میں طعام پکار کر تھوڑا مساکین میں اور تھوڑا ذی ثروت لوگوں کو کھلاتے ہیں۔ زید کی وصیت کے بموجب کیاجائے وہ درست ہے یاجو متولیان کرتے ہیں وہ درست ہے؟ جوکار خیر ہو، موافق حکم شریعت جواب عنایت ہو۔

الجواب:

جو رقم اس نے دونوں مسجدوں کے لئے معین کی ہے وہ انہیں کو دی جائے گی، جو رقم اس نے مساکین کے کھانے کے لئے معین کی ہے اس میں سے اہل ثروت کو دینا درست نہیں، اور جو رقم سادات حرمین طیبین وبغداد مقدس کے لئے معین کی ہے اگر انہیں بلاد طیبہ کے سادات مساکین کو بھیجی جائے تو بہتر ہے ورنہ یہاں کے مساکین پر بھی صرف ہوسکتی ہے قید بلاد کا اتباع ضروری نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۵: از قصبہ ادرن ضلع قلابہ علاقہ کولین احاطہ بمبئی مرسلہ ابراہیم صاحب موتی ۱۲ رمضان ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حیات میں تین ہزار چھ سو تیس روپے کی وصیت حسب ذیل طریقہ پر کی:

(۱) اپنی زوجہ کی فاتحہ خوانی پر سالانہ تین سو روپے خرچ کرنا۔

(۲) خود کی فاتحہ پر سالانہ تین سو روپیہ۔

(۳) قرآن شریف کے پڑھنے والوں کو ایک سو تیس روپے سالانہ دیا جانا۔

(۴) ماہ محرم میں مولود شریف پڑھوانا اور بارہویں محرم کو کھانا کھلانے پر خرچ کرنا، سالانہ پانچسو روپیہ۔

(۵) گیارہویں شریف کے مہینے میں مولود شریف پڑھوانا اور کھانا کھلانے پر خرچ کرنا سالانہ پانچسو روپے۔

(۶) رمضان میں روٹی پاؤ وغیرہ مسجد میں بھیجنے پر خرچ کرنا سالانہ ایک سو پچیس روپے۔

(۷) حاجیوں کو برائے بیت اللہ شریف دینا فی حاجی ۔ پانچ حاجیوں کو جس پر سالانہ خرچ ایک سو پچاس۔

(۸) ما سالانہ مکہ مکرمہ بھیجنا۔

(۹) مامہ عہ روپے سالانہ مدینہ طیبہ۔

(۱۰) بغداد مقدس کو سالانہ قا۔

(۱۱) حضرت پیر بابا ملنگ صاحب کی درگاہ پر جو پہاڑ ہے پچاس روپیہ سالانہ۔

(۱۲) مہایم شریف سالانہ مہ۔

(۱۳) میلاد شریف صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیاز اور کھانا کھلانے پر خرچ کرنا سالانہ ایک ہزار روپیہ۔

اوپر لکھی ہوئی رقمیں جس جس مہینے میں خرچ کرنے کی ہیں یہ اس میں خرچ ہو سکتی ہیں یا بعد بھی جائز ہیں یا ناجائز؟ اور جو رقم میلاد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کھانے کی ہے اگر اس میں سے کچھ رقم بچالی جائے اور کسی اچھے کاموں میں صرف کی جائے مثلاً مساکین ویتیم وبیوہ اور علمائے دین وغیرہا کو تو جائز ہے یا نہیں؟ اور دوسری جو چھوٹی چھوٹی رقمیں ہیں مثلاً قرآن عظیم پڑھنے والوں کی اس میں اگر بڑی رقموں سے لے کر خرچ کردیں تو جائز ہے یا کیا، وصیت کرنے والے نے جس وقت وصیت کی اس وقت حالات اور تھی اور موجودہ حالت اور ہے یعنی اس وقت قحط سالی اور ہر ایک شیئ گراں، اگر موجودہ حالت کو مد نظر رکھ کر غرباء وغیرہا کو بجائے کھانا کھلانے کے اگر نقد روپیہ دیا جائے تو جائز ہے یا کیا؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اصل حکم یہ ہے کہ سالانہ تین ہزار چھ سو تیس روپے امور خیر و سبیل اللہ میں صرف ہو جانا لازم ہے وہ خاص صورتیں کہ زید نے مقرر کیں ان کی تعیین لازم نہیں ان مہینوں میں ہو یا ان کے غیر میں کھانا کھلانا ہو یا مساکین کو نقد دینا، کچھ رقم بچا کر ہو یا کل، انہیں مقامات کو بھیجیں یا یہاں۔ ہم نے جد الممتار تعلیقات ردالمحتار کتاب الصوم میں اس بیان کو مبسوط لکھا ہے وہیں سے چند حوالوں کا التقاط کافی ہے۔

فی وصایا الهندیة اوصی ان یباع هذا العبد ویتصدق بثمنه علی المساکین جازلهم ان یتصدقوا بنفس العبد، ولوقال اشترعشرة اثواب وتصدق ثمنها، و عن محمد لواوصی بصدقة الف درهم بعینها فتصدق الوصی مکانها من مال المیت جاز، رجل اوصی بان یتصدق بشیئ من ماله علی فقراء الحاج هل یجوز ان یتصدق علٰی غیرهم من الفقراء، قال الشیخ الامام ابونصر یجوز ذٰلك کما روی عن ابی یوسف فی رجل اوصی ان یتصدق علی فقراء مکة قال یجوز ان یتصدق علی غیرهم من الفقراء وعلیه الفتوی، وفی النوازل لواوصی ان یتصدق فی عشرة ایام فتصدق فی یوم جازکذا فی الخلاصة[1] و یتأتی اکثر هذا المسائل متنًا وشرحًا وحاشیة فی الایمان والوصایا۔

ہندیہ کے کتاب الوصایا میں ہے کسی شخص نے وصیت کی کہ اس کا یہ غلام بیچ کر اس کے ثمن مسکینوں پر صدقہ کئے جائیں تو وصیوں کے لئے جائز ہے کہ وہ خود غلام کو صدقہ کردیں۔ اور اگر کہاکہ دس کپڑے خرید کران کو صدقہ کرو۔ پھر وصی نے دس کپڑے خرید لئے تو اسے اختیار ہے کہ وہ کپڑے بیچ دے اوران کے ثمنوں کو صدقہ کردے۔امام محمد علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ اگر کسی نے ہزار معین درھم صدقہ کرنے کی وصیت کی وصی نے ان کی جگہ میت کے مال میں سے صدقہ کردیا تو جائز ہے۔ایک شخص نے اپنے مال میں سے حاجی فقراء پر کچھ صدقہ کرنے کی وصیت کی توان کے علاوہ دیگر فقراء پر صدقہ کرنا جائز ہے یانہیں، شیخ امام ابونصر نے فرمایایہ جائز ہے جیساکہ امام ابویوسف علیہ الرحمہ سے اس شخص کے بارے میں منقول ہے جس نے فقراء مکہ پر صدقہ کرنے کی وصیت کی۔امام ابویوسف نے فرمایاکہ ان کے علاوہ دیگر فقراء پر صدقہ کرنا بھی جائز ہے۔اوراسی پر فتوی ہے۔نوازل میں ہے اگر کسی نے دس دن صدقہ کرنے کی وصیت کی اور وصی نے ایک ہی دن میں صدقہ کردیاتوجائز ہے۔خلاصہ میں یونہی ہے۔ان میں سے اکثر مسائل متن، شرح اور حاشیہ کے اعتبار سے کتاب الایمان اور کتاب الوصایا میں آتے ہیں۔(ت)

---

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۳۴

مگر حق یہ ہے کہ نظر بحال زمانہ تعیین و تحدید نہ ہونے کی حالت میں دستبرد بعض متولیان سے بچنا دشوار ہے اور جواز مخالفت جواز موافقت کا نافی نہیں اور ان نیاز مندیوں کا اظہار جو موصی نے ان وصایا میں ذکر شریف ومزارات طیبہ سے مرعی رکھا اور اس کا مرعی رہنا ہی انسب، میلاد مقدس کے عوض اور کسی کار خیر میں صرف کردیں تو مسلمانوں کو ذکر شریف کا نفع کب پہنچا، اس کے بعد زوجہ کے قبور پر تلاوت قرآن عظیم سے جو نزول رحمت اور ان امتیوں کے لئے انس و طمانیت ہو وہ بغیر اس کے کیونکر ہوگا، تو مناسب یہی ہے کہ جن طرق کی اس نے وصیت کی وہی جاری رہیں، ہاں ان سے اہم مصرف کی ضرورت ہو تو بنگرانی ارباب دین ودیانت ان میں سے بچا کر اس میں سے صرف کریں اور انہیں بھی بقدر میسر جاری رکھیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۶تا۱۷۷: از علی گڑھ محلّہ بنی اسرائیل مرسلہ مولوی احسان علی صاحب مدرس ۱۸شوال ۱۳۳۸ھ

(۱) زید کا بیان ہے کہ میری بیوی ہندہ نے مرض الموت میں چار روز قبل مہر معاف کردیا ہے، اور گواہ میں چار شخص یعنی ایک اپنی حقیقی ماں اور ایک حقیقی بہن اور ایک اجنبی مرد اور ایک اجنبی عورت پیش کرتا ہوں مہر معاف ہوا یا نہیں؟ اور گواہی ایسے معاملہ میں کیسے لوگوں معتبر ہے؟

(۲) زید باحلف بیان کرتا ہے کہ میری بیوی نے مہر معاف کردیا ہے، عندالشرع اس کا قول صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) گواہی ہر معاملہ میں ثقہ معتمد لوگوں کی معتبر ہے، ماں باپ کی گواہی اولاد کے حق میں معتبر نہیں۔ مرض موت میں ہبہ حکم وصیت میں ہے اور زوج وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت باقی ورثہ باطل ہے۔

لاوصیۃ لوارث الا ان یجیزھا الورثۃ۔[1]	خبردار! وارث کے لئے وصیت نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں۔(ت)

تو اگر شہادت کافیہ سے ثابت ہوجائے جب بھی بے اجازت دیگر ورثہ جائز نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] سنن الدارقطنی کتاب الفرائض حدیث ۴۰۸۱ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۳۷

(۲) اصلاً معتبر نہیں،

البیّنة علی المدعی والیمین علی من انکر [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	گواہ مدعی پر اور قسم منکر پر ہوتی ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۸: نعمت علی خاں بوڑرھا از پنڈول بزرگ ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفرپور ۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

اگر باپ نے بیٹے سے وصیت کی کہ اتنا روپیہ یا اتنی زمین یا کوئی سامان فلاں کو دینا، بیٹے نے نصف یا تہائی یا چوتھائی وصیت ادا کیا تو بیٹا قیامت کے دن جوابدہ ہوگا یا نہیں؟ اگر بیٹے نے موصی لہ، سے کچھ دے کر بقیہ معاف کرالیا تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر وہ وصیت بعد ادائے دین مال متروکہ کی تہائی سے زائد نہ تھی تو کل کا ادا کرنا اس پر لازم ہے اور زائد ہے تو تہائی تک کا ادا کرنا ضروری ہے اس سے اگر کچھ کمی کرے گا ماخوذ ہوگا اور معافی دَین کی ہوتی ہے۔

مسئلہ ۱۷۹: از شہر محلّہ شاہ آباد مسئولہ مسیت خاں یکم صفر المظفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ لاولد عرصہ دراز سے بعارضہ چند در چند بوجہ تپ کہنہ کے مبتلارہ کر فوت ہوئی اس نے اپنے وارث ایک شوہر اور ایک بھائی اور ایک بہن حقیقی اور ایک برادر زادہ اور ایک بھتیجی جن کا باپ بموجودگی متوفیہ کے فوت ہوگیا ہے وارث چھوڑے، شوہر نے متروکہ متوفیہ طلب کیا تو متوفیہ کی بہن اور بھائی کہتے ہیں کہ متوفیہ کی یہ وصیت ہے کہ تم مال واسباب از قسم زیور وزر نقد یعنی جملہ اشیاء البیت کو خود تقسیم کرلینا شوہر کو نہ دینا، یہ ظاہر کرنا مشارالیہم کا شوہر متوفیہ کو وراثت سے محروم کرتا ہے اگر نہیں کرتا ہے تو کس قدر شوہر اپنا حصہ بموجب شرع شریف کے پانے کا مستحق ہے اور زیور اثاث البیت متروکہ متوفیہ کا جو ہے وہ فراہم کردہ شوہر کا ہے اور جو متروکہ متوفیہ کے والد سے پہنچا تھا وہ متوفیہ نے اپنے بھائی کے ہاتھ بیع کردیا اور یہ وصیت کردی کہ اس روپیہ سے میری تجہیز وتکفین کرنا۔

برادر حقیقی ہمشیر حقیقی، بھتیجا جس کا باپ بموجودگی متوفیہ فوت ہوگیا۔ بھتیجی جن کا باپ

---

[1] کنزالعمال حدیث ۱۵۲۸۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۸۷

بموجودگی متوفیہ فوت ہوگیا۔

الجواب:

سائل نے بیان کیا ہے کہ متوفیہ نے اپنی موت سے چار مہینے پیشتر بھائی کے ہاتھ بیع کی وہ اس وقت بھی بعارضہ دق مبتلا تھی اور حالت خطرناک تھی، اگر یہ بیان صحیح ہے تو وہ بیع معتبر نہیں،

لان البیع من وارث فی مرض الموت لایصح عند الامام وان کان بمثل القیمۃ۔	اس لئے کہ مرض الموت میں وارث کے ہاتھ بیع امام اعظم کے نزدیک جائز نہیں اگرچہ مثلی قیمت کے ساتھ ہو۔(ت)

زیور واثاث البیت جو شوہر نے بنادیا تھا اگر عورت کو مالک نہ کردیا تھا تو اس کا مالک شوہر ہی ہے اس میں وراثت جاری نہ ہوگی اور اگر مالک کرکے قبضہ دے دیا تھا عورت کا ہے جس طرح وہ جہیز کہ باپ کے گھر سے لائی، ان اشیاء کی نسبت بہن اور بھائی کے لئے عورت کی جو وصیت بتائی جاتی ہے بے اجازت شوہر باطل ہے،

لحدیث صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ لاوصیۃ لوارث الا ان یجیزھا الورثۃ۔[1]	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کی وجہ سے کہ بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطافرمادیا ہے، خبردار! وارث کے لئے وصیت نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں۔(ت)

ان احکام کے لحاظ سے جو ترکہ متوفاۃ کا ٹھہرے مع مہر اگر ذمہ شوہر ہو حسب شرائط فرائض چھ ۶ حصے ہو کر تین حصے شوہر اور دو سہم برادر اور ایک بہن کو ملے گا بھتیجے بھتیجی کا کچھ حق نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۰: ازبریلی صدر بازار مسئولہ عبدالغفور خاں

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بازاری عورت نے ایک بزرگ کے ہاتھ پر اپنے پیشہ سے توبہ کی اور سلسلہ بیعت میں داخل ہوئی اور مرنے تک اس پر قائم رہی اور

[1] سنن ابی داؤد کتاب الوصایا ۲/ ۴۰ وجامع الترمذی ابواب الوصایا ۲/ ۳۳، سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا ص۱۹۹ وسنن النسائی کتاب الوصایا ۲/ ۱۲۹

نیک چلنی کی زندگی بسر کی، بیماری کی حالت میں اس نے یہ وصیت کی کہ اگر میں اسی بیماری میں جانبر نہ ہوں تو میری کل جائداد منقولہ اور غیر منقولہ اور کل زرنقد میرے مرشد کا حق ہے دوسرا کوئی وارث اس کا نہیں وہ جس طور پر چاہیں صرف کریں، اب مسماۃ کا انتقال ہوگیا اس کی جائداد و مکان زرنقد از روئے شرع اسلام کس کو پہنچتا ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل سے معلوم ہوا کہ اس کا کوئی وارث نہیں صرف اس کی ایک ماں سنی جاتی ہے کہ کافرہ ہے اس صورت میں جو مال شرعًا اس کا متروکہ ہو وہ تمام و کمال اس کا ہے جس کے لئے اس نے وصیت کی یہ مال وہ ہوگا جو اس نے وجہ حلال سے حاصل کیا یا اگرچہ زرحرام سے خریدا مگر اس پر عقد و نقد جمع نہ ہوئے یعنی یہ نہ ہوا کہ زرحرام دکھا کر کہا ہو اس کے بدلے دے دینا اور پھر ثمن میں وہی دیا اور جو مال عین حرام اس کے پاس ہے کہ خود زنا یا غنا کی اُجرت میں اسے ملا وہ اس کی ملک نہیں اس میں وصیت جاری نہ ہوگی وہ فقراء پر تقسیم کیا جائے اور جس کی خریداری میں عقد و نقد زرحرام پر جمع ہوگئے ہوں وہ بھی خبیث ہے لینا نہ چاہئے فقراء کو دیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۱: از سگرام پورہ سورت مسئولہ نور محمد غلام رسول ۲۹ صفر ۱۳۳۹ھ

نور محمد مذکور نے اپنی حیات میں مکان رہن رکھ کر کئی مدت بعد مرحوم لڑکے مذکور اور حاملہ عورت کو چھوڑ کر گزر گیا بعدہ، لڑکی پیدا ہوئی مذکور عورت نے اس مکان کو اپنے خاوند کے اجناس میں اسباب کو بیچ کر مکان چھڑایا بعد مذکور عورت نے اس مکان کو بیچ ڈالا، لڑکے اور لڑکی کی پرورش اس کے ماموں نے کی، بعد میں عورت بھی اور لڑکا بھی گزر گیا فقط صغیر لڑکی مذکور مریم بی حال عاقلہ بالغہ ہوئی ہے اور اپنے والد کی میراث طلب کرتی ہے، سوال اتنا ہے کہ ماں کو بچوں کی پرورش کا حق تھا نہ کہ صغیرہ کا ورثہ بیچ ڈالنے کا یہ خلاصہ کی شرع موجب ضرورت ہے۔

الجواب:

اگر عورت کا مہر ترکہ کو محیط تھا اور اس نے وہ مکان اپنے مہر میں لے لیا کہ اور کوئی سبیل اس کے ادا کی نہ تھی تو وہ بیع جائز ہے ورنہ ورثہ کا دعوی اس پر پہنچتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۲: از علی گڑھ مسئولہ جناب آل احمد خلف سید صفدر علی صاحب پیشکار چونگی ۲۴ جمادی الاولٰی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مجمع میں یہ کہا کہ تم گواہ رہو میں نے

فلاں عورت غائب کا اس مرد حاضر سے نکاح کردیا اور یہ شخص نکاح کرنے والا اس عورت کا شرعی ولی نہیں ہے اور پھر اس عورت کو اس طرح نکاح کردینے کی خبر پہنچی اس عورت نے اس کو قبول و منظور کرلیا تو کیا یہ نکاح جائز و مکمل ہوجائے گا اور اگر مہر کی تعداد بیان نہیں کی گئی کہ کس قدر مہر واجب ہوگا؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اگر اُس مرد حاضر نے اسی وقت قبول کرلیا تھا تو یہ نکاح نکاح فضولی ہوا بشرطیکہ یہ مرد حاضر اس عورت کا کفو ہو نسب، مذہب، چال چلن، پیشے کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے اس عورت کا نکاح عورت کے اولیاء کے لئے باعث ننگ و عار ہو، یا عورت کوئی ولی رکھتی ہی نہ ہو، ان صورتوں میں جبکہ عورت نے خبر پاکر اس نکاح کو قبو کرلیا نافذ و تام ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

الفضولی کل تصرف صدر منه کتزویج اوطلاق وله مجیز حال وقوعه انعقد موقوفا۔[1]	فضولی سے جو تصرف صادر ہو جیسے کسی کی شادی کرنا یا طلاق دینا اور اس کے وقوع کے وقت کوئی اس کی اجازت دینے والا موجود ہو تو اس کا انعقاد موقوف ہوجاتا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای علی اجازۃ من یملك ذٰلك العقد۔[2]	یعنی اس شخص کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے جو اس عقد کا مالک ہے۔(ت)

ہاں اگر جس سے نکاح ہوا کفو بمعنی مذکور نہ تھا اور عورت کا کوئی ولی زندہ تھا اور اس نے پیش از نکاح شخص مذکور کو غیر کفو جان کر صراحۃً اس نکاح کی اجازت نہ دی تھی تو یہ نکاح سرے سے باطل ہوا، عورت کی اجازت سے جائز نہیں ہوسکتا، درمختار میں ہے:

یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم	غیر کفو میں اس کے بالکل عدم جواز کا فتوی دیا جاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] الدرالمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۵

[3] الدرالمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

مسئلہ ۱۸۳: از بزم حنفیہؒ خواجگان منزل لاہور مسئولہ محمد عبدالحمید صاحب قادری رضوی ۲۴ جمادی الاولٰی
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نامی قمرالدین عرصہ ۴۰ یوم سے وفات ہوگیا ہے اب ذیل ورثاء موجود ہیں اس کاترکہ کس طرح تقسیم ہوناچاہئے۔ بینواتوجروامذہب حنفیہؒ

قمرالدین

زوجہ اخ اخ اخت اخت اخ الاب

(۱) زوجہ میت کی اس کی تمام پسماندہ جائداد پر قبضہ کر بیٹھی ہے۔
(۲) میت نے کس قسم کی کوئی جائداد کے متعلق وصیت نہیں کی ہے۔
(۳) اخ ۲ مرحوم بھائی کے مکان میں ہی رہائش پذیراوراس کے تمام کاروبار میں اس کامعاون ومددگار رہاہے، حضرت سلامت اس مسئلہ کولاہور کے کسی مفتی نے ہاتھ نہیں لگایا۔لہذا بزم حنفیہؒ لاہور کے معرفت حضرت قبلہ مدظلہ العالی کے دارالافتائے اہلسنت وجماعت میں بھیجاجاتاہے، صورت متنازعہ محظور ہے لہذا جواب باصواب سے جلدی ممنون فرمایاجائے۔

الجواب: زوجہ کامہر جتناواجب الاداہے اگر کل متروکہ شوہر کے برابر یااس سے زائد ہے تواس کاکل متروکہ پر قبضہ کرناایک دعوی صحیح کی بناء پر ہے جب دین جائداد مستغرق ہوتوجب تک ادانہ کرلے اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔

قال تعالٰی "مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ تُوصُونَ بِهَآ أَوۡ دَيۡنٖۗ"۔[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا اس وصیت کے بعد جو تم کرجاتے ہو یاقرض کی ادائیگی کے بعد۔(ت)

ہاں وارثوں کویہ حق ہے کہ اگرجائداد دینے پرراضی نہ ہوں مہراپنے پاس سے استحساناً اداکردیں اس وقت عورت کولازم ہوگا کہ جائداد چھوڑدے اور صرف اپناحصہ شرعی لے اوراگراس کے لئے کوئی مہرواجب الادانہ رہایاجتناہے وہ قدر متروکہ سے کم ہے توکل جائداد پراس کاقبضہ کرناظلم ہے کہ دین غیر مستغرق مانع ملک ورثہ نہیں۔ جامع الفصولین واشباہ ونظائر

---
[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

وغیرہما میں ہے:

لواستغرقها دین لایملکها بارث الا اذا ابرأ المیت غریمه اواداه وارثه بشرط التبرع وقت الاداء امالواداه من مال نفسه مطلقًا بشرط التبرع اوالرجوع یجب له دین علی المیت فتصیر مشغولة بدین فلایملکها۔[1]	اگر قرض میت کے ترکہ کو محیط ہوتو کوئی اس ترکہ کا بطور میراث مالک نہیں بنتا مگر یہ کہ جب قرضخواہ میت کو قرض سے بری کردے یا میت کا کوئی وارث ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط کے ساتھ اس قرض کوادا کردے، ہاں اگر کوئی اپنے مال سے اس قرض کو ادا کردے بغیر تبرع یا رجوع کی شرط کے، تواس کے لئے میت پر قرض ثابت ہوجائے گا تواس طرح ترکہ قرض میں مشغول ہوجائے گا۔ چانچہ وارث اس کامالک نہیں بنے گا۔ (ت)

نیز اشباہ میں ہے:

للوارث استخلاص الترکة بقضاء الدین ولو مستغرقا۔[2]	وارث کواختیار ہے کہ وہ قرض اداکرکے ترکہ کو چھڑالے اگرچہ قرض ترکہ کو محیط ہو (ت)

خلاصہ میں ہے:

المرأة تاخذ مهرها من الترکة من غیر رضی الورثة ان کانت الترکة دراهم اودنانیر وان کانت الترکة شیأ یحتاج الی البیع فتبیع ماکان یصلح وتستوفی صداقها ان کانت الوصیة من جهة زوجها اولم تکن۔[3]	عورت اپنا مہر وارثوں کی رضامندی کے بغیر ترکہ میں سے لے سکتی ہے اگر ترکہ درہموں یا دیناروں کی صورت میں ہو۔ اور اگر ترکہ ایسی شیئ ہے جس کو بیچنے کی ضرورت ہے تو وہ اس چیز کو بیچ لے جس میں بیع کی صلاحیت ہے اور اپنا مہر پورا وصول کرلے، شوہر کی طرف سے اس کی وصیت ہو یا نہ ہو۔ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۰۴

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوصایا الفصل السابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۲۱

ردالمحتار میں ہے:

قال الحموی فی شرح الکنز نقلا عن العلامۃ المقدسی عن جدہ الاشقر عن شرح القدوری للاخصب ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس کان فی زمانھم لمطاوعتھم فی الحقوق و الفتوی الیوم علی جواز الاخذ عند القدرۃ من ای مال کان۔[1]	حموی نے کنز کی شرح میں علامہ مقدسی سے نقل کیا انہوں نے اپنے دادا اشقر سے اخصب کی شرح قدوری کے حوالے سے ذکر کیا کہ خلاف جنس سے اپنا حق لینے کا عدم جواز متقدمین کے زمانہ میں تھا کیونکہ وہ حقوق میں شریعت کی اطاعت کرتے تھے۔اور آج کے دور میں فتوی اس پر ہے کہ جس مال سے بھی حق وصول کرنے پر قادر ہو اس کا لینا جائز ہے۔(ت)

بہر حال جس صورت میں یہ ترکہ ورثہ کو پہنچے حسب شرائط فرائض ۸ سہام کئے جائیں دو زوجہ کو اور دو دو ہر بھائی اور ایک ایک ہر بہن کو اور اخ للاب یا اخ لاب یعنی چچا ہو یا سوتیلا بھائی وہ کچھ نہ پائے گا۔**واللہ تعالٰی اعلم**

نوٹ

جلد ۲۵ کتاب المداینات سے شروع ہو کر کتاب الوصایا

کے عنوان پر ختم ہوئی، جلد ۲۶ ان شاء اللہ کتاب الفرائض سے شروع ہوگی۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵